

خزینہ ذوق عبرت کا ہے گنج شوق حسرت ہے
عجب کچھ منظر دلکش طلسم جزو فطرت ہے

تاریخ اودھ

حصہ سوم
(جبین)

نواب آصف الدولہ کی مسند نشینی سے وزیر علی خان پسر لطفی آصف الدولہ کے عزائم نصب تک کے کلائقات
آصف الدولہ کے ایک حرکات کے چھ راہوں کا انکشاف دوست کندہ حالات۔ انکی عجیب غریب
ساخت اور بیجا دلائلی اسرار۔ آصف الدولہ کی اپنی مان یعنی ہو بیگ کے ساتھ سختی معاملات و
سودا بی و حکمت۔ انکی صحبت میں پوراج اور ذلیل لوگوں بھڑوں کی مداخلت اور نواب وزیر کی
ان سے صحبت۔ وزیر علی خان ایک خادمہ کے لڑکے کا آصف الدولہ کے انتقال پر مسند نشین سلطنت ہونا اور
چار ماہ تک حکومت کر کے اپنی نالائقیوں کے ہاتھوں اور نیز اہلیت ظاہر ہو جانے پر سلطنت سے معزول
ہو کر در بدر بھوکریں کھاتے پھرنا اور انگریزوں سے برسر مقابلہ ہونا اور آخر کو قید ہو کر آنا اور حالت قید
ہی میں دنیا سے کوچ کرنا۔ اور اس کے عزل کے بعد نواب سادت علی خان کا سلطنت اودھ کے تخت پر
بیٹھنا اور حق بہ حق را رسد کا غلغلہ اٹھنا اور انگریزوں کا نواب وزیر سے نیا معاہدہ کرنا یہ تمام واقعات
حسرت اندوز سبق آموز درج ہیں

مصنف

جناب مولانا مولوی حکیم محمد نجم الغنی خان صاحب رامپوری مدظلہ اللہ القوی مصنف کتب متعددہ

باہتمام

کبیری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

۱۹۱۹ء

مطبع منشی قاسم علی خان پسر لطفی پورہ



نواب آصف الدولہ بھٹی خان بہادر ہنر جنگ

ان کا نام مرزا بھٹی خان اور عرف مرزا امانی تھا اور آخر سال ۱۱۸۰ ہجری میں
 امیر الزہرا بیگم المخاطب بہ جناب عالیہ بہو بیگم بنت مومن الدولہ محمد اسحاق خان
 شوستری کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ صاحبزادگی میں انکو شاہ عالم نے
 عمدہ میراثی اور غسل خانے کی خدمت دی تھی ان کا تلے کا دھڑ اور پرکے
 دھڑ سے چھوٹا تھا اس وجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے ہاتھی اور
 پالکی پر سوار ہوتے تھے قوت حافظہ نہایت قوی تھی جسکو ایک نظر دیکھ لیا پھر
 وہ چیز ان کے ذہن سے نہیں اتر سکتی تھی تعزیر داری دھوم دھام سے کرتے
 تھے جس دوکان میں سر بازار تعزیر ملاحظہ کرتے تو اُدھر سے پیادہ پا نکلتے۔ کم سے
 کم پانچ روپے اور زیادہ سے زیادہ ہزار روپے نذر کرتے تھے کبھی لاکھ روپے کا
 ہر سال محرم میں خرچ تھا۔ بسنت و جشن وغیرہ میں بھی ہر سال لاکھوں روپے
 صرف کرتے تھے اُن کے باورچی خانے کا صرف روزانہ بائیس سو روپے سے زیادہ
 تھا جب ہاتھیوں کے ٹھکار کو جاتے تو اُن کے ہمراہی چالیس چالیس ہاتھی باندھ لاتے۔

مقرر ہوئے آدابِ نشست و برخاست اور تعلیمِ حرکات و سکنات بتاواں ان کا کام تھا ان کا بیٹا صاحبزادے کی خدمت مبارک میں دن بھر حاضر رہتا وہ فرج بخش کے مولف سے بیان کرتا تھا کہ فصل و موسم میں ہر قسم کے میوے دین اور پھلوں کی ڈالیاں روز لاکر ان کے سامنے رکھتے تھے ایک دن اتالیق نے عرض کیا کہ زمین سے جوں سی چیز کی طرف رغبت خاطر عالی ہو سکی طرف میل فرمائیے! موجود کیہ خدمتگار حاضر تھے خود چھپٹ کر شکر قند اٹھا لیا اور دیر تک ہاتھ میں کھکھرا جلاں کی طرح اُس سے بازی کرتے رہے۔ اتالیق نے کہا کہ امیر زادے اسی ذلیل چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے نہ اس میں کوئی فروہ ہے نہ صورت اچھی ہے پھینک دیجئے کبھی باتراکید کی مگر نہ پھینکا۔ اتالیق نے خود زور سے چھین کر پھینکا اور باغبانوں کو حکم دیا کہ شکر قند اور کیلے کی قسم سے کوئی چیز ڈالی میں نہ لگایا کریں۔ یہاں تک کہ سن شباب کو پہنچے اگرچہ کسی قدر حرف آشنا ہو گئے لیکن میلان خاطر صرف اہویات کی طرف یوں مایوسانہ غالب تھا۔ پدر و لاگہ کبھی کبھی اپنے پاس بلا کر تربیت کا امتحان لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ صاحبزادے کی اصل طینتِ طبیعت ایسے خلاف دستور کاموں کی طرف متوجہ ہے جو امیر زادوں کی وضع سے بہت دور ہیں دست تاسف ملتے تھے چونکہ بیگم کی پاسداری خاطر غالب تھی زبان سے کچھ نہ کہتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ ادیب موقوف ہوئے۔ اور صاحبزادے کے چہرے پر سبزے کا آغاز ہوا اب باپ نے مصاحب و رہنشین آداب دان اُنکے پاس حاضر باشی کے لیے مقرر کیے تاکہ خراب اور واہی باتوں سے بچا کر ملک ستانی کے اُمین۔ آراستگی و فحج کے دستور و شمیر زنی و شجاعت کے

حلیہ شریف مزاج مبارک تعلیم و تربیت

محمد فیض بخش ساکن کاکوری نے فرج بخش مین اپنی چشم دید آپ کا حلیہ اور مزاج مبارک غیر اس طرح لکھا ہے۔

(حلیہ مبارک) چہرہ پر وجاہت تھی نقشہ چہرے کا کسی قدر باپ کے چہرہ سے ملتا ہوا تھا۔ اوپر کا دھڑ بڑا تھا اور تلے کا دھڑ کمر سے پاؤں تک کسی قدر چھوٹا تھا جب بیٹھ جاتے تو معلوم ہوتا کہ خوش قامت جوان ہیں۔ جب کھڑے ہوتے تو آدمیوں کی کمر تک پہنچتے چھٹپن سے بدن فرہ تھا۔ کان اور گردن اور غنغباہم گوشت کا ایک قطع معلوم ہوتے تھے۔ انگلیاں اور ہاتھوں کی ہتیلیاں موٹی اور کوتاہ تھیں۔

(مزاج ہمایون) طفلی سے مزاج شریف اور ولع کی طرف مائل تھا۔ مردم پولج کے ساتھ صحبت مناسبت رکھتی تھی اسی لیے رذیل۔ سفہ اور دون ہمت لوگوں کی ہم نشینی زیادہ پسند تھی۔ بے محل ہنسنا۔ گالی دینا۔ اور پھر فحش کلام کے جواب کا ترکی بتر کی طالب رہنا۔ یعنی کھیلون کی طرف رغبت رکھنا جس شخص کی زبان فحش کلامی کی عادی ہوتی اُس سے نہایت محفوظ ہونا محفل میں زیادہ تر کلمات فسق کو پسند کرنا طبعی خاصہ تھا۔

(تعلیم و تربیت) جناب والا کو جب کتب میں بٹھایا تو معلوم وادب اور خوشنویس حاضر ہوئے۔ سید شرف الدین خان محمد شاہی ایک نہایت مہذب و دانائے عصر آدمی تھے انھوں نے محمد شاہ کے جٹوں میں آداب مجلس سکھے تھے۔ اناجی

اطباءے حاذق کو ارشاد کیا کہ دوا کر کے صلاح کریں۔ اگرچہ فی الجملہ قوت باہ تھی لیکن کسی کی کوشش اور سعی سے پورا فائدہ نہوا کیونکہ جب کوئی عمدہ نسخہ ضما و دطلاع کا طبیب بنا کر حاضر کرتے تو ان کے سامنے لگا لیتے اور خلوت میں جا کر دور کر دیتے۔

ایک راز کا انکشاف

سیر المتاخرین میں جب میں نے یہ بات دیکھی کہ جس فعل کے ساتھ آصف الدولہ کو عوام مٹھم کرتے ہیں وہ انکی ظاہری وضع سے پایا نہ جاتا تھا بلکہ نہایت دو معلوم ہوتا تھا اس بات کا مطلب عرصے تک صاف نہوا جبکہ محمد فیض بخش کی کتاب میں نے دیکھی تو اس بات کی تہ کو پہنچا وہ لکھتا ہے کہ آصف الدولہ کے دل میں اکثر یہ بات گذرتی تھی کہ اگر ماں باپ کا خوف اٹھ جائے تو بکشادہ پیشانی جو کچھ دل میں آئے وہ گر گر میں ان کے پیر والا گھر نے چند مرتبہ خبر دہندوں اور خواجہ سرائوں سے جو صاحبزادے کی خدمت میں متعین تھے حقیقت حال معلوم کر کے ان کو بہت کچھ دھمکایا اور ڈرایا اور ان کے بوضع ہنشینوں میں سے بعض کو جس دہائی کی سزا دی۔ بعض پولج خیرہ سرکوراتوں میں دریا میں ڈبوادیا لیکن باوجود اس انتظام کے مزاج مبارک نے جادہ بے اعتدالی سے تجاوز نہ کیا۔

اس بیان سے سیر المتاخرین کی یہ شرح معلوم ہوتی ہے کہ آصف الدولہ کے بد وضع ہم نشین خلاف وضع فطری کام میں رہتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کو جس دام و غرق دریا کی سزا کیوں دی جاتی پاس سے نکلو ادینا کافی تھا مشعل الدولہ کو اتنی غیرت آنا صیانت دالالت اس مطلب پر کرتا ہوا اگر صاحبزادے

تواضع۔ داد و دہش کے ضوابط۔ عدالت و انصاف کے آداب مروت و حیا کے
برتاؤ و تباہیں۔ تیر اندازی و بندوق زنی کی مشق کر لیں اور جتنے لوازم امارت
و ریاست کے ہیں اُنکے سکھانے میں دقیقہ فرو گذشت نہ کریں۔ رات دن ان
مصاحبوں کی یہی کوشش تھی جب عمر کا ایک بڑا حصہ ان غفلتوں میں بسر ہوا تو
صاحبزادے کو تین تین باتیں بخوبی آگئیں ایک سخاوت دوسرے تیر اندازی
تیسرے بندوق زنی باقی ہر کام میں کچھ بھی نہیں ہوئے اور سخاوت تو اتنا
جو ہر ذاتی ہو گئی کہ فضول خرچی اور سرقی کے درجے کو پہنچ گئی۔ مزاج میں
بے مروتی اور نا آشنائی نے اتنا غلبہ کیا کہ جن لوگوں سے بے حد مانوس ہوتے
اور اُنکی جذباتی ایک منٹ کو گوارا نہ ہوتی اگر اُن سے تھوڑی سی حرکت بھی مزاج
کے خلاف سرزد ہوتی یا کوئی نصیحت کی بات کہہ دیتے تو اتنی طوطا چٹپی کرتے
کہ پایہ اعتبار سے گرا کر پاس سے نکال دیتے۔

بیابان - قوتِ رجولیت

جب بیاہ کی نوبت پہنچی تو شجاع الدولہ نے کمال تنہا کے ساتھ قمر الدین خان وزیر اعظم محمد شاہ کی بیگم شولاپوری کو دہلی سے طلب کیا اور ان کے دوسرے بیٹے جنظام الدولہ خان خانان کی بیٹی شمس النساء بیگم کے ساتھ کمال طعنا کے ساتھ بیاہ کیا۔ اس کام میں لاکھوں روپے خرچ ہوئے لیکن زناشوئی کی نوبت نہ پہنچی۔ کبھی آصف الدولہ کے دل کو التفات جیسا کہ عالم کی رسم ہے نہ ہوا ایک رات بھی ٹھٹھن سے بچو اب نہ ہوئے اس وجہ سے ان کے باپ کے دل کو بے حد ملال پیدا ہوا

[illegible]

میری عمر بھر کی کمائی ہے اور آپ کے نزدیک شجاع الدولہ کے تمام بیٹے برابر ہیں“
 بڑی ہنسی سے فرمایا کہ میں نے تو وہ بات بتائی جو مجھے بہتر معلوم ہوئی اب تم جانو
 تمہارا کام جانے“

نواب آصف الدولہ کا مسند نشین ہونا

۲۴۔ ذیقعدہ ۱۱۸۰ھ ہجری روز پنجشنبہ کو شجاع الدولہ کا جام ہستی بسر نہ ہوا
 اور تجہیز و تکفین کے بعد اُن کے جنازے کو دفن کرنے کے لیے لے چلے۔
 مرزا علی اور سالار جنگ بھی جو آصف الدولہ کے حقیقی لمون تھے دفن کرنے کے لئے
 جنازے کے ساتھ گئے سیرالتماخین میں لکھا ہے کہ آصف الدولہ نے اپنی منشی
 کی تعجب کے لیے اپنے محران اسرار اُن کے واپس لانے کو روانہ کیے اول تو انھوں
 نے دنیوی شرم و لحاظ کر کے مراجعت سے عذر ظاہر کیا مگر جب باو آصف الدولہ
 کا تاکید حکم صادر ہوا کہ ضرور حاضر ہوں اُس وقت دونوں بھائی مجبور ہو کر واپس
 ہوئے اور اُن کے واپس ہوتے ہی اور لوگ بھی خوشامد کی راہ سے جنازے کا
 ساتھ چھوڑ چھوڑ کر چلے آئے آصف الدولہ نے بعد تنقیح مصلحت کے نواب ممتاز الدولہ
 کنسل کلیس اور مسٹر کنوی کو جو اہالیان کمپنی کی طرف سے نامور تھے اور شجاع الدولہ
 کی مصاحبت میں رہا کرتے تھے طلب کر کے کہا کہ تاخیر مناسب نہیں شیت ایزوی
 سے کیا چارہ ہے اب مصلحت یہی ہے کہ مجھے مسند حکومت پر جانشین کرو اول
 سرداران مذکور نے عجلت مناسب سمجھی باتوں میں آصف الدولہ کی تسلی کر کے انجام کار

۲۴۔ ذیقعدہ ۱۱۸۰ھ ہجری روز پنجشنبہ لکھا ہے ۱۲ دیکھو قصیر التواریخ ۱۲

خود خلافت وضع فطری کام کا ارتکاب کرتے ہوتے تو مفعول لڑکون کو یہی سخت
سزا میں ندی جاتین اور خاص کر ضعیف الباہہ شخص فاعل نہیں ہو سکتا ہے
اُن کو اگر قاعلیت کا شوق ہوتا تو دو اُون کے استعمال سے قوت باہ کے اضافہ
کی طرف ضرور رغب ہتے کمزور باہ والا آدمی دوسرے پر قادر کب ہو سکتا ہی
مفتاح التواریخ میں تو تصریح کر دی ہے کہ آصف الدولہ میں رجولیت ہی نہ تھی
پھر مجھے تعجب ہے کہ اُن کے نطفے سے دو بیٹوں کا ہونا کیون بیان کیا جاتا ہے۔

آصف الدولہ کی مندر نشینی کے وقت انکی وادی کا نہایت مناسب مشورہ دینا

جب شجاع الدولہ رگڑے عالم ملک آخرت ہوئے تو نواب عالیہ صدر جہان
والدہ شجاع الدولہ نے اپنے بیٹے کی بی بی اپنی بہو کو صلاح دی کہ آصف الدولہ
تمہارے حقیقی بیٹے ہیں انکی عمر گو ۲۶ سال کی ہے مگر اب تک ایسے لہو و لعب کی
طرف رغب ہیں جو شان امارت کے خلاف ہے آئین و تمکین و بند و بست
اور کار ہائے امارت میں غور و غوض کی بوجہی اُن کے دماغ کو نہیں لگی ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھ سے یہ تمام سامان جو تمہارے شوہر نے جمع کیا ہو تھوڑے
سے عرصے میں خراب و برباد ہو جائے گا اس لیے یہ مناسب ہے کہ آصف الدولہ
کو برائے نام مسند پدر پر بٹھا دیا جائے اور مرزا سعادت علی خان کو جو ایک لائق
فائق نوجوان ہیں اُن کا نائب بنایا جائے عیضا بعالیہ والدہ آصف الدولہ نے
جواب دیا کہ میں نے عمر بھر میں یہ ایک ہی بیٹا پایا ہے بڑا یا بھلا جیسا بھی ہے

تاریخ مسند نشینی

گشت از پابے آصف الدولہ رونق مسند وزارت ہند
دیگر

در بست و چہارمین زماہ ذیقعدہ
اعنی کہ مسند وزارت نشست
ہم دولت آصف و سہمی یحییٰ
منصور۔ شجاع و مثل صفد و جنگ
شد بے سرحد سال تاریخ جلوس
سید مرتضیٰ خان جو ایام صاحبزادگی سے میر سامان تھے آصف الدولہ نے اُن کو
اپنا نائب بنایا اور مختار الدولہ ہیبت جنگ خطاب دیا۔ سیر لہتا خرمین میں لکھا
ہے کہ ہفت ہزاری منصب اور نوبت اور ماہی مراتب بھی عطا کیا اور جرنیلی کا
عہدہ اُن کے بڑے بیٹے مرزا بزرگ کے نامزد کیا اور اقبال الدولہ خطاب یا اولہ
اس عہدے کی نیابت خوشحال رائے سپرنٹنڈنٹ کی اور عہدہ
نظارت خانسانانی تحسین علی خان اور آفرین علی خان خواجہ سرلون کے سپرد کیا۔
تاریخ شاہیہ نیشاپور یہ مین ہے کہ سب امرائے جو فیض آباد میں تھے مسند نشینی
کی نذرین دکھائیں مگر امر اور خانہ نشین ہو گیا اور کہا کہ میں فقیر ہوں اسباحت
کرونگا۔ نواب آصف الدولہ یہ خبر سن کر ایک دن اُسکے گھر گئے اور اپنا لہادہ لے کر
دلجوئی کی اُسی دن پل اسماعیل گنج کی تعمیر کا حکم دیا۔

محمد فیض بخش کہتا ہے کہ آصف الدولہ نے خلعت نیابت کے ساتھ مختار الدولہ

نظر فرمائی۔ مگر جب آصف الدولہ نے عجلت ظاہر کی اور یہ بھی وعدہ کیا کہ در صورت جلد ہو جانے ہماری مسند نشینی کے بہت سارے پیہ آپ لوگوں کو دیا جائے گا۔ انھوں نے سوچا کہ اول تو شجاع الدولہ کا بڑا بیٹا اور بموجب آئین وراثت کا بھی مستحق ہے دوسرے ہمارا کچھ نقصان نہیں بلکہ ہمارا فائدہ ہوتا ہے پس اس خیال سے دستار ریاست اُن کے سر پر باندھ کر اُن دونوں انگریزوں نے تنہایت ادا کی اعیان دولت حاضر ہوئے اور تقارچی بھی جنازے کی ہر اہی چھوڑ کر نو تنجائے میں آئے۔ ہنوز باپ کی لاش دفن بھی نہ کرنے پائے تھے بلکہ قبول محمد فیض بخش انکی لاش نقار خانے کے دروازے تک پہنچی تھی کہ نوبت خانے سے شادیا نے کی آواز بلند ہوئی اور کوئی جھگڑا انکی جانشینی کے واسطے نہیں کھڑا ہوا کیونکہ کوئی اور مدعی سلطنت نہ تھا لیکن تاریخ تیموریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سبھون نے آصف الدولہ سے عرض کیا تھا کہ مسند نشینی میں جلدی کرنی چاہیئے اور نواب نے اس امر کو فتوت و کرم سے دیکھا تھا کہ ابھی تو باپ کا جنازہ پڑا ہوا ہے اور خود مسند نشینی کے مراسم ادا کریں۔ دولت خواہوں نے دیکھا کہ ساعت سعید بھلی جاتی ہے اس لیے کرنیل کلیس کو باکر بیان کیا کہ دیر مناسب نہیں مشیت ایزدی جاری ہوگئی اب یہی بہتر ہے کہ صاحبزادے کو مسند آرا کر دیا جائے کیونکہ یہی باپ کے ولیعہد اور ریاست کے مستحق ہیں چنانچہ ابھی نواب مرحوم کی نعش زمین میں سو پنے بھی نہ پائے تھے کہ بضرورت نواب سالار جنگ ورنواب مزار علی خان نے تابوت کی مشایت سے مراجعت کی اور دارالامارت میں آکر آصف الدولہ کو شجاع الدولہ کا جانشین بنا دیا کہان ماتمکا شور تھا کہان مبارکباد اور شادمانی و تہنیت کا غلغلہ مچ گیا۔

پرگنہ موہنہ باڑسی قلم و لکھنؤ میں اُنکو جاگیر بھی ملی سید مصطفیٰ اپنی جاگیر کو نواب
برہان الملک کے ساتھ آئے سید احمد کا لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔ مقبرہ اُن کا
راج گھاٹ میں دریائے گومتی کے کنارے تعمیر ہوا سید مصطفیٰ صفدر جنگ کے
عہد میں شیرکوٹ اور گنیمہ وغیرہ کے حاکم تھے اور وہ سید مصطفیٰ کی بہت عزت
کرتے تھے اور صنادید عرب اور سیرادہاے برہان الملک سعادت خان سے جا
تھے لیکن محض بخش کی کتاب فرج بخش سے معلوم ہوتا ہے کہ صفدر جنگ کے
دل میں اُنکی طرف سے کدورت لگئی تھی وجہ اسکی یہ ہے کہ اُنکی زبان سے ایک قاتل
بات شجاع الدولہ کی والدہ کی نسبت مکل گئی تھی اور وہ بات رفتہ رفتہ بیگم کے کافون
تک پہنچ کر اُنکی ناخوشی کا موجب ہوئی تھی چونکہ محمد شاہ بادشاہ دہلی زندہ تھے اور یہ لوگ
بادشاہ سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ہتھام لینا مناسب نہ سمجھا بات کو دل میں رکھا
جب محمد شاہ مر گئے اور احمد شاہ گرفتار ہو گئے اور نواب صفدر جنگ اور مصطفوی خان
نے بھی دنیا سے کوچ کیا اور شجاع الدولہ باپ کی جگہ فرمان روا ہوئے تو انھوں نے
مصطفوی خان کے بیٹوں کو اپنے ملک سے نکال دیا۔ یہ لوگ بنگالے کی طرف چلے
گئے بعض کہتے ہیں کہ خود سید مصطفیٰ شجاع الدولہ سے زیارت عبات عالیات کی
اجازت لیکر جہاز میں سوار ہونے کے لیے بنگالے کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ
اُس زمانے میں انگریزوں اور فرانسیسوں میں لڑائی جاری تھی اس لیے اُدھر سے
راستہ بند تھا مجبوراً بنگالے میں قیام کیا قاسم علی خان عالیجاہ والی مرشد آباد نے
قدر دانی کی سید مصطفیٰ کا بنگالے میں انتقال ہو گیا۔ اُن کے کئی بیٹے تھے

کو جھالدار پالکی اور ہاتھی تقریباً عماری و سائبان دار اور دو سر سامان امارت جیسے
 باہی مراتب وغیرہ جو بادشاہی سرکار کے ہفت ہزار یون کو دیا جاتا ہے عطا
 کیا خواجہ سرونگی زبانی انکی دادی کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئیں اور
 اپنی سرکار کے ناظر محرم علی خان کو حکم دیا کہ اسی وقت جا کر تمام سامان مختار الدولہ
 سے چھپن لائے اور آصف الدولہ کو سامنے بلا کر جو کچھ دل میں آیا سخت دھڑت
 کہا محرم علی خان حکم کے بموجب روانہ ہوا ایک ساعت کے بعد آصف الدولہ نے
 محل سراے سے برآمد ہو کر منع کر دیا چونکہ مسند ریاست کے مالک ہو چکے تھے
 محرم علی خان باز رہا اور بیگم صاحبہ سے جا کر عرض کر دیا کہ حضور کے ارشاد کے بموجب
 ہاتھی لیکر ہاتھی خانہ میں بندھوا دیا اور پالکی پالکی خانہ میں پہنچا دی۔

حسب نسب ترضی خان المناطبت مختار الدولہ

میر ترضی عرف آغا خانی بن میر محمد باقر بن مصطفیٰ المناطبت مصطفوی خان
 بن سید احمد الملقب بہ طباطبا خان سادات صحیح النسب ایران سے ہیں سید حمزہ شاہ
 کے عہد میں ایران سے بھگلہ اپنے بیٹے مصطفیٰ کو ہمراہ لیکر ہندوستان میں آئے تھے
 اُس زمانہ میں بہادر شاہ بن اورنگ زیب کا عہد حکومت تھا دلی میں موسوی خان
 کے گمان ہوئے اور فرخ سیر کے عہد تک یہاں رہے نواب برہان الملک کے ساتھ
 ولایت سے شناسائی رکھتے تھے اُن سے ملاقات کر کے فرخ سیر کی ملازمت سے
 مشرف ہوئے نواب برہان الملک کی بیگم نے ایک سید کی لڑکی قریب بیگم نام پالی
 تھی وہ لڑکی سید مصطفیٰ کے ساتھ منعقد کر دی ایک لاکھ روپے کا جہیز عطا کیا اور

حضور میں لنگئے وہ بیٹے کی اس حرکت سے بہت بے دماغ ہوئے اور فرمایا کہ
کیون اس شخص کو جہاں سے پاس لائے لیکن زیادہ کاوش نکلی کیونکہ اس وقت میں
میر مرتضیٰ کا کیا مقدور تھا اور کون سے کاروبار انکے ہاتھ میں تھے۔

محمد فیض بخش کہتا ہے کہ یہ بات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ جب شجاع الدولہ
فتح الدولہ گلہند سے واپس ہوئے اور آنولے میں مقام کیا تو یہاں سے کوچ کے وقت
ایک ندی کے پل پر پیادہ و سوار ہاتھی گھوڑوں اور ہیر وغیرہ کا ہجوم تھا۔ اُس
میدان میں لوگوں اور سوار یوں کی ایسی کھچا کھچ تھی کہ اگر کوئی سوار یہ چاہتا
کہ گھوڑے کا منہ پھیر کر پیچھے کو لوٹ جائے تو یہ بات بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی
نواب شجاع الدولہ عمار فیل پر بیٹھے ہوئے بہو نگیم صاحبہ اور دوسرے محلات کی
سوار یوں کے عبور کے لئے اہتمام کر رہے تھے۔ اس اثنا میں آصف الدولہ ہاتھی کے حوض
میں سوار اور غوصی میں انکی سید مرتضیٰ بیٹھے ہوئے بے تامل لوگوں کو ریت پلٹتے
افتان و خیزان اُدھر آئے اور اس بات کا ذرا دل میں خیال کیا کہ آدمیوں کی کثرت
ہے ہاتھی کے صدمے سے پاؤں مال ہوئے جاتے ہیں فیض بخش جواہر علی خان کے
ہاتھی کے حوض میں بیٹھا ہوا پہلے سے وہاں موجود تھا جواہر علی خان نے
ہاتھی کو بٹھا کر چاہا کہ سلام کریں مگر اُس کا موقع نہ ملا۔ آصف الدولہ تھوڑی دیر کے
بعد آہستہ آہستہ باپ کے ہاتھی کے قریب پہنچے اور اُن کو سلام کیا یکا یک نواب
کی نگاہ سید مرتضیٰ پر پڑی تیز و تند نظر سے اُن کو دیکھ کر مونچھوں پر ہاتھ ڈالا جب
کئی بار مونچھوں کو تاؤ دیا تو سید مرتضیٰ ہم گئے قریب تھا کہ باپ بجائے میں پیشاب
کھنک جائے اور عجب نہیں کہ کھل گیا بعد میں علی خان خواجہ سرگھوڑے پر سوار

(۱) سید صاحب جوہیاری بگیم زوجہ مختار الدولہ کا باپ ہے (۲) سید کرم (۳) میر محمد باقر (۴) میر محمد طاہر۔ ان محمد طاہر کے چار بیٹے تھے (الف) میر محمد نصیر (ب) محمد سعید (ج) میر بابا (د) محمد شفیع اور میر محمد باقر کے تین بیٹے تھے ایک سید محمد خان اقتدار الدولہ دوسرے سید مرتضیٰ خان مختار الدولہ تیسرے سید اسماعیل نصیر الدولہ معزز خان پنجاب میر قاسم خان نے انگریزوں کے ہاتھ سے ہریت پائی تو مصطفیٰ خان کی اولاد بھی جاگیر ضبط ہو جانے کی وجہ سے لکھنؤ میں چلی آئی شجاع الدولہ نے ان کا کوئی بندوبست نہ کیا حال تباہ کے ساتھ کبھی لکھنؤ میں کبھی موہان میں رہتے تھے میر صدیق مصاحب آصف الدولہ کے توسط سے سید مرتضیٰ انکی سرکاری زمین نوکر ہو گئے۔ دوسری وجہ انکے ساتھ بدسلوکی کی یہ بھی تھی کہ میر مرتضیٰ اور ان کے بھائی قدیم سے مغوری و خود نمائی میں مشہور تھے اس سبب شجاع الدولہ کی نظروں سے گرے ہوئے تھے یہاں تک کہ نواب مرحوم نے علی العموم یہ حکم دیدیا تھا کہ مصطفیٰ خان کے بیٹوں کو کوئی اپنی رفاقت میں نہ لے اور اپنی صحبت میں نہ رکھے کسی بار نواب لارچنگ نے میر مرتضیٰ خان کی فلاکت و فلاس کا حال نواب شجاع الدولہ سے عرض کیا اور استدعا کی کہ ان کے جرائم کو معاف کیا جائے مگر نواب نے ان کو اپنے قرب میں لینے سے حذر کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے امن میں رکھے یہ ہمارے خاندان کے دشمن ہیں انکی ذائق سے فساد پیدا ہونگے۔ یہاں تک کہتے ہیں کہ نواب شجاع الدولہ آصف الدولہ سے بھی اس وجہ سے کبیدہ تھے کہ انھوں نے مرتضیٰ خان کو اپنے رفقا میں داخل کر کے خاک و گھٹا اور خاشاک کدورت سے ان کو صاف و پاک کر دیا تھا۔ ایک دن آصف الدولہ مرتضیٰ خان کو اپنے ساتھ نواب کے

محمد سعید خان کو بھی بھاری بھاری خلعت دیے اور منصب اور نوبت جاگیریں بھی انکی تمنا سے زیادہ بخشیں تمام ملک کے مالی جنگی اور تنظیمی امور کا مختار کل بنا دیا جس دن مختار الدولہ کو خلعت نیا بت ملا۔ ۲۵۔ ذیقعدہ ۱۱۷۰ھ تھی۔ شیو پرشاد نے فرج بخش میں لکھا ہے کہ آصف الدولہ کی سند نشینی سے ہفتے عشرے کے بعد ارکان دولت اور عزیز و اقارب کے مزاج میں اختلاف پیدا ہو گیا نواب موصوف کہ نہایت نیک طینت تھے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے کوتہ اندیشوں اور تجربہ کاروں کے اغوا سے اپنے باپ کے دولت خواہوں سے بظن ہو گئے اس وجہ سے ارکان دولت کے دلوں پر صدمہ پیدا ہوا اور ہر ایک نے اُن سے علیحدہ ہونے کی تدبیر شروع کی محمد علیج خان کہ نہایت معتمد شیر شجاع الدولہ کا تھا اور انگریزوں سے پہلے سے تعارف رکھتا تھا وہ اُن سے مل گیا اسی طرح اور نوکر بھی اپنی اپنی فکر میں مصروف ہوئے۔

سیر المتاخرین میں آیا ہے کہ مختار الدولہ کی نیابت ایسی حکمی کہ آصف الدولہ سے بجز نام کے کچھ ظاہر نہ تھا اسباب شوکت و کامکاری اور لوازم ملک ستانی و جہان بینی جتقد اس وقت نواب آصف الدولہ کی سرکار میں جمع تھا وہ تمام و کمال مختار الدولہ کے اختیار میں آگیا خزاہین و ردفات و جواہرات سامان و اسباب و ظروف و نقود و طلا و اسباب گرانہا سے ریاست مالا مال تھی۔ نواب برہان الملک سعادت خان اور نواب بولہنصور خان صفدر جنگ کے وقت سے جو کچھ جمع تھا اور شجاع الدولہ نے میر قاسم اور دروہیلون اور مرہٹوں کی شیطانی سے جو کچھ جمع کیا تھا وہ تمام مال اسباب اور جو کچھ نادرات ممالک بروم و شام اور چین و فرنگ کی جمع کی تھیں یہ تمام چیزیں

نواب شجاع الدولہ کے ہاتھی کے پاس کھڑا تھا مرتضیٰ خان اُسکے سلام کو سر پر ہاتھ رکھے تھے لیکن وہ منہ پھیر پھیر لیتا تھا تھوڑی دیر کے لیے جب فیض بخش نے دوسری طرف دیکھ کر پھر آصف الدولہ کے ہاتھی کی طرف دیکھا تو مرتضیٰ خان کو انکی خواہی میں نہ پایا یا تو خوف کی وجہ سے خود اپنے آپ کو تلے گرا دیا یا آصف الدولہ کے اشارے سے اتر گئے۔

مختار الدولہ کی نیابت کا زمانہ

تاریخ تیموریہ میں لکھا ہے کہ آصف الدولہ نے اپنے دربار کے حاضرین سے فرمایا کہ میں نے زمانہ صاحبزادگی میں عہد کیا تھا کہ جب مسند نشین ہونگا تو اول میر مرتضیٰ کو سرفراز کروں گا سب نے تسلیم خم کیا اُس وقت ایک گراں ہا خلعت جس میں برکسی جو امراے رفیع القدر سے مخصوص ہے اور سبز بیج مرصع اور حنیہ اور کلگی جس میں پر عقاب تھا اور موتیوں کی کنٹھلی اور ایک عمدہ ہاتھی جس پر نقرئی حوضہ و زینت کی جھول تھی اور ایک عمدہ گھوڑا جس پر طلائی ساز تھا اور بھالدار وہ پالکی جو شجاع الدولہ نے اپنی سواری کے لیے بنوائی تھی اور اسکی تیاری میں پندرہ ہزار روپے سے کم نہ خرچ ہوئے ہونگے بخشا یہ خلعت کسی طرح ایک لاکھ اور کئی ہزار روپے سے کم نہ تھا اور ہفت ہزاری منصب اور مختار الدولہ جلالت جنگ خطاب بخشا اور اہی مراتب اور نوبت بھی دی اور نوبت کے ساتھ یہ عزت بخشی کہ شرف اندوزی حضور کے زمانے میں بھی کجوا یا کریں کہ اُس وقت تک کسی امیر کو یہ اجازت نہ تھی اسی طرح مختار الدولہ کے بھائی سید معزز خان و سید محمد خان و

مجرئی کا پروانہ پہنچتا ہے۔ محمد ایچ خان یہ رنگ اور قدرت اتنی کا تماشہ دیکھ کر
متحیر ہو گیا۔

آصف الدولہ کو دادی کی نصیحت

مسند نشینی کے دوسرے دن نواب آصف الدولہ اپنی دادی اور ماں کے
پاس نذر پیش کرنے کو گئے، ماں تو انکی اپنے شوہر کے غم میں ایسی پریشان حال
تھیں کہ کچھ بات چیت نہ کر سکیں لیکن دادی نے جو اس درست کر کے نواب کی
اس حرکت پر کہ مقربان قدیم کو نظروں سے گرا کر نئے رفیقوں کو شریک مشورہ اور
مختار سلطنت بنایا ملامت کرنی شروع کی کہ یہ لوگ بالکل نا تجربہ کار ہیں اور
خیر خواہانہ طور پر نصیحت کی کہ جان بدار تمھارے باپ دادا نے بڑی کوشش کے ساتھ
ایسا لشکر جبار اور رفیقان تجربہ کار اور امرے کامکار اور بہادران نامدار و خیر خواہان
ہو شیا اور اسباب دولت و فحمت جمع کیا کہ آج تک کم کسی میس کے پاس فراہم
ہوا ہوگا اور ان لوگوں نے بہت سی کوشش کر کے اور خون جگر کھا کے کار سلطنت
کو رونق دی پس تم کو چاہیے کہ ریاست اور ملک رانی کا طریق اپنے ہوا خواہوں سے
سیکھو اور ان کے مشورے کے مطابق کام کرو اس قدر فوج اور شہمت سے
فائدہ اٹھانے کی یہی صورت ہے اور ایسے سامان کی موجودگی میں جس دشمن سے
مقابلہ پڑے اسکو تباہی کا منہ دکھا سکتے ہو پس مناسب یہ ہے کہ باپ کے وقت
کے کار پردازوں کو معزول نہ کرنا چاہیے اور اس فوج عظیم کے ساتھ مرہٹوں اور
بندیوں کی گوشمالی پر توبہ کرو کہ جنگی سرکوبی کا ارمان تمھارے باپ اپنے ساتھ

پرانے کارپردازوں نے مختار الدولہ کے ملازمین کے سپرد کر دیں مختار الدولہ نے اپنے بڑے بھائی سید محمد کو اقتدار الدولہ بہادر کا خطاب لاکر صوبہ الہ آباد کا نائب بنایا اور ہر ایک دست اور اقربا کو صاحب اقتدار کر دیا شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کے تمام نوکر مختار الدولہ کے دست نگر تھے کسیکی مجال نہ تھی کہ اُن کے برخلاف کام کر سکے اور انگریزوں نے اپنی مصلحت کے لئے آصف الدولہ اور مختار الدولہ کو اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے فوج میں کمی کرنی چاہیے۔ اُدھر نواب شجاع الدولہ کی تمام فوج مغرور تھی اُن کو یہ زعم تھا کہ ہم کو ہرگز کوئی موقوف نہیں کر سکتا۔ آصف الدولہ اُن کے موقوف کرنے کے واسطے کوئی حیلہ چاہتے تھے کہ تھوڑے سے مجرم و نافرمانی پر موقوف فرمائیں۔

مرتضیٰ خان چنکہ جو بہر سخاوت سے خالی نہ تھے خلعت نیابت پاتے ہی اول اُنکی نظر فقرا، علماء، شیوخ، برہمنوں، بیراگیوں اور صرف خیر کی اُن معافیات اور جاگیروں پر پڑی جو عرصے سے ضبط ہو گئی تھیں اور فوراً ایک فرد بنا کر نواب کے حضور میں منظوری کے لیے پیش کی اور عرض کیا کہ فدوی نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر کبھی اس مرتبے کو پہنچ جاؤں تو غربا اور مساکین کے وظائف اور معافیات کو جو دُعا کا لشکر ہے اور عرصے سے ضبط ہیں، اگلدشت کراؤں انکو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ آصف الدولہ نے اُسی وقت منظوری بخشی یہ جاگیریں کھوں سے زیادہ روپوں کی تھیں۔ مختار الدولہ نے اُسی وقت حکام ضلع اور دفتر کے افسردن کو لکھا کہ جو شخص فرمان اور پیروانہ دکھائے اُس کا روزنیہ اور زمین اور گاؤں بلا غدر غہ چھوڑ دیں۔ عنقریب

انگریز نہ تھا لیکن زمانہ قدیم سے اسکے آباؤ اجداد رفاقت سرکار انگریزی کے ساتھ رکھتے تھے۔ جرنیل ٹاٹن جسکی عجیب و اعلیٰ عمارات مشہور ہیں اسی زمانہ میں میجر پھولیر کا رفیق تھا۔

محمد ایچ خان نے کرنل کلیس وغیرہ سرداران انگلش سے میل کر کے چاہا کہ نواب صف الدولہ کے حضور میں صاحبان مذکور کی مدد سے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرے اور مختار الدولہ اس فکر میں تھے کہ انگریزوں سے ملکر ایچ خان کو نچا دکھائیں۔ اس وقت میں انگریزوں کے ملازمان معزز کی عجیب گرم بازاری تھی کپتان کانوی میجر پھولیر نے جنگو سرکار کپنی کی طرف سے کوئی حکومت لکھنؤ میں حاصل نہ تھی صرف کرنل کلیس کی معاہدت کی وجہ سے سخن فروشی کی دکان آراستہ کر کے شیریں بانی سے ہر ایک کو اپنے دام ارادت میں پھانس لیا اور اس امید و بیم میں دولت و ثلے لگے ان کے جو متوسل لوگ ز قلیل کے محتاج تھے وہ اب لکھنؤ روپے کے مالک بن گئے۔ میر محمد مجد خان کپتان کانوی کا میشری ایک ن کسی کام کے لیے محمد ایچ خان کے مکان پر گیا اُسے وہی نواب شجاع الدولہ کے وقت کا ساغر ور کر کے جواب دلا یا کہ اب فرصت نہیں ہے منشی محمد مجد نے کپتان کانوی کو سمجھایا کہ رفیقوں کی امانت عین مالکوں کی امانت ہے محمد ایچ خان آپکو کچھ نہیں سمجھتا۔ بہتر ہے کہ اپنے سوال و جواب محمد ایچ خان سے موقوف کر کے مختار الدولہ سے معاملات میں رجوع کیا جائے جنہیں انگریزوں سے خلاص و محبت کی آرزو ہے۔ القصد دوسرے دن نواب صف الدولہ محمد ایچ خان کو ساتھ لیکر کرنل کلیس سے ملاقات کر گئے محمد مجد خان کے اشارے سے مختار الدولہ بھی ہمراہ تھے مشورہ کے

قبر میں لیگئے تم اُن سے بد عہدی اور سرکشی کا انتقام خوب لو۔ یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایسا لشکر اور اتنی تیاری بغیر کسی قسم کا کام نہ کالے ہاتھ سے جاتی رہے۔ دیکھو ایک مضمون کو دو شخصوں نے بیان کیا ہے محمد فیض بخش نے فرج بخش میں اور عنوان سے لکھا اور تاریخ تیموریہ کے مولف نے دوسرے ڈھنگ سے ادا کیا۔

نواب صف الدولہ کا حال یہ تھا کہ تمام عمر انکی ناز و نعمت میں بسر ہوئی تھی مان باب کے سانیہ عاطفت میں پے تھے گرم و سرد زمانہ سے بالکل ناواقف تھے اُن کو یہ خبر مطلق نہ تھی کہ فوج کس طرح رکھی جاتی ہے رفیقوں کی کس طرح دلہری کی جاتی ہے اب کہ یکایک سلطنت کا بوجھ سر پر آ پڑا ایک طرف انکی جبلی آرام طلب عادت اُن کو عیش و نشاط کی طرف کھینچتی تھی دوسری جانب نیر غلامان و تیریم پاسداری سپاہ ملک کی طرف رغبت دلاتے تھے۔

ایلیچ خان۔ راجہ صورت سنگھ اور راجہ پیر چند شجاع الدولہ کے عہد میں تمام ملکی مالی معاملات کے مختار تھے یہ لوگ مرتضیٰ خان کو اپنے نوکروں سے بھی کم سمجھتے تھے ہر وقت زمانہ ان کے خلاف تھا۔ مختار الدولہ کو ان کا رہنا سخت ناگوار تھا اور ہر بات میں چاہتے تھے کہ انکی منزلت پیدا ہو۔

انگریزوں کے پو بارے

نواب صف الدولہ کے پاس سوا دوسرے انگریزوں کے دو انگریز رہتے۔ ایک کرنل کلپین دوسرے سیرج بھولیر کہ بادشاہ کی طرف سے اسکا خط امتیاز الدولہ اقتدار المملک بہادر ارسلان جنگ رشک با مثل تھا۔ یہ شخص قوم

ذنی اختیار نہ تھا جبکہ آصف الدولہ نے میر مرتضے کو اپنا نائب بنایا اور انکو مختار الدولہ کا خطاب دیا تو چونکہ محمد علیچ خان مدت سے یہ کام کرتا تھا وہ اس بات سے آزرہ ہوا اور اس نے انگریزوں سے میر مرتضے کی مختاری کی شکایت کی۔ جو خلعت انگریزوں نے میر مرتضے کے لیے تجویز کیا تھا وہ واپس کر دیا اب میر مرتضے اور علیچ خان میں عناد بڑھ گیا۔ آصف الدولہ خان مذکور کے استیصال کی فکر میں مصروف ہوئے اور بہانہ دھونڈھنے لگے۔ علیچ خان نے نواب کے مزاج کا انحراف معلوم کر کے کرنل کلیس سے کہا کہ میرا یہاں ٹھہرنا اب مشکل ہے میرے حق میں یہ بہتر ہے کہ کسی تقریب سے مجھے یہاں سے کسی جگہ رخصت کر دیجئے کہ میری آبرو بچے ورنہ کسی دن مذمت و خجالت حاصل ہوگی کرنل نے جواب دیا کہ جبات تم اپنے لئے بہتر سمجھو تجویز کر کے مجھے مطلع کرو میں تمہیں گوشش کروں گا علیچ خان نے کہا کہ خلعت وزارت بادشاہ سے حاصل کرنے کے بہانے سے مجھے ہٹی کو رخصت کر دیجئے۔ کچھ دنوں وہاں لیت وعل میں بسر کروں گا۔ کرنل صاحب نے علیچ خان کی رائے کو پسند کیا اور دوسرے روز آصف الدولہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ علیچ خان یہاں بیکار بیٹھا ہے اور خلعت وزارت حاصل ہونا تمام کاموں سے زیادہ ضروری ہے۔ مناسب یہ ہے کہ خان مذکور کو وہاں بھیجا جاوے۔ بادشاہ کے مزاج میں رسائی رکھتا ہے عرض معروض کر کے خلعت وزارت حاصل کر لیا۔ ریاست کے کام کو مختار الدولہ اچھی طرح انجام دیتے ہیں آصف الدولہ نے کرنل کے مشورے کو پسند کیا۔ علیچ خان کو بادشاہ کی نذر کے لیے بہت سے مالقات اور بارہ لاکھ روپے کی ہنڈی اور دو ملٹین ساٹھ کر کے رخصت کیا۔

وقت کپتان کانوی نے کرنیل کلیس کی طرف سے نواب سے کہا کہ ہم کو محمد علی علی خان کی وساطت منظور نہیں مختار الدولہ جو حضور کے ساختہ و پر داختہ اور دل سے ہوا خواہ ہیں اس کام پر مقرر کیے جائیں نواب کی یہ عین آرزو تھی مگر اس خیال سے کہ انگریز اس بات کو قبول نہ کرینگے زبان سے نہیں نکالتے تھے یہ بات سن کر نواب بہت خوش ہوئے اور کپتان کانوی کی بات بہت پسند کی اور اسی وقت مختار الدولہ کو پاس بلا کر کرنیل سے کہا کہ مختار الدولہ میری زبان ہے جو کچھ وہ زبان سے کہے وہ سب میری طرف سے سمجھا جائے محمد علی علی خان کو یہ قصہ معلوم ہوا تو سمجھا کہ میرا اب یہاں رہنا مشکل ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مواخذہ میں مبتلا ہو جاؤں

ایم جی یا علی علی خان کے حالات

یہ شخص افغان زادہ جنفی مذہب ایک مفلس آدمی کا بیٹا دھولپور باٹری کا رہنے والا تھا پہلے رائے لال چند فوجدار اٹاواہ کے فراشوں میں نوکر تھا پھر مسعود خان خواجہ سرسے بادشاہی کے پاس رہنے لگا۔ پھر شجاع الدولہ کی سرکار میں آکر بازار لشکر کی داروغگی پر مامور ہوا اپنی چستی و چالاکی کی بدولت یہاں تک ترقی کی کہ شجاع الدولہ کے زبانی احکام لوگوں کو پہنچاتا تھا مغلیہ ملازمان شجاع الدولہ اس کے ساتھ سلوک کرتے تھے لکھا پڑھانہ تھا تھوڑے سے عرصے میں صاحب دولت ہو گیا شجاع الدولہ کے عہد میں عہدہ نیابت کسی سے نامزد نہ تھا مگر علی علی خان کا وہاں ریاست انجام دیتا تھا چونکہ نواب شجاع الدولہ تمام کام آپ کرتے تھے اس لیے نائب

اس حیلے حوالے میں رکھا کہ آجکل میں خلعت و زارت لیکر چلتا ہوں۔ اور شاہ عام کے درباری ہسکو ذلیل تو مسمجھ کر اکثرضحکہ کرتے تھے ایک دن راجہ رام ناتھ نے کوئی ایسی ہنسی کی بات کہی کہ خان مذکور کو جواب بن نہ آیا۔ فرط خجالت سے گویا پلٹتے سے جو تنخواہ کا متقاضی تھا کہا کہ راجہ رام ناتھ میری رخصت کے معاملے میں خلل انداز ہے اُس سے سمجھنا چاہیے۔ سپاہیوں اور افسروں نے فریب میں آ کر اُس کے مکان پر بلدا کیا رام ناتھ تو عالم اضطراب میں کسی طرف نکل گیا لیکن حکم بادشاہی ایلیچ خان کے نام نافذ ہوا کہ دار السلطنت میں یہ حرکتیں خللاً ضابطہ میں۔ ناچار ایلیچ خان نے باون ہزار روپے اپنے پاس سے دیکر سپاہ کو روانہ لکھنؤ کیا۔ ایلیچ خان بخوبی سمجھ گیا تھا کہ مجدد الدولہ دنیا سازی کرتا ہے اور مختار الدولہ میری تذلیل کے درپے ہے ایسا نہ ہو کہ مجھے یہاں کسی بلا میں پھنسا دیں اور پھر یہاں سے نجات نہ مل سکے اس سے بہتر ہوگا کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اسلئے بادشاہ سے عرض کیا کہ حضور کے فضلات میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن ارکان دولت دشمنوں کے اغوا سے خفت و ذلت کے درپے ہیں اسلئے غلام رخصت ہوتا ہے بادشاہ نے نیمہ استین عطا کر کے رخصت کیا۔ خان مذکور نے یہاں سے رخصت حاصل کر کے بے نیل مراد آصفیہ لدولہ کے پاس ہانا مناسب نہ تصور کیا اور یہ خیال کیا کہ دشمن اور زیادہ خیل خوری کر کے تخریب لے درپے ہو جائینگے اسلئے نواب نجف خان کو جو قلعہ ڈیگ کے محاصرے میں مصروف تھا لکھا کہ مجدد الدولہ میر تمام مال و اسباب لینا چاہتا ہے نجف خان ایسے جڑے پر گوش براوز تھا ایلیچ خان کو اپنے پاس طلب کیا۔ وہ اکبر آباد کو

ایلیچ خان اپنا تمام سامان اور بال بچے لیکر فیض آباد سے دہلی کو روانہ ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں شرف اندوز ہو کر مورد تفضلات ہوا۔ بادشاہ نے اسکو خلعت خاصہ عطا کیا اور قمر الدین خان کی جویلی پہنے کو دی مرآت آفتاب ناما میں لکھا ہے کہ ایلیچ خان نے بادشاہ سے پندرہ لاکھ روپے نذرانے پر خلعت وزارت کی درخواست کی اور شیو پرشاد کی فرح بخش سے ثابت ہے کہ خان مذکور نے بادشاہ کو بہت کچھ رضی کر لیا تھا۔ قریب تھا کہ خلعت وزارت اور دوسرے عطیات آصف الدولہ کے لیے حاصل ہوں جبکہ مختار الدولہ کو یہ خبر پہنچی کہ غفریہ ایلیچ خان خلعت وزارت حاصل کر کے ادھر آتا ہے تو انھیں یہ فکر ہوئی کہ اب ایلیچ خان کی طرف آصف الدولہ کو التفات پیدا ہو جائے گا اور یہی نیا بت کو ضرر پہنچے گا اس لیے نواب مجد الدولہ کو متواتر لکھا کہ جیسے ہو سکے بادشاہ سے خلعت وزارت آصف الدولہ کے لیے محمد ایلیچ خان کی معرفت حاصل نہو میں جلد نیاز علی خان کو مع تحائف ہرایا اور پیش کش کے بادشاہ کے حضور میں بھیجا ہوں۔ مجد الدولہ بھی نہایت بد باطن تھا اور اسکی دل سے یہ خواہش تھی کہ بادشاہی کام کو سرسبزی حاصل نہو اس نے مختار الدولہ کی مرضی کے موافق بادشاہ کے مزاج کو ایلیچ خان کی طرف سے مخبرن کر دیا اور خلعت وزارت دلوانے میں دیر لگائی۔ مجد الدولہ ایلیچ خان کے معاملات میں عملیت و عمل کرتا تھا اور نظروں میں تھا کہ یہ سونے کی چڑیا جال سے نکل جانے نہ پائے۔ گویا لپٹ و غیرہ افسران سپاہ جبرایت لکھنؤ سے ایلیچ خان کے ساتھ تھے انھوں نے اپنی تنخواہ دہلی میں طلب کی۔ ایلیچ خان نہایت مسک تھا ایک کوٹری اپنے پاس سے دینا جان دینے کے برابر برکتی

بندگان خدا کو ثروت و جاہ بخشتا ہے اور اپنے پروردون سے کام لیتا ہے
نواب آصف الدولہ نے زمانے کے نشیب و فراز پر نظر کر کے اور مختار الدولہ کے
رغبت دلانے سے جھاؤ لال داروغہ صاحب کو راجہ کا خطاب و خلعت اور
ہاتھی اور جھاردار پالگی دی اور محمد بشیر خان سے دیوان خانے کی خدمت نکال کر
اسکے تفویض کی شخص خوش طبع اور سمجھدار تھا چند روز میں ترقی کر کے آصف الدولہ
کے مزاج میں داخل پیدا کر لیا اب دو ہزار سوار اور کئی پلٹنوں کا سردار بھی بن گیا۔ نواب
کی خدمت میں ایام صاحبزادگی سے چند ہندو تنگے قرب رکھتے تھے کنگے نام یہ ہیں
ہولاس سنگھ۔ سو بھاسنگھ۔ بھولاسنگھ۔ ہندی سنگھ۔ میکو سنگھ۔ نواز سنگھ۔ موتی سنگھ۔
ہوانی سنگھ۔ اس وقت میں کہ وہ خود فرمانروا ہوئے تو ان پیادوں کو بڑے
ارے عہدے اور منصب عطا کیے راجہ کے خطاب دیے عمدہ عمدہ گھوڑے اور ہاتھی
اور جھاردار پالکیاں سواروں کے رسالے پیادوں کی پلٹنیں دیکر بڑے اقتدار
پر پہنچا یا شجاع الدولہ کے عہد کے سردار جو مدتوں جا نقشانیاں کر کے تفضلات
سما میدار تھے۔ مخدول و معزول ہوئے ان ہندوؤں میں سے ایک کو بیوٹے
کی حکومت عطا کر کے گویا اپنی بڑی خرید کی اور اپنی پالگی کے کماروں میں سے
ایک کو جس سے کوئی خدمت نہ ہوئی تھی راجہ مہر کا خطاب و جھاردار
پالگی اور گھوڑا اور ہاتھی اور رسالہ دیکر سرفراز کیا اس نے پان سو سواروں کا ایسا
رسالہ تیار کیا جسکی گہرائی ستر تھیں رانوں تک کوٹ تھے ان میں سب خان سبزی
نھی پا جاتے شروع کے تھے اسکے ہم قوم کماروں نے اسکی سواری کی پالکی اٹھائی
میں درین اور بڑا ہنگامہ کیا آخر کار نواب کے دباؤ اور لالچ سے رضی ہو گئے۔

چلا گیا ذوالفقار الدولہ محمد نجف خان نے ایلیچ خان کا اکبر آباد میں پہنچا اور نواب آصف الدولہ سے اختلاف غنیمت جان کر بہت خاطر کی اور اپنے آدمی بھیج کر ڈوگ میں اُسکو بلا لیا۔ اول نجف خان ایلیچ خان کے خیمے میں گیا اور دوستی کے مراسم بخوبی بجالایا جس سے ایلیچ خان نہایت مخطوظ ہوا اور نجف خان کی اطاعت میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اور اسکی رفاقت کو غنیمت سمجھا۔ نجف خان نے محالات قلعہ اکبر آباد وغیرہ کی حکومت اُسکے سپرد کر دی۔ اور نجف خان اسکی صلاح پر تمام کام کرنے لگا۔ ایلیچ خان نے کئی لاکھ روپے فوج شاہی کے خرچ کے لیے دیے۔ آصف الدولہ نے مصاحبوں کے اغوا سے ایلیچ خان کی حویلی کو جو فیض آباد میں تھی ضبط کر لیا جس میں پُرانے خیموں اور تانبے کے ٹوٹے پھوٹے برتنوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لال محمد ایلیچ خان کا متنبے آصف الدولہ کے پاس رہ گیا۔

نواب آصف الدولہ کا اپنے ذلیل

نو کروں کو بڑے بڑے مرتبے دینا

ایلیچ خان اور راجہ صوٹ سنگھ اور راجہ پیر چند نواب شجاع الدولہ کے عہد میں تمام مہمان والی ملکی کے مختار تھے اور میر تقی خان کو اپنے نو کروں سے بھی کم سمجھتے تھے۔ ہوتے ہیں کمان انکی گر گئی۔ مختار الدولہ کو بھی ان کا وجود ناگوار تھا اور ہر کام میں ان کی بدلت کے خوف نگار تھے اسلئے درپردہ نواب آصف الدولہ سے عرض کرتے رہتے تھے کہ نواب مرحوم کے ارکان دولت حضور کو خیال میں نہیں لاتے اور حضور کی سطوت و جلالت سے نہیں ڈرتے جب کوئی صاحب اقتدار ہوتا ہے وہ

قیدیوں کو جو محکیم لوگ تھے رہا کر دیا مگر عرب خان بڑے بچ اور خان محمد خان اور
 کمال زئی خان اور بہت خان اور عالم خان غرضی اور حرمت خان اور ملا حسن
 خان اور ملا عالم خان اور ملا عبدالواحد خان اور قاضی محمد سعید خان اور منو
 خان سامان اور اختیار خان چلیا اور ملاحت خواجہ سرکوکہ ذمی حوصلہ اور اولو العزم
 آدمی تھے نہ چھوڑا ان سے زر وصول کرنے کی بھی توقع تھی اور نہ حافظ صاحب کے
 اور دوندے خان کے خاندان کو چھوڑا بلکہ کئی مہینے کے بعد محبت خان کو بھی
 الہ آباد بھیج دیا جا ہا مگر مرزا علی خان آصف الدولہ کے مامون نے شفاعت کی
 جس سے وہ بچ گئے تاہم بعض حد پیشہ مصاحبوں کے اغوا سے حافظ صاحب
 کے خاندان کی ایذا دہی میں خفیہ کارروائی شروع کی محبت خان کی ملاقات
 اور تنخواہ بالکل بند کر دی اور آصف الدولہ کے ایما سے سید معزز خان قلعہ دار الہ آباد
 قیدیوں پر سختی کرنے لگا اور یوروپیہ یومیہ جو انکی خوراک کے لئے شجاع الدولہ کے
 عہد سے مقرر تھا اس کے دینے میں حیلہ کرنے لگا اور تھوڑا تھوڑا دنیا تھا اس عرصے
 میں آصف الدولہ مہدی گھاٹ کو گئے محبت خان اور ذوالفقار خان پسران
 حافظ رحمت خان جو لشکر کے ساتھ تھے بے سرو سامانی کی حالت میں ہمراہ گئے
 مہدی گھاٹ پر جان برہٹو صاحب زینٹ گورنر کانربلہ آیا اور اُس نے محمد اکبر کی
 زبانی محبت خان اور ذوالفقار خان کا یہاں موجود ہونا نہایت بے سرو سامانی
 کی حالت میں سنا تو ان کے پاس پہلے بھیج کر اپنے پاس بلایا مگر انھوں نے علانیہ
 زینٹ کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا اسلئے خفیہ رات کے وقت ملے اُس نے
 انکی تسلی و شفقی کی اور انکی یہودی میں کوشش کرنے کا وعدہ کیا اور ان کے خیمے

کمار نہایت دانا تھا بعض ناچنے والی عورتوں کو خاص کماروں کا گانا بجانا سکھا کر نواب کے سامنے پیش کیا نواب نے نہایت پسند کیا اور بہت سا انعام بخشا۔ نواب کی پسندیدگی کی وجہ سے ممالک محروسہ میں اس قسم کا ناچ بہت جاری ہوا اور اکثر ناچنے والی عورتوں نے اسکو سیکھ کر نواب کے پاس رسائی پیدا کی اور دولت حاصل کی۔ نواب آصف الدولہ کو جب ایسے بیش بہا خزانوں پر قدرت حاصل ہوئی تو ہر کس واکس کو موقع و بے موقع دولت و شہمت بخشنے لگے جو مستحق نہ تھے اُن کو تو مال مال کر دیا اور جو حقدار تھے اُن کو دیر ماندہ اور محتاج بنا دیا جو اراذل و اوباش کہ مدت سے ہل جوتے تھے اور میٹھوں پر بوجھ لاتے تھے اور وہ سپاہی جو کندھوں پر بند و قین اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے تھے اب وہ نواب کی مہربانی سے مرتبہ قارونی اور منصب کامرانی و سروری سراری کو پہنچ گئے تھے۔ اس وجہ سے سرداران قدیم اور افسران سپاہ بیدل و متغیر ہو گئے تھے۔ خدمات جلیلاہ اور مناسب فیعہ سرداران معتد سے نکال کر اُن اراذل کے ہاتھوں میں دیدیے گئے اس وجہ سے پُرانے ملازمین کے دل نواب کے خلاص سے پھر گئے۔ اُن اراذل کے لطائف میں سے ایک یہ بات ہے کہ ایک اپنی مجلس میں کہتا تھا کہ ہزار ہا سال آسمان شرفاء کے موافق گردش کرتا رہا ہم غرابانے کبھی حسرت و غم نہ کیا۔ اس زمانے میں کہ رذرا گارہ نے ہم سے موافقت کی تو شرفاء و نجباء رشک و حسرت سے مرے جاتے ہیں۔

قلعہ اکبر آباد میں ردوہیلکھنڈ کے قیدیوں کو تکلیفیں پہنچانا
نواب آصف الدولہ نے اپنے جلوس کی خوشی میں ردوہیلکھنڈ کے بعض

ان میں وعدہ کیا تھا کہ تمہاری نمیشن کے حقوق پہلے کے بموجب قائم کیے جائینگے۔
دکھائے نواب نے شرمندہ ہو کر تمام اسباب واپس کیا۔

نواب صفت الدولہ کا مہدی گھاٹ کی طرف جانا اور

خرچ کے لیے مان کو مجبور کر کے روپیہ بطور قرض کے لینا

مختار الدولہ نے جو دیکھا کہ فیض آباد میں نواب کی دادی اور مان میرے عروج
سے برا فروختہ ہیں اور ہر کام میں فراحت و زرکتہ چینی کرتی ہیں تو انھوں نے نواب
کو تحریک کی کہ حضور کھج فرما کر تھوڑے دنوں مہدی گھاٹ پر تشریف لکھیں تاکہ
دور و نزدیک بالوں کو عبرت ہو اور مقصود اصلی یہ تھا کہ فیض آباد سے باہر لکھنؤ میں مانی
کا ردوائی کریں مگر سفر میں گلچھڑے اڑنے کو روپے کا ہونا ضرور تھا اور حسب قدر روپیہ
تھا تو وہ انکی مان کے قبضے میں تھا کیونکہ شجاع الدولہ خزانے کا بڑا حصہ اپنی بیگم
کی تحویل میں رکھتے تھے۔ اگر زیور سے صلح ہو جانے کے بعد انھوں نے خیال کیا
کہ ایسے سخت وقت میں بیگم نے اپنا سب زہر نقد میرے حوالے کر دیا ان سے بڑھ کر
بہرہ و کون ہو گا آئندہ جو کچھ روپیہ آئے ضروری اخراجات کے بعد وہ بیگم کے پاس
ہے۔ انکی یہ عادت تھی کہ دیوان صورت منگھ وصل یاتی کی فریب پیش کرتا تو وہ ملاحظہ
کر کے ایلیچ خان اور محمد بشیر خان کو حکم دیتے کہ عاملوں اور حاکمون پر جس قدر روپیہ نکلتا
ہے جیسے بنے تم دونوں ان سے وصول کر کے ہمارے اجلاس کی بارہری میں جمع
کر دو ہم سیر و تماشاے شہر و اطراف سے دو پہر دن ہے واپس آئیگی اگر سو وقت تک
سرکاری بقایا وصول نہ ہو چکی تو تمہارے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ یہ دونوں اہلکار ہر طرح

اپنے خیموں کے پاس کھڑے کرائے اور انکی عسرت کی خبر سن کر اپنے پاس سے
 پانچ ہزار روپے اُن کو دیے اور کہا کہ تم بے اندیشہ اپنے حالات مجھ سے
 بیان کرتے رہا کرو

آصف الدولہ کے حکم سے نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم
 کے اسباب کا ضبط ہو جانا اور پھر اُس کا واگد شمت ہونا

فرح بخش مین شیو پرشاد نے لکھا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم
 فیض آباد میں رہتی تھی اور اپنا اسباب بیچ بیچ کر گزر کرتی تھی اور ہمیشہ پریشان حال
 رہتی تھی وہاں اُسکی کوئی خبر گیری نہیں کرتا تھا نواب سید سعد اللہ خان نے جو
 سلوک شجاع الدولہ کے ساتھ کیے تھے اُس کا عوض یہ دیا گیا کہ اُنولے سے اُنکی بیگم
 کو حراست میں رکھ کر فیض آباد کو لیگئے اور وہاں قید کر دیا۔ نواب آصف الدولہ نے
 اُس پر ذوات یہ کی کہ مسند نشین ہوتے ہی بیگم کا تمام اسباب ضبط کر لیا اور مفت
 بدنام خلافت ہوئے اسلئے کہ اسوقت بیگم کے پاس سوا کپڑوں اور خیموں اور ظروف
 کے زر نقد نہ تھا یہ سارا قصور اہلکاروں کا ہے جو نیک و بد میں تمیز نہیں کرتے۔
 انھوں نے نواب کو اس پوچھ حرکت پر کیوں آمادہ کیا۔ نواب سید فیض اللہ خان
 صاحب والی رامپور کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے احترام الدولہ کا لون صاحب
 کو اس بارے میں بہت کچھ لکھا صاحب موصوف نے آصف الدولہ پر ایسے پوچھ
 کام کی تمام قیاحت ظاہر کر کے وہ شقے جو شجاع الدولہ نے بیگم کو بھیجے تھے اور

آصف الدولہ نے مرتضیٰ خان مختار الدولہ کو فیض آباد کو بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کرا یا کہ وہ تھوڑا سا روپیہ جو دیا تھا خرچ ہو چکا اسی قدر اور مرحمت ہو جائے۔ اس بار بیگم نے سختی سے جواب دیا اور چند روز تک بدستور مرزا علی خان کی معرفت گفتگو جاری رہی آخر کار چار لاکھ روپے بیگم نے اور دیے جب مرتضیٰ خان یہ روپے لیکر ہمدی گھاٹ کو گئے تو نواب نے اس قسم کو بہت کم خیال کیا اور خود ڈاک کے ذریعہ سے فیض آباد آئے اور قرض کے نام سے اور روپوں کی درخواست کی اور ایک جھوٹی سند بھی اپنی مہر لگا کر نوروز علی خان فوجدار اکبر پور اور دولت پور کے نام لکھ کر حوالے کی حسین مندرج تھا کہ سدی مؤویغہ چند پر گئے خالص سے نکال کر والدہ صاحبہ کے نائبوں کے حوالے کر دو جب تک چار لاکھ روپے انکی سرکار میں نہ پہنچ جائیں اس وقت تک انھیں کا قبضہ ہے اور دوسری سند بطور فارغ خطی کے لکھ دی کہ آئندہ ہم کو کوئی مواخذہ والدہ ماجدہ سے نہیں۔ فیض بخش کہتا ہے کہ اس مرتبہ جو نواب آئے تو خالق کی عجیب قدرت دیکھنے میں آئی شجاع الدولہ کے عہد میں کسی مجال نہ تھی کہ ایک چاقو بھی ساتھ لیکر سرکاری مکانات خاص میں قدم رکھتا اور ان کے ساتھ تمام آدمی نقار خانے سے کہ قلعہ میں دوسرے درجہ ہے پیادہ پا چلتے تھے۔ ان کے مصاحب۔ امرا مہ سالہ داران عمدہ۔ خواجہ سر جو کار و خدمات میں مصروف رہتے تھے ان کے سوا دوسرا کوئی آدمی اندر نہ جانے پاتا تھا اب ایسے گنوار جنکی عمر لگ گئی تھی کہ ان کے باپ بھائی اپنے ہاتھوں سے ہل جوتے اور یہ خود ملنگون کے زمرے میں لوگ رہا کرتے تھے نواب آصف الدولہ کی اردلی میں گھوڑوں پر سوار شہ گاہ خاص تک آتے جاتے

کوشش کر کے روپیہ جلد وصول کر کے نواب کی خوشنودی کے لیے اُن کے بیٹھنے کی خاص بارہ دری کے صحن میں اپنے اپنے وصول کیے ہوئے روپوں کے علیحدہ علیحدہ ڈھیر لگوا دیتے جب واپس تشریف لاتے تو حکم دیتے کہ اس میں سے آدھا روپیہ بگم صاحبہ کی سرکار میں داخل کر دیا جائے اور چوتھائی راسے پٹرنیہ خزانچی کے حوالے ہو اور باقی اسی جاہ پچاس پچاس ہزار کی مقدار میں ہر ہر گودشہ میں علیحدہ علیحدہ رکھ دین یہی طریقہ ہمیشہ جاری رہا جب اُن کے انتقال کے بعد آصف الدولہ جانشین ہوئے اور مہدی گھاٹ کی روانگی کا ارادہ کیا تو مختار الدولہ کی تحریک سے مان سے روپیہ مانگا انھوں نے بیٹے کو جواب دیا کہ دیوان کو بلا کر محالات کے کاغذات کا ملاحظہ کر اور خزانے کے داروغہ راسے پٹرنیہ سے مانگ یہ سوال وجواب سالار جنگ بگم صاحبہ کے ذریعہ سے ہوتے تھے بگم نے جھٹلا کر کہا کہ بھی تیرے باپ کو مرے ہوئے دس دن بھی نہ گزرے اور میں ماتم کے سوگ میں بیٹھی ہوں ایسا بے محل سوال کرنا کس قدر بیسیائی ہے مجھے رونے کی بھی فرصت نہیں آصف الدولہ کی دادی نے ہو کو کہا کہ یہ عشق کی پہلی مہمانی ہے ابھی اس سے زیادہ خدمت گزاری کے مرے حاصل کرو گے خلاصہ کلام یہ ہے کہ دو مہینہ روز سوال وجواب ہو کر چھ لاکھ روپے ملے اور نواب اذبحہ مشہور ہجرتی کو مہدی گھاٹ کی طرف روانہ ہو گئے اور یہ پہلی مرتبہ کشیدگی خاطر ان بیٹوں میں واقع ہوئی مگر چھ لاکھ روپیہ اس قدر کثیر لشکر کے خرچ اور انعام و اکرام اور اخراجات بے جا کو کب تک کافی ہوتا ایک ماہ کے عرصے میں ختم ہو گیا اور اب تک ملک کی آمدنی کی بالکل خبر نہ تھی کہ حاکمون نے کیا رعایا سے لیا اور کیا سرکار میں پہنچایا۔ محرم مہدی گھاٹ میں ہوا عشرے کے بعد نواب

بزرگوں مثلاً سالار جنگ، شیر جنگ، مرزا علیخان و خان عالم کی تعظیم بھی موقوف
 کی اور اختیارات ریاست کی نگام ایک خواجہ سرانور نام کے ہاتھ میں دیدی۔ یہ نہایت
 پاجی مزاج سفلیہ وضع اور سبک طوار تھا۔ خطاب سکو اختیار الدولہ انور علیخان دلایا۔
 تمام عمال و حکام کی موقوفی و بجالی اور تعظیم و تکریم لوگوں کی سکی راے پر موقوف کھی اس
 کم ظرف بدایہ نے سرداران قدیم کی بربادی پر کمر باندھی اور خیر کار دروازہ جسکو کھلے
 ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا مسدود کر دیا بلکہ ابھی احکام وظائف فقرا و مشائخ
 کی واکداشت کے اطراف ممالک میں مشہور بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اُسے یہ تمام کام
 روک دیے اور ضبطی کا نیا حکم بھیج دیا۔ القصہ مختار الدولہ نے دربار کی آمد و رفت کم کر دی۔
 رات دن بادہ خواری اور فواحش کی صحبت میں سپنے لگے۔ نواب کثرت مہربانی سے
 اکثر اُن کے دیکھنے کو اُن کے مکان پر جاتے مختار الدولہ ایسے خود فراموش ہو گئے تھے
 کہ بندگی و خداوندی کا ادب ترک کر دیا گستاخانہ و بے تکلفانہ باتیں کرتے اکثر بالمشافہ
 سخت و ذہرت الفاظ کہہ بیٹھتے لیکن نواب فطرت و محبت سے اُن کے کاموں سے انعام
 کرتے ایک فاحشہ کبھی ناچنے والی تھی جسکا نام جلالو تھا اُس سے تعلق خاطر پیدا کر لیا
 اُسکے حسن و جمال پر بے حد شیفتہ تھے رات دن اُسکے عشق میں مدہوش پڑے رہتے
 تھے حضرت عشق نے شادی کی تھی اور محبت کے قاضی نے نکاح پڑھایا تھا۔ ایک م
 کو اُسکی جدائی گوارا نہ تھی اور محبت کی دل لگی جتنی زیادہ ہوتی تھی اُن کے دل کو راحت
 پہنچتی تھی وہ بھی لیاقت کی تپلی اور بڑی چالوسی والی تھی آداب صحبت کا کمال
 رکھتی تھی۔ اس زن فاحشہ نے مختار الدولہ کو اپنا مطیع عشق پاکر حکمرانی شروع کی اور
 جو چاہتی اپنے عاشق سے برا لیتی جدھر چاہتی کان پکڑ کر پھیر دیتی۔

ہین اور نواب کی سواری کی پالکی کے آس پاس بھوانی سنگھ مولی سنگھ ہولاس سنگھ
نواز سنگھ میکو سنگھ اسپان خاصہ کوتل پر چوساز و براق سے آراستہ ہوتے ہین
سوار ہو کر راہ میں اختلاط کرتے ہوئے چلتے ہین صرف دو ماہ کے عرصے میں
یہ تغیر و تبدل واقع ہو گیا۔

لوگوں کو یہ گمان تھا کہ نواب ممدی گھاٹ سے لٹینگے توفیض آباد میں باب کی
طرح رہا کرینگے کیونکہ تمام مکانات بدستور فرش و فرش سے آراستہ تھے شکست و
ریخت اور مرمت و صفائی موافق قاعدے کے جاری تھی۔ چار پانچ ماہ تک بغیر کسی
کام کے دریائے گنگا کے کنارے مقیم ہے۔ نہ فوج کی خبر تھی نہ ملک کی طرف توجہ تھی
نہ سرداروں سے تعلق تھا نہ بلٹنوں کی قواعد کا خیال تھا نہ سپاہ کے سامان کا جائزہ
لیتے تھے نہ تو بچانے کی درستی کی فکر تھی نہ پرچہ اخبار کے سننے کی طرف غیبت تھی
جس کا شجاع الدولہ کو ہر وقت خیال رہتا تھا۔ مختار الدولہ بدستج اور آہستہ آہستہ
فوج کی خرابی عالمان محالات کی معزولی اور روسائے عمدہ کی سیخ کنی کی فکر میں
مصروف ہوئے۔

مختار الدولہ کا تسلط حاصل کر کے سرداران قدیم کی بربادی کی فکر کرنا

جب مختار الدولہ کو تھوڑے سے عرصے میں ملک کے تمام کاموں پر بالاستقلال
قدرت حاصل ہو گئی تو کبر و شہادتی اور نخوت فرعونی ان کے دماغ میں پیدا ہو گئی
انہوں نے ولت ارکان ملک کی تواضع و تکریم چھوڑ دی یہاں تک کہ آصف الدولہ کے

نے بڑھکر سمجھے جاؤ گئے لیکن مالک اور صاحب حکم ایک ہی بہتر ہے کیونکہ قدیم سے یہی دستور چلا آتا ہے بہت سی گفت و شنید کے بعد یہاں سے گورنر کو یہ باتیں لکھی گئیں وہاں سے حکم آیا کہ نواب آصف الدولہ بہادر مالک ملک بین نواب سعادت علی خان کو بلال کہ اپنے پاس رکھیں نواب نے اس احسان کے بدلے میں ملک بنارس انگریزوں کو دیا تاریخ شاہید نیشاپوریہ میں اسی طرح مذکور ہے اور تاریخ تیموریہ میں بیان کیا ہے کہ فتحار الدولہ نے نواب وزیر الممالک کو دولت خواہی کے پرے میں انکے بلالے کے لیے عرض کیا نواب نے انکے اغوا سے ایک خط اشتیاق آمیز اور تمنیت انگیز انکی طلب میں لکھا نواب سعادت علی خان ابھی جوان نا تجربہ کار تھے اُن کو تامل ہوا اور سرداران لشکر کو بلال کر اُن سے مشورہ کیا اور کہا کہ مختار الدولہ کی غفلت اور بے پروائی سے تمام کام وزیر الممالک کی سرکار کے درہم و برہم ہو رہے ہیں دیکھتے ہیں کہ ہم لوگوں کو بھی کھٹائی میں ڈالیں ہر اک سرداریہ بات سن کر متروک ہوا اسکے بعد سعادت علی خان نے کہا کہ والد مرحوم نے اس ملک کی حکومت ریاست مجھے تفویض کی تھی اور تمکو میری اطاعت کے لیے حکم دیا تھا اُن کے دل کی یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ جب امرانگریز و قورع میں آئے تو ملک قدیم میرے بڑے بھائی آصف الدولہ کے زیر نگین رہے اور جدید علاقے میرے پاس رہیں تاکہ ہم بھائیوں میں خصومت و منازعت پیش نہ آئے پس اگر تم میری مدد پر کمر ہمت مضبوط باندھو اور قول و قسم سے مطمئن کرو تو میں ہمسرا نہ قوت سے انکو مسکت جواب لکھ دین تو لطافت علی خان اور نوابان بڑیچ وغیرہ رسالہ داروں نے زمانے کی ہوا اور نواب آصف الدولہ کے ارکان کی غفلت پر خیال کر کے اس مشورے سے

مختارالدولہ ہمیشہ سرداران سلطنت سے بے انصافی سے پیش کرتے کسی کو
 ٹخنہ نہ لگاتے بلکہ یہ چاہتے کہ میری سواری کی جلو میں چلیں۔ اپنے بھائیوں کو
 بڑے بڑے منصب دیے تھے تمام سامان امارت اور تجلِ حشمت مختارالدولہ کی سواری
 کے ساتھ حاضر رہتا۔ اعلیٰ سواری کے وقت نقیون کی آواز دور باس اور ہمارہوں
 کے اژدہا سے شہر میں ایک تزلزل سا پیدا ہو جاتا۔

نواب سعادت علی خان کور وہیلکھنڈ کی حکومت پر
 خود مختاری کا خیال پیدا ہونا۔ مگر ہمارہوں کے
 اتفاق کرنے سے اُن کا نواب صف الدولہ کی نظر
 رُجوع کرنا

مختارالدولہ کو یہ اطمینان تھا کہ سرداران لشکر میں سے کوئی ایسا مرد میدان
 نہیں جو اُن سے خصوصیت کر سکے لیکن نواب سعادت علی خان اور اُن کے ساتھ
 کے سرداروں سے اندیشہ رکھتے تھے جو اُس وقت میں روہیلکھنڈ پر چاکم تھے اسلئے
 مختارالدولہ نے کرنیل کلیس اور میجر پھولبر سے برہی کے باب میں مشورہ کیا کہ ایک بیان
 دو تلواریں نہیں رہ سکتیں لہذا خواہش جناب وزیر الممالک کی یہ ہے کہ نواب
 سعادت علی خان کو وہاں سے علیحدہ کر کے یہاں بلا لیں اور وہ صاحبزادوں کی طرح
 یہاں رہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ ایسا کیسے ہو گا۔ یہ ہے کیونکہ شجاع الدولہ نے
 یہ ملک اُنکو دیدیا ہے مختارالدولہ نے کہا کہ جب وہ یہاں آجاو گے تو سب بھائیوں

گریز کر دینا تو تمام لشکری و خاد و فریب سے پیش آئینے نجالت کو حجاب کا وسیلہ بنا کر
 آصف الدولہ کے پاس مہدی گھاٹ کے راستے میں پہنچے نواب نے غایت افت
 و کمال محبت سے بزرگانہ سلوک و شفقت مبذول کی اور نکلے سے لگا کر ان الفاظ
 کے ساتھ اُنکے دل کو تسلی دی کہ میرے باپ نے قضاے الہی سے انتقال کیا اور میں تمہارا
 باپ زندہ ہوں تمکو کیا غم و فکر ہے تم نے سنا ہو گا کہ نواب مرحوم نے تمکو میری فرزندگی
 میں دیا تھا اور تم مجکو باپ کہتے تھے اب تک وہی رشتہ جاری ہے بعد اس کے
 خلعت ملبوس لگھوڑا ہاتھی وغیرہ وہ چیزیں جو ایسے فرزندان نامدار کو امراء و مقدر
 عطا فرماتے ہیں بخشیں اور انکی خاطر مسیدہ کو دام سحر تالیف سے رام کیا بسنت علیخان
 مع کپو کے اور محمد شیر خان اور لطافت علی خان و مرتضیٰ خان بڑے بچ بھی بریلی سے
 وہاں آئے اور نواب کی سعادت ملازمت حاصل کی اور ہر ایک پر لطف عنایت
 مبذول ہوئی۔ نواب نے ملک روہیلکھنڈ کی نظامت پر شیر خان کو بھیجا بسنت علیخان
 اور مرتضیٰ خان کے سوا دوسرے سردار بھی روہیلکھنڈ کو واپس کئے گئے۔

نخدار الدولہ کا سرداران مقتدر کی تدبیر میں مضمر

ہونا اور انکو نواب کے حضور سے ہٹا دینا

نخدار الدولہ نے جو دیکھا کہ ابھی ان سرداران مقتدر کے پاس سپاہ وافر موجود
 ہے اپنی اس قوت اور جاہ کے زور پر مجھے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ان میں
 تفرقہ پردازی کی فکر کی اور سب کا نواب کے حضور میں جمع ہونا مناسب نہ سمجھا
 ہر ایک کو دوسرے کا مخالف بنا کر بربادی امارت کی فکر میں پڑے پس اہل انہوں نے

اتفاق رہا کیا اور کہنے لگے کہ نواب مرحوم نے رخصت کے وقت ہم لوگوں کو بندگان عالی کے اختیار میں دیدیا تھا جب تک تن میں جان باقی ہے کبھی آپکے حکم سے سربانی نہ کریں گے جو کوئی اودھ کا رنج کرے گا اُس سے مقابلہ کر کے شرط جانفشانی بجالائیں گے۔ لیکن محبوب علی خان نے اس مشورے کو رد کر دیا اور اُس مجلس سے ہٹ کر سرداروں کو سمجھایا کہ ہم کو جناب عالیہ والدہ آصف الدولہ نے پرورش کیا ہے ہماری کیا جرأت و جسارت کہ انکے حکم سے انحراف کوں اس لیے مناسب یہ ہے کہ ایک عرضی انکی خدمت میں بھیجیں جو کچھ اس امر میں وہ لکھیں اُنکی تعمیل کریں اس بات کے سننے سے ایک شورش پیدا ہو گئی اور مجلس مشاورت میں فوراً پڑ گیا تھوڑے عرصے کے بعد یکم صاحبہ کا شفق پہونچا کہ نواب مرحوم کے بعد آصف الدولہ کو ریاست اور باپ کی جانشینی کا حق حاصل ہے ہر ایک کو مناسب ہے کہ انکی بندگی و خانہ زادگی پر مستقیم رہے اور کسی کی بدراہی سے انحراف و خلاف اختیار نہ کرے۔ ایسے شخص کو چھوڑ دے اور اُنکی طرف داری سے قطعاً ہاتھ اٹھا کر آصف الدولہ کی اطاعت میں سرگرم رہنا چاہیے اس شفق کے پہونچنے سے محبوب علی خان کی بات سرسبز ہو گئی اور دوسرے مدعیوں کو مذامت عظیم حاصل ہوئی مختار الدولہ کو جب یہ حال معلوم ہوا کہ محبوب علی خان نے سعادت علی خان کی تدبیر و راہ صواب سے انحراف کیا تو اُسکو تعلق اور دلچسپی سے اپنی دوستی کی طرف راغب کیا وہ مختار الدولہ کے دام تدویر میں پھنسا کہ لشکر نواب آصف الدولہ کو روانہ ہوا دوسرے سردار بھی ڈرے اور سوا مختار الدولہ کی اطاعت کے کوئی دوسری تدبیر بہتر نہ سمجھی اس لیے سب نواب کے لشکر کو چلے گئے اب نواب سعادت علی خان نے خیال کیا کہ اگر آصف الدولہ کی فراہماری و اطاعت سے

مین موتی باغ کے اندر نواب کی وادی اور مان ہمتی تھیں بڑی دھوم دھام سے
 نغارے بجاتا صبح و شام قلعہ سے سوار ہوتا اور اُس میں آتا حالانکہ نواب شجاع الدولہ
 کے عہد میں یہ جسارت کوئی سردار نہیں کر سکتا تھا اور اُس ناظم نے اپنے بھائیوں
 اور بھتیجوں کو جا بجا مقرر کیا بخشی گری اور ڈیوڑھیات کے خزانے کی دار ونگی
 بھی اپنے متعلقین کو دی شجاع الدولہ کے قدیمی نوکر و ن کو دفعۃً معزول کر کے
 انکی حرمت و آبرو کے درپے ہو گیا معزز خان۔ سلام الدخان۔ مرزا خانی وغیرہ
 کے اس قدر زمانہ موافق تھا کہ زمین پر پانوں نہیں رکھتے تھے۔ اور حدِ عدل
 سے گذر گئے تھے جو کچھ دل میں آتا تھا بے تکلف دے خوف شرفا۔ نجبا اور رعایا کے ساتھ
 عمل میں لاتے تھے۔ باوصف اسکے کہ نواب کے حقیقی مامون سالار جنگ اور دوسرے
 سرداران قدیم اس وقت تک لشکر میں موجود تھے لیکن کسی سے کچھ تدارک نہیں ہوا
 ان حالات کو دیکھ دیکھ کر یہ لوگ مال کار کے اندیشے سے دست تاسف ملتے تھے
 اور متحیر تھے کوئی تہہ بہ تہہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

مختار الدولہ جب تک اس تہہ کو نہیں پہونچے تھے صلاح و تقویٰ سے آراستہ
 تھے صوم و صلوة کے پابند تھے۔ نیابت کے حاصل ہوتے ہی سب نیک اطواریان
 چھوڑ کر شراب پینے اور زور کھیلنے میں مشغول ہو گئے اور اس قدر نخوت فرعونی
 و داغ بین سمائی کہ بلاشبہ مجبور بن کر نیست کا دعوے کرنے لگے کوئی ساعت کوئی گھنٹا
 ایسی نہ تھی کہ خرابی لشکر و بربادی سلطنت اور اپنی امارت و ریاست کی تقویت
 کا خیال انکے دل سے دور ہوتا ہو۔

یہ پڑچند داروغہ کوئے سبب اپنی ڈیوڑھی پر پٹھا کر قید کر دیا اسی طرح

انکا باہم مقابلہ کر کر مضمحل اور شکستہ حال کرنا چاہا۔ اور پہلی تدبیر جو انھوں نے کی وہ یہ ہے کہ محبوب علی خان سے محبت بڑھائی اور اسکو یہاں تک بے تکلف کیا کہ اپنی بزم خاص کا شریک اور مضمحل اختصاص کا رفیق بنا لیا خلوت میں اپنی محبوبہ کے سامنے بلا کر اُس شہر طناز کو شراب دینے کے وقت اشارہ کیا کہ محبوب علی خان کو تاکید و اصرار کے ساتھ اتنے جام پلائے کہ وہ مہوش ہو جائے ہر چند کہ محبوب علی خان بڑا فزائد اور عاقل یگانہ تھا اور کبھی شراب نہیں پیتا تھا لیکن ایسے وقت میں عقل کو دماغ سے رخصت کر کے اُس کے ہاتھ سے پے در پے شراب لے کر خوب پی اور متوالا ہو گیا اسی طرح دو دنوں میں رشتے بے تکلفی و دوستی مستحکم ہو گیا نئے کا زور گھسنے کے بعد مختار الدولہ نے محبوب علی خان کی گردن پر یہ احسان ہو کھا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو اپنا نائب بنا کر تمام ملک کی حکومت کا کام تمھارے ہاتھ سے لیا کر دوں لیکن بالفعل چکلہ کوڑہ سرحد آدہ تک تمھارے رسالے کی تنخواہ میں دیتا ہوں اول تم جا کر وہاں کا انتظام کر آؤ محبوب علی خان بھی نواب کے دربار کا رنگ دیکھ کر بہت متفکر رہتا تھا اُسے اسے غنیمت سمجھا صبح کو مختار الدولہ اسے نواب کے پاس لے گئے اور خلعت دلو کر ادھر رخصت کیا۔

مختار الدولہ نے راجہ ہمت بہادر کو اس کے پیادہ و سوار اور میر احمد کی ایسی اور دوسری فوج کے ساتھ جسکی تعداد بیس چالیس ہزار جوان کم نہ تھی کا پی وغیرہ کی تسخیر کیلئے روانہ کیا۔

مختار الدولہ نے اپنے ایک بھائی کو فیض آباد کا ناظم مقرر کر کے ادھر بھیجا اُس نے ادب نے امتیاز و پاسداری کا لحاظ بالائے طاق رکھا باوجودیکہ عین بازار چوک

کہ پواج لوگ اور بازاری آدمی بھی مات ہو گئے وہ بھی ایسے کاموں کو سُن کر ترسنا
ہوتے تھے آصف الدولہ کی ایسی بد وضعی شہرت پزیر ہوئی کہ دور و نزدیک کے
لاکھوں آدمی ہر وقت یہی چرچے کرتے اور کہتے کہ خداوند اعمد آدم ابوالبشر سے
اس وقت تک سیکڑوں بادشاہ۔ اُمراءِ ظالم۔ سفاک۔ نامرد و بے حیا عالمین
گذرے ہیں لیکن تاریخ کی کسی کتاب میں ایسا ناپاک حال نہیں دیکھا۔ اُن کے
بعض مصاحب بے ادبی والے کر کے مشہور تھے جیسے بھوانی سنگھ نواز سنگھ
اور رستم علی وغیرہ۔

کسی رذیل سی رذیل قوم کا دنی الطبع آدمی ایسا نہ تھا کہ جس کو ایسے میباک
وہیودہ خیالی نواب نے ترقی و ثروت ندی ہو یہ لوگ حجاز و دارپالکیوں اور
خاص سرکاری عمدہ عمدہ گھوڑوں اور ہاتھیوں پر بیٹھے ہوئے کوچہ و بازار میں
منکبرانہ پھرتے تھے۔ سیر المتاخرین کا مولف کہتا ہے کہ میں لکھنؤ میں آیا تو ان
بے عقول کو دیکھا کہ درحقیقت بموجب اس آیت کے اولئک کا لانعام بل یضل
سبیلہا سراپا بہائم بنو تھے اور یہ مصنف نواب کو جن کو تاریخ سے ناواقف لوگ
فرشتہ سیرت اور اعلیٰ طبیعت عموماً متحمل دے پروا بتاتے ہیں بہت احمق کہتا ہے
اور انکے چال چلن کو ناپسند کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ انھوں نے ریاست کو برباد
اور انتظام سابقہ کو بہم کر دیا۔

سپاہیان نجیب کا طلب اضافہ کیلئے بلوا کرنا مختار الدولہ

کا اُنکے ہاتھ سے بے حرمت ہونا

شجاع الدولہ نے روهیلوں سے لڑائی شروع کرنے کے وقت اپنی سپاہ کی

دوسرے غیر خواہاں قدیم عہد شجاع الدولہ کو بے حد درتقصیر بات بات پر ذلیل
 و تنگ کرتے تھے چاہتے تھے کہ ہر وقت یہ لوگ انکے سامنے دست بستہ رہیں اکثر
 صاحب عزت ان باغیرت نے نوکری چھوڑ کر خانہ نشینی اختیار کی نواب سالار جنگ
 لشکر میں اور نواب مرزا علی خان فیض آباد میں موجود تھے اگر بھوڑا سا ملنطنہ
 و کھلتے اور روسائے لشکر کو متفق کر کے ملک و فوج کے بند و بست پر کمر باندھتے
 تو اس قدر خرابی و خشکی پیدا نہ ہوتی مگر یہ لوگ پرلے درجے کے ڈرپوک اور عیاش
 تھے اسلئے کیا ہو سکتا اگر کچھ انھوں نے کیا تو یہ کیا کہ اپنی بیٹیاں مختار الدولہ کے
 بیٹوں کے نکاح میں دیکر اپنے مزے بنے رکھے۔ عنبر علی خان اور یوسف علی خان
 خواجہ سراؤں نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ہمہ تن مختار الدولہ کی حاضر باشی میں ملوث
 رہنے لگے اور اس طرح انکی عزت و آبرو بچی اور جس نے ایسا نہ کیا وہ خرابی و
 آوارگی میں مبتلا ہوا۔

نواب آصف الدولہ کے بھوڑے سے اوصاف

فیض بخش کے قلم سے

نواب آصف الدولہ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی انکے سلام کا قصد کرتا تو فرماتے کہ
 مختار الدولہ کے پاس جائے ہم کو کسی کا سلام درکار نہیں۔ رات دن کمرتبہ وہ ہمیشہ
 ہندوؤں کے ساتھ نشہ شراب میں مغموس رہتے اور ایسے پوچھ لوگوں کی رائے
 اور پسند کے موافق جو ذلیل و سبک شوق ہوتے ہیں ان میں کوئی دقیقہ باقی
 نہ چھوڑتے اس قدر بے حجابی و نامشروع اور خارج از غیرت و حیا کا موغین اختیار کی

قہر کا مطلق لحاظ نہ کیا انکی پاکی کو گھیر کر کمارون کے کندھوں سے زمین پر گرا دی
 اور مختار الدولہ کو کھینچ کر باہر نکال لیا ڈنڈوں اور بند و قون کے کندھوں سے مارا
 اس حقیقت میں ان کے سر سے پکڑی گر گئی اور کپڑوں کی دھجیان اڑ گئیں اور
 قید کر کے دھوپ میں بٹھا دیا اور انکے نوکروں اور رفیقوں میں سے جو بڑے لگاؤ
 کی مشکین باندھ کر نوپون پر کہ گرمی سے جل ہی تھیں بٹھا دیا اور جو رفیق و نوکر
 مختار الدولہ کے سپاہیوں کے ہاتھ نہ آئے گولیاں اور گولے چلا کر ان کو بھگا دیا۔
 ایک بہر تک مختار الدولہ ایسی مصیبت میں گرفتار رہے کہ خدا کسی پرندے
 اسکے بعد نشہ بادہ غرور و نخوت اڑا اور ہر ایک کی خوشامد کرنے لگے اور سپاہیوں
 کی دلجوئی میں مصروف ہوئے لیکن وہ لوگ سولے تنخواہ ملنے اور اضافہ ہونے کے
 کسی بات پر نہ سمجھتے تھے نواب آصف الدولہ نے جب مختار الدولہ کی اس فلت و
 خوار سی کا حال سنا تو ان کو نہایت غصہ آیا اور اس حالت کو دیکھنے کے لیے بارگاہ
 کی چھت پر تشریف لے گئے اور تو بجانے کے داروغہ کو حکم دیا کہ نوپن تیار کر کے
 ان مفسدون کو اڑا دے اور تمام رسالہ داروں کو بھی فرمان دیا کہ اپنے بند و قہرون
 اور سواروں کو مختار الدولہ کی اعانت کے لیے معز کر میں ہر ایک افسر نے یہی عذر
 کیا کہ اس وقت سپاہ کا بلواسے عام ہے کسی سردار و افسر کے اختیار میں کچھ باقی
 نہیں ہے فتح مطلق قابو میں نہیں جو سپاہی کہ حضور کے پہرے چوکی پر مامور ہیں
 یہ بھی انہیں لوگوں سے رفاقت و ہمدردی رکھتے ہیں یہی بہتر ہے کہ مفسدون
 کے قصورات کو نظر انداز فرمایا جائے اس سربازی کو تغافل میں ڈال کر تنخواہ دلا دی جائے
 اور اضافہ بھی منظور کر کے خوش کر دیا جائے جب غصہ پیدا ہو جائے اور اس

دلدار سی کے لیے اُس سے اضافے کا وعدہ کیا تھا یہ فتح خدا سنا زامکی سپاہ کی پیش
 کے بغیر حاصل ہو گئی اُسی زمانے میں نواب نے انتقال کیا تمام سپاہی اس عطیہ سے
 محروم رہے اس زمانے میں اکثر شوریدہ نختون نے زمانے کا رنگ دیکھ کر طلب خواہ
 و اضافہ کے لیے بلو کیا مختار الدولہ کو اپنی شوکت و حشمت پر گھمنڈ تھا اس لیے
 انگو کوڑے کرٹے جواب دیے ان باتوں سے سپاہیوں کا ہر فرقہ لڑنے مرنے کو مستعد ہو
 اُنھوں نے اپنے افسروں کو نکال دیا اور توپیں تیار کر کے لگا دیں اور اُن کے پیچھے
 اپنی صفیں جب ادر لڑائی کو مستعد ہوئے ابھی تک نواب مہدی گھاٹ پر
 مقیم تھے کہ لشکر میں بیچینی پھیل گئی بازاری لوگ جو نہایت ڈروک ہوتے ہیں اپنی
 اپنی دوکانیں سمیٹ کر بھاگنے لگے اس وقت مختار الدولہ بادہ نخت و غرور کی
 بدستی سے کسی قدر ہوش میں آئے اور بعض سرداران لشکر کو آتش فشا کی تسکین
 کے لیے بھیجا لیکن بات بڑھ گئی تھی کسی نے نصیحت نہ مانی اور ہر ایک رسالے میں
 سے جوق جوق سپاہی اپنے اپنے افسروں سے منحرف ہو کر بلوائیوں کی جماعت میں
 شامل ہونے لگے سرداران لشکر نے جو دیکھا کہ یہاں ہم تنہا کیا کر سکتے ہیں جو کچھ زور
 ہے سپاہ سے ہے اور سپاہ منحرف ہو گئی کمین ایسا منہو کہ چشم زدن میں تمام لشکر
 لٹ جائے اس لیے وہ سب متفق ہو کر مختار الدولہ کے پاس گئے اور اُن کی منت
 و سماجت کی مختار الدولہ کے دماغ میں دود و نخت بھرا ہوا تھا کسی کو اپنا حریف
 و ہم چشم نہ جانتے تھے اپنی جگہ سے تو تدارک نہ کیا بلکہ پاکی میں بیٹھ کر بعض معتمد
 رفیقوں کو ساتھ لے کر اُن باغیوں کے مجمع میں تشریف لے گئے یہ لوگ اُس وقت
 نہ کسی کے فرمانبردار تھے اور نہ جو ابذہی سے دڑتے تھے مختار الدولہ کے سطوت و

جان برسٹو صاحب کارڈینٹ ہو کر وزیر کے

لشکر میں آنا

مسٹر جان برسٹو چلکنتے سے نواب آصف الدولہ کے پاس رزیدنٹ بنا کر بھیجے گئے تھے وہ مہمدی گھاٹ کے مقام پر وزیر کے لشکر میں پہنچے ان دنوں کرنل پھولیس کی بوجہ چرب زبانی کے گرم بازاری تھی اور کپتان کانوی مصاحب کرنل کلیس کچھ نو کرنیل کی مدد سے اور کچھ اسکے لشکر کی قوت سے وزیر الممالک اور ان کے مدارِ لہام پر غالب آگیا تھا۔ یہ شخص ہر روز اپنی افزائش اور کار پر دازان سلطنت کی ہر اے کے لیے ایک نکل تازہ کھلاتا تھا ان دنوں صاحبون کو برسٹو صاحب کے رزیدنٹ ہو کر اودھ کی طرف روانہ ہونے کی خبر تھی لیکن اس خیال سے کہ کساد بازاری نہ ہو جائے اس بات کو ان سنی کر کے اپنے کام میں سرگرم تھے اگر کبھی کبھی آصف الدولہ مسٹر جان برسٹو کے حالات اور ان کی چلکنتے سے روانگی کی وجہ دریافت کر بیٹھتے تو سہل اور سبک طریقہ پر کچھ بیان کر دیتے مطلقاً کسی کو یہ خیال نہ تھا کہ وہ پورے پورے اختیارات کے ساتھ چلکنتے سے آہے ہیں یہاں تک کہ لشکر کے قریب پہنچ گئے مختار الدولہ نے ان کو نرینرو کی صلاح سے بادل ناخواستہ استقبال کیا اور ملاقات کو نواب کے پاس لائے نواب نے بھی جو کچھ خاطر کی وہ ننگے مرتے سے کم تھی لیکن جان برسٹو باوجود نوجوان ہونے کے ہوشیار اور مدبر آدمی تھے زمانے کی ہوا اور مجلس کارنگ دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہاں کا حال یہ ہے ان لوگوں نے انسانی کی مطلق شکایت نہ کی کرنل پھولیس کے خیمے میں ٹھہر گئے اور حریفوں کو غفلت میں ڈال کر ہر ایک کے ساتھ بزمِ خلاص

بغاوت کی آگ بجھ جائے اور بے عقل لوگ پشیمان ہو کر ندامت و خجالت کو وسیلہ
 شفاعت بنا کر عجز و زاری کر کے بندگان عالی کے قدموں پر سر رکھ دیں اور
 اپنے سر وار دن کا حکم ماننے لگیں تو اس وقت آہستگی اور تامل کے ساتھ ہر ایک سالے
 میں سے چند ایسے آدمی جو شور و ہشت اور فتنہ انگیز ہوں چُن چُن کر جوڑ میں مہم
 کر کے توپ سے اڑوا دیے جائیں تاکہ سب پر رعب چھا جائے اگرچہ نصف الدولہ
 غیرت شوکت کی وجہ سے سپہ سالار آتش غضب میں بے چین تھے لیکن کیا کر سکتے
 تھے بجز پیرا کرنے اس التماس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ مجبور ہو کر راجہ پٹر چند غراچی کو
 بلا کر حکم دیا کہ جس امر میں مفسدون کی استرضاء ہو اُسکے مطابق عہد و پیمان سے
 اطمینان کر کے اور دست بردست زرتخواہ چکلا کے مختار الدولہ کو اُنکے رنج سے
 بچھڑا لائے راجہ پٹر چند ۳۰ ہزار اشرفیان خزانے سے لیکر اُن بواہوں میں پہنچا
 اُن لوگوں نے اول اُس کو بھی خوب برا بھلا کہا لیکن وہ شیریں زبانی اور
 لطائف اسخیل سے پیش آیا جس سے ہر ایک کی گرمی ٹھنڈی ہو گئی اور سب کو
 تنخواہ دے کر اور اضافہ ملنے سے قبول کر کے اُنکے پنجے سے مختار الدولہ کو رہا کر دیا
 اور ہر ایک کو حسن تدبیر سے راضی کیا اور اُن کی تنخواہ میں وہ اشرفیان
 بچکا دیں۔

مختار الدولہ ایسے روز سیاہ سے خواب میں بھی واقف نہ تھے اپنے تخت مغرور
 کا خوب پھل پایا نواب وزیر کے سامنے آئے تو دل میں خجالت آنکھوں میں ناشائستہ
 بھرے ہوئے تھے۔ نواب سے داد و بیہاد کی آنکھوں نے لطف و مہربانی سے گلے سے
 لگا لیا اور خلعت ملبوس بخشا۔

نواب وزیر کے پاس پہنچے اور تمام واقعہ بیان کیا ارکان حضور اب تک مطلق العنان اور فارغ البال تھے یہ حال معلوم کر کے بہت گھبرائے۔ شام کے قریب مختار الدولہ تصفیہ خاطر کے لیے گئے اور نرم و شیریں باتیں کر کے ریڈنٹ کی دلجوئی کی وہ عقل و دانش کے پہاڑ تھے نائب کی چالوسی کی باتوں میں نہ آئے اور اُسی طرح تمکنت و وقار کے ساتھ جواب شافی دے سکتے تھے۔

انگریزوں کے اصفالدولہ کے ساتھ معاملات

کلیرنگ ٹرنٹن ایجنٹ تو چلے ہی گئے تھے اور اُن کی جگہ جان برسٹو صاحب بھیجے گئے تھے شجاع الدولہ کے مرتے ہی گورنر کی کونسل میں فرینکسن اور کرنیل ٹون سن او جرنل کلیورنگ کی غلبہ آراء سے یہ امر فیصل ہوا کہ شجاع الدولہ کے قے مجبور و پیہ واجب الادا ہے اُسکو بہت جلدی سے وصول کرنا چاہیے اور یہ کہنا چاہیے کہ جو عہد و پیمان اُنکے باپ کے ساتھ سرکار کمپنی کے ٹھہرے تھے وہ سب اُن کے ساتھ قبر میں گئے اور کوئی اُن میں سے اب باقی زندہ نہیں اب جو ہم سے نیا سودا ادا و اعانت کا لوگے تو اُسکی قیمت از سر نو ٹھہرائی جائے گی پُرانے بھادو پر نہیں دی جائیگی برسٹو صاحب سے جس دن مختار الدولہ ملنے آئے تھے اُسکے ذہن سے دن اُن کو بٹا کر صاحب مذکور نے یہ کہنا کہ بادشاہ ہندوستان نے بنارس اور جنپور اور چار گڑھ اور غازی پور اپنی مہربانی سے سرکار کمپنی انگریز بہادر کو ہمیشہ کے لیے آل تمغا کے طور پر بخش دیے تھے لارڈ کلایو نے خدا بنائے کس وجہ اور کس خیال سے نواب شجاع الدولہ مرحوم کو کمپنی کی طرف سے اور اپنی جانب سے چھوڑ دیے تھے اب صاحبان کلکتہ کی

میں شریک ہونے تمام حال یہاں کا اور کرنیل کلیس و کپتان کانوسی اور کرنیل پھولیر
 کے وزیر کے معاملات میں دخیل ہونے کا قصہ کلکتہ کو لکھ بھیجا جب وہاں کرنیل پھولیر
 اور کپتان کانوسی کے دخل و تصرف کا حال معلوم ہوا تو گورنر اور ممبران کونسل
 ناخوش ہوئے اور ریڈنٹ کو لکھ بھیجا کہ اگر یہ دونوں اب بھی وزیر کے لشکر میں موجود ہوں
 تو گرفتار کر کے کلکتہ کو بھیج دو اس حکم کے یہاں پہنچنے سے قبل اتفاقاً یہ سال
 کپتان کانوسی اور کرنیل پھولیر کو معلوم ہو گیا کپتان تو پریشانی کی حالت میں
 کوئی حیلہ کھڑا کر کے وزیر کے لشکر سے بگرام کوچ لگایا اور وہاں سپہ کی چھاؤنی میں
 رہنے لگا۔ اور کرنیل کلیس اپنے تمام خیمہ و خرگاہ اور اسباب حشمت و جاہ کرنیل پھولیر
 کے حوالے کر کے جس قدر اسباب بے جاسکا ساتھ لے کر باقی سامان و دستوں کو دیکر
 کلکتہ کو روانہ ہو گیا۔ ان دونوں اگر بزدل کے متوسلون اور رفیقوں پر عجب نقلاً
 اور شورش کا عالم گزرا اور انکی روانگی کے بعد اندیشہ و تردد کے دروازے
 کھل گئے رنجنا را دلہ اس وقت خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور بادہ بخوت سے
 ہوشیار ہوئے اسی روز راجہ جھاؤلال کو نواب وزیر کی طرف سے متفاسر صحبت مزاج
 کے لیے ریڈنٹ کے پاس بھیجا انھوں نے راجہ کی طرف التفات نہ کیا لکھنے میں
 مشغول ہے تھوڑی دیر تک جھاؤلال سلام کرنے کی آرزو میں کھڑے رہے دیر کے بعد
 سر اٹھا کر مہربانی کے ساتھ انکی طرف دیکھا جھاؤلال نے جڑ اٹ کر کے وزیر کی طرف
 سے خیریت پوچھی جان برسٹو صاحب نے درشتی کے لہجے میں جواب دیا کہ میری صحت خلیج
 کی خبر دریافت کرتے ہو میں بیمار نہ تھا مجھے ہندوستانیوں کی چا پلوسی پسند نہیں
 جھاؤلال نے جو یہ عیب و جلال دیکھا اور کلمات طلال نے تو بدحواس ہو کر فی الحال

خوف آمیز و ہول انگیز سے ڈرا کر اس امر پر آمادہ کیا کہ کیا ضرور ہے کہ سہل معاملات کے لیے اس قدر تکلیف سفر کی برداشت کی جائے اور انگریزوں کو اپنی طرف سے رنج پہنچایا جائے یہی بہتر ہے کہ تھوڑا سا ملک اُنکو دے کر دوستی مستحکم کر لی جائے تاریخ تیمور یہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمپور صاحب نے مختار الدولہ کو لطف الحیل میں راضی کر لیا تھا اور بعض کاموں کی اُن کو اُمید بھی دلائی تھی مگر المتاخرین میں بھی ذکر کیا ہے کہ برہمپور صاحب نے مختار الدولہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بنارس وغیرہ کا علاقہ جو راجہ چیت سنگھ بن بونت سنگھ کی زمینداری میں ہے اور جسکی الگداری پچیس لاکھ روپے کی ہے اور ستر لاکھ روپے کے قریب محاصلات ہے سرکار کمپنی کو دلا دے اُس اُمتح نے آصف الدولہ کو جان برہمپور صاحب کی طرف سے امید و بیم میں ڈال کر راضی کر دیا۔

شیرج صاحب تاریخ ہند میں اس مطلب کو یوں ادا کرتے ہیں کہ کونسل کے انھیں تین ممبروں نے ہسٹنگز کی مرضی کے خلاف نواب وزیر اودھ کو دبا کر بنارس قلم دس کر انگریزی میں شامل کرالیا۔ غرض کہ ریڈیٹ کی تدبیر سے ۲۰ سچ الاہلی ۸۹ھ ہجری مطابق ۲۱ مئی ۱۷۷۷ء کو نیا عہد نامہ لکھا گیا کہ کوڑہ اور الہ آباد کے اضلاع جو شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کیے گئے تھے آصف الدولہ کے قبضے میں اُسی ہیئت سے رہیں گے جیسے کہ ملک اودھ اُنکے پاس ہے اور سر داران انگریزی عہدہ کرتے ہیں کہ وہ صوبہ اودھ اور کوڑہ والہ آباد کی حفاظت کریں گے جب تک مرضی کو رٹ آتے ڈاکٹر کرنل کی دریافت ہوگی اور نواب نے اپنے ملک کی اس حفاظت کی بابت انگریزی کمپنی کو تمام اضلاع ماتحت راجہ چیت سنگھ کے معجھول ٹپکی و ذریا دیدیئے

یہ مرضی ہے کہ اگر نواب آصف الدولہ کو سرکار کمپنی کے سرداروں سے نمودت منظور ہو تو یہ مقامات سرکار کمپنی کو دیدین اور اپنے دوسرے پرنے اور بٹے ملکوں پر بدستور قابض و متصرف رہیں اور انگریزوں کو اپنا مدد و معاون سمجھیں مختار الدولہ یہ بات منکر نہایت پریشان خاطر ہوئے اور گنڈا ریش کیا کہ ملک کے مالک نواب آصف الدولہ ہیں انکی صلاح اور اجازت کے بغیر مجھے نفی و انکار کا اختیار نہیں برسٹو صاحب نے کہا کہ اب سے شام تک کی فرصت ہے اگر انگریزوں سے دوستی رکھنی منظور ہے تو ان علاقوں کے حوالے کر دینے کی سند تیار کر کے بھیج دی جائے اور اگر کچھ اور منظور ہے تو اس لئے سے اطلاع دی جائے۔ مختار الدولہ خاطر آشفہ آصف الدولہ کی خدمت میں آئے تمام حال ان سے عرض کیا نواب کے مشیر دن نے بہت سی فکر و ڈرامی لکھ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی بجز اسکے کہ علاقے دیدیے جائیں۔

کپتان کالون نے بعض معتدوں کے ذریعہ سے عرض کرایا کہ کلکتے سے ہرگز ایسا حکم نہیں آیا ہو گا یہ جو کچھ کر رہے ہیں برسٹو صاحب اپنی طرف سے کر رہے ہیں انکو کمپنی کی طرف سے علاقے مانگنے کی بدایت نہیں حضور انکی بات کی طرف التفات کریں اور سوال و جواب میں قاصر نہ رہیں اور اس فیملی و جہالت کی شکایت کلکتے کو لکھیں اور حضور اپنے پیش خیمے کلکتے کی طرف کھڑے کرائیں اور برسٹو صاحب سے کہنا بھیجیں کہ نواب مرحوم اور صاحبان انگریز ہیں جو عہد نامہ ہوا ہے انکی دفعات و یکہ لوگ ان تمام عہد و پیمان کے موجود ہوتے تمھاری طرف سے خلاف درزی ہوگی تو میں خود کلکتے جا کر صاحبان کو نسل سے مباحثہ کرونگا جو کچھ مقدم ہے وہاں مقرر ہو جائے گا اگر ارکان دولت نے آرام طلب نواب کو ان باتوں پر توجہ نہ کرنے دی اور کھلم کھلا

سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ ہسٹنگز صاحب گورنر اگرچہ اس بات سے کٹنگ بہت
 ضمیمہ سرکار کمپنی ہوا خوش ہوئے مگر اس وجہ سے کہ شجاع الدولہ کے عہد میں وہ خود
 بنارس تک آئے تھے اور ملک مذکور کی درخواست کی تھی اور شجاع الدولہ نے
 بہت سے عذر کر کے ٹالے بالے بتا دیے تھے اور نہ دیا تھا۔ جان برسٹو نے جو ان
 کی طرف سے رزیڈنٹ تھا ایسا بڑا کام کر کے ممبران کونسل کے سامنے ناموری مصل
 کی کسی قدر ملول ہوئے تاریخ تیموریہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ جب اس خوبی کے ساتھ
 جان برسٹو صاحب کی حسن تدبیر سے ملک کے دینے کی خبر صاحبان کلکتہ کو پہونچی
 تو جنرل کلیورٹک وغیرہ نہایت خوش ہوئے اور گورنر ہسٹنگ اس وجہ سے کہ
 انگریزوں کی یہ تمنا جنرل کلیورٹک کے متوسل کے ہاتھ سے ظہور میں آئی نہایت
 ملول ہوئے۔

بہر صورت گورنر نے ان شرطوں کے منظور کرنے میں یہ عذر کیا کہ وہ بالکل برخلاف
 اُن عہد و بیان کے ہیں جو شجاع الدولہ کے ساتھ ہوئے تھے اور گورنر نے یہ کہا کہ
 اس وقت جبراً و قہراً نواب سے جو شرطیں چاہو ٹھہراؤ وہ اپنی ضرورت کے سبب
 سب کو منظور کر لینگے مگر اُن کا ایفا کر سکیں گے جب کورٹ ڈائرکٹرز کو اس نئے عہد نامے
 کی خبر ہوئی کہ بہت سال ملک ہاتھ آتا ہے اور زیادہ روپیہ دینے کا اقرار ٹھہرا ہے تو انھوں نے
 مرسلس ۲۴ دسمبر ۱۷۸۴ء میں یہ لکھا کہ ہم کو کبھی ایسی خوشی خاطر ملازمن کی کارگزاری
 سے حاصل نہیں ہوئی جیسی کہ آصف الدولہ کے ساتھ اُن کے عہد و بیان کرنے سے
 ہوئی۔ جو عہد و بیان آصف الدولہ کے ساتھ کیے گئے ہیں ہم اُن کو بطیب خاطر
 منظور کرتے ہیں۔

جکی تفصیل یہ ہے۔

سرکار بنارس۔ سرکار چنار گڑھ۔ لکھنئیس گڑھ۔ اضلعی جونپور۔ بجنپور۔ طبرہیں۔ خالص

بھدوئی۔ سرکار غازی پور۔ پرگنہ سکندر پور۔ فرید شادی آباد۔ ٹپہ سرخ۔ وغیرہ

اکملاخرچ ۲۲ لاکھ ۴۸ ہزار ۴ سو ۲۹ روپیہ مقرر تھا اور نواب نے یہ بھی اقرار کیا

کہ وہ قاسم علی خان صوبہ دار سابق بنگالہ اور شمر دقاتل انگریزان کو اپنے ملک میں

آنے نہ دینگے اور نہ اپنے پاس رکھینگے اور اگر وہ اُنکے قابو میں آجائینگے تو اُنکو قید کر کے

انگریزی کمپنی کے سپرد کر دینگے اور یورپ کی کسی اور قوم کو اپنی ملازمت میں بغیر

رضا مندی انگریزی کمپنی کے نہ رکھینگے اور جو کوئی انگریزی کمپنی کے پروانے کے بغیر

اُنکے ملک میں آئے گا یا اُس میں گذر کرے گا یا رہے گا یا معلوم ہو گا کہ ملک میں ہے

تو وہ اُسکو آنے نہ دینگے بلکہ اُسکے آنے میں مانع ہونگے۔ اور اگر آ بھی جائے گا تو اُس کو

واپس بھیج دینگے۔ تمام یورپین کسی قوم کے ہوا چاہے وہ اب دیر کے ملازم ہیں اس

عہد کی دوسری درخواست ہو س اور نہ ہوں نہ وہ۔ چنانکہ اُنکو نوکر نہ رکھینگے اور جو شخص

انگریزی کمپنی سے مفور ہو کر آیا ہے یا آئیرہ آئے گا بشرط گرفتار ہونیکے انگریزی کمپنی

کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور طرفین نے یہ بھی ذقار کیا کہ اگر بادشاہ کوئی بات ایک

کی نسبت دوسرے کو لکھینگے تو وہ اُسکی رضا مندی اور ارادے کے موافق کارروائی کرے گا

اور بادشاہ کی تحریر و تقریر پر کچھ بھی طائفہ کیا جائے گا۔ اور نواب نے ایک اقرار نامہ

مہری علیحدہ اس مضمون کا بھی لکھ دیا کہ زر بقایاے انگریزی کمپنی بابت کوڑہ والا

در وہیلکھنڈ و تنخواہ فوج حسب عہد نامہ نواب شجاع الدولہ بلا عذر و تکرار بر وقت

واجب ہونے کے ادا ہو گا۔

اولادِ حافظ رحمت خان اور دوندے خان کی قلعہ آباد

سے رہائی

شیو پرشاد نے فرح بخش میں لکھا ہے کہ دوندے خان اور حافظ رحمت خان کی اولاد اور جس قدر روہیلکھنڈ کے علما و فضلا و شرفا قلعہ آباد میں قید تھے انھوں نے متواتر عرضیاں نواب سید فیض اللہ خان بہادر والی رامپور کی خدمت میں بھیجیں اور استدعا کی کہ اس قید سخت سے ہم کو رہا کر دیجیے۔ نواب موصوف نے رحم کھا کر مسٹر جان برسٹو لکھنؤ کے انگریزی ریزیڈنٹ کو ان کی رہائی میں کوشش کرنے کے لیے لکھا۔ ریزیڈنٹ نے آصف الدولہ سے سفارش کی اور اس معاملے میں بہت باؤ ڈالا۔ آصف الدولہ نے تین لاکھ روپے ان مجوسوں کی رہائی کے عوض میں طلب کیے اور یہ رقم اس طرح سے پوری کی گئی کہ ایک لاکھ اسی ہزار روپے نواب سید فیض اللہ خان نے عطا کیے اور ایک لاکھ بیس ہزار روپے نواب سید سعد اللہ خان کی بگم نے دیے اس طرح تین لاکھ روپے جمع ہو کر جان برسٹو صاحب کے پاس بھیجے گئے جنھوں نے آصف الدولہ سے قیدیوں کی رہائی کا حکم سید معزز خان قلعہ دار آباد کے نام حاصل کر کے بھیجا جسے ایک مہینہ تک سامان کی تیاری کے بہانے سے قفل کیا۔ اور آخر کار ۱۲ شعبان ۱۱۹۹ھ ہجری کو جان برسٹو صاحب کے ہرکاروں اور اپنے آدمیوں کے ساتھ ان قیدیوں کا قافلہ لکھنؤ کو روانہ کیا یہ لوگ گڑمانگیر کے راستے سے ۲۹ شعبان ۱۱۹۹ھ ہجری کو لکھنؤ پہنچے۔ کچھ دنوں خواجہ یاقوت کے باغ میں خیموں میں رہے پھر کرلے کی حلیوں

سیر المتأخرین کا مؤلف کہتا ہے کہ مختار الدولہ نادان لے باوجود ہر قدر تواضع
مفت کے اپنے حق میں کچھ بھی عہد و پیمان ارباب کونسل کلمتہ سے نہ لیا اس وقت
جو کچھ چاہتا فوراً ہو جاتا اور کسی کی مجال نہوتی کہ اُسکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا نہ کہ
اراجاتا۔ اگر اُسیا نا مارا جاتا تو اُسکے انتقام میں قیامت برپا ہو جاتی بلکہ آصف الدولہ
کی ریاست اُسکی اولاد کو مل جاتی۔ لیکن تقدیر یوں ہی تھی القصہ بنارس مع تواضع
کے منیمہ بنگالہ ہوا اور معاملات ملکی و مالی صوبہ اودھ۔ الہ آباد۔ پتھر گڑھ۔ کوڑہ۔
اٹاواہ اور روہیلکھنڈ میں بدون اطلاع جان برسٹو صاحب کے کچھ نہوتا تھا اور
مختار الدولہ بغیر انکی صلاح کے دم نہیں مار سکتے تھے۔

مہدی گھاٹ سے آصف الدولہ کا لکھنؤ کو

چلے جانا

جب گرمی کا موسم آخر ہوا اور برسات کا زمانہ سر پر آیا تو نواب مہدی گھاٹ سے
لکھنؤ کو چلے گئے اور وہاں حویلی قدیم واقع بیچ محلہ میں قیام کیا۔ شہر فیض آباد کی
محافظت کے لیے چند لیٹنن اور بھاری فوج پانہ اور ہرکے رہتے تھے اس شہر میں
جس قدر سامان و اسباب ثروت تھا آہستہ آہستہ اٹھا کر لکھنؤ میں بلالیا اور جب قدر
کارخانے سرکاری ٹھے وہ بھی وہاں چلے گئے یہاں اب امارت و ریاست کی شان
باقی نہ رہی لشکر کا بازار بھی لکھنؤ کو اٹھ گیا افسردہ اور سپاہیوں نے بھی اپنے اہل و
عیال اور اسباب و مال کو وہیں بلالیا فیض آباد کی رونق جاتی رہی۔

چرخ لگائے دو لٹسرا بن گھس گیا جون ہی بیگم صاحبہ کی نظر اسکی کمرچ پر پڑی تو اسکو سخت گالیان دیں۔

اُس دن نواب مرزا علی خان کی معرفت روپے کی درخواست کی گئی بیگم صاحبہ نے جواب دیا کہ میرے پاس روپیہ ہے لیکن وہ شجاع الدولہ کا دیا ہوا ہے اس جواب کے سننے سے مختار الدولہ سانپ کی طرح بل کھانے لگے اور مرزا علی خان کے سامنے بیگم کو بے ادبانہ باتیں کہیں باوجودیکہ یہ بیگم کے بڑے بھائی تھے ڈاڑھی مٹھ پر رکھتے تھے مردی و مردانگی کا دعویٰ تھا۔ لیکن اتنے نہ سترائے کہ مختار الدولہ کو جواب دیتے اور انکو منع کرتے۔ شام ہو گئی تھی اٹھ کر خوابگاہ کو چلے گئے دوسرے دن پھر ڈیوڑھی پر پہنچے اور تھاندا شروع کیا اور بہت تنگ پکڑا اُس وقت بیگم کے محل میں قیس خاں جبریل تھے جن میں دس بارہ جوان تھے اور بیس کے قریب کم عمر بیگم نے انکو حکم دیا کہ تلواریں اٹھا کر محل میں حاضر رہیں فیض بخش مؤلف قرع بخش اور اخوند احمد علی جاہر علی خان کے پاس اسکی جوہلی میں بیٹھے تھے کہ خرم علی بچکا نہ مجلس اسے آیا اور جاہر علی خان کی ڈھال تلوار اٹھالی اور تمام سرگذشت ڈیوڑھی کی بیان کی اُس دن دلون پر نہایت اندیشہ دوسو اس رہا ہولناک خبریں ڈیوڑھی سے پے درپے جاہر علی خان کے پاس پہنچتی تھیں اس دن بھی کوئی فیصلہ نہوا بیگم صاحبہ نے مرزا علی کو کہا کہ تمھاری وجہ سے ہمارا خواب و خور اور چین و آرام یک قلم موقوف ہو گیا ہے ان لوگوں کی طرف سے پیغام طرح طرح کے لاتے ہو اور خود جواب نہیں دیرینے جبکہ مردوں کا یہ حال ہے تو واسے عورتوں پر۔

القصد جان برسٹو صاحب بیچ میں پڑے اور اصلاح کے درپے ہوئے بھوننے

میں رہنے لگے نواب سید فیض اللہ خان کی استدعا کے بموجب آصف الدولہ نے غیاث خان کی بی بی کو جو نواب موصوف کی حقیقی بہن تھیں اور فتح خان خاںساں کے عیال و اطفال اور عبدالجبار خان کے اہل و عیال کو رام پور بھیج دیا۔ وہاں تک کہ گزٹیر میں لکھا ہے کہ دوسرے سال جان برسٹو صاحب نے بڑی تقریر دن کے بعد آصف الدولہ کو ایک لاکھ روپے سال کی نشین ان لوگوں کے واسطے مقرر کرنے پر مجبور کیا شیور شاہ کشائے کہ ایک سال کی تنخواہ دینے کا حکم میر علی رضا فوجدار خیر آباد کے نام حاصل کر کے جان برسٹو صاحب نے اپنے تقسیم کر دی۔

نواب آصف الدولہ کا اپنی والدہ کو دبا کر

روپیہ لینا

لکھنؤ میں پہونچنے کے بعد مختار الدولہ نے ارادہ کیا کہ فیض آباد جا کر سبکیات کے اقبال و ستان کو صدمہ پہونچائیں عالم مستی و نشہ شراب میں نواب سے عرض کیا کہ شجاع الدولہ اور صفدر جنگ کا تمام اند وختہ بیگم صاحبہ کے پاس ہے وہ تمام خواجہ سرا اڑائینگے اور اپنے جاہ و جلال میں صرف کرینگے اگر حکم ہو تو جس طرح ممکن ہو ان سے وصول کر لاؤں نواب کی عقلی گم تھی بے اندیشہ حکم دیا کہ جا کر سامان اور خزانہ وصول کر لاؤ دیوانہ راہوے میں است مختار الدولہ نے بسنت خواجہ سرا صاحب کپو کو لٹنگون کی چند کمپنیوں کے ساتھ اور جان برسٹو اور نواب سالار جنگ کو ہمراہ لیکر فیض آباد کا عزم کیا اور وہاں پہونچ کر شوکت و سخت کے ساتھ حکم کی ڈیوڑھی پر بیٹھ گئے اور نذر جان کو دن کا معمول تھانہ بھیجی بسنت علی خان کہ ایک غلام سے زیادہ نہ تھا کمر میں

اور باقی ۳۶ لاکھ روپوں کے عوض سالانہ ذیل دیا۔

استی ہاتھیوں میں سے شتر ماتھی جن میں سے ہر ایک کی قیمت دو دو تین ہزار روپے مقرر کی تھی سواری کے نو سو ہتھوں میں سے آٹھ سو ساٹھ رتھ جن کے بیل ناگوری تھے۔ شتر ہزار روپے کے حقے جنکے نیچے بچھا رہے تھے۔ گھوڑے کا ایک طلائی زین، امہزار روپے کا حقے کے چالیس چنبرہ جکی زنجیر دن میں قیمتی جواہر چڑے ہوئے تھے اور نہایت نفیس تھے کہ دیکھنے والوں کی عقل اُن کو دیکھ کر دنگ ہوتی تھی۔ موتیوں کے ہار۔ جواہرات۔ بانات اور کاشانی نخل کے تھان اور خلی دباناتی جسے ان تمام چیزوں کو ایک جگہ جمع کر کے قیمت کو تی لکھی اور آٹھ دن میں تمام کام ختم ہو گیا۔

یہ تفصیل فیض بخش نے اپنی کتاب فرح بخش میں لکھی ہے۔ مولوی ذکا ۱۱۷۷
تاریخ ہندوستان میں یوں لکھتے ہیں کہ شجاع الدولہ کو مرے ہوئے بہت دن نہیں گزرے تھے کہ نواب آصف الدولہ نے اپنی ماں کو بہت تنگ کر کے ۲۶ لاکھ روپیہ لے کر اُڑا دیا اور تیس لاکھ روپے اور مانگنے لگے بلکہ انھوں نے یہاں تک ارادہ کیا کہ جملہ اُنکی ماں اور داوسی کے پاس ہے وہ بھی پھین لینا چاہتے ہیں بلکہ نے گورنر جنرل کے یہاں نالش کی کہ اُن کا ۲۶ لاکھ روپیہ تو نواب نے اس بہانے سے چھین لیا کہ سرکار کمپنی کا روپیہ دینا نہایت ضروری ہے اب دوبارہ تیس لاکھ روپیہ وہ اور مانگتے ہیں کہ سرکار کمپنی کو عہد و پیمان کے موافق دینا ناگزیر ہے اگر وہ نداد کیا جائیگا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ بلکہ نے لکھا کہ میں اپنے بیٹے کے ہاتھ سے بہت تنگ ہوں اس پر انگریزوں نے بیچ میں بڑ کر ۱۹ شعبان ۱۱۷۷ ہجری مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۷۷۷ء کو ایک عہدہ نوثق بلکہ کے ساتھ کیا کہ انھوں نے تیس لاکھ روپیہ

بیگم صاحبہ کو کہلایا کہ آپ اب اس قدر روپیہ دیدیں کہ آگے کو مطالبہ باقی نہ رہے
 ورنہ پھر جھگڑا باقی رہے گا نواب آپ سے تقاضا کیا کریگے اور آپ کی عافیت زندگی
 تنگ رہے گی اور آرام مفقود ہو گا اور اس وقت میں اس کام میں وسطہ بنا ہوں
 اس لیے پختہ وعدہ لے لوں گا اور دین و ایمان کی قسم کے ساتھ عہد و پیمان کروں گا کہ اگر
 ایک تحریر ان سے حاصل کر کے آپ کے حوالے کر دوں گا پھر عمر بھر کوئی آپ سے
 معترض نہ ہو گا۔ نواب مرزا علی خان کہ بیگم کے حقیقی بھائی اور جہان دیدہ آدمی تھے
 بیگم کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آصف الدولہ آپ کے بیٹے ہیں اور آپ کی تجویز
 سے مالک و مسند نشین ہوئے ہیں نہایت بے مروت اور اصلی طوطا چشم ہیں اس
 کے علاوہ آج کل شراب کے نشے میں ہر وقت ڈوبے رہتے ہیں جو لوگ ان کی مصاحبت
 میں رہتے ہیں ان کے دماغ میں بوجہ آدمیت نہیں پہنچتی ہے اور مختار الدولہ جو ان
 کے نائب ہیں وہ فرعون سے کم نہیں صلاح وقت یہ ہے کہ تھوڑی سی نقدی
 باقی وہ سامان جو احتیاج سے زائد ہے اور آج کل کسی کام میں نہیں آتا رزیدنٹ
 کی معرفت انکو دیدیجیے۔ رزیدنٹ ممنون ہوئے اور یہ خبر کلکتے اور لندن تک
 پہنچ گئی اور عہد نامہ محکم رزیدنٹ کا مہری آپ کے ہاتھ میں آجائے گا اور اس دوزمرہ
 کی کش مکش سے جو ایک سال سے چلی آتی ہے اور آپ کا چین و آرام جاتا رہا ہے نجات
 حاصل ہوگی بعد اس کے ایسے بیٹے سے درگزر کیجیے اور اس سے کسی بہبود کی توقع نہ کیجیے
 اور گوشہ عافیت میں زندگی کے دن گزارے ایک ہفتے تک قیل و قال اور کش مکش نہ کر
 بیگم نے اپنے بھائی اور رزیدنٹ کی صلاح کو مان لیا اور ساٹھ لاکھ روپے پر اس طرح
 انفصال ہوا کہ پہلے بدفہات ۱۶ لاکھ روپے دیے تھے۔ آٹھ لاکھ روپے نقد اب دیے

دوازدہ امام اور چار دہ معصوم اور سرداران انگریزی کو گواہ دیتا ہوں سرداران انگریز اس قول نامے میں شریک میرے ہیں دوسرے یہ کہ میں زرقضہ اپنی مان سے طلب نہ کروں گا میرا کچھ دعوے اب اُسپر نہیں ہے اور میں ہرگز اس عہد نامے سے انحراف نہ کروں گا۔ اگر میں احیاءِ خلافت و رزی اس عہد نامے کی کروں تو یہ تصور کیا چاہیے کہ میں سرداران انگریزی کی کہنی سے منحرف ہو گیا۔ سرکار انگریزی طرفین کی ضمانت ہوئی۔

اسکے بعد بیگم صاحبہ کو بیٹے سے ایسی نفرت پیدا ہوئی کہ اُن کا نام زبان پر نہیں لاتی تھیں اگر کوئی دو سرابیٹے کا مان کے سامنے ذکر کر بیٹھتا تو اُسکو منع کر دیتیں اور اگر کسی ضرورت سے خط لکھنے کا اتفاق ہوتا تو لفافے پر بر خوردار نوز چشم کی جگہ صرف آصف الدولہ لکھتیں سات برس تک یہی دتیرہ رہا اگر سال بھر کے بعد نواب شکار کی تقریب سے کبھی دار السلطنت سے روانہ ہوتے اور فیض آباد کی طرف اُن کا گذر ہوتا تو ایک یا دو رات مقام کرتے اور مان کے سلام کو مجلسِ امین جانتے تو چند ساعت رو برو بیٹھ کر اُسٹھ کھڑے ہوتے مان بیٹے دونوں کو انقباض رہتا کوئی بات پیار و انبساط کی ظہور میں نہ آتی۔ بیگم صاحبہ کا میلان خاطر بیٹے کی ضد سے بی لطفن کی طرف ہو گیا اور آصف الدولہ کے بیچ سے اُسکے بیٹے کو عروج دیا اور چچ کہ یہ منظور تھا کہ بیٹے کو ترک نہ پہونچے بے دریغ لاکھوں روپے کا مال بجا صرف کرتیں۔

بھاؤ لال وغیرہ کی مذلت اور بعض پلٹنوں کی برطرفی

۔ مختار الدولہ چند ماہ تک فیض آباد میں رہے اور بیگمات سے نقد روپیہ اور مال

اُن کو ویرین اور نواب نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنی والدہ سے قیس لاکھ روپیہ بابت قرضہ حال اور چھبیس لاکھ روپیہ بابت قرضہ سابق کے کچھ نقد اور کچھ سبب اور جواہرات اور ہاتھی اور اونٹ وغیرہ ورثہ پوری لیا اور اب کچھ دعوے میرا اُن پر باقی نہیں رہا یہ سب میں نے افسران انگریزی کے ذریعہ سے لیا اور اب مطالبہ زیادہ اس سے ترک کیا اور میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی والدہ سے مزاحمت بہ نسبت جاگیر اور گنجیات اور بارہ درہ اور باغات اور ٹکسال اور دھنیں اور کے جو اُن کو نواب مرحوم نے دیا نہ کروں گا اور اُن کے حین حیات اُن کو قابضان سب پر رہنے دوں گا اور جب تک میری والدہ زندہ رہے گی اُس وقت تک میں اُن کو ان سب کی نسبت وق نہ کروں گا وہ اپنی جاگیر میں اپنے ملازمین کی معرفت تحصیل زر کریں میں انکو نہ روکوں گا اگر میری والدہ حج کرنے جائیں تو انکو اختیار ہے جسے چاہیں اپنی جاگیر وغیرہ میں بطور مہتمم چھوڑ جائیں یہ کلیہ اُن کے اختیار میں ہے۔ میں اس میں مزاحم نہ ہوں گا خواہ وہ یہاں رہیں یا حج کو جائیں سب جاگیر وغیرہ اُن کے قبضے میں متصور ہوگی اور کوئی شخص اُس سے مزاحم نہ ہوگا جس کسی کو میری والدہ مہتمم جاگیر وغیرہ قرار دے گی اُس کی میں مدد اور حفاظت کروں گا اور جب وہ حج کو جائیں تو اُن کو اختیار ہے جس ملازم مرد و عورت کو چاہیں اور جو اسباب چاہیں اپنے ہمراہ لے جائیں میں مزاحم اُس کا نہ ہوں گا اور میں کچھ دقت کسی تم کا مطالبہ کر کے جواہر علی خان اور بہار علی خان اور نشاط علی خان اور شکوہ علی خان اور تحوید بنیون کو نہ دوں گا میری والدہ کو اختیار ہے اپنی جاگیر وغیرہ میں جو چاہیں کریں وہ مالک ہیں ان ملازمین کے لحاظ رکھنے کے باب میں خدا اور اُس کے رسول اور

دراوت کے مذکبی ایسے مختار الدولہ کی طرف رجوع کی اور قول و قسم کے اپنی طرف سے مطمئن کر لیا اور پھر اپنے منصب و مرتبے پر برقرار ہو گیا بلکہ بسبب موافقت ظاہری مختار الدولہ کے ہر روز اس کا کام ترقی پر تھا۔

مختار الدولہ کے ساتھ مہدی گھاٹ پر فوج نے جو سختی کی تھی اُن کا دل اس فرقے سے بے حد کمدر تھا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ بسنت علی خان کے پاس زبردست کپو ہے اُسکو براہِ ذکر دینے کی فکر کی اور جھاؤ لال کی سپاہ کو بھی اور کم کرنا چاہا غرض اُن کی یہ تھی کہ سپاہ انکی یاری پر نہ ہے گی تو ہمیشہ میرے دست نگر رہینگے۔ اس کام کے پورا کرنے کو اُنھوں نے جھگڑانا وہ کے بند و بست کیلئے روانگی کی خبر مشہور کی اور اولہ خزاہ شعبان ۱۱۹۹ ہجری کو بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ نواب کو لے کر کوچ کیا اور مہدی گھاٹ کے مقام پر کشتیوں کا پل بند ہوا کہ جھاؤ لال کی چند لپٹنیں اور چند بسنت علی خان کے کپو کی اور کچھ فوج اُس پل کے ذریعہ سے دریا پار کرادی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ پل توڑ کر کشتیاں ہٹا لی جائیں اور دریا کے کنارے توپیں لگوا دیں اور انگریزی فوج کا ایک کپو جو بلگرام میں مقیم تھا اُسے بلا کر حکم دیا کہ ان سپاہیوں کو یہاں سے بھگا دو اب مختار الدولہ نے انکو برطرفی کا حکم بھیجا۔ جب اُنھوں نے یہ فریب پایا تو لڑنے مرنے کو آمادہ ہو گئے براہِ فتنہ پیدا ہوا قریب تھا کہ نام لشکر لٹ جائے کہ جان بہنو صاحب ہاتھی پر سوار ہو کر تھوڑے سے نوکر ساتھ لیکر دریا کو عبور کر کے اُن سپاہیوں کے پاس پہنچے اور کہا کہ جبکہ نواب نے تمکو موفون کر دیا تو تمکو لڑنے کا کیا حق ہے اُنھوں نے تنخواہ کا عذر کیا رز پڈنٹ نے اُسی وقت اپنے کام پر وازون کو حکم دیا کہ ہمارے خزانے سے چند ہزار روپیہ گاڑی میں بھرا لیں

و اسباب لے کر اور وزیر الممالک کے کارخانوں کو سمیٹ کر لکھنؤ کو آئے ان کی غیر حاضری کے زمانے میں جھاؤ لال اور راجہ صورت سنگھ اور راجہ پتر چند خزاہی نے اہم نفقت اور میل کر کے خیر خواہی کے قالب میں نواب مختار الدولہ کی ناشائستہ حرکات کو وزیر الممالک کے ذہن نشین کیا مختار الدولہ ان اخبار خیر اندیشی کو سنکر وزیر کی طرف سے بل میں بے حد خائف تھے جب لکھنؤ کے قریب پہنچے تو تحقیق حال کے لیے بیڑن شہر مقام کرایا وزیر الممالک فرط اشتیاق سے خود مختار الدولہ کے لشکر میں پہنچے اور ان لوگوں کی غمازی کا حال ان سے مشر دحاً بیان کر دیا مختار الدولہ اپنے طالع کی یاد دہی پر خوش و خرم ہوئے اور نواب کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے اور راجہ جھاؤ لال کی متعلقہ فوج میں سے چار پلٹنیں بخیون کی اور چند پلٹنیں تلنگون کی جو اپنی چڑھی ہوئی تنخواہ مانگتی تھیں اسی دن موقوف کر دیں۔ راجہ جھاؤ لال وزیر الممالک کی مصاحبت کے گھمنڈ پر نیزنگی زمانہ سے غافل تھے مختار الدولہ کے حق میں تحقیر و اہانت کی باتیں کرنے لگے۔ چنل خورون نے یہ باتیں مختار الدولہ کے کانوں تک پہنچائیں۔ انھوں نے دربار میں جانا موقوف کیا۔ نواب وزیر اُنکے شیفٹہ سے تھے بے تکلفانہ اُنکے مکان پر پہنچے اور بہت دل داری کی۔ مختار الدولہ نے جو دیکھا کہ وزیر الممالک میرے دام میں گرفتار ہیں اور زمانہ رام ہے تو عرض کیا کہ اگر فدوی کی محنت منظور ہے تو میرے مخالفوں کو اپنے حضور میں حاضر ہونے سے محروم کر دیا جائے نواب نے انکی یہ عرض قبول کی اور اپنی خواہی میں ہاتھی پر بٹھا کر دو تھانے میں لائے مختار الدولہ نے اپنے معاندان کو نہایت زبرد و تہدید کے ساتھ سامنے بلا کر اُنکے تمام کام اور منصب و مراتب چھین کر معزول و مودود کر دیا راجہ جھاؤ لال نے اپنی رہائی بجز اطاعت

شیدی بشیر کی سپاہ کا بلوا کرنا۔ اور اُسکا بھاگ کر ذوالفقار الدولہ نجف خان کے پاس چلا جانا

محمد بشیر شجاع الدولہ کا غلام زر خرید تھا اور نواب مدوح کی خدمت میں نہایت
تقرب رکھتا تھا شجاع الدولہ نے اُسکو نجیب آباد کے انتظام پر مقرر کر دیا تھا جس کا تعلق
نواب سعادت علی خان ناظم بریلی سے تھا اُسے جو دیکھا کہ مختار الدولہ انگریزوں سے
مل گیا ہے اور چاہتا ہے کہ وزیر الممالک کی سرکار کو بگاڑ کر اپنا کام بنائے تو اُس نے
دولت خواہی کی راہ سے نواب کو اس راز سے آگاہ کیا اور ایک عرضداشت بھیجی جس
کا خلاصہ یہ ہے کہ مختار الدولہ کی حرکات ناشائستہ کا انجام سلطنت کے حق میں بہتر نہ ہوگا
ارکان دولت جن سے سلطنت کو مضبوطی تھی بعض کو انہیں سے بے جرم نکال دیا بعض کو قید
کر دیا بعض کو نان شبینہ کا محتاج بنا دیا اور نئے آدمی اپنی مرضی کے موافق نوکر رکھ کر
سب کام اُنکے ہاتھوں میں دیدیے ہیں۔ یہ لوگ رات دن مختار الدولہ کی سرسبزی اور
سلطنت کے ہواخواہوں کی ذلت و خواری کی فکر میں مصروف رہتے ہیں خدا نخواستہ
عنقریب کوئی ایسی خرابی پیدا کر دینگے جس کا تدارک مشکل ہوگا ابھی عنان اختیار
مندگان عالی کے ہاتھ میں ہے اگر یاد رہی اقبال اور تعلیم سرودش ذائش سے حضور والا سپاہ
کی خبر گیری کی مشقت اور دوست و دشمن کے پہچان لینے کی تکالیف گہرا کرین اور لگے
کار پر دازوں کو جنھوں نے ابھی در دولت کو نہیں چھوڑا ہے اپنے پاس بلا کر حقیقت حال
استفسار فرمائیں تو اُسید ہے کہ حریف جواب دہی کے خوف سے سلطنت کی اندرونی بدخواہی
کا خیالی چھوڑ کر خیر خواہی کے رستے پر آجائیں۔ نواب وزیر مختار الدولہ کی محنت میں محو

اور انکی سوردن کی چڑھی ہوئی تنخواہ بیباق کر کے بندوقین ملین اور لشکر سے نکال دیا جب ان کپوڈن کے دوسرے آدمیوں نے یہ کیفیت دیکھی تو دوسرے دن صبح کے وقت کوچ کا تقارر دیا کرا سب نے مرتب ہو کر نوپن اور بندوقین لے کر امیرالامرا مرزا نجف خان کے لشکر کی طرف کوچ کیا۔

آصف الدولہ گنگا کو عبور کر کے فرخ آباد کے نواح میں پہونچے اور دہان کئی مقام کیے اور ریاست میں سے کئی نوپن اور دو قین ہاتھی اور کچھ گھوڑے پسند کر کے لیے کہتے ہیں کہ پانچ لاکھ روپے خرچ کے ریاست فرخ آباد سے مقرر ہوئے ایک روز ایسے بڑے بڑے اولے پڑے کہ ایک ایک اولہ پانچ پانچ سیر کا تھا اسکے صدمے سے بہت سے آدمی اور جانور ہلاک ہوئے پھر یہاں سے اٹار کے کی طرف کوچ کیا۔

سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ آصف الدولہ نے اٹارے پہونچ کر یہاں قیام کیا یہ مقام صوبہ اودھ اور انتر بید کی حدود میں واقع ہے جہاں سے اپنے بھائی سعادت علیؑ کو جو روہیلکھنڈ کی حکومت پر متعین تھے اور شیدی بشیر کو طلب کیا۔

تاریخ تیموریہ سے اٹارے جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رانا جتر سنگھ نے ان کو ہمت بہادر کے ہتھیار کے لیے مختار الدولہ سے عرض کر کے بلایا تھا جس کا حال آگے آتا ہے۔

فائدہ انتر بید اس ملک کا نام ہے جو گنگا اور جمنہ کے درمیان میں ہے یہ دونوں دریا کوہ کمایوں سے ٹکراتے آباد کے پاس مل گئے ہیں تو انتر بید کا مبدو دامن کوہ کمایوں ہے اور منہ نواح الہ آباد۔

۱۲ دیکھو گمان پرکاش

میر بہادر علی نے دشمنوں سے مقابلہ شروع کیا سدرہ ہو کر آخر دم تک مردانگی کے ساتھ مدافعت کرتا رہا کہ آدھ گھڑی تک کسی کی جرات نہ ہوئی کہ بشیر کے خیمے میں داخل ہو کر حقیقت حال سے مطلع ہوا اس عرصے میں شیدی بشیر گنگا سے پار ہو کر آصف الدولہ کی حد سے سلامت نکل گیا۔ یہاں جب میر بہادر علی مارا گیا تو بلوایون نے بشیر کے خیمے میں گھسکر اس کو ڈھونڈا اور نہ پایا مختار الدولہ نے جب بشیر کے نکل جانے کا حال سنا تو بہت افسوس کیا اور اس غفلت کے جرم میں سپاہ کو برطرف کر دیا فرخ بخش مولفہ شیو پر شادا اور سیر المتاخرین میں شیدی کی بربادی خود آصف الدولہ کے اشارے سے بتائی ہے بشیر اکبر آباد میں ایچ خان کے پاس چلا گیا بجف خان نے اس کے آنے کو بھی نعمت غیر مترقبہ تصور کیا اور تھوڑے دنوں کے بعد اپنے لشکر میں جوڈیک کو محاصرہ کیے ہوئے تھا طلب کر کے معانقہ اور مصافحہ کیا اور بہت مہربانی فرمائی اور محالات لاہور اور رہتنگ دہانسی و حصار وغیرہ اس کے سپرد کر کے کہا کہ وہاں کی آمدنی سے اپنے رسالے کی تنخواہ ادا کرے اور اپنے مصارف چلائے اور سپاہ جمع کرے۔ بشیر نے وہاں پہونچ کر مخالفوں اور سرکشوں کو مغلوب کیا اور موسے خان بلوچ کو موافق کر کے لاہور علاقہ رہتنگ میں مقام کیا ملا رحمد خان و سپاہ نے مجد الدولہ کے ایما سے ۳۰ کوس کی مسافت کا دھاوا کر کے بشیر کے لشکر پر خون مارا۔ بشیر اور موسے خان دونوں گھوڑوں پر ہوار ہو کر میدان جنگ سے فرخ آباد کو بھاگ گئے یہ مقام بلوچ مذکور تھا اور غیر ہے اس فرخ آباد سے جو نابان گلش کی حکومت میں تھا۔ ملا رحمد خان نے گھوڑوں ہاتھیوں خیموں بالکیوں اور دوسرے تمام سبلان پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے دنوں بشیر موسے خان بلوچ کے علاقے میں رہ کر

ہو رہے تھے اُنھوں نے مختار الدولہ کو اس راز سے آگاہ کر دیا مختار الدولہ نے مصلحتاً اس بات کو تغافل میں ڈال دیا اور جب بشیر کے افسردہ کو اپنا طرفدار کر لیا تو چند روز کے بعد مخفی اشارہ کیا کہ بشیر کو قید کر لیں اتفاقاً اُسے بھی اس منصوبے کی خبر پائی بیچارہ مع رفتا کے میجر ہوا ایک دن اُس کے آدمی اسکی اذیت دگر فاری کے لیے تیار ہوئے اور طلب تنخواہ کے حیلے سے هجوم کر کے اُسکے یہاں آ پہنچے اور ارادہ کیا کہ اُسکے زمانے میں گھسکر اُسکو گرفتار کر کے بے حرمت کریں میر بہادر علی کہ سادات بارہہ سے ایک شریف آدمی تھا اور جشی مذکور کا پڑا نارین تھا اور مرہون احسان تھا اور شجاع الدولہ کی طرف سے اُسکی نیابت کا کام انجام دیتا تھا اُسنے اہل فرج کو اس ارادے سے روکا اور کہا کہ محل کے اندر نہ گھسنا چاہیئے لشکریوں نے اُس سید کو قتل کر ڈالا اور بشیر کو کچھ کر پھرے میں بٹھا دیا اور کوئی دقیقہ اُسکی بے حرمتی میں باقی نہ چھوڑا بشیر دوشبانہ روز پنجابیوں کے طویلے میں سیسوں کے زمرے میں چھپا پڑا با آخر کار اُسے پھرے کے آدمیوں کو رشوت دیکر اپنا مال و اسباب جو قارون کے خزانے سے کم نہ تھا لے کر کشتیوں کے ذریعہ سے دیگے لنگا کر عبور کیا شیو پر شادی فرج بخش میں یوں ہی مذکور ہے اور سیر المتاخرین کے مؤلف نے کہا ہے کہ میر بہادر علی نے شیدی سے دشمنوں کے ہنگام سے پشت پزیر کیا کہ بندہ ان لوگوں کو باتوں میں لگاتا ہے آپ جس طرح سے ممکن سمجھیں اپنی راہ لیں اور چند اشخاص معتبر کو کہا کہ دریا یہاں سے قریب ہے آپ لوگ شیدی کے ہمراہ ہو کر اُس کو دریا پار کر کے بنجھ خان کے ملک میں پہنچا دیں یہ کمکر بشیر کو گھوڑے پر سوار کیا اور چند معتبر آدمی ہمراہ کیے اور کہا کہ آپ جتنے الامکان یہاں سے فرار ہو جیے اس عرصے میں لوگ بشیر کے خیمے پر آپہنچے طرفہ شور مٹا دیا ہو گیا جشی مذکور نے اس معرکے میں اپنی راہ لی اور

محبوب علی خان کو بھی معلوم ہو گیا اُس نے یہ ارادہ کر لیا کہ جب آصف الدولہ ظاہر ہو گا تو
 وہی بات اُس کے خلاف کریں تو وہ بھی نکل کر امی کا دل بگڑا کر بھنخھان سے جا لے اتفاقاً
 اس عرصے میں راجہ کمال سنگھ باندھ والا اور کھمان سنگھ مرکھری والا مین منافستہ
 پیدا ہو گیا انہیں سے ایک نے اپنی مدد کے لیے محبوب علی خان کو مع تمام سپاہ کے
 بلایا اور یہ وعدہ کیا کہ جب لشکر جہنا کے کنارے پہنچے گا تو ایک لاکھ روپے
 دیے جائیں گے اور ایک لاکھ روپے اُس وقت پہنچیں گے جب لشکر جہنا کو عبور کر لیا گا
 اور مین لاکھ روپے فتح کے بعد پیش کیے جائیں گے محبوب علی خان نے یہ سمجھا کہ جب
 مین اُس ملک میں پہنچوں گا تو میری سطوت سے وہ ملک بے مشقت وزیر الممالک
 کے ملک کا ضمیمہ ہو جائے گا اور یہ روپیہ مزید ہو گا اس کو حاصل کر کے سپاہ
 کی تنخواہ چکاؤن کا جو کہ اس سے پہلے اُس کو مختار الدولہ سے ملک بند لکھنڈ
 کی تسخیر کی اجازت حاصل ہو چکی تھی اور نواب وزیر نے بھی بندیوں کے نکلنے
 کا حکم دیدیا تھا اس وجہ سے اب باد غفلت اور خیال نخوت نے اُسے دوبارہ
 حاکم وقت سے استعراج کرنے کی اجازت نہ دی اور بغیر پوچھے جہنا کے کنارے تک
 یلغار کتناں جا پہنچا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ اس فوج کے اپنے ملکوں میں آنے سے
 دونوں راجے ڈرے اس لیے لاکھ روپے دینے میں دریغ کیا۔ محبوب علی خان کی سپاہ
 کو کئی ماہ سے تنخواہ نہ ملی تھی روپے کی وصولی کی امید سے وہ یہاں تک آئی تھی
 جب یہ حال سپاہ نے دیکھا تو اپنی چڑھی ہوئی تنخواہ مانگی اور افسردگی فرمانبرداری
 سے انحراف کر کے سرکشی کرنے لگی۔ محبوب علی خان نے خیال کیا کہ کام ہاتھ سے
 نکلا جاتا ہے اور اپنی سپاہ کے ہاتھ سے آپ برباد ہوا جاتا ہوں اُس نے فوج سے

پھر ذوالفقار الدولہ کے پاس چلا گیا اُس نے بدستور مہربانی کی اور وہی علاقہ سوچنے لگا بشیر نے قبول نہ کیا۔

گورسہاٹ نے تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ بشیر کے چلے جانے کے بعد مختار الدولہ نے نواب کی دیوانی کا خلعت مع خطاب راجگی کے جگناتھ داما دراجہ صورت سنگھ دیوان نواب شجاع الدولہ کے لیے تجویز کیا اور راجہ صورت سنگھ کو مہاراجہ کا خطاب دیکر بشیر کے علاقے پر روانہ کیا۔

محبوب علی خان خواجہ سرا کا مقہور ہونا

سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ شجاع الدولہ کے سردار ایسی ایسی حرکتیں دیکھ کر اپنی اپنی فکر میں مصروف تھے چونکہ اب ہندوستان میں نوکری تو رہی نہ ختی اور نہ کوئی ایسا رئیس مقتدر رہا تھا لہذا بہر حال اوقات بوسری کرتے تھے منجملہ اُن کے محبوب علی خان خواجہ سرا جو شجاع الدولہ کی طرف سے کورٹ اور اٹا کے کاحاکم تھا اور کسی قدر صاحبِ جرات و غیرت بھی تھا عاصمہ زوام کے اطوار سے نہایت متحیر تھا کہ کیا کرنا چاہیے لیکن فرج اور عمدہ اسباب جنگ اُس کے ساتھ تھا اُس کے پیادوں کی رجسٹ کا نام برق انداز تھا جس میں چھ سات ہزار خیرب بند و فوجی تھے انکے علاوہ سوار بھی تھے کہ کل دس ہزار جرار آدمیوں کی جمعیت اپنے ہر کام پر رکھتا تھا اور کورٹے و اٹاؤں کے اطراف میں حسبِ الحکم شجاع الدولہ نہایت کدو فر کے ساتھ بسر کرتا تھا آصف الدولہ کو اس کا بھی استیصال مد نظر ہوا اور یہ خیال ہوا کہ نکل نہ بچنے پائے چند لوگوں کے ساتھ حاضر حضور رہے یہ سال

باؤہ غفلت وادوار میں مدہوش تھے ان حریفوں کے قریب پہنچ جانے سے
 کچھ اندیشہ نہ کیا مسافر سمجھ کر چپ بسے یہاں تک کہ جس باغ میں محبوب علی خان کی
 فوج مقیم تھی انگریزی فوج وہاں آکر جم گئی اور اب پیام دیا کہ تم لوگ اپنے مالک سے
 اخراج کر کے آئے ہو اسلئے نواب وزیر نے حکم دیا ہے کہ اگر تم کو اپنی نجات و دستگیری
 منظور ہے تو اپنی توہین اور بند و قین دید و اور جدھر چاہو چلے جاؤ تمہاری جان
 وال سے کسی کو تعرض نہیں اتفاق تو دیکھیے کہ تمام عمدہ سردار اور ذمہ دار فہر مجبور علی خان
 کے ساتھ تھے اس موقع پر کوئی ایسا افسر نہ تھا کہ سپاہ اُسکے زیر حکم ہوتی یہ لوگ بالکل
 بے خبر تھے کوئی قضاے حاجت کو گویا تھا کوئی کہیں کسی کام میں مصروف تھا کوئی
 سوتا تھا کوئی جاگتا تھا اگر ان لوگوں نے بھاگنے کو عار سمجھا اُسی وقت سنبھل کر
 بند و قین انھوں نے کر صفین قائم کر لیں اور لڑنے کو تیار ہوئے انگریزی توپوں
 کی پہلی بارش نے صد ہا بہادروں کو بچھا دیا بقیۃ السیف نے بند و قین کی بارش ار کر
 وہ توتلے ڈال دیں اور تلواریں لے لے کر مردانہ حملہ کیا اور اس بے جگری کے ساتھ
 انگریزی لشکر پر ٹوٹے کہ اُسکی دھجیاں اڑا دیں انکی بند و قین کے فیر سے چند انگریز
 مارے گئے اکثر سپاہی زخمی ہوئے اور کچھ سپاہی ہلاک ہوئے تھے اب انکی تلواروں
 کی روشنی سے انگریزی سپاہیوں کی آنکھوں میں تاریکی چھا گئی اور ایسا دلیرانہ معرکہ
 ہوا کہ اُس فوج کے پاؤں اکٹھے گئے اور نہایت اضطراب کی حالت میں سپاہیوں نے
 لگی محبوب علی خان کے سپاہی کسی کے زیر حکم تو تھے نہیں اپنی شجاعت ذاتی سے
 انھوں نے لڑنا شروع کیا تھا کہ اس غصے میں بعض ناخدا ترسوں نے یہ خبر مشہور
 کر دی کہ محبوب علی خان اپنی فوج کے تقاضے سے ڈر کر ہلچلا گیا اور فوج کی بڑی

یہ کہا کہ تم اطمینان سے یہاں مقیم رہو میں تمہارے کمیدانوں کو ساتھ لیکر واپس دار الحکومت کو جانا ہوں۔ چکلہ کوڑہ کے مہاجنوں سے روپیہ قرض لیکر تمہارے پاس لاتا ہوں۔ تنخواہ تمہاری چکا کر اور تم کو راضی و خوش کر کے بند ملکیت پر حملہ کروں گا اور اس ملک کو فتح کر کے وزیر الممالک کے ملک میں شامل کر دوں گا۔

لکھنؤ میں جھگڑوں نے وقت پا کر نواب آصف الدولہ سے ایسا عرض کیا کہ محبوب علی خان اس فکر میں ہے کہ تمام سپاہ آراستہ اور توپخانہ شامستہ لے کر اس طرح فریب کر کے جنت کو اتر کر نجف خان ذوالفقار الدولہ کے پاس چلا جائے نواب یہ حال سن کر بہت ناراض ہوئے اور بغیر تحقیق و تامل کے مخفی مسٹر جان برسٹو سے اسکے سہیتصال کے باب میں مشورہ کیا ریزیڈنٹ نے گزارش کیا کہ اگر محبوب علی خان کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اسپر غالب آنا دشوار ہے اس لیے یہ بہتر ہے کہ انگریزی ملٹون کو بانڈے والے راجہ کو روک دینے کے یہاں سے یہاں سے روانہ کیا جائے اور غفلت کی حالت میں اس فوج بے سردار پر یورش کر کے اس کا توپخانہ چھین لیں اگر بخوبی انہر قابو حاصل ہو جائے تو بندوقین بھی ڈلوالیں اور ان کو پریشان کر دیں القصد کرنیل بالکر وولٹنسن اور چند توپیں لے کر کڑی می منزلیں کر کے اس طرف پہنچ گیا۔ قبل سے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ یہ انگریزی سپاہ بانڈے والے راجہ کی امداد کو جارہی ہے اس لیے محبوب علی خان کے لشکر کی غفلت میں رہے کرنیل اپنی تمام فوج کے ساتھ محبوب علی خان کے لشکر سے چند کوس کے فاصلے پر جا پہنچا اور وہاں مقام کر دیا اور اپنے مخبر بھیج کر ان کا تمام حال معلوم کر لیا جب آدھی رات باقی رہی تو فوج کو لڑائی کے لیے تیار کر کے اور توپیں آگے کر کے اس جماعت کی طرف کوچ کیا وہ

اسکی گذراوقات کے لیے مقرر کر دی وہ اسکی آمدنی سے مصارف چلاتا تھا جب امیرالدولہ
 حیدر بیگ خان کا دور ہوا اور انھوں نے انگریزوں کا قرضہ چکانے کے بہانے سے
 نواب کی مان اور دوسرے سرداروں کی جاگیریں ضبط کیں تو محبوب علی خان کی جاگیر
 بھی ضبطی میں آگئی وہ غیور آدمی تھا لکھنؤ میں رہنا مناسب نہ سمجھا نواب کے اہلکار
 کی زیارت کی اجازت حاصل کر کے روانہ ہوا وہی پہونچا یہاں مرزا نجف خان تھے
 انھوں نے سید محمد خان اور قاسم خان رسالہ واروں کو استقبال کے لیے بھیجا
 اور کمال اعزاز کے ساتھ ملاقات کی اور کلمہ محبت میں گرفتار کر کے بالفعل اس عزت
 سے باز رکھا۔

لطافت علی خان کی سرگذشت

لطافت علی خان خواجہ سراجو ایک برگیدہ کا مالک تھا وہ اس حال کو دیکھ کر
 باہر نکل جانے کی راہ ڈھونڈنے لگا چونکہ ہمیشہ سے یہ مقرر تھا کہ کچھ فوج شجاع الدولہ
 کی سرکار سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی اور ایک شخص سوال و جواب کے لیے
 بادشاہ کے پاس رہا کرتا تھا اسنے اسکو غنیمت جانا اور کار سازی کر کے بادشاہ کے پاس
 مع بائج پٹنوں کے چلا گیا۔ اور مرزا نجف خان وغیرہ سے موافق ہو کر ۹۵۰ ہجری تک
 وہاں بسر کرتا رہا عالم شاہی میں ہت کہ ۹۵۰ ہجری میں ذوالفقار الدولہ کے بھانجے
 مرزا شفیق خان کے حکم سے اسکی نگہبانی خجری کی نوک سے عکوائی گئی تھیں کیونکہ اس سے
 وفاق راجا ہوتا تھا بعض کہتے ہیں کہ مرزا شفیق خان اور افراسیاب خان دونوں نجف خان کے

کے لیے یہ انگریزی سپاہ بھیجی ہے اب کیا ضرور ہے کہ ہم اپنی جان تباہ کریں جس قدر
 لازمہ غیرت و شجاعت تھا وہ ایک بار ادا کر دیا اور حریفوں کو مقابلے سے ہٹا دیا۔
 انگریزوں کی لڑائی سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے اور ہمارا کوئی اس وقت یا رو یا در
 نہیں یہ بہتر ہے کہ فرصت کو غنیمت جان کر اپنا اپنا سبب لے کر یہاں سے جلدھر موقع ہو
 چلے جائیں ایسی بات کو دلوں میں پوری تاثیر ہوتی ہے اور طبیعت ایسی خوشنما باتوں
 کو پسند کرتی ہے اس پر لے قرار پائی اور دلاوران نامجو پر نامدی غالب آئی ہمارے بے شک عسکر کی
 چرب زبانی نے ایسی تاثیر کی کہ فوراً بار برداری اور سواری میں سے جو کچھ ہاتھ لگا
 لے کر اوجھلے پاس یہ چیزیں نہ تھیں انھوں نے اپنے سروں پر اٹھا اٹھا کر اور لشکریوں
 اور دوکانداروں کا سامان لوٹ لوٹ کر اور بندوقین ہاتھوں میں لے لے کر
 گروہ گروہ جلدھر سینگ سائے اُدھر چلے گئے اور تھوڑی سی دیر میں باجوہ و طوطی غلبے
 کے قدرت کاملہ الہی نے نامردوں کو مرد اور مردوں کو نامرد بنا دیا۔ اور اس قدر
 فوج کثیر بے سبب مغلوب و بے حواس ہو کر مردی و مردانگی کو خیر باد کہ گئی۔ اسی دن
 سپاہ انگریزی نے مفدرین کے کپ پر قبضہ کر لیا اور تمام توپخانہ اور محبوب علیخان
 کا جقدر سامان لوٹ سے پکڑا تھا لے لیا محبوب علی خان کو یہ حال اُس وقت معلوم ہوا
 کہ اب نامردی اُسکے مہر سے بھی چڑھ گیا اُسکو کوئی تدبیر ایسی نہ سوچھتی تھی کہ اس فوج کو
 سے نجات پانا آخر بجز الحاح و ذاری کے رستگاری کی کوئی صورت نہ دیکھی اور معتدون
 کے ذریعہ سے کرنیل سے عہد و پیمان لے کر ملاقات کی اور اُسکے ساتھ لکھنؤ کو چلا گیا اور
 ذاب و ذریعے بار بار بٹھرا ہوا کچھ دنوں بدگمانی کی وجہ سے اُسپر عتاب رہا آخر کار ذاب
 کی بان کی سفارش سے قطور معاف ہو کر خلعت پایا ذاب نے ایک لاکھ روپے کی جاگیر

پیدا کی اور نامناسب گفتگو درمیان میں آنے لگی۔ ایک دن ہمت بہادر اپنے مشیرین سے بطور مشورے کے کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ راجہ شیرجیت سنگھ کو کسی طرح قید کر کے اس کا علاقہ دالون۔ باوجودیکہ شیرجیت سنگھ اور رانا میں صفائی نہ تھی لیکن ہمت بہادر کی بات رانا کے دل کو ناگوار گزری اور شیوہ قوت سے بغیر سمجھا اور ناراض ہو کر کہا کہ یہ امر آئین مروت سے بعید ہے کہ ایک شخص کے ساتھ قول و قسم کر کے اسے ٹھہرانا اور اپنے پاس بلا کر دغا و فریب سے پیش آنا اگر اُس کے ملک کو دانا منظور ہے تو اس کو خبر کر کے اجازت دو کہ وہ اپنے ملک کو چلا جائے اور مقابلے کی تیاری کرے اور پھر اُس سے لڑ کر بزدل شیر اُس پر قبضہ کر دے تاکہ فتح و فیروزگی کی داستان دفتر و دیوانہ میں لکھی جائے اور برسوں تک ذلّت میں یہ کارنامہ شجاعت یا دغا رہے۔ ہمت بہادر اس جواب سے نہایت مٹھ مندہ ہوا۔ اسی طرح ایک دن فضول گوئی کے طور پر اپنے رفیقوں سے بولا کہ راجہ بخت سنگھ عورتوں کی طرح رہتا ہے اور اکثر مکان میں بیٹھا ہوا اپنی عورتوں کے کپڑے سیتا بہتلے میدان کارزار میں وہ دلاوروں کے سامنے شیر زنی کیسے کرے گا رانا چتر سنگھ کی پاس خاطر سے اُس کے محالات میں نے چھوڑ رکھے ہیں نہ کہ اُسکی شجاعت کی توقع سے رانا کو یہ یا وہ گوئی اُسکی پسند نہ آئی جواب دیا کہ گوراجہ بخت سنگھ جوان نازنین و عیاض و تماشیں ہے لیکن یقین رکھنا چاہیے کہ میدان جنگ میں وہ شیر شملکین سے کم نہیں ہوگا تم نے سنا ہوگا کہ نواب امیر خان مرحوم کی کیا وضع تھی اور کیا لباس تھا لیکن میدان جنگ میں کوئی اُس کے مقابلے کی تاب نہ لانا سنا اسی مجلس میں بہت سے ایسے آدمی موجود ہیں کہ وہ مدت تک نواب شجاع الدولہ کے پاس عورتوں کی طرح حاضر ہوتے تھے اور اب شجاعت و دلاوری کی لاف نہ کرتے

لے پاگ تھے اول نجف خان کے انتقال کے بعد افراسیاب خان دلی کا امیر الامرا بنا بعد اس کے مرزا شفیع نے اُس کو نکال کر بزور بادشاہ سے یہ منصب لے لیا اور نجف خان کی بیٹی سے نکاح بھی کر لیا ^۹۔ ہجری میں اسماعیل بیگ خان ہمدانی کے ہاتھ سے ڈیگ میں مارا گیا تو دوبارہ افراسیاب خان امیر الامرا کی کے مرتبے کو پہونچا پھر افراسیاب خان ^{۱۰} اذی چشمہ ہجری کو زین العابدین برادر مرزا شفیع کی راسے سے مارا گیا۔

مختار الدولہ کانوپ گر گوشائین کی خرابی کا

سامان پیدا کرنا

راجہ اندر گر گوشائین نواب صفدر جنگ کے پرانے متوسلین تھے کانوپ گر اُس کا جیلہ جسکا خطاب ہمت گر بہادر ہے اور ہمت بہادر کے نام سے مشہور ہے تختہ دار کی طرف سے تیس چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ کاپلی و جھانسی کی طرف متعین تھا اُس کے ساتھ ایسی لٹین بھی تھی اور بھدویہ والا راجہ نجات سنگھ اور دینا والا راجہ شیرت سنگھ اور سمتھ والا راجہ بشن سنگھ بھی اسکے لشکر میں آگئے تھے ہمت گر کو یہ منظور تھا کہ کاپلی و جھانسی کی طرف مرہٹوں کا بیج نہ چھوڑے اسیلے رانا چتر سنگھ کو جو اس طرف کے ملک سے خوب واقف تھا گوبند سے بلایا اور اپنے ساتھ رکھنا چاہا اُس نے روپیہ نہونے کا عذر کر کے پہلو تہی کی ہمت بہادر نے چار ہزار روپے روزاُسکی روانگی کی تاریخ سے جب تک ساتھ ہے مقرر کر دیے رانا چار ہزار پیادہ و سوار ساتھ لے کر ہمت گر کے لشکر میں آگیا اور شریک صحبت ہو کر انیس خلوت خاص بن گیا لیکن ہمت گر کی تلون مزاجی نے ہر روز ناچاتی

تاریخ تنویر یہ میں ایسے ہی لکھا ہے مگر اس وقت گو بدین رانا کو گیندر سنگھ حکمران تھا ۱۲

نے کام بگاڑ دیا اور خودی و غفلت و نادانی سے خود سری کے خیالات اُسکے دماغ میں
 بٹکے ہیں نا عاقبت اندیشی سے مرہٹوں سے خط و کتابت کر کے اُنکی رفاقت اختیار کرنا
 چاہتا ہے اسلئے جناب وزیر الممالک کی رائے یہ ہے کہ تم اُسکی تادیب کو فوراً جاؤ
 اگر وہ راہِ رحمت پر آکر نہ امت و مشرِ مساری ظاہر کر کے معافی چاہے تو امان دے کر
 دار السلطنت کو بھیج دو ورنہ اُسپر حملہ کر کے استیصال کر دو۔ رانا بھتر سنگھ کی سی آرزو
 تھی اُسے جواب میں لکھا کہ اگر جناب وزیر الممالک انتظامِ مہات کے حیلے سے جہلے
 نہارتے تک تشریف لے آئیں تو فدوی اُن کے اقبال سے ہمت بہادر کو زندہ گرفتار کر کے
 حاضر حضور کرے گا مختار الدولہ کو یہ رائے پسند آئی اور نواب وزیر کو اٹا دے
 کی طرف لے چلے بہت گرجو جب یہ حال معلوم ہوا کہ وزیر الممالک ایک بھاری لشکر لیکر
 ادھر آ رہے ہیں تو رانا کی دراندازی سے ڈر کر چند معتمدوں کو ساتھ لے کر وزیر الممالک
 کے لشکر میں چلا گیا اور وسائط و وسائل کھڑے کیے مختار الدولہ سے صفائی کر لی اور
 قول و قسم کے ساتھ اُنکو اپنی طرف سے مطمئن کیا جب وہ صاف ہو گئے تو کہا کہ رانا
 قدیم سے اس سرکار سے عناد و نفاق رکھتا ہے اور ہمیشہ فتنہ انگیزی کرتا رہتا ہے
 بس زمانے میں کہ شجاع الدولہ اس طرف رونق افروز تھے تو اُن کی فوج کے
 ہاتھ سے تباہی سے ڈر کر سرکار نے اُنکے حضور میں آیا اور میر نعیم خان کے ساتھ مرہٹوں کو
 کالنے کے لیے مامور ہوا اور آخر کار مرہٹوں سے ساز و باز کر کے نعیم خان سے دغا کی
 نواب شجاع الدولہ کے دل میں اس بے ادائی کا خار کھٹکتا رہا لیکن اُن کو اجل نے
 اتنی مہلت نہ دی کہ رانا کو سزا دیکر انتقام لیتے اب میں نے اُس کو اپنی رفاقت کے لیے
 بلایا تو پچھت و لعل کرنا رہا آخر کار چار ہزار روپے روزانہ معرکہ کر کے مدت تک یہ رقم

ہیں۔ راجہ ہمت بہادر اس کٹانے کو سمجھ کر بہت شرمندہ ہوا اور کچھ جواب نہ دیا
ایسی ایسی باتیں سن کر اطراف کے راجوں نے چلا جانا چاہا اور رانا چتر سنگھ سے
صدا مل پوچھی اُس نے جواب دیا کہ یہ شخص نہایت متکبر و مغرور ہے اپنی پندار
غلط کے بدلے میں عنقریب نقصان کے گرمے میں اونڈھا کرنے والا ہے بہتر یہی
کہ یار لوگ اسکی رفاقت ترک کر کے اپنے اپنے ملکوں کو چلے جائیں اور واردات غیبی کے
منتظر رہیں القصد رانا چتر سنگھ سب سے ادل چلا گیا اور اُسکے جاتے ہی ہمت بہادر
کی ہوا بگڑ گئی اطراف کے تمام راج گدار راجوں نے سورش و فساد برپا کر دیا اور
اکثر محالات ہمت بہادر کے عالموں کے ہاتھ سے چھین لئے ہمت بہادر بہت گھبرا
اور کچھ تدارک کر کے اور اب علاقے کا فتح ہونا مشکل ہو گیا۔ اس عرصے میں پیشوا کے
ارکان سلطنت نے ہمت بہادر کو خط لکھے جس میں اُس کو اس ملک سے مرہٹوں کے
بھالہ دینے کی وجہ سے دشمنی دی گئی تھی اور یہ بھی تحریر کیا تھا کہ اگر وہ ہماری اطاعت
ورفاقت اختیار کرے گا تو اُسپر عنایت کی جائے گی اور اُس کو صاحب تہ بہاد با
جائے گا ہمت بہادر راجوں کی نافرمانی اور سرداران لشکر کی بیدلی کی وجہ سے
پریشان تھا اور سمجھتا تھا کہ اب اس ملک کا فتح ہونا قدرت سے باہر ہے جواب میں
کئی عرضیاں نہایت اطاعت و انقیاد کے مضامین کی بھیجیں۔

رانا چتر سنگھ نے یہ حال معلوم کر کے اُسکو خراب کرنے کے لیے نواب وزیر کو شکی
شکایت لکھی اور کہا کہ وہ مرہٹوں سے مل گیا ہے۔

: مختار الدولہ نے پلچ خان اور بشیر خان کے اخراج کے بعد یہ ارادہ پختہ کر لیا تھا
کہ ہمت بہادر کو بھی بگاڑ دین اُنھوں نے رانا کو جواب لکھا کہ فی الحقیقہ راجہ ہمت بہادر

اوسے میں اس سرزمین کو مرہٹوں کے شر و فساد سے صاف کر دینا مختار الدولہ کو بہت بہادری سے دلی نفرت تھی اور یہ مشورہ عین اُن کی مرضی کے موافق تھا پسند کیا اور رانا کو اُس ضلع کے مہات کے انتظام کی مختاری کا خلوت دلا کر رخصت کیا رانا اپنے بھتیجے متیال کی یادری پر ناز کرتا اپنے ملک کو چلا گیا۔ اور مختار الدولہ نے بلاتامل و اندیشہ راجہ ہمت بہادر کو حکم دیا کہ نئی فوج موقوف کر دے اور افواج متعینہ کو یہاں بھیج دے۔

فرح بخش مین شیو پر شاد نے لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ اگرچہ گوشائیوں کے حال پر مہربان تھے لیکن وہ مطمئن نہ تھے اور مختار الدولہ کی فیلسوفی سے خائف تھے ہمت گرو بھند اور بھد اور کے انتظام کا بہانہ کر کے آصف الدولہ سے رخصت حاصل کر کے چلا گیا کچھ دنوں وہاں مقیم رہا پھر جب نواب وزیر کے ارکان ریاست میں اختلاف پیدا ہو گیا اور سپاہ بلوے پر بلوے کرنے لگی تو ان واقعات سے اُس کے دلچسپی نواب وزیر کی ملازمت سے کراہیت آگئی اور اُس ضلع کو ویران کر کے اور بھند کی آبادی جلا کے اکبر آباد کو بلیج خان کے پاس چلا گیا کیونکہ وہ دنوں میں مدت سے عہد و بیجاں ہو رہا تھا وہاں سے بلیج خان کی تحریر کے ذریعہ سے نواب ذوالفقار الدولہ کے پاس جو ڈیگ کے محاصرے میں مصروف تھا چلا گیا اُس نے اسپرڈی مہربانی کی تو نے ڈیگ کو فتح کر کے محالات سنگھانہ وغیرہ بارہ لاکھ کی آمدنی کا ملک ہمت گرو کو جائداد اور رسالے کی تنخواہ مین دید یا شیو پر شاد اس بیان کے بعد کہتا ہے کہ امراد گرو ابھی آصف الدولہ کے پاس موجود ہے لیکن مختار الدولہ کی چال بازی سے بیدل سے بے یقین بنے اُٹا وہ وغیرہ میان دوا آب کا ملک گوشائیوں کی حکومت سے نکال کر

یستار اور آخر کار کام کے وقت دغا کر کے وہاں کے مقدمات میں مغل ڈال دیا اب غنود
 نواب وزیر الممالک یہاں تشریف لے گئے تو وہ مکار دغا باز اس وقت تک سلام کو
 حاضر نہوا اور دور سے حیلہ سازی و دراندازی کر رہا ہے میرے قول کی صداقت
 اس سے معلوم ہو جائے گی کہ آپ اس کو اپنے پاس بلائیں آپ دیکھ لیں گے کہ وہ نہ بیگا
 مختار الدولہ نے ہمت بہادر کے استصواب سے رانا کو حاضر ہو کر وزیر الممالک کی
 سعادت ملازمت حاصل کرنے کے لیے لکھارانا نہایت عیار و دور اندیش تھا
 ہمت بہادر کی تدویر سے متوحش ہوا اور حاضر ہونے میں عذر کرنے لگا اس وقت
 مختار الدولہ کو رانا کی سرکشی کا حال کھلا اسکی نیخ کنی کی فکر سے اکثر رسالہ دارون کو
 حکم دیا کہ جتنا کو عبیر کر کے رانا کے ملک کو تاراج کریں اور ہمت بہادر نے بھی اپنی سپاہ
 کو ضلع جھانسی و کالپی سے طلب کر کے رانا کے ملک کی سرحد میں پڑاؤ ڈالا اب رانا سمجھا
 کہ اس لشکر جبار کا مقابلہ طاقت سے باہر ہے اپنے وکلاء معتمد جان برہسوس کے پاس بھیج کر
 اُسے کہا یا کہ اگر آپ حمایت و کفالت میری کریں تو حاضر ہونے کو تیار ہوں رزنیٹ
 نے مختار الدولہ کو دیا اور کہتاں لاؤ کو لانے کے لیے رانا کے پاس بھیجا کہتاں نے گوہر
 مین پہونچ کر رانا کو تسلی و دلاسا دیا اور عہد و پیمان کر کے وزیر الممالک کے پاس لایا
 مختار الدولہ نے چند کوس سے اُس کا استقبال کیا اور کمال اعزاز و اکرام کے ساتھ وزیر
 کے سلام کو نے گئے وزیر نے بھی رہنا کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا رانا نے مشورے
 کے وقت عرض کیا کہ اس جماعت قلیل کی سرکوبی کے لیے اس قدر لاؤ لشکر یہاں بکھنا
 اور جس شخص پر اعتماد نہوا سکو مطلق العنان کر دینا شیوہ دانش و احتیاط اور
 دور اندیشی و کفایت سے بعید ہے اس مہم کو میرے ذمے کر دیا جائے کہ تھوڑے سے

تم اس کے اتفاق سے کام کچھو اور میں جانتا ہوں کہ وہ ملک سرکار سے علاقہ نہیں کھتا ہے
 اور جو کچھ تمھارے سپاہیوں کے لیے مقرر ہے ہم اُس سے ڈیڑھ اونٹنی کے اور سواے فوج
 موجودہ کے جو کچھ فوج اور نوکر کھو گئے اُسکی خواہ بھی ملک سے محسوب ہوگی اور
 دو لاکھ روپے کی جاگیر تمھارے واسطے مقرر ہوگی لیکن کسی کو اس پر اطلاع نہ فاضل علی
 نے پاس حق نمک مختار الدولہ کے مشورے پر عمل نہ کیا بلکہ اپنے ایک دوست کے پاس
 جو جھاؤل لال کے ساتھ رہتا تھا اُس کا شفقہ بھیج دیا تاکہ راجہ کی معرفت نواب آصف الدولہ
 کو دیکھا دیا جائے شخص مذکور نے لالچ کی توقع سے میرنہ کور کا خط اور مختار الدولہ کا شفقہ
 مختار الدولہ کے دیوا ن خانے کے داروغہ مرزا آؤ کے پاس بھیج دیا مختار الدولہ نے اُن
 خطوں کو چاک کر کے شخص متوسط کو عنایت کا اُمیدوار کیا اور راجہ جھاؤل لال کھڑوت
 میں طلب کر کے کہا کہ ایک خط اس مضمون کا میرا فضل علی کو لکھ دیجیے کہ سرسرو ہمت بہادر
 کے حکم سے تخلف نہ کرے اور یک دلی کے ساتھ کام کرے راجہ نے مختار الدولہ کے ایسا
 سے لکھا کہ جنے راجہ ہمت بہادر کے ساتھ کس لیے عداوت اختیار کر رکھی ہے کہ اُس نے
 عرضی تختاری شکایت میں حضور میں بھیجی ہے بہتر یہ ہے کہ باہم شیر و شکر ہو کر رہو
 میرنہ کور اصل کار سے غافل تھا یہ خط پہنچتے ہی راجہ کے ساتھ آگاہ جنگ ہوا راجہ بھی
 مقابلے کو تیار ہوا مگر چونکہ راجہ دورانیش آدمی تھا چند مغول آدمیوں کو درمیان
 میں واسطہ کر کے تصفیہ کر لیا اور پھر ایک خط مختار الدولہ کو لکھا اور ایک عرضی حضور میں
 ارسال کی کہ فضل علی بے وجہ مجھ سے لڑنے کو آمادہ ہوا مگر فدوی نے پاس ادب کیا اور
 تحمل کیا امیدوار ہوں کہ حضور کا شفقہ میرنہ کور کے نام صادم ہو جائے کہ بے وجہ فساد
 پیدا نہ کرے۔ نواب نے مختار الدولہ سے فرمایا کہ میرا فضل علی کو بیان بلا لیا جائے اُس نے

زین العابدین خان کو اُس جگہ مقرر کر دیا ہے وہ اپنے متعلقہ ملک کا انتظام کر کے زیر تحصیل اقساط کے بموجب خزانے میں بھیجتا ہے بالفعل آصف الدولہ کی سرکار میں مختار الدولہ کا طوطی بولتا ہے اور اُن کا تمام ساختہ و پرداختہ مقبول ہے اور مختار الدولہ مال اندیشی کی وجہ سے جان برسٹو سے ملے ہوئے ہیں۔ دونوں تمام بہت کم حاوی ہیں۔

بائیس پلٹن کی بربادی

شجاع الدولہ کی سپاہ کی سیاہ وردی والی پلٹون میں سے ۲۲ پلٹون کا ایک گروہ تھا جس کا سرگروہ سید احمد بائیس والا مشہور تھا کیونکہ ان پلٹون کے پورے گروہ کو بائیس کہتے تھے ان میں سے چار پانچ ہزار آدمی شریف محل دہلی کے رہنے والے تھے یہ فی کس پندرہ روپے ماہوار کے حساب سے تنخواہ پاتے تھے انکی چھ پلٹن تھیں اور انہیں تعلیم قواعد انگریزی کا اہتمام تھا گو اُنکے پاس بند و قین توڑہ دار تھیں مگر وہ اُنہیں نہایت پھرتی سے آگ بناتے تھے چونکہ یہ لوگ شریف و نجیب تھے اسلئے انکی خاطر داری دیا وہ تھی میر احمد کے مرنے کے بعد اُس کا بھتیجا میر افضل علی اُسکی جگہ بائیس کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا تھا۔ نواب شجاع الدولہ نے جبکہ جنگ افغانہ کے عزم سے لنگا کو عبور کیا تو ملک دو آب کو راجہ نہت بہادر کے تفویض کر دیا راجہ کے ساتھ میر افضل علی بھی تھا اور اپنی فوج کے ساتھ کالپی میں رہتا تھا نواب کی وفات کے بعد بھی آٹھ ماہ تک یہ دونوں مستصرف رہے مگر سہ ماہی تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ مختار الدولہ نے میر افضل علی کو لکھا کہ ہمت بہادر سے مخالفت کر دو اور اُسے لشکر کو تباہ کرو میں کسی شخص کو یہاں سے بیجو لگا

تخو این مل جائیں اپنا حق پا کر تمام ہندو قین کا رخا نہ سرکاری میں جمع کرادیں گے اور
ہم چلے جائیں گے یہاں کئی روایتیں ہیں فرزند علی کی لمفص التواریخ تاریخ مظفری اور
سیر المتاخرین کی تو یہ روایت ہے کہ آصف الدولہ نے آشفقہ ہو کر مختار الدولہ سے کہا
کہ انکی سرتابی کی سزا دو اٹھنوں نے عرض کیا کہ یہ لوگ اپنی سخاوت مانگتے ہیں اور کچھ غرض
نہیں رکھتے آصف الدولہ نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ تکلیف گوارا نہیں تو ہم خود جاتے
ہیں جب اٹھنوں نے دیکھا کہ خود بدولت سوار ہوتے ہیں تو مجبور ہو کر فوج متعینہ کو لیکر
انکی سرکوبی کو گئے اور گورسہاے کی تاریخ اودہ کی روایت دہی ہے کہ نواب نے
صرف یہ جواب دیا تھا کہ تم جانو اور میرا فضل علی جانے تختار الدولہ نے بوجہ حکم
کے پچھلی رات سے میرا فضل علی کی سپاہ کے چاروں طرف نواب کی ساری فوج اور
توپخانہ جمادیا اور تاریخ تیوریہ کی روایت یہ ہے کہ مختار الدولہ پاہیوں کی سخاوت کا
اتماس مسکنا راض ہوئے انکے دکھا کو نکلوادیا اور اپنے رسالہ داروں کو ان سے لڑنے
کے لیے حکم دیا اور توپخانے کے افسر کو فرمایا کہ اس جماعت کے آس پاس توپیں لگادے
تاکہ نکلنے نہ پائیں غرض کہ غزوہ محرم سے ان مشرفا دینجا پر جو اپنا حق مانگتے تھے داروگیر کا آغاز
ہوا اور نواب کی سپاہ سنگدل نے ان کو نقطے کی طرح اپنے دائرے میں گھیر لیا اور رسد غیر
جو دریا پار سے انکو پہنچتی تھی اُس کی آمد و رفت مسدود کر دی ان کے ہشتی اگر بانی بھرت
کے لیے کنوؤں یا ندی پر جمع ہوتے تو گولوں کا نفا نہ بنا کر ان کا کام تمام کر دیتے اس طرح
ان غریبوں پر شور و محشر برپا ہو گیا بلکہ یوں کہا جائے کہ دو سر واقعہ کر بلا نمودار ہوا تو بجا
نہوگا اسی رات اکثر ناجوا تر دھیس بدل برلا کر اس مہلکے سے نکل گئے لیکن حریفوں کے ہاتھ
آگے بدرجان و مال دونوں کا نقصان اٹھایا تھوڑے سے بہادران نامجو حرمت عزت

عرض کیا کہ میر مذکور خود بخود ہمت بہادر کے ساتھ لڑنے کو تیار ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ نئے ملک کو اپنے تصرف میں لائے الغرض شفق اُسکی طلبی میں روانہ کیا نواب نون اٹا وہ میں مقیم تھے وہ یہ حکم پہنچتے ہی روانہ ہوا جبکہ لشکر کے متصل پہنچا تو بسبب سکے کہ شام ہو گئی تھی قریب دو یا چار کوس کے لشکر سے اپنی سپاہ کو لیکر اُترا اور چاہا کہ صبح کو حصار میں حاضر ہو مگر والدولہ نے موقع پا کر حضور میں عرض کیا کہ میر افضل بوجہ اس کاوش کے جو مجھ سے رکھتا ہے لشکر سے علیحدہ اُتر لے اور چاہتا ہے کہ وہاں سے تنخواہ کا سوال وجواب کرے جواب ملا کہ تم جاؤ اور وہ جانے اور بعض کہتے ہیں کہ خود نواب نے حکم دیا تھا کہ ہمارے لشکر سے فاصلے پر قیام کرے اور فرمایا کہ تو بین تو پخانے میں داخل کر دی جائیں اس بلٹن کے پاس میں چالیس توپیں تھیں اور اُنکے متعلق بہت سا گولہ بارود تھا سپاہی و افسر میر افضل علی کی خاطر خواہ اطاعت میں نہ تھے اور اس کو شمار و حساب میں نہ لاتے تھے انھوں نے فوراً تمام توپیں اور اُن کا جملہ سامان سرکار میں بیچ دیا مگر بڑی دو توپیں کہ میر احمد نے اپنے روپے سے بنوا کر ایک کا نام باندھ تھا اب اور دوسری کا نام صفت شکن رکھا تھا اور ساخت اُنکی عجیب غریب تھی میر افضل علی کی فرشت کے دعوے سے اپنے پاس پہنچے دین اس کے بعد سپاہ نے عرض کر دیا کہ ہماری چڑھی ہوئی تنخواہ دیدی جائے کئی ماہ سے سرکار سے کچھ نہیں ملا ہے بڑی تکلیف سے گزرتی ہے اور آئندہ اگر رکھنا منظور ہو تو ماہ ماہ تنخواہ ملتی رہے مگر والدولہ نے اس بات کا تو کچھ جواب نہ دیا یہی کہا کہ وہ دو قون توپیں اور تمام بند و قین بھی داخل سرکار کر دے اور جہان چلے چلے جاؤ فوج نے سمجھ لیا کہ ہماری تباہی اور حق تلفی منظور ہے ایسا عرض کر دیا کہ اگر ہم کو جُدا کرنا منظور ہے تو ہمارا اہلیان و درہے سوا فرمان برداری کے کوئی چارہ نہیں بچا یہی

حاصل ہو جائے گا۔

(۴۴) اگر یہ بھی ناگوار خاطر عالی ہو تو خدا اور رسول اور روح سید الشہداء کے واسطے ہم پر اختیارِ رحم کیجیے اور ننگِ بدنامی کا دھبہ ہم پر نہ آنے دیجیے کہ اپنے خداوندِ نعمت سے مقابلہ کیا آپ خود دیر سے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر ہمارے دست و بازو کا تماشا دیکھتے رہتے کہ ہم کیسا لڑتے ہیں۔ نواب شجاع الدولہ نے لاکھوں روپے صرف کر کے ہم کو تیار کیا قواعدِ حرب و ضرب سے ماہر بنایا قضاے آسمانی سے ہمارے ہاتھ سے کوئی کار نمایاں اُنکے سامنے ظہور میں نہ آیا حیف آمل ہے کہ اپنا سپاہیانہ ہنر دکھانے بغیر دل پر حسرت کے ساتھ گولوں کا نشانہ بن جائیں تو ہمیں ہمارے مقابلے سے ہٹا کر سیاہ وردی کی لمپٹوں کو جو ہماری طرح قواعد و ان اور فنونِ جنگ سے آگاہ ہیں اور شیوہ شجاعت اور تعلیمِ آداب رزم سے ہمارے ساتھ ہم پیشی رکھتی ہیں ہمارے تباہ کرنے کے لیے حکم دیا جائے اول بند و قون سے میدانِ جنگ کو گرم کریں بعدہ تواریخِ میانوں سے نکال کر باہم لڑیں اور ایک دوسرے کے دست و بازو سے ملکِ عدم کا راستہ بین اسوقت ہمارا جوہر آپ پر کھل جائے گا اور آپ کو تماشائے عجیب نظر آئے گا اور اس قدر کثیر فوج مور و بلخ کی طرح ہم بکیوں پر حملہ کرنے کو لانا اور ہماری تباہی کیلئے یہ زبردست توپخانہ جانا جنابِ عالی کی بذامی کا باعث ہے یہ داغِ قیامت تک نہ دھل سکیگا۔ مختار اللہ اگرچہ سیدِ عالی نشاۃ دہلی ہیں لیکن اسوقت شامیوں کی سی عادت اختیار کر کے یہی جواب دیا کہ بلکوانِ برگشتہ بختوں کی ہلاکت کے سوا کوئی چیز منظور نہیں اس جواب کے بعد گولہ اندازِ دن کو حکم دیا کہ گولہ باری کرہن ان بے چاروں نے جب چکھا کہ نابک کا دل کسی طرح رحم پہ آبادہ نہیں ہوتا تو مجبوراً تعزیہ خانے میں آکر

کی پاسداری کر کے آمادہ مرگ ہوئے اور اپنے قول پر قائم رہے۔

مختار الدولہ ماہ محرم کو تمام فوج اور سارا توپخانہ مسلح کر کے اُس جماعتِ عمار بے کوسوار ہوئے۔ اُن لوگوں نے جو اپنی قیلت اور مخالفوں کی کثرت دیکھ کر تو مقتضائے بشریت سے ہراسان ہو کر اپنے دکھلا کی معرفت مختار الدولہ سے عرض کرنا ہمہ بین سے اکثر مسلمان اور اہل بیت کے محب اور آپ کے جد بزرگوار کے تعزیدہ ہین اُمیدوار ہیں کہ ان چنے بمقتضاتِ مین سے جو بھی پسند خاطر مبارک ہو قبول فرما جائے۔

(۱) ہمارے گناہ و جہرا لم تو معاف کر کے ہماری تنخواہ مین سے اس قدر خرچِ محنت ہو جائے کہ ہم بندہ فقیر داخل سرکار کر کے اپنے وطن کو لوٹ جائیں اور وہاں دُعا عمر و دولت بندگانِ عالی مین مصروف رہیں۔

(۲) اگر ہمارا قتل و غارت ہی تیرے نظرِ عالی ہے تو ہمکو بھی عذر نہیں اور جان دینے کے کوئی چارہ نہیں رکھتے لیکن ان دنوں تعزیدہ دار مین اور آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے عاشورے کے دن تک ہکو امان جان بخش کر ماتم کر لینے کی مہملہ دی جائے بعد اس کے جیسا ارادے ہمان آراے خواہش کرے اُس پر عمل کیا جائے۔

(۳) اگر یہ بھی منظورِ خاطرِ عالی نہ ہو تو جس قدر ہماری تنخواہ چڑھی ہوئی ہے اُن کی تھیلیاں گناڑیوں مین بھر داکر اہل سپاہ کے مجمع مین جو مور و ملخ سے کم نہیں ہمارا خون پیئے کو آمادہ ہے کٹھری کرادی جائیں اور اُن کی حفاظت کے لیے تاکہ کر دی جائے اگر ہم اُن پر غالب آکر رہے چھین کر زندہ و سلامت بچ رہیں تو اپنے کو پہونچ جائینگے اور لائقِ تسخیر و آفرین قرار پائینگے اگر مارے گئے تو آپ کا مظلوم

بعد اسکے کہا کہ اے یار اب میری ایک وصیت سن لے طعن و تشنیع کا محل باقی
نہیں جہاں فانی میں اب ایک ساعت کا سماں ہوں ایک وصیت کرتا ہوں اگر فوت
و جوان مردی کو کام فرما کر قبول کر دے گے تو دنیا و عقبے میں مشکور و ماجور ہو گے
اُس سوار نے کہا کہ کیا حاجت ہے بیان کر دین اُس کو بسر و چشم بجالا دے گا زخمی
نے کہا کہ چند چھوٹے اور بیکس پتے میرے فلان شہر میں ہیں انکی روزی کا سبب را
سوائے میرے کوئی نہیں اور میں یہاں اس طرح زخمی ہو کر رہا ہوں اب آخرت
ہونے والا ہوں ایک سو کئی اشرفیان اور کئی جواہر جو چٹھانوں کی لڑائی میں ہاتھ
آئے تھے میری کمر میں بند تھے ہیں منقریب تھیرے آکر کپڑے اتار کر انھیں بھی لوٹ لینگے
تم انھیں کھول دو آدھے خود لے لیجو اور آدھے میرے یتیم بچوں کو پونچا دیجیو، وہ نادان
لاچ میں آکر نے الفور گھوڑے سے اتر اور دھال تلوار ہاتھ سے زمین پر رکھ دی
اور زخمی کے پاس پہنچ کر اُسکی کمر کا پٹکا کھولنا چاہا اُس دلاور کی کمر میں تو اچھی ہوئی
تھی ایک ہاتھ ایسا مارا کہ دونوں ٹانگیں لگڑ سی کی طرح کٹ گئیں اور اس جیلے سے
اپنے ہم چشم کو اپنے پہلو میں بٹھا کر ہنسا اور کہا کہ اس جگہ میں تنہا پڑا ہوا نفس شامی
کر لیا تھا نہ کوئی انیس تھا کہ تھوڑی دیر اُس سے بات کرتا اور نہ کوئی جلیس تھا جس کو
در و دل سناتا چونکہ ہم میں تم میں مدت سے خصومت اور لاف و گزاف و عداوت
قائم تھی اور دونوں میں ہنجشی کے دعوے زباؤں پر آتے رہتے تھے الحمد للہ کہ اس وقت
بھی میں نے اپنا ہم درد بنالیا اور اس مصیبت کے مقام میں تم کو دل کا حال کہنے
کے لیے اپنا ہم نشین کر لیا جب تک دونوں زندہ ہیں ایک دوسرے کا انیس رہے گا
اور جس جہاں سے سفر کے بعد دونوں یہاں کی خاک میں مل جائینگے اور روزِ عشر میں

جس سے اب کسی کو لڑائی کی تاب نہ رہی میرا فضل علی اپنے دو تین بھائیوں کے ساتھ آمادہ مرگ کھڑا رہا اس وقت مختار الدولہ نے عبدالرحمن خان قندھاری کے ساتھ قسم کھا کر اسے بھیجا کہ میرا فضل علی کو کسی طرح اذیت نہ پہنچے گی وہ حاضر ہو جائے خان مذکور میرا موصوف کا اطمینان کر کے لایا لڑائی ختم ہو گئی فتحمنہ کی شادی اس وقت مختار الدولہ کی طرف بچنے لگے مختار الدولہ شام کے وقت سرداروں کے سرنیزوان لنگو اکر لشکر وزیرین داخل ہوئے۔

حکایت مختار الدولہ کے لشکر کا ایک آدمی جو شجاعت کا نہایت مدعی تھا اس شہادت کے کھیت میں ایک زخمی کی طرف سے گذر جس کے ہر زخم سے خون فوارے کی طرح جاری تھا علاوہ دوسرے زخمیوں کے دونوں ہاتھوں بھی توپ کے گولے سے اڑے ہوئے تھے لیکن نہایت استقلال اور ہوش و حواس کے ساتھ یحسین یا حسین کہ رہا تھا ان دونوں میں پہلے سے نوک جھوک رہی تھی اس سپاہی نے نہایت جوشیلا سے زخمی کو کہا کہ اے فلان اپنے دلی نعمت کے ساتھ لڑنے کا مزہ پایا۔ اس میں کیا مضائقہ تھا کہ تم لوگ اول ہتھیار دیریتے اور پھر اصلاح کی کوشش کرو اس زخمی نے کہا کہ اے دوست جو کوئی شیوہ انصاف رکھتا ہو گا اس غیرت حمت پر تحسین و آفرین کہے گا اگر کوئی ناجوان مرد بے حیاتی بے حیائی سے بڑا کہے اور چلنے لگے من موت تو کبھی نہ کبھی آتی ہی مگر یہ سعادت کیسے حاصل ہوتی کہ آیا یارو پر پڑا اسے مولائے حسین میں حق طلبی کی راہ میں ثابت قدم رہ کر ظالمان سے مضائقہ نہ ہو اور شہادت کو پہنچے البتہ ہمارا اور مختار کا رنامہ دلاؤں گی شہادت و مصیبت سے متوجہ نہ ہونا بلکہ بڑا مثل ہے گا۔

اپنے رسالوں کو تیار کر کے راستے میں جماد و اگر مختار الدولہ اپنے ارادہ دلی کے وقوع
میں لانے کے لیے میدان جنگ سے بھاگے اور ادھر کا قصد کریں تو اتنے گولے اور
گولیاں مارو کہ قدم اٹھانے کی تاب نہ دہیں اُن کا کام تمام ہو جائے القصد ان
دونوں سرداروں نے اپنی اپنی سپاہ کو تیار کر کے اور توپخانہ و آلات حرب سکے کے
شکر وزیر المملک اور فوج مختار الدولہ کے درمیان میں جما کر مورچہ بندی کی اور
توپیں کھڑی کر کے ذخیرہ دن سے کس دین اور سپاہیوں کو آمادہ کارزار کر کے
انہی صفیں باندھ دیں اور خدا سے دم بہ دم مختار الدولہ کے بھاگنے کی دعا کرتے تھے
چونکہ مشیت الہی اور تھی اور ابھی چند دن اُن کو عیش و حکمرانی دیکھنی مقدر تھی عروج
کے کچھ دن باقی تھے فتح و نصرت حاصل کر کے لوٹے۔ راجہ جھاؤ لال و بسنت علی خان
اس واقعہ سے بہت شرمندہ ہوئے اور ڈرے اور مبارکباد کہتے ہوئے سامنے گئے
مختار الدولہ کو مخبروں کے ذریعہ تمام حال معلوم ہو چکا تھا مگر اُس وقت غماض کرنا
مناسب جانا۔

نواب آصف الدولہ کو شاہ عالم بادشاہ کے ہاں

سے خلعت و وزارت حاصل ہونا نواب کا بادشاہ

کے حضور میں زر نقد اور اسباب اور چہرہ اور

تخت بھیجنا

مولوی ذکار اللہ تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں کہ آصف الدولہ اودھ میں

ساتھ ساتھ بارگاہ باز پرس میں جاکنگے۔

یہ واقعہ اہل ۱۲ محرم ۱۱۵۹ ہجری کو مقام اٹاوہ میں ظہور میں آیا۔
صفت الدولہ کے اکثر نوکر جو سلطنت کا زور بازو تھے اس لڑائی میں کام آئے اور
وہ اس فتح سے نہایت خوش ہوئے۔

انصاف گورسہاے کمتا ہے کہ مختار الدولہ نے میر فضل علی کو کہلا بھیجا کہ ”تمنے
کس لیے بے سبب ہمت بہادر سے پر خاش کی تھی جواب دیا کہ راجہ جھاؤل لال کے خط
سے معلوم ہوا تھا کہ بے سبب ہمت بہادر نے میری شکایت حضور میں بھیجی ہے جب یہ جواب
مختار الدولہ کے پاس پہنچا تو اس خط کو میر مذکور سے منگا کر حضور میں پیش کر دیا تو۔ جھاؤل لال
کو قید کر دیا اس کی گرفتاری کے بعد دیوان خانے کی داروغگی میان بسنت کی ملی۔ لیکن اور
تاریخوں میں جھاؤل لال کے معتب ہونے کی دوسری وجہ لکھی ہے جو آگے معلوم ہوگی۔

تاریخ تیمور یہ میں بیان کیا ہے کہ جب مختار الدولہ تمام سپاہ لے کر ایسی سے
لڑنے کے لیے حرب گاہ کو چلے گئے تو جھاؤل لال اور بسنت علی خان وغیرہ یاران قابو طلب
نے وقت کو غنیمت جان کر نواب وزیر سے عرض کیا کہ مختار الدولہ جو اس قدر فوج لیکر
اُس جماعت پر حملہ آور ہوئے ہیں تو اس سے مقصود اسکی تباہی نہیں بلکہ اس خیال
میں ہیں کہ اُنکے مقابلے سے بھاگ کر لشکر میں آدین تو وہ دلا در تعاقب کرتے ہوئے
حضور کے کیمپ میں گھس پڑیں اور لشکریوں کو کہ بے دل و بے حواس ہیں لوٹ لیں
اسکے بعد مختار الدولہ کے دل میں جو خیالات فاسد سمائے ہوئے ہیں اُن کی مدد سے
ظہور میں لائیں نواب وزیر مختار الدولہ کی امارت و نخوت اور کبر و خود سری فر دیکھتے
تھے انھوں نے اس بعید افعال کو قریب الوقوع سمجھ لیا۔ اور فوراً حکم دیا کہ تم دونوں

قیام گاہ کے قریب پہونچا تو مختار الدولہ نے مع خدم و حشم کے استقبال کر کے فرمان بڑی
برپا کی۔ اور نواب نے بھی استقبال کیا اور خلعت پہن کر باپ و داد کے خطاب سے
معزز ہوئے۔ اور اس عطیہ کے شکرانے میں محفل آراستہ کی اُسی دن مختار الدولہ مارے
گئے۔ وزیر نے ایک لاکھ روپے اور تین لاکھ روپے کی روایت کے مطابق دو لاکھ روپے
نقد اور دس گھوڑے اور کئی ہاتھی جن پر طلائی اور چاندی کی مٹلا عماریان تھیں اور
یورپ کی بہت سی عمدہ چیزیں اور ہر قسم کے تحفہ دہرایا اور اسباب و سامان مع چتر
اور تخت روان کے مرزا خلیل اور نیاز علی خان کی معرفت بادشاہ کو بھیجے اور
قطب الدین خان کو خلعت لمبوس اور سترچ جو اہر اور جفیہ مکمل اور مالے مروارید
اور ایک ہاتھی اور آٹھ ہزار روپے دیے۔ اور راجہ دیارام کو بھی خلعت دیا اور ان کے
رفقا کو علی قدر مراتب و دشائے عطا کیے اور بادشاہ کے پاس رخصت کیا اور
ذوالفقار الدولہ کے لیے اپنی نیابت کا خلعت مع فیل و عاری زر اور سائبان اور
زر بفت کی جھول اور اسپ کے بیجا اور مجد الدولہ کے لیے دو ہاتھی اور ایک گھوڑا
روانہ کیا۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مختار الدولہ نے ایک خلعت اصف الدولہ کے لیے
شاہ درانی سے بھی حاصل کیا اور دونوں بادشاہوں کے ہاں سے مختار الدولہ کو بھی
خلعت ملے۔

تاریخ مظفری سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عالم نے اصف الدولہ کو منہ نشینی کے بعد
ہزبر جنگ خطاب دیا تھا۔

لحمہ بھومرات آفتاب نما ۱۳

نوابی کرتے تھے خزانہ ان کا خالی تھا سپاہ کی تخفیف کرنا چاہتے تھے عادیقین ان کی
 بددی تمیم گھر میں بھی فساد تھا باہر بھی ملک میں بد نظمی ہو رہی تھی غرض ایسے ہنگامے
 برپا ہو رہے تھے کہ جس سے نواب کو خود اندیشہ اور رفیق انگریزوں کو خوف تھا۔
 ستمبر کے موسم سرما میں یہ فواد اٹھی کہ شاہ عالم درہٹے اور پھلے اور سکھ مرزا نجف خان
 کے رفیق بن گئے ہیں۔ آصف الدولہ پر حملہ کرنے کو چلے آتے ہیں۔ گورنر جنرل نے
 نواب کو سمجھایا کہ وہ نجف خان سے آشتی کر لیں جس سے یہ مصیبت سر سے اٹلے۔
 آصف الدولہ کو اب تک وزارت کا خطاب بادشاہ کے ہاں سے نہ ملا تھا۔ اگرچہ اُس
 کا ملنا نہ ملتا برابر ہوتا مگر وہ اُس خالی خطاب کے لیے بیتاب تھے مختار الدولہ نے
 مجد الدولہ سے سازش کر کے اپنے خاص ذریعہ سے خطاب و خلعت وزارت منگوانے
 کا بعد و بہت کیا پیش کش اور پانچزار سپاہ بادشاہ کے پاس بطور کمک بھیج کر یہ خطاب
 حاصل کیا چنانچہ خلعت وزارت مع جواب اور قلمدان ملائی مرصع اور فیل مہر خاصہ
 کے آصف الدولہ کے لیے بادشاہ کے ہاں سے روانہ ہوا۔ یہ خلعت ۱۰ افرستہ ہجری
 کو قطب الدین خان (جو پیش مجد الدولہ) اور راجہ دیارام کے ہوالے ہوا تھا بادشاہ نے
 ان دونوں شخصوں سے فرمایا کہ اول اس خلعت کو ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خان
 کے پاس بجاؤ اُسکے سوا بدید کے بعد آصف الدولہ کے پاس پہنچاؤ اور یہ بات
 ذوالفقار الدولہ کی عزت افزائی کے لیے کی گئی تھی چنانچہ قطب الدین خان اور
 دیارام نیاز علی خان کے ساتھ جو آصف الدولہ کی طرف سے اس سوال و جواب کے لیے
 آیا تھا اُسکے پاس خلعت لیکر پہنچے جو ان دنوں ڈیگ کے محاصرے میں مصروف
 تھا پھر قطب الدولہ اُس سے رخصت ہو کر اودھ کو روانہ ہوا جب آصف الدولہ کی

بعض اہل تحقیق نے اس واقعہ کی اصلیت یوں بیان کی ہے اور یہ حال اُن لوگوں سے زبان بربان سنا ہے جو اُس وقت میں ریاست میں اقتدار رکھتے تھے کہ مختار الدولہ شیرازی نشوونما کے بعد ایران سے آئے تھے نشہ شراب غرور و نخوت جو لازماً اہل بریل ہے آنکھوں میں چڑھا ہوا تھا اہل ہند سے اختلاط کم رکھتے تھے اُمرائے نہایت کج ادائی کے ساتھ ملاقات کرتے تھے باقی ملازمان نواب وزیران کی نظروں میں کسبِ محبت تھے۔

راجہ جھالال اور بسنت علی خان نے ایک دن نواب وزیر سے عرض کیا کہ ہم لوگ جو حضور کے ساتھ نرم شراب گرم کرتے ہیں تو یقین ہے کہ مختار الدولہ ہلکوا ب شمشیر سے سر در دینگے جب یہ دار خالی گیا تو مکرر پھر عرض کیا کہ گردِ روپے کا محاسبہ مختار الدولہ سے لینا چاہیے اسپر بھی نواب نے التفات نہ کیا۔ جب کسی شمشیر تدبیر نے جو ہر نہ دکھائے تو انھوں نے یہ مشورہ قرار دیا کہ جس وقت ہندوگان عالی بستر خواب سے اُٹھ کھولتے ہیں تو مختار الدولہ آتے ہیں اور نواب اُنکی صورت دیکھ کر آکھ کھولتے ہیں اور کہنیاں سلامی کے لیے روتھلنے میں آتی ہیں بہتر یہ ہے کہ اُس دم مختار الدولہ کے گولی مار دی جائے نواب وزیر کو اس مشورے پر اطلاع نہ تھی۔ مرزا حسن رضا خان سرفراز الدولہ بھی اس مشورے میں شریک تھے اور ان سے اور مختار الدولہ سے قرابت تھی اور صورت اس قرابت کی یہ ہے کہ نواب علی مردان خان شاہ جہانی کے پوتے نواب کلب علی خان کی چند لڑکیاں بھینٹیں انھیں سے ایک لڑکی مرزا حسن رضا خان سے بیاہی تھی ایک لڑکی مینڈو بیگم سید صاحب! بن سید مصطفیٰ المناطیب بہ مصطفوی خان سے منعقد تھی اس مینڈو بیگم کی ایک بیٹی بیاری بیگم نامی مختار الدولہ کی زوجیت میں تھی۔ اس قرابت فریبہ کی وجہ سے مرزا حسن رضا خان نے

مختار الدولہ کے قتل کے لیے سازش ہونا اور اُس کا کھل جانا

جس زمانے میں کہ مختار الدولہ قتل ہوئے تو یہ بات مشہور ہوئی تھی کہ نواب آصف الدولہ کے خاص اشارے سے مختار الدولہ مقتول ہوئے۔ تاریخ مظفری اور لمخص التواریخ مؤلفہ فرزند علی اور فرخ بخش مؤلفہ شیو پرشاد اور سیر المتاخرین سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آصف الدولہ کی اُن کے قتل پر مرضی تھی۔ مگر بعض صاحب کتبے ہیں کہ یہ بات محض افتراء ہے۔ مؤلف عماد السعادت بھی لکھتا ہے کہ جس وقت مرزا محمد امین بن مرزا محمد یوسف کو نے آصف الدولہ سے عرض کیا کہ میں مختار الدولہ کو درمیان سے اٹھانا ہوں تو نواب مددوح نے اجازت نہ دی اور نواب سالار جنگ نے بھی جنگی بیٹی مختار الدولہ کے فرزند سے منسوب تھی ایک دن امتحاناً نواب وزیر سے پوچھا کہ مختار الدولہ کے قتل کے باب میں کیا حکم ہے اُس وقت بھی آصف الدولہ راضی نہ ہوئے اگر آصف الدولہ کو مختار الدولہ کا موقوف کرنا مد نظر ہوتا تو کون روک سکتا تھا پھر قتل کرنے کی کیا وجہ تھی۔ اور تاریخ شاہینہ نیا پور یہ بین یوں ہے کہ مرزا محمد امین کو نواب نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر تم خود مارنا چاہو تو مار ڈالو تم جانو اور مختار کام جہان تم بھی سید ہو اور وہ بھی سید ہیں آپس میں خوب نیپٹ لو گے اگر میری اجازت سے قتل کرنا چاہتے ہو تو میں ایک سید کے قتل پر راضی نہیں بیچارے نے تمہارا کیا لے لیا ہے مرزا امین نے پھر کچھ نہ کہا۔ چونکہ مختار الدولہ کی اجل آپچی تھی نواب آصف الدولہ کو رنجیدہ کر دیا اور بعض ایسے کام جو نواب کو ناپسند تھے کیے اور ایک بار جان برسٹو کے سامنے نواب سے مباحثہ کیا (انتمے)۔

یہ بات غلط تھی تو اُمیدوار ہوں کہ جناب عالی اُن مُفسدہ پر وازون کے نام سے
اطلاع فرمائیں کہ میں اس قدر روپیہ اُن سے لے کر سرکار عالی میں حاضر کروں یہ امر
بھی دولت خواہی سے خالی نہیں۔ نواب نے اُس وقت ہر ایک کا نام بتلادیا۔
مختار الدولہ نے عرض کیا کہ میری دولت خواہی یہ ہے کہ آیام صاحبزادگی میں
کارخانہ سرکار کا جو نہایت اتر تھا بخوبی انتظام کیا دوسرے نواب شجاع الدولہ
سے حضور کی جاگیر کی سند مسترد کی جس سے سرکار کے کارخانے کو خوب رونق ہوئی
تیسرے سند نشینی کے وقت سب اعیان ریاست یہ کہتے تھے کہ آصف الدولہ عیاش
اور صاحبزادہ مزاج ہن ریاست کی لیاقت نہیں رکھتے دولت خواہ نے اُس وقت
کرنیل کلیس اور مسٹر کاننسی کو برخلاف مسٹر پھولیر صاحب کے حضور کی سند نشینی
کے لیے آمادہ کیا چوتھے محمد ایچ خان دلی سے خلعت نہ لاسکا میں نے بدین حرف پلے
کے وہاں سے خلعت حاصل کر دیا اور بادشاہ قندھار سے بھی خلعت منگادیا اُس وقت
کسی شخص نے خیر طلبی اور دولت خواہی کا دعویٰ نہ کیا۔ اب جلد انتظام پورے
ہو چکے تو ہر ایک خیر خواہی گنجائش لگا بہر صورت ان باتوں کا انصاف حضور کے ہاتھ
میں ہے اگر ان باتوں پر بھی مزاج عالی میں کدورت ہے تو اس نیابت سے نان جوین
ہزار درجہ بہتر ہے زیادہ ہوس نہیں۔ جب تک جناب عالی محاسبہ میں مجھ دولت خواہ
کو تکلیف نوکری معاف ہو ریڈنٹ نے بھی اقرار ضمانت کیا۔ یہ باتیں ہو چکیں
تو نواب وزیر نے مختار الدولہ کو آغوش لطف میں لے کر فرمایا کہ میں ہمیشہ تم سے
رضا مند رہا اور اب بھی خوش ہوں اور کوئی خلاف خیال نکر داور اس وقت
میرے ساتھ چل کر اپنے مخالفوں کو مجھ سے لوجہ پانچ مختار الدولہ کو اپنی خواہی میں

مختار الدولہ کو ان کے منصوبہ قتل سے اطلاع دی بلکہ مدت تک یہ بارگراں پارٹی گم اور اقبال الدولہ زوجہ و پسر مختار الدولہ کی گردن پر رکھا کہ مین نے مختار الدولہ کو قاتلون کے ہاتھ سے بچایا ورنہ اُسی وقت کام تمام ہو چکا تھا غرض کیفیت سنگر مختار الدولہ اندیشہ مند ہوئے اور صبح کے وقت نواب کے پاس نہ گئے دو مرتبہ سرکاری عصابر دار بھی بلانے کے لیے آیا۔ مختار الدولہ نے کسل طبیعت کا عذر کر دیا جب تیسری بار عصابر دار یہ پیام لایا کہ جو طبیب و علاج مختار کے گھر مین مہیا ہے وہ یہاں بھی موجود ہے۔ مناسب ہے کہ جلد آؤ جنا بعالی تمھارے انتظار مین ابھی تک خواجگاہ سے برآمد نہیں ہوئے۔ تو مختار الدولہ نے مجبور ہو کر چھ سات سو سوار کا گزار اور اکثر عزیز واقارب اپنے ساتھ لیے اور پہلے مسٹر جان برسٹورز ریڈنٹ کے پاس گئے کہ اُس کو فی الجملہ اپنی کیفیت سے مطلع کریں۔ یہ معاملہ سفر مقام اٹا وہ مین پیش آیا تھا نواب اصف الدولہ کو جو یہ خبر ہوئی تو وہ بھی سوار ہو کر فی الفور جان برسٹورز کے ڈیرے پر پہنچے۔ نائب اور نیب کے پس و پیش پہونچنے مین چند منٹ کا تفاوت واقع ہوا ابھی مختار الدولہ نے باتین شروع کی تھیں کہ نواب وزیر کی آمد آمد کی خبر ہوئی۔ مختار الدولہ اور صاحب ریڈنٹ نے استقبال کیا۔ نواب نے مختار الدولہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم نے کیا بدی کی تھی کہ تم نے ہمارا دو تین کروڑ روپیہ خراب کیا اور اُس کا حساب نہ سمجھایا۔ مختار الدولہ نے یہ اشارہ سن کر اپنی مہرجان برسٹور صاحب کے حوالے کی اور جواب دیا کہ صاحب میرے ضامن ہن ایک کروڑ دو کروڑ روپے تک جو میرے لئے ثابت ہون مین ان کے ادا کرنے کو حاضر ہون لیکن جس وقت

رہ گئے۔ لگا لیا اور اپنے دل سے غبارِ کدورت محال ڈالا اور خامت و کفرِ فرزندِ خاندان
بنایا اور تمام فوج کا مختار کر دیا بسنت علی خان اپنے خیمے کی طرف شاو کا م لوٹا اور
ایک ہفتے تک یہ معاملہ اسی طرح رہا کوئی صدا نہ اُٹھی۔

مختار الدولہ اور بسنت علی خان خواجہ سرا کا
مارا جانا اور اصف الدولہ کا ہلاکت سے

بچ جانا

بیم الدولہ سعادت علی خان جو بیس ہزار کی قیمت کے ساتھ شجاع الدولہ
کے عہد سے بریلی کے انتظام میں مصروف تھے اور اس عہدہ حکومت میں مختار الدولہ
نے جان پر سنو سے اجازت لے کر ان کو اُس کام سے معزول کر کے بلالیا تھا یہ نہایت
مذہب تھے حکامِ کپہنی کے ساتھ خط و کتابت جاری تھی لیاقت و دانائی کی وجہ سے
شجاع الدولہ کی جملہ اولاد میں ممتاز تھے اور صلہ تفضل حسین خان انکی انا لیتی میں
رہتے تھے سعادت علی خان بھی اُن اودے میں نواب وزیر کے ہمراہ تھے اور سلطنت کی تمنا
و انگیز تھی انھوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جب تک مختار الدولہ کے عروج پر
پانی نہ پھرے گا گوہرِ مدعا کا ہاتھ اُٹا دینا ہوتا ہے بسنت علی خان سے موافقت پیدا
کی اور بسنت علی خان اور بھاولال سے اودے کی نیابت دینے کا وعدہ کیا اور
مختار الدولہ و اصف الدولہ کے قتل کرنے کی فکر کی راجہ بھاولال۔ فضل علی۔ طالب علی
خیالی خان۔ مراد علی اور نور الدین اس کام پر مامور ہوئے اور میر باقر اور یوسف خلیں
جو بٹیشیر کے ساتھ والون میں تھے انھوں نے بھی شرکت کی اور فضل حسین خان بھی

بٹھا کر اپنے خیمے میں لائے۔ ابھی ان کی سواری خیمے میں نہ پہنچی تھی کہ بسنت علیخان وغیرہ نے یہ خبر سن لی اور اُن پر پریشانی نے ہجوم کیا بسنت علی خان تو سلامی دیکر دھاگ کر اپنی فوج میں جا چھپا اسی طرح اور بھی روپوش ہو گئے فقط راجہ جھاؤلال کی شامت سر پر سوار تھی حاضر رہا اُس کو نواب نے بلا کر مختار الدولہ کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کو قید رکھو۔ مختار الدولہ نے جھاؤلال کو ایک خیمے میں قید کر دیا فقط اسی قدر مخالفت کی کہ قلمندان اور ہتھیار اس کے پاس نہ جانے پائیں اور پہرہ سر پر رہے اسکے سوا عمدہ کھاناؤں اور کپڑوں اور ناچ گانے میں کوئی فتور نہ تھا۔ مختار الدولہ کا نائب انور علی خان خواجہ سرا خود جھاؤلال کے قریب پہنچا اور تمام مال و اسباب اُس کا ضبط کر لیا اور لاوا باؤنی طوائف جو اُسکی محبوبہ تھی اُسے پاب نہ بخیر کر کے اپنے کیمپ میں لے آیا اور ایک چھپرے نے خیمے میں قید کر دیا۔ چند روز کے بعد مختار الدولہ نے نواب وزیر الممالک کو اپنے اوپر متوجہ دیکر عرض کیا کہ حضور کے چند نوکر میری جان لینے کے درپے ہیں اگر حضور کو فدوی کی خاطر منظور ہے تو اُن کی جوابدہی کا معاملہ میرے سپرد کر دیں نواب نے اجازت دی کہ جس طرح مناسب سمجھا اپنے حریفوں کو شکستہ عذاب میں کھینچو بسنت علی خان کو اب لوہا لایقین ہو گیا کہ مختار الدولہ مجھ کو قید کرینگے اُن کے چنگل سے رہائی مشکل ہے تو اپنے چند دوستوں کے مشورے سے کلام اللہ تھمیں لے کر مختار الدولہ کے پاس گیا اور قسم کھائی کہ مجھ کو اطاعت کے سوا کوئی بات منظور نہیں۔ مختار الدولہ نے اُسکے ہاتھ سے کلام مجید لے لیا اُسے تلبیس قریب کی زاہد مختار الدولہ کے طشت کا پانی جس میں انھوں نے پائون دھوئے تھے لے کر پی لیا مختار الدولہ باوجود مخالفت کے اُسکی ارادت کے ایسے مفتون ہوئے

۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

کا مور و عنایت ہو اور باطناً مرزا سعادت علی خان سے سازش کی کہ جب بندہ مختار الدولہ کو مار کر آئے تو تم مع چند ہمراہیوں کے سوار ہو کر پہنچ جانا بندہ آصف الدولہ کے پاس پہنچا اُن کا کام بھی تمام کر دے گا اور آپ کو مسند ریاست بجائے گی جب یہ مشورہ ملے پانگیا تو بسنت علی خان نے از سر نو مختار الدولہ سے براہ مکر و فریب دلاپ کیا۔

فرح بخش میں شیو پرشار نے ذکر کیا ہے کہ مختار الدولہ کو نیابت حاصل ہوئے عرصہ نہ گذرا تھا کہ اعیان سلطنت کے استیصال پر کمر باندھی اور بتدریج ہر ایک کو برباد کر دیا اور جو جو ہاتھ لگا اُس کو قید کر کے بڑی سختی اور عذاب کے ساتھ ہلاک کیا اول شخص اُنکے بیٹے سے جان بچا لے گیا وہ اچھ خان ہے کہ رنگ صحبت بدلا ہوا دیکھ کر حصول خلعت وزارت کے پہلنے سے دم ملی کو چلا گیا اور مختار الدولہ کی دراندازی کی وجہ سے بادشاہ کے اُن سے بدون حصول خلعت اکبر آباد کو نواب ذوالفقار الدولہ کی حمایت میں چلا گیا۔ دوسرا محمد بشیر ہے کہ جب اُس نے دیکھا کہ مختار الدولہ میری بربادی کے ورپے ہیں تو بے تھک و عرصہ علاقہ نجیب آباد سے کنارہ کشی کر کے اکبر آباد کو چلا گیا قیسرا نواب گرگو شاہین ہے کہ وہ اتاروے سے بھنڈ کے انتظام کا بہانہ کر کے آصف الدولہ سے خست حاصل کر کے چلا گیا اور بھنڈ کو بھلا کر اور لیٹ کر ذوالفقار الدولہ کے پاس پہنچا پر گنہ فتح آباد اور سعد آباد اُسکی جائداد میں ذوالفقار الدولہ نے مقرر کیا۔ انقلاب روزگار دیکھیے کہ تھوڑے دنوں سے نواب آصف الدولہ کے مزاج میں مختار الدولہ کی طرف سے کدورت آگئی تھی اور مختار الدولہ کی طرف سے بھی روز بروز وہ حرکت کرتا ہوا آصف الدولہ کی رنجش اور خفگی کا باعث ہو تین ظہور میں آتین اور آثار نافرمانی

اس سوال و جواب میں شیر و شکر تھے بسنت علی خان نیابت کی امید میں ہمہ تن اس کام میں مصروف تھا۔ اور آگے سے زیادہ حاضر باشی مختار الدولہ کے پاس شروع کی بظاہر دوست صادق اور جان نثار بنا طلسم ہند میں اسی طرح ہے۔ تاریخ تیموریہ میں بیان کیا ہے کہ خود بسنت علی خان کو یہ خیال ہوا کہ نواب وزیر الممالک مختار الدولہ کے اس قدر مفتون ہیں کہ مطلق ملک و فوج کی خبر نہیں رکھتے اور مختار الدولہ کو شجاع الدولہ کی سلطنت کا برباد کرنا نہ نظر ہے یہ بہتر ہے کہ مختار الدولہ کو قبر میں سلا کر آصف الدولہ کو گوشہ عافیت میں بٹھادیا جائے اور سعادت علی خان کو جو شجاع الدولہ کے فرزند دغین نہایت لائق و فائق ہیں نشین کیا جائے یہ راز اپنے سرداران لشکر سے بیان کیا سب کی دلی تمنا یہ تھی کہ مختار الدولہ کا استیصال ہو جائے انھوں نے اتفاق رائے کر کے اور بھی ترغیب دی اور نواب سعادت علی خان کو مسند نشینی کا امیدوار کر کے اپنے مشورے کا سرگرم ممبر بنالیا لیکن یہ کام آسان نہ تھا اس لیے بسنت علی خان نے کمر و فریب سے کام لیا۔

سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ بسنت علی خان خواجہ سرا جو شجاع الدولہ کا نہایت معتمد علیہ تھا اور فی الحقیقت جرات سے خالی نہ تھا مختار الدولہ سے ہمسری کر کے اطاعت نہیں کرتا تھا اس لیے کمر باہر کرنا چاہی ہوئی اور پھر وسائل و سالیط کے ذریعہ سے صفائی ہوئی اسی ضمن میں ہایک مرتبہ ایسی زنجش بڑھی کہ آمیزش کی صورت منہوی آصف الدولہ بھی دل میں سبب خود مختاری مختار الدولہ کے جو سر جان پرستوں سے متفق تھے آزر دہ ہو کر ان کے معزول کرنے اور قتل کرنے کی فکر میں ہے بسنت علی خان خواجہ لاجپل صاحب کے اس بار کو پا گیا چاہا کہ مختار الدولہ کو کسی طرح سے مار کر صفا الدولہ

دوست صادق نظر آتا تھا بسنت علی خان نے اُس وقت بعض اپنے مخلصوں کو کہہ اُن
 میں سے میر قدرت اللہ کے دو وزن بھلے مراد علی اور لطف علی تھے مطلع کیا کہ
 قتل مختار الدولہ کا عزم ہے جب مختار الدولہ بسنت علی خان کے خیمے پر پہونچے
 تو اُس نے سر دروازہ تک استقبال کیا اور نہایت تواضع کے ساتھ سواری سے
 اتار کر مسند پر لا بٹھایا اور نذر دکھائی جس قدر جمعیت جلو اور سواری کی ہر اہتی
 مختار الدولہ نے اُس کو رخصت کر دیا وہاں پر سولے چند پلو الفون کے اور کوئی نہ تھا
 اور جلاوطن الف بھی جو مختار الدولہ کی مرغوب تھی وہاں موجود تھی اور سونا و
 گن قوال جو نہایت خوش گلو تھے حاضر ہوئے مختار الدولہ کے ساتھ کئی آدمی
 ایسے بھی تھے کہ وہ بوجہ تقرب کے خیمے کے اندر چلے آئے تھے انکو بھی مبالغہ و تائید
 کے ساتھ واپسی کی اجازت دی یہ سب اندر سے چلے آئے اور باوجود مختار الدولہ
 کے تعید کے اپنے اپنے مقاموں پر حیرت زدہ سے بیٹھ گئے اس زمانے میں گرمی شدت
 سے پڑتی تھی اور لو چلتی تھی لشکر میں اکثر امیرون نے تہ خانے بنوائے تھے بسنت علی خان
 نے بھی ایک تہ خانہ بنا کر فرش و اسباب وغیرہ سے آراستہ کیا تھا جب دُھوپ
 تیز ہوئی تو مختار الدولہ کو تہ خانے میں چلنے کی تکلیف دی اُن کا جام حیات لبریز
 ہو چکا تھا انہیں بسنت کی خبر تو تھی نہیں اپنے پیروں سے قبر میں اُترے عرض کہ
 درباری کہتے اُتار کر آرام تمام استراحت فرمائی اُن کی محبوبہ و لنوا ز بھی حاضر تھی
 اور بسنت علی خان بھی وہاں موجود تھا مختار الدولہ کی منشا ایسی پائی گئی تھی
 کہ کوئی اور یہاں نہ رہے اسلئے صرف یہ تین شخص اور کچھ خدمتگارا اُس جلسے میں تھے
 معبر ساغر کا رنگ جما اس تہ خانے میں تو اسے جاری تھے اور ایک حوض پانی سے

صادر ہوتے تھے نواب اُنکی حرکات و سکنات سے تنگ آ گئے تھے اسلئے اُنکی گرفتاری و قتل کے درپے تھے بسنت علی خان جو نواب آصف الدولہ کا رازدار تھا اُن کے ارادے اور منشا پر مطلع ہو کر مختار الدولہ کے قتل پر آمادہ ہو گیا بلکہ خاص آصف الدولہ کی اجازت سے اس کام پر مستعد ہوا اور مختار الدولہ کی دعوت پر عداوت مقرر کی۔

القصد بسنت علی خان نے مختار الدولہ سے نہایت عجز و نیاز کے ساتھ عرض کیا کہ بندہ بسبب نخوت ایام کے چند روز تک آپکی نظروں میں مردود رہا گو بعد اسکے نصیب کی یاوری سے مورد عنایت ہوا لیکن اب تک اچھٹون میں حرمت و عزت نہیں ہے اور تمام تسکیرین انگشت ناہے آپکی عنایت سے مرتبہ غذائی کو پہنچا اس لیے آرزو مند ہوں کہ غریب خانے پر تشریف لے جا کر ہسروں میں سر بلند فرمائیے مختار الدولہ اس وقت کسی کو دنیا میں اپنی برابر نہیں جانتے تھے اور موت کا وقت قریب آ پہنچا تھا اسلئے بلا تامل منظور کر لیا اور کہا کہ کل ماہ صفر کا آخری چار شنبہ ہے ہم سیر کے لیے سوار ہونگے واپسی کے وقت تمہارے دیس میں اتر کر ایک دن اور ایک رات وہاں تفریح و تماشے میں بسر کریں گے۔

بسنت علی خان نے سامان دعوت کی تیاری کی اور عمدہ عمدہ کھانے پکوائے۔

مختار الدولہ دوسرے دن دربار میں آکر آصف الدولہ سے رخصت ہوئے اور نواب کی تمام فوج کو جلو میں لے کر سیر و تفریح کے لیے سوار ہوئے مراجعت کے وقت بسنت علی خان نے ڈیروں کی طرف آنے مختار الدولہ کے بعض ہوا خواہوں نے منع کیا کہ وہاں جا آجی لیکن قضا نے اُنکی آنکھوں پر غفلت کے پردے ڈال دیے تھے کچھ سماعت نہ کی دشمن جانی

انکے بے طلب اور مسلح آنے سے کسی قدر مستی سے ہوش میں آگئے اور زور سے کہا کہ ان بکوئی ہے، وہ ان کوں تھا کہ انکی مدد کو پہونچا یا ایسی سختی میں ان کا سپرنتا اور تانچ شاہیہ میں پانچ آدمیوں کا قتل کے بے آنا لکھا ہے انہیں سے فیصل علی اور میر طلب علی اندر آگئے تھے اور باقی تین آدمی باہر کھڑے رہے تھے مختار الدو سمجھ گئے کہ یہ مجھے قتل کرنے کو آئے ہیں اپنی جگہ سے دروازے کی طرف بیکے فیصل علی نے دوڑ کر پہلو میں کٹار ماری مختار الدو نے دونوں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کر کپڑ لیا اور ایسے کودے کہ دونوں حوض میں جا پڑے لیکن ان کا کام کٹار سے تمام ہو چکا تھا بھر میر طلب علی نے پہونچ کر چند پیش قبض مارے انکی جان بچ گئی سرکاش کر زمین پر ڈال دیا یہ واقعہ ۲ صفر ۱۱۹۷ ہجری یوم چہار شنبہ کو مقام اناوہ میں ظہور میں آیا تھا ایک سال ۲ ماہ ۸ دن کا رنیا بت انجام دیا میر محمد یعقوب نے اس سانچہ کی تاریخ کیا مزہ دار موزون کی ہے ۵

قتل مردے نمود نامردے

کسی اور شخص نے ان کے مقتول ہونے کی تاریخ تمیہ کے ساتھ یوں نظم

کی ہے۔

مرخصے خان شہید اکبر شد از جفلے سپہ سہ گردان شوم

سرفاقل گرفتہ ہاتف گفت ہمہ تاریخ سید مظلوم

بعض خد متکار جو حاضر تھے قتل کے خوف سے جان بچا کر بھاگ گئے اور جیسے میں

خبر پہونچائی بسنت علی خان خواجہ سراج دو تین کمپنی کے تیار مسلح آصف الدو نے کے پاس آیا اور اپنی فوج کو مع تو بچانہ تیار کر آیا تھا منشا اسکی یہ تھی کہ نواب کو

بھرا ہوا تھا مختار الدولہ سفید باریک کرتا پہنے تھے دو وزن پائون حوض میں الدیہ
یوسف خواجہ سرکہ نہایت حسین تھا اور شجاع الدولہ کا منظور نظر تھا پائون مٹنے
کے لیے بلالیا گیا۔ ایک گھڑی نگذری تھی کہ ایک چوہدار آیا اور بسنت علی خان سے
کہنے لگا کہ خوان تیار ہیں مختار الدولہ کو اس کا یون بے حجابانہ چلے آنا ناگوار گذرا
ناراض ہوئے اور کہا کہ یہ کونسا وقت دسترخوان لگانے کا ہے بسنت علی خان نے
نذر کیا جب دوپہر ہوئی مختار الدولہ نے خدمتگاروں کو بھی رخصت کر کے اداوہ
خواب آخرت فرمایا یہاں تک کہ کوئی پاس نہ رہا شراب کی زیادتی کی وجہ سے مدہوش
تھے اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خدمتگاروں کو رخصت کر دیا
تھا اور بعض موجود تھے یا یہ ہو کہ تہ خانے کے دروازے پر بعض خدمتگار حاضر
ہے ہوں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ روایت صحیح ہے کہ تہ خانے میں آنے
سے پہلے کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ بعض اقربائے مختار الدولہ مؤلف سیر المتاخرین
سے کہتے تھے کہ شراب میں نہر ملایا تھا اگر نہ مارتے تو بھی زہر سے مر جاتے۔ شیوہ پرشاد
نے فرح بخش میں لکھا ہے کہ جب وہ سو گئے تو راجہ جھابواللال کے مغلیوں نے
بسنت علی خان کے اہماتے چھری سے کام تمام کر دیا اور سیر المتاخرین میں ہے
کہ میرزا علی اور اسکے بھائی نے مع دو تین اور ہمراہیوں کے منکر و کبیر کی صورت
تہ خانے میں آنکر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تاہم تاریخ تیموریہ اور تاریخ شاہیہ میں ذرا اس کو
تفصیل سے لکھا ہے کہ مختار الدولہ کے قتل سے پہلے بسنت علی خان نے بناوٹ
سے اپنے آپ کو بہرست قرار دیا اور اچکائیوں لیتا اوتے کرتا باہر نکل گیا اس وقت
سات آدمی جو تہ خانے کے دروازے پر منتظر کھڑے تھے اندر آنے لگے مختار الدولہ

اشارہ کیا کہ اس کو قتل کر ڈالیں اور خود بھی اپنے ہاتھ کا تنچہ اُس پر خالی کیا
نواز سنگھ اور ہولاس سنگھ اور موتی سنگھ وغیرہ مردم حضوری نے جو بسنت ت
دشمنی رکھتے تھے فوراً انکو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور سرتن سے اڑا دیا اور قتل کرنے
کے بعد گالیان دے کر باپوش کاری بھی کی اور نواب و نہ یہ فوراً اُٹھ کر خیمے کے
بالا خانے پر جسپر کبوتر خانہ تھا پہنچے۔ خواجہ غلام محمد خان عرف بڑے مرزا جو
بسنت علی خان کا بھانجا مشہور تھا اور بعض نے چچا یا خالو بتایا بت اکثر دربار
میں آیا کرتا تھا قضا را اُس وقت بھی آن پہونچا اور بسنت علی خان کو مقتول دیکھ کر
متحیر اور غضبناک ہوا اور نیچے جو کمرین تھامیان سے نکال کر نواز سنگھ کی کمرین مارا
اگر بچکانہ بندھا ہوتا تو دو ٹکڑے ہو جاتے غلام علی خان جو غنچا خ کے نام سے
مشہور تھا اور اُس زمانے میں نواب کا مورد کرم تھا تو ارمیان سے نکال کر خواجہ غلام محمد
کے سامنے آیا خواجہ نے اُسکے تلوار ماری وہ بھاگ نکلا نواب کے سب آدمی بھاگنے
لگے وہ بالا خانے پہ پہونچا۔ خانی خان بھی تلوار اور ڈھال لے کر سامنے آیا اور
کہا کہ ارادہ کیا ہے جس سے اسے آیا ہے اُدھر ہی چلا جا اور نواب مطلق اپنی جگہ
سے حرکت نہ کر کے خواجہ سے بولے کہ کیوں کھڑا ہے اُسے عرض کیا کہ پاس نکلتا کھتا
ہوں ورنہ ہندوستان کو بے چراغ کر دیتا فرمایا کہ جلا جاعرض کیا کہ اس شرط سے
جاؤں گا کہ کوئی مجھ سے متعرض نہو یہاں سے تاروکے ساتھ نکل جاؤں فرمایا کہ
نواب مرحوم کی روح کی قسم کوئی تجھ سے متعرض نہ کرے گا وہ آداب بجالا کر باہر نکلا
جوتے بھول گیا تھا لوٹا اور جوتے پہن کر چلا گیا۔ جب بڑے مرزا کے بالا خانے سے
تسلیم ترقی کی کے خاص برداروں نے چاہا کہ بند و قون بر و دھلین نواب نے

قتل کر کے سعادت علی خان کو اُن کا قائم مقام کر دے حافظون نے کسپنیون کو روک لیا اُسے تنہا جانے دیا جاسوسوں نے پہلے سے نواب کو خبر کر دی تھی کہ یہ وقت گزر رہا ہے اور بسنت علی خان ادھر آ رہا ہے وہ نہایت پریشان ہوئے دربانوں نے اُسے روک کر نواب کو اطلاع کی تو انھوں نے تنہا بلایا بسنت علی خان اُس وقت نشے میں اپنے آپ سے بھی بے خبر تھا اور تہہ پر کار سے غافل شمشیر پہنہ در دست عین نشے میں اگر تسلیم مبارکباد عرض کی کہ حضور کے دشمن کو حسبِ احکم قتل کیا۔ اصف الدولہ بے حد مسرور ہوئے۔ مگر ظاہر داری کے واسطے تاکہ خلوق میں مطعون نہوں غضب آلودہ ہو کر کہا کہ اُسے ناک حرام بتو نے یہ کیا غضب کیا تجھ کو کس نے اجازت دی تھی بسنت علی خان نے نواب کا مزاج برہم دیکھ کر عرض کیا کہ راجہ جھاؤلال کے فلان ہمارا ہی ہے اُس بے گنہ کو مار ڈالا ہے اور تاریخ مظفری میں لکھا ہے کہ بسنت علی خان نے یہ جواب دیا کہ کسی کے حکم پر کیا موقوف تھا جبکہ اُس کو آقا کا دشمن پایا مار ڈالا۔ سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ بسنت علی خان کو شمشیر بٹ دیکھ کر اصف الدولہ نے اپنی جان کے خوف سے کہا کہ شمشیر پہنہ کیون آتا ہے کیا میرا اور کعبہ وہ بعلین جھانکنے لگا اور دیکھا کہ راجہ نواز سنگھ اور خانی خان اور چند انخاص نواب کے پاس سلج کھڑے ہیں وقت ہاتھ سے جا چکا تھا عرض کیا کہ کیا مجال کہ ناک حرامی کروں اصف الدولہ نے فرمایا کہ تو ارچھینکدے آئے دور ڈال دی جب نہتا ہو گیا تو اصف الدولہ نے لوگوں کو

۱۲ دیکھو یہ المتاخرین ۱۲

۱۳ دیکھو فرج بخش مولفہ شیر پرشاد ۱۳

نوکر ہو اگر دونوں نمک حرام ملے گئے تو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ لایا تم کس واسطے
 بغاوت پر آمادہ ہوتے ہو بدستور اطاعت و فرمانبرداری پر ثابت قدم رہو میں
 ہر ایک شخص پر مہربانی رکھوں گا اور بسنت علی خان سے زیادہ مختار خیال کروں گا
 جب ان لوگوں نے اپنے ولی نعمت کی زبان سے کلمات تسلی آمیز سنے تو دل کو
 صبر و سکینہ حاصل ہوا اور کمر بن کھول دین پھر نواب وزیر مختار الدولہ کی سپاہ
 میں گئے اور وہاں بھی افسردہ کو بھلا کر دولہ ہی کی اور خار کلفت و ملامت ان
 کے سینوں سے نکال کر ان کی تسکین کی لیکن چشم زدن میں دونوں سرکاروں
 کے کارخانے اور سامان امارت لٹ کر برباد ہو گئے اور تمام قیمتی اشیاء مفد
 ہاتھوں ہاتھ اڑا لے گئے۔

نوازش علی خان خواجہ سر نے مختار الدولہ کی لاش کو تجھیز و تکفین کے بعد
 آغوشِ لحد میں سو نپا اور وہیں اناوے سے دو کوس محل کر ان کا مقبرہ بنوایا۔ اور
 بسنت علی خان کی فوج کے آدمیوں نے اسکی لاش کو بڑے کرد فرسے اٹھایا اور
 خاک میں ملا یا۔ اور کھانے تقسیم کیے۔ مختار الدولہ نے لکھنؤ میں دریائے گومتی
 کے پاس جہان حسن باغ اور سیدون کا احاطہ تعمیر ہے لاکھوں روپے کے مصارف سے
 مظفر حسین خان کے اہتمام میں عالی شان عمارات بنوائی تھیں اور سیدون کا احاطہ
 اُس زمانے میں مختار الدولہ کا احاطہ مشہور تھا۔ ان عمارات میں سے اکثر منہدم
 ہو گئیں اور کچھ ضبط ہو گئیں۔

شیو پرشاد نے فرح بخش میں لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ نے بسنت علی خان
 کا علاقہ مرزا حسن رضا خان اور راجہ جگن ناتھ داماد راجہ صورت سنگھ کے سپرد کر دیا۔

فرمایا کہ ہم نے اس کو پناہ دی ہے۔ تاج مظفری مین ہے کہ جب بڑے مرزائے سنا کہ
 بسنت علی خان مارا گیا تو حال تواری کر آصف الدولہ کے ہاں پہونچا اور بسنت
 کی لاش کو دیکھ کر کہا کہ اس کو کس نے مارا ہے حاضرین مین سے ایک شخص غصے کے ساتھ
 بولا کہ مین نے مارا ہے بڑے مرزائے اس کو دین ملک عدم کو پہونچا یا نواب نے
 یہ حال دیکھ کر کہا کہ ہمارے سامنے سے چلا جا اس نے عرض کیا کہ اگر کوئی مجھ سے
 تعرض کرے گا تو مجھے بھی کسی سے بدخاص نہیں وزیر نے کہا کہ جانچ سے کسی کو
 کام نہیں وہ وہاں سے چلا گیا۔ اور شیو پرشاد کی فرج بخش سے معلوم ہوتا ہے
 کہ بڑے مرزائے نواز سنگھ کو زخمی کیا اور صبح و سلامت دربار سے نکل کر اپنے خیمے
 مین آیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی جان و مال کی سلامتی سے اکبر آباد کو ایلی خان
 کے پاس چلا گیا اس عرصے مین بسنت علی خان کی پلٹن مین جو نواب وزیر کے مقتول ہونے
 کی منظر تھیں سراپہ دے تک آپہونچیں۔ اور مختار الدولہ کی فوج بھی اتمام کیلئے
 تیار ہو گئی اور قریب تھا کہ ان دونوں فوجوں مین تصادم ہو کر شکرٹ جائے
 اس وقت لشکر مین ایک ملازم بہا تھا بازاری اور دوکاندار اور سپاہی سردار
 اپنی اپنی اشیائے نفیس اٹھا اٹھا کر اٹھان و خیران چاروں طرف بھاگنے لگے
 سردار و ن کی عورتیں ضیق فرصت کی وجہ سے سواری کی تیاری کی ماہ مذکورہ
 برہمنہ پانچیمون سے محل کھڑی ہوئیں قریب تھا کہ بد معاش لوٹ مار شروع کر دیں مگر
 نواب وزیر ہمت کر کے سب کی تسلی کے لیے ہاتھی پر سوار ہو کر سراپہ دے سے باہر نکلے
 انوز خان خواجہ سراجو مختار الدولہ کا نائب تھا خواصی مین تھا عادل بسنت علی خان
 اپنی سپاہ مین گئے اور افسروں کو بلا کر انپر بہت مہربانی کی اور فرمایا کہ تم سرکار کے

سعادت علی خان نے گوشائین کو یہ کہا کہ اگر تم اپنے لگے وعدے پر قائم رہو تو جو کچھ دل
 میں ٹھہرائی ہوئی ہے وہ بات ابھی طور میں آسکتی ہے گوشائین نے جواب دیا کہ
 ہم سب بسنت علی خان سے قومی دل تھے اسکی مدد سے اس کام پر آمادہ ہوئے تھے
 اُس کے مارے جانے سے شیرازہ استقامت کچھ گیا کسی کا دل مطمئن نہیں ہر اک اپنے
 کام میں حیران ہے پس دوسرے کی کوئی کیا مدد کر سکتا ہے ہر کار بے اخبار نے یہ خبر
 نواب آصف الدولہ تک پہنچائی وہ جلد سوار ہو کر اُمر اوگر کے خیمے میں آئے اور
 سعادت علی خان کے یہاں آنے کا سبب دریافت کیا گوشائین نے سخن سازی کی کہ
 سے قسم کھائی اور کہا کہ مجھ کو کسی طرح حضور کے ساتھ وغنا منظور نہیں آخر کار نواب
 آصف الدولہ وہاں سے اٹھ کر جان بر سوٹ صاحب کے خیمے میں چلے گئے اور مختار الدولہ
 کے قتل کے بارے میں کلمات حسرت آمیز کہنے لگے جان بر سوٹ صاحب نے بھی بہت افسوس
 کیا جس وقت نواب آصف الدولہ نے رزیدنٹ کے خیمے کی طرف رخ کیا گوشائین نے
 سعادت علی خان سے کہا کہ اس وقت آپکی حمایت کرنا اگر بزدلوں سے جنگ ہو لے لینا
 ہے بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں نواب وزیر بھی آپکی طرف سے بدگمان
 ہیں اُس وقت سعادت علی خان نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا کہ اگر تمکو حمایت سے
 گریز ہے تو مجھ کو کسی طرف حفاظت کے ساتھ پہنچا دو گوشائین نے کہا کہ یہ بات بھی
 ہو نہیں سکتی مگر میں آپ کو ایک گھوڑی ایسی دیتا ہوں جو سو کوں راہ طے کر سکتی ہے
 اور اس وقت سپاہ کا بلوا ہے کوئی کسی کی خبر نہیں رکھتا اُس پر سوار ہو کر جدھر
 جی چاہے نکل جائیے کہ اس ہلٹر کے مٹ جانے کے بعد البتہ نواب وزیر آپ کے ساتھ
 برہی کرینگے نواب سعادت علی خان اُس گھوڑی پر سوار ہو کر گھبرا کر اُس تھلکے سے اُکڑا دیے

راے پڑچند خزاہی کی کہ نواب شجاع الدولہ کے عہد میں بسنت علی خان کی سپاہ کی موجودات اور بخشی گری کا کام کیا کرتا تھا اس کو راجہ بھادو لال نے بسنت علیخان کی حیات میں ہزاروں بے حرمتی اور ذلت کے ساتھ قید کر دیا تھا اب اُس سے بھادو لال نے مختار الدولہ اور بسنت علی خان کا تمام مال و اسباب وصول کر کے قیدتہ رکھ دیا مگر ابھی منالال دیوان بسنت علی خان قید میں ہے لالہ عالم چند کہ دیوان کا پیشکار ہے اُس طوفان بے تیزی سے رہائی پا کر کیپ میں پہنچ گیا۔

سعادت علیخان کا بدنامی اٹھا کر نجف خان و نقار الدولہ کے پاس چلا جانا

جب نواب سعادت علی خان کو یہ حال معلوم ہوا کہ مختار الدولہ ملے گئے اور بسنت علیخان وزیر الممالک کو قتل کرنے کو گیا ہے تو اس نوید کے سنتے ہی بے تامل اپنے خیمے سے روانہ ہوئے امر اوگر کے کیپ تک پہنچے تھے کہ علامہ تفضل حسین خان مل گئے اور انھوں نے بسنت علی خان کے بھی مقتول ہونے کی خبر سنائی اور کہا کہ لشکر علی حسن خیزی کا واقع ہونا آپ کے اشارے سے مشہور کرتے ہیں سعادت علی خان اس خبر سے پریشان اور اندیشہ مند ہوئے اور سوچے کہ کیا کریں مفت بدنام ہوئے نہ آصف الدولہ سے مقابلے کا مقدور تھا نہ یا راے قیام تھا لاچار ہو کر اُسی دم امر اوگر گوشائین کے خیمے میں پہنچ کر اُس سے مدد چاہی سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ سعادت علی خان نے گوشائین سے یہ بھی کہا کہ اگر تم حمایت کرو اور میرے بھائی کو مسند سے اٹھا کر محکو مسند آرا کرو تم تمھیں بے مرتبے پہنچا دوں اور تانچے تیور یہ میں کہا ہے کہ نواب

زندگی سے اُنکے ساتھ منسوب تھی محال کیا اور اس کے بعد ذوالفقار الدولہ کے پاس چلے گئے۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ ذوالفقار الدولہ نے مرزا کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر استقبال کیا اور کمال عزت کی کپڑوں اور جواہر کے خوان اور گھوڑے ہاتھی دیے اور دلجوئی کرنے لگا اور آمد و رفت میں بہت سا پاس ادب کرتا اکثر خود جا کر ملاقات کرتا سعادت علی خان کے تکلیف کھینچنے کا روادار نہ تھا۔ اگر اتفاقاً مرزا سعادت علی خان اُس کے قیام گاہ پر چلے جاتے تو دروازے تک استقبال کر کے اپنی مسند پر بٹھاتا اور خود منسوب نیچے بیٹھتا۔

شیو پرشاد نے فرح بخش میں بیان کیا ہے کہ نجف خان نے یہ تجویز کی کہ وزارت کی نیابت سعادت علی خان کے لیے اور غسل خانے کی داروغگی مدار الدولہ کے لیے اور خانسامانی کی خدمت کرم قلی خان بن مسیر الدولہ کے لیے مقرر ہو۔ ایک دن سعادت علی خان اکبر آباد میں اپنی ناکامیابی سے خفا ہو کر دریائے جمنا سے عبور کر کے شاہ درے میں جا اترے اور ارادہ کیا کہ فوج جمع کر کے بریلی وغیرہ قلعہ روہیلکھنڈ پر قبضہ کریں ذوالفقار الدولہ نے اُنکے مزاج کی ناخوشی پر مطلع ہو کر کرم قلی خان کو بھیج کر سعادت علی خان کو سمجھا کر لوٹایا اور راضی و خوش دل کر لیا اور بیانیہ وغیرہ نین محال انگلی جائیز میں مقرر کر دیے اور دو پلٹنیں کہ مقابلہ کریشل مار کرے کوڑے اور اُلوے کی طرف سے بھاگ آئی تھیں وہ سعادت علی خان کے سپرد کر دیں اور اصف الدولہ کو تحریر کیا کہ شجاع الدولہ کے عہد سے اقطاع روہیلکھنڈ سعادت علی خان کے تحت حکومت میں مناسب یہ ہے کہ آپ یہ ستور وہ ملک مرزا کے سپرد کر دیں اگر آپ تعویق و اغماض کریں گے تو مرزا بارادہ نا صواب کوئی حرکت کریں گے اصف الدولہ

کی طرف چلے گئے اُنکے ساتھ علامہ تفضل حسین خان اور اٹکا بھائی رحمت اللہ خان
 اور دو مین پڑانے نواب کے نوکر جنھوں نے ایسے وقت میں بھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا
 اور مختار الدولہ کے چند قاتل تھے۔ بڑی کوشش کے ساتھ کڑی کڑی منزلین طے کر نیلے
 راستہ بھول گئے گنوارون نے فتحپور کے پاس اُن کا مال و اسباب لوٹ لیا راہ بھول
 مرزا سعادت علی خان گوہر کے علاقے میں پہنچے تفضل حسین خان کو میر مظہر علی خان
 سے رابطہ اتحاد تھا اور یہ شخص رانا پتھر سنگھ کی سرکار میں بڑا اقتدار رکھتا تھا اسوجہ
 سے گوہر کے علاقے میں تھوڑی دیر آرام کیا اور تفضل حسین خان نے میر مظہر علی خان کا
 مرزا کے آنے سے خبر دی اُس نے فوت کے اقصا سے رانا کو خاطر داری و مہمانی پر
 آمادہ کیا رانا اندھیری رات میں چند رفیقوں کو ساتھ لے کر وہاں آیا اور مرہم دیا
 و خاطر و مدارات کے ادا کیے اور قلعہ گوہر میں لے گیا اور مناسب وقت پیش کش گزرا
 نواب سعادت علی خان کو رانا کے حسن سلوک سے بہت تسلی حاصل ہوئی اور چند روز
 یہاں رہ کر کلفت سفر مٹا کر امیر الامرا ذوالفقار الدولہ نجف خان کے ملک کو
 جانے کا ارادہ کیا رانا نے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا اور اپنی کچھ فوج
 حفاظت و رہبری کے لیے ہمراہ کر دی جس نے ان کو امیر الامرا کی سرحد تک پہنچا
 دیا۔ جب کہ ایلی خان کو سعادت علی خان کے اکبر آباد کے قریب پہنچنے کی خبر
 ہوئی تو گھوڑے ہاتھی پاکی اور دوسرے سامان امارت ایک دو منزل پر بھیج کر
 باوجود علالت کے استقبال کر کے کپڑوں کے خوان اور گھوڑے ہاتھی اور شرفیان
 اور روپے نذر کیے اور بہت سامان مرزا کے پاس مقرر کر دیا اور بڑی خاطر داری
 کی۔ چند روز مرزا اکبر آباد میں رہے اور مدار الدولہ کی بیٹی سے جو شجاع الدولہ کی

آدمیوں کو موقوف کر دیا اور شجاع الدولہ کے وقت کے لشکر کے پڑنے نو کروین
 سے بھی بہت سے لوگوں کو برطرف کر دیا اور اکثر دن کے لیے یہ مقرر کیا کہ سال میں
 بارہ مہینوں کی جگہ آٹھ ماہ کی تنخواہ ان کو ملا کرے اور بعض کی تنخواہ سال بھر میں
 دس ماہ کی رکھی باقی سرکار میں بچت قرار دی چنانچہ مرتضیٰ خان برہنچ کے رسالے
 کے نصف آدمیوں کو الگ کر کے بڑی کوشش سے نصف کو باقی رکھا۔ شاگرد پیشہ
 مثلاً فراس۔ خدمتگار۔ چوہدار وغیرہ بھی ایسا چوتھائی موقوف ہوئے اور جس قدر
 باقی رہے تھے انکی تنخواہ بھی عالم بالا پر تھی بھوکون مرتے تھے۔ ہر ایک شخص تنخواہ
 کے بے داد بیدار کرتا پھرنا تھا اور کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ بلکہ جو لوگ
 نئے سرداری کے مرہون کو پہونچے تھے وہ طعن و تشنیع سے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے
 جو۔ سالہ دار ایسے تھے کہ انگریزوں کی حمایت اُن کو حاصل تھی تو اُن کی تنخواہ مل جاتی
 تھی مگر یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ زر نقد کے توڑے اُن کو پرکھائے جاتے تھے بلکہ
 وہ اس طرح ملتی تھی کہ سرکاری کپڑے اور پڑانے دھرانے مانے کے برتن اور
 دوسری قابل نیلام چیزیں اُن کو تنخواہ کے عوض میں دی جاتی تھیں اور یہ مال سو
 کا ہوتا تو ہزار میں کوت کر دیا جاتا۔ اس وقت نواب کی سپاہ کی حیثیت بے حد خراب
 تھی اور جس کسی کو بھی ذرا سا تعلق ملازمت سے تھا اسکی حالت روزِ محشر کے مجرم
 سے کم نہ تھی کوئی کسی کی دردمندی کی فکر نہیں کرتا تھا اور نہ کسی سمند کی فریاد
 سُننا تھا جاگیردارانِ قدیم کی جاگیریں ضبط کر لین یہاں تک کہ بیگات کی جاگیر پر
 بھی ہاتھ صاف کیا اس زمانے میں مرے میں وہ تلنگے تھے جو ایک زمانے میں مالِ سوئی
 کو بھی ترستے تھے ساجزادگی کی حالت میں نواب کی اردنی میں رہنے اور ناگفتہ بہ

نے یہ تحریر دیکھ کر اتلیج خان کو جو آصف الدولہ کے پاس لکھنؤ پہنچ کر نیابت کا کام کرنے لگا تھا طلب کر کے اُس سے مشورہ کیا اور دریافت کیا کہ سعادت علی خان کیاب میں کیا کیا جملے اور اس کو ہدایت کی کہ جان برستو صاحب پر یہ امر ظاہر کر کے اُن سے درخواست کرے کہ وہ اس کا تصفیہ کر دیں تاکہ فتنہ خاکی خاموش ہے اتلیج خان جان برستو کے پاس گیا اور اُس سے صلح کی تو اُس نے کہا کہ چند پرگنوں سعادت علی خان کی جاگیر میں دیرے جائیں اور نواب بہادر اور مرزا جنگلی کو اُنکے پاس بھیج کر منالیا جائے۔

آصف الدولہ کی کاہلی و عیاشی سے تمام ملکی اور
جنگلی کاموں میں فتنہ پیدا ہو جانا رنڈیٹ کا
ہر ایک چڑی کھلی چیز پر حاوی ہو کر سلطنت کو
سُراٹھانے کے قابل نہ چھوڑنا

یہ سفر آصف الدولہ نے بڑی نامبارک ساعت میں کیا تھا کہ سپاہ کے بلوون سے بٹے بڑے رنج اُٹھائے اور انکی قوت کو عظیم الشان صدمہ پہنچا مگر انہیں سمجھ کر امان تھی کہ اس حالت پر اُن کو افسوس آتا اور تدارک پر متوجہ ہوتے بلکہ اُنہوں نے سپاہ کو اور کمزور کرنا چاہا۔

مختار الدولہ کے ملک جانے کے بعد پیر چند کو نواب کے مزاج میں دخل و رسوخ پیدا ہو گیا۔ اُسکے مشورے سے نواب وزیر نے مختار الدولہ کے وقت کے تمام امتیازی

انتظام افواج و آہستگی اسباب حرب و سوز دلی و بحالی سپاہ دکنی و ہمیشی محاصل معائنات
میں اُن کو پورا اختیار حاصل ہو گیا اُنے نوے تھے رزیدنٹ بنکر ہیمن تمام کاموں کے
مالک بن گئے۔

یہ فوج نواب شجاع الدولہ نے انگریزی فوج کی تقلید پر بڑی کوشش اور
صرف کثیر سے تیار کی تھی وہ تمام فوج جان برسٹون نے آصف الدولہ کو دو تجویز
کے پردے میں سمجھا کر انگریزوں کے ہاتھ میں دیر ہی اس میں کرنیل اور سیرجور
کپتان سب انگریز مقرر ہوئے اور تمام توپخانہ جو قواعد ان فرانسسوں اور بارنیوں سے
شجاع الدولہ نے تیار کرایا تھا وہ انگریزی افسروں کے ہاتھ میں آ گیا تمام فوج اس
ارمینی افسر دن کو نکال باہر کیا بلکہ ملک سے بھی خارج کر دیا۔

امراؤ گرسے نواب کو بدگمانی تھی اُس سے صفا نہ تھے اس لیے اُسکو تمام سپاہ
ہمراہی کے موقوف کرنے کا حکم دیا اُس نے جو دیکھا کہ نواب کسی طرح اُس کے حال پر
متوجہ نہیں ہوتے نئے نئے آدمی پیش ہو کر خود نواب کے ہاتھ سے اُن کی سلطنت کی
چولین ڈھیلی کرائے دیتے ہیں اور وہ اس فعل سے بڑے خوش ہیں اور ایسے صلاح کار دن
کو اپنا دوست صادق جانتے ہیں تو مجبور ہو کر اُس نے نواب کی رفاقت سے پہلو ہتی
کی اور اپنی تمام سپاہ ساتھ لے کر اکبر آباد کا عزم کیا اتفاقاً اُٹھناے راہ میں اُسکا گذر
وہاں ہوا جہاں پیرچند کے عیال و اطفال مقیم تھے امراؤ گرسے ان تمام لوگوں کو اور
اُسکے مختار کار اُمم چند کو قید کر کے ساتھ لیا جب یہ خبر پیرچند کو پہونچی تو بہت پریشان
ہوا نواب کے قدموں پر سر رکھ کر زار زار رُونے لگا اور مدت تک حضور میں اظہار
عود ہندی کرتا رہا اور بہت سی سفارشیں امراؤ گرسے کے پاس پہونچائیں اُس نے یہی جواب دیا

کاموں کے مرکب ہونے نے اُن کو اُن کے حوصلوں سے زیادہ نواب کے ہاتھ سے
 رستوں پر پہنچا دیا۔ نواب شجاع الدولہ کے رشتہ دار جو صاحب غیرت و حمایت تھے
 ان اراذل و اوباش کے پیش ہو جانے سے اپنے منصبوں سے گر کر حاضر باشی سے بھی
 محروم تھے۔ مختار الدولہ کے رشتہ دار جو اُن کی زندگی میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں
 جانتے تھے اس کبر و نخوت کے مکانات میں اس وقت اتنے درجہ اعتبار سے گرے کہ
 بعضے معزول ہوئے بعضے قید ہوئے بعضے جلاوطن ہو کر در بدر پھرنے لگے اُن کے
 دوسرے متوسلوں کی بھی بے حد ناقدری تھی یا تو وہ عروج تھا یا یہ حال ہوا کہ
 نہایت در ماندہ و عاجز ہو کر سر نہیں اٹھاتے تھے۔

جُوق جُوق سپاہی و سردار جماعت جماعت رسالہ دار و جماعہ دار مرزا نجف خان
 کی ترقی اقبال کا حال سن کر اُن کے لشکر کی طرف روانہ ہونے لگے ان میں مرتضیٰ خان
 برٹچ بھی تھا اور وہ بھی علی قدر مراتب قدر دانی کرنے لگے نواب کے باپ کے نوکر
 کو اسے بہت نفاق پیدا ہو گیا نواب کو بھی یہ باتیں معلوم تھیں اس لیے کسی پر اعتبار
 فرما کر خود آرام طلب تھے کام کرنے سے گھبراتے تھے اس لیے تمام کام سلطنت کا جان برٹو صاحب
 رزیڈنٹ کے ہاتھ میں دیدیا تمام ملک کے حل و عقد کار رزیڈنٹ کو اختیار ہو گیا
 اُنھوں نے بھی سرکار و کمپنی کی خیر خواہی کے کام کرنے کو ایسے بڑے وسیع ملک کے معاملات
 میں اپنا دخل پیدا ہونا غنیمت جانا اور اُس کو لطیفہ غیبی سمجھا برٹو صاحب عقل کے
 پتلے تھے اُنھوں نے آصف الدولہ کو ایسا شیشے میں اُتارا اور اُن کے مزاج میں
 وہ دخل پیدا کیا کہ نواب علانیہ کہا کرتے تھے کہ مٹھراں برٹو میری جان ہے
 میرا بھائی ہے میرا مالک و مختار ہے جو کچھ وہ کہے کرو۔ کل معاملات مالی و دھنی و

نہ پہونچا تھا کہ آصف الدولہ نے وجوہی کے مضامین کے پروٹے ایچ خان کے پاس بھیجے
 اگرچہ یہ شخص اکبر آباد سے چلا جانا خدا سے چاہتا تھا کیونکہ نجف خان کے روپیہ طلب کرنے
 سے کہ وہ ہمیشہ اُس سے مانگتا رہتا تھا تنگ آگیا تھا مگر اُس کو آصف الدولہ کی تحریر پر
 اعتماد نہ تھا۔ سر جان برسٹو سے حفظ آبرو کا وعدہ چاہا جب اُن کی تحریر پہونچی
 تو غنیمت جا کر ۲۹ ربیع الاول ۱۱۰۹ھ ہجری کو مع عیال و اطفال اور سامان اور
 مرتضیٰ خان بڑیچ اور محمد بشیر خان کے اکبر آباد سے بے اطلاع اور مشورہ و وفکار الدولہ
 محمد نجف خان کے نکل کر رات کو شاہدے میں ٹھہرا صبح کو وہاں سے کوچ کر کے لمبی لمبی
 منزلیں طے کرتا ہوا فیروز آباد اور شکوہ آباد کی راہ سے بنی گنج کے پاس پہونچ کر نواب
 مظفر جنگ والی فرخ آباد کو پیام دیا کہ دریاے گنگا کا پل بلا توقف تیار کر دیں نواب
 نے جواب میں لکھا کہ گھاتوں اور کشتیوں پر انگریزوں کا اختیار ہے یہاں سے
 متعلق نہیں اس لیے ایچ خان قنوج کے پاس سرے میلن پور کے نزدیک مقیم ہوا اور
 گنگا کو عبور کرنے کے لیے جنرل سنٹ بٹ رستم جنگ کو لکھا اُس نے جواب دیا کہ اجتماع اور
 انبوه لشکر کی ضرورت نہیں سپاہ کو دو رکے جریدہ اتر کر چلے آئیں۔ ایچ خان کے ساتھ
 جمعیت زیادہ تھی اُس نے آصف الدولہ کو لکھا کہ غلام ہو جب طلبی حضور کے
 دس ہزار پیادہ و سوار کے ساتھ قنوج میں پہونچ گیا ہے جنرل صاحب بنین اترنے
 دیتے اترنے کا اُمید دار ہے نواب آصف الدولہ نے ایچ خان کی استدعا کے بموجب
 ایک خط جنرل صاحب کو لکھا کہ محمد ایچ خان اور مرتضیٰ خان بیچ میری طلبی سے آتے
 ہیں ان کو عبور کی اجازت دیدی جائے اور محمد بشیر خان کو نہ اترنے دیا جائے آخر الامر

کہ میری تمام سپاہ کی چڑھی ہوئی تخواہ کوڑی کڑی جب تک یہاں نہ آجائے گی کبھی رہا نہ کروں گا پھر چند نے جب دیکھا کہ بے روپے پہونچائے اہل و عیال کی رہائی ناممکن ہے تو اُسکے رسالے کی تمام وکمال تخواہ بھجوائی اور ہزاروں بار خوشامدی تب اُسکے متعلقین گوشائین کے ہاتھ سے رہا ہوئے۔ یہ تمام واقعات چکلہ کوڑہ کے مقام پر ظہور میں آئے تھے۔

رینج خان کا آصف الدولہ کے پاس آجانا اور مختار الدولہ کی جگہ مقرر ہونا

مختار الدولہ کے لئے جلنے کے بعد نواب وزیر نے چاہا کہ مہر نیایت اقتدار الدولہ سید محمد خان براور کلان مختار الدولہ یا سید معزز خان اُن کے منجھلے بھائی کے تفویض کریں مگر انھوں نے قبول نہ کیا اس عرصے میں انور علی خان خواجہ سراج کا اخبار الدولہ خطاب تھا امور نیابت کو سرانجام دیتا تھا کچھ دنوں کے بعد مہر نیابت سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خان کے سپرد ہوئی لیکن یہ حزن نا آشنا تھے معاملہ فہمی کی قوت نہ تھی اس لیے انگریزوں نے اس بھاری عہد پر اُن کا تقرر تسلیم کرنے میں تامل کیا جبکہ کوئی نیابت کے لائق نہ پایا گیا تو لہ ریچ خان کا ذکر ہوا جو شجاع الدولہ کے مرنے کے بعد مختار الدولہ کی معاندت کی وجہ سے خلعت و وزارت لانے کے بہانے سے عمل گیا تھا اور برسوں سے اکبر آباد میں تھا مرزا نجف خان کی طرف سے یہاں کا صوبہ دار تھا اُس نے مین نجف خان اسن خیال ہے کہ لہ ریچ خان کے پاس کچا پس لاکھ روپیہ ہے اُس سے لے لیا جائے تو ایک سے اکبر آباد کی طرف آ رہا تھا۔ سعادت علی خان اُس کے ساتھ تھے ابھی منزل مقصود تک

بھائیوں کو محمد ایچ خان نے علیحدہ کرنا چاہا تو جان برستو صاحب نے اُن کی طرفاری لے کے کہا کہ خان مقتول کے بھائیوں کو اپنی اپنی جگہ بدستور سابق بحال رکھو ایچ خان نے جواب دیا کہ عزلی و نصب عمال میں دخل دینا صلاح دولت نہیں۔ ایچ خان نے برادران مختار الدولہ کے ساتھ صرف معزولی ہی تک بس نہیں کیا بلکہ اُن کے ساتھ بلا تصور نہایت سخت برتاؤ کیا یہاں تک کہ اقتدار الدولہ کو دھوپ میں بٹھایا۔ ورکان میں زبور لگا کر ظالم مجاہد ہوا اور آب و دانہ اور بول و برار مُسند و دُکھا اور سپاہ سلطنت کی بہت تخفیف کی۔

شیدی بشیر کا باقی حال

ایچ خان نے آصف الدولہ کے پاس پہنچ کر ظاہر میں تو شیدی بشیر خان کے عفو مقصور کی درخواست کی اور در پردہ نواب کے مزاج کو اُس کی طرف سے اور لہر کر دیا اور آصف الدولہ سے اس مضمون کا ایک شقہ لکھا کر کہ ہمارے پاس حاضر ہونے کا ارادہ موقوف کر کے جہاں دل ہو چلا جائے بشیر خان کے پاس بھیجا دیا مشاراً علیہ آصف الدولہ کی عنایات اور ایچ خان کی شوم طبعی سے مایوس ہو کر مکن پور سے کوٹا آباد گیا وہاں شہر نامناسب نہ جانکر فیروز آباد کو راجہ ہمت گڑ کے پاس چلا گیا جس سے پہلے سے دوستی رکھتا تھا اور وہیں قیام اختیار کر لیا۔ گیان پرکاش میں لکھا ہے کہ آخر کار بشیر خان نابینا ہو گیا تھا۔

امام بخش غلام بیچہ اور اُس کا اقتدار
سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ کسی کا ایک غلام بیچہ امام بخش نام نہایت بآغاز وافر جام

محمد ایچ خان اور مرتضیٰ خان پرتیج نے آصف الدولہ کی تحریر اور جنرل صاحب کے ایام سے زیادہ سپاہ کو برطرف کر کے پانسو جاون کے ساتھ ۱۱ ربیع الثانی کو گنگا کے گھاٹ نانامو پر ٹکینہ کے پاس عبور کیا اور وہاں سے موہان پہونچ کر متواتر عرضیاں ارادت اور عقیدت کی متضمن دزیر کے حضور میں بھیجیں نواب نے فرط کرم اور نوازش سے مرزا حسن رضا خان داروغہ دیوانخانہ کو استقبال کے لیے بھیجا مرزا نے بموجب ارشاد کے استقبال کیا اور ایچ خان کی تسلی و تشفی کر کے ۲۰ ربیع الثانی ۹۸۰ھ ہجری کو شنبہ کے دن نواب آصف الدولہ کی ملازمت کرائی۔ نواب نے بڑی قدر دانی کی اور خلعت ہفت پارچہ اور پالکی جمالدار اور ہاتھی اور گھوڑا ایچ خان کو عطا کیا۔ اور خلعت پنج پارچہ اور پالکی سادہ اُسکے پسر متبے غلام بنی خان کو دی اور ۲۲ ماہ مذکور کو خلعت نیابت و مختاری امورات جزو کل کا ایچ خان کو عنایت کیا۔ اور اُسکی پیش دستی میں مرزا حسن رضا خان مامور ہوئے نواب نے تمام رسالہ دارون اور حاکمون اور سردارون پر تاکید کر دی کہ ایچ خان کو نائب کل تصور کر کے کاغذات مالی و ملکی اُس کے پاس بھیجتے رہیں جو کوئی اُس کے حکم سے خلاف ورزی کریگا اُس کے حق میں بہتر نہوگا۔ ایچ خان نے اپنی کمان چڑھتی ہوئی دیکھ کر الہ آباد سے سید مرزا خان کو علیحدہ کر کے حبیب زلے کو وہاں مقرر کیا اور بہرائچ و اعظم گڑھ کی حکومت سید محمد خان سے نکال کر بسنتی رام کو دی یہ دونوں مختار الدولہ کے بھائی تھے اور مالیسی وغیرہ کے محالات پر سیتا رام کو مقرر کیا اور ساندھی پالی کا علاقہ غلام بنی خان کے تفویض کیا اور اودھ کے تعلقے پر الماس علی خان کو قائم کیا اور کوٹے کی خدمت سلیمان کو جو نواب تھم علیخان عالیجاہ والی بنگالہ کا خاندان تھادی۔ جبکہ مختار الدولہ کے

اُس کی عزت ہونے لگی اور اُس نے زبان آوری کی قوت سے لوگوں کا ایک مجمع اپنے پاس کے سرکار دربار آراستہ کر لیا اس عرصے میں مبارز الملک سعادت علی خان خلف نواب شجاع الدولہ کلکتے سے بنارس کی طرف لوٹ رہے تھے انھوں نے یہ خبر سُن کر عظیم آباد اور مونگیر کی راہ میں امام نجش کو اپنے پاس بلایا وہ اُن کے پاس حاضر ہوا اور اس بات سے ابھرا محض کیا کہ میں نے یہ دعوئے کیا تھا کہ شجاع الدولہ کا بیٹا ہوں سعادت علی خان نے اُسکا جرم معاف کر کے چھوڑ دیا جو لوگ اُس کے پاس جمع تھے انھوں نے یہ حال دیکھ کر سارا سامان و اسباب فُٹ لیا اور وہ تباہ حال ہو گیا۔ آخر کار مفتو و النجر ہو گیا۔

اصف الدولہ کی بعض عادات کا تذکرہ

مؤلف سیر المتاخرین کہتا ہے کہ مجھ کو مکرر اصف الدولہ کی حضورِ می خلوت میسر آئی ظاہر اشعور و غرور سے بے نصیب تھے نہایت درجہ صحبت از اذل اور پوچھ نوکر وغینہ مصروف تھے اور بجز لمو و لعب کے کسی طرف اُغب نہ تھے کبھی کبھی اپنے اردلی والوں کی ترغیب بندوق بازی اور تیر اندازی کرنے لگتے تھے ہر روز صبح سے دوپہر تک ایک باغ سے دوسرے باغ میں یا ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں جاتے اور ہاتھیوں کے تماشے میں بسر کرتے بعد دو تین روز کے ہمیشہ ہاتھیوں کی لڑائی دیکھتے ایسے ہی مشاغل میں دھرتی گذارتے تھے دوسرا کوئی کام تھا۔ اور نوکروں کی تنخواہ دینے کے باب میں اُنکا یہ حال تھا کہ اُن کی اردلی والوں کے سوا ملازمان لشکر میں سے جو کوئی تنخواہ طلب کرنا تو اُس کے دشمن ہو جاتے اور نوپ سے اڑا دینے میں نہایت یدباک تھے۔ بعض لوگ بڑا کر کے اپنی تنخواہ لے گئے تھے۔ اُن میں سے چند آدمی اصف الدولہ کے ہاتھ لگ گئے اول قب

تھا۔ آصف الدولہ کے عہد طفلی میں اپنے آقا کے پاس سے بھاگ کر آصف الدولہ کے پاس پہونچا اور مقرب ہوا۔ شجاع الدولہ نے اُس کے شر و فساد پر مطلع ہو کر مدتِ ان قید رکھا اور عرصہ دراز کے بعد رفقاے عزیز کی سفارش سے رہا کر کے اخراج کا حکم دیا تھا وہ مخفی پر گنہ مانڈہ کے نواح میں رہتا تھا اور اپنی اقامت کی خبر آصف الدولہ کو دیا کرتا تھا فیض بخش فرح بخش میں لکھتا ہے کہ شجاع الدولہ نے سکودام الجبس کر کے قصبہ مانڈہ میں رکھا تھا آصف الدولہ نے شجاع الدولہ کے مرتے ہی طلبی کا پردانہ اُس کے نام صادر فرمایا مختار الدولہ اور سیست علی خان کے مقتول ہونے کے بعد وہی غلام بچہ تمام فوج ملازم سرکار آصف الدولہ کا جس میں قریب تیس چالیس ہزار تھکے اور چار پانچ ہزار ترک سوار تھے ہزل ہوا۔ مؤلف سیر المتاخرین لکھتا ہے کہ اُس غلام بچے کی سچے کر ملاقات ہوئی اور میں نے اُسکی بات چیت سنی خدا جانتا ہے کہ نہایت پاچی اور صورت و سیرت میں جملہ مخلوق سے بدتر تھا۔ دروپہ یا ہوار نوکری کی بھی لیاقت اپنے فسادات ذاتی کی وجہ سے نہ رکھتا تھا وہ تو اس لاف بھی نہ تھا کہ لشکر میں بھنگ وشی کی دوکان کرتا حسن رضا خان نائب باوجود تمام اقتدار کے اس ملعون سے ڈرتا رہتا تھا۔ فیض بخش نے بھی اسکو شورہ پشت بد مزاج اور معزور بتلایا ہے۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد آصف الدولہ کی طبیعت اُس کی مصاحبت سے سیر ہو گئی نہایت ثلث اور خوارمی کے ساتھ اپنے ملک سے خارج کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی اُسے جگہ یا سواری کو جانورنے کا تو ہسکا مال و اسباب ضبط کیا جائے گا وہ برا بنام برہنہ بالک و شہر سے بدر ہوا۔ تاریخ مظفری میں ذکر کیا ہے کہ وہ عظیم آباد کو چلا گیا چونکہ آدمیوں نے اُس کو شان و شوکت کے ساتھ دیکھا تھا اُس نے لوگوں پر یہ بات ظاہر کی کہ شجاع الدولہ کا بیٹا ہوں اس وجہ سے

کی قائم مقام تھی لاکھوں بڑے بڑے آدمی اور شاندار زمیندار اور راجے اس ملک میں
بسر کرتے تھے اور اب بجز رفیل اور پوچ مصاحبوں کے آصف الدولہ کے دربار میں
اُن میں سے کسی کا نشان بھی نہیں چند روز کے بعد اُمراؤ کو شائین بھی چلا گیا اسی طرح
برہان الملک اور صفدر جنگ کے اکثر اقربا نجف خان کے پاس چلے گئے جہاں پر
بیس تیس ہزار سوار اور پچاس ساٹھ ہزار پیادہ جبار رہتے تھے وہ مقام ویمان ہوا
چند میاں کے کسریہ دو دو تین تین روپے کی نوکری میں افتخار سمجھتے ہیں اور پڑے
ہیں۔ منشی ذکالہ تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ آصف الدولہ کا دل دواغ اوباشی اور
شراب نوشی نے خراب کر دیا تھا۔

مختار الدولہ کے اقربا کا باقی حال

مختار الدولہ کے بھائیوں نے اور اُنکے بعض رفیقوں نے کڑی جھیل کر رہائی پائی
اُن کا مال و اسباب ضبط ہوا و دون بھائی کبھی کبھی باریاب حضور ہوتے تھے اکثر خلعت
اور گوشے میں بسر کرتے تھے جبکہ نواب وزیر کا لشکر اٹاؤ سے پھر کر لکھنؤ میں آیا تو
اقبال الدولہ پسر مختار الدولہ نے نواب کی دعوت کا سامان کیا اور اس کام میں
بڑی دھوم دھام دکھائی ہزاروں روپوں کا کپڑا فرش پانچواں زمین بچھوایا اور
سوا لاکھ روپے کا چوبرہ تیار کرایا اور نواب وزیر دہان تشریف لے گئے ناچ رنگ ہوا
خاصہ تناول کیا اور کشتیان نقد و جنس کی پیش ہوئیں جو نواب آصف الدولہ نے
قبول کیں وقت رخصت اقبال الدولہ نواب وزیر کو پہنچانے گئے اور دہان سے
رخصت ہوئے ابھی دیوانخانے میں پہنچے تھے کہ اُسی وقت نواب کے حکم سے تلنگون

کچھ دنوں قید رکھے گئے۔ بعدہ اُن کو توپ سے اڑوا دیا۔ پس تذکرہ آبجیات میں جو نوآ
 کو فرشتہ سیرت بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اُنکی طبیعت میں عموماً تحمل اور بے پروائی تھی اس
 سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد حسین آزاد کو تاریخ کے ان حالات پر اطلاع نہ تھی یا یہ حال اُن
 کا اپنی خاص مرضی والوں کے ساتھ ہو گا اور دوسرے نوکردن اور رعایا کے حق میں
 سفاک تھے یا یہ کہ نواب کا مزاج اوائل عمر میں سفاک واقع ہوا تھا اور آخر عمر میں طبیعت پر
 تحمل اور بے پروائی غالب آئی۔ مؤلف سیر المتاخرین نے محبوب علی خان خواجہ سرا کے
 مقہور ہونے کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ آصف الدولہ کے اپنی جنگی فوج کے استیصال
 کا سبب یہ تھا کہ وہ روز و شب ہوا لعب چوڑ بازی مرغون کی لڑائی۔ پتنگ بازی وغیرہ
 میں مصروف رہتے تھے اسلئے اُن کو ہر کام سے نفرت تھی۔ نہیں چاہتے تھے کہ
 ایک گھڑی بھی اُنور ملک داری میں مصروف ہوں اور ملک داری بدون اس کے
 ناممکن ہے کہ انتظام ملکی میں غور کیا جائے بڑے بڑے کاموں کو انجام دیا جائے لوگوں
 کے سوال و جواب سننے کی درد سری گوارا کی جائے حضرت کا وہ مزاج تھا کہ ایسے
 امور میں ایک گھڑی بھر بھی متوجہ ہونا دم بند کرتا تھا اور انگریزوں کی نسبت یقین
 تھا کہ یہ میرے ہمہ تن خیر اندیش ہیں۔ میرے نقصانات کے ہر گز رد و ادراہ منوں گے اور
 انگریز چونکہ ہوشیار تھے اسلئے ایسے شخص کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے اور کسی طرح اُس کو
 زہیر نہیں کرتے تھے۔ انگریزوں نے معاملات ملکی و مالی و انتظام فوج تو اپنے اختیار
 میں لے لیا تھا باقی ہر امر میں آصف الدولہ کو مع اُن کے مصاحبوں کے مطلق العنان کر دیا
 تھا۔ کیا حسی اتفاق ہے کہ دونوں اپنی اپنی دہشت میں فارغ البال ایک دوسرے کو
 مغنم سمجھتے تھے۔ افسوس شجاع الدولہ کی وہ ریاست تھی کہ اس زمانے میں سلاطین ہند

پرگٹہ ولسو بھی اقبال الدولہ کی جاگیر میں تھا یہ پرگٹہ معرکہ ضیافت کے بعد ضبط کر لیا گیا اور اس جاگیر کی عوض چکڑہ براج وغیرہ بارہ لاکھ روپے کا علاقہ صیفہ مستاجری میں اُن کے حوالے کیا گیا۔ انھوں نے اپنے علاقہ مستاجری میں پہونچکر زمینداران بٹول سے میدان جنگ گرم کیا۔ اور مختار الدولہ کے دوسرے بھائی نصیر الدولہ اپنے بھتیجے اقبال الدولہ کی جاگیر میں سے کچھ زر نقد لے کر دکن کو چلے گئے مگر ریوان تک پہونچکر کچھ دنوں کے بعد لوٹ آئے اور اقبال الدولہ چند سال کے بعد علاقہ داری سے معزول ہو کر خانہ نشین ہوئے مگر چند سال تک پرگٹہ اور یاکی جاگیر اقبال الدولہ کے نام پر برقرار رہی ایک بار مقتدات سائرین عامل الماس علیخان و عامل اقبال الدولہ میں نزاع واقع ہوئی پانی پتہ زوجہ مختار الدولہ اور دولت النساء بیگم زوجہ اقبال الدولہ نے نواب وزیر سے مستاجری سائر جاگیر کی بھی چاہی مگر نواب نے یہ کیا کہ اور یا کو بھی الماس علی خان کی مستاجری میں ملا دیا اور مصارف سپاہ کے وضع ہو جانے کے بعد سات ہزار روپیہ مہینہ نقد جاگیر کا مقرر ہو گیا اس کے بعد چار ہزار روپیہ ماہوار گٹھا کرتین ہزار روپیہ مہینہ جاگیر کی عوض رہ گیا۔ غرض جس قدر التفات حکام انگریزی کا مختار الدولہ کے لواحقین کی طرف مبذول ہوتا اُس قدر کار پر دازان سلطنت اُن سے بدظن ہوتے تھے یہاں تک کہ وہ تین ہزار روپیہ بھی مسدود ہو گیا اور اصف الدولہ مختار الدولہ کے مخالف مشہور تھے حالانکہ یہ بھی جاگیر اور کمی مواجب کی وجہ ناہون کی بدسلوکی تھی۔ اصف الدولہ لکھنؤ میں رہنے لگے صرف نواب بیگم زوجہ وزیر الممالک صفدر جنگ بنت برہان الممالک والدہ شجاع الدولہ اور بیگم زوجہ شجاع الدولہ فیض آباد میں شجاع الدولہ کی تعمیرات کی اُفس کی وجہ سے متوطن تھیں۔

کے پہلے سر پر صورت بلا آپہنچے اور حکم دیا کہ دیوانخانہ سے جانب مجلس اقدم نہ اٹھائے۔ کچھ دنوں میں
 نظر مند ہے پھر انہر نوٹ کے گھر کی ضبطی ہوئی جب یہ کارروائی ہو چکی تو نواب وزیر اقبالے مختار الدولہ
 کی تالیف قلوب کی جانب متوجہ ہوئے اور ان کے مکاتوں پر آنے جانے لگے بیاری بیگم زوجہ مختار الدولہ
 کے گھر اکثر جایا کرتے تھے اور اقبال الدولہ کے حال پر بہت مہربانی کرتے تھے پر گنہ اور یاکا جاگیر جسکی جمع
 ایک لاکھ روپیہ تھی اور جو اقبال الدولہ کے نامزد تھی بحال رکھی مختار الدولہ کی حیات
 اور اقتدار الدولہ کے زمانے میں اقبال الدولہ کی نسبت نواب سالار جنگ کی بیٹی
 کے ساتھ قرار پائی تھی اور بناتی بیگم دختر مختار الدولہ کی نسبت جو بطن مختلف سے تھی
 مرزا چچو پسر نواب سالار جنگ کے ساتھ مقرر ہو چکی تھی اور سالار جنگ مختار الدولہ کے
 مقتول ہونے کے بعد اپنی بیٹی کی نسبت سے اقبال الدولہ کے ساتھ مشرکتے آصف الدولہ
 نے سالار جنگ کو مبالغہ و اصرار سے راضی کیا اور خود مسند علی اس شادی کے ہوئے
 اور دس ہزار روپیہ مختار الدولہ کی بیگم کو اس صرف کے واسطے دیکر بخوبی سر انجام دیا
 آفرین علی خان خواجہ سرا اس بزم شادی میں شریک ہوا اور اس کے ردید و رسمین
 امور میں ایک

بتا کہ یہ میرے ہمہتاخرین کہتا ہے کہ آصف الدولہ اس عمل کے نہایت شائق تھے
 انگ۔ چونکہ ہوشیار ایک طرف آپ ہو جاتے اور دوسری طرف کسی عملے کو غمزدہ کرتے۔
 ادا ہوئیں۔ لہ کرتے تھے لتاخرین کے قیام لکھنؤ کے زمانے میں بھی قائم خان فوجدار فیل خانہ کے
 مؤلف سیر القاباقی ہر اہتمام کیا تھا۔

جہاں شادی ہوتی اتفاق بنی النساء بیگم زوجہ اقبال الدولہ کو ہمشیرہ صاحبہ کہا کرتے تھے کیونکہ
 ایک مرتبہ مؤلف سیر لکھے۔ افسوس کہ جنگ کی بیٹی تھی اور سالار جنگ نواب وزیر کے مامون تھے
 بیاہ میں شریک ہو کر

ایچ خان کامیدان اور مسجد مشہور ہے۔

اب آصف الدولہ اور جان برسٹو کو تقرز نائب کی فکر ہوئی۔ خواجہ حسن رضا خان
شجاع الدولہ کے عہد سے باورچی خانے کی دار ونگی اور کسی قدر تقرب رکھتے تھے اور
اس عہد میں بھی زیادہ تر صاحب تقرب اور خلوت و جلوت میں حاضر باش تھے نیابت
کی تجویز ان کے لیے ہوئی لیکن اس نظر سے کہ بے علم آدمی تھے اور آرام طلب و شرت و ہمت
اور کم محنت تھے انھوں نے اس بار کے قبول کرنے سے انکار کیا اور لوگ بھی حیران تھے کہ
عہدہ نیابت سے جو بات مقصود ہے وہ ان سے کیسے برائیگی پس ان بے چارے کو کیون تکلیف
دی جائے خدا جانے کس مصلحت سے مسٹر جان برسٹو کی یہی رائے قائم ہوئی کہ آصف الدولہ
کی نیابت خواہ خواہ انھیں پر مقرر ہو اور ان کا نائب دوسرے شخص کا ردان اور ہوشیار
کر دیا جائے اور اس خدمت کے لیے اول سالار جنگ کے استصواب سے الماس علی خان خواجہ
تجویز ہوا یہ نہایت کم ہمت تھا اندیشہ دور از کار کر کے انکار کر دیا اور کہا کہ حیدر بیگ خان
اس کام کو اچھی طرح کر سکتے ہیں جیسا کہ ذبح بخش میں شیخ محمد فیض بخش نے ذکر کیا ہے
دوسری کتابوں سے حیدر بیگ خان کے تقرر کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اسماعیل بیگ خان
شورہ والا مغل ولایت زاکہ نہایت عیار اور دنیا دار آدمی تھا اس زمانے میں کہ
شاہ عالم بادشاہ اور فرج انگریزی آباد میں تھی سرکار کمپنی کی طرف سے ڈاک اور
اخبار کا دار و غم تھا اور اس وقت میں بھی ڈاک خانہ اور ریڈیو کے ہر کاروں کا
داندہ تھا یہ شخص حیدر بیگ خان کا بیلی سے موافقت اور لالچ کر لیتا تھا اور وہ بھی
اس کے لیے سب بلیا کرتا تھا ابرج خان کی بیماری کے وقت سے اسماعیل بیگ خان
جان برسٹو سے حیدر بیگ خان کے اس تقرر کے لیے کوشش اور ان کی لیاقت کی تعریف

ایرج خان کا انتقال کرنا حسن رضا خان محید ربگ خان کا زینہ عروج پر قدم رکھنا

اکبر آباد سے آکر دو تین مہینے کے عرصے میں ایرج خان کار گزار نے جو کہ دربار صغنی کا مجمع صفار و کبار تھا تنہو اس انتظام کیا تھا اور جان برسٹو سے سوال و جواب کرتا تھا کہ آپ معاملات ملکی و مالی میں دست انداز منوں جو روپیہ اپنا بابت قرض کے آصف لدولہ کے فٹے عائد کرتے ہو اُس کی قسط مقرر کر کے مجھ سے نقد لیا کیجیے اور موافق عہد شجاع الدولہ کے ملک سے دست برداری کیجیے اور مطابق عہد نامہ کمپنی کے عمل کریے یہ بات اگر آپ کو نامنظور ہو اور سوال و جواب کرنا ہو تو بندہ آپ کے ساتھ کونسل میں گفتگو کرنے کو تیار ہے۔ سٹر جان برسٹو اُس کے طلب کرنے سے نہایت شرمندہ تھا تدبیر میں تھا کہ کیا کرے۔ ایرج خان اکبر آباد سے علیل آیا تھا لکھنؤ میں پہونچ کر سخت علیل ہو گیا مدت دو ماہ اور عادن بیماری کی حالت میں نیابت کا کام اچھا کیا عارضہ سوء القنیہ اور ضعف و برودت جگر میں پہلے سے مبتلا تھا آخر استسقا ہو گیا ۲۸ رجب ۱۲۹۰ھ ہجری کو راہی ملک آخرت ہوا لیکن بخش نے فرج بخش میں شعبان میں انتقال کرنا لکھا ہے شیخ شفیع اللہ سے بیچ لاکھ روپے کے مال کی فردا تلخ خان نے اپنی حیات میں بوائی تھی وہ اُس نے نواب آصف الدولہ کی نذر گذرائی نواب نے فرد کو ملاحظہ کر کے تمام مال ضبط کر لیا اور تھچہ پٹھ پارچے کے خلعت غلام نبی خان اور لال محمد خان سپہان متبنائے ایرج خان کو مرحمت ہوئے۔ ایرج خان اور مختار الدولہ دو نوں کی حویلیوں کی ضبطی ایک ساتھ قریب قریب ہوئی لکھنؤ میں آج تک

رکھتے تھے دو ذون بجائی احمد شاہ بن محمد شاہ کے عہد میں کہ صفدر جنگ کی وزارت کا زمانہ تھا ہندوستان میں آئے صفدر جنگ کی سرکار میں نوکر ہوئے۔ صفدر جنگ کے انتقال کے بعد حیدر بیگ خان سلطان پور۔ رُودلی۔ دریا باد۔ کوڑہ اور سرکار الہ آباد کے فوجدار رہے تھے۔ نور بیگ خان نے راجہ بینی بہادر کی سفارش سے شجاع الدولہ سے اعظم گڑھ و سلطان پور وغیرہ چند محال ٹھیکے میں لیے دو ذون بجائی نہایت سخت گیر تھے یہاں تک کہ دو سونے سے بھی عرض آشنا تھے تھوٹے دو ذون کے بند ٹیڑھ لاکھ پڑھ لاکھ داری کے نور بیگ خان کے فٹے ماند ہوئے اور دو ذون بجائی قید کر دیے گئے جبکہ روپیہ داخل نہ ہو سکا تو ان پر تشدد ہوا ان کو دو سوپ میں بٹھاتے تھے کھانے میں بہت سانگ ڈال کر کھلاتے تھے اور پانی نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ نور بیگ خان صدموں سے مر گیا۔ اور حیدر بیگ خان نے سفارش سے ربائی بانی اور بہار علیخان خواجہ سرانے ہو بیگم سے سفارش کر کے اُن کی جاگیر کوڑہ یا کی تحصیل داری کی خدمت اُن کو ملا دی جبکہ وہاں بھی حسبِ عادت دستِ تصرف دراز کیا تو محاسب کی علت میں کشاکش میں مبتلا ہوئے آخر کار سید محمد خان اقتدار الدولہ نے ضمانت کر کے اُس پر بھارت دلائی۔ اُس کے بعد جگہ داری کوڑہ جہاں آباد پر مقرر ہوئے۔ محمد علی خان نے بھران کو محاسب میں جگہ اگر مرتضیٰ خان بڑے صاحبان ہو کر آبرو بچائی۔

علی خان کے بعد طالع خوابیدہ بیدار ہوا حسن رضا خان کی پیش دستی کی غرت بانی حیدر بیگ خان دشمن کار کردہ اور لائق اور شریف تھے سیاق سابق میں

۱۵ دیکھو تاریخ مظفری ۱۲ ۱۵ دیکھو طلسم بند ۱۲ ۱۵ دیکھو مندرجہ بخش

کرتا تھا انھوں نے حسن رضا خان کی پیش دستی میں مقرر کر کے امیر الدولہ کا خطاب دلایا
 ہت پرشاد نے شخص تاریخ اودھ میں حیدر بیگ خان کے تقرر کے متعلق ایک عجیب حکایت
 لکھی ہے اور وہ ایک ایسی ریاست میں بے جوڑ نہیں معلوم ہوتی تفصیل اس کی یہ ہے
 کہ ایچ خان کے مرنے کے بعد نیابت کے باب میں مشورہ ہوا حسن رضا خان تو ناخواندہ تھے
 جان برسٹو صاحب نے تجویز کیا کہ دوسرا شخص پیش دست ہو چنانچہ تین آدمی تجویز ہوئے
 مرزا ابو طالب خان لہندی۔ اسماعیل بیگ خان شورہ والا۔ مرزا جعفر تقدیر کی کسی کو خبر
 نہ تھی حیدر بیگ خان امن و نون تباہی سے پریشان اور بیکار بیٹھے تھے سوچا جس دے
 کی نوکری کی امید واری میں میانے پر سوار ہو کر جان برسٹو صاحب کے سلام کو جلاتے
 تھے کوٹھی کے باہر ایک بڑا درخت تھا وہ وہاں میانہ رکھوا کر بیٹھتے تھے جب رزڈنٹ
 ہوا کھا کر آتا تو یہ بھی سلام کر لیتے اسی طرح ایک مدت گزر گئی ایک دن برسٹو صاحب نے
 انھیں اپنے پاس بلو کر امتحان جو لیا تو خوب مستعد پایا۔ فرمایا کہ کوٹھی پر حاضر ہوں اور
 آصف الدولہ کو کھلا بھیجا کہ کل نیابت کا خلعت ہماری کوٹھی پر لیتے آویں کہ ایک شخص
 کو ہم نے آپ کے واسطے تجویز کیا ہے اور حیدر بیگ خان سے کہا کہ تم عمدہ کپڑے پہن کر کل صبح
 کو حاضر ہونا یہ بے چارے بہت خوش ہوئے کہ شاید سود و سوروپے کی نوکری میرے لیے
 تجویز ہوئی ہے فجر کے وقت جب اپنے معمول پر پہنچے اور ادھر سے آصف الدولہ کی
 سواری بھی آئی خلعت تو ساتھ ہی تھا جان برسٹو نے وہ خلعت انھیں پہنایا۔

حیدر بیگ خان کلحال

یہ حیدر بیگ اور اٹھابھائی مرزا نوز بیگ دونوں کابل کی پیدائش تھے اور مذہب حنفی

(۲) محمد ابراہیم خان -

(۳) صمصام الدین خان -

(۴) مرزا علی رضا - ان میں سے محمد عسکری خان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی -

بیٹی مرزا علی خان سے بیاہی تھی - نواب ظفر اسی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے - اور مرزا عسکری کے بیٹوں کو مرزا تھے اور نخلہ صاحبہ کہتے تھے - محمد ابراہیم خان کے کوئی اولاد نہ ہوئی اور صمصام الدین خان کے جو بیٹا تھا وہ جوہر لیاقت سے محروم تھا اس لیے مشہور نہوا -

مرزا علی رضا کے تین بیٹے اور تین ہی بیٹیاں تھیں بیٹوں کے یہ نام ہیں -

(الف) موتی خان -

(ب) غلام رضا خان -

(ج) حسن رضا خان - ان کی بیویوں میں سے بنارسی بیگم نطف علی خان بن

بندہ علی خان داروغہ تصحیح کے ساتھ منعقد ہوئی تھی - اور دوسری لڑکی مرزا جعفر کی

زوجیت میں تھی جو جان پٹی صاحب رزیدنٹ کی وجہ سے سرکار انگریزی کے متوسلون

میں قرار پائے تھے اور نواب سعادت علی خان کے عہد حکومت میں ان کا ذکر کیا جائیگا

تیسری لڑکی مرزا جمشید کو صاحب پسر آخازین العابدین بن نواب کلب علی خان کے ساتھ

بیاہی تھی - یہ کلب علی خان بندہ علی خان کے چچا اور مردان علی خان کے پوتے تھے -

مرزا علی خان کی یہ تین بیٹیاں اور حسن رضا خان ایک بیٹا ایک بطن سے تھے اور وہ دونوں بیٹے

مختلف بطنوں سے تھے حسن رضا خان کو ان کے چچا ابراہیم خان نے پرورش کیا تھا

محض بے علم تھے ہر چند انھوں نے انکار کیا مگر یادوری شہمت اور فیض عنایت مسٹر جان سٹو

یہ طریقے رکھتے تھے ذی علم تھے دفتر کی تہذیب و شائستگی ابھی طرح کی شجاع الدولہ کے عہد میں جو دفتر مرتب نہ تھا اسے ترتیب دیا۔

گورنر جنرل نے بھی حسن رضا خان کو نائب اودھ تسلیم کیا۔

حیدر بیگ خان نے اپنے بچے بھائی کی صحبت! بی بی تھی! دیات ان کے نظم و نسق کی تعریف کرتے تھے نہایت دانا وزیر کہ تھے جو کام کرتے تھے بہت سچ سمجھ کر کرتے تھے شاید کہ اس میں لغزش نہو جہاں فیض بخش کتابت کہ حیدر بیگ خان کو خلعت نیابت شعبان ۱۲۰۹ھ ہجری میں ملا خاند کردہ حکومت مسلمانین غلطی کی ہے جو لکھا ہے کہ ۱۲۰۹ھ ہجری میں مرزا حیدر بیگ خان عہدہ نیابت پر مقرر ہوئے ہیں تین سال تک سلطنت کے اعیان و ارکان ان کو خیال میں نہ لائے اور انکی اطاعت سے عائد کرتے تھے وہ بھی سب و تحمل سے کام لیتے رہے اور اس عرصے تک ہر کام میں نواب وزیر اور انگریزوں کی رضا جوئی میں مصروف رہے یہاں تک کہ خوب استحکام و استقلال پیدا کر دیا۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ حیدر بیگ خان کا رجموعہ میں مصرع ہوئے صحبت شراب و کباب میں شاعری اور آمد و رفت دربار سے غافل ہو گئے اور جو آیا فوج و ملازمین میں تخفیف کرتا تھا۔

حسن رضا خان علیہ السلام

حسن رضا خان جان پانخان کے پوتے تھے جو شاہ جہان شہنشاہ ہندوستان کے خواصان معتمد سے تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔

(۱) محمد عسکری خان۔

لوٹ آئے اور اپنا اجتہاد جاری کیا۔

عہد و بکا انتظام اور ٹکیٹ رائے کا حال

عہدہ دیوانی ٹکیٹ رائے کا یہ ست سری باستم کے سپرد ہوا۔ جرنیلی سپاہ کا عہدہ محمد رضا خان فرزند سر فرزا الدولہ سے نامزد ہوا یہ شخص مرض صرع میں مبتلا تھا اور مجنون صفت آزاد شہر بہ تھا اور جرنیلی کی نیابت امام بخش کے نام قرار پائی اور اسی سال کرنیل گاڈرے کلکتے سے اگر نواب وزیر کی سرکار میں نوکر ہوا فوج کا افسر ہوا اُس نے وہ پٹنیں جو ایرج خان نے برطرف کی تھیں پھر جمع کیں ٹکیٹ رائے کا حال یہ ہے کہ یہ شخص شہر علی خان تھویدار جو اہر خانہ نواب شجاع الدولہ کے داماد کے پاس نوکر تھا بارہ روپے سے زیادہ اُس نے مانے میں درما ہر نصیب نہوتا تھا یہاں سے علیحدہ ہو کر اکبر علی خان داروغہ دیوانخانہ مختار الدولہ کے پاس نوکر ہوا تھوٹے دنوں میں اپنی خوش کلامی کی وجہ سے کہ شعر و سخن سے طبیعت آشنا تھی انور علی خان خواجہ سرے مختار الدولہ تک آمد و رفت جاری ہوئی اور مشرف دیوانخانہ ہو گیا مختار الدولہ کے بعد سر فرزا الدولہ تک رسوخ حاصل کیا عہدہ دیوانی اور راجگی کا خطاب پایا یہ شخص خوش وضع اور حلیم الطبع تھا امور خیر میں نیک نامی کے ساتھ شہرت حاصل کی سرکار لکھنؤ میں برہمنوں کے واسطے روزینے اور چنڈے کا دروازہ اسی کی وجہ سے کھلا ہزار دو ہزار روپیہ تا بقائے سلطنت تمام قلمرو اودھ میں بھرنے دفتر سلطانی تھا راجہ ٹکیٹ رائے نے عمارات عالی اور میوہ دار باغات اکثر تیرتھوں پر تیار کرائے اور بہت سے پختہ پل بڑے ہندوؤں کے بہت سے معابدوں پر ٹولے اور ٹھاکروارے تعمیر کرائے اس صاحب قلم کی بدولت تک لاکھوں روپے کے وظیفہ خواہین

سے اصف الدولہ کی نیابت اُن کے نام مقرر ہوئی انکی نے علمی کی وجہ سے مسٹر جان برٹو کو ہمیشہ سوال و جواب کاغذی درپیش رہتے تھے صاحب علم کی تلاش تھی اس لیے حیدر بیگ خان کو اُن کی پیش دستی میں مقرر کر دیا۔ منتخب العلوم میں لکھا ہے کہ حسن رضا خان بہت نیک طبیعت اور نیک کردار تھے اپنی رحمدلی سے اُنھوں نے کاروبار مالی و ملکی میں تندہی نہ کی تمام ریاست کے کام کا دار و مدار امیر الدولہ کی ذات پر کر دیا تھا جو کہ پورے طور پر کاروبار پر حاوی ہو گئے تھے۔

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ حسن رضا خان سولے سیر و شکار کے نواب کے ساتھ میں اور نادر و نرے کے دوسرا کام نہ کرتے تھے آٹھ لاکھ روپے سالانہ انکو ریاست سے ملنے تھے عورت اُن کی ایسی تھی کہ نواب وزیر اکثر اوقات اُن کو بھیلے کے لفظ میں مخاطب کرتے تھے یہاں تک کہ امیر الدولہ بھی عیدین اور دوسرے مبارک موقعوں پر اُنھیں نذر دکھاتے تھے جبکہ امیر الدولہ کا یہ حال تھا تو دوسرے کس حساب میں تھے۔

ہمت پرشاد نے لکھا ہے کہ اس وقت تک لکھنؤ میں مسلمان فقط شیعہ تھے اور بارہ اماموں کے مذہب سے خبر نہ رکھتے تھے نواب اصف الدولہ کے عہد میں مرحوم رضا خان نے یہ طریقہ جاری کیا چنانچہ جس وقت مرزا جوان نجات شاہزادے لکھنؤ میں وارد ہوئے تو اُس جمعہ کو خود نواب صاحب شریک نماز جمعہ ہوئے اور میر دلدار علی شاگرد میر سید علی طباطبائی فقہ امامیہ کی کتابوں کے مرقع ہوئے۔

دوسری کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ مولوی دلدار علی اور میر مرتضیٰ وغیرہ علمائے نبی و امامین نے حسن رضا خان کی وجہ سے نام پیدا کیا جمعہ و جماعت کی نماز جس کا رواج اس ملک میں نہ تھا جاری کی اور کربلا جاکر اجتہاد کا حکم وہاں کے مجتہدین سے حاصل کر کے

مغل بچوں کو اطلاع ہو گئی وہ سب فیض آباد کے رہنے والے تھے انھوں نے جواہر علی خان اور ثمار علی خان کے ذریعہ سے بیگم صاحبہ سے عرض کرایا کہ تلنگے یہ حرکت کرنے والے ہیں ہم آپ کے غلام ہیں تو ہمیں سب ہمارے ساتھ ہیں ہم تلنگوں کے مقابلے میں تو ہمیں لگا کر اُن کو بھگا دینگے بشرطیکہ پانچ ہزار روپے آپ کی سرکار سے ہم کو مرحمت ہو جائیں کیونکہ نیا بلی تنخواہ کی وجہ سے ہم لوگ فاقے کرتے ہیں اور جینے سے تنگ آ گئے ہیں بیگم صاحبہ نے جواب دیا کہ مجھے تمکو نوکر نہیں رکھنا ہے تاکہ مالک صرف الدولہ ہیں اُن سے لینا چاہیے ہم ایک کوڑھی ندیگے چند مرتبہ اُن بیچاروں نے دفع الزام کے لیے عرض کرایا لیکن بیگم نے قبول نہ کیا تنگ آ کر انھوں نے بھی تلنگوں سے اتفاق کر لیا اور آٹھویں ماہ شوال ۱۰۹۷ھ ہجری کو تمام بیٹنوں نے تیاری کی اور غل بچوں نے بھی نوہین درست کیں اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا اول جواہر علی خان کی حویلی کو گھیر کر اس کے نیچے دو توہین بھر کر گھڑی کر دیں دو پہر دن کے وقت سے رات بھر یہی معاملہ پیش رہا آب و طعام سب پر بند تھا شہر کی دو کاہن بند ہو گئیں کوئی تنفس بازار میں نظر نہ آتا تھا۔ دوسرے دن پہر دن چپے تک یہی طوفان رہا بیگم صاحبہ نے مجبور ہو کر چوراسی ہزار روپیہ دلانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ چٹا قی بند و قین ہماری سرکار میں داخل کر دیں تلنگوں نے جواب دیا کہ ہم شہر میں نہیں جیتے اگر اربا کرین، ورنہ آپ کے آدمی ہم پر حملہ کرتے ہیں تو ہم جیتے کیا کر سکیں گے شہر بہر جنوب کی جانب راب علی خان خواجہ سرا کی کوٹھی کے پاس جو وسیع میدان ہے وہاں ہم اپنی تنخواہیں ہم تقسیم کر کے بند و قین دیدینگے نشاط علی خان خواجہ سرا کو ہمارے ساتھ کر دیا جائے آخر کار تمام تلنگے اور غل بچے یہ خزانے کر شہر کے باہر گئے تلنگے روتے جاتے تھے دو تین سپاہی بازار کے

اکثر ناکارین قائم ہیں بہت سے دہات و اراضی صیفہ معافی میں اسے محتاجوں اور غریبوں کو سرکار اودھ سے دلا کر سندن مرحمت کہیں جو اب تک جاری ہیں اس کی صحبت میں ہمیشہ مثنوی روم اور تصنیفات شیخ سعدی اور دیوان حافظ کا چرچا رہا کرتا تھا۔
گیان پکاش میں لکھا ہے کہ راجہ نے ایک مسجد اور امام باڑہ اور دوسری مسجد حیدر گنج کے پاس بنوائی تھی۔

فیض آباد میں تنخواہ کے لئے پلٹنوں اور توپخانے کا بلوا

سرخ ورومی واک ٹنگون کی تین پلٹنیں جن کا افسر علی بھاکھ رے تھاجا اللہ کے عہد سے شہر فیض آباد اور بیلکات کے تھلون اور نواب کے خاص محل اور نشتر گاہ اور سماں کے کوٹھون کی حفاظت کے لیے متعین تھیں اور ۵۶ توپیں اور پانچ توپوں کے گولہ انداز بھی بہت تھے یہاں کے سپاہی لکھنؤ کے حالات سننے رہتے تھے کہ جب وہاں ڈیڑھ سال کی چڑھی ہوئی تنخواہ سپاہی مانگتے ہیں تو اگر وہ اہل پلٹن ہوتے ہیں تو ان کے مقابلہ میں نجیبون کو اور ان کے توپخانے کو لا کر ان کو بھکا دیا جاتا ہے اور اگر نجیب طلب کرتے ہیں تو ٹنگون کی پلٹنیں ان کے سامنے لا کر ان کو پریشان کر دیا جاتا ہے اس ترکیب سے شجاع اللہ کے وقت کی آدمی فوج برہم اور خراب ہو گئی ہے بھاکھ رے فیض آباد سے لکھنؤ کو گیا کئی ماہ تک وہاں سرداروں کے پاس آیا اور گیا اور کوشش کی تو چند روز پہلے علی الحساب ہاتھ لگے اور وہ لا کر بانٹ دیے اور باقی کے لیے مایوس ہو گیا اب ان سپاہیوں نے یہ مشورہ کیا کہ ہم مدت سے بیگم صاحبہ کی چوکی پہرے کی خدمات انجام دیتے ہیں ان کا محاصرہ کر کے اپنی تنخواہیں لے کر اپنے اپنے مکانات کو چل دیں اس مشورے پر

ریاست کے سلاح خانہ فیض آباد کے محافظوں پر
 بیگم صاحبہ کے نوکروں کے ہاتھ سے زیادتی ہونا
 نواب وزیر کا ناراض ہو کر سزا دہی کے لیے لکھنؤ
 سے فیض آباد کو فوج بھیجنا

شجاع الدولہ کے عہد میں شہر میں دو سلاح خانے تھے ایک ہمت بہادر گوشائے
 کی چھاؤنی کے قریب شہر سے جنوبی طرف اور دوسرا فصیل کے باہر احاطہ اندرون
 سرے یونس خواجہ سرا میں اگرچہ آصف الدولہ کے عہد میں توپوں اور بند و قون
 کا بننا موقوف ہو گیا تھا لیکن بڑھاتا بنا اور سیسہ وغیرہ وہاں بہت سامان موجود تھا ان
 سامانوں پر داروغے مقرر تھے اور ایک ایک دو دو پہرے تلنگوں کے حفاظت کے لیے
 رہتے تھے۔ سلاح خانہ جانب مغرب کا داروغہ غلام حسین خان تھا اس کے پاس حفاظت
 کے لیے سیاہ و روسی والی تلپٹن کا ایک پہرہ رہتا تھا اور یہ تلپٹن لکھنؤ میں تھی اس پہرے
 کا بھاکھ رے اور شہر کی حفاظت سے کوئی تعلق نہ تھا یہ پہرہ بالکل گمنامی کی حالت
 میں پڑا ہوا تھا بیگم صاحبہ نے جو یہ حکم دیا کہ شہر میں تلنگے کا نام ہونی نہ ہے تو ان کے
 خواجہ سرا یا علی نام کہ نہایت کم حوصلہ تھا دس بیس سپاہی ساتھ لے کر گیا اور ان
 تلنگوں پر سختی کر کے نکالنا چاہا غلام حسین نے بہت کچھ سمجھایا اور برکت و سماجیت کی
 کہ مجھ کو اور میرے یہاں کے تلنگوں کو ان تلنگوں سے جنھوں نے بولا کیا ہے کوئی تعلق نہیں
 یہ تلنگے تو سرکاری سامان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں اگر یہ لوگ یہاں سے چلے

بنیون کا قرض ادا کرنے کے لیے آئے تھے بیگم کے آدمیوں نے اُنے پوچھا کہ تم کس رشتے
 روئے کہنے لگے کہ اے صاحب ہم لوگ یہاں بارہ سال سے نوکر تھے اور ہمارے
 باپ دادا اسی ملک کی رعیت ہیں اب اس دولت خانے سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق
 ہوتا ہے آئندہ یہاں کب آنا ہو گا سولے اسکے بدنام اور ملک حرام بھی ٹھہرے
 کہ وجہ شمع اللہ کو بے سبب تنگ کر کے تنخواہ لی اس لیے رد کیا ہے الغرض وہ پردن
 باقی تھا کہ تین ہزار تنگے اور پانچ سو مغل بچے تمام توپیں لے کر شہر کے باہر گئے ہزاروں
 تماشائی ان کے پیچھے تھے نشاط علی خان خواجہ سرا اور دن میں اُنکے اور ہمراہی بھتوں
 میں سوار اُن کے ساتھ بند و قین لینے کو گئے۔ ڈالبا سنبہر کے میدان میں تھیلیاں رکھ کر
 منصوبوں اور وکیلوں نے سب کی تنخواہیں دست بدست تقسیم کر دیں اور شام تک
 یہ روپیہ تقسیم ہو چکا کئی ہزار روپیہ جو لکھنؤ سے آیا تھا اس میں سے آدھا روپیہ
 تنخواہیں ملے والا کرچ گیا تھا مغل بچوں نے جو دیکھا کہ یہ روپیہ تنخواہ سے فالتو ہے
 گنوار لے کر بن بجائیں خود چھین لینے کا ارادہ کیا اول خالی توپ چلائی اور پھر
 تو اسن میان سے نکال کر اُن روپوں پر جا پڑے تنگے بند و قین ڈال ڈال کر چاروں طرف
 بھاگنے لگے نشاط علی خان رتھ میں بیٹھ کر شہر کو بھاگ گیا چار چار پانچ پانچ کو س تک
 ہر طرف بند و قین پڑ پڑی تھیں شام تک شہر فیض آباد سپاہیوں سے خالی ہو گیا
 بیگم صاحبہ نے دوسرے دن جو اہل علی خان خواجہ سرا کو حکم دیا کہ اب سپاہ کا اجتماع کچھ گیا
 اور اتفاق ٹوٹ گیا مغل بچوں کو جو اس شہر کے رہنے والے ہیں اس جرات اور بے دردی
 کی ہزاروں بیگم کے آدمیوں نے بازو باندھ کر حاضر کیا اور سخت سزائیں دے کر شہر سے
 نکال دیا۔

فیض آباد پہونچے اور بہار علی خان اور جواہر علی خان کے سرکاٹ لائے وہ نہایت
 شورہ پشت اور بد مزاج تھا ایسی باتیں خدا سے چاہتا تھا حسن رضا خان کو بہت مل
 معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئے باوجودیکہ اُس نے سہل استعمال کیا تھا رزیدنٹ
 کے پاس گھبرائے ہوئے گئے اور کہا کہ امام بخش سخت بد ذات ہے وہاں جا کر بے ہل
 لڑائی شروع کر دیگا۔ بیگم صاحبہ کے پاس بھی ہزار پانسو آدمی نوکرین شہر پناہ کی دیوا
 درست ہے اور شہر کے ہر دروازے پر ایک توپ تیار کھڑی ہے آدمی بھی جمع ہیں
 غالباً امام بخش کے جاتے ہی کشت و خون ہو جائے گا اگر آپ کی کوشش سے میں بھی
 بھیجا جاؤں تو معاملے کو راستی کے ساتھ سلجھا دوں رزیدنٹ فوراً سوار ہو کر نواب
 کے پاس گئے اور حسن رضا خان کو ساتھ بھیجے جانے کے لیے حکم دلوا دیا۔ اتفاقاً وہیر کا
 اخوند احمد علی کے جو بیگم صاحبہ کی جاگیر کا کام کرتا تھا اور جواہر علی خان کا خاندان تھا
 عنبر علی خان خواجہ سرا کے پاس لکھنؤ آئے ہوئے تھے۔ عنبر علی خان کا ملکی دامالی کام بھی
 اخوند احمد علی سے متعلق تھا اور خط کا جواب لے کر نواب وزیر کے ہرکاروں کے ذمے
 میں رات بسر کرنے کو گئے ان کو یہ خبر وہاں معلوم ہوئی تو رات چل کر کمر دم اخوند
 احمد علی کی حویلی پر پہونچے اور ان کو جھپٹا کر تمام حال بیان کیا امام بخش اور حسن رضا خان
 بھی نور اہی تک کہ فیض آباد سے مغربی جانب پانچ کوس پر واقع ہے پہونچ گئے
 اخوند احمد علی اپنے آنے کے خلاف وقت میں ان دونوں ہرکاروں کو ساتھ لیے ہوئے
 جواہر علی خان کی حویلی میں آیا اور تمام وکمال حال کہ سنایا جواہر علی خان اُسی وقت
 تنہا بغیر مردم جلو کے مجلس کو گیا اور بیگم صاحبہ کو ہیدار کر کے تمام حال عرض کیا
 انھوں نے فرمایا کہ ناکے کے سپاہیوں کو حکم بھیج دیا جائے کہ آگے نہ بڑھنے دیں

جائینگے تو یہ تمام سامان چور چور لینگے خدا کے واسطے اس بہرے کو مست چھیر دے گا عقل
 مغرور نے بالکل نہ سنا اور ہر ایک تلنگے کا دست و بازو کپڑ کر نکال دیا اسباب اٹھانے
 کی بھی فرصت ندی غلام حسین نے یہ تمام مضمین عرضی میں لکھ کر اور یار علی کا ظلم و ستم
 تحریر کر کے نواب آصف الدولہ کے حضور میں بھیج دیا۔ دو رات دن جو ہنگامہ بھاگھرا
 کے تلنگوں نے چایا تھا وہ نواب کے اور رزیڈنٹ کے اخبار نویسوں نے پہلے ہی
 لکھ بھیجا تھا لیکن آصف الدولہ کو امور ملکی میں نہایت غفلت تھی اور شغل خاطر لہویات
 میں رہتا تھا اس لیے کچھ خبر نہ ہوئے جب غلام حسین کی عرضی پہونچی تو حضرت کو بے حد
 غیظ و غضب پیدا ہوا اور اعلیٰ نا عاقبت اندیش آنکھوں میں جہان تیرہ و تار ہو گیا
 فوراً سوار ہو کر رزیڈنٹ کے پاس پہونچے اور اُن سے بیان کیا کہ چراہر علیخان
 اور بہار علی خان خواجہ سراڈان والدہ صاحبہ نے اغوا کر کے بہت سی فوج جمع کی
 ہے اور فیض آباد سے ہماری حکومت اٹھا دی ہے اور وہاں سے چند پٹنوں کو نکال دیا
 ہے ہنگامہ پر دانی کر کے بھاری بلوا مچایا ہے صلاح دولت یہ ہے کہ خود فوج
 اور توپخانہ لے جا کر اُن کی آتش فساد کو بجھاؤن آپ بھی ہمارے ساتھ جلیں رزیڈنٹ
 نے کہا کہ ہمارے اخبار نویس نے خبر تحقیق لکھی ہے کہ اُن تلنگوں کی تفصیر ہے کہ ہم صاحبہ
 کو دو رات دن محصور کر کے اُن پر آب و طعام بند کر دیا تھا جب اُنھوں نے کچھ ہڑت
 دیا تو محاصرہ اٹھایا اور لے کر چلے گئے رزیڈنٹ نے یہ بھی کہا کہ آپ کی شان اس سے
 عالی ہے کہ غلاموں کے تدارک کے لیے خود تشریف لیجائیں نواب نے رزیڈنٹ کے سامنے
 تو کچھ جواب نہ دیا لیکن وہاں سے نہایت کدرا و غضبناک لوٹے اور مجلس راہن آکر
 امام بخش جرنیل کو حکم دیا کہ سات سو ترک سوار ہمراہ لے کر راتوں رات یغار کر کے

کے نشے میں بدست ہو کر اُس کے سامنے نفاخر کی راہ سے ترک سواروں سے کہنے لگا کہ
ان دونوں خواجہ سہراؤں کو اس طرح پکڑ لوں گا جیسے شہباز مرغی کو بجن میں دابہ
لے اُڑتا ہے صبح کو ستھوٹے جواہر علی خان کے خدمتگار محمد شاکر کو بلا کر یہ بھیید کہہ دیا کہ
بظاہر غفلت کا برتاؤ ہے مگر دل میں گرفتاری کا ارادہ ہے اور یہ ڈھیل در غفلت
فریب سے خالی نہیں اُس نے جواہر علی خان سے عرض کر دیا دوسرے دن سہ پہر کے وقت
ناظرہ کے بعد جواہر علی خان بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی کو جانے لگا اُس وقت سوائے
کہار ان پالکی اور دو تین چوہداروں کے کوئی سپاہی اردلی کے پیے موجود نہ تھا
یہ حال امام بخش کو معلوم ہوا اُس نے تلنگوں کی کہنی جس میں شتر آدمیوں سے
کم نہ تھے تیار کر کے بھیجی اور حکم دیا کہ جون ہی جواہر علی خان باہر نکلیں انھیں پکڑ لیں
جواہر علی خان کی حویلی کے دروازے سے دس بیٹے قدم کے فاصلے پر یہ تلنگے
صف باندھ کر کھڑے ہو گئے اور ساگینین چڑھالین جواہر علی خان کے آدمیوں نے
بوجھا کہ یہاں کھڑے ہونے کا سبب کیا ہے جواب دیا کہ جرنیل صاحب ادھر آنے والے
ہیں اُن کی سلامی دہرا ہی کے لیے کھڑے ہیں لوگوں نے اس جواب کو فریب جانا
کیونکہ ساگینین چڑھالین سے اُن کو جواہر علی خان کے پکڑ لینے کا شبہ ہو گیا کیونکہ
امام بخش کی فرد گاہ یہاں سے دور تھی جواہر علی خان کے دوستوں نے اُس کے
خدمتگار یار علی کو بلا کر اُس سے یہ ماجرا کہلایا اُس وقت جواہر علی خان کے پاس
محمد حیات خان داد مرزا بھلوری برادر ذکریا خان لاہوری بیٹھا ہوا اختلاط
کی باتیں کر رہا تھا کہ یار علی نے یہ بات آکر کان میں کہہ دی جواہر علی خان اُسی طرح
بغیر خوف و ہراس کے باتیں کرتا رہا اور یار علی کو کچھ جواب نہ دیا۔ یار علی نے خود ہی

اگر قدم آگے رکھیں تو مارین شہر میں عجیب تلاطم مچ گیا کہ دبکھنے سے تعلق رکھتا تھا تمام آدمی حیرت زدہ ہو کر اپنے اپنے کاموں کی فکر میں پڑ گئے چار دن طرف شہر کے باشندے لپکتے پھرتے تھے یہ معلوم نہوتا تھا کہ کدھر جائے ہیں اور کدھر سے آتے ہیں جب امام نجش ممتاز نگر سے آگے بڑھا اور شہر میں گھسنے کا ارادہ کیا تو بیگم کے سپاہیوں نے تو بہن اور بند و قین سامنے کر کے روکا امام نجش آگے نہ بڑھا اور حسن رضا خان سے کہا کہ کیا کرنا چاہیے انھوں نے جواب دیا کہ اگر میری رائے پر رہو گے تو شخصے سے چھٹا دوں گا اُس نے قبول کیا اب حسن رضا خان نے اپنے ایک مصاحب کو بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر بھیجا اور عرض کرایا کہ غلام حضور کے جس کے واسطے لکھنؤ سے حاضر ہوا ہے کیا تصور ہے کہ سرکار کے نوکر متعرض ہوتے ہیں بیگم نے آفا محمد صادق کو حکم دیا کہ حسن رضا خان کو جا کر لے آوے اور امام نجش کو وہاں چھوڑنے کے بعد عرض معروض کے بعد اُس کو بھی پر دانگی ہوئی سات سو ترک سوار تھے اور حسن رضا خان کے سپاہی تھے اسی طرح ایک ہزار کے قریب جمیستان کے ساتھ تھی یہ سب مسلح و مستعد ڈیوڑھی پر حاضر ہوئے اور نذر گدڑانی دیتے گھنگورہی بیگم کی طرف سے بہار علی خان خواجہ سرانے مردانہ وار بات کی اور کسی طرح نہ دباؤ نہ تھا کے بعد ہر ایک اپنے اپنے مقام کو چلا گیا امام نجش نے ڈیوڑھی پر خواجہ سراؤں کی کثرت دیکھ کر طرح دی لیکن دل میں یہ بات پوشیدہ رکھتی کہ جس طرح ممکن ہو دو دن خواجہ سراؤں کو تنہا پا کر پکڑے اگرچہ حسن رضا خان اُس کے فساد اور آویزش کی نگرانی کرتے تھے اور جواہر علی خان کے آدمی بھی متنبہ تھے امام نجش نے آٹھ دن تک تدبیر کی لیکن قابو نہ پایا ایک ات فیض آباد کی ایک طوائف متھو نام کو امام نجش نے اپنے پاس بلایا اور شراب

وغیرہ انھین میں سے تھے جب شجاع الدولہ فرمان روا ہوئے تو نواب محمد علی خان نے اُن کی اطاعت کی اسلئے معزول ہو کر لکھنؤ میں آئے۔ اور منصور نگر میں رہنے لگے۔

حُرمت خان بن حافظ رحمت خان کا یہ ملی پہچکار
پہلی بھیت کے لے لینے کی کوشش کرنا آخر کار
آصف الدولہ اور نواب فیض اللہ خان والی رامپور
کی فوجوں سے مغلوب ہو کر بھاگ جانا

حافظ رحمت خان کے بیٹوں میں سے حرمت خان اور اکبر خان اور عظمت خان نے جان برسٹو صاحب کے دربارے کو قبول نہ کیا اور اسی وجہ سے بھاری جہت سے روہیلکھنؤ کو چلے گئے۔ حرمت خان تھوڑے سے سوار و پیادہ جمع کر کے پہلی بھیت کی طرف روانہ ہوا اور اُس مقام کو فتح کرنا چاہا نواب آصف الدولہ کی جس قدر فوج یہاں متعین تھی اُس نے مدافعت کی حرمت خان کی جمعیت کم تھی اور قلعہ مضبوط تھا سر نہوہ کا وہاں سے بھاگ کر نالک متہ کے جنگل میں جو دامن کوہ میں واقع ہے چلا گیا آصف الدولہ نے خبر پا کر حاکم بہیلی کو حکم دیا کہ حرمت خان کے تعاقب میں فوج بھیج کر وہاں سے نکال دے اور نواب فیض اللہ خان کو بھی لکھا کہ آپ اپنی فوج حرمت خان کے تعاقب میں روانہ کریں اور اُس کو پہاڑ سے نکال دین نواب موصوف نے ملا صید خان نجفی اور احمد خان ولد فتح خان خاٹسان کے رسالے حرمت خان کے پیچھے نالک متہ کی طرف بھیجے ان دونوں فوجوں سے حرمت خان کا مقابلہ ہوا تھوڑی سی لڑائی کے بعد حرمت خان کوہ کمایوں پر چڑھ گیا۔

نجیبون کا من لاکر بالکی کے پاس کھڑا کر دیا جو اہر علی خان سوار نہ ہوا تنگے شام تک انتظار کر کے لوٹ گئے القصد آٹھ دن تک یکیش کشن ہی حسن رضا خان نے تمام حال فیض آباد کا نواب وزیر کو لکھ بھیجا انھوں نے حکم بھیجا کہ بند و قین لے کر لوٹ آؤ جب بند و قین کی درخواست کی تو یکم صاحبہ نے فرمایا کہ پتھر اسی ہزار روپے کے بدلے میں مہینہ دہ دید و اورے نو خان مذکور نے ایک تنگ لکھ دیا کہ لکھنؤ ہو چکر آٹھ دن میں روپے بھیج دو مگرا اور بند و قین ہمراہ لے گئے یہ ہنگامہ ماہ شوال ۹۰۰ھ ہجری میں واقع ہوا تھا۔

جواہر علی خان وغیرہ خواجہ سراؤن کی حقیقت

چونکہ ان خواجہ سراؤن نے اس سلطنت میں خرب نام پیدا کیا گل چھڑے اڑائے نواب اور ان کی بان میں کئی بار فساد کرائے اس لیے ان کا کچھ حال سننا چاہیے۔

نواب محمد علی خان نواب ابوالنصور خان صفدر جنگ کے چچا زاد بھائیوں سے تھے نادر شاہ کے حملہ ہندوستان کے بعد سے خیر آباد کے حاکم تھے مدت دراز تک اس ضلع پر حکومت کی ایک بار اس ضلع کے زمینداروں نے قتل کیا سرکاری ذرا واجبی روک لیا محمد علی خان نے ان پر حملہ کیا اور بھاری لڑائی ہوئی نواب نے ہاتھی کی عماری سے اتر کر ایسی شمشیر زنی کی کہ کشتوں کے پتے نکلا دیے خود بھی مہلک طور پر زخمی ہوئے لیکن غالب مسلمان رہے بہت سے ہندو مائے گئے ان کے بچے اور عورتیں بڑی گئیں نواب نے زخموں سے غسل صحت کے بعد ان کو کون کو خواجہ سرا بنادیا زخم کی تکلیف سے ایک لڑکا مر گیا اور باقی سب زندہ رہے جواہر علی خان و عنبر علی خان و نشاط علی خان

۱۲۳۳ھ ہجری میں تعمیر کرائی اور ۱۲۳۸ھ ہجری میں جعفر گلچین میں ایک مسجد تیار کرائی
 ۱۲۴۰ھ شعبان ۱۲۳۸ھ ہجری میں میرزین العابدین نے انتقال کیا۔ بعض قویہ کہتے ہیں
 طلت محاسبہ میں گرفتار ہو کر قید ہستی سے رہائی پائی مولوی فائق نے اُسکی وفات
 کی تاریخ اس طرح لکھی ہے۔

چون وفات میرزین العابدین	خلن ما افز و دصدر بخ و خلق
۱۲۴۰ھ شعبان بود ہم یوم انجیس	کز غمش گردید جانم سیدہ شوق
سال تارخیش فرشتن خواستم	از سواد خامہ عنسم برفیق
گفت فائق باد و حرف حزین دل	گشت بنین العابدین حاصل بحق

الفاظ حزین دل سے حا اور زاکہ کے عدد لے کر مصرعہ آخر کے اعداد کے ساتھ ملائیں
 تو ۱۲۳۸ھ ہجری ہو جائیں زین العابدین کی وفات کے بعد اُس کی زوجہ مصری بیگم
 کے ہاتھ کئی لاکھ روپے کا ترکہ نقد و جنس آیا یہاں تک کہ بعض نے ستر لاکھ روپے
 کا ترکہ بتایا ہے مصری بیگم نے الماس علی خان سے کہا کہ اس قدر نقد و جنس شوہر
 کے متروکے میں سے میرے پاس حاضر ہے اُس خواجہ سراے حیرت علی ہمت نے
 جواب دیا کہ مردے کا مال مردے کے پیچھے جانا چاہیے اسلیئے مناسب یہ ہے کہ لڑکوں کو
 تقسیم کر دو میں محتاج اور کوتاہ ہمت نہیں کہ اُس کو لون مصری بیگم نے وہ تمام متروکے
 اپنے بیٹوں کو تقسیم کر دیا سید زین العابدین خان کثیر الاولاد تھا اُسکے بعض بیٹوں
 نے وہ زر نقد عالم شباب میں اڑا دیا اور بعض اولاد نہایت رشید نامور ہوئی اُن
 کو نواب وزیر کی سرکار سے نظامتین ملین اُن میں سے سید کاظم اور میر باد ی علی
 اور میر باقر علیخان تھے۔

وقعات متفرق

(۱) فتح چند نایک قلعہ دار تال گاؤں نے جو فرخ آباد کے قریب ہے بغاوت کی تو کرنیل گاڈر لشکر لے کر اُسکے سر پر پہونچا اور اُس کو گرفتار کیا۔

(۲) اس عرصے میں امیر الدولہ حیدر بیگ خان نے راجہ صورت سنگھ کو جو بریلی کی حکومت پر سعادت علی خان کے بعد سے مقرر ہوا تھا معزول کیا اور اُسکی جگہ کنڈن لال مقرر ہوا جیسا کہ طلسم ہند سے ثابت ہے مگر شیوہر شاد کی فرخ بخش سے معلوم ہوتا ہے کہ کنڈن لال پہلے مقرر ہوا تھا اس کے بعد راجہ صورت سنگھ کا تقرر ہوا جس نے کنڈن لال کے خاندان کو خدمات سے معزول و موتوں کر کے قید کر دیا۔

(۳) ارکان سلطنت نے سید جمیل الدین نورانی کا رسالہ توڑ دیا تو یہ رسالہ مرزا نجف خان ذوالفقار الدولہ کے پاس چلا گیا یہ شخص سید تھا اور میر شیخ الدین بن شاہ قلی بن میر تقی کا بیٹا تھا یہ میر تقی اور بنگالیب عالمگیر کے زمانے میں بنے مرتبہ کا آدمی تھا۔

(۴) اس دور حکومت میں میان و دآب کا تمام ملک رکن الدولہ الماس علیخان خواجہ سر کو ایک کروڑ اور کئی لاکھ روپے پر ٹھیکہ میں ملا میر زین العابدین خان معروف بہ کوڑی والا اُسکی طرف سے میان و دآب میں کئی پرگنوں پر حکومت رکھتا تھا اور الماس علی خان کی رفاقت میں بڑے اعزاز سے رہتا تھا اور سطح لاکھوں روپے کا سرمایہ بہم پہونچا کر بٹھور میں ایک امام باڑہ اور مسجد لپ دریا

رہتا تھا آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ میں رہنے لگا پنشن سرکار انگریزی سے
 پاتا تھا کم کم شغل تجارت رکھتا تھا اس کا گورنر جنرل کی کونسل کے دو ایک ممبرن
 سے بہت میل تھا اگرچہ انگریز نہ تھا مگر سرکار کپنی میں اُس کا بڑا اعتماد تھا امیر الدولہ
 نے اُس کی معرفت کلکتے کو لکھ کر جان برسٹو کو مشاعرہ عیسوی میں معزول کر دیا۔
 بعد اِس کے دو دنوں میں بہت دوستی ہو گئی اور امیر الدولہ کا بھی اقتدار بڑھ گیا
 بعد اِس کے کپتان مارٹن جنرل مارٹن ہو گیا عمارت میں بہت سلیقہ رکھتا تھا
 بڑی بڑی عمارتیں لکھنؤ میں بنوائیں اسکی ایک کوٹھی میں مرزا سلیمان شکوہ رہا کرتے
 تھے دوسری کو بچپن ہزار روپے میں سعادت علی خان نے اُس کی وفات کے بعد
 مولے کر اپنی عمارت میں ملا لیا اور نام اس کا فرح بخش رکھا اور اُس میں ایسی عمدہ
 تعمیر اپنی طرف سے کی کہ جو قابل دید تھی اگرچہ پہلے سے بھی اچھی تھی اب اور بھی خوب
 ہو گئی تیسری کوٹھی بی بی پور کی راہ میں تھی اور یہ قابل دید عمارت تھی اِس کی تعمیر
 میں پندرہ لاکھ روپے کا صرف تہا سہ ہن جب مارٹن صاحب نے اسکی تعمیر کا ارادہ
 کیا تو اول نقشہ نواب آصف الدولہ کو دکھلایا انھوں نے نقشے کو پسند فرما کر اُس کے
 خریدنے کی خواہش ظاہر کی بعض کہتے ہیں کہ اُس کی قیمت دس لاکھ روپے قرار پائی
 پس پندرہ لاکھ روپے صرف ہونے کی بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ آصف الدولہ کے
 مرگ نے اِس معاملے کو انجام نہونے دیا اور چند روز کے بعد وہ جنرل بھی مر گیا اور یہ تعمیر
 اتمام تھی مگر اُس نے بنظر اِس کے کہ کوئی حکمران آئندہ اِس کو ضبط نہ کرے یہ وصیت
 کر دی تھی کہ اِس کی لاش اِس مکان میں دفن ہو اور جو روپیہ اُس نے واسطے تیار ہی
 در سہ کے جمع کیا تھا اُس کے سود کی آمدنی سے یہ تعمیر اختتام کو پہونچی خدر کے زمانے میں

امیرالدولہ حیدر بیگ خان کا اقتدار

جبکہ حیدر بیگ خان نے دیکھا کہ انگریزی فولادی پنجے کی مدد سے ریاست
 بیرونی حملوں سے محفوظ ہے تو شجاع الدولہ کے وقت کے رسالہ دارون کی تنخواہ
 کوڑی کوڑی ادا کر کے الگ کر دیا سب نجف خان کے پاس دلی کو چلے گئے پھر بھی
 انگریزی سپاہ کی تنخواہ دینا پڑی اور سوار و پیادے ریاست میں بھی کثرت سے
 ملازم تھے ان کی تنخواہیں بھی سال میں ایک بار یا دس مہینے میں یا آٹھ مہینے میں
 دینا پڑتی تھیں۔ نواب آصف الدولہ الگ عیش و عشرت اور تعلیمت میں لاکھوں روپے
 لگاتے تھے اگر نواب کو بیس لاکھ روپے کی بھی ضرورت ہوتی تو فوراً لیتے اگر روپے
 کے پہونچنے میں گھڑی دو گھڑی کی بھی دیر ہو جاتی تو زمین و آسمان کو برسہم کر دیتے
 ان مصارف کی وجہ سے انگریزی کمپوں کی تنخواہ کے پہونچنے میں دیر ہوتی تھی
 اس لیے جان برسٹو صاحب رزیدنٹ سے امیرالدولہ کی رنجش پیدا ہو گئی اسکے سوا
 اور بھی اسباب تھے جب امیرالدولہ نے دیکھا کہ رزیدنٹ ہر کام میں ان کو دبا رہا ہے
 اور وہ اس کے مقابلے میں عہدہ برائے نہیں ہو سکتے تمام اعلیٰ عہدہ دارون کا عزل و
 نصب بھی رزیدنٹ کے ہاتھ میں تھا تو انھوں نے یہ تدبیر سوچی کہ جان برسٹو کی بلیا
 کرادی جائے اور آئندہ سوائے رزیدنٹ کے خود بھی گورنر جنرل سے سوال جواب
 کر سکے چنانچہ راجہ سندرام پنڈٹ کشمیری کے توسط سے جو حسن رضا خان کار فی تھا
 اور قبل اسکے محمد ایچ خان کی سرکار کا مختار تھا مارٹن صاحب سے موافقت ہو گئی
 یہ شخص فرانسیس تھا اور پہلے کپتان تھا شجاع الدولہ کے عہد میں میجر پھولپر کے ساتھ

محبت خان کی سفارش کی۔ اور وہ محبت خان کو اپنے ساتھ لکھنؤ میں لے آئے اور ان کا دراہہ دو ہزار روپے کا بدستور بحال کر دیا اور جب خود گورنر جنرل لکھنؤ آئے تو انھوں نے آصف الدولہ سے کہا کہ محبت خان کی تنخواہ آپ کے خزانے سے رزیدنی کے خزانے میں جایا کرے وہاں سے محبت خان کو مل جایا کرے گی اس وقت سے محبت خان کی تنخواہ لکھنؤ کے رزیدنٹ کی معرفت ملنے لگی اور حافظ صاحب گلخاندان کمپنی کے متوسلون میں مقرر ہو گیا۔ محبت خان انگریزوں کو اپنا حامی سمجھ کر رزیدنٹ کے دربار میں جایا کرتے اور نواب آصف الدولہ کے دربار میں بھی حاضر رہتے۔ نقشب سلیمان میں لکھا ہے کہ نواب محبت خان کا طریقہ شہر لکھنؤ میں نواب وزیر اودھ سے یہ رہا کہ آٹھویں دن جمعہ کے روز ملاقات کو جاتے تھے اور نواب زیر اودھ قظیم دیکر اپنے پاس بٹھاتے تھے اور بڑا کمر گفتگو کرتے تھے نواب محبت خان عیدین وغیرہ میں نجھا در کرتے تھے نذر کبھی نہیں دی۔ شادی وغنی وغیرہ میں نواب وزیر اودھ خود نواب محبت خان کے مکان پر آتے تھے یا اپنے ولی عہد کو برائے مشارکت بھیجتے تھے نواب سعادت علی خان کے ابتدائے عہد میں محبت خان کے بھائی ذوالفقار خان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا فاتحہ خوانی کے لیے نواب نے اپنے بڑے بیٹے غازی الدین حیدر کو بھیجا نواب حاد علی خان خود بھی ایک دو مرتبہ محبت خان کے مکان پر آئے مگر آخر زمانے میں کسی قدر شکرہ بنی واقع ہو کر ملاقات ترک رہی کیونکہ نواب کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنی لڑکیاں ہا سے لڑکوں کو دین اور ہماری لڑکیاں اپنے فرزندوں کے واسطے کریں محبت خان نے یہ بات نامنظور کی۔

تہنیکہ تاریخ مظفری سے مستفاد ہوتا ہے کہ سیدربگ خان چلتے کودودبار گئے

امیر مین صاحب کی قبر کھود کر اُس کی ہڈیاں جو باقی تھیں امن کو مفسدون نے
پاش پاش اور پریشان کر دیا تھا کہ بعد فروہ نے مفسدے کے کچھ ہڈیاں جو دستیاب
ہوئیں دوبارہ قبر میں رکھ لی گئیں۔

اس جگہ معترضہ کے بعد کہتا ہوں کہ جان برسٹو کے چلے جانے کے بعد جو رزیدنٹ
آٹا امیرالدولہ سے موافقت رکھتا اور نہ یہاں جتنا نہیں۔ جان برسٹو صاحب آخر ۱۸۹۷ء
ہجری میں دوبارہ لکھنؤ کی رزیدنسی پر آیا لیکن تھوڑے دنوں رہا اور اُسکی مہلت
زور کے ساتھ جم نہ سکی کیونکہ یہاں کی بنا مستحکم ہو گئی تھی۔

حافظ رحمت خان کے بیٹوں کے ساتھ سلطنت

کی بدسلوکی

جب ۱۸۷۷ء میں برسٹو صاحب معزول ہو کر ڈلٹن صاحب اُس کی جگہ لکھنؤ کا
رزیدنٹ مقرر ہوا تو پھر لکھنؤ کے اہلکاروں نے حافظ رحمت خان کے خاندان کی تحویلوں
دینے میں تاہل کیا محبت خان مجبور ہو کر کلکتے کو گیا اور گورنر جنرل سے استغاثہ کیا
طلسم ہند سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ سلطنت اودھ نے گورنر جنرل کو لکھ دیا تھا کہ
محبت خان سے ملاقات کرنی چاہیے اسلئے گورنر جنرل نے محبت خان سے ملاقات
نے کی مگر گل رحمت میں بیان کیا ہے کہ گورنر جنرل نے محبت خان کی بہت دلجوئی کی
اور پانچ ہزار روپے دعوت کے اور ایک گھوڑا محبت خان کو عنایت کیا اور وعدہ کیا
کہ میں آپ کے معاملے میں آصف الدولہ سے سفارش کروں گا چنانچہ جب امیرالدولہ
حیدر بیگ خان آصف الدولہ کے درسد کلکتے کو گئے تو گورنر جنرل نے ان سے نواب

یہ تمام کیفیت میرٹھالی میں لکھی ہے۔ حیدر بیگ خان اور کرنیل ہانی میں کچھ صحبت غما پیدا ہوئی اس لیے کرنیل ہانی کلکتے کو چلا گیا اور مرزا ابوطالب خان کا بھی کاروبار برہم ہوا ناچار یہ بھی شہداء میں کلکتے کو اس غرض سے چلا گیا کہ خود جا کر گورنر جنرل سے دادخواہ ہو۔ اگرچہ لارڈ کارن والس گورنر جنرل اُس سے نہایت تپاک سے پیش آئے۔ لیکن وہ اسکی کچھ مدد کر سکے کیونکہ بیچوسلطان کے خلاف فوج کے کمانڈر انچیف ہو کر مدراس جا رہے تھے۔ چار برس تک وہ سخت انتظار کی حالت میں کلکتے پڑا رہا کہ شاید اس کو وہاں سے کچھ نفع ہو جائے۔ جب ۹۲ء میں لارڈ کارن والس کلکتے واپس آئے تو اس کو گورنر جنرل کا سفارشی خط نواب اور ریزیڈنٹ لکھنؤ کے نام ملا جس میں لکھا تھا کہ مرزاے موصوف کو کوئی عمدہ عطا کر دیا جائے یہ خطوط لے کر مرزا ابوطالب خان لکھنؤ پہنچا نواب آصف الدولہ اُس سے براہم خسروانہ پیش آئے اور اُس کو یہ اُمید دلائی کہ کوئی معقول عمدہ دیا جائے گا لیکن بد قسمتی سے لارڈ کارن والس کے ہندوستان چھوڑتے ہی نواب کا سلوک برعکس ہو گیا اور بجائے اس کے کہ اُس کو حسب وعدہ کوئی عمدہ دیا جاتا اُس کو حکم دیا کہ لکھنؤ خالی کرے مجبوراً اُس کو پھر کلکتے آنا پڑا اس وقت سر جان شور گورنر جنرل تھے انہوں نے بھی اُس کی امداد کا وعدہ کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدے نے کبھی فخر ایفا حاصل نہ کیا اس مرتبہ پھر اُس کو تین سال متواتر سخت انتظار سے سابقہ پڑا اور آخر مایوسی نے پھر اُس کا دل ہی توڑ دیا بلکہ اُسکی صحت پر بھی بہت برا اثر کیا۔ شاید ان ہی وجوہ سے اُس نے ایک انگریز دوست کے ہمراہ انگلستان جانے کا قصد کیا۔ مرزا ابوطالب خان ۹۹ء میں روم انگلستان ہوا۔ عام خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے جو ہندوستانی

ایک بار وارن ہسٹنگ کے عہد میں ۹۸ھ ہجری میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۰۰ھ ہجری میں لارڈ کارن والس کے زمانے میں۔

نواب سعادت علی خان اور مرزا جنگلی ابنائے

شجاع الدولہ

نواب آصف الدولہ کی مسند نشینی سے چوتھے سال بین الدولہ سعادت علی خان لشکر مرزا نجف خان سے پھر کر لکھنؤ میں آئے اور کچھ دنوں سعادت گنج میں قیام کیا اور پھر شہر بنارس میں رہنے پر مجبور کیے گئے اور وہیں ان کے مصارف کے لیے روپیہ ریاست سے انگریزوں کی معرفت ماہ باہ پہنچتا تھا۔

بعد اسی کے مرزا جنگلی صاحب شجاع الدولہ کے بیٹے نجف خان کے لشکر میں چلے گئے ابھی زیادہ قیام نہ کیا تھا کہ مرزا نجف خان نے قضا کی مرزا جنگلی نے بھی وہاں سے مراجعت کی اور پھر کچھ دنوں کے بعد عظیم آباد کو چلے گئے۔

کرنیل ہانی کے اجائے سے علاقے کا کال لیا جانا

اور مرزا ابوطالب خان کا کچھ ذکر

کرنیل ہانی نے نواب وزیر سے بہت سا علاقہ اجارہ لے کر مرزا ابوطالب خان سپہ مجید بیگ خان کو وہاں کا کاروبار سپرد کیا۔ مختار الدولہ کے عہد تک مرزائی کے ساتھ بخوبی گزری۔ مختار الدولہ کے بعد حیدر بیگ خان نے مرزا ابوطالب خان کی تنخواہ کم پانسو روپیہ ماہوار پاتا تھا موقوف کی۔ اس وجہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا چنانچہ اس نے

غلام حسین خان بنگالے والے کے رفقاء تھے آئمہ اطہار سے بے حد محبت رکھتا تھا یہ روایت مشہور ہے کہ عشرہ محرم میں محمول تھا کہ عاشورے کو تمام مال و متاع و نقد و جنس اور عمارات اور زن و فرزند بلکہ اپنی ذات سمیت جناب سید الشہداء کے نام خیرات کر دیتا تھا اور پھر قرض اُدھار سے زر نقد بہم پہنچا کر مول لیتا تھا۔ غرض کہ جس جگہ اس نے عمارت کی بمثل رہا پہلے فیض آباد میں مامور ہوا وہاں چوری کا بہت زور و شور تھا وہاں حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص شب کو اپنے گھر کا دروازہ بند نہ کرے خدا نخواستہ اگر کوئی صورت نقصان کی ظہور میں آئے تو سرکار اُس کو عوض نقصان دے گی اور جو کوئی چوری کی علت میں گرفتار ہوتا ہو اس کو قتل کر دیتا اور ہاتھ کاٹ ڈالتا تو ایک بات تھی اس سبب سے چورون کا نام باقی نہ رہا اور جس جگہ تھوڑے دنوں کے لیے جاتا تو نام بارہ اور مسجد کی پہلے نیو ڈالتا تھا اور اپنی قبر بنواتا تھا اور کہتا تھا کہ آخر ایک دن جہان سے اٹھنا ہے اور جبکہ نواب آصف الدولہ نے آستانہ نجف اشرف کی درستی کے لیے پانچ لاکھ روپے اور سرفراز الدولہ نے دو لاکھ روپے حاجی محمد کی معرفت بھیجے تھے تو خواجہ صاحب نے بھی اپنی مقدت کے موجب ایک معقول رقم بھیج کر تعمیر میں شرکت کی تھی اور ہمیشہ چرمی تسمہ زیب کمر اور لباس شجر فی دربر رہتا تھا اور جب حکام کو عرضی لکھتا تھا تو اول یہ عبارت لکھ دیتا تھا ”انا برحق موجود بے شک“ اس فقرے کے بعد قلم جانب مطلب اٹھاتا تھا اور غریبوں کو اُس کے لنگر خانے سے کھانا اور جاڑون میں لباس سرائی ملتا تھا اُس کے انتقال کے بعد اسکا بیٹا ابراہیم علیخان بریلی میں چند مدت عہدہ دیوبانی پرماتر رہا پھر انگریزی تحصیلداری پر نوکر ہوا۔

آدمی انگلستان گیا ہے وہ راجہ رام موہن راے تھے۔ یہ سن کر لوگوں کو تعجب ہو گا کہ راجہ موصوف کے جانے سے پہلے مرزا ابوطالب خان ولایت پہونچ چکا ہے انگلستان میں وہ ایرانی شاہزادہ مشہور تھا اُس نے چار سال سفر میں صرف کیے اور اس عرصے میں تینوں براعظم یعنی ایشیا افریقہ اور یورپ دیکھ لیے جب وہ کلکتے میں واپس آیا تو اُس نے اپنے روزناموں سے سفر نامہ مرتب کیا اور نام اُس کا میر طالبی رکھا جس کو مسٹر چارلس سٹوارٹ پروفیسر زبان ایشیائی نے انگریزی میں ترجمہ کر کے سلسلہء میں انگلستان میں چھپوایا تھا ہندوستان میں آکر وہ ہندو لکھنڈ کے ایک ضلع میں کلکٹر مقرر کر دیا گیا اور اسی عہدے پر سلسلہء بھری مطابق سلسلہء میں اُس نے انتقال کیا چونکہ وہ پس ماندگان کے لیے کوئی کافی ذریعہ اوقات بسر نہیں چھوڑ گیا تھا اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُس کی بیوہ اور بچوں کی نشن مقرر کر دی۔

اسمعیل بیگ خان شورہ والا

اُسی زمانے میں اسمعیل بیگ خان شورہ والا کے لیے جو حیدر بیگ خان کاساگی ہوا تھا سوبہ الہ آباد کی حکومت قرار پائی چنانچہ اُس نے وہاں پہونچ کر مطا لبہ باقیات میں اکثر زمینداروں کی اراضی و ملاک مول لیکر صاحب دولت بن گیا۔ مگر دولت حیات سے ہاتھ اٹھایا۔ اُسکا بیٹا زین العابدین خان چند مدت پرمٹ بریلی میں سرکار انگریزی کا نوکر رہا آخر بیکاری کی حالت میں لکھنؤ میں قضا کی۔

خواجہ عین الدین انصاری صوبہ دار بریلی

دوسرے پس خواجہ عین الدین انصاری عملداری صوبہ بریلی پر مقرر ہوا شخص

ہوا اور راجہ کا خطاب ملا۔

(۳) جلوس آصفی سے آٹھویں سال لکھنؤ میں محکمہ عدالت قائم ہوا مفتی غلام حشر اور قاضی غلام مصطفیٰ سے فتوے مسائل شرعیہ و احکامات عدالت متعلق تھے مگر کھجوا نی سنگھ اردلی کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ اُس کی مداخلت کی وجہ سے مقدمات عدالت ضعف پذیر رہے اس لیے عدالت کی انفری سید محمد نصیر برادر عم زاد مختار الدولہ سے نامزد ہوئی اور مولوی محمد امین فتوے کے واسطے مقرر تھے اُن کی تنخواہیں سرکار سے مقرر تھیں لیکن علمہ عدالت کی تنخواہ تساہل کے ساتھ ملتی تھی راجہ ٹکیٹ راس مدار المہام دیوانی چونکہ مفتی غلام حضرت پر مہربانی رکھتا تھا اس واسطے سید محمد نصیر برداشتہ خاطر ہو کر بنارس کو چلے گئے اور غلام حضرت کا طوطی بولا۔

(۴) اکیبار غلام قادر خان بن نواب ضابطہ خان خاں نجیب الدولہ اپنے باپ سے روٹھ کر لکھنؤ میں آئے نواب آصف الدولہ نے جہاں دربار بالگی بخشی اور نواب ضابطہ خان سے اُنکی سفارش کی اس وجہ سے پھر اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

نواب آصف الدولہ اور اُنکے اہلکاروں کے مصارف

نواب آصف الدولہ ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ ہولی اور بنسنت وغیرہ کے جشن اور دوسرے لائبابی مصارف میں خرچ کرتے تھے اور ہر سال جو شکار کے لیے کوچ درپیش ہوتا تھا تو کارپردازوں پر اس قدر سختی روپے کی طلبی میں فرماتے تھے کہ حید بیگ خان اور راجہ ٹکیٹ راس کا دم ضیق میں پڑتا تھا اسی وقت حاضر کرتے تھے اس کے سوا نواب وزیر کے مزاج میں یہ بات بھی تھی کہ جو تاجر کوئی عمدہ شے لاتا تھا بلا تکلف خرید لیتے

جرنیل کوٹ کمانڈر انچیف کی لکھنؤ میں آمد

اقبال الدولہ کی خرابی

جرنیل کوٹ کمانڈر انچیف کلکتے سے لکھنؤ میں آیا نواب وزیر نے الہ آباد تک استقبال کیا اور کمال طمطراق کے ساتھ شہر لکھنؤ میں لائے بزم ضیافت آراستہ کی اُن دنوں سرکار کمپنی کو دکن میں حیدر نایک سے جس کا دار السلطنت سرنگاپن تھا سخت جنگ درپیش تھی جرنیل صاحب نے نواب وزیر سے زر نقد اور فوج کے ساتھ مدد کرنے کی درخواست کی چنانچہ امر لے لکھنؤ اور جملہ جاگیر داروں پر کئی لاکھ روپے کا چندہ قرار پایا مگر ہر ایک کو اس بات میں اغماض تھا اقبال الدولہ پسر مختار الدولہ نے پیش قدمی کی اور ساٹھ ہزار روپیہ دیا تو چندے کا راستہ طوعاً و کرہاً جاری ہوا حیدر بیگ خان اور سرفراز الدولہ کو اقبال الدولہ کا یہ معاملہ خوش نہ آیا اس لیے اُنکی جاگیر قرق کی اور تین ہزار روپیہ جو اُنکا درما بہ تھا موقوف کیا۔

متفرق واقعات

(۱) آصف الدولہ کے جلوس سے ساتویں برس راجہ بلجھدر سنگھ ناظم اور حیدر بیگ خان سے فرقی تنخواہ کی علت میں مقابلہ پیش آیا بندلیوں نے اسکی مدد کی آخر کار فوج انگریزی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

(۲) اور اسی سال پھر لاج متوطن بنارس شہر بنارس سے کسی فتنہ انگیزی کے باعث کہ خوف سیاست دامنگیر تھا بھاگ کر آیا پڑ چند خزاہی کے عزل کے بعد خزاہی مقرر

بڑھتا جاتا تھا آصف الدولہ خود تو رات دن عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے
 ان کے اہلکار رشوت اور تغلب میں مصروف تھے اس سبب سے سارے ملک میں
 اندھیر تھا۔ زمیندار سرکش تھے رعایا افلاس اور تباہی کی حالت میں ڈوبی ہوئی تھی
 جب تک نواب کا تعلق انگریزوں سے نہ ہوا تھا تو کروڑ روپے کی آمدنی ان کے ملک
 کی تھی ششہ میں آمدنی اس سے آدھی بھی نہ ہوئی اور آگے سالوں میں اور بھی زیادہ
 خاک اڑی فیض آباد میں جو عہد وہیلون کی لڑائی کے بعد نواب سے ہوئے
 تھے جس عہد نامے پر شروع ششہ میں آصف الدولہ نے دستخط کیے تھے اس میں
 یہ ٹھہرا تھا کہ سرکار کمپنی کی سپاہ کا ایک برگیڈاد وہ میں رہے گا اور اس کا خرچ
 نواب کے فٹے ہوئے گاؤرٹ ڈائرکٹر نے بھی اس امر کو منظور کر لیا تھا کہ اگر نواب کی مرضی
 ایسی ہو تو ایک برگیڈو بان رہا کرے غرض اس سپاہ کا رہنا جبراً و قہراً نواب کے فٹے
 نہیں لگایا گیا تھا ان کی مرضی پر موقوف تھا ششہ میں ایک اور برگیڈو انگریزی
 سپاہ کا جس میں انگریزی افسر حکمران اور چھ پٹنیں پیادوں کی اور ایک توپخانہ
 اور ایک حصہ سواروں کا شامل تھا چند روز کے لیے اور بڑھایا گیا۔ اور فتح گڑھ
 میں تعینات ہوا کیونکہ نواب کو خوف اس پاس کے حملوں کا تھا اور نواب کی بہت سی
 سپاہ انگریزی افسروں کے ماتحت ہوئی اس جدید برگیڈ کے خرچے کے واسطے کوئی مقدار
 معین نہیں ہوئی اور مختلف اوقات میں تھوڑی تھوڑی سپاہ ضرورتوں کے وقت
 بلانی گئی ششہ میں برگیڈ چند روزہ کا خرچ آٹھ لاکھ روپیہ اور نواب کی سپاہ
 میں افسروں کا خرچ چار لاکھ روپیہ تخمینے سے زیادہ ہوا یہ تو سپاہ کے خرچ کا حال
 تھا اب دوسرا خرچ رزٹرنٹ اور اس کے عملے کا تھا اب اس پر گورنر جنرل کے ایک

تھے خصوصاً انگریزی سودا گردن کا مال ایک روپے سے لاکھ روپے تک مول لینے میں
 دریغ نہ تھا۔ مارٹن صاحب فرانسسی جو میجر پھولیر صاحب کے مصاحبوں سے تھا اُسے
 لاکھوں روپیہ نواب وزیر کی بدولت تجارت میں پیدا کیا یہ کیفیت نواب وزیر کے
 مصارف کی تھی حیدر بیگ خان جو سر فراز الدولہ حسن رضا خان کے نائب تھے بلکے
 سے بڑھکر اقتدار رکھتے تھے اُنکے مصارف پچیس لاکھ روپے سالانہ سے کم نہ تھے
 گوٹہ کناری عطر اور پھل لاکھوں روپے کا اُنکے محل میں صرف ہوتا تھا اور راجہ کیٹے
 کے مصارف اور بھی زیادہ تھے انھوں نے بڑی بڑی عمارتیں اور متعدد باغات اور اکثر
 کمرے اور بہت سے پل اور معاہدے بنوائے جو آج تک اُن سے یادگار ہیں اور الماس علیخان
 جو ہمیشہ مستاجر ہی کرتے رہے اُنکے مصارف اور بھی بڑھے تھے وکیل اور متصدی
 ان حضرات کے اپنے گھروں میں بادشاہ وقت تھے ایک ایک نے لاکھوں روپے کی عمارت
 بنوائی غرض ان مصارف نے حیدر بیگ خان کو دریائے فکر میں ڈبو دیا تھا۔ آخر کار
 سپاہ پر کمی کا قلم پھرا قدیمی رسالہ دار موقوف ہوئے۔

نواب وزیر کا انگریزی سپاہ اور ملازموں کے مصارف
 کی زیر پاریسی سے گھبرا جانا اور اُن کا وارن ہسٹنگز
 سے ان مصارف کے بارے سے سبکدوش کر دینے کے لیے

التجا کرنا اور نیا عہد نامہ منعقد ہونا

مولوی ذکا الدین صاحب تاریخ ہندوستان میں کہتے ہیں کہ جو کچھ نواب آصف الدولہ
 کو سرکارِ کمپنی کا روپیہ ادا کرنا چاہیے تھا وہ اُن سے ادا نہ ہو سکتا تھا روز بروز قرض

ضرور تھا کہ اُس کا فیصلہ فریقین آپس میں لکر کر لیتے لیکن فریقین میں اختلاف تھا۔ اس لیے زبردست فریق کے ہاتھ میں اختیار تھا جو چاہے فیصلہ کرے۔ مگر بعض کے نزدیک یہ ہسٹنگز صاحب کی ہٹ دھرمی تھی عہد نامے میں اور کورٹ ڈائرکٹرز کے احکام میں صاف لکھا ہوا تھا کہ نواب کو سپاہ اپنی مرضی کے موافق رکھنے کا اختیار ہے جس کے معنی صاف ہیں کہ جب چاہیں رکھیں جب چاہیں نہ رکھیں مگر اس وقت گورنر جنرل کو اور مشکلات درپیش تھیں کہ انگریزی سپاہ کو وہ اودھ سے بلا لیتے تو ملک میں اندھیر مچ جاتا۔ میدان خالی دیکھ کر اس پاس کے دشمن اودھ پر چل پڑتے خصوصاً مرہٹے اس تاک میں بیٹھے ہوئے تھے وہ ضرور ملک پر چڑھائی کرتے اور پامال کر ڈالتے اور سرکار کمپنی کا فرضہ نواب سے کیسے وصول ہوتا وہ سارا مارا جاتا مرہٹوں سے ڈانڈا ملتا۔ سرحد کی حفاظت میں اور ان سے لڑنے میں سرکار کا اور روپیہ خرچ ہوتا اب بھی سرکار کمپنی دوالے میں تھی پھر معلوم نہیں کیا ہوتا۔ حفاظت خود اختیار سی کا قانون انصاف کے قانون پر غالب تھا۔ نواب اودھ حقیقت میں سرکار کمپنی کے تابعین سے تھا بغیر اُس کی حفاظت و حمایت کے وہ ایک روز نوابی نہیں کر سکتا تھا۔ ہسٹنگز نے جیسے کوئی اپنے تابعین کو حکم دیتا ہے نواب کو لکھا کہ اُن کو سپاہ رکھنی پڑے گی جو استحقاق آقا کو ملازم پر حاصل ہوتا ہے سرکار کو نواب پر اور اُس کے ملک پر یہ حق حاصل تھا۔ گورنر جنرل سے جب اس بات کی دلیل ولایت میں پوچھی گئی کہ اُس نے ایسا کیوں کیا تو اُس نے کہا کہ عہد نامے کی عبارت پہلو دار تھی اُسکے معنی مشتبہ تھے اس لیے زبردست کو اختیار تھا کہ جو معنی چاہتا وہ عبارت مشتبہ کے مقرر کرتا مگر یہ جواب ہٹ دھرمی پر فریب اور دھوکے کا ردغن چڑھانا

اور ایجنٹ کا خرچ زیادہ ہوا اس کے علاوہ ملازمان سرکار کمپنی کے تحفہ تحائف
پنشن وغیرہ کا جدا صرف تھا۔ ششہء مین نواب نے گورنر جنرل سے اس کمپو کے
خرچ سے سبکدوشی پانے کی التجا کی اور کہا کہ مین اس کے بار کے تلے وکمر مرا جاتا ہوں
اور تین برس میں سارے میرے ملک کی آمدنی کھا گیا اب میرے گھر کے آدمیوں کو بھی
کھانے کو کچھ نہیں بچتا۔ شجاع الدولہ کی اولاد کو جو چھائی تختواہ ملتی ہے ان ضرورتوں
کے سبب سے ملک کا خراج بڑھانا پڑا اس سے اس کی تحصیل میں اور بھی زیادہ خسارہ
آگیا زمیندار اور کاشتکار بھاگ بھاگ کر چلے گئے سپاہی اور پڑانے شریف اور
نجیب زادے حیران ہو کر ملک چھوڑے چلے جاتے ہیں کچھ تھوڑی سی سپاہ میرے پاس
رہ گئی ہے جو ملک سے خراج وصول کرتی ہے سب کے گھر میں فانی کا گھر رہتا ہے
بڑی مشکل سے گزارہ ہوتا ہے یہ خرچ اس سپاہ کا مجھ سے نہیں اٹھ سکتا۔ سپاہ کام کی
نہیں اس کے افسر ایسے سرکش اور متمرّد ہیں کہ وہ ملک کا اپنے تئیں مالک سمجھتے ہیں
ملک کا محصول نہیں وصول ہونے دیتے اور سارے میرے ملکی معاملات کو درہم برہم
کر دیا ہے کب تک میرے گلے پر چھری رہے گی۔ گورنر جنرل کب ایسی سُننے تھے انھوں
نے خفا ہو کر لکھا کہ نواب نے خود ہی اپنے ملک کی حفاظت کے واسطے انگریزی سپاہ کو
بلایا ہے اُسکے سارے خچ اٹھانا ان کے فتنے واجب ہے اُسکے بلا لینے یا لکھٹانے کا اختیار
ہم کو ہے۔ ہم جب چاہیں ایسا کریں نواب کو اپنے عہد کے موافق تختواہ دینی چاہیے
خواہ اس میں ملک کی آمدنی ان کی سپاہ کو بھوکا مارے یا اس کو موقوف کر دیں
یہ ان کا اپنا قصور ہے کیون عیاشی اور بدکاری میں پھنسے رہتے ہیں جس سے ملک کا
یہ حال ہو گیا ہے۔ عہد نامے میں تو میعاد سپاہ کے رہنے کی متعین نہیں تھی اس لیے

جو مجکو دینا چاہیے اُس کے ادا کرنے کی مجھ میں استطاعت نہیں میری والدہ اور داوی نے جو خزانہ لے لیا ہے اُس کو چھین لینے کی مجکو پُروائی ہو۔ چنانچہ دوسری شرط یہ قرار پائی کہ نواب کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے ملک میں جسکی چاہیں جاگیر ضبط کر لیں مگر جس جاگیر دار کی سرکار کمپنی دستگیری کرے اُس کی پنشن نقد موافق محاصل جاگیر کے نواب ریزیڈنٹ کی معرفت دین اس عہد نامے پر چوتھی شرط یہ تھی کہ کوئی ریزیڈنٹ فرخ آباد میں مقرر نہ ہو۔

قولنامہ جو وزیر نے گورنر جنرل سے کیا

چونکہ میری درخواستیں بلا کمی و تامل کے منظور ہوئیں میں اب مکرر وہ درخواست گزارش کرتا ہوں کہ میں نے زبانی عرض کیا تھا اور امید ہے کہ آپ میرے تمام مفروضات پر لحاظ فرمائیں گے اور یقین ہے کہ اُن کی منظوری بلا تامل فرمائی جائے گی کیونکہ اُن میں صرف آپ کی مہربانی درکار ہے اور کمپنی کو کچھ تعلق اُن سے نہیں ہے صرف اس قدر کہ جو روپیہ منجھ سے لینا ہے وہ کمپنی کو دیا جائے میں اس واسطے عرض کرتا ہوں کہ جو تعداد نفری سہ ہندی اور دوسری فوج کی کثرت سے ہو گئی ہے وہ کم کی جائے اور ایک حد مقرر ہو جائے اور اُن کی تنخواہ آمدنی پر نہ دلائی جائے بلکہ خزانے سے نقد ملا کرے اور اُس کی تعداد نفری اُسی قدر ہو جس قدر روپیہ خزانے سے مل سکتا ہو مگر چونکہ یہ امر بہت مشکل ہو گا جب تک کہ میرے خانگی اور علاقے کے اخراجات جُدا نہ ہوں میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ مجکو کچھ روپیہ مقرر ہو کر اخراجات خانگی کے واسطے

تھا عہد نامے میں کوئی عبارت مشتبہ نہ تھی۔ سو اس کے گورنر جنرل نے یہ کہا کہ نواب نے جو یہ درخواست دی تھی کچھ اپنی ضرورتوں کی وجہ سے نہیں دی بلکہ ان کے صلاح کاروں اور مشیروں کو یہ معلوم ہوا تھا کہ سرکار کمپنی کے ممبران کو نسل میں طوفان نفاق برپا ہے اُس میں وہ خود غارت ہوا چاہتی ہے۔ اس لیے نواب کو ایسی درخواست پر مبادرت ہوئی اس لیے میں نے اُس کا جواب ایسا سخت دیا تھا اگر اُس کا یہ سبب نہ ہوتا تو میں کچھ بات نواب کی مان لیتا۔ اب سرکار کمپنی کا قرض نواب کے لئے عین ایک کروڑ چالیس لاکھ روپیہ ہو گیا۔ سپریم کورٹ نے تقاضے پر تقاضا شروع کیا نواب نے عذر پر عذر کرنے شروع کیے کہ ملک میں میرے جان نہیں بیکر پاس کھانے کو بھی نہیں اس پر گورنر جنرل نے یہ ارادہ کیا کہ لکھنؤ کو خود جائے اور نصف الدولہ سے رو برو گفتگو کیجیے مگر نواب نے کچھ چینی چپڑی باتیں بنا کے اُن کو اپنے ارادے سے باز رکھا اور خود ہی تھوڑے سے مصاحبوں کے ساتھ گورنر جنرل کے پاس چنا کر گھر کے قلعہ میں آگئے ظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اس ملاقات کا انجام بخیر ہو گا کیونکہ نواب تو یہ چاہتے تھے کہ بریگیڈ چند روزہ اور ریڈنٹ اور انکی سپاہ کے انگریز افسروں کا اور بہت سے اخراجات کا بوجھ اُن کی گردن سے اُٹھ جائے اور مسٹر صاحب کو روپیہ لینا منظور تھا مگر اتفاق ہے ان باتوں پر اتفاق ہو گیا اور گورنر جنرل نے مان لیا کہ سو اُس بریگیڈ کے جس کا خرچ شجاع الدولہ کے زمانے میں بھی لیا گیا تھا اور جبکی تنخواہ دو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ مہوار تھی اور اُس ایک پٹن کے جو ریڈنٹ کی حفاظت کرتے اور جبکی تنخواہ پچیس ہزار روپیہ مہوار قرار پائی ہے باقی تمام سپاہ کے خرچ نواب کے ذمے سے اُٹھالیے گئے آصف الدولہ نے گورنر جنرل سے کہا کہ کمپنی کا روپیہ

بندوبست انھوں نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا تھا اور آپ ہی اس کا کل روپیہ وصول کرتی تھیں اس کے سوا شجاع الدولہ نے خزانہ کشمیر جمع کیا تھا جس کا تخمینہ تین کروڑ روپیہ تھا وہ بھی انھیں کے قبضے میں تھا یہ دونوں ساس بہوین فیض آباد میں بڑے عمدہ محلوں میں رہا کرتی تھیں اور آصف الدولہ لکھنؤ میں رہتے تھے کوہن کے کنارے پر انھوں نے عمارتیں تعمیر کرائی تھیں چونکہ اس وقت سرکار کمپنی کو بہت سے اخراجات درپیش تھے اس لیے ہسٹنگز صاحب کو یہ سوچھی کہ ان بیگم کی دولت کو اسی طرح لینا چاہیے۔ انگریزوں کو دولت اپنے اخراجات ضروری کے لیے چاہیے تھی نواب کو اپنے کلچرے اڑانے کے لیے درکار تھی غرض ان دونوں بھلے مانسوں کے آپس میں قول و قسم ٹھہر گئے کہ ہسٹنگز صاحب تو نواب کو فوج اور افسران ملکی کے بار خراج سے شکر و شکر دین اور نواب ان دونوں عورتوں سے دولت لے کر اپنا قرضہ سرکار کمپنی کا چکا دین۔ نواب کو بحیثیت نوابی ان بیگم کی جاگیر پر اپنا اختیار تھا اور ان کی دولت کے وہ وارث موافق شرع کے تھے بیٹے کے ہوتے مان کا حق اٹھوین حصے کا ہوتا ہے اور مان کے ہوتے وادی کا کچھ حق نہیں ہوتا نواب آصف الدولہ کی غفلت یا بے پروائی یا فیاضی تھی کہ ان کی مان اور دادی یہ خزانہ دبا بیٹھی تھیں آصف الدولہ نے مان کو بہت تنگ کر کے بہت سارے روپیہ تولے کر لیا دیا تھا مسئلہ میں کہ شجاع الدولہ کو مرے ہوئے بہت دن نہیں گزرے تھے ان کی بیوی نے نورمنٹ انگریزی کو یہ شکایت لکھی تھی کہ میں اپنے بیٹے کے ہاتھ سے تنگ ہوں اب دفعہ نو ۲۰ لاکھ روپے مجھ سے اس بہانے سے لے چکے ہیں کہ سرکار کمپنی کا روپیہ دینا نہایت ضروری ہے اب دوبارہ بیس لاکھ روپیہ مانگتا ہے کہ سرکار کو عہد و پیمان کے موافق

ملا کرے اور باقی آمدنی خزانہ عامرہ میں رکھی جایا کرے اور صاحب رزیدنٹ بہادر
 اُس کا ملاحظہ کر لیا کریں اور اُس میں سے اخراجات سپاہ و دفاتر ہوا کریں اس
 صلاح سے مراد یہ نہیں ہے کہ سالانہ ادائے سرکار کمپنی میں تغلل واقع ہو بلکہ وہ
 یعنی ادائے قرضہ سابق و مطالبہ حال کمپنی ہر سال بعد از مختلف دیا جائیگا۔
 گورنر جنرل نے جو نواب کے ساتھ اس قدر رعایت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ
 نواب نے اُن کو دس لاکھ روپے بطور نذر کے دیے تھے نقد روپیہ تو نواب کے پاس
 تھا نہیں کیونکہ وہ اس وقت میں قرضدار تھے۔ دس لاکھ روپے کی ہنڈی ایک بڑے
 مہاجن کے نام تھی گورنر جنرل نے اپنی چٹھی مورخہ ۲۰ جنوری ۱۸۵۶ء کے ذریعہ سے
 کورٹ ڈائریکٹرز کو اس رقم کی اطلاع کر دی اور لکھا کہ یہ روپیہ مجھے میرے حسن خدات
 کے جلد میں مل جائے مگر کورٹ ڈائریکٹرز نے اس عطا کیے دینے میں غل کیا اور صاف
 انکار کر دیا۔

عہد نامہ چنار گڑھ کی دوسری سر شرط کے

مضمون پر بحث

اس عہد نامے کو دیکھ کر کہ نواب اپنے ملک میں جسکی چاہیں جائیر ضبط کر لیں تم کو
 تعجب ہوگا کہ اس میں ظاہر کوئی نفع انگریزوں کا نظر نہیں آتا۔ مگر اس میں بڑا فائدہ
 نقاب میں منہ چھپائے ہوئے تھا اب آشکارا ہوتا ہے آصف الدولہ کی دادی اور مان
 دو بڑی بوڑھی بیگمیں تھیں شجاع الدولہ کے وقت میں اُن کا بڑا دور دورہ رہتا تھا
 اور اُن کے مرنے کے بعد بھی بہت بڑی جائیر پر قابض تھیں اس جائیر کا اہتمام اور

کے رفیق بے دریغ خرچ کرتے تھے نواب کا خزانہ خالی تھا اس لیے گورنر جنرل کی نظر میں یہ بات ہو تو ہو کہ یہ روپیہ نواب کے ہاتھ لگ جائے تو سرکار کمپنی کا زر مقرر وصول ہو جائے مگر حق یہ ہے کہ بانی مہانی اس فساد کے حیدر بیگ خان تھے۔

اس کا کچا چٹھا شیخ محمد فیض بخش ساکن کاکوری نے اپنی فارسی کی تاریخ فرج بخش نام میں لکھا ہے۔ یہ شخص چھ سال کامل شجاع الدولہ کے عہد میں ۱۲۳۰ھ ہجری سے مان کے حالات دیکھ چکے ہیں بعد ان کے آصف الدولہ کی مان کے خواجہ سرے مقرب بواہر علی خان کے ساتھ نہایت عزت و تقرب کے ساتھ سات برس تک رہا ہے جو اہر علیخان کے مرنے کے بعد نواب ناظر محمد داراب علی خان خواجہ سرکا ناظر رہا اور یہ عرصہ میں سال کا تھا تمام حالات مفصل اور چشم دید لکھے ہیں کیونکہ ان میں وہ خود بھی شریک رہے ہیں اُس نے وہ باتیں بے مبالغہ لکھی ہیں جو خود سُنی اور آنکھ سے دیکھی ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۳۰ھ ہجری میں ختم کی ہے اور یہ مکمل تاریخ فیض آباد کے ان واقعات کی ہے جو آصف الدولہ کی مان اور دادی اور اُن کے نامی نامی ملازمین میں واقع ہوئے۔

الماس علی خان کا حیدر بیگ خان کے وجہی مطا بے

سے برا فروختہ ہو کر اُن کی معزولی پر آصف الدولہ کو آناؤ

کرنا اور نواب کی مان کا بھی اس مشوئے میں شریک ہو جانا

جب حیدر بیگ خان کو استقلال کامل حاصل ہو گیا تو اب انھوں نے جو ہر طبعی دکھانا شروع کیے سب سے اول الماس علی خان پر ہاتھ ڈالنا چاہا یہ شخص ایک کرپڑ دہنے کا سنا جرتھا فرج ساتھ رکھتا تھا کسی سے دہتا تھا نہیں دستور اس کا یہ تھا کہ آصف الدولہ

دینا ناگزیر ہے اگر وہ نہ ادا کیا جائے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا اس پر انگریزوں نے بیچ میں پڑ کر ایک عہد موثق بیگم کے ساتھ کیا کہ اب آئندہ آصف الدولہ ان کو روپے کے لیے نہیں حق کرینگے اور وہ اپنی جاگیر و مال پر قابض رہینگی اور ان کو اختیار ہے کہ جہاں چاہیں وہاں رہیں بالفعل یہ تیس لاکھ روپے دیدیں۔ مگر اب زمانہ بدل گیا خود ضامن و محافظ کو روپے کی ضرورت تھی جس نے ضمانت دی تھی اس کو کچھ شرم و لحاظ اس کا نہ تھا کہ وہ آصف الدولہ سے وہ بدحرکتیں کر لے جنکو کرتے ہوئے وہ جھجکتے تھے۔ اب ضرور تھا کہ ان بیگم کی جاگیر و مال و دولت ضبط کرنے کے واسطے کوئی وجہ بھی نکالنی چاہیے اور وجہ بھی ایسی ہو کہ جو رسم و رواج اور دین و ایمان اور آئین و انصاف کے موافق اور آذیت و انسانیت کے مطابق ہو اور ادب و فرزند کی بھی خلاف نہ ہو ان کا ادب اور پاس عزت تو وحشیوں میں بھی ہوتا ہے اسلیے سوچتے سوچتے یہ سوچھی کہ چیت سنگھ زمیندار بنارس کی بغاوت کا الزام لگائے کہ انھوں نے چیت سنگھ کی اعانت کی اور اس کو فوج بھی بھیجی اور روپیہ بھی بھیجا۔

انگریزی مورخ اور مترجم جو اصل کار سے واقف نہیں ہیں وہ آصف الدولہ کی بدسلوکی کے اپنی مان کے ساتھ تمام الزام کو دارن ہیسٹنگز کے سرعقوبتے ہیں اور عہد نامہ چار گڑھ کی اس دوسری محفل شرط سے کہ نواب کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے ملک میں جسکی چاہیں جاگیر ضبط کر لیں یہ سمجھتے ہیں کہ گورنر جنرل نے ان کی مان کی جاگیر کے ضبط کرنے کی اجازت دی ہے اگرچہ گورنر جنرل کو نواب سے کہنی کا قرضہ وصول کرنے کی فکر تھی اور روپیہ ان کی مان کے پاس بہت تھا جس کو بے کار مصارف میں نہ وران

اپنے پاس رکھتا ہے باقی نصف کو بھی سنبھال لیگا اور پیر و مرشد کے اقبال سے تمام مالی حالت کا انجام اچھی طرح ہوتا ہے گا نواب سادہ مزاج نے بلاتل اس بات کو قبول کر لیا اسکے بعد الماس علیخان نے عرض کیا کہ شاید خاطر اشراف سے یہ بات اتر گئی ہے کہ نواب مختار الدولہ کے مرنے کے بعد گورنر جنرل اور پیر و مرشد کے درمیان یہ بات قرار پائی تھی کہ اگر نواب کا تغیر و تبدل منظور ہو تو باہمی استصواب و اطلاع کے بدون صورت پذیر نہ ہو پس اول کلکتے کو خبر بھیجا اور اس طرف کی رائے بھی سرائے کلکتہ کو لکھوائی اگر جناب عالیہ متعالیہ (والدہ آصف الدولہ) بھی گورنر جنرل کو اس معاملے میں اشارہ فرمادینگی تو اور زیادہ استحکام کی صورت ہو جائے گی آصف الدولہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اس مشورے کے بعد الماس علی خان اٹھنے کو چلا گیا اور ایک ماہ کے بعد آصف الدولہ اور سالار جنگ ان کے سامون یہ دونوں فیض آباد تشریف لے گئے اور جو کچھ الماس علی خان نے سمجھایا تھا وہ تمام باتیں جناب عالیہ سے ظاہر کیں اور سب کے مشورے سے بہار علی خان خواجہ سرا کا گورنر جنرل کے پاس کلکتے کو بھیجا جانا قرار پایا۔

بہار علی خان خواجہ سرا کی صدر یعنی کلکتہ کو گورنر جنرل کے پاس آصف الدولہ کی ان کی طرف سے سفیر بن کر حیدر بیگ خان کی معزولی کی اجازت حاصل کرنے کیلئے روانگی اور اس مقصد کے حصول میں ناکام میا بی۔

بیگم اور ان کے مشیروں نے اخلاص راز میں بہت کوشش کی اور بہار علیخان کو

اور ان کے اہلکاروں کی بے خبری کی وجہ سے کبھی یہ حیلہ کھڑا کرتا کہ ابکی سال سکھوں کی فوج نے یورش کر کے ملک کو تباہ کر دیا ہے کبھی یہ کہہ دیتا کہ برٹ اور پالے نے فلان وقت ملک کے کھیتوں کو ہکا بڑا کر دیا ہے اور جس قدر چاہتا جمع سرکاری مین سے کمی کر دیتا اور ریاست میں اتنی توفیق کسی کو نہ ہوتی کہ تحقیقات کر کے حیدر بیگ خان کی نیابت کے زلمے میں بھی تین سال تک یہی دہرایا کرتا تھا۔ ۹۵ھ ہجری میں حیدر بیگ خان نے دلائل صحیح اور براہین قاطع بیان کر کے الماس علی خان کو ساکت کیا اور سات لاکھ روپے کا اٹس سے مواخذہ کیا الماس علی خان سے سولے اداے زبرد کور کے کوئی جواب نہ بن سکا اور نہایت پھیپا بکھا کر غیظ و غصے سے آپے میں نہا اور نواب سالار جنگ کے قدموں پر دستار استغاثہ ڈال کر ان سے حیدر بیگ خان کی معزولی کے باب میں مشورہ طلب ہوا۔! وجودیکہ پہلے حیدر بیگ خان کی خود ہی تعریف و تحریک کی تھی چند روز کے بعد نواب اکھف الدولہ کو دعوت کے حیلے سے سالار جنگ کی حویلی میں بلوا کر ان سے خلوت میں عرض کیا کہ میں غلام موروثی ہوں جس قدر مال و اسباب میں نے حاصل کیا ہے وہ سب جناب کے لیے تحویل و امانت کے طور پر اپنے پاس جمع رکھا ہے یہ حیدر بیگ کا بی الاصل ہے اور چونکہ اس کا بڑا بھائی نواب شجاع الدولہ کے ہاتھ سے مارا گیا ہے اس لیے نہایت عداوت اس دولتماندے سے رکھتا ہے اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا نقشہ جمائے گا کہ جس کا مٹانا بڑی بڑی تدابیر کے ساتھ امکان سے باہر ہو گا صلاح و دولت یہ ہے کہ اس منصب عالی اور عمدہ جلیل القدر کو حیدر بیگ خان سے نکال کر نواب سالار جنگ کے سپرد فرمایا جائے وہ بندگان عالی کے حقیقی ناموں اور نام باپ سے زیادہ خیر خواہ ہیں خانہ زاد نصف ملک کے قریب

بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی قیمتی موتی جس کا ہر ایک دانہ ہزار روپے سے کمکانہ ہوگا
 بڑے پہاڑے میں ڈالکر اُن پر پٹی کے بچوں کو ڈال دیا تھا اور وہ اُن پر سے اٹھ نہیں
 سکتے تھے جب اٹھنے کا ارادہ کرتے پائون کے نکلے سے موتی ٹوٹ جاتے اور وہ اس
 نمائش سے سہستی تھی کان میں جو اُس کے آویزے تھے اُن کا ہر ایک موتی پچاس ہزار
 کی قیمت سے کم کا ہوگا بہار علی خان نے یہ حال دیکھ کر اپنے تحائف کو لیجانا مناسب
 نہ سمجھا شرمایا لیکن ایک قیمتی زین جو ذاب سالار جنگ نے اپنی حویلی سے ساتھ کر دیا تھا
 اور چند جواہر کہ بیگم نے اپنی سرکار سے دیے تھے اور چند شیشے عطر کے گورنر جنرل کے سامنے
 پیش کیے انھوں نے ان تحائف کو دیکھ کر کہا کہ ان کو اٹھا لو اس لیے کہ دارالسلطنہ
 لندن میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ ایک کر در روپے کے تحفے فیض آباد سے
 آئے ہوں گے اور یہ چیزیں جو کچھ ہیں وہ ظاہر ہے البتہ عطر ہم لے لینگے کیونکہ عطر ہمیشہ
 علی اکبر خان کی معرفت بیگم صاحبہ کی طرف سے بھیجایا ہوا ہمارے پاس پہنچا کرتا ہے
 بہار علی خان نے کہا کہ علی اکبر خان ایک فضول اور یا وہ گو آدمی ہے اپنی عزت افزائی
 کے لیے اسے عرض کیا ہوگا کہ میں بیگم صاحبہ کا وکیل ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے دروغ ہے
 بیگم صاحبہ نے نہ اُس کو وکیل بنایا ہے نہ اُس کے ہاتھ کبھی عطر بھیجا ہے گورنر جنرل نے
 حکم دیا کہ اب اگر علی اکبر خان آئے تو اُسے دخل نہ دیا جائے اور تین سو روپے ماہوار
 جو اُس کے سرکار کمپنی کی طرف سے مقرر کر دیے تھے وہ بھی بند کر لیے یہ علی اکبر خان
 دھاکہ کارہنے والا نہایت ذکی و ذوقن تھا باوجودیکہ اُنہی محض تھا مگر دس میں خط
 اراکین مشرق کے جو اس کے نام پر تھے اپنے ساتھ رکھتا تھا اور ہر ایک کو نکالنا صفا فی
 اور سرعت کے ساتھ چھ دیتا تھا شمسہ الجہری میں جب شجاع الدولہ انگریزوں سے

کلکتہ کی طرف روانگی کے لیے لکھنؤ بھیجا بارش کی شدت تھی جب بارش میں کمی واقع ہوئی تو بہار علی خان نے اپنی عزیمت ٹانڈے کو مشہور کی یہ مقام فیض آباد سے دو منزل پر مشرق کی جانب واقع ہے۔ بیگم کی جاگیر میں تھا اور تعلق بہار علی خان سے رکھتا تھا یہاں پہونچکر کلکتہ کے سفر کی تیاری شروع کی اور سامان درست ہونے لگا بیگم کے نامی خواجہ سراؤں میں سے ایک شخص کا نام نشاط علی خاں تھا اس کے دل میں جواہر علی خان اور بہار علی خان کی مختاری سے آتش حسد سلگتی رہتی تھی جو کچھ راز ان کے ہوتے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سرفراز الدولہ حسن رضا خان کو پہونچاتا رہتا تھا اس نے مجلاً حسن رضا خان کو یہ لکھا کہ یہاں بیگم صاحبہ اور نواب آصف الدولہ اور نواب سالار جنگ کا کوئی مشورہ ہوا ہے معلوم نہیں کہ کونسا اہم مطلب درپیش ہے اودھ لکھنؤ میں بہار علی خان یا ان کے کسی مصاحب معتمد کی زبان سے کلکتہ کی عزیمت کی خبر نکل گئی تھی اور تمام شہر میں مشہور ہو گئی تھی خلاصہ کلام یہ ہے کہ بہار علی خان کلکتہ پہونچا اور وہ تحائف جو گورنر جنرل کے مرتبے کے موافق نہ تھے ہمراہ لے گیا۔ گورنر جنرل نے اسکی آمد کی خبر سن کر پہلے دن ہزار روپے دعوت کے نام سے بھیجے اور سات سو روپے مہوار پر ایک مکان کرائے لے کر اس میں ٹھہرایا دو تین دن کے بعد بہار علی خان گورنر جنرل سے ملا جس کمرے میں گورنر جنرل کی اور اس کی ملاقات ہوئی وہاں ایک پردہ لپٹا ہوا تھا گورنر جنرل کے حکم سے وہ کھولا گیا شجاع الدولہ کی تصویر اس پر کھچی ہوئی تھی بہار علی خان تصویر کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور آداب تسلیمات بجالایا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے گورنر جنرل نے فرمایا کہ جس دن سے یہ شخص درمیان سے اٹھ گیا ہے دل سے تسکین و آرام بالکل زائل ہو گیا ہے۔ اس وقت گورنر جنرل کی سیم ایک طرف بی کے

کشیدہ خاطر ہو کر چلا گیا تیسری وجہ یہ ہے کہ یا قوت نام خواجہ سر بہار علی خان کی حویلی کا مختار تھا اسکے فتنے ہزاروں روپے تھے بہار علی خان چاہتا تھا کہ فیض آباد ہو چکی اپنے گھر کا حساب اُس سے سمجھ کر جو کچھ نکلے گا وصول کیا جائے گا وہ یہ ارادہ بہار علی خان کا معلوم کر کے چاہتا تھا کہ کوئی ایسی بات واقع ہو جس سے اس کا کام بگڑ جائے اپنے حال میں گرفتار ہو کر مجھ سے تعرض کی فرصت نہ ہے اس لیے نیک حرامی پر کمر باندھی اور جو کچھ بیان مشورہ واقع ہوتا کاشی راج اور اکبر علی خان کو پہونچا دیتا بلکہ ان باتوں پر قناعت نہ کر کے اپنی طرف سے بھی چند ایسی باتیں بنا کر جو بہار علی خان کی خانہ باندازی کا موجب ہوتی ہیں کہتا۔

بیگم صاحبہ کی گورنر جنرل سے چار خواہشیں تھیں۔

(۱) مختار الدولہ اور جان برسٹو صاحب ریڈنٹ کے زمانے میں جو کاغذ وثائق کے درست ہوئے تھے اُن پر گورنر جنرل کی مہربانی ہو جائے تاکہ اچھی طرح استحکام ہو جائے۔

(۲) ہمارا جب دل چاہے اور جہان کی آب و ہوا پسند آئے خواہ بتا رسن یا عظیم آباد یا خود ہنہی جاگیر کے محالات اُس میں مع تمام سامان اور نوکر و جاگر کے جا کر رہنے لگیں فیض آباد سے روانگی کے وقت کوئی شخص تعرض نہ کرے۔

(۳) ایک دو مرتبہ ہلکے انداز سے من سے خواہ ہماری ضماندی سے یا بغیر ضماندی کے لے لیا گیا اب ہماری جاگیر کے محالات اور زر نقد اور خواجہ سراؤں اور خادمان محل سے کسی کو سرکار نہ ہے (جو کہ آصف الدولہ کی طرف سے بیگم کو کشیدگی خاطر تھی یہ انکی طرف اشارہ تھا)

شکست پا کر روہیلون کے ملک میں چلے گئے اور انگریزوں نے لکھنؤ میں دخل کر لیا تو چند ماہ تک لکھنؤ کا کوڑا ل رہا پھر کبھی اس ریاست میں نوکری نہ ملی زبان فارسی خوب سمجھتا اور بولتا تھا چونکہ کلکتے میں یہ بات مشہور تھی کہ یہ شخص والدہ نصف الدولہ کی طرف سے وکیل ہے اس لیے بہار علی خان سے خط و کتابت شوقیہ کا سلسلہ جاری کیا تاکہ مردان کلکتہ اس کو وکیل جانتے رہیں پھر خود ایک بار ملنے آیا بہار علی خان نے اس سے دریافت کیا کہ آج کل اوقات معیشت کہاں سے ہے کہا کہ سرکار کمپنی سے وکالت کی تنخواہ پاتا ہوں دریافت کیا کہ کس کی طرف سے وکیل ہو جواب آیا کہ بلکھیا صاحب کی طرف سے پوچھا کو فنی بیگم کہا بھاری بہار علی خان نے یہ بات گورنر جنرل کی زبان سے بھی سنی تھی غصے ہوا اور کہا کہ کب تک وکیل بنایا ہے کونسا ایسا کام بیگم صاحبہ کا یہاں سے متعلق تھا جس کی ہلکو خبر نہیں ہوئی اور تم کو وکیل بنا دیا اکبر علی خان خاموش ہو گیا اور محجوب ہو کر چلا گیا اور بہار علی خان سے عداوت پیدا کر لی اور خرابی کی فکریں مصروف ہوا۔ دوسری بات بہار علی خان کے کام کی درہمی کی یہ ہے کہ رے کاشی راجہ ایک ہندو تھا جو شجاع الدولہ کی شکست کسر سے قبل بیٹی بہادر برہمن نائب شجاع الدولہ کی جانب سے وکالت کے لیے شجاع الدولہ کے دربار میں حاضر رہتا اور معاملات سوال و جواب میں اچھا سلوک رکھتا تھا۔ حیدر بیگ خان نے آصف الدولہ کی وکالت کے لیے گورنر جنرل کے پاس کلکتے کو بھیجا تھا چند سال سے وہاں تھا سال بھر کے عرصے سے اس کی تنخواہ سرکار لکھنؤ سے نہیں پہنچی تھی اس لیے تکلیف اٹھاتا تھا۔ بہار علی خان کی ملاقات کو آیا اور مزاج پُرسی کے بعد ہزار روپے بطور قرض کے مانگے اس نے مذیہ بلکہ رنج پونچنے کو حسن رضا خان و حیدر بیگ خان کی نسبت تہمت آمیز الفاظ کہے یہ بھی

کے علاوہ اپنی طرف سے مضمون بڑھا کر لکھ دیا تھا بے چارہ حیدر بیگ خان اس منصوبے سے غافل باطمینان خاطر کام کر رہا تھا لکھنؤ میں داد عیش و عشرت مے بہا تھا ان عرائض کے مطالعہ کرنے سے چہرہ فقی ہو گیا منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں آنکھوں میں عالم شب دیجور سے زیادہ تاریک ہو گیا مضطر بنے حسن رضا خان کے پاس گیا اور یہ تمام ماجراے دل آشوب اُن سے بیان کیا مدت تک نائب منیب دونوں دریاے فکر میں غوطے مارتے رہے اور کوئی بات تسلی خاطر کی ان کے دل میں نہیں جمتی تھی حیدر بیگ خان نے اپنی طبیعت کو قابو میں کر کے یہ بات کہی کہ جناب عالیہ نواب شجاع الدولہ کے سامنے سے ریاست اور کارہائے بندوبست اور معاملہ سپاہ سرکاری سے سروکار نہیں رکھتیں۔ ان کو ان معاملات کی طرف کسی طرح کا التفات نہیں ہوگا اور آپ دونوں اُن کی اطاعت اور فرمان برداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے کوئی تقصیر جس سے اُن کی کشیدگی خاطر متصور ہو ہماری طرف سے اب تک وقوع میں نہیں آئی تاکہ یہ تدارک ہم سے واسطے تجویز کر تین اول یہ بات تلاش کرنی چاہیے کہ یہ گل تازہ کس کے بُلغ سے کھلا ہے اور یہ ہو اُس میدان سے چلی ہے اور باعث اس کا کیا ہے اس کے بعد تدارک برصائب کے ساتھ اس فساد کی درستی اور اس رخنے کی دروازہ بندی کی جائے حسن رضا خان اگرچہ جودت طبع و ذکاوت سے عاری تھے لیکن رسائی عقل اور یادری اقبال سے یہ بات نہایت دور اندیشانہ کہی کہ سعدی کی گلستان میں ہے کہ تازیاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود تم جب تک اس فتنہ خوابیدہ کے ظہور کی تحقیق و تلاش کرو گے اُس وقت تک حریف جو مدت سے کلکتے میں بیٹھا ہوا ہے اپنا مطلب نکال لیگا مصلحت وقت یہ ہے

۴۳) تبدیلی نائب کی خواہش تھی کہ گورنر جنرل اس سے اتفاق رائے

کریں۔

اول اول گورنر جنرل نے ان امور پر رضا مندی ظاہر کی اور بہ طیب خاطر بہار علی خان کی تسلی و تسفی کر کے اطمینان دلادیا بہار علی خان نے تمام سرگزشتیں صبا کے حضور میں فیض آباد کو لکھ بھیجی اس بات سے ان کو ایک طرح کی خوشی و انبساط حاصل ہوا اس کے بعد گورنر جنرل کے ان کے کار پر دازدن نے بہار علی خان سے کچھ چاہا اُس نے کراہیت خاطر کے ساتھ قبول کر کے بیگم صاحبہ کی منظوری پر موقوف رکھا جب بیگم صاحبہ کی خدمت میں یہ بات لکھی تو جواب بھیجا کہ جو کچھ مقصود ہے عمل کرے اہلکاران مذکور کی طرف سے جتنا سوال ہوتا بہار علی خان اُس میں کمی چاہتا گو بہار علی خان بلند حوصلہ اور خوش ہمت آدمی تھا لیکن یا قوت در پردہ اُس کے کام کو بگاڑنا اور بنیاد شوکت کو ڈھانا چاہتا تھا اس لیے وہ بہار علی خان کو خراب صلاح دیتا تھا بہار علی خان اُس کے کید سے غافل تھا یا قوت اتنا بخیل و مُسک تھا کہ کوئی اگر اُس کا صحیح کو نام لیتا تو تمام دن روٹی اور پانی سے محروم رہتا یا قوت بہار علی خان کے آج کل صلاح کاروں میں تھا خیر خواہی اور اظہار دوستی کی راہ سے صلاح دیتا کہ اتنا دینا چاہیے بلکہ تھوڑا تھوڑا بڑھانا چاہیے یہاں تک کہ طرفشانی کا سوال پالیس لاکھ روپے کا تھا چند ماہ کی گفتگو میں گھٹتے گھٹتے پندرہ لاکھ پر نوبت پہنچی اور اس پر بھی اُس کو صبر نہ آتا تھا سوال و جواب کی مدت بڑھ گئی۔

اس مدت دراز میں کاشی راج اور اکبر علی خان کے عرائض حیدر بیگ خان کو لکھنو پہونچ گئے تھے جو کچھ ان لوگوں نے یا قوت کی زبان سے سنا تھا وہ اور اُس

کو یہ ملک شکست کے بعد سرکار کمپنی نے مرحمت کیا ہے وہ جب تک زندہ رہے اس دولت کے آداب کی رعایت کرتے ہے یہ خواجہ سرا کہ اُن کا غلام ہے اس کو یہ جہارت کیسے ہوئی کہ اس سرکار کے انعام کو بے قدر و ناچیز جان کر پھیرتا ہے بہار علی خان نے یہ کلمات سُنے تو فوراً فیض آباد کو روانہ ہو گیا اور اس راہ بعید کو تھوڑے ہی دنوں میں طے کر کے اپنے مقام پر پہنچ گیا اور بے حصول گوہر مقصود بیگم صاحبہ کے سامنے شرمندہ حاضر ہو کر وہاں کا تمام حال عرض کیا۔ ایک مطلب کے براہم ہونے کے لیے جس سے بیگم صاحبہ کو زیادہ تعلق بھی نہ تھا دو تین دوسرے اہم مقاصد جو اُن کی ذات سے خصوصیت رکھتے تھے براہم ہو گئے۔

حیدر بیگ خان اور حسن رضا خان پر شعلہ افروزی الماس علی خان و نواب سالار جنگ کا راز کھل جانا

بہار علی خان کے بے حصول گوہر مقصود واپس ہو جانے سے حیدر بیگ خان اطمینان حاصل کر کے اس بات کی تحقیق و تلاش کے درپے ہوئے کہ اس مُفسد کی شعلہ افروزی کا بانی اور اصل کون ہے چپکے چپکے بہت سے مخبر لگا دیے جو کہ معمول ہے کہ جو بھی دوسرے پر کھل جاتا ہے ہرگز چھپا نہیں رہتا خواہی مخواہی آشکارا ہو جاتا ہے بہت سی تلاش کے بعد پتا چلا کہ اس فساد کی بنیاد الماس علی خان کی طرف سے ہے جو کہ اُس سے سات آٹھ لاکھ روپے تنگ کر کے وصول کیے تھے اس لیے اُس نے دشمنی پر کمر باندھ کر یہ تجویز نکالی تھی کہ بظاہر وہ کنارہ کر کے اپنی مستاجری کے عدائے کو چلا گیا تھا لیکن کارستانی اُسی سکی ہے اور نواب سالار جنگ کا شراب غالب ہونا اور اُن کے کہنے سے اصفیہ الدولہ کا آئادہ

کہ اول فوراً گورنر جنرل کے حضور سے حریف کی اس کارروائی کو بند کر کے یہ استہ
 رد کیا جائے تاکہ ہم دشمن کے نشانے سے بچ کر دوسری فکر میں مشغول ہوں اور
 اس وقت تحقیق و تفتیش اصل کار کی دلجمعی کے ساتھ کر سکین حیدر بیگ خان نے
 یہ تجویز بہت پسند کی اُسی جلسہ شوریٰ میں سر فرزا الدولہ اور حیدر بیگ خان کی طرف
 سے اس مضمون کا مراسلہ گورنر جنرل کے واسطے تیار ہوا کہ جس کام کے لیے بہار علیخان
 حاضر ہوا ہے ہم اُمیدوار ہیں کہ وہ قبول فرمایا جائے اس سر فرازی کے عوض میں
 ایک کروڑ روپے خادمان عالی کے اخراجات کے لیے بطریق نذرانے کے پیش کیے
 جائیں گے اور بالفصل بارہ لاکھ روپے مُرسل بہن کلکتے کے مہاجزون سے خزانے میں داخل
 ہو جائیں گے یہ تحریر نو انکی طرف سے روانہ ہوئی اور بہار علی خان کا حال کلکتے میں یہ تھا
 کہ پندرہ لاکھ میں سے بھی پانچ روپوں کی کمی چاہتا تھا جیسے ہی عریضہ حیدر بیگ خان
 کا بارہ لاکھ روپے کی ہنڈی کے ساتھ گورنر جنرل کے پاس پہنچا بہار علی خان کے
 سوال و جواب و فتریت و اصل میں داخل ہو گئے بہار علی خان کو اُدھر کی بے اعتنائی
 اور پہلو ہتی ظاہر ہونے لگی جب اپنی طرف توجہ کر دیکھی تو گورنر جنرل سے رخصت چاہی
 اُدھر سے بہت خوب جواب پا کر فیض آباد کی واپسی کو آمادہ ہوا اور روانگی کا دن قرار
 پایا گورنر جنرل نے دُخستانہ خلعت دیا۔ بہار علی خان چونکہ شجاع الدولہ کے دربار کا
 خوگر تھا دوسرے اغنیا اور سلاطین کے دربار دن سے آستانہ تھا وہی پڑانی بوداغ
 میں بھری ہوئی تھی۔ عمدہ خلعت کو واپس کر کے عرض کیا کہ جس مطلب کو میں آیا وہ
 نکل جاتا اُس وقت میں مجھے یہ خلعت زیب دیتا تھا اب کس طرح اس کو پہنون
 گورنر جنرل اس حرکت سے آزرده ہوئے اپنی مجلس میں فرمانے لگے کہ شجاع الدولہ

پر سوار کچھ چیزیں خرید رہے تھے اُس وقت اُن کی ماں اپنی ساس سے ملکر اپنے رہنے
 کے مقام پر جو عین بازار میں واقع تھا آرہی تھیں جو اہر علی خان سکھپال کے پیچھے پیچھے
 ہاتھی پر سوار جا رہا تھا عین بازار میں آصف الدولہ سواری دیکھ کر ہاتھی سے اتر پڑے
 اور آداب نیاز مندانہ کے ساتھ مجرا و سلام کر کے سکھپال کا پایہ پکڑ کر چند قدم ہمراہ چلے
 اُس وقت جو اہر علی خان نے چاہا کہ نواب کے پاس ادب سے ہاتھی سے اتر آئے لیکن
 نواب نے اپنے ہاتھ سے منع کر کے فرمایا کہ اس وقت سواری اشرف کے ساتھ ہے بدستور
 سوار رہے ناچار جو اہر علی خان سوار رہا بازاری لوگ اور دوسرے آدمی جو اس ممانعت
 کے حال سے بے خبر تھے اور دُور سے تماشاً دیکھ رہے تھے طعن کرنے لگے کہ آقاے نعمت
 تو زمین پر پیادہ کھڑا ہے اور خواجہ سرا جو ایک غلام ہے ہاتھی پر سوار چل رہا ہے۔
 اسی طرح ایک مرتبہ بیگم صاحبہ اپنی ساس سے ملنے کے واسطے سوار ہوئی تھیں اور
 چوک سے خود نواب قلعہ کو جا رہے تھے قلعہ کے دروازے میں ایک دیوار کھچی ہوئی تھی
 جو نگاہ کو زور دیتی تھی نواب کے پیش جلو کے آدمی اُن کی ماں کے پیش جلو کے آدمیوں سے
 مل گئے اور دونوں میں یل پل ہونے لگی دونوں طرف سے چوہدار اور نقیب رہاش
 کے اہتمام میں سرگرم تھے اور دوسرے جلو دار بھی دُور باش پڑتے جاتے تھے
 بیگم صاحبہ کے آدمیوں نے نواب کے آدمیوں کی ڈنڈوں اور ٹونٹوں سے خوب
 خبر لی یہ بات بھی عوام میں بہت زبان زور ہی حالانکہ نواب آصف الدولہ نے اس
 امر کو گوارا کر لیا اور اپنے آدمیوں کو ماں کے آدمیوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے
 روکا۔

ہو جانا اور ان کی خواہش سے بیگم صاحبہ کا دخل دینا اور بیگم صاحبہ کا بہار علی خان کو بھیجنا ورنہ اسی باتین معلوم ہو گئیں اب حیدر بیگ خان ان کی خرابی شوکت کے ورپے ہوئے۔ الماس علی خان کی نسبت خیال کیا کہ اُس کا کرانا اور اُس کے معاملات کو بگاڑنا زیادہ دشوار نہیں کیونکہ وہ کرڈر روپے کے محالات کا حامل ہے رات دن اُس کے طرح طرح کے معاملات پڑتے رہتے ہیں اُس کو پایہ اعتبار سے گرا کر محاسبہ کے شکنجے میں کھینچنا آسان تھا مگر جسارت اور بے ادبی بیگم صاحبہ اور اُن کے متعلقین اور سالار جنگ کے ساتھ سخت مشکل معلوم ہوتی تھی آخر بہت سے تامل و تدبیر کے بعد یہ بات حیدر بیگ خان کے ذہن میں آئی کہ مان بیٹوں میں رنج و نفاق پیدا کر دینا چاہیے جو کچھ ظاہر ہو آصف الدولہ کے ہاتھ سے ظاہر ہو اور ہم اس بدنامی سے محفوظ اور کٹاوت پر رہیں اہل نجوم سے حیدر بیگ خان کو بڑا اعتقاد تھا چند نجومی اُن کے نوکر تھے حیدر بیگ خان اُن سے اپنے طالع کی سعادت اور بہار علی خان وغیرہ کے طالع کی نحوست کا حال دریافت کرتے تھے دو برس تک مطلب پر آری کے موافق جواب نہ پایا جب منجمین اور ستارہ شناسوں نے حیدر بیگ خان کے طالع کی سعادت اور طرف ثانی کے طالع کی نحوست بتادی تو اب اُنھوں نے اپنے ارادے کے ظہور کے لیے عزم باہزم کر کے اس کام پر آمادہ ہوئے جو بہار علی خان کی شوکت و شہرت دوسرے خواجہ سراؤں سے بڑھی ہوئی تھی خواجہ سرا ہمسردہ چشم لنگے اوج چشم پر خار کھلتے تھے حسد کی آگ اُن کے سینوں میں ہمیشہ مشتعل رہتی تھی اور وہ لوگ ہمیشہ سے چاہتے تھے کہ یہ فتنہ و ذلت اٹھائے ایکبار نواب آصف الدولہ اپنی مان اور داوی کی زیارت کے لیے لکھنؤ سے فیض آباد آئے تھے اور ایک دن چوک کے بازار میں ہتھی

جانشین ہوا اور اُس کو بھی خطاب راجگی کامل گیا۔ عالمگیر کے عہد سے بنارس کا صوبہ اودھ کے شامل ہو گیا تھا اس لیے یہ راجہ شجاع الدولہ کو خراج دیتا تھا اُس نے جو خدمات سرکار کمپنی کی شجاع الدولہ اور انگریزوں کی لڑائی میں کمسر میں کیں اور اُس کے عوض میں جو سلوک انگریزوں نے اُس کے ساتھ کیا وہ بیان ہو چکا ہے وہ انگریزوں کے لطف و عنایت سے اپنے ملک میں خیر و عافیت کے ساتھ راج کرتا تھا۔ جب وہ شہداء میں مر گیا تو اُس کا بیٹا جو ایک طوائف کے بطن سے تھا چیت سنگھ اُس کا نام تھا اور ریاست کی قابلیت رکھتا تھا اُس کا اس طرح جانشین ہوا کہ نواب شجاع الدولہ کو بہت ساندرا نہ دیا اور کچھ خراج کے زیادہ دینے کا وعدہ کیا کچھ انگریزوں کا سہارا ڈھونڈا انھوں نے شجاع الدولہ سے سند بنارس کے راجہ ہونے کی اُنھیں شراط کے ساتھ جو اُس کے باپ کے ساتھ تھیں دلا دی۔

شہداء میں جب ہسنگلز کی ملاقات شجاع الدولہ سے ہوئی تو انھوں نے یہ کہا کہ مجھ سے دس لاکھ روپے لے لو اور اس راجہ کو معطل کر دو مگر گورنر جنرل نے کہا کہ ہم اُن عہد و پیمان کو جو بلونت سنگھ کے ساتھ ہوئے ہیں چیت سنگھ کے ساتھ نہیں توڑ سکتے اور گورنر جنرل نے چہی چیت سنگھ کو لکھی کہ تمہاری عزت و دولت و حکومت و ثروت کی جب ہی تک خیر ہے کہ تم سرکار کمپنی کے سایہ عاطفت میں پناہ گزین ہو اور ہم کو بھی تمہاری حرمت ملحوظ ہے تمہارا ملک ہمارے سرحد پر واقع ہے اور تمہارا دوست ہونا اُس کی نیش و پناہ ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہمیشہ وفادار رہو گے اور جب ہم کو تم سے کام پڑے گا تو اُس کو دل سے کرو گے اور تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ خراج زیادہ نہیں لیا جائے گا جب سرکار کمپنی کے اصف الدولہ

گورنر کی بنارس کی طرف آمد حیدر بیگ خان کا کہنی
 کے روپے دینے کے لیے آصف الدولہ کو اس امر پر آمادہ
 کرنا کہ وہ اپنی مان سے روپیہ مانگیں اور چیت سنگھ نمبردار
 بنارس کی حقیقت

بہار علی خان کی کلکتے سے مراجعت کے بعد گورنر جنرل نے کلکتے سے حیدر بیگ خان
 کو لکھا کہ تمھاری خاطر اور پاسداری سے جو معاملہ بہار علی خان کے ساتھ ہوا وہ ظاہر ہے
 اُس وعدے کے مطابق وہ زر کشمیر ہمارے پاس بے تامل پہنچا دو حیدر بیگ خان نے
 جو یہ دیکھا کہ مجھ سے اس قدر رقم سرانجام نہیں ہو سکے گی جواب میں گزارش کیا کہ جناب والا
 بنارس تک تشریف لا دین تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ تمام روپیہ خزانہ سرکار کہنی میں
 پہنچ جائے گا۔

اس کے سوا دوسری وجہ گورنر جنرل کے بنارس میں آنے کی راجہ بنارس کا واقعہ تھا
 اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجہ بنارس جو پیشتر نواب وزیر کے ماتحت تھا اب انگریزوں
 کے تابعین میں قرار پایا تھا اس راجہ کا نام چیت سنگھ تھا اس کا خاندان قدیمی نہ تھا جسوقت
 سلطنت مغلیہ کو نادر شاہ کے حملے سے صدمہ پہنچا تو اس افراتفری میں گنگاپور کے
 زمیندار برہمن منسارام نے کچھ ملک دبا کر محمد شاہ سے راجہ کا خطاب حاصل کیا یہ
 راجہ کا خطاب پہلے بادشاہ کے ہاں سے اُسی شخص کو ملتا تھا جو صاحب ملک و حشمت
 ہوتا تھا آج کل کاراجگی کا خطاب نہ تھا کہ بے ملک دیا جاتا بعد ازاں بونٹ سنگھ اُسکا

سے نہ تھا ناراض تھا اوسان سنگھ ایک سال سے کلکتے میں گورنر جنرل کے پاس حاضر تھا اور بار بار عرض کرتا تھا کہ چیت سنگھ نالائق ہے اُس کی سرکار کی رونق مجھ سے تھی اور بلونت سنگھ کے نواسے کی طرف سے بھی عرائض گزارتا تھا وہ لکھتا تھا کہ میری مان رانی کے بطن سے ہے اس لیے ریاست کا مستحق میں ہوں اگر چیت سنگھ کی جگہ بحکمہ مسند نشین کر دیا جائے تو ایک کروڑ روپے بطور نذرانے کے پیش کر دینا گا اور دس لاکھ روپے سالانہ اُس خراج پر اضافہ کرونگا جو چیت سنگھ دیتا ہے یہ بات گورنر جنرل کے دل میں تھی جب حیدر بیگ خان نے عریضہ گورنر جنرل کو بنارس تک آنے کے لیے لکھا اور انقلاب کا وقت پہنچ گیا گورنر جنرل نے دو کروڑ روپے لینے کے خیال سے کلکتے سے کوچ کیا اور وہاں سے کشتیوں کے ذریعہ سے مغرب کی طرف روانہ ہوئے حیدر بیگ خان نے چیت سنگھ کے ہنگامے کے بعد گورنر جنرل کی کلکتے کو واپسی سے پہلے صوبہ لکھنؤ کی آمد و خرچ کے حساب کی فرد درمت کر کے آصف الدولہ کے ملا خطے میں گزرائی جس کی رو سے سوا کروڑ روپے سرکار انگریزی کے ریاست اودھ پر نکلنے تھے جو دو نوں کمپنوں کی تنخواہ اور یورپ کی اشیاء نادرہ کی خریداری کی بہت تھیں۔ نواب نے ارشاد فرمایا کہ صوبہ اودھ تمام و کمال اور آدھا صوبہ اکبر آباد بھی صوبہ الہ آباد بمثل اہتمام میں ہے ان روپوں کا سرانجام کر دے عرض کیا کہ سرکار دولتدار کے اخراجات کی کثرت سے جن میں سے بعضے احتیاج سے زائد ہیں بچت اتنی نہیں ہو سکتی بہت سے تردد اور تلاش کے بعد ۲۵ لاکھ روپے یہ غلام ہم سپرد کیا سکتا ہے ایک کروڑ کا جمع کرنا بہت مشکل اور محال ہے مگر ایک صورت غلام کے دل میں گزری ہے کہ اگر ارشاد ہو تو عرض کرے حکم دیا کہ بیان کرو اُس نے عرض کی کہ ہم غلاموں نے

کے ساتھ عہد و پیمان ہوے اور نیا انتظام کیا گیا تو جس ملک پر چیت سنگھ حکومت کرتا تھا وہ شش ماہ میں سرکار کپہنی کے حوالے کر دیا گیا سرکار کپہنی نے بھی چیت سنگھ کو بدستور اپنے حال پر بحال رکھا اور بائیس لاکھ چھیا سٹھ ہزار ایک سو اسی روپیہ سالانہ خراج ٹھہر لیا اور اقرار کر لیا کہ راجہ سے اور زیادہ خراج نہیں مانگا جائیگا۔ ہندوستان میں اس وقت انگریزوں سے کئی جگہ لڑائیاں ہو رہی تھیں اور ان کے مصارف بہم پہنچانا گورنر جنرل کا کام تھا اس وجہ سے ہیسٹنگز صاحب کے سر پر اس وقت اس قدر بوجھ پڑا کہ شاید ہی کبھی کسی اکیلے شخص پر گویا ہی عالی حوصلہ کیونہو اس سے زیادہ پڑا ہو۔ حیدر نایک والی میسور۔ فرانسس۔ ولندیز۔ مرہٹے یہ سب کے سب ایک ہی دفعہ انگریزوں کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور سب سے ہنگامہ کارزار گرم تھا۔ مگر لڑائی روپے بغیر کب ہو سکتی ہے اس لیے گورنر جنرل کو روپیہ فراہم کرنے کی فکر تھی اس لیے انھوں نے راجہ چیت سنگھ والی بنارس سے یہ کہا کہ سرکار انگریزی جو ہتھاری حاکم اور محسن ہے اُس کی اس ضرورت کے وقت روپے اور فوج سے مدد کرو راجہ نے اس سے پہلو تہی کی اس لیے گورنر جنرل آپ بنارس چلے آئے اس سے ان کا خاص منتایہ تھا کہ چیت سنگھ کو دبا کر اپنا کام نکالیں۔

لیکن محمد فیض بخش نے فرح بخش میں گورنر جنرل کے آنے کی حقیقت یوں لکھی ہے کہ اوسان سنگھ بونت سنگھ کا نائب تھا اُس کے تمام کاروبار یہ سرانجام دیتا تھا چیت سنگھ سے اس کی نہ بھی اور خدات سے معزول کر دیا گیا یہ شخص چاہتا تھا کہ سبزاغ دکھا کر خود مسند ریاست پر بیٹھ جائے راجہ بونت سنگھ کی ایک بیٹی رانی سے تھی اُس سے ایک بیٹا تھا یہ لڑکا بھی مسند نشینی کی تمنا رکھتا تھا اور چیت سنگھ کی مسند نشینی سے جو رانی

کو کوئی عذر کا مقام نہ ہو گا چار و ناچار حوالے کرنا پڑے گا بعد اسکے اُن مقامات کا اُن سے
 محال ہے حد و ستار ہو گا اگر فرض کر لیا کہ سرکار کمپنی ایسی صورت اختیار کرے اور یہ شق
 اختیار کرے کہ روپیہ مانگنے میں توقف کرے تب بھی ایک کروڑ روپے کا سود ایک ہی
 سال میں کتنا بڑھ جائے گا اور اس صورت میں تمام روپے کا ادا کرنا بے حد مشکل ہو گا۔
 جناب عالیہ کے کوئی دوسرا فرزند مولے ہندگان حضور کے نہیں ہے شرعاً و عرفاً
 اُن کے سامنے اور اُن کے بعد پیر و مرشد ہی اُن کے تمام مال کے مالک ہیں اور ظاہر ہے
 کہ جواہر علی خان و مہار علی خان نے بہت سی فوج نوکر رکھی ہے اور سامان ظاہری
 بے حد اکھٹہ کیا ہے نہایت کروڑوں روپے و سونے و شوکت سے زندگی بسر کرتے ہیں ات دن
 عیش و عشرت میں مصروف رہتے ہیں جبکہ غلاموں کے ساتھ ایسی رعایت اور سلوک
 جناب عالیہ کی طرف سے ہے پھر اگر وہ روپیہ حضور کے ایسے کام میں کہ بقلے ریاست کا حویلی
 ہے آجائے تو کوئی بڑی قباحت اور کیا نقصان پیدا ہو گا چونکہ نواب صاحب سادہ مزاج
 تھے رات دن بے کار کاموں اور لہو و لعب میں مصروف رہتے تھے کبھی زر کشمیر کی
 آتش بازی بنوا کر چھڑواتے کبھی کوئی غیر ضروری عمارت عالی تیار کر لے بندوبست ملک
 اور آرائش فوج اور دوسرے کشورستانی کے حوصلوں سے عاری محض تھے مزاج بالکل
 دُور اندیشی اور مال کار کے سمجھنے سے معرا تھا جواب میں فرمانے لگے کہ اگرچہ والد ماجد
 سے روپے کا طلب کرنا بے حد بے ادبی کا باعث ہے اور کمال بد عہدی اس میں منظور
 ہے لیکن جبکہ ایسی ضرورت شدید درپیش ہو تو مجبوراً عرض کیا جائے گا جب حیدر علی خان
 کا سوچا ہوا کام درست ہو گیا اور تیر مقصود نشانے پر پہونچ گیا تو اُسے پنجابی اس کی جنگی
 اور استحکام کر کے اطمینان حاصل کر لیا۔

سرکار اقدس کی دولت سے مدد ملے دراز سے پرورش پائی ہے اور پاتے ہیں اگر ایک سال اپنے اوپر تکلیف برداشت کر لیں تاکہ خاطر اسٹرنٹ سے غلخان ریف ہو جائے تو غلامی و کنجوارگی سے بعید ہو گا پس اول محالات جاگیر غلام اور نواب سرفراز الدولہ کے ضبط فرمائے جائیں اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے نوکر و نوکرانہ کو حکم دیا جائے کہ اپنی جاگیرات کا ایک ایک سال کا محاصل سرکار میں نذر کریں اگر اس سے بھی پورا روپیہ جمع ہو سکے تو تھوڑا تھوڑا بطور قرض کے جناب عالیہ اور ان کے خواجہ سراؤں سے اور کسی قدر نواب سالار جنگ سے جو شریک دولت ہیں طلب کیا جائے اور اس طرح ایک برس کارکنی کے تقاضے اور نقصان سود سے فراغت حاصل فرما کر ہمیشہ عیش و عشرت میں مشغول رہیں اس کے بعد کسی قسم کا کسی وقت کوئی غلخان اور تشویش خاطر ہمایون کے آس پاس نہ پھٹکے گی۔ نواب نے یہ تقریریں کر فرمایا کہ پہلی شق مستحسن ہے اور دوسری شق بے جا ہے قابل پذیرائی نہیں اس لیے کہ والد ماجد جنت آرا نگاہ کی وفات کے بعد کئی بار بہت سارے جناب والدہ صاحبہ سے لیا گیا ہے پھلی بار میں نے انکو ایک وثیقہ لکھ کر دیدیا ہے جس پر جان برسٹو صاحب ریڈنٹ کی مہر ہے اور جناب مامون صاحبان (نواب مرزا علیخان مرحوم اور نواب سالار جنگ) کی مہر میں بھی ثبت ہیں۔ اب روپیہ لینے کی جسارت نہیں ہو سکتی۔ حیدر بیگ خان نے جب دیکھا کہ نواب ایسے کام کو کرتے ہوئے جھکتے ہیں تو پھر عرض کیا کہ ایسے سخت وقت میں کہ بہت سارے روپیہ سرکار کمپنی کا جناب والا کے ذمے ہے اگر ادا کرنے میں توقف ظہور میں آیا تو اس امر کا اندیشہ ہے کہ مبادا سرکار کمپنی کی طرف سے درخواست پیش ہو کہ ریاست میں سے محالات جدا کر کے حکام انگریزی کے سپرد کر دیے جائیں جن کی آمدنی سے اپنا زر قرض وصول کر لیں اور ایسی صورت میں جناب والا

بیچارے راجہ نے تو پیر پھیلا دیا کہ بھائی تو رسی لا اور باندھ کر لے جا دینے کو راجہ کے
 بیچارے اور بھائی بابو مینار سنگھ کے منہ سے یہ نکلا کہ کس کا مقدر ہے کہ راجہ کو پاؤں بچ کرے
 جو بدربو لاکھ چیت سنگھ اور چیت رام کی گفتگو میں کسی مسخرے کو دخل دینے کا کیا اختیار
 ہے اس وقت بابو صاحب لمبو کا سا گھونٹ پی کر رہ گئے گوچیت رام کو ارکان دولت
 نے دھکے دے کر نکال دیا اس نے گورنر جنرل کے پاس جا کر ایک ایک بات کی سو سو لگا کر
 بیان کیں بنارس کے فساد کی یہ بنیاد ہے گورنر جنرل نے مارکھ صاحب رزبٹ بنارس
 کو حکم دیا کہ راجہ کو گرفتار کر لیں انھوں نے راجہ کی حویلی کے گرد شوالے میں بہت بٹھادیے
 اور اسکا دو تھانہ اس کے واسطے قبضہ خانہ بنا دیا بیچارے راجہ نے اس پر سرنہ ہلایا اور
 یہی کہا کہ فرمان قضا اور حکم انگریزوں کا میرے نزدیک برابر ہے میں اور میرے قلعے اور
 میری دولت اور میری جان سب سرکار پر قربان ہے چیت سنگھ کی رعیت اپنے حاکم کے
 انصاف اور رعایا پروری کے سبب سے اس کو بہت عزیز رکھتی تھی جون ہی راجہ کی
 گرفتاری کی خبر مشہور ہوئی تمام اس کے علاقے میں ایک دُمنچ گیا رام نگر سے بہتے آدمی
 مسلح ہو کر ان موجود ہوئے دو کمپنیاں انگریزی پہلے پھرون پر موجود تھیں اب دو کمپنیاں
 بھیج دیں راجہ کے آدمیوں نے جب ان کمپنیوں کو اندر جانے سے منع کیا اور تمام مسلح آدمیوں
 نے ان کا راستہ بند کر دیا تو کمپنیاں نے توپ چلانے کا حکم دیدیا اسی وقت بلواچ گیا
 تو اربین چلنے لگیں راجہ کے نوکر جو صدمہ موجود تھے اور سامان جنگ درست رکھتے تھے
 طیش میں آکر بے حکم راجہ کے کمپنیوں پر ٹوٹ پڑے اور کشتوں کے پتے لگا دیے سب کو قتل کر ڈالا
 سران کا کہیں گیا اور دھڑکے میں رہا ان کے پاس کار قوس نہ تھے لڑنے کیا چیت رام جا گیا
 تھا چھپ کر راجہ سے لپٹ گیا اور تنگن کو آواز دی کہ آؤ وہ تو اربین لے کر راجہ کی طرف بڑھ

راجہ بنارس کے وفات

راجہ چیت سنگھ کے ہاتھ سے حکومت بنارس نکال کر بلونت سنگھ کے نواسے کو اسکی جگہ بٹھانے اور ایک کروڑ روپے وجہ نذرانے میں لینے اور خراج سالانہ میں اضافہ کرنے اور حیر بیگ خان کی استعفا کے بموجب گورنر جنرل نے کلکتے سے کوچ کیا جب انکا مقام عظیم آباد سے ایک منزل اور صرہا توحیدر بیگ خان نواب آصف الدولہ سے اجازت لے کر استقبال کے لیے لکھنؤ سے نکلے اور کوچ و مقام کرتے ہوئے جو پور تک جا پہنچے وہاں ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے جس کا نام برنالہ ہے اور درحقیقت ایک نالائقا خیمگاہ برپا کی گورنر جنرل تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ بنارس میں پہنچ گئے چیت رام چوہدر ہندو کہ اس سے قبل چیت سنگھ راجہ بنارس کا نوکر تھا راجہ نے کسی تصور پر اس کو اپنی سرکار سے علیحدہ کر دیا تھا وہ بنگالے کو چلا گیا اور گورنر جنرل کی اردلی کے چوہدر دن میں نوکر ہو گیا یہ شخص راجہ سے دل میں بے حد عداوت رکھتا تھا اور ایک شخص علی الدین نام راجہ بنارس کے ان نوکر ہو گیا تھا اور بہت سامان و دولت پیدا کر کے مرشد حال بنگیا تھا بعد کو راجہ اس سے ناخوش ہو گیا وہ یہاں سے چلا گیا اور چیت رام چوہدر کی معرفت کلکتے میں انگریزوں کا نوکر ہو گیا یہ دونوں متفق ہو کر راجہ بلونت سنگھ کے نواسے کے مبین اور چیت سنگھ کی خرابی کے درپے ہو گئے یہ بھی دونوں اس سفر میں گورنر جنرل کے ساتھ تھے گورنر جنرل کے حکم سے یہ چوہدر راجہ کے بلانے کو گیا اور سختی و بے ادبی سے بات کی اور گستاخانہ راجہ سے کہنے لگا کہ یہاں ایک ایک سپاہی گورنر جنرل ہٹا کر تمہارا کوئی آدمی ذرا بھی بولا تو تمہاری اور تمہاری رانیوں کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر کشان کشان لاٹ صاحب کے پاس لجاؤ گا

کی طرف سے یہاں کا تحصیلدار تھا قلعہ میں رہتا تھا جان کالون نے اپنا ہر کارہ کشتی پر بٹھا کر ٹانڈے کو بھیجا اور شمشیر خان کو زبانی پیغام دیا کہ گنوار لوگ میری تلاش میں جوق جوق پیچھے سے آرہے ہیں بہت جلد بڑی بڑی چند کشتیاں گھاٹ کے اس پار بھجوا دیجئے تاکہ تمام خزانہ لیکر دریا اتر کر آپ کے پاس پہنچ جائے اور اس بلائے جانگداز سے رہائی حاصل کروں اس مرد کو تہ اندیش نے اپنی سی سمجھ کے چند مصاحبوں کی صلاح سے کشتیاں نہ بھیجیں بلکہ ایسا بھی کہا جاتا ہے کہ توپ کے چند گولے جان کالون کی طرف لگوائے ان کو خیال یہ تھا کہ اب انگریزوں کا قبال اٹھ گیا گورنر جنرل قلعہ چار گڑھ میں موجود تھے جان کالون نے یہ تمام حال اُن کو لکھ بھیجا اگرچہ اُس سانحے کے بعد یگم صاحب نے میرٹھار علی کو سوجوانان نجیب کے ساتھ کالون کی مدد کو بھیجا اور اُس کو بلا کر انگریزی باغ میں ٹھہرایا اور بخوبی خاطر داری اور دعوت میں کو شمش کی مگر گورنر جنرل کے دل میں عناد کا بیج جم گیا حیدر بیگ خان نے جب یہ دیکھا کہ بنارس میں ہنگامہ فساد پیدا ہو گیا تو مضطرب ہو کر آصف الدولہ کو لکھا کہ حضور تمام فوج موجودہ و لشکر صوبہ جات اور سارے توپخانے کو ساتھ لیکر اودھ جلد تشریف لائیں ورنہ کام ہاتھ سے جاتا رہے گا تو اب فوراً بہت سے سامان کے ساتھ سرزمین مشرق کی طرف عازم ہوئے اور حیدر بیگ خان کو ساتھ لے کر ملک بنارس میں پہنچ گئے اور اپنی فوج کو دریائے گنگا عبور کر کے حکم دیا کہ چیت سنگھ کو شکست دیکر تالہ سے چنانچہ الماس علی خان خواجہ سرانے جس کے ساتھ بہت سی سپاہ تھی اور ریاست لکھنؤ کے جنوبی و مغربی حصے کا حاکم تھا گنگا کو عبور کیا۔ اس عرصے میں گورنر جنرل نے بھی ہر طرف سے فوجیں منگا کر راجہ بنارس کی بیس ہزار فوج کو شکست دیکر

تو پھر راجہ کے نوکروں نے بھی انکی بوٹیاں اڑائیں چیت رام کا بابو منار سنگھ کے بیٹے شکو سنگھ نے ایک ہاتھ میں کام تمام کیا انگریزی فوج کے بہت سے سپاہی اور افسر مارے گئے۔ یہ ہسٹنگز صاحب کی غلطی رائے تھی کہ وہ بنارس کے رہنے والوں کو بنگالیوں کی طرح بزدل اور ڈر لوک سمجھے یہاں کے آدمیوں کا سپاہیانہ پن وہ دیکھ چکے تھے وہ بہار اور کلکتہ نہ تھا کہ تھوڑے سے سپاہیوں سے کام چل جائے بنارس تھا اگر راجہ کو قید کرنا تھا تو اس قدر سپاہ کو لانا تھا کہ وہ اس کام کے لیے کافی ہوتی ان مستحق بھر آدمیوں کو لا کر ناحق گنگا کے کنارے لہو میں اشان دلا یا بلو عام ہو گیا اور بادحدود اس کے بلغ کو جہان گورنر جنرل اُترے ہوئے تھے آگھیر لیا گورنر جنرل کو اپنی جان کے لالے پڑے مگر اوسان و استقلال کو انھوں نے اب بھی ہاتھ سے نہ دیا اور رات کو دریا اُتر کر پاپیادہ قلعہ چنار گڑھ کو کہ سات کو س پر مشرق کی طرف تھا چلے گئے تمام ملک میں بغاوت اور انگریزوں سے مخالفت کی ہو پھیل گئی جہاں کسی سپاہی تلنگے کو سرخ و ردی پہنے دیہات کے گنوار دیکھتے اذیت دیتے تھے چنانچہ جان کالون نام ایک انگریز شمالی صوبے کے ایک محال پر حاکم تھا اسکے ساتھ فوج کم تھی کمی سپاہ کی وجہ سے اس ضلع کے گنواروں نے اُسپر ہجوم کیا اور اُسکی تحصیل کے خلاف کوٹھنے کی خواہش کی جب اُس کو یہ آثار معلوم ہوئے تو پہلے اس سے کہ گنوار لوگ اُسپر حملہ کریں تمام خزانے کو اٹھتی پر لہ واکر اور حوضے میں آپ بھی بیٹھ کر چند سپاہیوں کے ساتھ رات میں چھپ کر جائے امن کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا صبح کے وقت دریائے گھاگھرا پر پہونچ کر شمالی کنارے پر کھڑا ہوا اس دریا کے جنوبی جانب قصبہ ٹانڈہ تھا جو والدہ آصف الدولہ کی جاگیر میں تھا شمشیر خان چلیہ جو بہو بیگم کا غلام تھا بہا علی

اپنی درگزر اب بیگم کے پیچھے پنجے جھاڑ کے چٹے عرض اس اُلٹ پھیر میں کیا لکھنؤ آئے تھے تو فرخدار تھے یا اب اُن کے پاس تیس لاکھ روپے تھے اس ملک میں انگریزوں کے پوہاے تھے ہیستنگز صاحب نے نہایت عقلمندی کی کہ اس بغاوت کا مقدمہ کوئی نہیں بنایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس الزام کے لیے کوئی شہادت ہم نہ پہنچے گی اس لیے بیگم کوٹ سے بیج جائیگی انھوں نے نواب کو سمجھایا کہ تم جانتے ہی بیگم کی جاگیر ضبط کر کے اپنا نفع اٹھاؤ اور خزانہ ضبط کر کے سرکار کمپنی کا قرض چکاؤ اور خرچ اٹھاؤ جس سے پھر کوئی گورنمنٹ بنگال کا اودھ پر مطالبہ نہ کرے یہ بیان مولوی ذکاء الدین کی تاریخ ہندوستان کا ہے۔

لیکن فیض بخش بالکل اس کے برعکس لکھتا ہے کہ راجہ بنارس کے ہنگامے سے گورنر جنرل نے فرصت پائی تو اصف الدولہ کی اجازت سے حیدر بیگ خان اُن سے ملے اور ظاہر کیا کہ چیت سنگھ ایک زمیندار سے زیادہ نہیں ہے اُس کی کیا قدرت تھی کہ آپ کے مقابل اٹھنے کی جرات اور جسارت کرتا یہ تمام ہنگامہ آرائی نواب اصف الدولہ کی مان کے خواجہ سراؤں کے ایسا سے ہوئی ہے بلکہ عجب نہیں کہ بیگم صاحبہ نے بھی اشارہ اس معاملے میں کر دیا ہو گورنر جنرل نے جواب میں کہا کہ یہ بات عقل سے بعید معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ سرکار کمپنی کی طرف سے شجاع الدولہ کے ساتھ کسی قسم کے حسن سلوک میں کوتاہی نہیں ہوئی اور نہ اُن کے بعد اُن کی سیاست کے امور مالی و ملکی میں افسران کمپنی نے کوئی غلط اندازی کی پس بے سبب بیگم صاحبہ جیسی دانا اور عاقلہ رئیسہ سے ایسی حرکت جو بالکل خارج از آہنگ ہے بڑے تعجب کا مقام ہے اس گفتگو کے درمیان میں جان کالون نے پہونچکر شمشیر خان چیلے کی شکایت کی جس سے حیدر بیگ خان کے

بچے گڑھ کو جہاں وہ چھپا ہوا تھا فتح کر لیا مگر جو خزانہ قلعہ میں موجود تھا اس کو ہاتھوں ہاتھ اسکی سپاہ نے نکال لیا اور گورنر جنرل منٹھنکے اور ہاتھ ملتے رہ گئے کہ نہ تو خزانہ ان کے ہاتھ لگا جس کی بڑی ضرورت تھی اور نہ راجہ قابو میں آیا کیونکہ وہ بھاگ کر گوالیار پہونچا اور وہاں ۲۹ برس رہ کر رہ گئے ملک عدم ہوا اس کے بعد اس کے بھانجے مہیب زائن سنگھ کو گدی پر بٹھایا جو بلونت سنگھ کی رانی کی بیٹی کے بطن سے تھا اس کی عمر ۱۹ برس کی تھی ریاست کی کارروائی اس سے مشکل تھی اس لیے اس کا باپ نائب مقرر ہوا اس راجہ سے بائیس لاکھ روپے کی جگہ چالیس لاکھ روپیہ سالانہ ٹھہرا اور شہر بنارس کی دیوانی و فوجداری دونوں اور تمام علاقے کی فوجداری اس کے ہاتھ سے نکال لی اور ٹکسال بھی بند کرادی۔

چیت سنگھ کے فساد کو حیدر بیگ خان کا آصف الدولہ

کے اور ان کے خواجہ سراؤں پر ڈالنا

اصل کار سے بے خبر مونی لکھتے ہیں کہ اودھ کی رعایا نے جو چیت سنگھ کے ہنگامے میں فساد برپا کیا تھا گورنر جنرل نے اس کو آصف الدولہ کی مان اور وادی پر ڈالنا چاہا اس فساد کو بیگون کے فمے لگا دینا آسان تھا مگر اس الزام کے لیے کوئی شہادت موجود نہ تھی لیکن بن خلق اس امر کی شہادت بڑی تھی کرنیل ہینی بیگون پر جرم بغاوت ثابت کرنے میں بڑے سرگرم تھے کرنیل صاحب بھی غضب کے پتلے تھے انھوں نے ایک زمانے میں نواب آصف الدولہ کے انتہین میں تیرے رکھا تھا نواب نے گورنر جنرل کو لکھا کہ خدا کے واسطے اس کو میان سے بولائیے اور میری جان کے پیچھے سے جنال چھڑائیے نہیں تو میں نوابی سے

خواجہ سرکی بے دماغی سے طالان ٹھانا

نواب آصف الدولہ نے لکھنؤ میں پہونچ کر حسن رضا خان سے ارشاد کیا کہ جناب والدہ صاحبہ نے چند مرتبہ تم کو یاد فرمایا تھا اُن کے سلام کو تمہارا جانا مصلحتاً ضرور ہے انھوں نے فیض آباد کا قصد کیا مقصود ایک توجنا بعالیہ کا سلام تھا دوسرے شجاع الدولہ کی برسی میں کہ ۲۴ ذیقعدہ معین و مقرر تھی شرکت منظور تھی۔ رخصت کے وقت حیدر بیگ خان نے حسن رضا خان کو صلاح دی اور کہا کہ آپ سے اور نواب کی وادی کے مقرب الخدمت مطبوع علی خان خواجہ سر سے اتحاد اور مناسبت دلی قدیم سے ہے اور آپس میں راز و نیاز ہوتے ہیں مجھ کو یقین ہے کہ والدہ شجاع الدولہ کے خواجہ سر اور نواب آصف الدولہ کے خواجہ سراؤں سے بوجہ اُن کی شان و کھل کے انہما کے دل میں صاف نہون گے ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ جو مقدمہ ہم کو منظور خاطر ہے اُس میں دونوں بیگین اتفاق کر سکیں کیونکہ اگر دونوں ایک راے اور ایک دل ہو جائیگی تو ہمارا نقش مراد کرسی نشین ہو سکے گا جب حسن رضا خان فیض آباد پہونچ گئے تو اول والدہ شجاع الدولہ کی ڈیوڑھی پر مجھے کو حاضر ہوئے بعد اس کے والدہ آصف الدولہ کی ڈیوڑھی پر گئے اُس ڈیوڑھی پر آداب و تسلیم کے مناسک ادا کرنے اور نذرین بھیجنے کے بعد دیر تک بیٹھے اور ڈیوڑھی کے حکیموں طیبوں اور دوسرے حاضرین سے اختلاط میں مصروف رہے جو مالین اور کنیزین محل کے دروازے تک آنے کی مجاہد تھیں اور قدیم سے خان موصوف کے ساتھ تعارف رکھتی تھیں اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ بقدر مراتب استفسار خیریت حالات و اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور جواہر علی خان کے آنے کا

خیال کی تصدیق اور تائید ہو گئی گورنر جنرل نے پھر کہا کہ اگر نوکر غلام سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو قاعدے کی رو سے مواخذہ اُس کا مالک سے مناسب نہیں اس معاملے میں بیگم صاحبہ اور اُن کے توابعین سے علانیہ تدارک عمل میں لانا نہ واجب تھا۔ بیگم صاحبہ نے جواب میں عرض کیا کہ جب بالاجمال اس قدر معلوم ہو گیا کہ شمشیر خان سے یہ جرات عمل میں آئی ہے تو اسی قصور کو خاطر اشرف میں جاگزیں رکھنا چاہیے اور اس حرکت کے مقابلے میں نواب آصف الدولہ سے عرض کر کے تدارک کراؤ نکال لیکن بشرطیکہ اندرونی طور پر جناب مدد دین اور صورت اس کی یہ ہے کہ اگر بیگم صاحبہ اس مقدمے میں بیٹھے کی شکایت آپ کو لکھیں تو جناب کی طرف سے ہی جواب دیا جائے کہ تم تجاؤ اور بیٹا جانے ہم اُس کے خلاف کوئی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے اور مڈلسٹن صاحب رزیدنٹ کو کہہ دین کہ ہر باب میں میری معاونت کریں جب یہ بات طے پا چکی تو آصف الدولہ کی ملاقات گورنر جنرل سے ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں رخصت بھی جانیں سے عمل میں لگئی کہ میں آپ سے لکھنؤ کو چلے گئے اور آصف الدولہ ہمسنگر صاحب کے بنارس سے رخصت ہو جائے بعد خود سلطانپور کی راہ سے فیض آباد کو روانہ ہوئے کیونکہ اُن کی والدہ نے شفق بھیجا تھا کہ اُس نور چشم کے دیکھنے کی مشتاق ہوں یہاں آکر دیدار فرحت آثار سے چشم دلوں منور کریں فیض آباد پہونچ کر چند روز وہاں رہے بعد اس کے لکھنؤ کو روانگی کی اجازت حاصل کی رخصت کے وقت بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ اس مرتبہ حسن رضا خان تھاجے ساتھ کیونکہ اُنے نواب نے عرض کی کہ غلام لکھنؤ پہونچا رہا ہے۔

حسن رضا خان کا فیض آباد کو جانا اور وہاں جوہر علی خان

جواہر علی خان خواجہ سرا کو مزاج پر سی کے لیے بھیجا نواب نے مان کی پاسداری سے اس خواجہ سرا کی بہت دلجوئی کی اراکین لکھنؤ بھی ملے حسن رضا خان نے حسب ظاہر بہت کچھ اظہارِ خلوص کیا اور سالن کے چند دیگھے اپنے باورچی خانے سے روزانہ بھجواتے رہے لیکن دعوت نہیں کی۔

اب اس خواجہ سرا کی رعونت کا حال حیدر بیگ خان کے ساتھ بھی سننے کے قابل ہے باوجودیکہ یہ اس وقت میں تمام ریاست کے امورات مالی و ملکی پر حاوی تھے اور اتنا استقلال حاصل کر لیا تھا کہ کسی کو اپنا ہمسرا و ہم پہلو نہیں سمجھتے تھے۔ زمانہ سابق میں شجاع الدولہ کے عہد میں ایک فوجدار سے زیادہ نہ تھے اس لیے یہ خواجہ سرا لوگ انکو خیال میں نہ لاتے تھے تو اضع و تکریم تو بہت دور ہے جواب سلام میں بھی انداز تکبر رکھتے تھے دربار آصفی میں حیدر بیگ خان اور جواہر علی خان کا سامنا ہوا حیدر بیگ خان نے سبقت کر کے سلام کیا اور معافے کو بڑھے جواہر علی خان نے معافے سے اعراض کیا صرف جواب سلام کے لیے سر پر ہاتھ رکھ کر زبانی خیر و عافیت دریافت کر لی اور بالکل اخلاق ظاہری اور تعلق دنیا داری کا برتاؤ نہ کیا۔

اسی زمانے میں کہ جواہر علی خان لکھنؤ میں موجود تھا ایک دوسرا واقعہ ظہور میں آگیا وہ یہ ہے کہ بھوانی سنگھ نام ایک شخص سلون کے علاقے کا دھننے والا گائون کا زمیندار تھا اس کے پاس دو تین گائون دوسرے جواہر علی خان کی سرکار سے آٹھ ہزار روپے میں اجارہ تھے جنکی جمع کامل اٹھارہ ہزار روپے تک پہنچ گئی تھی چونکہ شخص نواب صنف الدولہ کا مصاحب تھا فوج اس کے ماتحت تھی جواہر علی خان کا نائب اخوند احمد علی مجمع دیہات کی افزونی اور اس کی طلبی سے اعراض کرتا تھا اتفاقاً اسی سال

انتظار کرنے لگے جو دولت سرزمین موجود تھا لیکن جواہر علی خان کو حسن رضا خان سے باطناً کدورت تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ اُس نے ایک شخص مرزا ابراہیم بیگ نام کی حسن رضا خان سے سفارش کی تھی حسن رضا خان نے اُس کو ٹال دیا تھا اور چٹھی کی کوئی پروا نہ کی تھی اور حسن رضا خان کو یہ واقعہ یاد بھی نہ تھا اس لیے جواہر علی خان محل سے نہیں نکلتا تھا اور اس بات کا منتظر تھا کہ جب ڈیوڑھی سے حسن رضا خان اُٹھ جائیں تو اپنے مکان کو جائے اور خان موصوف یہاں تک جواہر علی خان کے انتظار میں بیٹھے ہوں کہ آفتاب زوال کی طرف مائل ہو گیا۔ مجبور ہو کر جواہر علی خان نکلا اور سیدھا پانکی مین سوار ہونے کو متوجہ ہوا حسن رضا خان نے سلام کیا اور اُٹھ کر ارادہ معافتے کا کیا جواہر علی خان نے نہایت بے اعتنائی کے ساتھ جواب سلام کو سر پر ہاتھ رکھا اور فوراً اُٹے لے سوار ہو کر اپنے گھر کا رستہ لیا حسن رضا خان اس حرکت سے متحیر ہوئے اور کچھ نہ پوچھا کہ اس حرکت خلاف معمول اور اس قدر کشیدگی خاطر کا سبب کیا ہے اور اُٹھ کر اپنی فرد گاہ کو چلے گئے جب اس امر کی خبر والدہ اصف الدولہ کو ہوئی تو دونوں کو بٹو کر گلے لوا دیا اگرچہ حسب ظاہر صفائی ہو گئی اور سلام و کلام کا مشعر جاری ہو گیا لیکن دلون مین غبار ویسے ہی باقی رہا ایک ہفتے کے بعد حسن رضا خان نے لکھنؤ کو رخصت حاصل کی اور خلعت لیکر واپس آگئے۔

والدہ اصف الدولہ کی جاگیر کے بعض دیہات مین یاست کا

داخلت کرنا لیکن مقابلے اور خون ریزی کے خیال سے طردینا

اُسی زمانے مین نواب اصف الدولہ کی گردن پر دانہ نعل آیا اُن کی بان نے مضطر ہو کر

خداوند عالم اور جناب بیگم صاحبہ مالک ہین غلام کو کیا قدرت ہے کہ حضور یا امن کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرے اس نواب کے دل میں تھوڑا سا تکدر پیدا ہو گیا۔ دو دن کے بعد جواہر علی خان رخصت کا خلعت پا کر فیض آباد کو واپس ہوا یہ بات جب بیگم صاحبہ سے عرض کی تو انھوں نے کہا کہ خبردار ہماری جاگیر کے علاقے میں غفلت نہ رہیں مولوی نے دوبارہ آصف الدولہ سے حقیقت حال ظاہر کی تو اب نے تلنگون کی پلٹن ان گانوں پر قبضہ کر دینے کو بھیجی جب وہ پلٹن بھوانی سنگھ کے علاقے میں داخل ہوئی اور یہ خبیث فیض آباد آئی تو بیگم صاحبہ نے حکم دیا کہ پلٹن نکال دی جائے ان کے حکم کے بموجب مرزا احمد علی بیگ کپتان دوسو سوار اور نچیمون کے تو من جنین ایک ہزار جوانوں سے زیادہ تھے اور دو توپیں لے کر روانہ ہوا ستر کے قریب پہلی پہلے سے سلون میں متعین تھے اور کچھ علاقے کے گنوار اور زمیندار فراہم ہو گئے اس طرح تین چار ہزار آدمیوں کے ہجوم نے پلٹن کو جا گھیرا پلٹن کے افسر نے یہ حال نواب کو لکھا جو کہ عنقریب تمام جاگیر بیگم صاحبہ کا ضبط کرنا اور خواجہ سراہوں کا گرفتار کرنا منظور خاطر تھا اس لیے حیدر بیگ خان نے عرض کیا کہ بالفعل یہ مصلحت ہے کہ پلٹن واپس کہلی جائے چند روز کے بعد اسکی تدبیر دوسری طرح کی جائے گی جب پلٹن واپس چلی گئی تو فیض آباد میں یہ خبر سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ گنواروں اور دوسرے آدمیوں کے ہجوم سے نواب کی فرج ڈر کر چلی گئی مقلے کی تاب نہ لائی۔

ہو بیگم اور ان کے بیٹے نواب آصف الدولہ میں ناچاقی کا آغاز ہوتا

جب پلٹن کی واپسی کو علاقہ بھوانی سنگھ سے دس بارہ روز کا عرصہ گزر چکا

نواب کی مصاحبت کے درجے سے گر گیا اور نہ وہ مرتبہ باقی رہا نہ حضوری بلکہ قید کر دیا گیا۔ مولوی فضل عظیم صفی پوری حسن رضا خان کی جانب سے باور چھپانے اور دیو چھپانے کا نائب تھا اور یہ خدمت عہد شجاع الدولہ سے اُس سے تعلق رکھتی تھی ان کا رٹاون کے حاکم اصلی خود حسن رضا خان تھے۔ اس زمانے میں مولوی مذکور بھی بھوانی سنگھ کا طرفدار تھا اور نواب کے سامنے اُسکی طرف سے سوال و جواب کیا کرتا تھا اسکو خبر تھی کہ بھوانی سنگھ کے دیہات متاجری میں دس ہزار روپے کی گنجائش ہے مولوی نے جواہر علی خان سے سوال کیا کہ آخر بھوانی سنگھ ایک ہندو شخص کے ہاتھ میں یہ گائون تھے اگر اُسکی جگہ مجھے دیدیے جائیں تو مہربانی ہوگی میں جس طرح نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خان کا مطیع و منقاد ہوں اسی طرح آپ کا فرمان بردار ہوں جس قدر روپیہ بھوانی سنگھ سرکار میں داخل کرتا تھا میں بھی قسط بہ قسط داخل کرتا رہوں گا چونکہ اخوند احمد علی نے جواہر علی سے قبل سے یہ بات کہہ دی تھی کہ ان گائون میں دس ہزار روپے کی گنجائش ہے مولوی چاہتا ہے کہ بالابالا یہ منافع حاصل کرے آپ کسی حیلے سے اُس کی خواہش سے اعراض کر دیں جواہر علی خان نے اپنے نائب کے کہے کے بموجب مولوی کو یہ جواب دیا کہ فیض آباد سپونجھنے کے بعد بیگم صاحبہ سے عرض کر کے گائون تھلے حوالے کر دیے جائینگے اُن کی اطلاع کے بغیر ایک گائون دینے کا مقدور نہیں مولوی نے جب دیکھا کہ اس معاملے میں لیت و لعل کرتے ہیں تو نواب آصف الدولہ سے عرض کر کے سفارش چاہی نواب نے جواہر علی خان سے فرمایا کہ ہماری پاس خاطر سے یہ علاقہ مولوی کے حوالے کر دو اور والدہ ماجدہ کو ہرگز اطلاع نہ ہو اگر اس معاملے میں کوئی حیلہ کر دے تو ہم تنگنوں کی پلٹیں بھجور مولوی کا قبضہ کرا دیں گے۔ جواہر علی خان نے عرض کیا کہ

کا محاصرہ کر لیا اس نے عرضی حضور کو لکھی چونکہ یہاں دوسری تدبیر سوچی ہوئی تھی حکم ہوا کہ وہاں سے واپس آجائے اس بات سے کسی قدر اہل فیض آباد کو دلچسپی ہو گئی جب ایسی ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں اور بیگم صاحبہ کو کھٹکا ہوا اور نواب سالار جنگ کی جاگیر بھی ضابطی میں آگئی اور انھوں نے دم نہ مارا تو اب بیگم صاحبہ نے جواہر علی خان کو حکم دیا کہ علیحدہ علیحدہ شقے آصف الدولہ اور مرڈٹن صاحب ریڈنٹ اور حیدر باگ خان اور مولوی فضل عظیم خان کو بیگم کی طرف سے لکھے ہم ان شقوں کو ان کی عبارتوں میں نقل کرتے ہیں۔

شقہ بنام آصف الدولہ از جانب والدہ اوشان آصف الدولہ معلوم غایت کہ بہ ترغیب ملک کوران خانہ برانداز مابروکٹ کہ قبلہ تو ایم و ماورائے آن انواع پرورش سرآمد علانیۃً در حق تو کردہ ایم کہ تو خود از ان خوب اطلاع آگاہی داری باوصف این ہمہ مزاج بحرکات ناساز بے ادبانہ نے خواہی کہ عند اسد ماخوذ و عند ارسوا بدنام شومی و از جین و فات والد خود کہ بر مسند یاست جا کردہ مارا سولے ضرر و خصومت از تو ایچہ رسیدہ و حقوق شرعی و عرفی آن قدر کہ برگردن تست بر ذمہ شجاع الدولہ بنود و او کہ چند ہزار زن منکوحہ و غیر منکوحہ و متغیہ و غیر متغیہ در سرابے خودے داشت باوصف آن اطاعت و انقیاد و خاطر داری و دل جوئی مارا کہے کرد تو خوب بے دانی در قلمروا و شہرت ست و تو کہ از بطن من پیدا شدہ و لخت جگر منی بر تو اطاعت فرمانبرداری من ہزار چند ان واجب ست و ایچہ از نقود و اجناس و محالات جاگیر و غیرہ کہ با خود دایم ہمہ بدولت آن مرحوم ست از دولت تو آلودہ یک دامنہ شدہ ام بالفعل ایچہ نمیدہ و اراوہ داری غلبہ ست نظرے کہ بر محالات جاگیر من دوختہ ازین خیال خام ست بردار

توحید ریگ خان نے ہر طرف سے اطلاعیں ہم پہنچا کر اور ہر طرح کی رخنہ بندی کر کے
 اوردونون بیگمات (یعنی آصف الدولہ کی ماں اور دادی) کے باہمی نفاق سے فائدہ
 اٹھا کر اگلے حساب کے کاغذات کو دوبارہ نواب کے ملاحظے میں پیش کیا اور کسی قدر مخفی و محکم بھی
 دی اور نواب کی فضول خرچیوں کو لمبی لمبی تقریروں میں ذکر کیا اور حسن تقریر سے
 نواب کے نگہی ماں کی جاگیر کے ضبط کرنے اور ان سے روپیہ بطور قرض کے لینے کی طرف اتادہ کیا
 لیکن نواب ایسے بدنامی کے کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلو بچاتے تھے۔ جب حیدر بیگ خان
 نے خیالی تحریف سے نواب کو بہت تنگ کیا تو اُمّتھوں نے بدحواس ہو کر ان کے مشورے کو
 مان لیا۔ اب حیدر بیگ خان نے دکھانے کو اولاً اپنی اور حسن رضا خان کی جاگیریں
 ضبط کیں بعدہ عنبر علی خان اور آفرین علی خان اور محبوب علی خان خواجہ سراؤں
 اور مدار الدولہ وغیرہ کی جاگیروں کو ضبط کیا اور یہ مشہور کر دیا کہ نواب سالار جنگ
 کی جاگیر کی ضبطی کے لیے بھی نواب وزیر کا ارشاد ہے اور قرائن سے پایا جاتا ہے کہ جناب علیا
 سے بھی روپیہ مانگا جائے گا اس قسم کی خبریں مشہور ہوتے ہوئے فیض آباد میں پہنچیں
 اور وہاں ان کا عام طور پر چرچا ہونے لگا خواجہ سراؤں نے بیگمات سے عرض کیا لیکن
 بظاہر عقل سلیم نے اس بات کو قبول نہ کیا اس لیے اس پر کچھ توجہ اور اعتنائو لیا نہ
 کہ میر ناصر علی نام ایک شخص جو شجاع الدولہ کے عہد سے علاقوں پر عامل رہتا آتا تھا
 ریاست کی طرف سے بیگم صاحبہ والدہ آصف الدولہ کی جاگیر پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا گیا
 جب یہ خبر بیگم صاحبہ کو فیض آباد پہنچی تو حکم دیا کہ اس کو ایک شب بھی وہاں ٹھہرنے
 دین فوراً نکال دین بیگم کی فوج ۱۹ سو آدمی کے قریب موجود تھی اور ان کی مدد کو
 بگائوں کے آدمی بھی جمع ہو گئے یہاں تک کہ پانچ چھ ہزار کے قریب جمعیت نے میر ناصر علی

بنام مولوی فضل عظیم خان مگر تو خود را فراموش کر دہ کہ از جادہ راستی
انحراف داری سخن چند روز ست کہ با کنیزان مابدولت کہ بیج رتبہ نہاشتند بہ خوش آمد
و چاہوسی پیش آمدہ ہر گئے را ہشیر مے خواندی و بران مہابات مے کردی مروز بلطع
وہ ہزار روپیہ گنجائش علاقہ بھوانی سنگھ موجب فساد و فتنہ مے شوی و مگر بنگرامی ست
بنامین مابدولت و تخت جگر باغوا پر دازی آخراین آتش کو کنار نیست کہ بالا بالا
خواہد رفت۔

جب یہ خط لکھنؤ میں ہر ایک مکتوب الیہ کے پاس پہونچے سب نے متفق اللفظ و المعنی
اصف الدولہ سے کہا کہ بیگم صاحبہ نہ لکھی ہن نہ پڑھی یہ جو کچھ عبارت آرائی ہے جو علی
کی طرف سے ہے اُسے اُن کی اطلاع کے بغیر جو کچھ دل میں آیا ہے باکانہ لکھوا بھیجا ہے اور
نہایت آزادی سے ایسی جبارتیں کرتا ہے صلاح یہ ہے کہ آخر حضور کے والد کا غلام
ہے اگر اُس کو تھوڑی سی گوشمالی حضور کے ہاتھ سے ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ آئندہ جتنی
رکھے نواب نہایت سادہ مزاج تھے اس بات پر مستعد ہو گئے اور فیض آباد کو روانگی
کا ارادہ کیا۔

نواب آصف الدولہ کی فیض آباد کو روانگی

نواب نے اپنی روانگی سے قبل اپنی ماں کو تحریر بھیجی کہ غلام خود حضور کی خدمت
میں حاضر ہونے والا ہے جو کچھ حضور کو ارشاد فرمانا اور غلام کو عرض کرنا ہو گا! الموابہ
یہ کام ہو جائے گا اس عریضے کے فیض آباد پہونچنے سے ایک طرح سے اطمینان خاطر
حاصل ہوا لیکن بعضے ٹکڑے توڑنے والے نیک حرام جو خانہ خرابی پر آمادہ تھے اور

والا نتیجہ آن ور دنیا و عقبہ نیک خواہد شد۔

شفق بیگم بنام حیدر بیگ خان رخت پناہ حیدر بیگ خان محفوظ باشند
ہنگامیکہ عوض باقیات زرہاے سودی و دریا باد برادر بزرگ تو نور بیگ در شدت
تمازت آفتاب مرداد کمال صعوبت جاندا کہ متصل برادر از گرمی خورشید بے آبی مانند
مَرغ نیم بسمل بر زمین سنگین سے غلطیدی و قریب بود کہ برادر لخت شوی دران حال شفیع
تو گشتہ وزرہا از خزینہ خود رساندہ جان بخشی کردہ در حفظ و حمایت خویش نگاہداشت
وران وقت سر غلامی و مذویت بر آستانہ ماے المیدی و حالا ہم کہ رتبہ نیابت ملک
سے داری بدولت فرزند ارجمند من ست نہ از جاے دیگر برسانیدہ مگر قصاص خون برادر
از غلامان ماے خواہی کہ مصدر این ہمہ شوخی و فتنہ و فساد گشتہ مگر سبب این ست کہ
اصف الدولہ سادہ مزاج واقع است و در لمویات مشغول ہر چیز تعلیم سیکنی اوز آل کار
نا اندیشیدہ بہان سے کند خدائے منتقم جزاے اعمال بتو خواہد داد۔

بنام ملٹن صاحب رزیدنٹ حنا بطہ و آئین سلاطین و ملازمان انگریزی چنان
ست کہ از قول و فعل خود برنے گردند ہر چہ سے گویند و یاے نویسند بران راسخ و ثابت
سے باشند و سابق چند کاغذ مہری جان برسٹو وغیرہ صاحبان پیش خود موجود سے دارم
چنان نوشتہ اند کہ بعد ازین مامدم متعلقین سرکار کمپنی را و نواب اصف الدولہ را
از نقد و اجناس و محالات جاگیر و جمیع متعلقان حضور از ملازمان و عبید و خدم وغیرہ
بیچ گوئے تعرض و سرکار نامزدہ بطور خود ہر چہ دانند و توانند بکنند ہر گاہ این چنین ثالث
منضبط نوشتہ دادہ اند پس این ہنگامہ آرائی کہ شہرت دار و متواتر مسموع سے گرد و
و معلوم سے شود کہ عنقریب سمت غنور سے گیر و چگونہ و از چہ راہ است۔

اسعد علی بیگ کپتان کی ماتحتی میں تھے اور اٹھارہ ٹومن بخیون کے جواہر علیخان کے ساتھ تھے اور ایک کمپنی تلنگون کی عقلمند خواجہ سر کے پاس تھی اور ایک ٹومن بخیون کا بہار علی خان کے ہمراہ تھا اور سو جوان تلنگون علی خان خواجہ سر کے ساتھ تھے اور دو چار بے سفید پوش یکہ جوان ان کے سوا تھے۔ بیگم کی طرف نہ کسی کا نواب سے لڑنے کا ارادہ تھا نہ کوئی دوسرا خیال۔

ریاست کی جب تمام سپاہ جمع ہو گئی اور تہ پخانہ آراستہ ہو چکا تو نواب آصف الدولہ مع ڈٹن صاحب ریزیڈنٹ کے فیض آباد کو روانہ ہوئے۔ حیدر بیگ خان نے اس موقع پر عرض کیا کہ مذہبی اور دین دن تک افواج متفرق و باقی ماندہ کو جمع کر کے اور ساتھ لے کر بہان سے روانہ ہو گا جب تک میں حاضر نہ ہو جاؤں حضور اُس وقت تک کسی امر میں جلدی اور شتابی نکرین ان کے دیر سے روانہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص بنگھین کے کہنے میں تھا اور اُنھوں نے بالاتفاق کہا تھا کہ ابھی آپ کی روانگی کی ساعت نہیں آئی ہے اس لیے سپاہ کے جمع کرنے کے چلے سے نواب کے ساتھ نہ گئے آصف الدولہ کا یہ عمل قدیم سے تھا کہ جب فیض آباد کا ارادہ کرتے تو پہلے سے حکم پرانے مکانات کی درستگی کا جو موسمی محل کے پاس تھے جہاں نواب کی والدہ رہتی ہیں بھیج دیتے تھے اور فراش و کار پر دازان کو سجا دیتے تھے اب کی مرتبہ فیض آباد کا قصد کیا تو مکانات کی تیاری کا حکم کسی اہلکار کو نہیں بھیجا اور جب فیض آباد میں داخل ہوئے تو آصف باغ میں اترے۔ یہ باغ شجاع الدولہ نے آصف الدولہ کے نام پر تیار کرایا تھا اور چوک سے جہاں بتی محل تھا ان کے لکھنؤ کی سمت ایک کوس جریبی کا فاصلہ رکھتا تھا جب ایسا واقعہ ہوا تو اعلیٰ مان نے جواہر علیخان اور بہار علی خان کو ان کے پاس بھیج کر پیام دیا کہ ہم سے ایک کوس کے

جواہر علی خان اور بہار علی خان کا جاہ و حشم ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتے تھے وہ حسد کی رام سے انکی سیدھی باتیں اور جھوٹے سچے حالات بیگم صاحبہ کے ہان کے اپنے دل سے تراش کر حسن رضا خان اور حیدر بیگ خان کو لکھتے رہتے تھے اور اس میں اپنی بہتری و بہبودی سمجھ کر اقسام، عیالات، نقد و جنس کے نواب آصف الدولہ کی سرکار اور ارکان سرکار سے متوقع تھے اور ان میں سے بعض خود بیگم صاحبہ کے خواجہ سرا تھے جب انھوں نے دیکھا کہ نواب خود تشریف لانے والے ہیں اور ممکن ہے کہ ان بیٹے باہم مل جائیں اور صفائی ہو جائے اور یہ تحقیق ہو جائے کہ فلان فلان امر کا فلان فلان شخص بانی ہے اور ان دو وزن کو اس وقت معلوم ہو جائے کہ فلان غلام نے ایسا لکھا تھا اور فلان نے ویسا تو مٹی پلید ہو۔ یا سرتن سے جدا ہو یا مٹھ کالا کر کے گھر سے پر سوار کر کے کشمیر کیے جائیں اس لیے ان لوگوں نے فیض آباد سے لکھا کہ تو میں گو کہ بارود کے ساتھ اور دوسرا سامان جنگی اور تین چار ہزار پیادہ و سوار اور سیکڑوں لکھ جو ان لڑنے مرنے والے یہاں مستعد و آمادہ لڑائی کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ نواب کی خدمت میں عرض کر دیا جائے کہ اگر تشریف لاتے ہیں تو بڑی ہوشیاری اور خبرداری سے آویں۔ نواب صاحب نے اس جھوٹی بات کو سچ سمجھ کر تمام سپاہ متفرق کو جاہ جا سے جمع کیا اور عاملوں کو لکھ دیا کہ اس باقاعدہ فوج کے عوض دوسرے بندے کے جوان بھرتی کر کے جا بجا گھاٹوں اور پرگنوں میں بھیج دو اور یہ کل سپاہ لکھنؤ کو روانہ کر دو چنانچہ تمام پلٹین تانگوں کی سرخ و روئی والی اور تمام نجیب سیاہ و روئی والے اور تمام رسالے سواروں کے رکاب ہمایون میں جمع ہو گئے۔

اب بیگم صاحبہ کی سپاہ کی تفصیل سنئے جو ان کے پاس فیض آباد میں تھی و سو سوار

ناخوش ہو کر اپنی جائے سکونت کو بدل دینا

جس ن حیدر بیگ خان پہونچے اُس دن آصف الدولہ خود تو مان کے پاس گئے سالار جنگ کو بھیج کر ان کی زبانی پیام دیا کہ غلام کو کر دڑ روپے انگریزوں کے مینے ہیں اُمیدوار ہوں کہ حضور سے محنت ہو جائیں بیگم صاحبہ نے یہ بات سُن کر سالار جنگ سے فرمایا کہ کیا پھر مزاج آصف الدولہ کا اعتدال طبعی سے منحرف ہو گیا ہے یا غلبہ خفیانہ کی وجہ سے ایسی غافلانہ باتیں سُنے سے نکالتا ہے اور آپ میرے بزرگ ہیں اس لیے میں آپ سے کیا کہوں ایسے پیغام بے محل اور بے کار آپ لاتے ہیں بھلا اُس سے پوچھو تو کہ تمام صوبہ اودھ والہ آباد اور دوسرے ممالک وہ اپنے قبض و تصرف میں رکھتا ہے لیکن کبھی ایک کر دڑ روپوں کی صورت اُس نے اپنی آنکھوں سے دکھی ہے یا اُس کے باپ نے کبھی اتنے روپے جمع کیے تھے اگر اُس کے دل میں یہ بات ہو کہ شجاع الدولہ کی دولت میرے پاس جمع ہے تو وہ تو پہلے ہی مجھ سے لے گیا ہے میری جاگیر سے چار لاکھ روپے کی آمدنی ہے اسی قدر خرچ بھی پھر میں نے کر دڑ روپے کہاں سے جمع کر لیے دوسرے دن صبح کو خود نواب آصف الدولہ اپنے ماموں کو ساتھ لیکر بیگم صاحبہ کے پاس آئے اُنکے بیٹھ جانے کے بعد بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے ایک کر دڑ روپے کی درخواست کی ہے سچ کہو کہ باپ کے عہد میں اس قدر روپیہ کبھی ایک جگہ دیکھا تھا یا تم نے اس قدر عرصے میں کبھی جمع کیا ہے ہمنے تو خواب میں بھی اتنا روپیہ نہیں دیکھا یہ کیا باتیں ہیں کہ ظالمانہ زبان پر لاتے ہو نواب نے قطعی انکار کیا کہ غلام نے کبھی ایسی درخواست نہیں کی ہے اُس وقت بیگم صاحبہ نے نواب سالار جنگ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ واہ بھائی صاحب عجیب پیغام خلاف واقع

فانسلے پر ٹھہرنے کا سبب کیا ہے نواب سے جواب میں کہلایا کہ ان دنوں خفقان کی ایسی شدت ہے کہ بدو ن مکان وسیع و خوش فضا کے دل پر پریشانی رہتی ہے لکھنؤ میں بھی زیادہ تر صحرا کی سیر میں کٹتی تھی یہ مکان بارہ درہیاں قدیم کے مقابلے میں بہت وسیع ہے رف و حشت خاطر کے لیے یہیں کی سکونت کو اطمینان تجویز کیا خاکسار شام کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہو گا اور دو دنوں خواجہ سراؤں کو ایک ایک دو شالہ ایک ایک گڑی ایک ایک رومال اور ایک ایک گوسٹوارہ بطریق خلعت کے بخشا خوشی خوشی دو دنوں شخص بیگم صاحبہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ نواب شام کے وقت خود بھی آویٹھے اسی دن نہایت تنگ وقت پر کہ بعض جگہ چراغ بھی جل گئے تھے۔ نواب صاحب اپنے حقیقی مامون نواب سالار جنگ کو ساتھ لے کر ان سے ملنے کو آئے اور ضابطہ قدیم کے مطابق ایک سو ایک اسٹرنی کی نذر دے کر بہت تھوڑی دیر بیٹھ کر نماز مغرب ادا کرنے اور باپ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بہانے سے جلد اٹھ گئے اور گلاب باڑی میں جا کر اسی طرح ہاتھی پر بیٹھے ہوئے فاتحہ پڑھ کر آصف باغ کو چلے گئے دوسرے دن سے یہ دستور رکھا کہ روز صبح کو مامون کے ساتھ آتے سلام کر کے بہت تھوڑی دیر بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے چلے جاتے ان اور بیٹے کے دونوں میں انقباض رہا چوتھے دن حیدر بیگ خان بھی فوج اور توپخانے کے ساتھ آگئے اس مرتبہ حسن رضا خان اور حیدر بیگ خان سلام اور نذر کو حاضر ہوئے اس سے زیادہ کبیدگی خاطر رہی آصف الدولہ کا اپنی ان سے کروڑ روپے طلب کرنا دونوں طرف سے بہت سا انکار و اصرار پیش آنا بیگم کا

جو کچھ روپیہ ان کے امکان میں ہو گا بے در دوسری کے ہاتھ آجائے گا جناب عالیہ سے
کاوش اور رد و بدل کرنا ادب کے خلاف ہے اور یہ پھر کام کسی طرح قرین مصلحت نہیں
نواب صاحب نے اس رے کو پسند کیا اور دونوں خواجہ سراؤں کی گرفتاری کی تدبیر کرنے
لگے نواب نے آفرین علی خان خواجہ سرا کو اپنی بان کے پاس بھیجا کہ تھوڑی دیر کے لیے
جواہر علی خان اور بہار علی خان کو میرے پاس بھیجا دیا جائے کہ ایک بات ان سے کہنی ہے
یگم کے آدمی اس پیام سے ڈر گئے اور وہ دونوں خواجہ سرا بھی دریائے فکر و حیرت میں
ڈوب گئے انھوں نے محل سے نکل کر اپنے مکانوں کو جانا چھوڑ دیا محل سے نکل کر مکان
آتش خانہ میں کہ ڈیوڑھی پہننا آجاتے اور یہاں حوالے ضروریہ سے خارج ہو کر پھر
مجلس میں چلے جاتے۔ یگم صاحب نے آفرین علی خان کو جواب کہلا بھیجا کہ اپنے اقل سے جا کر
کمدے کہ تجھ کو مجھ سے کونسی پردہ داری ہے خود کیوں نہیں میرے پاس آکر جو کچھ منظور
خاطر ہے کہتا خواجہ سراؤں سے کیا سروکار وہ کبھی نہیں آئینگے یہ بات مشہور ہونے سے
بھٹوٹے بٹے پھر متوحش ہوے اور سمجھے کہ ہنگامہ طول کھینچے گا جب خواجہ سراؤں کا آسانی
سے ہاتھ آنا میرا ہوا تو آفرین علی خان کی زبانی نواب نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ اب ارادہ
فردی کا ایسا قرار پایا ہے کہ آپ کے متصل بارہ درمی قدیم ہیں اگر رہوں لیکن شاگرد پیشہ
اور مردم ہمارا ہی کے رہنے کے لیے وسیع مکان درکار ہیں اگر دو تین دن کے لیے ایسا ہو کہ
آپ کے پیارے جنگلے مکان فیض آباد میں ہیں اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر اپنے اپنے گھر و پھر
چلے جائیں تو بہتر ہے تاکہ میرے آدمی ان جگہوں میں اتر جائیں۔ اس پیغام سے
یگم صاحب نہایت راز و خستہ ہوئے اور کہنے لگے کہ خیریت ہے ماطن کا حال معلوم ہوا
اگر ایسی حالت ہے تو مجھے پتہ ہوتا بھی قلعہ میں گوارا نہیں جب آفرین علی خان یگم کے

دل سے ترس کر لائے تھے آپ کو ایسی باتوں سے کونسا فائدہ ہے وہ بے چارے دم بخود ہو گئے نہ اقرار کرتے بنتی تھی نہ انکار کرتے تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد خود نواب آصف الدولہ ہی نے اس بات کی یون فیسر کی کہ انگریزوں کو دینے کے لیے کروڑ روپے مجھے چاہئیں یہی پیام دیا تھا میں نے طلب نہیں کیسے تھے مومن صاحب یہ سمجھ گئے کہ میں طلب کرتا ہوں اگر ان میں سے کچھ حضور بھی رحمت کر دین تو غلام کی مشکل آسان ہو جائے بیگم نے جواب دیا کہ کروڑ اور آدھے کروڑ روپے تو میں نہیں جانتی اگر تم کو مطلوب ہیں تو پانچ چھ لاکھ روپے لے سکتی ہوں لیکن اول یہ بتا دینا چاہیے کہ روپے قرض لیتے ہو یا بطور ثواب کے نواب نے عرض کی کہ بطور قرض کے چاہتا ہوں اسی قدر سوال و جواب پر مجلس ختم ہو گئی نواب آصف الدولہ باغ کو چلے گئے اور خواجہ سرا اپنے مکانون میں آکر کھانے پینے میں مشغول ہوئے جب یہ حکایت حیدر بیگ خان کے کانون میں پہنچی تو نواب سے عرض کیا کہ جناب عالی نے ایک کروڑ روپے کے لیے اتنی تکلیف اٹھائی ہے لکھنؤ سے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ فیض آباد تک سفر کیا ہے دور دُور تک لوگوں نے یہ بات سنی ہے کہ نواب نے اپنی ماں سے زکثیر پایا ہے اس قدر تھوڑے روپے لینے پر جو خود حضور نے رضا مندی ظاہر کر دی ہے تو اس سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ بدنامی علاوہ رہی کہ ماں سے بلا رضا مندی کے روپیہ لیا پھر کس لیے ہت سارو پیہ نہ لیا جائے جس سے کام نکل جائے اس کی تدبیر نک خوار کے ذہن میں یوں ہے کہ جواہر علی خان اور بہار علی خان دونوں حضور کے باپ کے غلام ہیں اور جناب عالیہ کے یہی مدار المہام ہیں اُن کا تمام اند وختہ ان کی تحویل میں ہے یہی سیاہ و سفید کے مالک ہیں کسی طرح ان دونوں کو بیگم صاحبہ سے جدا کر کے تھوڑی دیر قید رکھ کر کسی قدر چشم نمائی کی جائے

کو دو پہر کے بعد جناب عالیہ سوار ہوئیں تمام فوج جو دو ہزار کے قریب تھی اور تمام خواجہ سرا
 اور ان کے آدمی ساتھ ہوئے اور سامان ضروری بھی ہمراہ لیا بڑی بیگم موٹی باغ میں کہ
 قلعہ سے زیادہ مسافت نہیں رکھتا تھا رہتی تھیں رستے میں اتنی بھیڑ بھاڑ تھی کہ
 سپاہیوں کا سواری کے ساتھ چلنا دشوار تھا قلعہ کے دروازے سے موٹی باغ تک سب نے
 دور و یہ صف باندھ لی سواری ان صفوں کے درمیان سے گزری تمام شریف آدمی اور
 یکہ جان کہ بیگم صاحبہ کے نوکر اور خواجہ سراؤں کے مصاحب تھے اور جن کا معمول سواری
 کے ساتھ رہنے کا نہ تھا اس وقت مسلح ہو کر سواری کے ساتھ ہے اور سپاہیانہ نجیب
 جنگی وردی سیاہ تھی اور تلنگے جنگی وردی سُرخ تھی اپنے افسروں کے حکم کے بغیر اور
 بدون اجازت مالکوں کے بند و قون کے توڑے سُلگا کر کھڑے ہو گئے جب سواری قلعہ
 سے نکلی تو مولوی فضل عظیم خان نے سلام کیے نذر پیش کی جو نامنظور ہوئی جب یہ خبر
 نواب آصف الدولہ کے کان میں پہنچی تو اُن کا دل بھرا آیا کو دل و دماغ اُن کا کیسا ہی
 اوباشی اور شراب نوشی نے خراب کر دیا تھا کمر اس وقت اُن کا دل نہہ سکا اُنھوں
 نے ارادہ کیا کہ تیزی سے پہنچ کر معذرت کر کے منت و سماجت کے ساتھ سواری کو
 پھر قلعہ میں لوٹائیں لیکن حیدر بیگ خان نے عرض کیا کہ اگر روپیہ لینا منظور خاطر ہے
 تو تھوڑی دیر توقف فرمانا چاہیے آخر دوا دی صاحبہ کے دولتخانے میں جا رہی ہیں کبھی
 اپنا مکان ہے اور وہاں ہمیشہ جاتی رہتی ہیں کوئی نئی بات نہیں اُسی وقت مولوی
 فضل عظیم خان نے پہونچ کر عرض کیا کہ حضور کا اس وقت معذرت کے لیے تشریف لیجنا
 مصلحت کے خلاف ہے دہان تمام مادہ تیار ہے سپاہیانہ پیادہ و سوار بند و قون کے
 توڑے سُلگائے ہوئے مستعد کھڑے ہیں اور نفس الامریہ ہے کہ بیگم صاحبہ کو ان آدمیوں

پاس سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو دیکھا کہ نقار خانے کے دروازے سے قلعہ کے دروازے تک کہ یک پولیہ کہلاتا تھا دونوں طرف ہر ایک دوکانین دس دس میں میں سپاہیان نجیب بیگم صاحبہ کے ملازم جو ابھر علی خان کی ماتحتی میں تھے بیٹھے ہیں اور اس وقت دوسری بات یہ ہوئی تھی کہ پہلے سے مرزا احمد علی بیگ کپتان کے رسالے اور عقلمند خواجہ سر کی کہانی میں جو آدمی کم تھے اور ان کے ناموں کی جگہ دوسرے آدمی بھرتی کرنے کے لیے حکم ہوا تھا ایسے موقع پر ان دونوں شخصوں نے بھی بھرتی شروع کر دی تھی اور ایک ایک کی جگہ دس دس اور دس دس کی جگہ سو سو آدمی نوکری کے لیے حاضر تھے ایسے ہتھیار بندوں کا ہجوم عام ہو گیا تھا اس اثر و حام میں آفرین علی خان میلے میں سوار آیا اور بلند آواز سے کہا کہ سپاہیان مکاؤن سے اٹھ جائیں اور اپنے اسباب بچائیں حضور نواب صاحب کے آدمی یہاں قیام کریں گے جب سپاہیوں کے کافون میں یہ آواز پہنچی تو آفرین علی خان کو گالیان دینے لگے اور کہنے لگے کہ جناب عالیہ کے بغیر ہم یہاں سے نہیں ہٹیں گے آصف الدولہ تو کیا حقیقت رکھتے ہیں اگر شجاع الدولہ اور صفدر خاں اور برہان الملک اپنی قبروں سے اٹھ کر یہاں آویں اور اس بات کی درخواست کریں تو یہ امر ناممکن ہے۔ آفرین علی خان نے نواب آصف الدولہ کے پاس پہنچ کر تمام حال کو بڑی آب و تاب کے ساتھ عرض کیا اس ہنگامے میں نواب آصف الدولہ کی دادی کے جاسوس بھی موجود تھے انھوں نے جا کر اپنی بیگم سے حال بیان کیا انھوں نے اپنی بہو کو کہلا بھیجا کہ یہ کیا خلاف توقع اور بے قاعدہ باتیں سننے میں آرہی ہیں میں ہمارے پاس اگر مفصل حال معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ والدہ آصف الدولہ نے جواب میں عرض کر لیا کہ آپ بزرگ ہیں سواری کا تصدیق مناسب نہیں میں خود آپ کے پاس آتی ہوں۔ جمعہ کے دن ۲۵ محرم ۱۱۹۶ھ ہجری

خواجہ سراؤں کے ممتاز اور شریف نوکر بھی تیار تھے یہ بھلے آدمی رات کو بھی حفاظت کے لیے بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر جمے رہتے۔

انگریزی پلیٹن کا قلعہ اور جواہر علی خان و بہار علیخان
کے مکان پر قبضہ کر لینا حکمت عملی سے بیگم کے
آدمیوں کو منتشر کر دینا

شب شنبہ ۲۶ محرم ۱۱۹۶ھ ہجری کو پہر رات گئے انگریزی پلیٹن ایک انگریز کی ماتحتی میں تیار ہو کر مغرب کی طرف سے دلی دروازے کی راہ ہو کر قلعہ میں داخل ہوئی اور بہو بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی اور جواہر علی خان و بہار علی خان کی حویلیوں اور قلعہ کے قنوں دروازوں پر پیرے کھڑے کر دیے اور قلعہ کی شمالی طرف کا بھی جو دریا کی سمت واقع ہے انتظام کر لیا اور ایک ایک قہرپہ ایک دروازے پر کھڑی کر دی اس کارروائی سے بیگم صاحبہ کے طرفداروں کو بالکل مایوسی پیدا ہو گئی نواب نے ذرا پاس و لحاظ نہ کیا اور یہ خیال کیا کہ تھوڑی سی چشم پوشی سے مدعا حاصل ہو جائے گا والدہ صاحبہ اور اُن کے مشیر سمجھ لینگے کہ نواب اس مرتبہ بیرونی پر کمر باندھے ہیں اپنی درخواست پوری کر اگر چھوڑینگے اور جس طرح بن سکے گا روپیہ لیے بغیر نہ مانینگے۔ بیگم صاحبہ اور اُن کے طرفدار مایوس ہو جائینگے اسی وجہ سے پلیٹن کو قلعہ میں داخل کر دیا پہلے بھی نواب نے مان سے روپیہ لیا تھا لیکن اتنی سختی نہیں کی تھی اب جانہن سے آمد و رفت آدمیوں کی بند ہو گئی اور اعتبار و اعتماد ایک کو دوسرے کا نہ باعینبر علی خان و یوسف علی خان خواجہ سرا کہ جواہر علی خان کے بھائی کہلاتے تھے پہر رات گئے نواب کی طرف سے اُن کی دادی کے

کے کھڑے ہونے اور توڑے سنگ لپٹنے کی بالکل خبر نہ تھی نواب صاحب نے ان دو باتوں کی وجہ سے عزیمت سواری روک دی بیگم صاحبہ کے ساتھ چالیس بھٹوں میں مغلایان اور کنیزیں سوار ہو کر گئیں جب سواری موتی بلغم میں داخل ہوئی تو جواہر علی خان اور بہار علی خان مطبوع علی خان کی حویلی میں اترے یہ حویلی بڑی بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی سے متصل تھی اور یہ شخص ان کا خواجہ سرا تھا۔

بیگم صاحبہ کو قلعہ سے نکل کر ساس کے پاس چلے جانے کی صلاح خواجہ سراؤں نے دی تھی ان کا مقصود یہ تھا کہ جب بیگم صاحبہ مکان چھوڑینگی تو آصف الدولہ اپنی بڑائی کے خیال سے روپے کا سوال بند کر دیگے اور محبت مادی سے جوش مار کر معذرت کو چلے آئینگے۔

بیگم صاحبہ کی جاگیر میں بڑے بڑے آٹھ محال تھے جنہر آٹھ عامل مقرری تھے ان کے سوا چھوٹے سلعون پر بھی فوجدار متعین تھے اخوند احمد علی تمام محالات جاگیر کا افسر اعلیٰ تھا اُس نے چند روز قبل ہولے زمانہ دیکھ کر دور اندیشی کی راہ سے تمام محالات کے عاملوں کو حکم لکھ دیا تھا کہ اپنی تمام جمعیتوں کے ساتھ فیض آباد میں چلے آئیں۔ تمام ملازمان بیگم صاحبہ اور عاملوں کے تمام آدمی و شاگرد پیشہ اور اکثر زمینداران دیہات جو حسن معاملہ کی وجہ سے راضی تھے جمع ہو کر اسی فیض آباد پہنچ گئے جس دن بیگم صاحبہ قلعہ سے نکل کر ساس کے پاس آگئی تھیں یہ جمعیت بھی دو ہزار سے کم نہ تھی یہ تمام آدمی فیض آباد کے جنوبی ناکے تک جو ناکہ الہ آباد کہلاتا ہے اور قلعہ سے ایک کوس جریبی کی مسافت رکھتا ہے دور وہ صاف باز دھڑکھڑکے ہو گئے بازار کے دکانداروں نے لوٹ مار کے خوف سے دکانیں بند کر دیں اور تماشے کیلئے کھڑے ہو گئے تماشائیوں کا ہجوم اور پانچ چھ ہزار سپاہیوں کا مجمع شہر میں ہونے سے اڑھام ہو گیا شہر کے عجیب شریف آدمی بیگم صاحبہ اور

کون ہے اگر معلوم ہو تو میں بھی اُن کی فوج کے ساتھ شریک ہو کر اُن کے دشمن سے لڑوں
 یہ بات سن کر نواب کی دادی نے اُنکی ماں سے کہا کہ بی بی اپنے بیٹے کا پیغام سن لیا
 کیا جواب دیا جائے بیگم نے ساس کو جواب دیا کہ مجکو بالکل اسکی خبر نہیں کہ کس نے فوج کو
 تیار اور لڑائی کے لیے مستعد کیا ہے پھر جواہر علی خان اور بہار علی خان کی طرف مخاطب
 ہو کر کہا کہ شاید تم نے یہ جسارت کی ہوگی یہ دونوں شخص صبح سے سامنے کھڑے تھے
 عرض کرنے لگے کہ یہ غلام حضور میں حاضر ہیں باہر کے حالات کی کچھ خبر نہیں اور حضور کے
 حکم کے بغیر کیا مقدور تھا کہ اپنے صاحبزادے اور پیر و مرشد کے ساتھ لڑائی کا ارادہ کرتے
 ہو مجکو بالکل خبر نہیں۔ عنبر علی خان نے عرض کیا کہ تو بہن انگریزی پلٹن کے سامنے جو قلعہ
 میں داخل ہو گئی ہے تیار کھڑی ہیں بیگم نے کہا کہ تو بہن آصف الدولہ کے آدمیوں کے
 حوالے کر دو یہ حکم ہوتے ہی نواب کے مغل بچے بیگم کے گولہ اندازوں سے تو بہن لے کر
 اپنے ہاتھوں سے کھینچتے ہوئے شکر میں لے گئے بیگم کے تو بچانے کے مغل بچے بے تکلف
 چلا چلا کر اہانت کے الفاظ کہنے لگے۔ کہتے تھے کہ کاش کسی مرد کے نوکر ہوتے یہ اہلے دراز
 سے اس سرکار کے نوکر تھے ماہ باہ تخواہ پانے تھے عرصہ دراز سے آرزو تھی کہ آقا کے
 سامنے اپنے چچے خون کو نثار کر دیں آج کا دن جان نثاری کا تھا اس بی بی اور خواجہ مراد
 نے جان فدا کرنے کی فوج نہ پہونچنے دی ٹھف ایسی نوکر نی پم یہ عبارت کسی قدر
 ادب سے درست کر کے لکھی ہے ورنہ انھوں نے تو کھلی کھلی اور بہت فحش گالیاں
 دی تھیں جب تو بہن ہاتھ سے گل گئیں تو بیگم کے آدمیوں کا طنطنہ کسی قدر سُست
 ہو گیا لیکن بدستور کھڑے تھے۔ عنبر علی خان نے نواب کے پاس پہونچ کر سب حال
 عرض کیا۔

مکان پر آئے اور چند باتیں عرض کر کے جواہر علی خان کو نواب کی طرف سے بہت دھمکایا اور رخصت ہو کر لوٹ آئے۔

دوسرے دن کہ شنبے کی صبح اور محرم کی ۲۶ تاریخ تھی بغیر اس کے کہ بیگم صاحبہ کو کوئی خبر ہو یا جواہر علی خان کو اطلاع دین مرزا احمد علی کپتان اور عظیم خوجا سرکار کمال ططنے کے ساتھ قلعہ میں آئے اور پانچ چھ توپیں جو قلعہ میں رکھی ہوئی تھیں ان کو اپنے ہتھیاروں سے کچھ اکڑا کر باہر لے آئے انگریز جو قلعہ میں پلیٹن کے ساتھ تھا اس کو لڑائی کی اجازت نہ تھی اس لیے خاموش رہا منع نہ کیا ان چھو دن توپوں کو چوک میں لے جا کر ترپولہ کے دروازوں میں کھڑا کر دیا ایسے مقام پر جہاں قریب تر انگریزی توپ قلعہ کے دروازے پر دھکن روہ کھڑی تھی انھوں نے اس کے بالمقابل اپنی توپیں شمال روہ کھڑی کیں اور سواروں کو حکم دیا کہ گھوڑے چھوڑ کر با پیادہ ترپولہ پر چڑھ جائیں سوار جو دوسو آدمیوں سے زیادہ تھے بند و قون کے توڑے سلگا کر چڑھ گئے منظوریہ تھا کہ اگر نواب دزیر کی فوج لڑائی کے لیے ادھر سے آئے تو تلے سے تلے کے آدمی اور اوپر سے اوپر کے آدمی ان کو بھونچیں۔

۲۶ محرم روز شنبہ کو پہر دن چڑھے عنبر علی خان آصف الدولہ کے لشکر سے انکی آدمی کے محل میں پہونچا اور ان کی والدہ کے سامنے کھڑے ہو کر دادی سے عرض کیا کہ نواب صاحب آپ کی خدمت میں گزارش کیا ہے کہ غلام سلام کا اودھ رکھتا ہے لیکن جاسوسوں کی زبان سے معلوم ہوا کہ والدہ صاحبہ کے آدمی تو پانچا نے کر سدا رہ ہیں اس اندیشے سے غلام نے حاضر ہونے کی جرأت نہیں کی اگر والدہ ماجدہ نے میرے مقابلے کے لیے یہ سپاہ تیار کی ہے تو مجھ کو مقابلے کی قدرت نہیں اور اگر کسی دوسرے کے لیے ہے تو وہ آخر

برابر برابر آدمی کھڑے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے کندھا چھلتا ہے ڈیوڑھی پر جب قدر آدمی
 ہیں اُن سب کو ملا کر دس ہزار کے قریب معلوم ہوتے ہیں نواب کے مصاحبوں نے
 یہ مشورہ دیا کہ جس طرح ہو سکے اس ہجوم کو بھی متفرق کر دینا چاہیے تب خواجہ سرا
 ہاتھ آویٹے۔ چنانچہ پھر عنبر علی خان کو بھیج کر بیگم صاحبہ سے نواب نے عرض کرایا کہ اگر
 سپاہی لوگ بازار سے چلے جائیں تو میں آجاؤں۔ بیگم نے حکم دیا کہ سب یہاں سے
 ہٹ کر اُس میدان میں ٹھہر جائیں جو شہر سے جنوب کی طرف واقع ہے جہاں شجاع الدولہ
 کے عہد میں پرشاد سنگھ کی دونوں پلٹنوں کی چھاؤنی تھی اور اب وہاں چھوٹی سی
 کوٹھی داراب علی خان نے بنالی تھی چنانچہ خود عنبر علی خان بیگم صاحبہ کی اجازت
 سے اُن کو ساتھ لے گیا اور اُس جگہ ٹھہرا دیا جب یہ آدمی چلے گئے تو چوک کا بازار بلکہ
 یوں کہو کہ تمام شہر خالی ہو گیا خرید و فردخت اور شہر والوں کے دوسرے کام بند ہو گئے
 تمام آدمی گلی کو چون مین کھڑے ہوئے تھے کہ اس ہنگامے کا انجام کیا ہو گا لیکن جو لوگ
 کہ ڈیوڑھی پر بیٹھے ہوئے تھے اور قریب پانسو آدمیوں کے تھے وہ جگہ سے نہ ہلے۔
 ہو بیگم کے موتی محل سے ٹکڑے موتی باغ میں آنے کے وقت جس قدر فوج دور وہ کھڑی تھی
 اُس کی کوئی حقیقت نواب کی فوج کے سامنے نہ تھی لیکن چونکہ یہ آدمی شہر میں تھے
 اس واسطے بہت معلوم ہوتے تھے اس لیے نواب کے ارکان دولت کو اندیشہ تھا کہ اگر
 لڑائی ہو گئی تو یہ کوئی صدف جنگ میدان تو ہے نہیں کہ توپ و گولہ مزدوق کا کرے
 یہ خانہ جنگی کی وضع ہے اور عوام یہ کہتے تھے کہ اگر دونوں بیٹیں لڑائی کو سوار ہو جائیں
 تو نواب کی طرف شجاع الدولہ کے وقت کی جو سپاہ ہے مبادا وہ پاس اب کا لڑاؤ کرے
 اور بلوا پیدا ہو جائے اور علاقے کے گنوار بھی آکر شریک ہو جائیں تو اس سے قباحت

محمد فیض نجف کہتا ہے کہ جس وقت عنبر علی خان محل میں آصف الدولہ کا پیغام آئی
 دادی سے بیان کر رہا تھا اُس وقت بعضے خواجہ سرا اندر سے باہر آئے اور اخوند احمد علی
 اور میرے اور دوسرے حضار مجلس کے سامنے کھڑے ہوئے کہ ساس نے ہوسے کہا کہ اگر لڑائی
 کا ارادہ ہے تو بسم اللہ ہم تم دونوں سوار ہوتے ہیں اس صورت میں احتمال ہے کہ
 ہتھالے بیٹے کو کوئی نقصان پہنچ جائے یا نہ پہنچے کیونکہ شجاع الدولہ کی فوج خراب
 ہو چکی ہے چند سالہ دارجو باقی رہ گئے ہیں وہ ہماری اور تمہاری شرکت سے مطلع
 ہوئے اور تمہارے بیٹے سے ناراض ہیں غالب کہ معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ ہونے
 جواب دیا کہ استغفر اللہ یہ کیا کلام ہے اس طول عمر میں یہی ایک لڑکا خاندان کا چراغ
 ہے مجھ کو یہ کب منظور ہے کہ اُس کو صدمہ پہنچے۔ اور ایک بار جو اہر علی خان مہار علی خان
 کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ سارا فساد اور ہنگامہ آرائی صرف تمہارے لیے ہے اگر
 ہو سکے تو آصف الدولہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ تم اُس کے باپ کے غلام ہو اگر
 چاہے گا سزا دے گا تم اپنے نفوس پر گوارا کر لے جو کہ غیرت و ننگ کا موقع نہیں ہے اور
 اگر اُس کی چشم نمائی سے عار ہے تو جہان پناہ مل سکے چلے جاؤ اور مجھ سے کچھ توقع نہ رکھو
 چونکہ ان بیٹے کا معاملہ تھا اور یہ خانہ زاد تھے ان کو اگر کچھ ناز تھا تو اسی قدر تھا کہ
 بیگم صاحبہ کی خدمت گزاری اور حاضر باشی میں رہتے تھے جب روبرو جواب صاف
 پالیا تو حیرت سے چھٹکے چھوٹ گئے مولے سکوت کے ایک بات منہ سے نہ نکل سکی۔

القصد عنبر علی خان نے یہاں کا تمام حال نواب آصف الدولہ سے عرض کیا نواب
 کے اہل دربار نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آخر کس قدر آدمی
 ہوئے اُسے جواب دیا کہ اگرچہ میرا تخمینہ یقین کے قابل نہیں لیکن قلعہ کے دروازے شہر کے دروازے تک

جاؤں گا تو یکایک بغیر لڑے بھڑے کسی کے ہاتھ نہ آسکوں گا اگر مارا جاؤں گا تو پردہ
ڈھک جائیگا اور اس سے بہتر ہوگا کہ ہم چشموں میں رسوائی حاصل ہو اس بات
کو دل میں نہ پختہ کر کے گھوڑے پر سوار ہو کر موتی بلخ کے پیچھے ایک پاکڑ کے پیڑے آکر
کھڑا ہوا ساتھ ایک گٹھری تھی اس میں چند دو شالے اور شالی کر بند اور دوسرے
چند کپڑے تھے اور سوا شرفیان انگرکھے کی ایک طن کی جیب میں اور سوڈو سری طن
کی جیب میں پڑی ہوئی تھیں اور اب یہ ارادہ تھا کہ بیگم صاحبہ کی سپاہ کے مجمع میں
پہنچ جائے کہ اس درمیان میں حسن رضا خان کا خدمت گار اس کے پاس آکر کہنے
لگا کہ اس وقت کوئی تدبیر فائدہ نہ بخشنے گی اگرچہ تم مجھ کو اپنا دشمن جانتے ہو لیکن میں
وہی پُرانا دوست ہوں میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ اپنے آپ بدون طلب نواب کے
پاس چلے جاؤ وہ تمھارے صاحبزادے ہیں جو کچھ کرینگے اس میں ننگ و غیرت کا مقام
نہیں اس وقت بہار علی خان نے بلند آواز سے کہا کہ اول میں خود جاؤ ہوں اور
حاضر ہوتا ہوں نواب میرے مالک ہیں جو کچھ ان کی مرضی ہوگی بسر و چشم اطاعت
کروں گا جو بہر علی خان نے دیکھا کہ حسن رضا خان نے یہ مشورہ دیا ہے اور بہار علی خان
جائے کو تیار ہے اگر میں انکار کروں گا تو تمام ہنگامہ آرائی میرے سر پر پڑے گی تنہا
چلنا چاہیے جب یہ دونوں خواجہ سرا مستقرر وانگی ہوئے اور بیگم صاحبہ سے اجازت
مانگی تو اس وقت آصف الدولہ کی دادی نے اپنے خواجہ سرا مطبوع علی خان کو ہمراہ
کر کے اُسکی زبانی آصف الدولہ کو نصیحت کے یہ کلمات کہلوائے کہ تمھارے پاس خاطر
سے ان دونوں شخصوں کو بھیجا جاتا ہے ظاہران کا کوئی قصور معلوم نہیں ہوتا مگر
تمھارے زعم میں خلاف واقع یہ تقصیر وار ہیں تو ایسا ہی سہی تم انکی خطا کو معاف

پیدا ہو جائے گی۔

جواہر علی خان اور بہار علی خان خواجہ سراؤن کی گفتاری

حیدر بیگ خان کی مرضی یہ تھی کہ فریب و فنون سے جیسے ہو سکے خواجہ سرا
ساتھ آجائیں اگرچہ مقدم روپے کا لینا تھا لیکن بہار علی خان کے کلکتے جانے اور کاشی راج
وکیل کے سامنے کلمات سخت کہنے کا دل و غل سے نہیں مٹا تھا اس لیے اس کی بادشاہ بھی
دل سے چاہتے تھے اس لیے خواجہ سراؤن کے پکڑنے میں بڑا اصرار تھا نواب آصف الدولہ
کو جب یہ خبر پہونچی کہ عنبر علی خان نے نہایت دانائی کے ساتھ بیگم کو راضی کر کے تمام سپاہ
کو شہر سے نکال کر باہر ٹھہرا دیا ان کے بعض بے ادبی والے مصاحب عرض کرنے لگے کہ
اگر اس وقت تلنگون کی ایک کمپنی بھیج دی جائے تو بے تکلف خواجہ سراؤن کو قید کر لے
ہر کارون نے عرض کیا کہ خواجہ سرا دولت سرا کے اندر حضور کی والدہ صاحبہ اور
وادی صاحبہ کے سامنے کھڑے ہیں اور ایسا ہزارے کے قریب بڑی بیگم صاحبہ کے سپاہی اور
شہر کے شریف زادون میں سے یکہ جوانان صاحب غیرت ڈیورھی پر حاضر ہیں اس طرح
خواجہ سراؤن کا ہاتھ آنا ناممکن ہے۔

اس کشمکش میں جواہر علی خان کی غیرت نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ نواب
کے سامنے جانے اور بے عزتی کا نشانہ بننے سے یہ بہتر ہے کہ جو آدمی شہر کے باہر مسلح اور
رٹنے مرنے پر آمادہ بیٹھے ہیں اور برسوں سے ان کی پرورش میں نے کی ہے ان میں چلکر
شریک ہو جانا چاہیے غالب یہ ہے کہ وہ رفاقت سے متحہ نہ موڑینگے جب انہیں پہونچ

ہے پس میں اُن کی تقصیر معاف کر کے چھوڑے دیتا ہوں حیدر بیگ خان نے عرض کیا کہ یہ تمام سُنائی کی محنت مفت راگن جانے لگی اور دہلی سے جو کھلتے تاک اس بات کی شہرت ہو گئی ہے سب عیث اور بے فائدہ ہو جائے گی اور بدنامی علاوہ رہے گی حضور ان کو تھوڑے دن تک قید رکھیں ابھی کر دڑ روپے وصول ہو جاتے ہیں یہ سونے کے چڑے ہیں جال میں پھنس گئے ہیں نواب نے رزیڈنٹ کی طرف توجہ کی اُس نے بھی حیدر بیگ خان کے ایسا سے انھیں کے قول کی تائید کی نواب نے اس مشورے پر کار بند ہو کر اپنے قیام گاہ کو مراجعت کی اور اُن خواجہ سراؤں سے کہا کہ ہم رزیڈنٹ سے تمہاری سفارش کر لے ہیں اس وقت معذرت کے لیے بھٹا را خود جانا مناسب ہے مولوی فضل عظیم خان کو فرمایا کہ تم صاحب کے خیمے تک انکے ساتھ جاؤ خلاصہ یہ ہے کہ مولوی ان کے ساتھ روانہ ہوا جب ان کی سواری رزیڈنٹ کے خیمے کے پاس پہنچی تو مولوی نے اپنی سواری کے ہاتھی کو تیزی سے آگے بڑھایا چند ترک سواری جو مولوی کی اردلی میں چل رہے تھے وہ اُسکے ساتھ تو نہ ہوئے بلکہ خواجہ سراؤں کی سواری کو گھیر کر چلنے لگے اس لیے خواجہ سراؤں کے دل میں دغ و غم پیدا ہوا لیکن مجبوراً چلتے تھے جب رزیڈنٹ کے خیمے کے سامنے پہنچے تو سواریوں سے اتر گئے رزیڈنٹ اپنے خیمے سے باہر آیا اور سلام کر کے کہنے لگا کہ میں اس وقت چالے پی رہا ہوں آپ اس ہمارے خیمے میں ٹھہریے فراغت پا کر آتا ہوں پہلے سے وہ خیمہ انکے قید کرنے کے لیے تجویز ہوا تھا اور آس پاس پلٹن کی بند و قین لٹادی تھیں ان کا پہونچنا تھا کہ چار دن طرف ہمارے قائم ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد میرنار علی جو بہار علی خان کا بھائی مشہور نقاش اصف الدولہ کی دادی صاحبہ کی ڈیوڑھی پر گیا تو ایک آہ کا نعرہ مار کر بیہوش ہو کر

کر کے ہائے پاس واپس بھیج دو جواہر علی خان اور بہار علی خان و مطبوع علی خان گھوڑوں پر سوار ہو کر آصف الدولہ کے پاس روانہ ہوئے اور ساتھ صرف ایک ایک خدمتگار تھا۔ جب یہ آصف باغ میں پہنچے اُس وقت نواب بیت الخلا میں تھے دونوں نے اپنے ہاتھ باندھ لیے بہار علی خان نے دونوں ہاتھ رومال سے لپیٹ لیے تھے اور جواہر علی خان نے دو شالے سے جو کندھے پر ڈالے ہوئے تھے جب نواب پاخانے سے نکلے تو دونوں نے اس ہیئت سے سلام کیا نواب نے مہربانی فرما کر دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ سے کھول لئے اور بنگلے میں کہ خواجگاہ کا مکان تھا اپنے ساتھ لے جا کر بیٹھنے کو حکم دیا مطبوع علی خان نے دادی کا پیغام نواب سے بیان کیا نواب کی اردنی کے آدمی کم ظرفی اور شوخی سے تلواریں میان سے نکال کر ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ کیا اسیل تلوار ہے کوئی کہتا تھا کہ یہ تلوار کمان کی ہے کبھی کوئی شخص ننلی تلوار نواب کے ہاتھ میں دیدیتا تھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا تھا کہ تم لوگ اُس وقت میں لڑنے اور مقابلے کا دعویٰ کرتے تھے اب تنہا ہمارے دام میں آپھنسے ہو اب تم تو بے استعداد ہو اور ہم ہتھیار رکھتے ہیں نواب نے دونوں خواجہ سراؤں سے کہا کہ تم یہاں موجود رہو میں رزیڈنٹ کے پاس جاتا ہوں شاید وہ اس وجہ سے تم سے ناراض ہو گئے ہوں گے کہ جب انگریزی پٹن قلعہ میں داخل ہوئی تو اُس وقت تمہارا سپاہی بندو قون کے توڑے سلگائے ہوئے تھے میں اُن سے تمہاری طرف سے معذرت کر کے آتا ہوں اور نواب سوار ہو کے شجاع الدولہ کے بنائے ہوئے رستے میں جواہر علی خان بڑا میدان ہے اور جہان رزیڈنٹ اور حیدر بیگ خان ٹھہرے ہوئے تھے آئے اور بیان کیا کہ دادی صاحبہ نے اُن دونوں گناہگاروں کو بھیجا ہے اور یہ پیام دیا

بیگم کی جاگیر کا ضبط کیا جانا

اب جواہر علی خان اور بہار علی خان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا اور نواب کی طرف سے ان پر روپے کا تقاضا ہونے لگا جواہر علی خان نے جواب دیا کہ میں جاگیر سے روپیہ تحصیل کرنے کا مختار تھا جو کچھ آمدنی کا روپیہ وصول ہوتا وہ قسط بہ قسط پہنچا دیتا تھا وہ روپیہ بہار علی خان کے مکان پر جمع ہوتا تھا مجھے اُس کی خبر نہیں کہ کہاں ہے جب بہار علی خان سے طلب کی نوبت پہنچی تو اُس نے جواب دیا کہ تمام روپیہ موتی محل میں جو جناب بیگم صاحبہ کے رہنے کی جگہ ہے جمع ہوتا تھا حکم ہوا کہ بہار علی خان افیون بہت کھاتا ہے افیم بند کر دی جائے کہ بیتاب و بیقرار ہو کر روپے کا پتا دینا ایسا سمجھنے سے بہار علی خان ترپنے لگا ایک خدمتکار تھوڑی سی افیم آفتاب کے سرپوش میں چپکا کر پاخانے میں رکھ گیا بڑی دقت سے گولی بنا کر نگل لی کیونکہ یہ گھو لکر پینے کے عادی تھے اب کچھ تسکین ہوئی اس وقت جواہر علی خان کو یہ خبر پہنچی کہ سپاہ اخوند خاں پر تنخواہ کا تقاضا کر رہی ہے کہلا بھیجا کہ آخر وہ ملازمت تک کی تنخواہ تمام وکمال بیباق کر دی جائے اس وقت خزانہ دوسروں کے قبضے میں تھا مہاجنوں سے قرض لیکر ادا کیا جب بہار علی خان پر افیون بند ہونے سے سخت تکلیف واقع ہوئی جان کنی کی نوبت پہنچی تو اقرار کیا کہ جو کچھ میرے مکان میں موجود ہے دید و نکاحم ہوا کہ لکھے پچپن لاکھ روپیہ قرار پایا فرد لکھ کر پیش کی یہ کاغذ جواہر علی خان کے پاس مہر لگانے کو بھیجا انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں بیگم صاحبہ کا خزانچی نہیں ہوں اصرار ہوا تو مجبور ہو کر مہر لگا دی۔ دوسرے دن دونوں خواجہ سراؤں کو سبکروان پر بٹھا کر

گر گیا اس کے بعد مطبوع علی خان نے حاضر ہو کر تمام حال بیان کیا نواب کی دادی نے اُس پر خفگی کی اور نہت سخت الفاظ کے دس بیس دھنڈورے والے بیگم کے لشکر میں اور نواب وزیر کے لشکر میں یہ منادی کرتے پھرتے تھے کہ اگر کوئی نوکر جو اہل خانہ کا یا بہار علی خان کا ہتھیار بند نظر آئیگا تو قید کر دیا جائیگا اور نرانا پکا اس شہرت سے بیگم صاحبہ کی سپاہ کے حواس جاتے ہے اور سب آدمی اودھ اودھ چھپنے اور بھاگنے لگے ملانے کے حال لوگ جو شریف اور نجیب آدمی تھے اور برسوں سے آرام و سکون میں بسر کی تھی حکومت کرتے تھے سولے گھوڑے اور پالکی کی سواری کے ایک قدم پیادہ پا چلنے کے عادی نہ تھے وہ پیادہ بالباس بدل بدل کر شہر کو آنے لگے جس کسی دوست کے گھر پر جاتے وہ مٹنے سے گریز کرتا اور بے مروتی و ناآشنائی سے پیش آتا اس خوف سے کہ مبادا میرا مکان تاراج ہو جائے وہ لوگ کوشش کرتے تھے کہ ہم ان کے مکان پر اتر جائیں اور صاحب مکان نے مروتی کر کے بزور مکان سے رخصت کرتے تھے اور وہ بے شرمی کر کے جمتے تھے اٹھتے نہ تھے اور جانتے تھے کہ کوئی ہمارے پیچھے آتا ہوگا۔ ہر روز بیگم صاحبہ کے اہلکاروں پر آفت پر آفت اور مصیبت پر مصیبت نازل تھی نوکر چڑھی ہوئی تنخواہ کی طلب میں اہلکاروں کو تنگ کرتے تھے قید خانے میں جو اہر علی خان کے صدرے میں بیج کا غلبہ ہو کر رہا ہو گیا کچھ کھانا نہ کھایا تیسرے دن تسکین ہوئی کھانا حسن رضا خان کے با درچی خانے سے آتا تھا اس طرح پانچ دن اور گزرے بارش کا جو زور تھا وہ بھی گھٹا۔

خواجہ سراؤن پر روپے کے واسطے تشدد ہونا۔

اُن کی رفاقت کو ترک کرنا

نواب وہ تمام روپیہ لینے کے بعد آٹھویں دن ماہ صفر ۹۶ھ ہجری کو مان اور داوی سے رخصت ہوئے بغیر لکھنؤ کو چلے گئے دوبارہ خواجہ سراؤن کے بانو و نین بیڑیان پڑنیکا حکم ہوا اور ایک کے ہر ایک کے دونوں بانوؤں میں پڑین اگرچہ ملکی تھیں لیکن ایسے آرام طلبوں کی تکلیف تو ظاہر ہے جگ صاحب اور برون صاحب وہیڈ صاحب وغیرہ کئی انگریز پلٹن کے ساتھ قلعہ اور خواجہ سراؤن کی محافظت کو موجود رہے ابھی تک جواہر علی خان اور بہار علی خان اپنی اپنی حویلیوں میں رہتے تھے بہار علی خان کی حویلی موٹی محل سے ملی ہوئی تھی دونوں کی دیواریں باہم بلا فصل جڑی ہوئی تھیں جگ صاحب کو اندیشہ مفروسی کا پیدا ہوا اس لیے اس کو بھی جواہر علی خان کی حویلی میں لا کر رکھا قید پوری تھی۔ نواب کی ماں اپنی ساس کے پاس موٹی بلغمین رہتی تھیں۔

عقل مند خواجہ سرا جواہر علی خان کا نہایت عزیز بچکا نہ تھا ہاتھی اور بالائی نشینی کا رتبہ رکھتا تھا وہ اول دن ہی اٹھ کر حسن رضا خان کے پاس چلا گیا۔ نشاط علی خان نے بھی اپنا خیمہ وزیر کے لشکر میں کھڑا کر لیا۔ چند روز کے بعد بندوق خرتم اور سہیل اور نکمت فلاح کی امید پر بے رخصت لکھنؤ کو چلے گئے۔ اخوند احمد علی ان لوگوں کو بہت سمجھاتا اور منع کرتا اور تنخواہ کے نہ ملنے اور تنگدستی اور تکلیف اخراجات کا جو عذر کرتے اُس کو رفع کر دیتا اسپر بھی یہ لوگ چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہشتی۔ حمام دھوبی پیشگی تنخواہ لیتے اور سامان کی درستی کر کے لکھنؤ کو چلے جانے سب سے بڑھکر

اور محافظت کے لیے کمپنی ہمراہ کر کے روانہ کیا دونوں قیدی چوک کے بازار میں پہنچے موتی باغ میں جانے کا حکم نہ ملا وہاں کھڑے رہ کر والدہ آصف الدولہ سے اجازت طلب کی حکم آیا کہ دید و بہار علی خان کی حویلی میں گئے وہاں سکھ جالی کے سولہ لاکھ روپے نکلے اور سو لاکھ اسٹرفیان پائی گئیں یہ سب زر نقد حوالے کر دیا اور لاکھ روپے آصف الدولہ کی دادی کے مکان سے قرض لے کر دیے گئے اور بعض چیزیں جواہرات کی قسم سے جوٹھے کی چلون میں لگی ہوئی تھیں یہ بھی دیدی گئیں اور یہ تمام سرمایہ لکھنؤ کو روانہ ہوا۔ اب حکم ہوا کہ ان خواجہ سراؤں کے ایک ایک پیر میں بیڑی ڈالی جائے۔ تعمیل ہوئی ایک دن حیدر بیگ خان جو تمام ان کاموں کے بانی مبنی تھے قیدیوں کے پاس عیادت کو محبس میں آئے غنچاری سے جو مکاری سے خالی نہ تھی ان کی حالت بغور دیکھ کر کہا کہ مجھ کو یہ حال معلوم نہ تھا نواب صاحب سے عرض کر کے بیڑیاں تھارے پاؤں سے نکلوا دو کنگا دغا ان کا یہ تھا کہ ان کو جہان میں کہ تنے میری معزولی پر جو کرنا مذہبی تھی اُسکے بدلے میں نے آج تمکو ان مصائب میں پھانسا ہے بعد اس کے خواجہ سراؤں سے کہا کہ بیگم صاحبہ کی جاگیر سرکار انگریزی نے ضبط کر لی ہے اگر تم چاہو تو مستاجری کے طور پر اپنے پاس رکھ سکتے ہو اُس وقت جواہر علی خان نے افوندا احمد علی کو بلایا اُس نے انکار کیا اب حیدر بیگ خان اپنے خیمے کھپے گئے اور دو گھڑی کے بعد دونوں کے پاؤں کی بیڑیاں کٹوا دیں۔

نواب آصف الدولہ کی فیض آباد سے لکھنؤ

کو روانگی ہو بیگم کے نکلنے اور دن اور رات فیقون کا

انگریزی کتب و تاریخ کی سند پر لکھی ہے صحیح ہے تو یہ منتقم حقیقی کی طرف سے بدلا ہے
شجاع الدولہ کی اُس بیرحمی کا جو انھوں نے انگریزی فوج کی دوسے حافظہ رحمت خان
دوندے خان اور دوسرے علما و فضلا و امراء روہیلا کی بیوی بچوں کے ساتھ
مسلمہ ہجری مین کی تھی۔

اول ائیل ربیع الاول ۱۱۹۶ھ ہجری مین حیدر بیگ خان کا عریضہ بیگم صاحبہ
کے پاس اس مضمون کا پہونچا کہ اپنے کسی متصدی و اہلکار کو روانہ فرما دیں تاکہ
اُس کے سامنے قیمت جو اہرات و اشرفیوں کی منقح ہو جائے انوذا احمد علی کی بخون
سے چیت رام متصدی لکھنؤ کو بھیجا گیا اُس کے سامنے لکھنؤ کے پرکھے بلوائے گئے
ان کو پہلے سے سکھا دیا گیا تھا انھوں نے پچاس ہزار روپے کی چیز کے دس ہزار
روپے کوٹے اور ایک ایک اشرفی کی قیمت پندرہ پندرہ روپے مقرر کی حالانکہ ہر اشرفی
سولہ روپے قیمت رکھتی تھی اس وقت چیت رام کو منٹھ سے لفظ نکالنے کا یارا نہ تھا
اس حساب سے ساڑھے چھ لاکھ روپے پچپن لاکھ روپے مین سے گھٹے جن کا اقرار
بہار علی خان نے کیا تھا یہ روپے اس کے ذمے نکال کر تقاضا کرنے لگے اور اس جیلے سے
قید رکھا جاوہر علی خان سے ملنے کے لیے ایک داراب علی خان دوسرے فرج بخش کے
مصنف محمد فیض بخش کو اجازت تھی ان دو کے سوا کسی شخص اُنکے پاس جا نہیں سکتا
تھا یہاں تک کہ اس طرح چار مہینے بسر ہوئے۔

نواب آصف الدولہ اور حیدر بیگ خان کا راجہ بلبھدر
کی شکایت بیگم صاحبہ کو لکھنا اور انکا جواب معقول دینا
اس حال کے درمیان ایک عریضہ نواب کا اور ایک عرضی حیدر بیگ خان کی

یہ بات ہے کہ والدہ آصف الدولہ کے حقیقی بھائی سالار جنگ کا یہ حال ہوا کہ بیگم نے ان کو ملاقات کے لیے بلایا باوجودیکہ بیگم کی بدولت امارت کے مرتبے کو پہنچے تھے لیکن اب ان کے پاس جانے سے گریز کرتے تھے بہت سی تاکید و تقید و ہزار جبر نفیل کے بعد بیگم کے پاس گئے آصف الدولہ کی دادی کی ڈیوڑھی پر تھوڑی دیر بہن کے پاس بیٹھے بیگم ان سے ادبچی آواز سے جواب میں کہتی تھیں وہ دوسرے ان آدمیوں کے کاؤن میں پہنچتی تھیں جو ڈیوڑھی کے پاس تھے نواب سالار جنگ کسی کا جواب نہیں دیتے تھے چُب بیٹھے ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد خائف و لرزان دہان سے اٹھ گئے بیگم نے کہا خیر اٹھ کر چلے جایئے تم سے جو مجھے امید ہے اُس کی توقع خدا سے ہے۔ خدا ہمارا حافظ و معین و ناصر ہے اصطلیل۔ فیل خانے اور گاؤ خانے کے داروغہ ہر روز ڈیوڑھی پہنتے اور فریاد کرتے کہ جانور دانہ چارہ نہ ملنے سے مرے جاتے ہیں بیگم جواب میں یہی کہتیں کہ مرین تو مرین ہمارے پاس خود روپیہ نہیں ہے۔

مولوی ذکاء اللہ نے ہندوستان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ بیگم اپنے گھر میں قید تھیں کھانے کو ان کے پاس اتنا پہنچتا تھا کہ انکی ملازم عورتوں کا پیٹ نہ بھرا تھا اور وہ بھوک کے مارے مرنے کے قریب ہو گئی تھیں غرض ان نیک بخت بی بیوں پر محرم کے ہونے کے لیے اس لفاظی میں یہ سراسر غلطی ہے کہ بیگم کو قید کر دیا تھا ان کے مکان پر پھرے کھڑے ہونے کا حال فیض بخش نے بالکل نہیں لکھا بیگم اپنی ساس کے مکان پر رہتی تھیں اور ساس کی کسی چیز پر ریاست نے قبضہ نہیں کیا تھا اور وہ بھی بیحد الدار تھیں خرچ کرنے کے مواقع اور بہانے تلاش کرتی رہتی تھیں تو کیا یہاں ہاندری کے مراسم نہ ادا کرتی ہوں گی اگر یہ بات مولوی ذکاء اللہ کی جو

اور ہیشمار دولت اور بہت وسیع ملک پر قدرت حاصل ہونے اور کسی چیز کی طرف احتیاج باقی نہ رہنے کے باوجود) اپنی ایسی اور مہربان کے ساتھ بغیر صدور کسی مقصور ظاہری و باطنی کے محض نیک حرام نوکر و ن کے بہکانے سے عداوت پر آمادہ ہو جائے اور اُسکی تھوڑی سی جاگیر اور زر نقد کو جو اُسکے باپ کے دیے ہوئے ہیں اور ان نے وہ زر نقد بیٹے کے کسی سخت اور بے حد ضرورت کے وقت پر کام آنے کے لیے رکھ چھوڑا ہے نہایت سختی اور بے مروتی کے ساتھ چھین لے اور ان کے غلاموں اور کنیزوں کو قید کر دے اور اُسکے متعلقین کی خبر گیری سے غفلت کر کے تمام عالم میں اپنے آپ کو بدنام اور ان کو ہلکان کرے اور اللہ پاک کے اس حکم سے دلائل نقل لہا اٹ دیتی ہیں باپ کو ہون بھی نہ کہنا چاہیے) اوصاف دعویٰ اسلام کے غافل ہو۔

عہد قدیم سے اب تک ایسا تو ہوا ہے کہ بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے حکومت و ریاست کے لیے لڑا ہے اور مخالفت پر آمادہ ہوا ہے نیلن ان کے ساتھ کسی بیٹے نے جبکہ وہ رئیس اعظم ہو کبھی تھوڑی سی چیز پر اتنی سختی کر کے اُس کی بے عزتی نہیں کی ہے۔ قیامت میں خدا کو کیا جواب دو گے موتی سنگھ۔ بھوانی سنگھ اور نواز سنگھ وغیرہ نہایت شکستہ حال لنگوٹی بند گنوار تمھارے ملک سے لاکھوں روپے حاصل کر کے امیر کبیر بن گئے۔ تم نے اُن سے کبھی باز پرس کی۔ شان دین داری و ریاست و دعویٰ فہم و فراست کے یہی معنی ہیں جن سے تم متصف ہو۔

بلبھدر کو بہکانے کی تمت جواہر علی خان پر تمھارے آدمیوں نے رکھی اور نئے

اس بات کو یاد کر کے مجھ کو شکایت لکھی۔ جب تک جواہر علی خان ہمارے حکم سے کام کرتا تھا تمام اُسکے محکوم تھے۔ تمھاری سرکار میں بھی بہت سے عاملان معزول موجود ہیں۔ اُن

ہو بیگم کے پاس آئی نواب لکھتے ہیں کہ راجہ بلجدر نے آپ کی جاگیر کے محلات میں گنواروں کی جمعیت کثیر کے ساتھ ہنگامہ آرائی کی ہے غالب ہے کہ یہ کام اُس کا جواہر علی خان کے ایما سے ہوا ہو گا آپ اُس کو چشم ثانی کر دین ورنہ یہاں سے سزا دی جائیگی۔

حیدر بیگ خان کی عرضی کا مضمون یہ تھا کہ ساڑھے چھ لاکھ روپے سرکار کے خواجہ سراؤں کے ذمے باقی ہیں چونکہ یہ روپیہ سرکار انگریزی کا ہے امیدوار ہیں کہ اُن کو حکم ہو جائے کہ ادا کر دیں وہ اس قدر روپے کی وجہ سے قید ہیں یہ فدیہ اور نواب سرفراز الدولہ جناب کے غلام ہیں اس معاملے میں ہماری کوئی مداخلت نہیں ہے ورنہ خدمتگذار سی میں کوتاہی نہ کی جاتی۔

بیگم نے آصف الدولہ کو جواب لکھا۔ برخوردار نور چشم طو لعرہ۔ تمہارا عریضہ نظر سے گذرا حال معلوم ہوا سنا جاتا ہے کہ تم کتب سیر و تاریخ کے مطالعہ کا شوق زیادہ رکھتے ہو پس کسی کتاب میں تم نے یہ مضمون دیکھا ہے کہ حضرت آدم کے عہد سے وقت تک کسی مان کا فرزند (جو اُس کے بطن سے عالم وجود میں آیا ہوا اور ان نے اسکی ہر طرح سے پرورش اور تعلیم میں دل سے کوشش کی ہو اور اپنی تمام عمر اسکی دلجوئی میں بسر کر دی ہو اور اُس کے سوا کوئی دوسرا فرزند نہ رکھتی ہو اور اپنی زندگی کے تمام مزون کو اُس کی ذات میں منحصر سمجھا ہو۔ اور اُسکے باپ کے مرنے کے بعد بہت سے لائق فائق اُس کے بھائی و دوسری ماؤں سے موجود ہوں اور اُس کی داد دی کی اور باپ کی تمام سپاہ و سرداروں کی یہ رلے ہو کہ باپ کی ریاست پر کسی دوسرے بھائی کو بٹھا کر ملک و مال اور فوج اُس کے حوالے کی جائے لیکن اسکی مان کی کوشش اور اصرار اور خدا کے فضل سے وہی بیٹا مسند پر بیٹھ کر حکومت اور سلطنت کو پہونچے

کمین کمین الفاظ بگاڑ دیے مگر اس سے آصف الدولہ کی طبیعت کی خوب تصویر کھینچ جاتی ہے یہ خط ان کا بیٹے کے نام قیامت تک یادگار رہے گا۔

بیگم صاحبہ نے حیدر بیگ خان کے عریضے کے جواب میں یہ مضمون لکھا یا کہ میرے نوکر چاکر فاقون سے مرتے ہیں جانور ہلاک ہو رہے ہیں جاگیرین ضبط کر لی ہیں جو کچھ روپیہ موجود تھا وہ خواجہ سراؤن کو قید کر کے زبردستی لے لیا ہے اب میرے پاس روپیہ کہاں اگر تم دونوں میرے غلام با وفا تھے تو کس واسطے میری ڈیوڑھی پر حاضر ہوا خواجہ سراؤن کے ذریعہ سے بھلائی کی باتیں عرض نہ کرائیں اور اس خاص معاملے میں ان اور بیٹے کو صلاح نیک مذہبی اور سب سے طرفہ اور عجیب بات یہ ہے کہ تم لکھتے ہو کہ خواجہ سرا سرکار کمپنی کا روپیہ ادا نہیں کرتے یہ بات تو دیوانوں اور مجنوں کی سی ہے دُعا دہ پیتا بچہ بھی ایسی بات سن کر ہنس دیکھا۔ کیا ان خواجہ سراؤن نے کوئی علاقہ بنگالے یا عظیم آباد کا ٹھیکے میں لیا تھا۔ یا کمپنی سے کسی ضرورت کے وقت زر نقد قرض لیا تھا کہ جو روپیہ ان کے ذمے ایسا نکلتا ہے کہ اُسکی پاداش میں قید کر دیے گئے ہیں بات سوچ کر کہنی چاہیے۔

جب خواجہ سراؤن کو دو مہینے سختیوں کو جھیلنے ہو گئے وہ بیچارے بیمار و زار ہو گئے اسلئے انھوں نے افسر مجلس سے اجازت چاہی کہ ہم باغ میں کچھ ٹھل لیا کریں افسر مجلس نے ان کو اجازت اس سبب سے مذہبی کہ اُس کو اندیشہ تھا کہ وہ کمین بھاگ نہ جائیں۔ لوہے کی بیڑیاں ان کے پابند رکھنے کے لیے کافی نہیں تھیں۔ کچھ عرصے کے بعد آصف الدولہ کی دادی کے قانون بھی ضبطی میں آ گئے انھوں نے مرزا جنت خان کو جو دربار دہلی کا امیر الامرا ہو گیا تھا لکھا لیکن وہ اُسی زمانے میں رہ گئے ملک آخرت

میں سے کسی سے یہ کہنا چاہیے کہ ایسی حالت میں اپنے ساتھ حکومت کے زمیندار یا رعایا کو جمع کر کے فساد برپا کر دے اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو جواہر علی خان بھی تقصیر وار ہے تمکو یہ بھی خبر نہیں کہ بلبھدر پڑانا مقصد ہے یا نیا۔

راجہ موہن سنگھ نے نواب بڑبان الملک کے ساتھ کس قدر شرارتیں کیں اور بلبھدر کے باپ بیہ سنگھ اور اسکے چیلے نول سنگھ نے بارہا نواب صفدر جنگ سے مقابلہ کیا اور خود بلبھدر نواب شجاع الدولہ اور نواب محمد علی خان و بیہی بہادر و غلام حسین خان کروڑہ وزیرین العابدین خان کے ساتھ جنگ و جدال سے پیش آیا۔ سات مرتبہ ہماری جاگیر میں ہمارے آدمیوں سے لڑائی جھگڑا کیا۔

اس سے قطع نظر اُمراء ذی شوکت و جاہ کو ادنیٰ آدمیوں کے کاموں سے شکوہ و شکایت اور ضعف نالی کرنا بے حد نازیبا ہے اور درجہ امارت و ریاست سے بعید ہے اپنے برابر والے کی شکایت البتہ معمول ہے خدا کے فضل سے تمھاری سرکار میں ایک بڑی فوج اور کافی توپخانہ موجود ہے اور انگریز بھی تمھارے مددگار ہیں یہ سب چیزیں کس دن کام آئیں گی جس شخص کی یہ حقیقت ہو کہ وہ ایک ادنیٰ فوجدار کے مقابلے کی تاب نہ رکھتا ہو اُمراء عالی قدر اس کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے سے عار کرتے ہیں تمھارا ایک رسالہ دار بلبھدر کی گوشمالی اور نکال دینے کو کافی ہے آئندہ توفیق رفیق ہو جیو۔

فرح بخش کے مولف نے بیگم صاحبہ کے حکم سے یہ خط لکھا تھا اور اُسی دن سے تین برس تک بیگم صاحبہ کی طرف سے یہی شخص خط لکھتا رہا اس نے اپنی کتاب میں اس کو نقل کیا ہے میں نے حالات پر روشنی پڑنے کے لیے زیادہ تر لفظی ترجمہ کیا ہے کاتبوں نے

ایسے سخت وقت میں اپنے مزاجوں پر ہم کو قابو رکھنے کا اعتماد نہیں خدا جانے کہ جان کی حفاظت کے لیے کونسی بات ہمارے منہ سے نکل جائے ایسی تدبیر فرمائیے کہ ہمارا لکھنؤ کو جاننا رک جائے یہ ایسا بات کی طرف تھا کہ جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں تھا وہ دیدیا گیا اور جو کچھ والدہ آصف الدولہ کے پاس ہے اور اُنھوں نے چھپا دیا ہے اُس کا نشان مصیبت عظیم کے وقت ہم دیدینگے اور وہ سارے کا سارا خزانہ برباد ہو جائیگا اس لیے اگر تھوڑا سا دیکر ہکوراہ سے لوٹا لیا جائے تو وہ بڑا خزانہ محفوظ رہے۔ (تف کنیز و غلام کی ذات پر کہ بیگم کی بدولت عمر بھر عیش کیا شاہزادوں کی طرح رہے لاکھوں روپے کے مالک بنے اور تھوڑی سی سختی میں اپنی جان کی حفاظت کے لیے ایسی ننگ حرامی کا قصد دل میں ٹھان لیا اگر سو جان عزیز دولت خوار سی اور صعوبت و زاری کے ساتھ تلف ہو جائیں تو گوارا کر لیا ہوتا لیکن ایسی بدخواہی کا خیال دل میں نہ آنے دیا ہوتا) غرض کہ صبح کو وہ عریضہ نواب آصف الدولہ کی ان نے پڑھ کر ساس کو سنایا آصف الدولہ کی دادی نے بطور مشورے کے کہا کہ ان دونوں خواجہ سرڈن کا لکھنؤ کو جانا قباحت سے خالی نہیں ایسی تدبیر ہونی چاہیے کہ راستے سے لوٹ آئیں۔ بہو بیگم (والدہ آصف الدولہ) نے کہا کہ اگر یہ لوٹ آئیں تو میں لاکھ روپے دیتی ہوں اس شرط پر کہ آپ یہ فرما دیں کہ بالفعل میں اپنے خزانے سے بطور قرض کے دے رہی ہوں ان کے عریضے کے جواب میں یہی عرض کر لکھ کر بھیج دیا جائے کہ انگریزوں کو روپے دے کر لوٹ آئیں۔ اُس دن قیدی چسل کہ محمد پور تک پہنچ گئے تھے بیگم صاحبہ کا جواب دہن پہنچا اس وقت جواہر علیخان اور محمد فیض بخش مولف فرج بخش یہ دو ہی شخص موجود تھے اُنھوں نے مشورہ کر کے

ہوا اور کوئی صورت کشود کار کی نہ نکلی۔

خواجہ سراؤن کی لکھنؤ کو روانگی۔ وہاں اُن پر جبر و
تشدد ہونا اور فیض آباد کو اُن کی واپسی کے بعد
کسی قدر زبردِ نقد اور سامان کا ہاتھ آنا

جب چھ ماہ اور چند روز گزر گئے اور برسات سر پر آگئی تو ماہِ رجب ۹۶۲ھ
بجری میں لکھنؤ سے حکم فیض آباد کو پہونچا کہ قیدی خواجہ سراؤن کو لکھنؤ بھیجا جائے
وہاں باقی روپیہ نہیں دینے یہاں جس طرح بے گناہوں کو فرسائی کر کے اُن سے وصول
کیا جائے گا یہ خبر آنے سے عجیب تلام پیدا ہو گیا۔ اس وقت جواہر علی خان کے پاس
کر و فر کا سامان اس قدر تھا بارہ ہاتھی تیس گھوڑے سو سپاہی اسی قدر سامان بہا علیخان
کے پاس تھا۔ رجب ۹۶۲ھ بجری کو دونوں خواجہ سراؤن کی دو کمپنی اور ایک
انگریز کی حراست میں لکھنؤ کو روانہ ہوئے۔ جب خیمہ شہر فیض آباد سے دو کوس کے
فاصلے پر مستانگر میں برپا ہوا تو پہر رات گئے جواہر علی خان نے محمد فیض بخش مؤلف
فرح بخش کو اپنے پاس بلا کر ایک عریضہ آصف الدولہ کی دادی صاحبہ کو اور ایک خط
اُن کے خواجہ سرا مطبوع علی خان کو لکھا کہ اُسی وقت اُن کے پاس بھجوا دیا اور
داراب علی خان کو ایک شقہ لکھا کہ تم خود اپنے ہاتھ سے یہ تحریریں پہونچانا
دادی صاحبہ کی عرضی کا مضمون یہ تھا کہ ہم غلاموں کو لکھنؤ لیے جاتے ہیں خدا جانے
وہاں کس قدر برائی اور روحانی تکلیفیں ہم کو دی جائیں اور ہم پر ظلم و ستم ہو

چشم نامی کرین۔ دیوان ہولاس رائے دو خلاصی اور سزا کا سامان لیکر خواجہ سرایون کے بنگلے میں آیا دل بہار علی خان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا جواہر علی خان از خود اٹھ کر بنگلے کی غلام گردش نین آکر کھڑے ہو گئے بہار علی خان نے جست کر کے وہ رسی جو لکڑی میں لٹک رہی تھی اپنی گردن میں ڈال کر قوت کے ساتھ کھینچی تاکہ بدن سے جان نکل جائے اور بیباکانہ گالیوں دینے لگے سردار دون میں سے کسی کو اپنی گالیوں سے باقی نہ چھوڑا حالانکہ ان کو ڈرانے کے لیے یہ کارروائی کی تھی جب دیکھا کہ یہ مرنے پر آمادہ ہیں تو ہاتھ پکڑ کر ہلاکت سے روکا اور دلہی کر کے بٹھا دیا۔

پارلیمنٹ کے کاغذات میں وہ چھپی موجود ہے جو رزیڈنٹ نے ان قیدیوں کے افسر کو لکھی تھی کہ صاحب من نواب نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ جو خواجہ سرایون قیدی ہیں ان کو سزائے جسمانی دی جائے اس لیے جو افسر نواب کے آئین انھیں قیدیوں کے پاس جانے دو اور جو ان کا جی چاہے وہ قیدیوں کے ساتھ کرنے دو۔

بجنور میں مولوی علم الہدیٰ نامی ایک کامل رہتے تھے جو شاہ بدر عالم درویش کے مرید تھے بہار علی خان نے شیخ فیض بخش کو ان کے پاس بھیج کر استدعا کی وہ فاضل عارف تو ہاتھ نہ لگے مگر ان کے چھوٹے بھائی کہ بعض امور میں اپنے بڑے بھائی سے بہتر تھے نے نام ان کا شاہ حبیب الہدیٰ انھوں نے چار نقش لکھ کر حوالے کیے اور کہا کہ ایک ایک کو دو نوٹ صاحب سیدھے کانکی لو کے تے رکھیں اور ایک ایک کو ہاتھ میں نظر کے سامنے رکھیں انشاء اللہ تین دن میں تاثیر بخشینگے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ دن کا عرصہ لگے گا دیوان سے واپس آکر وہ تو تین دنوں

یہ قرار دیا کہ مصلحت وقت یہ ہے کہ فی الحال یہ روپیہ نہ دیا جائے اگر اتنی جلدی دیر یا جائے گا تو لکھنؤ میں رزیڈنٹ اور فیض آباد میں میجر کلن (جو جگ صاحب کی جگہ مقرر ہو کر آیا تھا) دونوں یہ خیال کرینگے کہ بیگم صاحبہ باخواجه سراؤن کے پاس روپیہ بہت ہے کہ اتنی سی تکلیف پر کہ محمد پور تک آئے ہیں ایک لاکھ روپے دیتے ہیں اگر ان کو کوئی سخت تکلیف دہی جائے گی تو یقین ہے کہ تمام دو کمال ساڑھے چھ لاکھ روپیہ یک مشت ہاتھ آجائے گا اب کہ فیض آباد سے نکل کھڑے ہو کر چار و ناچار لکھنؤ کو جانا چاہیے آخر کار وہاں بہت سی کش مکش کے بعد معاملہ راہ پر آجائے گا وہیں یہ لاکھ روپے طلب کر کے دیدئے جائینگے نواب اصف الدولہ کی مادی کا شقہ اور خط مہری مطبوع علی خان کا سنداً محفوظ رکھنا چاہیے۔ اس مشورے کو بہار علیخان نے بھی پسند کیا اور یہاں سے آگے چلکر لکھنؤ پہنچ گئے۔

ریزیڈنٹ نے دونوں خواجہ سراؤن کو اپنی چھاؤنی کے ایک بنگلے میں جیسے گرد بڑا احاطہ تھا ٹھہرایا مولوی ذکا و اللہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رزیڈنٹ کو کہ اس لیے تھی کہ ہیسٹنگز صاحب گورنر جنرل نے نہایت سختی سے لکھا تھا کہ نواب سے عہد نامے کے موافق تعمیل جلد کرو اگر اس میں تم ڈھیل کرو گے تو میں خود ہی لکھنؤ میں آؤں گا اور وہ کام جو بڑے دنوں سے نہیں ہو سکتے خود کروں گا رزیڈنٹ اس دھمکی سے ڈر گیا اس نے گورنر جنرل کو لکھا کہ چنار گڑھ کے عہد نامے کی تعمیل بھی حضور ہوئی جاتی ہے لیکن محمد فیض بخش کہتا ہے کہ تمام سختیوں کے محسوس حیدر بیگ خان تھے چنانچہ دو ماہ کے بعد آخر ماہ رمضان میں یکایک حیدر بیگ خان رزیڈنٹ کی کوٹھی پر آئے جو مجلس سے قریب تھی اور ان کو ترغیبی کی خواجہ سراؤن کو

جمع ہو گئے یہ حالت جب اُس انگریز نے دیکھی تو فوراً لوٹ گیا اور یہ جھگڑا خیریت کے ساتھ طے ہو گیا اُسی مَن یہ خبر لکھنؤ جا پہنچی۔ بھجر کلشن صاحب جس کے ہاتھ میں فیض آباد کا اہتمام تھا ایک عمدہ تدبیر سوچ کر ڈیوڑھی پہنایا اور نہایت ادب کے ساتھ ہو بیگم کی خدمت میں عرض کرایا کہ حضور عالم و عالمیان کی قبلہ و کعبہ ہن میں جناب کا ایک نوکر ہوں جو کچھ ارشاد ہو بجالاؤں جناب عرصہ فواہ سے بڑھی بیگم صاحبہ کے مکان پر مقیم ہیں دو نوں بیگم صاحبہ کے نوکروں کو قلت مکان کی وجہ سے تکلیف ہے اسید دار ہوں کہ قلعہ کے محل خاص میں تشریف لے چلین میں رکاب سعادت میں رہوں گا اور جو خدمت ارشاد ہوگی بجالاؤں گا اور اس باب میں اتنا مبالغہ نہ کیا کہ بیگم صاحبہ کو سوار ہونا پڑا بھجر خود اردلی میں چلا۔ بیگم صاحبہ کو قلعہ میں لے جا کر موتی محل میں اتار دیا اور ہر روز ڈیوڑھی پہناتا اور نوکروں کی طرح سلام و مہر کرتا اور بیگم صاحبہ کو اپنی طرف سے بہت کچھ راضی کر لیا چند روز کے بعد عرض کرایا کہ ساڑھے چھ لاکھ روپیہ اس قدر مالبت نہیں رکھتا کہ اس زر قلیل کی وجہ سے جناب کے اور صاحبزادہ والا جاہ یعنی نواب کے درمیان کشیدگی خاطر رہے اور جناب کے ذمی حرت و اعتبار خواجہ سرا قید رہ کر ہر طرح کی تکالیف اٹھائیں اس خیر طلب کے دل میں آسان طریق اس کا یہ گذرا ہے کہ چار لاکھ روپے تو آپ حسب طرح بھی ملن ہو جمع کروادیں اور ایک لاکھ روپے میں اپنے پاس سے شامل کر دوں گا اور ڈیڑھ لاکھ روپے کا تمسک لکھ دیں کہ جس سال جاگیر کے محالات قبضے میں آئیں آپ کے نوکر پہنچا دیں اس صورت میں میں ضامن ہوتا ہوں کہ دو نوں خواجہ سرا کو اور جاگیر کو ایک ساتھ چھڑوا دوں گا بیگم نے جواب دیا کہ زر نقد کا ہم سے سرانجام

خواجہ سراؤن کو دیے حقیقت میں ایسا ہی ہوا کہ تین روز کے بعد لکھنؤ سے فیض آباد کی طرف روانہ کیے گئے جب مقام سرا میں جو ٹھاکر دوارے کے نام سے مشہور ہے پہنچے تو ایک ایک بڑی ایک بانوں کی کاٹ دیکھی آٹھویں دن فیض آباد میں پہنچے۔ یہاں دوسرے بانوں کی بڑی بھی کاٹ کر ہو بلک والدہ آصف الدولہ کے پاس بھیجے گئے۔ اس جگہ معترضہ کے بعد کہتا ہوں کہ جواہر علی خان و بہار علی خان کی فیض آباد سے روانگی کے بعد انگریزی لپٹن میں سے جو قلعہ میں متعین تھی ایک انگریز ایک تپ اور ایک کمپنی لے کر بڑی بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر آیا تو پ کو ہر دنی دروازے پر اندر دنی دروازے کے مقابل جو ڈیوڑھی خاص تھی بھر کر کھڑا کر دیا اور بتی روشن کر کے گولہ انداز کے ہاتھ میں دیدی اور کمپنی سے موٹی باغ کا محاصرہ کر دیا اور کہا کہ ہمکو بڑی بیگم صاحبہ سے کوئی عرض نہیں اور نہ اُنکے آدمیوں سے مطلب ہے لیکن جناب عالیہ جو یہاں آکر رہی ہیں اُن کی تکلیف دہی اور اُن کے متعلقین پر کھانا اور پانی بند کرنے کے لیے آئے ہیں اگر بڑی بیگم صاحبہ کے آدمی ہمکو اس کام سے منع ہونگے تو البتہ اُنکے مقابلے میں کارروائی کریں گے جب یہ جسارت حد سے گذر گئی اور نوبت اس حد تک پہنچی تو بڑی بیگم صاحبہ کے خواجہ سرا و سپاہی بھی لڑنے مرنے کو آمادہ ہوئے۔ محرم علی خان ناظر کا دیوان پیم راج جلد گانوں کو چلا گیا اور وہاں خبر کر کے ایک ہزار شمشیر زن راہپوت جمع کر کے اپنے ساتھ لے آیا اور تین سو میوانی جو پڑانے ملازم تھے مسلح اور آمادہ ہو کر آگئے اور مطبوع علی خان بذات خود توپ کے پاس کھڑے ہو کر اُس انگریز سے لڑنے لگا اور باہم دست بازی اور کشتی کی دھوت پہنچی یہ حال دیکھ کر شہر کے چھوٹے بڑے آدمی بھی غضبناک ہو کر وہاں

چنانچہ ایک گٹھر روزانہ نکالا جاتا اور بارہ درمی میں جو دریا کی جانب تھی کھا جاتا
سات دن تک روزانہ ایک گٹھر نکلتا آٹھویں دن سے کھولنا شروع کیا ایک گٹھر
گھولا گیا تو اس میں سفید مٹل کے تھان نکلے انکی قیمت کی اور بہ سورت باندھ دیا
دوسرے دن دوسرا گھولا ایک گٹھر کے باندھنے اور کھولنے میں صبح سے تیسرا پہر ہو جاتا
ایک ایک گٹھر کے مٹل کے تھان کی قیمت چوراسی ہزار روپے مقرر ہوئی جب کہ
گٹھروں کی قیمت تین لاکھ سے بھی بڑھ گئی تو میجر کلن نے درخواست کی کہ ایک لاکھ روپے
نقد دیے جائیں۔ بہو بیگم نے فرمایا کہ قیدیوں نے اپنے پاس سے ایک کوڑی نہیں دی ہے
یہ لاکھ روپے وہ اپنے پاس سے دین یہ لوگ روپیہ فراہم کرنے کی فکر میں ہیں
لیکن تین لاکھوں کے چوکی پر کی وجہ سے چھپے ہوئے روپے کو نکال نہ سکتے تھے کیونکہ
اخفا منظور تھا۔ انھوں نے بڑی بیگم صاحبہ سے عرض کر لیا کہ حضور نے سابق میں
لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا وہ اب عطا کیے جائیں انھوں نے جواب دیا کہ یہ
روپیہ بہو بیگم نے اپنی سرکار سے اس خیال سے قبول کیا تھا کہ خواجہ سرالکھنوی بجانے
سے رُک جائیں۔ ہزار دقت کے ساتھ داراب علی خان کے ذریعہ سے پندرہ ہزار روپے
ہاتھ آئے ان میں سے کچھ سکہ حالی کے روپے تھے اور کچھ سکہ رگابی کے بہو بیگم نے سنکر
یہ روپے واپس کرادیے اسکے بعد خواجہ سراؤں نے اپنے پاس سے پچاس ہزار روپے
دیے جب میجر کلن کا قبضہ کپڑے کے گٹھر دن اور پچاس ہزار روپوں پر ہو گیا تو
اُس نے اس مضمون کی ایک تحریر دی کہ میں خدائے پاک اور حضرت عیسیٰ کو خضامن
و تباہوں کہ اس سامان اور روپے کو لکھنوی بجانے کا اور وہاں پہنچنے ہی خواجہ سراؤں
کو رہا اور جاگیر کو واگذاشت کرادون گا مگر جانے کے بعد کچھ ظہور میں نہ آیا چوکی پہرہ

نہیں ہو سکتا مگر چار پانچ لاکھ روپے کا کثیرا ہماری سرکار میں ہے وہ دیر یا جائیگا
 تولیدار وہی دونوں خواجہ سراہین جب وہ لکھنؤ سے آجائیں گے اور ان کی بیڑیاں
 کٹ جائیں گی تو ان کے ہاتھ سے یہ کپڑا پہنچ جائے گا۔ مہجڑ کو رنے ریڈیٹ لکھنؤ
 اور عیدریگ خان دونوں کو لکھا کہ ہر طرح سے دھکی دی گئی اور دق کرنے میں
 کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا لیکن بیگم صاحبہ ایک روپیہ دینا قبول نہیں کرتیں میں
 نے بڑی کوشش اور خوشامد سے ان کو زر نقد کی جگہ اسباب دینے پر آمادہ کیا
 ہے اب جو کچھ ہاتھ لگے اُسے مفت اور غنیمت سمجھنا چاہیے ان دونوں خواجہ سراؤں
 کو فیض آباد پہنچا دینا بہتر ہے۔ جس دن فیض بخش نے اس ورمیش سے
 چار نقش لا کر دیے تھے اُسکے دوسرے دن یہ خط لکھنؤ پہنچا۔ ایک انگریز دونوں
 خواجہ سراؤں کے پاس آیا اور کہا کہ ملک فیض آباد لے چلیں گے آج سفر کا سامان دست
 کر دو دوسرے دن لکھنؤ سے روانہ ہوئے آٹھویں دن فیض آباد پہنچے اول جہاں علی خان
 کی حویلی میں دونوں خواجہ سراہائے گئے اور بالکل بیڑیاں پاؤں سے نکال کر بیگم صاحبہ
 کے پاس جانے کی اجازت دی لیکن انگریزی تملگون کا کاردسواہی کے ساتھ ہوا
 اور بیٹن کا بندوبست بھی قائم تھا جب بیگم صاحبہ کے سامنے آٹھ ماہ اور چند روز
 کے بعد دونوں خواجہ سرا پہنچے تو بے اختیار زار زار رونے لگے اور سرور کو
 دیر تک زمین سے نہ اٹھایا۔

ماہ رمضان تھا خواجہ سراؤں کے آنے سے دو روز کے بعد مہو بیگم نے حکم دیا
 کہ اجناس کا کوٹھا جو شجاع الدولہ کے عہد سے بند تھا کھولیں اور اس میں سے
 کپڑوں کے وہ گٹھ جو نواب قاسم علی خان کے یہاں سے ضبط ہوئے تھے نکالیں

جنرل پام صاحب شوکت جنگ رزیدنٹ ہو کر آیا تھا یہ صحیح نہیں۔ مڈلسن صاحب کے تقرر سے پہلے جو لکھنؤ میں ہوا تھا سالانہ خرچ نواب سے ستر لاکھ روپے سالانہ سے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے تک مانگا جاتا تھا اور رزیدنٹ اس روپے میں سے ساٹھ لاکھ روپے سے لے کر انسی لاکھ روپے تک وصول کر کے بھیجا کرتا تھا اس لیے ہر سال قرض زیادہ ہوتا جاتا تھا جس وقت چار گروہ میں نواب آصف الدولہ اور گورنر جنرل کی ملاقات ہوئی تو یہ قرض چوالیس لاکھ روپے کا تھا رزیدنٹ نے بجائے اسی لاکھ روپے کے جو سب سے زیادہ وصول ہونے کی امید تھی ایک کروڑ اور چالیس لاکھ روپیہ وصول کیا تھا مگر نواب پر اس سال حسابوں کی سچ پوچھ لگا کر اڑھائی کروڑ روپیہ لگایا گیا جو ملک کی سالانہ آمدنی سے پورا دو چند تھا۔ مڈلسن صاحب نے اپنے عذرات پیش کیے کہ ہکو بیگم سے روپیہ لینا تھا اور بیگم وہ تھی جو نواب کی مان تھی یوں ہی لوگ ہکو بدنام کرتے تھے کہ اپنے فائدے کیلئے بیٹے کو مان کے واسطے قصاب بنا دیا ہے اگر ہم زمانے میں گھس جاتے اور پردے کا لحاظ نہیں رکھتے تو اور زیادہ نواب کی تفسیح ہوتی غرض یہ کام ہی ایسا تھا جس میں توقف ہونا لازم تھا میدان جنگ کے دشمن سے کام نکالنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا کہ دشمن مسطور سے عہدہ برآ ہونا مشکل نکلا اس کا جواب گورنر جنرل نے یہ دیا کہ نیز حکم یہ نہ تھا کہ تم زمانے کا پاس نہ کرو اور گھر میں دہرا نہ گھس جاؤ مگر تم نے کچھ اور ہی ٹی کی اور جھل میں شکار کھیلا ہے میں اسے جانتا ہوں غرض گورنر جنرل کو رزیدنٹ پر رشوت ستانی کا شبہ ہوا اس لیے اسکو موقوف کیا۔

برستور خواجہ سراٹن کے دروازے اور بیگم کی ڈیوڑھی پر اور قلعہ میں قائم رہا جو کچھ تھا وہ فریب تھا اس امید میں ماہ ذی الحجہ گزر کر محرم ۱۱۹۷ھ ہجری شروع ہو گیا پورا ایک سال اس کشاکشی میں گزرا۔

لکھنؤ کی رزیڈنٹ سی ڈلٹن صاحب کا موقوف ہونا
اور جان برستو صاحب کا دوبارہ اُن کی جگہ مقرر ہونا
جس قدر روپیہ ہو بیگم سے نہایت سنگدلی کے ساتھ
لیا گیا سرکار کینی نے اُس سے بہت زیادہ نواب
کی جیب سے نکال لیا

برستو صاحب اور ڈلٹن صاحب کا حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں اب تازہ حال یہ ہے کہ عرصہ دراز تک جب بیگم سے روپیہ ڈلٹن صاحب زبردستی نہ چھوڑ سکے اور احکام گورنر جنرل جو اُن کے پاس اس باب خاص میں آئے اُن کی تعمیل میں بھی اُنھوں نے التوا کے لیے معقول جتین پیش کیں تو گورنر جنرل رزیڈنٹ سے خفا ہو گئے اور ۲۳ ستمبر ۱۸۷۷ء کو اُنھوں نے اس الزام میں کہ اپنے فرائض منصبی کو اچھی طرح ادا نہیں کیا معزول کر دیا اور برستو صاحب کو جس کی بحالی کا حکم کورٹ ڈائرکٹر نے بھیج چکی تھی اُسکی جگہ مقرر کر دیا اور ۶ مئی کو میجر پام کو اپنا خانگی بیج کا ایجنٹ مقرر کر کے نواب آصف الدولہ کے پاس بھیجا اور اُس کی معرفت اور بہت سی نئی درخواستیں کی گئیں تاریخ شاہیہ نیشاپور یہ میں جو لکھا ہے کہ اعضاء الدولہ نصیر الملک

تیکے میں کچھ عہدہ قدیم کے مقابل واقع تھی ٹھہرایا یہ دونوں شخص سال بھر تک ان
ہے اور معاملہ لیت و لعل میں پڑا رہا یہ تمام حیلہ بازی اور فیلسوفی حیدر بیگ خان کی
تھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ بیگ صاحب کی جاگیر واپس ہو۔

ہیسٹنگز صاحب گورنر جنرل کا لکھنؤ میں ورود۔

مہاراجہ سیندھیا کی طرف سے اس مقام پر انکے پاس

سفیر کا آنا

تاریخ مظفری میں لکھا ہے کہ آصف الدولہ نے ۹۷۰ھ ہجری میں حیدر بیگ خان
کو کلکتہ میں ہیسٹنگز صاحب کے پاس بھیجا جس کام کے لیے وہ بھیجے گئے اُسکو بھی طرح
انجام کو پہونچایا کہ آصف الدولہ نہایت رضامند ہوئے۔ گورنر جنرل برسٹو صاحب
کے کام سے بھی ایسے ناراض ہو گئے جیسے وہ ڈلٹن صاحب کے کام سے ہوئے تھے
شاید وہ یہ کام ہوں جو فیض بخش نے لکھے ہیں کہ برسٹو صاحب نے حیدر بیگ خان
کے ساتھ والدہ آصف الدولہ سے زبردستی روپیہ لینے اور خواجہ سراؤں کو قید کرنے
اور دونوں بیگمیں کی جاگیرات کو ضبط کر لینے اور پٹن انگریزی کو قطع فیض آباد میں
قائم کرنے کے باب میں اختلاف کیا اور اس کام کو خراب جانا بہر صورت گورنر جنرل
نے چند مہینے کے بعد ہی برسٹو صاحب کو معزول کرنا چاہا مگر اور ممبران کو نسل نے
گورنر جنرل کی رائے کے ساتھ اتفاق نہ کیا اور وہ بدستور کام کرتے رہے مگر گورنر جنرل
جس کام کے پیچھے پڑتے تھے اُسے کر کے چھوڑتے تھے اب انھوں نے یہ تجویز پیش کی
کہ لکھنؤ میں رزیڈنٹ رہے اور جو رزیڈنٹ سے کام لیا جاتا ہے وہ ہندوستانیوں سے

بہو بیگم اور اُن کے آدمیوں پر جو تشدد ہوا اور خزانہ اُن سے چھینا گیا اُس سے لندن میں بڑی ناخوشی پھیلی

جبکہ لندن میں فیض آباد کے واقعہ کی خبر مشہور ہوئی تو بیگم کے ظلم و ستم پر
دہان بڑی ہلچل مچا دی اور تحقیقات ہونے لگی۔ حیدر بیگ خان نے یہ راز
بہو بیگم پر ظاہر نہ ہونے دیا نواب کو بھی اظہار سے منع کر دیا اور اُس کے تدارک کی
یہ تدبیر سوچی کہ بیگم کو دوسری صورت سے راضی کر لیا جائے۔ نواب سے عرض کی کہ
آفرین علی خان کو فیض آباد کو بھیجا اور یہ کہلا لیا کہ غلام نے انگریزوں سے سماعت
کر کے پٹن کے قلعہ فیض آباد سے اٹھ جانے کا حکم لے لیا ہے چنانچہ جان ہرست صاحب
نے پٹن کو وہاں سے بلوالیا۔ دوسری تدبیر یہ کی کہ ماہ رمضان ۱۱۹۷ھ ہجری میں
ایک عریضہ نواب نے اپنی ماں کو لکھا کہ دزیر علی خان میرا فرزند ضلعی ہے میڈر ہون
کہ اُسے تبرک مرحمت ہو جائے اور اُس سے پردہ توڑ دیا جائے تاکہ اُس کی آمد
بڑھ جائے جناب عالیہ نے جواب میں لکھا کہ تمہارا مکان ہے اجازت کی حاجت کیا
ہے جب اجازت آگئی تو نواب اُس کو اپنے ساتھ لے کر فیض آباد کو گئے وہاں دینوں
تھہرے بہت سی چالوسی کی اور عرض کیا کہ میں نے انگریزوں سے آپ کی جاگیر
چھوڑ دینے کے لیے کوشش کی ہے جو اہر علی خان و بہار علی خان کو میرے ہمراہ
کر دیا جائے گو ہر مقصود ہاتھ آجائے کے بعد انکو رخصت کر دوں گا چنانچہ ان دونوں
خواجہ سراؤں کو ہمراہ لے کر آخر ماہ رمضان اور عین بارش میں لکھنؤ کو روانہ ہوئے
اور وہاں پہونچ کر دونوں خواجہ سراؤں کو محرم علی خان کی حویلی میں جو شاہ پیر محمد کے

ہم جانیں اور نواب وزیر جانین دونوں باہم نپٹ لینگے گورنر جنرل نے کہا کہ وزیر کا دشمن عین ہمارا دشمن ہے بھاؤ خاموش ہو گیا اور اسکے بعد کہا کہ پٹیل بہادر نے کہا ہے کہ میری خاطر سے چیت سنگھ راجہ بنارس کا قصور معاف کر دیا جائے اور اُس کا ملک اُس کو واپس کر دیا جائے کیونکہ وہ برہمن ہے گورنر جنرل نے جواب دیا کہ یہ بات اُس وقت ہو سکتی ہے کہ پٹیل بہادر رائل گورنر کا ملک جہدیم سے ہمارا دولت خواہ ہے اُس کو دیدین بھاؤ بخششی نے کہا کہ اس ملک کی تمام رعایا انگریزوں کی دولت خواہ ہے پس کس کس کو ملک دیا جائے گورنر جنرل نے جواب دیا کہ برہمن بھی کوچہ و بازار میں بھیکیں مانگتے پھرتے ہیں یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر برہمن کو ملک دیا جائے اس جواب شافی سے بھاؤ بخششی خاموش ہو گیا اور رخصت ہو کر گوالیار کو لوٹ گیا۔

اسی زمانے میں لکھنؤ میں مرزا خرم نجات شاہزادہ دہلی بھی آئے تھے۔ تاریخ شاہیہ میں لکھا ہے کہ گورنر جنرل نے رخصت کے وقت ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپے کے وہ تمسک جو نواب وزیر پر کبینی کے قرض کی بابت تھے نواب کے سامنے بھاڑ ڈالے جس سلوک مردان چنان سے باشد۔ افسوس اتنی چھوٹی سی معلومات پر یہ لوگ تاریخ کی کتاب لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ الغرض ۲۷ اگست ۱۸۵۷ء کو گورنر جنرل نے لکھنؤ سے مراجعت کی۔

بگیون کی جاگیر کا پھر اُن پر بحال ہو جانا

نواب وزیر نے اس زمانے میں راجہ جھاؤل لال کو جو مدت سے قید تھار ہا کر کے

لیا جائے اس لیے کہ نواب کو بڑی شکایت ان رزیڈنٹوں کے ہاتھ سے رہتی ہے ہمیشہ نواب کے خط انگلی شکایت میں آتے رہتے ہیں اس پر کونسل میں کئی روز تک مباحثہ رہا مگر آخر کار ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء میں گورنر جنرل کو اپنی رائے میں کامیابی ہوئی اور انھوں نے اب خود لکھنؤ آنے کا ارادہ کیا نواب آصف الدولہ مع اپنے تمام اراکین کے استقبال کی غرض سے آہ اباد تک تشریف لے گئے اور وہ دو دن خواجہ سرا یعنی جواہر علی خان و بہار علی خان بھی ہر کاب تھے ایک ماہ کے بعد گورنر جنرل کے ساتھ مراجعت کی اور پہلے سے مرزا حسن رضا خان کو شہر کی تزئین اور آرائش کے لیے بھیج دیا تھا۔

۲۷ مئی ۱۸۵۷ء عیسوی کو گورنر جنرل اور نواب لکھنؤ میں آئے گورنر جنرل کا بڑا مطلب یہاں آنے سے یہ تھا کہ نواب وزیر سے سرکار کمپنی کا قرض وصول کریں انھوں نے آصف الدولہ کے نائب سے روپیہ وصول کیا اور بہو بیگم اور بڑی بیگم اور سالار جنگ کی جاگیروں کے داگداشت کرنے کے لیے بھی کہا۔ گورنر جنرل نے نواب آصف الدولہ سے کہہ دیا کہ بیگم کو جاگیر دینے میں مختار اور مختارے ملک کا بھلا ہے ان سے تعین انتظام میں بڑی مدد پہنچے گی اور گورنر جنرل لکھنؤ میں اپنے آئین کا اطلاعی خط بھی بہو بیگم صاحبہ کو لکھا۔

یہاں ایک دلچسپ بات سن رکھنے کے قابل ہے جو تاریخ شاہیہ نیشاپور یہ میں لکھی ہے کہ بھاؤ بخش نام مہاجی سیندھیہ کا سفیر لکھنؤ میں گورنر جنرل کے پاس ملک قیام کے سوال و جواب کے لیے جو ریاست لکھنؤ کے تصرف میں تھا ان ایام میں آیا اور کہا کہ پٹیل بہادر وہ اپنا ملک مانگتے ہیں گورنر جنرل نے جواب دیا کہ ہکو اختیار نہیں ہے نواب وزیر اس ملک کے ملک ہیں بھاؤ نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو آپ بیچ میں مضل زمین

مؤلف فرح بخش فیض آباد پہنچے تو جواہر علی خان نے تال و کمال حال اخوند صاحب سے بیان کیا اُنھوں نے جواب دیا کہ اس قدر کا واپس ہو جانا بھی غنیمت سمجھنا چاہیے اس عرصے تک جو قرق رکھا تو اُن کا کیا کر سکے بہار علی خان کو کہہ دینا کہ وہ بھی ان محالات میں شریک ہو جائیں۔ ٹانڈہ اور نواب گنج دوبارہ مل جائیں تو پھر ان پر قبضہ کر لیں جواہر علی خان بولے کہ میں اس معاملے میں دخل نہیں دیتا تم خود جا کر اپنی طرف سے سمجھا دو چنانچہ اخوند صاحب نے اُن کو نشیب و فراز بتایا تو خیال میں اُن کے بات آگئی اور بیگم صاحبہ سے عرض کیا کہ اب جو کچھ دیتے ہیں حضور قبول کر لیں باقی محالات کے چھوڑ دینے کے لیے نواب سے وعدہ لے لین بیگم نے داراب علیخان کو نواب کے پاس بھیج کر اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ تم چونکہ خود پر دانہ لائے ہو تمھارے پاس خاطر سے قبول کرتی ہوں بشرطیکہ باقی محالات کی واپسی کا وعدہ کرو نواب نے قسم کے ساتھ وعدہ فرمایا اور پر دانہ حوالے کر کے لکھنؤ کو رخصت ہو گئے۔ جب پر دانہ جواہر علی خان کے پاس آیا تو مرزا برہان علی بیگ نائب موہن گنج نے کہ بہت ہوشیار آدمی تھا دیکھ کر کہا کہ مجھ کو محالات جنوبی میں بھی شک واقع ہو گیا اس لیے کہ اس پر دانے میں سلون وغیرہ محال جاگیر لکھا ہے جمع کا لفظ یعنی محالات نہیں ہے حالانکہ اُس طرف تین محال ہیں (۱) محال سلون کہ میر گنج وغیرہ صنلے اُس سے متعلق ہیں (۲) محال نصیر آباد کہ روکھا دہرہ سدھی پور و اٹھتہ اس سے تعلق رکھتے ہیں (۳) محال جائس کہ موہن گنج و سمرودہ و سیدھا مشہور۔ بگودا کٹائی کا اُس سے تعلق ہے اور یہاں فقط محال کا لفظ لکھا ہے اس بات کے سننے سے خود سرے آدمیوں کو بھی شک پیدا ہو گیا۔ اُس وقت فرح بخش کے

اسکا ہاتھ امیرالدولہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی قصور بھی اس سے سرزد ہو جائے تو ہماری خاطر سے معاف کر دیں۔

نواب محلات جاگیر بیگم صاحبات کے واگذاشت کرنے کا پر وائے جوقی بیگم خان کے نام تھا کہ فی الحال وہ ان محلات پر حاکم تھا خود لے کر فیض آباد کو گئے اور بیگم صاحبہ کو ویریا انھوں نے قبول نہ کیا وجہ اسکی یہ ہے کہ بیگم صاحبہ کی جاگیر میں ضبیطی سے قبل اپنا علاقہ تھا۔ (۱) جنوب کی طرف سلون جس میں آٹھ محال تھے۔ (۲) شرق کی طرف قصبہ ٹانڈہ (۳) شمال کی جانب دریائے گھاگرہ کے پار نواب گنج (۴) غرب کی طرف لکھنؤ سے ملا ہوا اسماعیل گنج۔ سلون کے محلات کا تعلق جواہر علی خان سے تھا۔ اور قصبہ ٹانڈہ و نواب گنج بہار علی خان کے سپرد تھا اور اسماعیل گنج شگون علی خان کے تفویض تھا اور تمام جاگیر کا کلہ دلغ جواہر علی خان کے حوالے تھا۔

ان میں سے ٹانڈہ اور نواب گنج موقوف کر دیے تھے باوجود گورنر جنرل کی تاکید کے حیدر بیگ خان عناد دلی کی وجہ سے اور بھی چار محالوں کو فیض میں ڈال گئے اور اُس وقت بیگم کی سمجھ میں وہ بات نہ آئی وہ یہی سمجھیں کہ صرف ٹانڈہ اور نواب گنج موقوف رکھے ہیں پر دانے کی عبارت یہ تھی کہ سلون وغیرہ محال جاگیر برستور والدہ صاحبہ کے زیر کینے گئے پس بیگم صاحبہ نے یہ معلوم کر کے کہ ٹانڈہ اور نواب گنج کا نام پر دانے میں نہیں لکھا اور باقی تمام علاقے کا ذکر ہے پر دانے کو مسترد کر دیا۔ بہار علی خان نے بھی بیگم صاحبہ کو درغلا دیا تھا نواب وزیر اس وجہ سے دو دن تک مان کے سلام کو بھی نہ آئے جب چار دن کے بعد اخوند احمد علی اور

کہ بیگمات کو راضی کر دینا چاہیے اُنھوں نے نواب آصف الدولہ کو تحریر کیا لیکن
بیکر ڈری ہوئی انھیں اُنھوں نے گورنر جنرل یارزیدنٹ سے کچھ دریافت
نہیں کیا۔

ہیسٹنگز صاحب کے دشمن کہتے ہیں کہ اُنھوں نے بیگمات پر وہ ہیرجی مہر دی
کرائی کہ کسی وحشی قوم سے بھی اُس وقت تک ظہور میں نہ آئی تھی۔ دوست امن کے
اس الزام کو یوں مٹاتے ہیں کہ مال آصف الدولہ کے باوا کا تھا اُس کو بیگمات نے
ناحق غصب کیا تھا اُنھوں نے شرع اسلام کے موافق دلایا۔ منصف مزاج اس پر
اعتراض کرتے ہیں کہ ہیسٹنگز صاحب مفت مال مارنے کے لیے مفتی شرع اسلام بن گئے
جس وقت اُنھوں نے بیگمات سے عہد استوار کیا تھا کہ ہم آصف الدولہ کو روپے
کے لیے اُن کو تنگ نہ کرنے دیں گے اُس وقت مفتی صاحب کا فتوے معلوم نہیں کہاں
گیا تھا۔ مگر ہیکو اس وقت سرتیج امپری کے انصاف کی داد دینی چاہیے اس وقت
وہ مجبور تھے کہ اس معاملے میں اپنا دخل نہیں دے سکتے تھے اُن کی تمام حکومت
بیکال پر ختم ہو جاتی تھی اُن کو اودھ کے معاملات میں کسی طرح بولنے کا منصب
نہ تھا وہ لکھنؤ میں بالکی کی ڈاک پر ان واقعات کو سن کر آئے ایک بھیڑ آدمیوں
کی انھیں دیکھ کر آمو جو د ہوئی اور بیگمات کی شکایت میں اظہار حافی لکھے ہوئے
ہاتھ میں لائے وہ صاحب جج کو اُنھوں نے دیے۔ اُنھوں نے لے لیے جج صاحب ان
کو پڑھ نہیں سکتے تھے اور نہ کوئی مترجم ان کے ساتھ تھا غرض وہ ان سب اظہارات
کو بے ہوئے کلکتے کو اُن لے چلے گئے اب سوال یہ ہے کہ اُنھوں نے اتنا لمبا چوڑا سفر
کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سفر سے اُنکی غرض یہ تھی کہ جس معاملے میں

مؤلف نے کہا کہ حیدر بیگ خان نے غالباً تقی بیگ خان کو علحدہ بھی لکھا ہوگا اور
اُس میں تفصیل دی ہوگی اگر اُس نے اپنے عاملوں کو تمام محالات سے اٹھالیا ہوگا
تو اس صورت میں مطلب حاصل ہے اور اگر وہ بعض محالات سے قبضہ اٹھائے
تو کچھ مرزا برہان علی صاحب کہتے ہیں وہی درست ہے دوسرے دن اخوند صاحب
اپنے رفقا کو ساتھ لے کر محالات کو روانہ ہوئے گاؤں والے جوق جوق اپنے مکانوں
سے ہتھیار بند محل کر استقبال کو آتے تھے جائس میں پہونچکر مقام کیا اور آغا محمد
کشمیری کو جو جواہر علی خان کا ذکر تھا تقی بیگ خان کے پاس سلون کو بھیجا اُس نے
صرف اس قدر سنا تھا کہ بیگ صاحبہ کی جاگیر چھوڑ دی گئی ہے اُسکے پاس اب تک
کوئی تحریر حیدر بیگ خان کی اس معاملے میں نہیں آئی تھی وہ آدمی نیاک اور
معقول تھا اُس نے وہ پروانہ جو اخوند صاحب ساتھ لے گئے تھے دیکھتے ہی آٹھون محال
سے اپنے عاملوں کو اٹھالیا اور ان سے کہدیا کہ قبضہ اپنا کر لو یہاں تاک کہ حیدر بیگ خان
کا حکم اُس کے پاس بھی جا پہونچا جس میں بعض عاملوں کو چھوڑ دینے اور بعض کو بدستور
قبضے میں رہنے دینے کی تفصیل تھی۔ مرزا برہان علی بیگ نے جو کچھ سوچا تھا وہ ظہور میں
آگیا۔ محال سلون خاص اور ان تین علاقوں کو دکھا۔ وپرسدی پور۔ واکھیشہ پور
بیگم صاحبہ کے کارگذاروں کو قبضہ ملا اور سروتہ و موہن گنج و گورا و جائس خاص پر
برستور ریاست متصرف رہی اس صورت میں آدھے محال ضبط ہے اور آدھے چھوڑ دیے
گئے اور نہ اسماعیل گنج و کلہ و لغ صوبہ سے بیگم کے آدمیوں کو سرکار بہادور سال تاک
بیگم صاحبہ نے چار محالوں پر قناعت کی جب یہ خبر کلکتہ ہوتی ہوئی لندن میں پہونچی
تو وہاں سے وارن ہیسٹنگز کے جانشین لارڈ کارن والس کو کورٹ وارنٹ کرنے لکھا

بادلی میں اُتارا مثل مشہور ہے کہ جب معزول ہو جاتا ہے تو معقول ہو جاتا ہے
اب انکار کی مجال مان اور دادی اور اُن کے غلے کو نہ ہی سرنگون نواب کے کہنے
سے فیض کو حاضر ہو گئیں۔ دونوں بیگمات کے ملازموں اور متعلقین کے لیے
دوسرے مکان قریب قریب اپنے مالکوں کے مقرر کرائے جن میں تمام سامان آسائش
تیار تھا بعد اسکے شہر میں منادی کرادی کہ اصف الدولہ اپنی دادی اور مان کے
نائب ہیں تمام ملک اور ہر ایک شہر و قصبہ اور ہر ایک سامان ریاست کی مالاصل
یہی دونوں بزرگوار مالک ہیں تمام شہر کی رعیت ان کی فرمانبرداری اور محکوم ہے
ان کے آدمی کسی کو زخمی کر دین کمین چوری یا کوئی اور بدعت کریں تو ان سے
باز پرسہ کی نواب کی ذات سے توقع نہ رکھیں۔ لکھنؤ پہنچنے سے ہندو صوبہ دن
بہار علیخان خواجہ سرا مر گیا۔ کیونکہ فیض آباد سے دوسری منزل پر اسکی سواری
کے گھوڑے نے شوخی کی وہ پُشت زمین سے زمین پر گرا زیر نان چوٹا کر مٹیاب
بند ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۱۹۹ھ ہجری کا ہے۔ اس کی لاش فیض آباد کو جو علیخان
نے بھجوا دی وہیں دفن ہوا میر نثار علی خان جو بہار علی خان کا بھائی کہلاتا تھا
نفس کے دفن ہونے سے قبل حویلی میں تنہا گھس گیا اور کوٹھا کھول لیا حیدر بیگ خان
کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے بیگم صاحبہ کو یہ حال کھلا بھیجا وہ بے حد غمگین
ہوئیں۔

شادی میں لڑکی کی طرف کا انتظام الماس علی خان کے حوالے تھا اور لڑکے
کی طرف کا سرفراز الدولہ حسن ضامن کے ہو بیگم صاحبہ نے بھی لکھنؤ میں حسین علیخان
کی بیٹی کو جو بی بی عاشرہ کے بطن سے تھی مرزا نصیر ولد مرزا امین ابن مرزا یوسف

وہ قانون کے موافق حکم نہیں دے سکتے تھے اُس میں بے قاعدہ کچھ اپنا بھی حکم لگائیں اور اظہارِ حلفی جو اُنہوں نے جمع کیے وہ کچھ کام آئین -

آصف الدولہ کا مان اور دادی کی دلجوئی کرنا ان
کو ایک شادی کی تقریب میں لکھنؤ کو اپنے ساتھ
لے جانا - حیدر بیگ خان کا محالات کے باب میں
سمجھوتہ کر لینا

آصف الدولہ نے حیدر بیگ خان کی تعلیم سے بیگم صاحبہ کے خوشنود کرنے کا یہ حیلہ
کھڑا کیا کہ وہ بہ نفس نفیس فیض آباد آئے اور نہایت درجہ خلوص و اطاعت غلامانہ
ظاہر کر کے خواجہ سراؤں کے ذریعہ سے عرض کرایا کہ میری بیٹی کی شادی کتھائی
احمد علی خان شوکت جنگ خلف نواب مرزا علی خان کے بیٹے کے ساتھ درپیش ہے
اگر حضور لکھنؤ تک قدم رنجہ فرما کر میرے جھوپڑے کو رونق بخشیں تو بندہ نوازی
سے بعید نہ ہوگا اُنہوں نے منظور کر لیا اجازت حاصل ہونے کے بعد دونوں سرکار
کے غلاموں اور گنیزون کی سواری کے لیے دس دس ہاتھی دس دس ٹانگن گھوڑے
دس دس رتھ اور پچاس پچاس ہزار روپے مصارفِ راہ کے لیے بھیجے اور لکھنؤ تک
منزل بمنزل عالیشان خیمے کھڑے کرائے اور ہر مقام پر عمدہ عمدہ کھانوں کا انتظام بھی
کرایا اور یہ سب اہتمام اپنی سرکار سے کیا اور چند قدم نواب اپنے ہاتھ سے سکیمپال کا
پایہ کپڑ کر یا پیادہ چلے لکھنؤ میں پہونچنے کے بعد مان کو بیچ محلہ میں اور دادی کو کلکتہ

نواب سید فیض الدخان کی سپاہ کی فوج آصفی و
انگریزی کے ساتھ معبر دارانگر پر تقرری اور نواب
سید فیض الدخان کی سپاہ کے ساتھ اُن دونوں
فوجوں کا جھگڑا ہونا

جبکہ سکھوں کی شورش اور تاخت و تاراج کا اثر دریائے گنگا کے کنارے تک
ظاہر ہونے لگا تو نواب آصف الدولہ نے کچھ سپاہ انگریزی اور اپنی فوج دارانگر پر
گنگا کے متصل متعین کردی اور نواب سید فیض الدخان بہادر کو لکھا کہ آپ بھی
کچھ اپنی فوج وہاں بھیج دیں تاکہ یہ دونوں فوجیں مل کر سکھوں کے ادھر آنے میں مزاحمت
کریں۔ نواب سید فیض الدخان نے مولوی غلام جیلانی خان کا رسالہ وہاں بھیج دیا
باوصف اس فوج کے وہاں پہنچ جانے کے اور گنگا کے گھاٹ پر احتیاط رکھنے
کے بھی سکھوں نے ایک بار یورش کر کے دریائے گنگا کو عبور کیا اور سنبھل کو لوٹ لیا
اور شرفا کی ٹنگ وناموس کو برباد کیا۔ اسی طرح کئی سال یہ فوجیں دارانگر میں
مقیم رہیں۔ ماہ رمضان ۱۲۹۵ھ ہجری میں نواب آصف الدولہ کی اور انگریزی سپاہ
کے ساتھ نواب سید فیض الدخان کے آدمیوں کی لڑائی ہوئی۔ انگریزی و آصفی سپاہ کو
ہزیمت ہوئی پٹھانوں نے اُن پٹھانوں کا اسباب اور سامان لوٹ لیا۔ اس فساد
کے بعد سے سپاہ کی تعیناتی دارانگر کے مقام سے موقوف ہو گئی مگر انگریز اور آصف الدولہ
اس جھگڑے کا جال سُکر ناراض ہوئے اور لکھنؤ سے پام صاحب اور علامہ تفصل سیف خان

ہمشیر زادہ برہان الملک کے ساتھ نامزد کیا اور بی بی لطف النساء کی منگنی مرزا محمد تقی خان
برادر دوم مرزا نصیر کے ساتھ کی۔

جب دو تین دن بیگم کے کوچ کی تاریخ مین باقی رہ گئے تو حیدر بیگ خان
ڈیوڑھی پہن حاضر ہوئے اور سلون کی طرف کی جاگیر کے محلات (جو فیض آباد سے
جنوب کی سمت واقع ہیں) چھوڑ دینے کی فریبگم صاحبہ کے پاس پہنچائی۔ اس
سوت پر بھی حیدر بیگ خان اپنی صنعت دکھا گئے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ
جواہر علی خان بیگم کی تحریر کے بموجب تین لاکھ اور پچھتر ہزار روپے جمع سالانہ بیگم
کے خزانے میں ہمیشہ پہنچایا کرتا تھا اور بہار علی خان ڈیڑھ لاکھ روپے داخل کرتا
تھا تمام جمع سوا پانچ لاکھ روپے انکے ہاتھوں سے دوامی پہنچتی تھی۔ حیدر بیگ خان
نے عرض کرایا کہ آپ کو عرض اس قدر روپے سے ہے محلات جنوبی کی جمع خام بغیر
خجرائی خرچ سے بندی و تنخواہ تحصیلداران و پیشکاران بیگم صاحبہ کے حضوین لکھنؤ
قصبہ مانڈہ و نواب گنج کہ دریائے گھاگرہ کے پار شمال کی طرف واقع ہیں ان کا تعلق
بہار علی خان سے تھا اور تمام جاگیر کا کلہ داغ و نواب علی خان سے تعلق رکھتا تھا
اور قصبہ اناؤ خاص (کہ جسے ضلع میں اعلیٰ درجے کے چاول پیدا ہوتے تھے)
شجاع الدولہ کے عہد سے بیگم صاحبہ کے تصرف میں تھا اب حیدر بیگ خان نے
سہ بندی کا خرچ اور تحصیلداروں کی تنخواہ وغیرہ مانڈہ و نواب گنج و کلہ داغ و اناؤ
کی آمدنی سے خراج کر کے بقیہ آمدنی جمع محلات سلون میں شامل کر دی اور بیگم کو
اس طے سمجھا کر رضی کر لیا۔ ۲۷ رجب سن ۱۱۷۱ ہجری کو دونوں بیگمات لکھنؤ سے
فیض آباد پہنچ گئیں۔

مندرجہ عہد نامہ مانگی انھوں نے حسب الطلب انگریزی تین ہزار سپاہ بھیجی مگر وہ مقتدر نہ تھی جو ان سے مانگی گئی تھی اس لیے وہ فوج نامنطور کی گئی اور انگریزی گورنر جنرل نے مقام چنار گڑھ میں آصف الدولہ سے ملاقات کر کے ان کو نواب سید فیض السدخان کی ریاست چھین لینے کی اجازت دیدی چنانچہ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کی تیسری دفعہ نواب سید فیض السدخان سے متعلق تھی جو کہ نواب سید فیض السدخان نے بسبب شکست کرنے عہد کے حقوق حفاظت و حمایت گورنمنٹ کی ضبط کرا دیے اور اپنی خود سری سے نواب آصف الدولہ کو بہت دقت اور تکلیف دیتے ہیں لہذا آصف الدولہ کو اجازت ہے کہ جب موقع وقت ہو ان کی ریاست ضبط کر کے ان کو نقد روپیہ مشروطہ عہد نامہ معرفت رزیڈنٹ لکھنؤ کے دیا کریں مگر جس قدر روپیہ اس فوج کا ہوگا جو انھوں نے عہد نامے کی رو سے سرانجام کرنے کی شرط کی تھی وہ روپیہ انکی نقدی میں سے منہا ہو کر حساب کمپنی میں قائم رہنے جنگ حال کے محسوب ہوگا۔ یہ اجازت لارڈ مڈلبرگ کی سوانح عمری میں ایک مشہور یادگار باقی ہے یہ تدبیر صرف نواب سید فیض السدخان کے ڈرانے کے واسطے کی گئی تھی کیونکہ آصف الدولہ کو اس ریاست سے نفع حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی جب مدراس اور بمبئی کے احاطون میں لڑائی کی آگ بھڑک رہی تھی تو لارڈ مڈلبرگ نے نواب آصف الدولہ سے کہا کہ تم نواب سید فیض السدخان سے پانچ ہزار سوار اپنی خدمت کیلئے مانگو تاکہ انگریزی سپاہ مدراس جانے کے لیے کافی ہو اور گورنر جنرل نے نواب سید فیض السدخان کو بھی پانچ ہزار فوج آصف الدولہ کے واسطے تیار کرانے کی ہدایت کی اس درخواست پر نواب سید فیض السدخان نے لکھا کہ مجھے عہد نامے کے موافق

کشمیری تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ تاوان وصول کرنے کے لیے رام پور آئے اور
نواب سید فیض الدخان سے بات چیت ہوئی نواب صاحب چونکہ نہایت دراندیش
تھے اس لیے پندرہ لاکھ روپیہ دے کر راضی کر دیا۔ یہ بیان حام جہان نسا
مؤلفہ مولوی قدرت الدہلوی کے مطابق ہے مگر انگریزی کتب تواریخ میں
ان پندرہ لاکھ روپوں کے دیے جانے کی حقیقت دوسرے طور پر لکھی ہے مکن ہے
کہ یہ واقعہ بھی ضمناً افسین شامل ہو۔

گورنمنٹ انگریزی کا آصف الدولہ کو ترغیب دینا
کہ وہ ریاست رام پور ضبط کر لیں اور اس حیلے
سے پندرہ لاکھ روپے اور بقولے میں لاکھ روپے
نواب سید فیض الدخان سے وصول کرنا

عمد نامہ لال ڈانگ کے بموجب جس پر مشتمل افسانہ انگریزی حکومت کی ضمانت
کی گئی تھی نواب سید فیض الدخان سے یہ شرط قرار پائی تھی کہ پانچ ہزار سے زیادہ سپاہ
اپنے پاس نہ رکھیں اور نواب اودھ کی اعانت دو تین ہزار سپاہ سے ہنگام جنگ موافق
اپنی قابلیت کے کیا کریں جب انگریزوں اور فرانسسوں میں لڑائی شروع ہوئی
تو نواب سید فیض الدخان نے دو ہزار سوار بھیجنے کی درخواست انگریزوں سے
کی جس پر لارڈوارن، ہیسٹنگز گورنر جنرل نے ان کا بہت شکریہ ادا کیا کوئی کہتا ہے
کہ مشتمل افسانہ گورنر جنرل نے نواب سید فیض الدخان سے پانچ ہزار سپاہ

ہر جے کار و پیہ دینے پر راضی ہوے چونکہ وہ ایک ذی قدرت رئیس خیال کیے جاتے تھے اسلئے پندرہ لاکھ روپے ہر جے کی بابت طلب کیے اس روپے کے ادا کرنے پر نواب سید فیض الدخان راضی ہو گئے اور میچو پام صاحب انگریزوں کی طرف سے رامپور گئے اور وہاں ایک مہینہ رہے اور نواب سید فیض الدخان سے پندرہ لاکھ روپے لیے اس طرح کہ پانچ لاکھ روپے فوراً دیے اور پانچ لاکھ فصل خریف میں اور دو لاکھ ربیع ۹۱ء فصلی میں اور باقی تین لاکھ روپے شروع خریف ۹۲ء فصلی میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اور ۱۴ ربیع الاول ۹۲ء ہجری مطابق ۱۷ فروری ۱۸۷۳ء کو پام صاحب نے نواب دذیر کی طرف سے اُس شرط کو جس سے اُن پر فرض تھا کہ بروقت ضرورت دو تین ہزار سپاہ سے نواب نذر کی مدد کرین عہد نامہ سابق سے مسترد کر دیا۔ اور اس تاریخ سے نواب سید فیض الدخان فرض مدد دہی سے بری کیے گئے۔

اس کے علاوہ پندرہ لاکھ روپے اور اس بہانے سے وصول کیے کہ یہ یاست نواب سید فیض الدخان کے حین حیات تھی اب یہ اُن سے عہد کیا گیا کہ نسل انجیل یہ ملک قائم ہے گا۔ مگر مل کی انگریزی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس دوسری رقم کے دینے سے نواب سید فیض الدخان نے انکار کر دیا گورنر جنرل نے کورٹ ڈائریکٹرز کو رپورٹ بھیج دی کہ آصف الدولہ کی درخواست نواب سید فیض الدخان سے پانچ ہزار روپوں کی بے جا تھی موافق عہد نامے کے دو تین ہزار سپاہ سے خدمت گذاری اُن کے ذمے واجب تھی اور جو اوائہن کہ اُن کی بغاوت کی نسبت مشہور ہوئی تھیں وہ محض بے اصل تھیں۔

پانچ ہزار سپاہ کل رکھنے کی اجازت ہے جس میں دو ہزار سوار ہیں جو اس وقت سرکاری
 کی خدمت گذاری میں مصروف ہیں اور تین ہزار پیادے ہیں وہ ملک کی تحصیل آتی
 کرتے ہیں ان کے بغیر کام مگداری کا نہیں چل سکتا میں سپاہ کمان سے لاؤن گورنر جنرل
 نے نواب سید فیض الدخان کے اس جواب پر جان برسٹو لکھنؤ کے رزیڈنٹ کو لکھا
 کہ وہ نواب سید فیض الدخان سے تین ہزار سوار مانگے اس پر بھی انھوں نے عذر کیا
 مگر دو ہزار سوار اور ایک ہزار پیدل بھیج دیے اسپر انگریزوں نے نواب آصف الدولہ کو
 سمجھایا کہ وہ راضی نہوں۔ غرض موافق دفعہ سوم عہد نامہ چار گڑھ نواب
 آصف الدولہ نے ارادہ کیا کہ نواب سید فیض الدخان کی ریاست ضبط کر لیں
 کیونکہ انگریز اس عہد نامے کے ضامن جب تک تھے کہ کوئی نقص عہد نواب سید
 فیض الدخان کی طرف سے نہو اب یہ بڑی ہٹ دھرمی تھی کہ انگریز اس بہانے
 سے عہد نامہ لال ڈانگ سے پھرتے تھے اُس میں یہ کمان لکھا ہوا تھا کہ پانچ ہزار
 سواروں سے نواب اودھ کی استعانت کی جائے گی اُس میں تو دو تین ہزار سپاہ
 کا بحسب قابلیت وعدہ تھا وہ بھی سواروں کا نہ تھا غرض کمان یہ عہد کہ پانچ ہزار
 سپاہ سے زیادہ نہ رکھو کمان یہ معنی اُسکے کہ پانچ ہزار سوار نواب اودھ کی خدمت
 کے لیے بھیج زمین آسمان کا فرق تھا مگر زبردستوں کو اختیار تھا کہ جو چاہیں سو کریں
 اس وقت تو فقط اس اصول پر ہیٹنگ صاحب کا عمل تھا کہ جس رئیس اور امیر سے
 جو کچھ اینٹھا جائے وہ ایشیے جو مرغی موٹی ہو اُسے ذبح کیجیے ۸۲ عین آصف الدولہ
 کو از حد اصرار ہوا کہ گورنر جنرل اجازت دیدیں کہ وہ نواب سید فیض الدخان
 کی ریاست ضبط کر لیں اور نواب سید فیض الدخان اس خدمت کے عوض

یہ قوم شیوہ فتوت و جوانمردی کے ساتھ متصف ہے خاصکر تم اس قوم میں اپنی
 دانش و فطانت کی وجہ سے نہایت شہرت رکھتے ہو۔ بادشاہ ان بے شرم غلاموں
 کے ہاتھ سے بے حد ملوث ہیں کیونکہ ان کو مطلقاً آقا ئی و غلامی کا پاس نہیں ہے
 ہر کام میں نافرمانی کرتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ تم کو اطاعت کی توفیق بخشے گا تو ہم کسی نہ
 سے ان تک حراموں کے ہاتھ سے رہائی حاصل کر کے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور
 تم اس واردات غیبی کو اپنے اقبال و امارت کا نشان جان کر جانفشانی پر آمادہ ہو جاؤ
 تاکہ تمہاری کوشش سے سلطنت کو انتظام اور خلایق کو رفاہ حاصل ہو اور یہ نیکو نیتی
 قیامت تک تمہاری یادگار صفحہ روزگار پر باقی رہے۔ شیر علی جب یہ خط لیکر چلے پہنچا
 اور گورنر جنرل کو دیا تو انھوں نے اس کا جواب یہ لکھا کہ میں بعضے کاموں کی دستی
 کے لیے لکھنؤ جانے والا ہوں جبکہ جناب والا کا یہ مصمم ارادہ ہے تو بے تکلف لکھنؤ کی طرف
 تشریف لے آئیے مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا خدمت گذاری کے لوازم اور بندگی کے مراسم
 بجا لاؤں گا جبکہ شاہزادے کو گورنر جنرل کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا تو قلعہ
 سے نکلنے کی فکر کرنے لگے ایک دن احمد علی خان قلعہ دار کو جو شاہزادے کے سامنے
 ہمیشہ دم صداقت بھرتا رہتا تھا خلوت میں بلا کر اس مشورے میں شریک کیا
 اُس کم ظرف نے افراسیاب خان کی رضا جوئی کے لالچ سے فوراً مہم الدولہ کو آگاہ
 کر دیا اُس نے بادشاہ کو ان قبائح سے مطلع کر دیا بادشاہ معاملے کے بر ملا ہو جانے
 سے متردد ہوئے اس لیے چند محافظ مقرر کر دیے کہ رات دن شاہزادے کی خدمت
 میں رہ کر ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھیں اوائل ماہ جمادی الآخرے میں
 گورنر جنرل لکھنؤ پہنچ گئے تو شاہزادے نے مکرم الدولہ اکبر علی خان کو جو ان کے ماموں

مل کی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس معاملے میں انگریزی دست اندازی نے صرف اپنا اعتبار ثابت کرنا چاہا مگر اس کے خلاف لوگوں میں یہ مشہور ہوا کہ آصف الدولہ نے اس دست اندازی کی بابت انگریزی حکومت کو کچھ معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

جہاندار شاہ مرزا جوان بخت کا لکھنؤ میں ورود اور

اُن کے معاملات

تاریخ تیموریہ میں واقعات ۱۱۹۰ھ ہجری میں لکھا ہے کہ مرزا جوان بخت جہاندار شاہ جو شاہ عالم کے بڑے بیٹے تھے اور دوسرے شاہزادوں سے علوِ صلبہ وغیرت و حمیت و شجاعت میں ممتاز تھے انھوں نے ازرا سیاب خان کی بدسلوکی و بدعہدی بادشاہ کے ساتھ دیکھ کر دل میں یہ بات قرار دی کہ اس بدعہدے سے عہد توڑ کر انگریزوں سے جوڑنا چاہیے جو بات کے پابند اور شیوہ صداقت و ارادت میں ثابت قدم تھے خصوصاً وارن ہیسٹنگز صاحب گورنر جنرل ان اوصاف میں سب سے بڑھ کر سمجھے جاتے تھے شاہزادے کا خیال یہ ہوا کہ اگر گورنر جنرل خد متکذاری سے کمر بستہ ہو جائیں تو سلطنت کے مردہ جسم میں جان تادہ پڑ جائے شاہزادے نے گورنر جنرل کے استعراج کے لیے اپنے خواص شیر علی کو کلکتے کی طرف بھیجا اور یہ راہ دہ کیا کہ اگر وہ جادہ ارادت پر ثابت قدم ہوں تو قلعہ دہلی سے کسی طرح نکل کر اُن کے پاس کلکتے کو چلے جائیں اپنے ہاتھ سے ایک خط بھی لکھ کر شیر علی کو سند کے لیے دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے یقین ہے کہ انگریز اپنے قول و قرار کا پاس دلحاظ بخوبی کرتے ہیں اور

پر جہان سے راستہ مطلوب نکلتا تھا اور دونوں میں تین گز کا فاصلہ تھا کو دے
 ہوا کا زور اور غبار بہر قدم پر چلنے سے مانع تھا لیکن دل پر جبر کر کے چلتے رہے
 یہاں تک کہ فیض بخش نہر کے کنارے جا پہنچے یہاں شیخ عبدالرحمن اور ثابت خان
 نہ ملے جنگو موجود رہنے کا حکم تھا تو پھر لوٹے اپنے قصر کی چھت کے پاس ایک سیاہ چیز
 نظر آئی سمجھے کہ کوئی چوکیدار ہو گا جو ہماری آہٹ سن کر تلاش میں آیا ہے شاہزادہ
 کمال جلالت سے لپکے اور اُس کا گلا پنچے میں داب لیا کہ مار ڈالیں بے اختیار اُس
 کی زبان سے نکلا کہ میں ہوں عبدالرحمن اُس کو اپنے ساتھ لے کر فیض بخش نہر پر آئے
 وہاں بھی کوئی شخص محسوس ہوا تحقیق سے معلوم ہوا کہ ثابت خان ہے اُسکی تسلی کی
 اور اُس کا ہاتھ شیخ عبدالرحمن کے ہاتھ میں دے کر اُس نقب پر آئے اور اُس میں
 سے نکل کر برآمدے میں پہنچے جو فضاے دریا کی سیر کے لیے تھا یہاں چار خواص
 کمندین تیار لیے ہوئے منتظر بیٹھے تھے وہ اس جرات و جلالت پر محو حیرت ہو گئے اس
 مقام پر فصیل شرقی سے کمندون کے ذریعہ سے اترنا چاہا دیوار کی اونچائی ۳۵ گز
 سے کم کی نہ ہو گی کمند کو اُس سے ٹکرا کر تھر کے ستون سے مضبوط بانڈھ دیا شاہزادہ
 نے دل میں سوچا کہ خود پہلے اتر جاؤں اور اُن کے انتظار میں بکھڑا رہوں یا ان کو
 چھوڑ کر چلا جاؤں مگر یہ نامناسب ہو گا اس لیے اُن سے کہا کہ تم پہلے اترو بعد اسکے میں اتر ونگا سب
 نے یہ بات پسند کی سب سے پہلے بخش اسد جلودار کو اُتارا بعد اسکے ثابت خان کو بعد اسکے خود اُتے
 ان کے بعد ام بخش اُترا پھر میرا عظم و شیخ عبدالرحمن تلے آئے فیض اللہ کو حکم دیا کہ قدموں کے نشان اُتارو
 کمندون کو کسی طرف پھینک کر اور سلاح خانے کو قتل کر کے قلعہ کے دروازے سے نکل کر آئے بعد عبدالرحمن خان
 کو جردن کو ساتھ لے کر نیلہ برنج کے قریب پہنچا تھا کہ ہوا کی شدت گرد و غبار کی

اور نہایت غمگسار و شریک حال تھے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور عبدالرحمن خان
خواص کو اپنے پرگنہ بٹول کو بھیجا اور یہ کہا کہ گوجرون کی جماعت کو راضی کر کے
یہاں لے آئے۔ اور امام بخش خان۔ میراعظم۔ شیخ عبدالرحمن۔ شیخ فیض اللہ
الہ بخش خواصوں کو جو بھروسے کے آدمی تھے کمندین بنانے کا حکم دیا انھوں نے
بڑی بڑی رسیاں چند روز میں جمع کر کے قصر سلاح خانہ کے بالاخانے پر رکھیں
اور جو دیوار شاہزادے کے رہنے کے مکان اور مکان سلاح خانہ کے درمیان
حائل تھی اُس میں سوراخ کر کے آنے جانے کا راستہ بنا لیا۔ القصد ۲۶ جادی الاخرہ
کو کہ نکلنے کا وقت مقرر تھا کرم الدولہ کو حکم دیا کہ سواری کے گھوڑے تیار کر کے
پشت پر گنج میں موجود رکھیں اور عبدالرحمن خان کو حکم دیا کہ گوجرون کو اپنے ساتھ لیکر
مع ایک گھوڑے کے قلعہ کی فصیل سے ایک تیر پر تاب کے فاصلے پر حاضر رہے شیخ
عبدالرحمن اور ثاب خان کو حکم دیا کہ نہر فیض بخش پر جو بلغ حیات بخش کی دیوار پر
جاری ہے ہمارے انتظار میں کھڑے رہیں یہ کام شاہزادے کا بغیر ہم رازی حرم خاص
تعلق النساء یگم کے سرانجام نہیں پاسکتا تھا اس لیے اُس کو بھی اپنے راز میں شریک کیا
اور روانگی کی رات سے چند روز پہلے سے خلوت گزینی اختیار کر لی تھی اتفاقاً جس رات
چلنے کا انتظام کیا تھا شام سے گرد و غبار اور تاریکی کا زور تھا یہاں تک کہ قریب
کا آدمی بھی ممتاز نہیں ہو سکتا تھا آج شام سے شاہزادے نے حکم دیا کہ کوئی آدمی
ہمارے خواب گاہ میں نہ رہے ہمارے نیند خراب ہوتی ہے جب چار گھڑی ات گز گئی
تو وضع بدلی کا لا دو شاہ بدین پر پٹیا اور اُس اندھیری رات اور آندھی میں کہ
آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اپنے قصر کی چھت پر چڑھے اور اس چھت سے دوسری چھت

شبِ بر گنج

کے پاس پہنچے وہاں کوئی کشتی نہ ملی یہاں سے افراسیاب خان کا لشکر قریب تھا دریا پایاب تھا تھوڑی سی دیر مکرّم الدولہ کا حال معلوم کرنے کے لیے ٹھہرے جب اُس کا پتہ نہ چلا تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھے راستے میں تین جگہ جہنا کا پانی کمر تک عبور کرنا پڑا۔ اور خر بوزون کے کھیتوں سے ہزار مشقت کے ساتھ اُفتان و خیزان اور کھیت والوں سے استرازا کنان نکلے یہاں تک کہ شہر نپاہ کے نیلہ برج تک جا پہنچے۔ فرد گاہ سے یہاں تک بوجہ راستے کے خم و پیچ کے تین کوس جیسی راہ طے کرنی پڑی وہاں بھی کوئی آدمی نہ ملا ساتھیوں کے ہوش و حواس بگڑ گئے اور اب ہر ایک اپنی نجات کی تجویز سوچنے لگا مشورے کے وقت کوئی بولا کہ مجد الدولہ کے پاس چلے چلیے کسی نے کہا کہ افراسیاب خان کے پاس چلنا مصلحت ہے کہ اپنے ایسی حالت میں وہاں چلنے سے یہ لوگ شرمندہ ہونگے اور پھر کبھی بدخواہی نہ کریں گے کوئی کہتا تھا کہ احمد علی خان کے پاس چلنا بہتر ہے کہ وہ حقوق کی وجہ سے پوشیدہ قلعہ میں داخل کر دے گا شاہزادے نے سب کی باتیں سن کر جواب دیا کہ یہ کیا بودی صلاح ہے جب تک میرے دم میں دم باقی ہے کوشش کو ہاتھ سے نہ دوں گا البتہ مکرّم الدولہ کا حال معلوم کرنا چاہیے کہ وہ اپنے مکان پر ہے یا کہیں اور جگہ ہے بخش الدولہ دار اور میر اعظم کو تلاش کے لیے بھیجا کہ ناگاہ پانوں کی آواز شاہزادے کے کانوں میں آئی چلتے وقت یہ باہم طے ہو گیا تھا کہ سیٹی کے ذریعہ سے آواز اور اُس کا جواب یا جائے چنانچہ دونوں طرف سیٹی بھی بخش الدولہ و میر اعظم نے شاہزادے کے پاس آکر بیان کیا کہ مکرّم الدولہ کو اُن کے مکان سے لے آئے اور آپ کے گھوڑے بھی ہمراہ لائے ہیں شاہزادے نے گوجر خان کو حکم دیا کہ پت پر گنج کے گھاٹ کی طرف پہلے وہاں سے دیا کو

کثرت بجلی کی کرک دمک اور بادل کی گرج سے گوجر گھبر گئے آگے قدم نہیں اٹھاتے تھے بلکہ عبدالرحمن خان پر دست درازی کرنے لگے اور اس حالت سے کرم الدولہ تک پہنچے۔ اُس کے ساتھ جمعیت دیکھی تو گوجروں نے اپنا راستہ لیا عبدالرحمن خان انکی تسلی اور دلاسا کرتا ہوا ہمراہ گیا۔ کرم الدولہ اور ارشد خان و گوجر خان وغیرہ باہم مشورہ کرنے اور کہنے لگے کہ ایسے طوفان میں شاہزادے صاحب کا آنا غیر ممکن ہے بہتر یہ ہے کہ مکان کو چلے جائیں شاہزادے انکے چلے جانے کے بعد باغچوں خواص کے ساتھ قلعہ سے اتر کر خندق میں پہنچے ہر طرف بس تیس قدم کے فاصلے سے شہر بناہ کے چوکیدار کھڑے تھے اور ان کے سوا سٹخ و ردی والی بلچن کے سپاہی کون ہے کون ہے کہ ہلکا ایک دوسرے کو ہوشیار کر رہے تھے ایسے مخصوص میں شاہزادے آہستہ آہستہ قلعہ کی دیوار کے تلے تلے نذر گرہ کے پُل کی طرف چلے کتنا ہی بانوؤں کی آہٹ کو چھپاتے تھے لیکن سوکھے ہوئے پتوں اور کنکریوں کے بانوؤں تلے آنے سے آواز پیدا ہوتی تھی اور اس وجہ سے ہمراہی سمے جاتے تھے شاہزادے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھے ہوئے اور رفیق ہمراہ نہایت جانفشانی کے ساتھ چوکیداروں کے پاس سے گزرے اور دل میں یہ ٹھہرا لیا کہ جو کوئی انہیں سے ٹوٹے اُس کا کام تو اسے تمام کر دیا جائے یا تو کسی نے سمجھا نہیں یا دیدہ و دانستہ ڈر کر ان سے اعراض کیا اور صحیح و سلامت اُس مجمع سے نکل کر اُس مقام پر آئے جہاں عبدالرحمن خان کو گوجروں کے ساتھ کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا شاہزادے کے ساتھیوں نے اشارہ و کنایہ میں آدھی عبدالرحمن خان اور گوجروں کو وہاں نہ پایا آگے چلے یہاں تک کہ نذر گرہ کے پُل کے پاس جہنا میں گھسے کمرے بھی زیادہ پانی پایا اس سے گزر کر بہت پر گنج کے گھاٹ

کو شاہزادے کے پاس بھیج کر کہلایا کہ افراسیاب خان نے جا بجا حضور کی تلاش کر لی ہے پس حضور قلعہ سرا یہ مین دن بھر رہیں رات کو مین حضور کے ساتھ چلون گا۔ شاہزادے نے گھوڑا بڑھایا اور قلعہ مین جا اترے۔ اب معلوم ہوا کہ قلعہ کے محافظ دغا بازی پر آمادہ ہیں مین شکہ نے نہایت خوشامد سے عرض کیا کہ دو تین دن یہاں مقام کرنا چاہیئے شاہزادے نے کہا کہ بھٹرا کمین منظور نہیں آج رات کو گنگا کو عبور کر دنگا وہ لوگ بہت سے جمع ہو کر اصرار کرنے لگے شاہزادے نے سمجھ لیا کہ یہاں کوئی فریب درپیش ہے فوراً تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالا اور فرمایا کہ یہ کیا گستاخی و نامردی ہے کہ اپنے مالک کے ساتھ دغا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو ابھی تم سے لڑو ن گا اور تم مین سے بہتوں کو فی النار کر کے خود بھی جان و دن گاہے لوگ گرد گزرنے لگے اور منت و سماجت کے ساتھ قول و قسم کیا اور کہا کہ ہم سے کبھی دغا ظہور مین نہ آئے گی یہاں بھٹرا نے مین حضور کی دولت خواہی منظور تھی شاہزادے راضی ہو کر دو پہر تک وہاں بھٹرا کی نظر کی ناز کے بعد وہاں سے آگے کو روانہ ہوئے اور بیس کو س چل کر گنگا کو فرالدین نگر کے گھاٹ سے عبور کیا اور موضع سدامن مین جو دریا سے چار کو س تھا بھٹرا گرمی کی شدت اور راہ کی کڑبت سے ایک گھڑی تک غش اور ضعف مین مبتلا رہے تھوڑی دیر کے بعد افاقہ ہوا رات بھر وہاں رہے وہاں کا فوجدار چیت سنگھ گوجر آیا اور ایک گھوڑی نذر کی اور اس کی خواہش کے مطابق دن بھر وہاں مقام کیا شام کو کوچ کر کے چار کو س چل کر پھر اڈن مین پہونچے یہ مقام نواب آصف الدولہ کی عمارت مین تھا صبح کو بارہ کو س چل کر امر دہ مین پہونچے یہاں کے فوجدار اور دوسرے عمائد سادات نے پیشوا کی کرنا

اُترینگے اُس نے کہا کہ مجھ کو اُس کا حال معلوم نہیں البتہ راج گھاٹ کے رستے سے پایاب اُتار دوں گا کیونکہ مجھے وہاں کا حال معلوم ہے شاہزادے اُسی طرف چلے یہ گھاٹ قلعہ کے مقابل تھا درمیان میں خربوزوں کی فالیزین تھیں جو کوئی پوچھتا جواب دیتے کہ افراسیاب خان کی سپاہ کے آدمی ہیں سکھوں پر چڑھ کر جارہے ہیں الغرض جس طرف سے گئے تھے اُدھر ہی سے لوٹ کر راج گھاٹ سے جہنا کو پایاب عبور کر کے موضع سوندرہ میں پہنچے وہاں شاہزادے نے پشاک بلی اور الد کا شکر ادا کیا گو جہان نے مرض کیا کہ تھوڑی دیر توقف کرنا چاہیے میں اس گائون سے کسی واقف کار آدمی کو راہ نامائی کے واسطے لاتا ہوں چنانچہ جیت سنگھ نام اپنے ایک دوست کو لا کر شاہزادے کی ہمراہی کے لیے مقرر کیا اُس نے ہیڈن ندی کو جو دہلی سے دس کوس کے فاصلے پر ہے پایاب عبور کر کے سرورہ نام گائون میں پہنچا یا یہاں گوجر رہتے تھے اور یہ بڑے لیٹھے تھے جیت سنگھ سے موافقت رکھتے تھے اُسے گوجروں کو لا کر شاہزادے کے حضور میں پیش کیا اُنھوں نے ندرین دکھائیں اور عرض کیا کہ صبح قریب ہے دن بھر یہاں آرام کیجیے شام کو ہم ہمراہ چلکر دریاے گنگا تک پہنچا دیں گے شاہزادے نے کہا کہ مخالف تعاقب کرینگے اُس وقت تم سے کچھ منوسکے گا گوجروں نے عرض کیا کہ ہم دوسو جوان ہم قوم ہیں اگر وہ لوگ یہاں آئینگے تو ہماری توار سے جان بچا کر نہ لجا ئینگے شاہزادے نے اُن میں سے ایک کے مکان میں آرام کیا شام کو یہاں سے سوار ہوئے اور تمام رات اس جماعت کے ساتھ چلکر صبح کے قریب اورنگ آباد میں جو سرورہ سے چالیس کوس تھا جا پہنچے یہاں نین سنگھ گوجر نے گائون سے اپنے بیٹے

نافرمانی ہوتی ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ حضرت اودھ کا قصد کرین اسلئے شاہ آباد میں
 دو مقام ہو۔ گورنر جنرل نے نواب وزیر سے مشورہ کیا کہ بادشاہ کے شقون
 کا کیا جواب دیا جائے اور شاہزادے کے ساتھ کہ اس قدر تکلیف کر کے برد کی توقع پڑنے
 میں کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے آخر یہ اسے قرار پائی کہ بادشاہ کے ارشاد پر
 اعتماد نہیں اسلئے کہ مختار ان سلطنت جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور شاہزادے
 کا آزر وہ کرنا حمیت سے بعید ہے اس واردات کو غنیمت جان کر جو کچھ خدمتگذار می
 کا لازم ہے اُس میں دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا چاہیے اور بادشاہ کو مصنوعی عذر
 لکھ دینا چاہیے القصد بادشاہ کو عرضی میں لکھا کہ جو کچھ حضور نے مرشد زادے
 کے لیے حکم دیا ہے اُس کے موافق اُن سے عرض کیا جائے گا اگر قبول کر لیا تو بہتر ہے
 ورنہ لوازم خدمتگذار می سے باز رہنا سبکی سلطنت کا موجب ہے آگے اس باب میں
 حکم مناسب دینا چاہیے بعد اسکے گورنر جنرل نے اپنی طرف سے اپنے ایڈیٹنگ ناگ
 مسٹر اسکاٹ کو اور نواب نے راجہ گو بند رام کو استقبال کے لیے بھیجا اُن کے ساتھ
 اتنا سامان کیا تین ہاتھی نفرتی حوضہ دار اور جھالردار بالکی۔ چند گھوڑے تازی ترکی
 جنیر ساز طلائی و مرصع تھا اور دوسرا سباب امارت و سلطنت بھی دریا میان گنج کے
 پاس یہ دونوں شخص شاہزادے کے پاس پہنچے اور امن خمیون میں شاہزادے
 کو اُتاراجو خاص اُن کے لیے وزیر کے افسروں نے کھڑے کیے تھے دوسرے دن چلکر
 قصبہ موہان میں مقام کیا یہاں بھی اُس سے زیادہ لوازم موجود تھا یہاں وزیر اور
 گورنر جنرل کی عرضیاں آئیں کہ اسی مقام پر قیام رہنا چاہیے ہم یہاں حضور کے
 سلام کو حاضر ہوں گے جب نواب وزیر اور گورنر جنرل کے قریب آجانیکی خبر پہنچی

نذر دکھائی آج یہاں ٹھہرے دوسرے دن روانہ ہو کر مراد آباد میں داخل ہوئے
فتح السدخان خلف ووند خان نے آکر نذر دکھائی اور کاغل کی حویلی میں اٹھارا
اور اپنی طرف سے ضیافت وغیرہ مہمانی کا سامان مہیا کیا۔ دوسرے دن رامپور
کی طرف کوچ کیا ذاب سید فیض السدخان بہادر نے شاہزادے کی آمد کا حال سنا
تھا تو پیشوا کی کوتیار تھے کہ دوسرے رستے سے شاہزادے کی سواری رام پور میں
داخل ہوئی ذاب موصوف نے نہایت ادب کے ساتھ دیوانخانے میں آٹار اور
مسند شاہانہ پر بٹھایا اور ۱۲۱ شرفیاء نمودار اور بقدر حال اپنے بیٹوں سے نذرین
دوائیں دو روز شاہزادے نے توقف کیا کوچ کے وقت نقد دو ہزار روپے
اور دو ہاتھی اور پندرہ گھوڑے اور عالی شان خیمہ اور دوسرا سامان بار برداری
وامارت پیش کیا یہاں مصطفیٰ خان خلف یعقوب علیخان حاضر ہو کر سعادت ملاوٹ
سے شرف اندوز ہوا تین منزلیں کر کے بریلی پہونچے یہاں کے فوجدار راجہ
صورت سنگھ نے سلام کر کے پانچ ہزار روپے نقد اور ایک ہاتھی پیش کیا شاہزادے
نے رخصت کے وقت اپنے بلکوس میں سے ایک دوپٹہ بخشا اور اس کے داماد
راجہ جگناتھ کو دو سالہ دیا اور یہاں سے مصطفیٰ خان کو سفیر بنا کر آصف الدولہ
اور گورنر جنرل دارن ہسٹنگز کے پاس بھیج کر بنگلہ نگر میں ریفیقن کی آسائش
کے لیے دو مقام کیے شاہ آباد ضلع ہر دہائی میں ذاب وزیر اور گورنر جنرل کی عرض
اس مضمون کی پہونچین کہ ہمارے پاس بادشاہ کا فرمان آیا ہے کہ مرشد زادہ
بے استرخاے اقدس کے چلا گیا ہے اس صورت میں ہم حیران ہیں اگر حضور کے
ارشاد کے موافق عمل نہیں کرتے ہیں تو تمام عالم میں بدنامی ہوگی ورنہ بادشاہ کی

جمع ہو گئے کہ اُسی شاہزادے کو جو شمشیر زنی۔ تنگ انگنی اسپ تازی و نیزہ بازی کا عادی تھا شاہد پرست اور عیش و عشرت میں محو بنا دیا کئی فاحشہ عورتیں اپنے محل میں داخل کر لیں نواب وزیر کو یہ باتیں ناگوار گذرتیں کبھی حسن تقریر اور لطائف اخیل سے کبھی اشارہ و کنایہ سے کبھی دوسروں کی زبانی صاف طور پر سمجھایا اگر خوشامدیوں نے دولتخواہی کی ان باتوں کو قالب بدخواہی میں ڈھالا اور شاہزادے کے مزاج کو منحرف کر دیا نواب وزیر نے بھی سلوک بندگی و پرستاری اور ارسال پیش کش و ہلا میں قافض شروع کر دیا رفتہ رفتہ طرفین کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی اور تاریخ شاہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۰۱ ہجری میں ایک لکھنوی طوائف کو مہنجش (بقولے کرم بخش) نام سے جو ش محبت میں آنکھیں لڑ گئیں اور اُس کو کا شانہ محل بنایا اس سے وزیر کو بہت رنج ہوا۔ بعض دوسری کتب سے ثابت ہوتا ہے کہ یکم صاحبہ کی با سدا ری کی وجہ سے یہ امر نواب وزیر کی ناخوشی کا باعث ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شاہزادے سے بے رخصتی لکھنؤ سے فیض آباد کو چلے گئے اب شاہزادے کو لکھنؤ میں ٹھہرانا ناگوار ہوا اور ماہ ذی الحجہ کے عشرہ دوم سنہ ۱۱۰۱ ہجری میں لکھنؤ سے بنارس کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر قیام کیا۔ جبکہ دارن ہینگلز اپنے عہدہ گورنر جنرلی سے مستعفی ہو کر کلکتے سے چلے گئے اور لارڈ کارن والس اُن کی جگہ مقرر ہو کر آئے اور سنہ ۱۱۰۱ ہجری میں لکھنؤ کو وزیر سے ملنے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو راہ میں بنارس کے اندر شاہزادے سے ملاقات ہوئی شاہزادے نے گورنر جنرل کو خلعت عطا کیا دوسرے دن نواب سعادت علی خان گورنر جنرل کی ملاقات کو گئے اور تھوڑی دیر بات چیت کر کے اپنے مقام کو لوٹ آئے

تو شاہزادے نے مکرم الدولہ کو استقبال کے لیے بھیجا وہ ان دونوں سے ملکر شاہزادے کے پاس لایا دونوں نے سامنے پہونچکر قاعدہ قدیم کے موافق آداب زمین بوس ادا کیا اور نذرین دکھائیں اور دست بستہ کھڑے ہو کر مراتب اشتیاق عرض کیے شاہزادے نے دونوں کو خلعت دیے نواب وزیر نے عمدہ چارہ باقی نقرئی سامان اور مکلف عماریوں کے ساتھ اور پانچ عمدہ گھوڑے اور نشان و نقارہ وغیرہ بطور پیش کش کے دیے اور آپ تمام سپاہ اور سرداروں کے ساتھ ہرکاب رہے شاہزادے نے وزیر الممالک کو اپنی خواصی میں بٹھایا۔ اور راستے بھر اختلاط رہا لکھنؤ میں پہونچکر نواب نے شاہزادے کو باغ باؤلی میں اتارا جس قدر سامان سلطنت ضرورت تھا وہ سب سرکار وزیر سے آگیا اور گورنر جنرل اور وزیر دونوں رخصت ہو کر شہر میں چلے گئے دوسرے دن صبح کو وزیر تمام عائد اور سپاہ اور جلوس کے ساتھ اور گورنر جنرل تمام انگریزوں اور انگریزی فوج کے ساتھ شاہزادے کی فرودگاہ پر گئے اور امن کو سوار کرا کر شہر میں لاکر سنگی محل میں کہ عمدہ عمارت ہے اتارا اور تاریخ شاہیہ میں لکھا ہے کہ ٹیڑھی کوٹھی میں اتارا تھا وزیر نے پہونچا کر اسباب اور جواہرات کی کشتیاں اور پنجاس ہزار روپے نقد اور نقرئی بالکی نذر کی چند روز شاہزادے اس جگہ رہے پھر انکی خواہش سے کرنل مارٹن کی کوٹھی میں ٹھہرائے گئے نواب وزیر شاہزادے کی بہت خاطر کرتے تھے اور ۲۵ ہزار روپے ماہوار مصارف کارخانجات وغیرہ کے لیے اور ۵ ہزار روپے خرچہ باورچی خانہ کے لیے مقرر کیے جیسا کہ سلطان حکایات میں ہے بعض قابو طلب لوگوں نے شاہزادے کے مزاج کو عیاشی کی طرف مائل کر دیا اور فحش و ارباب نشاط کی صحبت کی طرف راغب بنا دیا چند روز زمین رنڈی بھر دے اتنے

تین چار ہزار پیادہ و سوار اور دس توپین اور پندرہ بیس ہاتھی تھے بنارس میں پہونچکر مالدھو داس کے باغ میں قیام کیا گورنر جنرل نے سولہ ہزار روپیہ ہلال مشاہرہ شاہزادے کا سرکار نواب وزیر سے حسابات ملکی سے جداگانہ مقرر کر دیا مفتاح التوا سچ میں لکھا ہے کہ پانچ لاکھ روپے سال آصف الدولہ کی جانب سے مقرر ہوئے تھے آخر شاہزادے نے ۲۵ شعبان ۱۱۰۲ھ ہجری کو عارضہ ہیضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا نواب سعادت علی خان اودھ ریڈیٹ بنارس کے اہتمام سے مدفون ہوئے۔

تنبیہ یہ حال اجمال کے ساتھ وقائع عالم شاہی میں شاہزادہ سلیمان شکوہ کی نسبت لکھا ہے اور واقعات مشالہ ہجری میں ذکر کیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ نواب آصف الدولہ کے عہد میں یہ بھی دہلی سے نکل کر لکھنؤ میں آئے تھے اور نواب نے انکے مصارف کے لیے چھ ہزار روپیہ ماہوار مقرر کیا تھا کہ جام جہان نسائین مولوی قدرت اللہ نے لکھا ہے۔

سوانح محمد عباس علی خان میں لکھا ہے کہ جہاندار شاہ مرزا جو انجمن بہادر ولی عہد شاہ عالم بادشاہ جب لکھنؤ کے ارادے سے رام پور میں آئے تو احقر کو انکی خدمت میں باریابی حاصل ہوئی اور وہ ہر طرح کا شرف اختصاص بخش کر اپنے ساتھ لکھنؤ کو لے گئے وہاں سے بنارس کو ہمراہ لے گئے جب بہت دنوں کے بعد اُن کا جانا دہلی کو ہوا تو احقر کو پانچ ہزار سوار و پچہزاری منصب اور اقتدار الدولہ عباس علی خان بہادر صمصام جنگ خطاب کے ساتھ سرفرازی بخشی اُن کی وفات کے بعد شاہزادہ مرزا حسن نجات بہادر خلف شاہ عالم کی رفاقت حاصل ہوئی۔

گورنر جنرل نے دوسرے دن سعادت علی خان کے قیامگاہ پر رسم باز دید ادا کی
نواب نے اُن کی ضیافت کی پھر شاہزادے جو ان نجات گورنر جنرل سے ملنے کیلئے
اُن کی فرد و گاہ پر گئے اور اپنی خواہی میں ہاتھی پر نواب سعادت علی خان کو
تو نہ بٹھایا ایک خواجہ سرا کو لے گئے وجہ اس کی یہ تھی کہ اُن کو گورنر جنرل سے
تنہائی میں کچھ باتیں کرنا تھیں جب یہ حال نواب سعادت علی خان کو معلوم ہوا
تو وہ بہت کبیدہ خاطر ہوئے شاہزادے نے گورنر جنرل سے کہا کہ الہ آباد اور
کوڑے کے اضلاع جس طرح بادشاہ سلامت کے قبضے میں دیے گئے تھے اُسی طرح
ہم کو مل جانا چاہیے گورنر جنرل نے کہا کہ آپ لکھنؤ کا قصد رکھتے ہیں اور میں بھی
وہیں چلتا ہوں وہاں پہونچکر یہ بات وزیر الممالک سے کہی جائے گی غرض کہ
گورنر جنرل لکھنؤ کو گئے اُنکے پیچھے پیچھے شاہزادے بھی لکھنؤ کو روانہ ہوئے گورنر جنرل نے
وزیر پر شاہزادے کی خواہش ظاہر کی۔ اصفت الہ ولہ نے لطائف الحیل کے ساتھ
اُن اضلاع کے دینے سے انکار کر دیا اور شاہزادے سے ظاہر و باطن میں ایسے
کبیدہ ہوئے کہ اُن کو نواب کی عمارت میں رہنا ناگوار گذرنے لگا۔ اس لیے
گورنر جنرل کے مشورے سے اکبر آباد کی طرف چلے گئے۔ فرخ آباد کے مقام سے
شاہ عالم بادشاہ کو یہ اطلاع گذری کہ مرزا جوان نجات اکبر آباد کی طرف جارہے
ہیں تو بادشاہ نے اُن کو دلی میں بلا لیا کچھ دنوں یہاں رہ کر ۲۲ ربیع الثانی
۱۲۰۰ھ ہجری کو اکبر آباد پہونچے مگر یہاں اتنی آمدنی نہ تھی کہ اُن کے مصارف کو
کتفی ہوتی اس لیے دوبارہ لکھنؤ کا عزم کیا اور ۱۵ رجب ۱۲۰۰ھ ہجری کو فرخ آباد
کے سستے سے لکھنؤ میں آئے اور وہاں سے بنارس کو روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ

قدیم سے شاہ عالم بادشاہ کے باور چنیاٹہ خرد کے مصارف کے لیے بھیجا جاتا تھا اور مرزا سلیمان شکوہ کے لیے چھ ہزار روپیہ اور سکندر شکوہ کے لیے دو ہزار روپیہ دربارہ قرار پایا مگر نواب سعادت علی خان کی مسند نشینی کے وقت جو عہد نامہ ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جوان نجات کی بیگم و شاہزاؤں کا بنارس کی تنخواہ سالانہ دو لاکھ چار ہزار روپیہ جاتی تھی۔

نواب آصف الدولہ کی فیض آباد کو روانگی

جہاندار شاہ مرزا جوان بخت کے حال میں لکھ چکا ہوں کہ آصف الدولہ ان سے بغیر رخصت ہوئے فیض آباد کو چلے گئے وجہ اس سفر کی یہ تھی کہ سال ۱۱۲۰ ہجری میں مرزا نصیر اور مرزا محمد تقی کے بیاہ ہو بیگم صاحبہ نے بڑی دھوم دھام و تزک و احتشام سے فیض آباد میں رچائے آصف الدولہ کو بھی بلایا وہ لکھنؤ سے جاکر شریک ہوئے جب یہاں سے رخصت ہو کر ہراچ کی طرف میلہ سالار مسعود غازی کی سیر کے لیے جانے لگے تو رخصت کے وقت اپنی وادی صاحبہ کے پاس گئے انھوں نے مرزا نصیر کی تنخواہ مقرر کرنے کے لیے درخواست کی دو ہزار روپے ماہانہ کا حکم لکھ کر کاغذ بیگم صاحبہ کو دیدیا۔ ببان سے رخصت ہونے آئے تو انھوں نے محمد تقی خان اور بی بی لطف النساء کی تنخواہوں کے لیے کہا ان دونوں کے لیے تین ہزار روپے ماہوار مقرر کیے ان میں دو ہزار خاص آغا محمد تقی خان کی ذات کے لیے اور ایک ہزار بی بی لطف النساء کے لیے تھے اور یہ تنخواہیں الماس علی خان کے محالات پر قرار پائیں۔ افضل التواریخ میں لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ نے مرزا محمد تقی کو خرد سالی سے

شاہزادے مرزا اسماعیل بیگ خان کے ساتھ اکبر آباد میں مہاجی سیندھیا کے لشکر سے شکست پا کر جیپور کو چلے گئے۔ آخر نے ان کو ترغیب دی کہ افغانستان کو چلین چنانچہ بیکانیر اور بھاولپور کی راہ سے کابل پہنچے اور وہاں احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ سے ملے انھوں نے بہت خاطر کی اور کہا کہ سواران جبار کا لشکر اپنے بیٹے کی افسری میں ان کے ساتھ ہندوستان کو بھیجوں گا اور غازی الدین خان کے مشورے سے مرزا موصوف کو سلطنت ہندوستان کے تخت پر بٹھاؤں گا اسی زمانے میں شاہزادے کے مزاج میں جنون کی شورش پیدا ہو گئی اس لیے یہ کام ظہور میں نہ آ سکا اور اسی سال تیمور شاہ نے انتقال کیا زمانہ شاہ مالک سلطنت ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اگلے سال ہم خود ہندوستان کا سفر کریں گے اور تم کو اپنے ہمراہ لے جائیں گے اور جو کچھ شاہ جنت مکان نے تمہارے حق میں تجویز کیا تھا اس سے زیادہ عمل میں لائیں گے مگر شاہزادے کا مزاج زیادہ خراب ہو کر کامل جنون ہو گیا یہاں تک کہ بادشاہ کے ایک سردار کو جس کا نام عباس علی خان تھا اور جو ایک خدمت پر ہندوستان جا رہا تھا اس کے بیٹے کے اس عباس علیخان کے دھوکے میں مراد والا جوان کا رفیق تھا کیونکہ جنون میں وہ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے اور وہ ان سے علیحدہ ہو گیا تھا مرزا سکندر شکوہ بھی لکھنؤ میں آئے تھے اس زمانے میں نواب آصف الدولہ مرض الموت میں مبتلا تھے کچھ دنوں مراتب خدمت گذاری ادا ہوئے لیکن جیسا کہ مد نظر تھا ویسی مدارات ظہور میں نہ آئی کہ نواب موصوف نے انتقال فرمایا اگر سولہ ہزار روپیہ بنارس میں اولاد مرزا آخر تم بخت و مرزا جوان بخت کے لیے جاتا رہا اور سات ہزار روپیہ ملے

کاٹ لی جائے اخوند احمد علی نے عرض کیا کہ ایک آدمی کا گناہ سو پر پڑتا ہے میں اپنی طرف سے زنجیریں درست کرائے دیتا ہوں بیگم نے جواب دیا کہ تنخواہ کے کاٹ لینے میں آئندہ کے لیے متنبہ ہے۔ جب تنخواہ کی تقسیم کا وقت آیا تو بیگم سے بغیر اجازت لیے اخوند مذکور نے سب کو تنخواہ دیدی۔ اُن بے حیائوں نے پھر وہی حرکت کی ابھی بیگم نے حکم دیا کہ اُن کی تنخواہ کا روپیہ ہمارے پاس لائیو وقت پر تین ہزار روپے طلب کر کے بیگم نے اپنے قوشے خانے کے دار و فہ کے حوالے کر دیے۔ اخوند احمد علی نے سوزنوں کی زنجیریں تو سونے کی بنوا دیں اور شاگرد پیشہ کی تنخواہ اپنے گھر سے چکا دی اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص بھی نہایت بے دیانت و خائن تھا اور بیگم کی سرکار سے بے حد روپیہ اڑاتا تھا کہ ایسے مصارف اپنے ذمے گوارا کر لیتا تھا اس شخص پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ حلوائی کی دوکان اور دادا جی کی فاتحہ ۱۱

سالار مسعود غازی کی حقیقت

نواب آصف الدولہ کا انکے میلے کو جانا اور پر بیان ہوا ہے ایسے انکی حقیقت پر یہاں روشنی ڈالتا ہوں۔

ہراچ نامی مقام لکھنؤ سے میل اتر کی جانب ہے۔ یہاں سالار مسعود غازی کی درگاہ اور رجب سالار کا مقبرہ ہے۔ سننے ہیں کہ رجب سالار تغلق شاہ کے بھائی تھے اور سالار مسعود غازی کے حق میں اختلاف ہے۔ مناقب الاولیاء میں لکھا ہے کہ اولاد محمد بن حنفیہ ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹے تھے۔ مرآت الاسرار

بطور فرزند کے پرورش کیا تھا اس لیے تمام اہل خاندان دارالکین ریاست ان کا ادب کرتے تھے ان کی شادی کے لیے بہو بیگم کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ مرزا محمد تقی کی پرورش میں نے بطور فرزندوں کے کی ہے اور یہ لڑکی بی بی لطف النساء جو آپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پا رہی ہے میری بہن اور والدہ مغفورہ کی بیٹی ہے جب اس کی ماں نے بحالت رضاعت حلت کی تو جناب والد ماجد نے آپ کی آغوش شفقت میں جگہ دی تاکہ اس کی پرورش نجبی ہو جائے اور اصل حال اس وجہ سے نہ کھولا کہ مبادا اسکی جانب سے آپ کا میل خاطر کم ہو جائے اور انھوں نے اپنی بیماری کے دنوں میں بنت علی خان جو ابہر علی خان کے سامنے یہ وصیت فرمائی تھی کہ تمھاری والدہ ماجدہ کے سایہ الطاف میں جو دختر آسائش گزین ہے وہ میری بیٹی اور تمھاری بہن ہے ایسا منو کہ بیگم صاحبہ ناقصیت سے اسکا بیاہ کسی نامناسب جگہ کر دین بیگم صاحبہ نے دو دن ناظر وں کو طلب کر کے تصدیق چاہی تو انھوں نے اذروے قسم ذاب صاحب کے بیان کی تصدیق کی جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ گئی تو لطف النساء معروف بہ چھوٹی بیگم کا عقد مرزا محمد تقی کے ساتھ ایسے شان و تجل سے کیا کہ عرصے تک یادگار زمانہ رہا۔

بہو بیگم صاحبہ کے نوکروں کو نہ تکلیف سفر کی تھی نہ جنگ و جدال کی نہایت آرام سے بسر کرتے تھے کسی قصور پر بھی تنخواہ وضع نہ ہوتی ماہ بامہ در ماہ بلکہ پیشگی لیتے اور خوش و خرم زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی حالت کا اندازہ اس حکایت سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار فراسٹون یا خواصون نے سرکاری خاص بند و قون کی سونہون کی چاندی کی نہ نجرین چڑالین بہو بیگم نے حکم دیا کہ شاگرد پیشہ کی ایک ایک ماہ کی تنخواہ

اہل عالم کی زیارت گاہ ہے سال میں ایک بار میلہ ہوتا ہے دور دور سے لوگ
سیدنی کے ہمراہ آتے ہیں اجلاں قوم کے آدمی دور و نزدیک سے لال لال نیرون
کے ساتھ ہزاروں دفائی گاتے بجاتے ساتھ لے کر اپنی اپنی بستیوں سے نکلتے ہیں
اور یہاں اگر نذر و تحائف گزرا تے ہیں غرض کہ جیٹھ کا پہلا اتوار اس میلے کا
پہلا دن ہے عوام میں جو بالاپیر نام سید مسعود کا مشہور ہے وہ بالار کھ کی رعایت
سے ہے بالاسے ماد بالار کو اور پیر سے مقصود سید مسعود ہے۔ مقبرہ سید مسعود میں
سیدنی طرف ایک گوشے میں چھوٹا سا گول حوض ہے اس کو بالاکنڈتے ہیں کوئی ہندو
اس کو اگن گنڈہ بالار کھ اور کوئی بالار کھ کی دھونی ظاہر کرتا ہے قبر کی نذر کا مال
بجاء ان درگاہ اور کنڈ کی پوجا کے حاصل پٹا ہے قوم ہند و پٹے ہیں مہاراجا
اور پٹنوں کے باہم اس آمدنی میں کچھ رسم اور عاہدہ ہے۔

آصف الدولہ کے بعض اخلاق کا تذکرہ بعض مصنفوں کے قلم سے

معارف خدیر میں منشی سیدی لال لکھتا ہے کہ آصف الدولہ آٹھ پہر نشہ بھنگ
میں ترنگ اٹھایا کرتے تھے کھلون اور چیونٹوں اور کڑیوں سے شغل رکھتے تھے
ان حشرات کے نگہبان صد باروپے کے دراہے پاتے تھے راجہ مہراکھار کو کتب خانہ اور
مولوی فضل عظیم صفی پوری کو عمدہ آبکاری دیا حسن رضا خان نائب مرید نا آشنا
وامی محض تھاؤل باؤل ہاتھی کی شادی بڑ کنتی ہتھی کے ساتھ بڑی دھوم دھوم اور
ترک و احتشام کے ساتھ کی گئی کھار و پیہ خرچ ہو گیا بارہ سو ہاتھی اس کی برادری کا

مین ان کو سید علوی بتایا ہے۔ محمود غزنوی کے بھانجے تھے ان کی مان کا نام ستر معلے ہے اور باپ کا نام سالار ساہو ہے۔ ۲۱ رجب شمسہ ہجری روز یکشنبہ کی صبح صادق کے وقت اجمیر میں پیدا ہوئے مرآت الاسرار میں ان کی ولادت ۲۱ شعبان کی لکھی ہے (تولد ناصر دین) تاریخ ولادت ہے غزنامہ مسعود سے معلوم ہوتا ہے کہ سومات معرفت بدوار کا زمین گجرات علاقہ جو ناگرہ کی اڑائی میں سلطان محمود کے ساتھ شریک تھے۔ جب سلطان راسہ جیپال کو مغلوب کر کے مع مال غنیمت غزنی کو لوٹ گیا تو مسعود ہندوستان میں رہ گئے بہت سے مقامات فتح کر کے مال اور سپاہ کثیر جمع کی۔ دہلی کے راجہ راسہ جیپال اور اس کے بیٹے گوپال سے سخت معرکہ پیش آیا گوپال کے ہاتھ سے انکی ناک پر زخم آیا اور ایک دانت بھی ٹوٹ گیا لیکن فتح انھیں کے ہاتھ میں رہی سالار مسعود نے سلطان محمود کے نام کا خطبہ پڑھا اس کے بعد فوج کو گئے اور دریائے گنگا کے کنارے مقام کیا اجمیپال ان کے مقابلے کی تاب نہ لایا اطاعت اختیار کی۔ سالار نے اکثر رایان اطراف کو شکست دے کر مطیع کیا۔ ابو محمد چشتی کے مرید تھے۔ بہرائچ میں ایک ہندو فقیر بالار کھ نامی رہتا تھا مسعود نے جہاد کے لیے اس مقام پر چڑھائی کی اور سوچ گنڈ کو جو ہندوؤں کا معبد عظیم تھا مسمار کیا وہاں رائیوں سے سخت لڑائی ہوئی شہر دیو کے ہاتھ سے انکی شہرگ پر ایک تیر لگا جس سے روح بدن سے نپرداز کر گئی وہیں دفن ہوئے ۲۱ رجب شمسہ ہجری تاریخ ولادت ہے اٹھارہ سال گیارہ مہینے ۲۴ روز دنیا کی ہوا کھائی انیسویں سال اول وقت عصر روز یکشنبہ ۴۱ رجب شمسہ ہجری کو شہادت پائی درگاہ انکی

بے فکرے ہیں اپنے ملک متصرفہ کی تو خبر نہیں رکھتے پہاڑ کی فتوحات ان سے کیا ہوگی بنارس جیسا ملک آسانی سے چھوڑ دیا یہ اگر ادھر آتے ہیں تو ان کے آنے سے کوئی حرج نہیں ان میں نیپال کے عزم کی کیا ہمت ہے غرضکہ نواب نے ان کے ساتھ کوہ بوٹول پر پہونچ کر ایک جنگ لڑوائی اور ہر سال سیر کو جانے لگے۔

افضل التواریخ میں رام سہاس نے لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ کے ہاتھ سے ہر وقت تسبیح جدا نہیں ہوتی تھی شاید یہ حال آخری عمر کا ہو گا کیونکہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ نواب کو رقص و سرود سے شوق اس حد تک تھا کہ جب اس میں مصروف ہوتے تو دوسری طرف تعلق نہ رکھتے۔ سیما نورا بھانڈو بڑی مصری وغیرہ حضرد سفر میں آصف الدولہ کے حضور میں حاضر باش رہتے تھے کہتے ہیں کہ ایک روز جلسہ رقص و سرود برپا تھا سیما نورا بھانڈو اپنے بھڑے میں حاضرین دربار کو علم و فن موردی سے خوش کر رہا تھا کہ ناگاہ نواب قاسم علیخان بن نواب سالار جنگ نے جو نواب آصف الدولہ کے مامون زاد بھائی و مقرب خاص تھے ایک بندوق خالی سرکردی اس کی آواز کے خوف سے سیما نورا بھانڈو زمین پر گر پڑا اور ہاسے کی صدا سے حاضرین دربار کو متعجب کر دیا آصف الدولہ نے اس کی اس حرکت بے جا پر نفرت کی اور اس گروہ کی بزدلی پسند نہ کی پھر اس بھانڈو کو لشکر سے محال دیا۔

وحید الدین حکیم محمد سعید الدین متوطن برائون نے ۱۲۵۰ھ ہجری مطابق ۱۸۶۸ء میں تذکرہ حکومت المسلمین لکھا ہے اس میں کہتے ہیں کہ لکھنؤ کی سرکار میں نواب آصف الدولہ کے عہد سے احترام و اکرام سادات عظام و شرفائے کرام کا زیادہ ہوا جاگیر و املاک سالانہ اس قدر مخلوق کو عطا ہوئیں کہ حبشہ تحریر و تقریر سے

براتی تھا الماس علی خان خواجہ سرا دلہن والا اور نواب آصف الدولہ دولہا والے تھے۔

محمد فیض بخش نے فرح بخش میں لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ ہر سال ایام بہار میں کہ ہندو ہولی مناتے ہیں ہندو دن کی کثرت صحبت کی وجہ سے اس قسم کے کھیل تماشوں کے بڑے شائق تھے ہولی میں جشن عام کرتے اور بہت سارے دھیمے صرف میں لاتے اُن کی مان بھی ہر سال ہولی کے دنوں میں اُن کے بلانے پر لکھنؤ کو جایا کرتین اور ایک ماہ تک وہاں رہا کرتین۔ اسی طرح نواب صاحب جاڑون کے موسم میں کہہ بوٹل کی سیر کو جایا کرتے تھے اور انی مہینے تک اس سفر میں رہتے تھے ابتدا میں شجاع الدولہ ایک بار اس پہاڑ کی طرف گئے تھے پہاڑی ڈرے کہ یہ امیر صاحب عزم ہے تو پچانہ اور فرح بھی اس کے ساتھ بہت ہے کہیں ایسا نہ کہ ان دشوار گزار راہوں سے آگاہ ہو کہ ان پہاڑوں پر اپنا قبضہ جالے۔ اُنھوں نے واسن کوہ کی طرف پانی کاٹ دیا نواب تو یہاں مقام کرنے میں تکلیف واقع ہوئی اس لیے جلد لوٹ گئے۔ آصف الدولہ باپ کے ساتھ تھے اُنھوں نے بھی اول اول شہنشاہ بھری میں اوھر کا قصد کیا پہلے فیض آباد میں آئے اور مان سے منت و سماج کے ساتھ عرض کیا کہ والد ماجد کی وفات کے بعد سے آپ کو سوائے سفر لکھنؤ کے اور کسی جگہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا اگر غلام نوازی کر کے میرے ساتھ کوہ بوٹل کو چلیں تو تفریح طبع مبارک بھی ہو اور میری سرفرازی بھی ہو جائے نواب نے بہت کوشش کی تو بیگم بھی ساتھ ہوئیں پہاڑوں کی سیر کر کے اڑھائی ماہ کے بعد لوٹے پہاڑیوں نے ان کو تکلیف نہ دی اور مزاحمت نہ کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ

کہ تلوار کے دیکھنے کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ محتاج و غریب سنتے تھے کہ نواب
احف الدولہ بہادر پارس میں لیکن میری تلوار نواب صاحب کے ہاتھ میں پہنچنے
کے بعد بھی لوہے کا گولہ ہی سونے کی تلوار کیون نہین ہو گئی یہ سنتے ہی نواب صاحب
نے مسکرا کر فرمایا کہ اس کی تلوار کے برابر اشرفیان قول کر اس کے حوالے کر دو
آخریش ایسا ہی عمل میں آیا وہ دعا کرتی اپنے گھر کو روانہ ہوئی۔

اسی طرح کی ایک حکایت مولوی محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں خان خانان
کے ذکر میں لکھی ہے کہ ایک دن دربار میں بیجا تھا الہی و موالی اہل غرض و
اہل مطالب حاضر تھے ایک غریب شکستہ حال آکر بیٹھا اور جون جون جگہ پاتا گیا
پاس آتا گیا قریب آیا تو ایک توپ کا گولہ بٹل سے نکلا کر لڑھکایا کہ خان خانان کے
زانو سے آکر لگا نہ کر اُس کی طرف بڑھے اُس نے رد کا اور حکم دیا کہ گولے کی برابر
سونا قول دو مصاحبوں نے پوچھا کہا کہ یہ قول شاعر کا کسوی پر لگا ہے ۵
آہن کہ پارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

حکایت سوم ایک روز نواب احف الدولہ دولتانے کے برآمدے پر
بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں پستول تھا ایک چیل برآمدے کے اوپر اڑ رہی تھی نواب صاحب
نے پستول اُس کے مقابل کیا وہ چیل دائیں بائیں ہو گئی یہاں تک کہ تین مرتبہ
ایسا ہی اتفاق ہوا ایک سپاہی برآمدے کے نیچے کھڑا تھا اور بندوق اُسکے ہاتھ میں
تھی اُس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ نواب صاحب کو اس چیل کی ہلاکت منظور ہے
اُس نے بندوق اُسکی طرف چلائی چیل زمین پر آ پڑی نواب صاحب نے جو زیر پرکڑ
جھک کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ اس شخص نے چیل کو مارا ہے تو فی الفور اُسکی طرف

باہر ہے اور اس قدر نقد و جنس تھا بہن اور غریبوں کو مرحمت ہوا کہ بیان سے
افزون ہے اب چند حکایتیں آصف الدولہ کی سخاوت و دریا دلی کی اس سال
سے لکھی جاتی ہیں۔

حکایت اول بعض بچل خور دین نے آصف الدولہ سے عرض کیا کہ بعض
آدمیوں نے حضور کی مہربانی سے اور اُس مہرت پر دانے ملک و معاش کے جاری
کرتے ہیں۔ اور سرکار کا مال اس قریب سے تلف ہوتا ہے جیاب میں فرمایا کہ آخر
وہ لوگ یہ ملک و معاش کس کے نام سے جاری کرتے ہیں عرض کی کہ مہر خاص حضور
کے نام کی تیار کر لی ہے فرمایا کہ بابا بات کا آل واحد ہے خواہ میں نے اجازت نہ
یا نہ دی دونوں صورتوں میں ہمارے ہی نام سے تو کھاتے ہیں یہ سن کر بچل خور
منفعل و بخل ہوئے۔

حکایت دوم ایک دن نواب آصف الدولہ بالا خانے کے برآمدے پر بیٹھے
ہوئے اتفاقاً بالا خانے کے تلے نظر جا پڑی کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف عورت
تواریختوں پر لیے ہوئے نذر گذرانی کی اُمید پر کھڑی ہے نواب صاحب نے
ایک آدمی کو حکم دیا کہ اس ضعیفہ سے یہ تواریختے کر ہمارے پاس لاؤ کہ ہم اُس کو
ملاحظہ کریں گے نذریوں نے فی الفور وہ شمشیر حاضر کی نواب صاحب نے اُس تواریختے
ہاتھ میں لیا اور ساخت اُس کی خام لوہے کی دیکھ کر واپس کرنے کا حکم دیا جب
وہ تواریختے کے پاس واپس آئی تو وہ اُس تواریختے کو الٹ کر بار بار دیکھنے لگی
نواب نے تعجب سے فرمایا کہ کیا ہننے تیری تواریختے کو بدل لیا ہے یا اس میں سے کچھ چھڑا لیا
ہے جو تو بار بار اُس کو بغور دیکھتی ہے ضعیفہ نے جواب دیا کہ سنو تو پکار کر عرض کرنے لگی

جو مخبر لکھنؤ میں رہتے تھے انھوں نے اس کا سبب یہ لکھا کہ جب حیدر بیگ خان کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے نواب سے عرض کیا نواب اُسی وقت سوار ہو کر ریڈینٹ کے پاس پہنچے اور اُس سے سارا واقعہ بیان کیا ریڈینٹ نے کانپور کی انگریزی فوج کے سپہ سالار کو لکھا کہ فوج واپس کر لی جائے اور کوئی سختی و نقصان جاگیر کے گاؤں میں نہ پہنچنے پائے چنانچہ یہ سپاہ اس لیے لوٹ گئی دو دن کے بعد حیدر بیگ خان کا خط جواہر علی خان کو اس مضمون کا پہونچا کہ ظاہر تھا رسی جاگیر کے آدمیوں نے انگریزی سپاہیوں پر زیادتی کی ہوگی اس لیے فلان فلان آدمیوں اور کوئٹال اور سیلون کے عامل کو لکھنؤ کو روانہ کر دو یہاں اخوند احمد علی نے پہلے ہی پیش بندی کر کے سب کو کپڑ کر پاؤں بھر کر لیا تھا ان سب کو سلون سے بلا کر لکھنؤ کو بھیج دیا جہاں چھ ماہ تک رو بکاری رہی اور آخر کار انگریزی سپاہیوں کا مقصور ثابت ہوا اور ان بیچاروں نے نجات پائی۔

نواب سالار جنگ کی وفات

سنہ ہجری میں نواب سالار جنگ کا مزاج علیل ہوا جو بیگم صاحبہ والدہ اصف الدولہ بھائی کی عیادت کے لیے فیض آباد سے لکھنؤ میں آئیں اور ڈیڑھ مہینہ روزانہ چھی بھون سے سوار ہو کر اُنکے مکان میں مزاج پر فسی کے لیے جاتیں جب بیمار سی نے طول کھینچا تو فیض آباد کو لوٹ گئیں اور چند روز کے بعد نواب سالار جنگ نے رحلت کی۔

کلکتے سے لکھنؤ تک بیٹھی ہوئی عتین اخوند احمد علی نے ہر عامل کو تو ال کو تاکید کر دی تھی کہ ان ہر کاروں کی حفاظت بخوبی کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو کسی بات کی تکلیف پہونچے اور حکام بالانتاک شکایت جائے۔ اتفاقاً سات قلعے دو کشتیان لے کر گنڈا کو اتر کر میر گنج میں آئے اور غلہ خریدنے کا قصد کیا۔ باہم خرید و فروخت میں ٹکرار ہو گئی کئی دوکان داروں کو انھوں نے مارا پیٹا بازار یون کو معلوم نہ تھا کہ یہ انگریزوں کے نوکر ہیں اور کانپور سے آئے ہیں سپاہیوں نے اتنی سختی کی کہ ایک بانیہ کو توار سے گھسٹا ل بھی کر دیا۔ سپینچ کا دن تھا ہر شرم کے آدمی بہت سے جمع تھے سب نے ایکا کر کے مقابلہ شروع کیا سپاہی گھبرا گئے اور ڈر کر بھاگے اور گھاٹ پر کشتیوں میں بیٹھنے کے لئے قضا مار کشتیوں میں پھٹے آدمی بیچھ گئے تھے جس سے یہ سوا بہنو سکتے تھے کیونکہ بوجھ سے کشتیان چل نہ سکتی تھیں بیچھے بازار یون کی کچا رہتی کشتیوں کا بوجھ چلنے سے مانع تھا۔ جب بہت شور و غل ہوا تو کشتیوں کے آدمی کود کود کر پانی میں جا پڑے اور تلنگوں نے ان میں ہوا ہو کر کشتیان چلا دیں یہ سپاہی کانپور پہونچے اور وہاں اس واقعہ کی اپنے افسر سے شکایت کی اُس نے ایک پلٹن اور نو توپن تدارک کے لئے بھیجیں جب یہ پلٹن دریا کو عبور کر کے آئی تو ہر طرف خوف سے شور و فساد برپا ہو گیا سادانت رسول پور و مصطفیٰ آباد کی عورتیں بے صفوف کی وجہ سے چادرین اور ڈھکڑا کر پیا دہ گھروں سے نکل کھڑی ہوئیں جس کا ٹون میں جا کر پناہ ڈھونڈتھیں ان اپنی ہی سبکی کا ساحل پاتیں جب یہ خریفض آباد میں پہونچی تو میان بری تشویش پھیلی بعد اس کے دوبارہ فیض آباد میں خبر آئی کہ وہ توپن اور پلٹن لوٹ گئی۔ بیگم صاحبہ کے

۱۱۲۲۳۰۰ روپیہ سالانہ کا تھا فقط اجنت کی تنخواہ ۲۲۸۰۰۰ روپیہ سالانہ تھی
ہیستنگز صاحب جب لکھنؤ میں آئے تھے تو ان کا باڈی گارڈ مقرر ہوا تھا وہ
برخاست کیا غرضکہ لارڈ کارن والس نے روپے کو گھٹا کر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ
خراج نواب کے فتنے رکھا مگر باعث ضعف انتظام نواب کم کرنا فوج انگریزی
حسب عہد نامہ ۱۸۱۷ء مناسب تصور نہیں ہوا۔ اور گورنر جنرل نے ۱۵ اپریل
۱۸۱۷ء کو نواب کو لکھا کہ جو عہد نامہ انگریزی کمپنی اور نواب شجاع الدولہ کے
درمیان ہوا تھا اس میں طرفین کا نفع ملحوظ رکھا گیا ہے اور وہی مطلب آپ کی
اور کمپنی کی دوستی اور اتفاق میں ملحوظ رہا ہے پس جو اتفاق طرفین کی بہودی
اور رفاه کے واسطے ہو اس کو پائدار ہونا چاہیئے اس سبب سے جب سے کہ میری
تقرری یہاں امورات کے انتظام کے لیے ہوئی ہے میری نیت ہمیشہ اس پر متوجہ
رہی ہے کہ یہ اتفاق دوستانہ مضبوط اور مستحکم ہو چونکہ میں کمپنی کے اور آپ کے ملکوں
کو یکساں تصور کرتا ہوں تو حفاظت آپ کے ملک کی ضروری ہوئی اس سبب سے کہ
وہ سرحدی ملک ہے اور اس میں غیر کا حملہ ممکن ہے اور یہ حفاظت کمپنی کی فوج
کی مدد کے بغیر بخوبی نہیں ہو سکتی اس لیے میں آپ کے روپر وہ امور ظاہر کرتا ہوں
جو بہت سے غور و تامل کے بعد میرے نزدیک مناسب ہیں۔ فوج مقیم فتح گڑھ کے
باب میں جسکی برخاستگی عہد نامہ چار گڑھ ۱۸۱۷ء کے مطابق ہوئی ہے میں صلاح
دیتا ہوں کہ وہ برخاست نہ کی جائے بلکہ وہاں مقیم رہے۔ یہ صلاح بس وجہ سے
دیتا ہوں کہ آپ کا ملک وسیع ہے اور جو فوج وہاں مقیم ہوگی وہ آپ کے ملک
کی حفاظت کے واسطے ضرور کارآمد ہوگی۔ اگرچہ بالفعل کوئی فوج کشتی آپ کے ملک پر

لارڈ کارن والس کے پاس کلکتے کو حیدر بیگ خان
کا آصف الدولہ کی طرف سے جانا کہ سپاہ انگریزی کا بوجھ
ریاست کے سر سے اُتارین

جبکہ ہیسٹنگز صاحب کی جگہ لارڈ کارن والس گورنر جنرل ہوئے تو آصف الدولہ
نے حیدر بیگ خان کو کلکتے کو بھیجا۔ حیدر بیگ خان آخر محرم ۱۲۰۰ھ ہجری مطابق نومبر
۱۸۱۶ء میں براہ خشکی لکھنؤ سے کلکتے کی طرف روانہ ہوئے ۹ ربیع الاول کو عظیم اکوڑیہ
کے علاقے میں پہونچے ایک دن دامن ٹھہر کر آگے کو کوچ کیا۔ کلکتے کو پہونچ کر گورنر جنرل
سے ملے۔ نواب آصف الدولہ کا اُنکے بھیجنے سے مطلب یہ تھا کہ سپاہ انگریزی کا بوجھ
اپنی گردن سے اُتالیں۔ اور فتح گڑھ کے برگیدہ کو جس کے بلا لینے کا وعدہ ہیسٹنگز صاحب
کر گئے تھے اپنے ملک سے نکالیں حساب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب نو برس سے
چھڑا سنی لاکھ روپیہ سالانہ انگریزوں کو دیتے تھے ۷۵ لاکھ کے عہد نامے کے
مطابق اُن کو ۳۱۲۰۰۰ روپیہ اور ۱۸ لاکھ کے صلح نامے کے موافق ۳۴۲۰۰۰
روپیہ دینا چاہیے تھا۔ گورنر جنرل نے جو ملازمان نواب اودھ کا روپیہ بیٹھے
کھا ہے تھے اُس کا انتظام کر دیا اور بہت خرچ گھٹا کر ایک پورے برگیدہ کا خرچ
اُنکے فتنے رکھا جو ہمیشہ اُن کی حفاظت کے لیے تیار رہے کیونکہ سکھوں کا خوف اودھ
کے نیچے لگا ہوا تھا اُسی قدر سپاہ اُن کے ملک کے لیے کافی تھی یا مر صاحب کو جو
گورنر جنرل کے اجنٹ صرف اس لیے بھرتے تھے کہ نواب آصف الدولہ اور گورنر جنرل
کے خطوط ایک دوسرے کے پاس پہونچائیں موقوف کر دیا اس اجنٹ کا خرچ

تمام ملک ہندوستان میں دیکھو فساد اور خرابی ہو رہی ہے مگر آپ کے ملک میں امن و امان جاری ہے اس صلاح کی تائید میں اوز بہت سے دلائل قوی تزیان ہو سکتے ہیں مگر میری رائے میں جس قدر میں نے بیان کیا ہے اُس کا نتیجہ بھی کم نہیں اور اُس سے آپ کی رائے میں بھی میری صلاح قرین مصلحت ہوگی۔ اس واسطے زیادہ طول دینا مصلحت نہیں رکھتا میرا مصمم ارادہ یہ ہے کہ آپ کو تکلیف اُس خرچ سے زائد جو کمپنی کا آپ کی دوستی اور آپ کے ملک کی حفاظت کے باعث سے ہوتا ہے نہ دی جائے اور جو حساب میرے پاس ہے اُس سے ظاہر ہے کہ بچاس لاکھ فیض آبادی سکے سولہ سہنہ کا خرچ ہوتا ہے۔ اسی روپے میں ذاب سعادت علی خان کا وثیقہ اور روہیلون کی تنخواہ اور رزیدنٹ منجانب گورنمنٹ انگریزی کے اخراجات شامل ہیں۔ الفصہ میری تجویز اور نیت یہ ہے کہ اُس عہد نامے کی منظوری کی تاریخ سے آپ سے زیادہ اُس بچاس لاکھ روپے سے نہ لیا جائے گا اور کسی طرح کا مطالبہ نہ ہوگا اگر آپ بعد ازیں کمپنی سے زیادہ فوج طلب کر گئے تو اُس کا خرچہ واجبی اس کے سوا آپ کو دینا ہوگا اور اگر کوئی ہر دو برس کی گیارہ سالہ سواران میں سے واپس طلب کیا جائے گا یا فوج میں زیادہ کمی ہوگی اُسی قدر حساب واجبی کہ آپ کو دلاؤں گا۔ اس نظر سے کہ اس عہد نامے کے مطالب میں کوئی وجہ اختلاف رائے کی باقی نہیں ہے میں آپ کو اطلاع دینا ضروری تصور کرتا ہوں کہ اگر کسی ضرورت پر کچھ تبدیلی اس فوج میں واقع ہو خواہ بایزادی یا کمی رسالہ سواران و پیادگان کی تو یہ شرائط مانع اُسکی نہ ہوں گی اگر کل فوج میں زیادہ کمی واقع نہ ہو اور یہ بھی واضح ہو کہ اس تبدیلی کے عوض کچھ زیادہ آپ سے مطالبہ نہ ہوگا۔ ایک رزیدنٹ جیسا اب ہے

خیال میں نہیں ہے مگر آخر کار آپ کے ملک کی حفاظت فوج موجودہ ملک پر منحصر ہوگی اور جب تک فوج آپ کے ملک میں رہے گی اس وقت تک کوئی خیال فوج کشی بھی آپ کے اوپر نہ کرے گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ فوج کمپنی کی دلاوری اور قوت اکثر جنگ کا ہون میں آزمائی گئی ہے یہاں تک کہ جب اُسکے دشمن کی فوج اس سے بیس گنی بھی زیادہ تھی تاہم اُسکی قوت اور طاقت ظاہر ہوئی ہے اور خدا کی برکت سے وہ ہمیشہ اپنے دشمن پر زور آور رہے گی اور فتحیاب ہوگی۔

مگر چونکہ ہمیشہ واقعات جنگ میں شبہ رہا کرتا ہے تو عقل و احتیاط مقتضی اسکی ہے کہ ہر ایک تدبیر ممکن الوقوع عمل میں آئے تاکہ یقین فتح ہماری طرف عائد ہو آپکو بھی معلوم ہوگا کہ کچھ نسبت کمپنی کی فوج میں اور آپکی فوج میں نہیں ہے اور یہ کہ بغیر مدد کمپنی کی فوج کے آپکی حکومت اور آپ کا ملک محفوظ نہیں رہ سکتا۔

مجھے یقین ہے کہ اگر آپ میری رائے پر غور کریں گے تو آپ کو راستی میرے بیان کی معلوم ہوگی اور آپ قیام ایسی فوج کا منظور کریں گے جس کی دلاوری اور قواعد پر اعتبار کلی ہے اُنکے مقابلے میں جو قواعد جنگ کچھ نہیں جانتے اور مجھے شک نہیں کہ آپ خرچ زائد اس فوج کا منظور کریں گے کیونکہ اس سے حفاظت ملک مقصود ہے اس واسطے میں بلاتامل صلاح دیتا ہوں کہ آپ اس قدر اپنی فوج کو برخواست کریں گے جس قدر اس زائد کار آمد فوج کے قیام کے واسطے کٹنی ہوگا اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ جس قدر روپیہ اس فوج کے لیے ضروری ہے وہ آپ کے ملک میں صرف ہوتا ہے اصل مطلب اس صلاح کا یہ ہے کہ آپ کے ملک کی حفاظت کی تدبیر کامل ہو اور آپ کو اس امر کا یقین ہوگا کہ ہماری حمایت کا فائدہ کیا ہے۔ کیونکہ

اور انگریزی ریڈرنٹ وہاں سے اب خواہ بعد اختتام ۱۸۵۷ء فصلی کے طلب کر لیا جائے گا اور بعد اس سنہ کے وہ وہاں نہ رہے گا اور نہ دوسرا مامور ہو گا اس بارے میں بسبب اس کے کہ ایک مداخلت اس گورنمنٹ کی اس ضلع کے بندوبست میں تھی میں آپ کو اطلاع دینی مناسب تصور کرتا ہوں کہ آپ ذاب مظفر جنگ کے حقوق کا لحاظ رکھینگے اور اگر کسی وجہ سے آپ کو فرخ آباد کے معاملات کا انتظام کرنا پڑے تو آپ وعدہ کریں کہ آپ اس علاقے کی آمدنی سے کافی روپیہ مظفر جنگ کے اچھی طرح گزارے کے لائق علیحدہ کر دیں گے اور چونکہ مظفر جنگ کی ان اور بھائی دل دیر خان اور دیپ چند دیوان سابق نے انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ وجوہ دوستی ظاہر کی ہیں اس لیے یہ بات ضروری ہے کہ کچھ گزارہ ان کے لیے بلا واسطہ مظفر جنگ تجویز ہو۔ یہ مشہور ہے کہ دل دیر خان کو مظفر جنگ اپنا دشمن تصور کرتا ہے اور جو اعتبار کہ دل دیر خان پر اس گورنمنٹ کا ہے اس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ اگر اس کی پورے طور پر حفاظت نہ ہوگی تو وہ مظفر جنگ کی تنگی سے نقصان اٹھائے گا اس لیے میری آرزو ہے کہ آپ وعدہ کریں کہ خاص ان لوگوں کی نیشن مظفر جنگ کے خرچ میں سے ان کو علیحدہ ریڈرنٹ کی معرفت دلویا کریں۔ اس حساب کی رو سے جو آپ کے اور کمپنی کے درمیان میں ہے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے فٹے بہت باقی ہے مگر حسب نیت مذکورہ بالا میں نہیں چاہتا کہ آپ کو زیادہ دینے کی تکلیف ہو۔ مگر جو ضروری اخراجات ہوں ان کا ادا کرنا ضرور ہے میں اس واسطے صلاح دیتا ہوں کہ اب جس تاریخ سے یہ عہد نامہ قرار پائے گا آپ اس تاریخ کو تمام بقایاے تنخواہ فوج جو آپ کے ملک میں موجود ہے اور ریڈرنسی

آپ کے دربار میں رہے گا مگر چونکہ یہ اسے کمپنی کی ہے اور میرا ادوہ ہے کہ آپ کی حکومت
 میں کسی طرح کی مداخلت نہ کی جائے اس لیے احکام تائیدی ریزیڈنٹ کے نام جاری
 ہوں گے کہ وہ مداخلت خود نہ کرے اور نہ کسی رعایاے انگریزی کی طرف سے
 معافی محصول وغیرہ کا یا کسی اور طرح کا دعوے بذریعہ حکم گورنمنٹ انگریزی کے
 پیش کرے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمام انتظام آپ کے ملک کا آپ کے اور آپ کے
 اہلکاروں کے سپرد رکھ کر میں غیر کی مداخلت کا انسداد کر دوں گا اور تاکہ یہ امر حاجت
 وقوع میں آئے میں صلاح دیتا ہوں کہ آپ کسی یورپین کو اپنے ملک میں بغیر سیر
 حکم تحریری کے رہنے نہیں دیں اور اگر میں کسی کو ایسی اجازت یا حکم دوں گا تو اس کی نقل
 آپ کے پاس بھیجی جائے گی اگر کوئی یورپین بغیر سیر اجازت تحریری کے آپ کے
 ملک میں جا کر رہے تو آپ اس کو زبردستی اٹھا دیں اور اگر اس کی طلبی ہو تو
 آپ صاحب ریزیڈنٹ کے پاس جو کمپنی کی جانب سے ہے گا اس کو بھیج دیں میں
 نے جو حالات گذشتہ ملاحظہ کیے اور آپ کی دوستی کا حال جو آپ کے اور کمپنی کے
 درمیان میں مشہور عام ہے دیکھا تو مجھے حال ذیل لکھنا مناسب تصور ہوا۔ کہ چند
 سال گذشتہ میں آپ کے ملک والوں نے خود عرضی سے اکثر استغاثے گورنمنٹ انگریزی
 میں کیے ہیں جس کے سبب سے بدنامی آپ کے انتظام کی ہوئی ہے میرا ارادہ یہ ہے
 کہ اسکا انسداد ہوا اور میں نے کچھ توجہ ان کے استغاثے پر نہیں کی ہے۔ مگر چونکہ
 دوستی باہم مشہور ہے اس لیے اگر آپ انصاف کو کارفرما میں تو طرفین کی نیکنامی
 اور شہرت کا موجب ہے۔

فرخ آباد کے بارے میں عہد نامہ چار گڑھ کی شرط چہارم کا لحاظ رہے گا

صراحت کے ساتھ حیدر بیگ خان سے ان تحائف کے نہ لینے کا عذر کر دیا حیدر بیگ خان
تھوڑے دنوں کلکتے میں رہ کر گورنر جنرل سے رخصت ہوئے اور جس راستے سے
گئے تھے اُسی راستے سے لوٹے۔ عظیم آباد میں باقی پور کے پاس چند روز توقف کر کے
لکھنؤ پہنچے اس سفر میں بہت سارے پیہ اہل حاجات کو دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ
انہوں نے اس کام میں ایک لاکھ روپے صرف کیے بعض اس سے بھی زائد بتاتے
ہیں۔ اس کارروائی کے ظہور سے نواب آصف الدولہ حیدر بیگ خان سے بہت
خوش ہوئے اور انکو سب سے زیادہ دو تحفہ سمجھنے لگے۔

نواب وزیر کی طرف سے گورنر جنرل کی تحریر

کا جواب

نواب وزیر نے گورنر جنرل کی تحریر کے جواب میں ایک خط جو لائی اسٹیشن میں
اُن کو لکھا کہ آپ کی دوستانہ تحریر پہنچی مضمون اُس کا یہ ہے کہ کمپنی کا اور آپ کا یہ صمم
ارادہ ہے کہ میری حکومت اور انتظام میں مداخلت نہ ہوگی اور ریڈنٹ لکھنؤ کو
حکم تاکید دی ہوگا کہ وہ نہ آپ مداخلت کرے گا اور نہ کوئی شخص آپکا ماتحت کسی طرح کی
مداخلت کرنے پائے گا۔ اور میرے ملک کی حکومت میرے اور میرے اہلکاروں کے
مستقل ہے گی۔ اور غیر کی مداخلت بالکل مسدود ہوگی۔ نواب حیدر بیگ خان نے
اُن سب امور کو مفصل بیان کیا جو آپ کی مہربانی اور الطاف کے سبب میرے
کاموں کے بندوبست کرنے کا باعث ہوئے مجھے نہایت خوشی ہوئی میں ہمیشہ
آپ کی نیک نیتی کے تصور میں خوش تھا اب اُس کے نتیجے دیکھ کر خوش ہوتا ہوں اور

اور نواب سعادت علیخان اور سردارانِ روہیلہ کا خرچ اور نیز زر بقالے مسٹر
اندر سین او اگر دین اور باقی جو کچھ رہے گا وہ حساب کے کاغذات سے حکم ہوگا
اور اس گورنمنٹ کے قرضے کے طور پر آپ کے فٹے تصور نہ کیا جائے گا جو مطالب
کہ اس میں لکھے گئے ہیں ان کے بارے میں اکثر گفتگو حیدر بیگ خان سے ہوئی
وہ آپ کا بڑا اخیر خواہ ہے اور دو فون سرکاروں کا دوست ہے اور چونکہ وہ آپ
کے کل امور سے واقف اور آپ کا معتبر ملازم اور وزیر اعظم ہے اس لیے میں نے اس کو
امور فوائد باہمی کا مجاز تصور کر کے بلا تامل اس سے وہ سب حال جو میری رائے
میں فوائدِ طرفین کی ترقی کے لیے مناسب اور مفید تصور ہوا کہا ہے اور میری
رائے میں اس سے کہنا بہتر ہے آپ کے ساتھ کہنے کے ہے مگر چونکہ آپ کی منظوری بھی
شرائطِ مقبولہ حیدر بیگ خان کے لیے ضرور ہے اس لیے میں نے مناسب تصور
کیا کہ علت غائی اس کی اس تحریر میں درج کروں باقی حال مفصل حیدر بیگ خان
آپ سے بیان کرے گا۔ آپ اطمینان رکھیں کہ نہایت ایمانداری سے تمام شرائط
کی تعمیل آئیں گے کہ اپنی طرف سے کر دینگا۔

طلسم ہند میں لکھا ہے کہ حیدر بیگ خان نے کروڑ روپے کا جواہرات گورنر جنرل
کی نذر کیا تھا انھوں نے اپنی عالی ہمتی سے کہا کہ اس تحفے کے عوض کوئی نایاب شے
نواب وزیر کے پاس اپنی طرف سے روانہ کروں اس سے بہتر یہ ہے کہ یہی تحائف نواب
وزیر کو بھاری طرف سے پہنچا دو۔ تاریخ مظفری میں بیان کیا ہے کہ گورنر جنرل نے
اصف الدولہ کے تحائف اس وجہ سے نہیں قبول کیے کہ وہ ولایت میں انجیل اٹھا کر
آئے تھے کہ میں ہندوستان کے کسی رئیس کا تحفہ نہیں لوں گا اور انھوں نے

جو فوج اب فتح گڑھ اور کانپور میں ہے وہ بدستور قائم رہے اور اپنے بھائی
 سعادت علی خان اور سرداران روہیلہ کی تنخواہیں اور رزیدنٹ اور دوسرے
 انگریزوں اور رزیدنٹ ہمارا جہ سنبھالنے کے اخراجات اور ڈاک کا
 خرچ وغیرہ بھی جو اپنے پچاس لاکھ روپیہ مقرر کر دیا ہے کہ میں دیا کر دن یہ مجھے
 منظور ہے۔ اور آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ میرا خرچ اس پچاس لاکھ سے
 زیادہ نہ ہوگا اور کسی طرح کا مطالبہ اسکے سوا نہ ہوگا۔ اور یہ بھی درج فرمایا ہے
 کہ جب کبھی کوئی ان دو برگید میں سے یا رسالہ سواروں میں سے واپس طلب
 کیے جائیں گے یا زیادہ کمی اُس فوج میں ہوگی تو کمی خرچ کے مطابق روپیہ کمی کا اس
 پچاس لاکھ میں سے بھرا ہوگا میں یہ بھی منظور کر کے فرد قسط بندی ارسال کرتا ہوں
 اور مجھے یقین ہے کہ آپ ہمیشہ مہربان اور عنایت فرما میرے حال پر دیکھیں جس سے
 میری بہبودی اور آسائش کا باعث ہوگا آپ کے مہربانی کے لئے کے ہر امر کا جواب
 میں نے نہیں دیا ہے اسوجہ سے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ضرور اس نواح میں تشریف لائیں گے
 پس بروقت ملاقات ہر مہینہ دوستانہ گفتگو کی جائیگی۔ اب یہ خیال کر کے کہ آپ کے
 حکم کی تعمیل اور آپ کی رضا جوئی اہم مراتب دوستی سے ہم میں نے اپنی منظوری
 تحریر کی۔ فرخ آباد کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مغل سابق میرے
 ماتحت رہے گا اور رزیدنٹ جو وہاں مقیم ہے وہ خواہ اس وقت خواہ سکھ لاء
 فصلی کے ختم ہونے کے بعد برخاست ہوگا اور سنہ مذکور کے بعد وہ وہاں نہیں گا
 اور نہ کوئی اور اسکی جگہ مامور ہوگا۔ اور آپ حکم دیتے ہیں کہ میں مظفر جنگ
 کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں اُنکے حقوق کا لحاظ رکھوں۔ اور جبکہ انتظام ہو

اس قدر شکر گزار ہوں کہ اُسکا ایک شمعہ بیان کرنے کے واسطے دفتر چاہیے یہ مشہور ہے کہ نواب مرحوم کی زندگی میں اور اُنکے انتقال کے وقت اور میری چاشینی اور حکومت کے زمانے میں انگریزوں کی دوستی کامل اور مستحکم اور بے ریا رہی ہے اور اسد کی عنایت سے آئندہ یوٹا فوٹا ترقی پذیر ہوگی اس وقت میں ایسا بڑا رئیس صاحب علم و خبر اختیارات کل اور حکومت کامل کے ساتھ میرے ملک کے انتظام کے واسطے آیا میں سمجھتا ہوں کہ ایسے رئیس کا درد و صرت میری خوش نصیبی سے ہوا مجھے امید قوی اور اطمینان کامل ہے کہ میرے تمام کام میری مرضی کے موافق سرانجام پائیں گے فوج مقیم فتح گڑھ کے قائم اور جاری رہنے کے باب میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ مثل سابق قائم رہے میں نے بخوبی غور کیا اور سمجھا یا وجودیکہ میرے ملک کا بڑا صرف اُس فوج کے سبب سے سال بہ سال ہوتا ہے سابق میں جو عہدہ و پیمانہ سرداران انگریزی کے ساتھ اس بلے میں ہوئے ہیں اور جس طریق پر یہ معاملہ بہت سی گفتگو کے بعد طے ہوا ہے اُس سبب سے آپ بخوبی واقف ہیں بہر حال مجھے آپکی توجہ سے بہتری اور بہبودی کی امید ہے اور مجھے لازم آیا کہ اُس کا اصل مفصل حال بیان کر دوں مگر میں نے سنا ہے کہ آپ اس طعن تشریف لاتے ہیں یہ میری عین دلی خواہش ہے اور آپکی ملاقات سے مجھے خوشی حاصل ہوگی اس واسطے اس مطلب کو اُس وقت پر منحصر رکھا۔ اور یہ ضروری تصور کیا کہ اول آپکی مہربانی حاصل کروں بعد اُنکے آپ مہربانی و الطاف سے جو مشہور عام ہے وہ تجویز فرمائیں جو میری بہبودی اور خوشی کا باعث ہو اور آپ کو بھی منظور ہو اس لیے آپکی رضامندی اور خوشی کے قائم رکھنے کے لیے میں منظور کرتا ہوں کہ

نہ اخراجات فوج وغیرہ نواب صاحب کے خط کے ساتھ مرسل خدمت ہے اور
 مین ایک ہنڈی اس قدر روپے کی جس قدر دو مینول صاحب نے فرمایا تھا کہ
 ماہ فروری شہ ۱۷۷۷ء تک فوج کو چاہیے بھیجا ہوں اور دو ہنڈیاں اس روپیہ
 کی بابت بھی جو شاہزادوں اور نواب سعادت علی خان کی تنخواہ کا فروری شہ ۱۷۷۷ء
 تک ہے بھیجا ہوں یہ سب حضور کے ملاحظے میں گذرینگے۔ چونکہ مجھے سفر میں
 بہت عرصہ ہو گیا اس لیے اکثر طریق کار روانی میں براہِ انتظامی واقع ہوئی ہے اور
 توقف اور تساہل بھی زمر سرکار کمپنی کی ادائیگی میں ہو گیا اور اب کمپنی میں
 آگیا ہوں اور فصل کے تردد وغیرہ کا وقت ہے مین سرکار کے کام میں مصروف
 ہوں اور اسد کی مدد اور حضور کی عنایات سے ہر ایک کام کا انتظام ہو جائیگا
 اور جو زیاقتی کرنیل ہارپر صاحب اور دوسرے صاحبان انگریز کا ہے وہ جبکہ
 بعد تحقیقات آخر ماہ فروری شہ ۱۷۷۷ء تک ہوگا ہنگام و جواب تک ادا ہو جائے گا۔
 روپیہ قسط بندی بابت اخراجات فوج ابتداءً ۱۷۷۷ء سے جون شہ ۱۷۷۷ء
 تک سرکاری خزانے میں داخل ہو گیا اور آئندہ اسد کی عنایت سے ماہ بمسہ
 قسط بندی کے مطابق ادا ہوتا رہے گا۔ امید کہ تحریرات عالی سے سرفراز
 ہوتا رہوں۔

گورنر جنرل کی لکھنؤ میں تشریف آوری۔ عہد نامہ تجارت

کارن والس صاحب آپ ہی لکھنؤ میں آئے سلطنت کی طرف سے رسم استقبال
 اور دعوت علی قدر مراتب حسن و خوبی کے ساتھ ادا ہوئی۔ تاریخ مظفری میں لکھا ہے

ضلع مذکور کا مناسب متصور ہو تو معقول نیشن نواب مظفر جنگ کے لیے مقرر کروں اور نواب مظفر جنگ کی اُن اور اُنکے بھائی دل دلیر خان اور راسے دیپ چند دیوان سابق نے جو خواہش دلی گورنمنٹ انگریزی کمپنی کی نسبت ظاہر کی ہے یہ ضرور ہے کہ کچھ گزارہ اُن کا بلا واسطہ نواب مظفر جنگ کے مقرر ہو چونکہ نواب کی دشمنی اُن کے ساتھ ظاہر ہے اور دل مین دلیر خان پر گورنمنٹ انگریزی کا اعتبار ہونے کی وجہ سے یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اُسکی حفاظت نہوگی تو مظفر جنگ کی وجہ سے اُس کو تکلیف ہوگی مین اُسکے واسطے کچھ گزارہ مظفر جنگ کی رزنیشن مین سے مقرر کر کے لکھنؤ کے رزیڈنٹ کی معرفت اُسکو دلایا کروں مین ان سب اُمور مین آپکے حکم کی تعمیل کروں گا اور مظفر جنگ کی اُن اور دل دلیر خان اور راسے دیپ چند کو رزیڈنٹ کی معرفت گزارہ دلوا یا کروں گا اور اُن کو حفاظت مین رکھونگا امید کہ ملاقات حاصل ہونے تک تحریرات سے معذور اور مسرور ہوتا رہوں اس خط کے ساتھ بچاس لاکھ روپے کی قسط بندی بھی بھیجی گئی تھی حیدر بیگ خان نے اپنی طرف سے بھی ایک عریضہ گورنر جنرل کو بھیجا جسکا مضمون یہ ہے ”ہماری مین ایک عرضی اپنے لکھنؤ مین پہنچ جانے کے حال کی حضور کی خدمت مین بھیجی ہے یقین ہے کہ ملاحظے مین گذری ہوگی۔ اب حضور کی تحریر و ستانہ کا جواب نواب وزیر کی جانب سے بھیجا جاتا ہے اُس سے حضور کی رضا جوئی کا حال نواب وزیر کی طرف سے واضح راسے عالی ہوگا حضور نے اُن کے اُمور مین از حد مہربانی ظاہر فرمائی ہے اور یقین ہے کہ آئندہ بھی وہ ہی عنایات اُنکی نسبت اِزری رہینگے کیونکہ اُن کو حضور کی ذات سے نہایت توقع ہے ایک فرد قسط بندی

تاریخ وفات

زین جہان نواب حیدر بیگ خان عازم ملک عدم گردید ہاے
سال تاریخ وفاتش ہیر عقل گفت حلت کرد امیر الدولہ

اپنی وفات سے پہلے انھوں نے اپنے تمام نقد و جنس کی فرو تیار کر کے نواب زین کے پاس بھیج دی اور لکھا کہ یہ مال سرکار کا ہے چاہیں لین اور چاہیں بخشیں اگر علیناں حسین علی خان اپنے دونوں بیٹوں کو نواب کے سپرد کر دیا ان کے متروکات میں بیس لاکھ روپے کے قریب نقد و جنس تھا اس کے بھی کم سن تھے۔ چونکہ نواب وزیر حسن خدمات حیدر بیگ خان سے مسرور تھے اس لیے وہ مال و اسباب ضبط نہ کیا ان کی اولاد کو بخش دیا اور ان کی تنخواہ بھی ان کے بیٹوں پر مقرر کر دی۔

شیو پرشاد نے فرح بخش میں لکھا ہے کہ حیدر بیگ خان کے بعد راجہ گیٹ لے کی ذات پر نظم و نسق کا روبرو مقرر ہو گیا جو سابق میں جہارون صوبوں کا دیوان کار پر داز مالی و ملکی تھا اور اس کو وزیر نے مہاراج اور ہراج نرند راجہ گیٹ لے بہادر خطاب دیا اور راجہ دھنپت رائے خزانے کا کام کرتا تھا اور راجہ بلا سر رائے پیشکار بخشی گری کا کام کرتا تھا۔ گیان پرکاش میں نواب آصف الدولہ کے ہندو کار پر دازوں کا ایس طرح تذکرہ کیا ہے کہ راجہ خوشحال رائے پھر راجہ نول رائے الہ آباد کا صوبدار رہا اور راجہ بھگوانداس کا بڑا بیٹا رائے بہادر سنگھ اور چھوٹا بیٹا رائے بالک رام دونوں جھاؤ لال کی رفاقت میں کام کرتے ہیں اور کارخانجات کے کاموں پر مامور ہیں اور راجہ بھگوانداس جو راجہ جھاؤ لال کا بڑا دوست تھا خطاب اعلیٰ

کہ اول ملاقات میں آصف الدولہ نے گورنر جنرل کو تحفے پیش کیے انھوں نے
 کچھ نہ لیا اور وہی عذر بیان کیا جو حیدر بیگ خان سے کیا تھا۔ جب آصف الدولہ
 گورنر جنرل سے ملنے کو گئے تو انھوں نے ولایت فرنگ و انگلستان کے تحفے نواب کو
 دیے نواب نے انکی خاطر سے دو ایک چیزیں لے لین باقی وہیں چھوڑ دیں۔ پھر
 گورنر جنرل آصف الدولہ سے رخصت ہو کر بنارس کی طرف راہی ہوئے۔
 ۱۷۸۷ء ہجری میں ایک عہد نامہ تجارت سرکار کمپنی کے ساتھ قرار پایا جس
 کی رو سے ایک محصول فی صدی قیمت اجناس پر لینا تجویز ہوا اور زمینداروں وغیرہ
 کو ممانعت ہوئی کہ محصول گذرات کا نہ لیا کریں۔

امیر الدولہ حیدر بیگ خان کی وفات۔ ملکی انتظامات

حیدر بیگ خان مدت تک اودھ کے انتظام میں مصروف رہے۔ نواب وزیر
 کے خیر طلب تھے تشخیص اور تحصیل کا کام خوب کیا رعایا بھی راضی رہی مگر فوج و سپاہ
 میں انگشت نماتھے۔ شیوہ پرشاد نے فرح بخش میں لکھا ہے کہ حیدر بیگ خان نے
 کھلتے جا کر ایسا معاملہ درست کیا کہ کوئی صاحب حکم فرنگی نواب کے علاقے میں نہیں جا
 سکتا۔ مگر اس قدر خرابی کی کہ سپاہ کی تنخواہ کم کر دی اور ملک کی خبر گیری کی حیدر بیگ خان
 ایک سال سے ضعف معہہ کے غار حصے میں مبتلا تھے گرد و تین مہینے سے دستوں
 کا ایسا عار نامہ پیدا ہوا کہ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت جاتی رہی علاج سے کسی طرح
 نفع نہوا وائل و یقعدہ ۱۷۸۷ء ہجری میں شہداد اجل کا شکار ہوئے کشمیری باغ
 واقع لکھنؤ میں دفن ہوئے۔

بہت دور دور سے طلب ہوئے تھے اور سب کو حکم ہوا تھا کہ اپنی اپنی راہ سے
 نقشے اس مکان کے لیے پیش کریں تاکہ یہ تھی کہ کسی عمارت کی نقل ہو اور یہ
 مکان ایسا تیار ہو کہ کبھی بیشتر ایسا نہ بنا ہو اور جتنی تعمیرات مشہورہ ہیں سب
 زیادہ خوش قطع اور خوش اسلوب ہو۔ کفایت اللہ ایک شخص تھا جسکی تدبیر سے
 یہ تیار ہوا ہے اور جیسا اب وہ موجود ہے اُس سے ظاہر ہے کہ جو شرائط و اب
 کی تئیں اُنہیں کی نہیں ہوئی ہے یہ عمارت اُس قدر مضبوط ہے جبکہ خوبصورت اور خوش قطع
 ہے بنیاد اسکی بہت عمیق ہے اسکے دالان کا طول ساٹھ گز اور عرض بیس گز ہے
 بعض نے یون لکھا ہے کہ اسکی وسعت ۱۶۷ فٹ سے ۵۲ فٹ تک ہے یہ چھت
 ایک سو بیس فٹ چوڑی بالکل لداؤ کی بنی ہوئی بے ستون کھڑی ہے شاید دنیا
 میں کوئی ایسی چھت نہ ہوگی اصف الدولہ بعد وفات اس میں دفن ہوئے
 لاکھوں روپے کا قیمتی اسباب اس امام باڑے میں سجایا گیا اور کالج کا سامان قیمتی
 ایک لاکھ روپے ڈاکٹر فلٹن صاحب کی معرفت طلب کیا مگر ذاب کی رحلت کے بعد
 یہ اسباب لکھنؤ میں پہنچا۔ مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں اس
 امام باڑے کی تیاری شروع ہوئی تو اُس وقت سخت قحط سہالی تھی غلہ روپے کا
 آٹھ سیر کہتا تھا شاعروں نے اسکی تاریخیں لکھی تھیں یہاں بھی اُن میں سے بعض
 کو نقل کیا جاتا ہے ۵

	آستان شہید ابن شہید	
	ولہ	
	قصر شاہ کربلا آل نبی	

کے ساتھ سرفراز ہو کر بریلی و روہیلکھنڈ کا صوبہ دار رہا اور راجہ ہولاسرے کے راجہ ٹیکٹ رائے کا رشتہ دار ہے کاروبار مالی و ملکی میں اُسکی ذات پر بھی دار و مدار تھا اس شخص نے امام باڑہ اور مسجد بنائی تھی۔

نواب آصف الدولہ کے عہد کی تعمیرات

کوٹھی بیبا پور (بی بی بی پور) اس کو نواب آصف الدولہ نے سیرگاہ و شکار گاہ کے طور پر تعمیر کرایا تھا اور وہاں جا کر سیر و شکار کیا کرتے تھے۔ یہاں وزیر علیخان قید ہوا تھا۔

پہلے نچتہ نواب آصف الدولہ نے قریب شٹاء کے دریائے گومتی پر تعمیر کیا تھا اُسکی تاسیخ صراط مستقیم ہے۔

دیگر

پہلے نوبنا گشت بر گو متی
چو از فہم خود سال او خواستم
بتدبیر نیک و بقتل رزین
بگفتا پل اسوار و متین

بڑا امام باڑہ نواب نے شہنشاہِ ہجری میں ایک عالی شان امام باڑہ اور

ایک بڑی مسجد اور عوامی دروازہ تعمیر کرایا ان عمارتوں کی چھتوں میں ایک تسو بھر لکڑی کا نام نہیں سب چھتیں ڈھت کی ہیں امام باڑے کی عمارت گویا تعمیرات لکھنؤ میں سب سے بہتر و اعظم ہے اور آصف الدولہ کی سلطنت کے بڑے کاموں میں شمار کی جاتی ہے نواب مدوح نے بیشمار روپیہ اُسکی تعمیر میں صرف کیا تھا اس کا خرچ دس لاکھ روپے بتاتے ہیں شاید اس میں کچھ مبالغہ بھی ہو کارگیر اس کام کے واسطے

بجانب است رہتا ہے یہ تعمیر یعنی دو تختانہ مشمل ہے متعدد مکانات پر جو متصل ایک دوسرے کے ہیں گران میں کچھ ہنر سمار و نکاح صرف نہیں ہوئے ان مکانات میں نواب آصف الدولہ اور اُن کے عملے رہا کرتے تھے جب نواب نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ کو اپنا دارالقرار ٹھہرایا اور خاص محلہ نواب کا اُنھیں کے نام سے مشہور تھا یعنی جس مکان میں وہ آپ رہا کرتے تھے اُسکو آصفی کوٹھی کہا کرتے تھے مگر جب عاود علیخان بعد اُن کے مسند نشین ہوئے اور قیام اپنا اُنھوں نے فرج بخش میں مقرر کیا تو یہ مکانات خالی رہے اور اس سبب سے خستہ و شکستہ ہو گئے۔

گیان پرکاش کا مؤلف آصف الدولہ کی تعمیر عمارت کی بڑی تعریف کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ نواب نے باغ اور باغیچے اور صد ہا بارہ دریان اور نہریں اور حوض اور پانی کے خزانے اور فوارے اور حمام حشتی و سنگین اور شیشے کا محل بے مثل اور ہاتھی دانت کا بنگلہ بنوایا۔ اور نواب نے سات لاکھ روپیہ حاجی محمد طہرانی کی معرفت نہر فزات سے ایک نہر نجف اشرف میں لانے کے واسطے بھیجا اس کام میں مدد کے لیے مرزا حسن رضا خان اور خواجہ عین الدین انصاری نے بھی روپیہ دیا اس نہر کا نام نہر آصفیہ رکھا اور اس نہر کے جاری ہونے سے پانی کا قحط رفع ہو گیا۔ بعض نوشتون سے کہ بلا میں نہر کا بنوایا جانا پایا جاتا ہے اور میر محمد اجل آبادی کی نظم سے مشہد میں نہر کا جاری کرنا ثابت ہے مشہد ایک شہر کا نام ہے ایران میں واقع ہے پہلے زمانے میں طوس کہلاتا تھا۔ حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام کا مزار مشہد میں ہے اس لیے مشہد مقدس کہلاتا ہے۔

دیگر		
بزم گاہ شہید راہ خدا		
دیگر		
مقام آل پیمبر مقام محمود دست		
دیگر		
وزیر ہند سلیمان جناب آصف جاہ	ہزبر جنگ خدیو جہان کلاہ کبار	
رفیق گشت چو توفیق حق بنا کردش	امام باڑہ گردون بسال ہشت آثار	
گہوش اہل جہان گفت عقل تار بخش	رواق عرش جناب آئمہ اطہار	
کرد نواب آصف الدولہ	دیگر	چون بنا جائے غم بحسن یقین
داد ہاتھ خبر ز تار بخش		روضہ امجد امام دین
<p>رومی دروازہ یہ نواب آصف الدولہ کے دقت میں تعمیر ہوا ہے اور مشہور ہے کہ نقل دروازہ روم کی ہے مگر جو لوگ روم کو دیکھ آئے ہیں کہتے ہیں کہ ایسا دروازہ کوئی شہر روم میں نہیں ہے غالب ہے کہ نواب کو کسی شخص نے مغالطہ دیا ہو کیونکہ اگر وہ چاہتے کہ نقل دروازہ روم کی بنے تو اس میں شک نہیں کہ دو سو نقشے دروازہ روم کے ٹکے سامنے پیش ہوتے یہ دروازہ اور امام باڑہ کلان دونوں اُس زمانے میں بننا شروع ہوئے تھے کہ جب لکھنؤ میں قوط سالی تھی اور اس لحاظ سے یہ علامات عالی شروع ہوئی تھیں کہ جس سے غربا باشندہ شہر پرورش پائیں اس دروازے کی بلندی چالیس پچاس گز سے اونچی تھی۔</p> <p>دولت خانہ رومی دروازے سے جو غرب کو چلو تو دولت خانہ یا محل قدیم لکھنؤ</p>		

نواب آصف الدولہ ہزار جان و دل سے شہدائے کربلا کے جان نثار تھے اس علم کی زیارت کے لیے آنے لگے اور ایک گنبد بنوایا وہاں تعمیر کرا دیا یہ گنبد اور بھی موجب ترقی ہوا شیرینیاں اور نیازین حاجتمندوں نے حاضر کر فی شریعہ کین جب مرزا فقیر نے قضا کی تو اُسکے بیٹے نے بھی جمعرات کے دن وہ طریقہ جاری رکھا اور اُسکی آمدنی سے ادقات بسر کرتا تھا عشرہ محرم میں زیادہ رونق ہوتی نواب سعادت علیخان اور نواب آصف الدولہ کے دونوں نفاق تھا اور نواب سعادت علیخان بنارس میں رہتے تھے انھوں نے اپنے ولیمین یہ نیت کی کہ اگر بعد انتقال نواب آصف الدولہ بحکومت لکھنؤ حاصل ہو گئی تو میں علم جناب عباس کی درگاہ کو رونق دوں گا اور گنبد طلائی دورگاہ وسیع تعمیر کراؤں گا چنانچہ بعد انتقال نواب آصف الدولہ و گرفتاری وزیر علیخان کے ایسا ہی ظہور میں آیا کہ نواب سعادت علی خان مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے گنبد خشتی کو طلائی کیا اور درگاہ وسیع تعمیر کرائی اور اُسکے دو درجے قرار دیے یعنی ایک درگاہ مردانی اور دوسری زنانی تعمیر کرائی۔ اُسکی آمدنی کچھ خادموں کے حصے میں آتی تھی اور کچھ سرکار میں داخل ہوتی تھی رفتہ رفتہ وہاں کی آمدنی لاکھوں روپے سالانہ کو پہنچی ہر جمعرات کو خصوصاً نوچندی کی جمعرات کے دن اُس درگاہ میں بڑا جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ زیارت کرنے والوں کے سوا ہزاروں تماشائی اور شہر کی پری سکیڑا لکھنؤ بن گھٹن کرجع ہوتی تھیں سلطنت کے قیام تک چلیبہ بڑی دھوم دھام سے رہا اب بقول شخصے ۵

آن قدح بشکست آن ساقی نامد

نواب سعادت علی خان کے بعد غازی الدین حیدر نے نقارخانہ بلند بنوایا

درگاہ حضرت عباس کی حقیقت

مرزا فقیر نام ایک شخص نواب آصف الدولہ کے عہد میں تھا۔ اُس نے ایک علم ور یے گو متی کے کنا سے پوشیدہ دفن کر دیا اور شہر کے لوگوں سے یہ بات ظاہر کی کہ مجھ کو خواب میں یہ الہام ہوا ہے کہ حضرت عباس کے ہاتھ میں جو علم معرکہ کر بلا میں تھا وہ فلان مقام پر دفن ہے تو اُسکو نکال لے اور اپنے طریق کے چند رفیق جمع کر کے اُس مقام پر گیا اور جگہ کو کھود کر وہ علم نکالا جو بھرت کا سہ شاخہ تھا اور گھڑ میں کہ رسم گزمین واقع تھا نہایت تعظیم کے ساتھ رکھا۔ اس حکایت نے شہرت پائی کچھ بوڑھی عورتیں اور دوسرے عوام منت مزا دین ماننے لگیں کسی کا مقصود پورا ہوا کسی کا نہ ہوا چند روز کے بعد نواب آصف الدولہ اپنے کسی خدمتگار پر خفا ہوئے اور فرمایا کہ کل تیری ناک کٹوا لو مکا وہ بیچارہ ڈرا اور جا بجا نہیں ماننے لگا اس علم کی خبر مستر ہو چکی تھی یہاں بھی آیا اور دُعا مانگی حسب اتفاق نواب نے اُسکی ناک نہ کٹوائی۔ اسکے چند روز بعد نواب صاحب اس کے حال پر مہلن ہوئے اور باتیں کرنے لگے اُس نے اُن کو مہربان پا کر یہ عرض کیا کہ فلان روز حضور نے غلام کی ناک کٹوانے کے باب میں حکم فرمایا تھا! عنایات خدا وہ نصرت علم جناب عباس علیہ السلام و تفضلات حضور ناک غلام کی بچ گئی۔ نواب نے علم جناب عباس کی تفصیل پوچھی اُس نے تمام کیفیت برآمد ہونے کی عرض کی تو اُس کو کمال استعجاب ہوا اور کسی اپنے معتمد کو مرزا فقیر کے مکان پر بھیجا اور اکیہزار روپیہ بھی نذر کے لیے ارسال کیا اُس نے واپس آکر ساری کیفیت اُس علم کی بیان کی۔

گشتِ مشہور جہان ہمت آن بحر سخا
حاصلش دین شد وہم نام نکو در دنیا
قلم کرد قسم ثانی کوثر با دا

حوضِ نایاب بدر گاہ جنابِ عباس
صرفِ در شد چو درین وجہ حسنِ حسین
اسد از بہر تماش بہ طہارتِ تالیخ

مرزا حسن رضا خان اور راجہ ٹکٹ لے کا کلکتے کو بھیجا جانا

نواب آصف الدولہ نے مرزا حسن رضا خان سرفراز الدولہ اور راجہ ٹکٹ لے کو کلکتے کو گورنر جنرل کے پاس بھیجا چنانچہ یہ دونوں ادائل شوال ۱۲۸۵ھ ہجری میں عید الفطر کی نماز کے بعد آصف الدولہ سے رخصت ہو کر پندرہ سولہ ہزار سوار اور دو توپوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر شہر کے متصل ٹھہرے اُنکے ہمراہ انگریزی فوج کی چار کمپنیاں بھی ارکات صاحب کے زیر حکم ہوئیں اسی مہینے میں یہ دونوں شخص اس لاؤ لشکر کے ساتھ کلکتے کی طرف روانہ ہوئے۔ غازی پور اور جونپور کی راہ سے بنارس پہنچے وہاں کے صاحب ریڈنٹ اور نصیر الدین خان بن علی ابراہیم خان حاکم عدالت دیوانی و فوجداری نے استقبال کیا سرفراز الدولہ نے آصف الدولہ کی جانب سے خلعت جسکے ساتھ مالائے مروارید اور جیغہ اور سر پہنچ مڑ صاع تھا علی ابراہیم کے بیٹے کو دیا۔ علی ابراہیم خان ان دنوں علیل تھا اسلیے وہ خود نہ ملا وہاں سے کوچ کر کے تاریخ آخر ذیقعدہ کو دانا پور کے متصل پہنچے یہاں کے محکام انگریزی سول و فوجی نے ملاقات کی وہاں سے ذیحجہ کے مہینے میں آگے کوچ کیا۔ پٹنہ میں باغ جعفر خان المخاطب بہ مرشد قلی خان مین ٹھہرے پھر وہاں

اور نوبت و گھڑیاں رکھا گیا۔ اور دروازہ نقرئی اندرون درگاہ و ممبر نقرئی اور دوسرا
 جملہ سامان آرائش مرتب ہوا۔ نصیر الدین حیدر کے وقت میں ملکہ زانیہ نے باوچرخانہ
 درگاہ مذکور کا تعمیر کرایا اور یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ آمدنی مردانی درگاہ کی سرکار میں
 جاتی تھی اور وہاں داروغہ و تحویلدار و چوکی پیرہ وغیرہ مقرر تھا اور زنانی درگاہ
 کی آمدنی مرزا فقیرا کی اولاد کو ملتی تھی۔ زمان شاہی تک درگاہ کا یہی دستور رہا
 غدر میں جس طرح تمام شہر میں لوٹ ہوئی اُسی طرح درگاہ میں بھی ہوئی کہ جملہ سامان
 مع علم کے جوہر آمد کردہ مرزا فقیرا تھا تلف ہو گیا اور درگاہ سرکار گورنمنٹ میں
 نزول ہو گئی بعد دو ایک سال کے اس درگاہ کو غلام رضا شرف الدولہ نے
 رجسٹر نزول سے واگذار کر لیا۔ اور کچھ جدید سامان بھی اپنی طرف سے درگاہ
 میں چڑھایا اولاد مرزا فقیرا کو بالکل درگاہ سے خارج کیا اور کل آمدنی درگاہ کو
 آپ لے کر اس درگاہ میں صرف کرتے ہے۔ شرف الدولہ کے انتقال کے بعد
 واجد علی شاہ کے حکم سے نواب پیالے صاحب خلف نواب حسن علی خان درگاہ
 کے متولی ہوئے۔ واجد علی شاہ ہنگام روانگی کلکتہ اپنا تاج و تلوار درگاہ میں
 چڑھا گئے تھے اور یہ منت مانی تھی کہ انشاء اللہ اگر ملک مسترد ہوگا تو اپنے
 سر پر تاج اس درگاہ میں آکر پہنوں گا اور تلوار کمر سے لگاؤں گا۔ ایام غدر
 میں یہ دونوں چیزیں بھی تلف ہو گئیں۔ غدر کے بعد امیر الدولہ خلف کلان
 نواب رکن الدولہ بن نواب سعادت علی خان نے ایک حوض اندرون صحن درگاہ
 بنوایا اسکی تعمیر کی تاریخ سلیمان خان اسد نے اس طرح نظم کی ہے ۵

چشمہ فیض جو نواب امیر الدولہ

کر دے تعمیر پئے نذر امام دوسرا

وزیر علیخان کی شادی

ماہ شعبان ۱۲۰۵ ہجری میں نواب آصف الدولہ نے مرزا وزیر علی خان کی شادی کا سامان کیا یہ شادی اشرف علی خان بن بندہ علی خان کی دختر سے قرار پائی تھی۔ یہ بندہ علی خان نواب برہان الملک اور نواب صفدر جنگ اور نواب شجاع الدولہ کے عہد میں داغ و تصحیح کی خدمت رکھتا تھا اس تقریب میں نواب آصف الدولہ نے بہت سارے پیسے صرف کیا۔ فقط روشنی میں تین لاکھ روپے کا تیل جلاتھا۔ ہزاروں نفرتی گھڑے ساجھ میں تھے اور آرائش کی ٹیمیاں نقیش اور بادلہ و تمامی سے آراستہ تھیں۔ یہ تمام سامان دولتخانے سے سچ کر چار باغ تک کہ درمیان میں تین کوس کا فاصلہ ہے گیا۔ گیان پر کاش میں لکھا ہے کہ آتش بازی نہایت نفیس تیار کرائی ایک قسم کا غبارہ تھا کہ آسمان میں بطور تارے کے جاتا اور ایک گھڑی تک وہاں ٹھہرتا اور وہ یہ تھا کہ بنگلہ تر پو لیا اور بروج سے آراستہ کیے تھے۔ سات روز تک یہ جشن رہا اس شادی کے مصارف کی وجہ سے تمام چیزیں بہت گران ہوئیں۔ غلہ اور تیل اور ہر قسم کا کرانہ اور کپڑا زیادہ قیمت پر چڑھ گیا ہو یا بیرون کے پو بے تھے اس شادی کا صرف کم سے کم بیس لاکھ اور زیادہ سے زیادہ چالیس لاکھ

۱۵ عہدہ گھوڑوں وغیرہ پرانگی صحت کی پہچان کے واسطے نشان لگا دینے کو داغ کہتے ہیں اور تمام جانوروں میں سے جانچ کر عہدہ جانوروں کے پہچاننے کو نصیحہ کہتے ہیں ۱۶ فرہنگ اتم شاہ جہان

متضمن شرح اردو انفرنس کورس

سے جہلک آخر ذی الحجہ میں مرشد آباد میں داخل ہوئے۔ عشرہ محرم کے دن یہاں
 بسر کیے۔ اس مقام پر سرفراز الدولہ نے مسافروں۔ محتاجوں اور سیدوں کو
 بہت کچھ دیا۔ یہاں انگریزوں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور جو نامی آدمی
 ہندوستانی اُن سے ملے انھیں خلعت عطا کیے پھر یہاں سے روانہ ہو کر کلکتے
 میں داخل ہوئے۔ شہر کے باہر مقام کیا۔ لارڈ کارنوالس صاحب گورنر جنرل
 سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ گورنر جنرل نے کمپنی کی طرف سے خلعت سکف دیے۔
 گورنر جنرل تو وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر ولایت کی طرف روانہ ہوئے یہ دونوں
 جدید گورنر جنرل سے ملنے کے انتظار میں ٹھہرے تھے اور اس وجہ سے دو مہینے تک
 وہاں رہنا ہوا۔ جبکہ جدید گورنر جنرل سر جان شور صاحب کلکتے میں پہنچے
 تو اُن سے ملکر ۲۰ مہاجرین وہاں سے معادلت کی، جمادی الاول کے کو
 پٹنے میں پہنچے یہاں تین چار مقام کر کے اور غریبوں کو اپنی سخاوت سے
 فیض پہنچانے کے لکھنؤ کی طرف چلے اوائل جمادی الآخر میں مقام بہرائچ
 میں آصف الدولہ کے پاس پہنچ گئے۔ آصف الدولہ سیر و سنگار کے بعد لکھنؤ کو روانہ
 ہوئے یہ دونوں ہمراہ تھے۔ ۸ جمادی الآخر روز پنجشنبہ کو آصف الدولہ لکھنؤ میں
 داخل ہو گئے اور دونوں کو خلعت فاخرہ دیے یہ سفر نو مہینے کے عرصے میں
 ابتداءً سوال ۲۰ مہاجرین سے اوائل جمادی الآخر ۱۲ مہاجرین تک
 پورا ہوا۔ دونوں کار گزار پندرہ لاکھ روپیہ صرف کر کے پھر آئے سوائے اپنی
 راہ و رسم کے ارباب کو نسل سے کوئی بات نواب کے فائدے کی ظہور میں لائے
 اور کلکتے سے مراجعت کے بعد ٹکٹ رائے اور سرفراز الدولہ میں موافقت نہ ہوئی۔

اُن کو مجروح و معزول اور قید کر کے اُنکے چھوٹے بھائی نواب سید غلام محمد خان کو
 مسند نشین کیا اور ۲۲ محرم کی شب کو افسران فوج کے مشورے سے چار شخصوں
 نے نواب سید محمد علی خان کے پاس پہنچ کر اُن کا کام تمام کر دیا سلطان الاخبارین
 نہایت غلطی کی ہے جو لکھا ہے کہ نواب سید غلام محمد خان نے تنچے کی گولی سے
 نواب سید محمد علی خان مجروح کا کام تمام کیا تھا اُن کا قتل بالکل اُن کی لاعلمی میں ظہور
 پایا تھا۔ روہیلکھنڈ گزٹیر میں ذکر کیا ہے کہ جب آصف الدولہ کو اس بلوے کی خبر
 ہوئی تو اُنھوں نے معقول رشوت لے کر اس معاملے کی طرف توجہ نہ کی اور کہا کہ
 یہ آپس کا فساد ہے مگر مسٹر چیری انگریزی رزیڈنٹ اس خبر کی تصدیق سے انکار
 کرتا ہے بلکہ اُس کا بیان ہے کہ آصف الدولہ کا خیال یہ تھا کہ نواب سید محمد علی خان
 اور نواب سید غلام محمد خان دونوں اس ریاست کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ یہ ریاست
 اُنکے باپ کے حین حیات تھی لیکن تاریخ آصفی سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سید
 محمد علی خان کی جانشینی وزیر کی اجازت سے عمل میں آئی تھی پس یہ کہنا کہ
 آصف الدولہ نے دونوں بھائیوں کو اس ریاست کا مستحق نہ بتایا محل نظر ہے۔
 اور آصف نامے کے مصنف کا بھی یہ کہنا تحقیق کے خلاف ہے کہ آصف الدولہ نے
 نواب سید غلام محمد خان کی سفارت کے مضمون پر توجہ نہ کی۔ کیونکہ انگریزی کی
 تاریخوں سے اسکا پتا چلتا ہے کہ آصف الدولہ کو نواب سید غلام محمد خان کی
 مسند نشینی پر پیش ہاتھ لائف لے کر کچھ نیم راضی سے ہو گئے مگر یہ معاملہ ایسا نہ تھا
 کہ بغیر انگریزی گورنمنٹ کی مرضی کے طے ہوتا جب اُس سے کہا گیا تو اُس نے نواب
 سید غلام محمد خان کی مسند نشینی سے انکار کر دیا چونکہ یہ ریاست انگریزی گورنمنٹ

روپے تک بتاتے ہیں۔ نواب مظفر جنگ دالی فرخ آباد اور سید محمد علی خان ولی عہد
نواب سید فیض الدخان بہادر دالی رامپور بھی ایک ماہ پیشتر سے مہمان آئے تھے۔
موزون نے آصف نامے کے آخرین ایک مثنوی اس شادی کے حال میں لکھی ہے
اسمین تاریخ یون موزون کی ہے

ازین عقد فرخ دلم شاد شد	کہ این خاند دولت آباد شد
دلم کرد موزون ز فرط طرب	زمن سال تاریخ را چون طلب
بیک بیت گفتم دو تاریخ نغز	سخن را بر آوردم از پوست نغز
دو ہی سیمنت یا رب این عقد را	کہ کرد از دل خلق داعد را
ز روے وفاق و روے و داد	کہ کتر چنین اتفاق او فاد
و گر سال تاریخ آمد بکف	قران دو کو کب بہ برج شرف

اس شادی کے بعد مرزا علی رضا خان کی جو دذیر علی خان سے چھوٹا اور متنبہ
تھا مرزا جگلی کی بیٹی سے شادی کی اس میں روپیہ کم صرف ہوا۔ غرض کہ نواب کے
عہد میں ملک کی زیادہ تر آمدنی ایسے ہی مصارف میں خرچ ہوتی تھی سو عیش
و عشرت کے کسی کو کسی سے کام نہ تھا ہر روز عید اور ہر شب شہ برات تھی۔

نواب آصف الدولہ کی افاغہ روہیلکھنڈ پر چڑھائی

نواب سید فیض الدخان دالی رامپور کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے نواب
سید محمد علی خان ۱۲۰۰ھ ہجری کو مسند نشین ہوئے۔ ۱۳ محرم ۱۲۰۹ھ ہجری کو
افسران فوج نے انکی مے نوشی ناحق کو شہی بہ مزاجی اور سخت گیری کی وجہ سے

چھٹی شاہ آباد ضلع ہردوئی میں۔ ساتویں شاہ جہان پور میں۔ آٹھویں قریب تلہر کے ہوئی۔ انگریزی فوج بھی کڑی کڑی منزلین کرتی ہوئی بمبلی آپہنچی اور یہاں قیام کیا اور لکھنؤ کی فوج کا انتظار کرنے لگی لیکن لکھنؤ کی فوج نے اس فتح میں شریک ہونے کی عزت کی کوشش نہ کی۔ جب نواب سید غلام محمد خان کے پاس اُن کے چھوٹے بھائی سید فتح علی خان کی (جو اُن کی طرف سے نواب وزیر کے پاس بطور سفارت کے بھیجے گئے تھے) تحریر اس مضمون کی آئی کہ لکھنؤ کی فوج رام پور پر چڑھائی کرنے والی ہے تو انھوں نے بھی تیاری کی اور بہت سی جدید سپاہ بھرتی کر کے بریلی کی جانب کوچ کیا کچھ مہو کے ٹچان بھی ننگ قومی کی وجہ سے آکر شامل ہو گئے تھے اُن کی فوج کی تعداد عماد السعادت میں ۴۵ ہزار سے ۶۰ ہزار تک بتائی ہے یہی روایت تاریخ شاہیہ کی ہے اور منتخب العلوم میں پچاس ہزار لکھی ہے اور وہ ہیلکھنڈ گزیٹیر میں پچیس ہزار بیان کی ہے اور جام جہان نامہ میں تیس ہزار ذکر کی ہے۔ معظم نے اپنی ثنوی میں صحیح تعداد بتائی ہے اُسکی روایت کے موافق سرسٹھ ہزار آدمی تھے اور وہ کہتا ہے کہ تیرہ توپیں بڑی بڑی تھیں اور چالیس شہتر نال تھیں انکی فوج کا جاؤ سپاہ گری کا بناؤ بڑھے ہوئے پٹھانوں کے حوصلوں کی یاد دلاتا تھا کوئی نیزہ تاننا تھا کوئی رستم کو پیر زال جانتا تھا اپنی تلوار کے جوہن پر کوئی نازان کوئی ثانی سام کوئی فخر زبیاں کوئی زور آور ڈھال پھول کی طرح اٹھانا کوئی شیر کی کلانی کپڑے کر بٹھاتا یہ بہادر دشمنوں کے مقابل جانے کو لیس تھے بہادری کو لیلی جانتے تھے رشکِ قیس تھے۔ بعض بڑھوں کی کمر میں خم تھے

کی وساطت اور ضمانت سے تھی اس لیے اُس پر لازم آیا کہ وہ آصف الدولہ کی مدد کر کے نواب سید غلام محمد خان سے ملک نکال لے لے لیے گورنر جنرل کے حکم سے سربراہ برٹ آئرلینڈ فرخ آباد سے انگریزی فوج لیکر اس بلوے کے انسداد کے واسطے روانہ ہوا عمار السعادت میں لکھا ہے کہ انگریزی فوج میں دو پلٹنیں گورون کی اور بارہ پلٹنیں تملنگون کی اور دو رجمنٹ ترک سواروں کے تھے اور معظم نے جنگ لڑنے و وجود میں انگریزی فوج کی تعداد چودہ ہزار بتائی ہے جن میں سے سات سو گھوڑے تھے تاریخ مظفری میں انگریزی فوج کی تعداد پندرہ سو لکھا ہزار لکھی ہے اور نواب آصف الدولہ بھی تیار ہی کر کے اوائل ماہ ربیع الاول ۱۱۸۱ھ ہجری میں الہ آباد سے لکھنؤ کو آئے اور یہاں تین مقام کر کے رام پور کی جانب کوچ کیا۔ اُنکی توپوں کے عجیب و غریب نام ہیں جو بعض شاعروں نے نظم کیے ہیں اُن کو یہاں نطف کے لیے بیان کرتا ہوں۔ دھور دھانی۔ فتح پیکر۔ نننگ۔ شیر پیکر۔ ہم ڈکار۔ ملک میدان۔ فتح بار۔ اجگر۔ خود پسند۔ کھنڈ دھاتی۔ کرک بک۔ سرجیو۔ گھن گرج۔ سنگار دل۔ فتح لشکر۔ صف شکن۔ وزیری۔ جہانگیری۔ جیدی۔ سلیمانی۔ پھلجھڑی۔ فتحیاب۔ غباری۔ انگریزبان۔ شترنال۔ کرنال۔ ہنتال۔ ان میں سرجیو بہت بڑی توپ تھی۔ الماس خان خواجہ سر بھی اٹوے سے فوج لیکر وزیر کا شریک ہو گیا تھا۔ سید ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ نواب مظفر جنگ بگنیش رئیس فرخ آباد بھی ہمراہ تھا اور انگریزی رزیدنٹ چیری صاحب بھی نواب کے ساتھ تھا۔ نواب آصف الدولہ کی پہلی منزل نول گنج میں۔ دوسری الماس گنج میں۔ تیسری سلطان گنج میں۔ چوتھی باون میں۔ پانچویں سرمن نگر میں۔

جنگ کیجیے وقت پر ہم طرح دے جائینگے۔ روہیلے اسی وقت اُن تک حرام فرسٹ کے ڈیر وں پر چڑھ گئے مگر یہ افسر پہلے ہی سے قاصد کی گرفتاری کی خبر سن کر لشکر سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگ گئے تھے۔ روہیلوں نے اُن کا سامان و اسباب لوٹ لیا۔ غرضکہ پٹھانوں کی فوج تین روزین میں سرگنج پہونچی۔ صبح کو آگے بڑھی اور دو جوڑہ کو عبور کرنے لگی۔ انگریزی فوج نے بھی بریلی سے آگے بڑھ کر اُس سے سات میل بچھان کی طرف سنگھار کے پل کے پاس قیام کیا۔ بریلی کا صوبہ دار شہنشاہ بھی پانچزار سپاہ کے ساتھ انگریزی فوج کے ہمراہ تھا۔ جب جنرل ابرگرہی کو یہ خبر پہونچی کہ نواب سید غلام محمد خان ملک سے کوچ کر کے دو جوڑہ کو عبور کر آئے تو اُس نے نواب کے سفیر کو جو انگریزی کمپوین موجود تھا بلا کر کہا کہ نواب صاحب نے یہ اچھا نہیں کیا جو آگے کو بڑھ آئے ہمارا اُن کا عہد و پیمان اب شکست ہو گیا۔ اُن کو لڑائی کا بندوبست کرنا چاہیے اور اُس سفیر کو لشکر سے رخصت کر دیا اب نواب صاحب کو صلح کی امید جاتی رہی اور دوسرے دن اُنھیں پر سوار ہو کر آگے کو بڑھے اور موضع بھٹورہ کے کھیرے پر اُن کی فوج قبضہ کرنے لگی یہ مقام انگریزی فوج کے سامنے دو میل کے فاصلے پر معلوم ہوتا تھا۔ اور اب فتح گنج (یا فتح گنج غری) کہلاتا ہے۔

مقابلے میں روہیلوں کا انگریزی فوج پر غلبہ ظاہر کرنا مگر آخر کار شکست فاش پانا اور دہن کوہ کماؤن مین پناہ لینا

۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء مطابق ۲۸ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ ہجری رد جمعہ کو سنگھار کے

گر جرأت میں غیرت رستم تھے۔ نواب سید غلام محمد خان کی فوج کا پہلا مقام موضع ملک علاقہ رامپور میں ہوا اور یہاں انھوں نے سپاہ کی تنخواہ میں اشرافیہ تقسیم کیں۔ نواب صاحب نے اس مقام سے جنرل ابر کر مہی کو لکھا کہ آپ درمیان میں پڑ کر نواب وزیر سے ہماری صفائی کرا دیجئے جنرل صاحب نے جواب بھیجا کہ آپ مطمئن رہیے جب نواب آصف الدولہ یہاں آجائینگے تو میں صلح کرادوں گا مگر جس قدر نواب سید فیض اللہ خان بہادر کا ہے وہ میرے پاس پہونچا دیا جائے اور آپ اپنی سرحد سے قدم آگے کو نہ بڑھائیں۔ جب یہ جواب نواب صاحب کے پاس پہونچا اور انھوں نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا تو سب نے اتفاق جواب دیا کہ یہ بات اعتبار کے قابل نہیں جنرل صاحب نے یہ بہانہ اسلئے کیا ہے کہ لڑائی میں وقفہ ہو جانے سے انکو اتنی ہمت مل جائے کہ انکی فوج کے شریک وزیر کی فوج بھی ہو جائے اور دونوں فوجیں مل کر جنگ کریں اور سب نے یہی رائے دی کہ صلح کو آگے بڑھنا چاہیے۔ چنانچہ اس صلح کے بموجب ملک سے یہ فوج آگے بڑھی۔ نواب صاحب کے چھ بھائی اور تھے جن میں سے سید نظام علیخان سید فتح علیخان۔ عید حسن علی خان بریلی میں انگریزوں کے پاس پہونچ گئے تھے کیونکہ ہر ایک ان میں سے ریاست کا امیدوار تھا اور انگریزوں سے خفیہ عہدین کر چکا تھا۔ تین بھائی یعنی سید یعقوب علی خان۔ سید کریم اللہ خان سید قائم علیخان انکے ہمراہ تھے بلکہ ایک دن ایک اور گل کھلا کہ سپاہی نواب صاحب کے پاس ایک شخص کو پکڑ کر لائے اس شخص کی تلاش لی تو کمرین سے کئی خط لکھے یہ خط بعض افسروں کی طرف سے جنرل ابر کر مہی کے نام پر تھے ان کا مضمون یہ تھا کہ آپ اگر

نواب کے ہمراہ کھڑا تھا اور نواب سید محمد علی خان مقتول کا سمدھی تھا یہ نواب سید غلام محمد خان سے ظاہر میں موافق تھا اور باطن میں مخالف اسنے انگریزی فوج پر دھاوا کیا اور بنجو خان اور بلند خان کی جماعت کو ملک پہنچانے سے انکار کیا اور میدان جنگ سے سب اپنے ماتحت سپاہیوں کے بھاگ گیا اس کے بھاگنے ہی دفتہ میدان میں بھاگ پڑ گئی اور ایک دم میں میدان صاف ہو گیا۔ نواب سید غلام محمد خان کے ہمراہ صاحبزادہ سید احمد یار خان اور صاحبزادہ سید نصر اللہ خان اور دو چار رفیق باقی رہ گئے۔ جنگ کے اصرار سے نواب صاحب نے بھی مجبور ہو کر میدان چھوڑا اور رامپور کی طرف چلے راستے میں بھاگے ہوئے سپاہی اور سردار ملے کلم بیچ لٹائی ۲۹ ہجری روز کیشنبہ کو نواب صاحب رامپور میں داخل ہوئے اور تمام خزانے اور بیگمات اور بچوں کو لے کر پہاڑ کی طرف چلے گئے رعایاے شہر میں سے بہت سے شرفا اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر اُدھر ہی کو روانہ ہوئے مگر نواب سید احمد علی خان کی والدہ اپنے بیٹے کو لیکر رامپور سے نہیں نکلی۔ نواب موصوف اور یہ تمام مفروضہ پٹھان پہاڑ کی ایک گھاٹی میں جو نہایت دشوار گزار جگہ تھی پناہ گیر ہوئے انکے پناہ لینے کے مقام میں اختلاف ہے انتخاب یادگار میں لال ڈھنگ مذکور ہے اور یہ محض غلط ہے عالم شاہی اور جام جہان نامین ان کا فٹا چومین پناہ گزین ہونا ذکر کیا ہے قیصر التواریخ اور منتخب العلوم میں لکھا ہے کہ ریمڑ کی طرف پناہ لی ہے۔ دُورِ منظوم سے بھی کہ وہ نواب سید غلام محمد خان کلنگ نام

لفظین اختلاف ہے کہین فاکے بعد نون ہے کہین تاہے اور عماد السعادت کے نسخے میں فقیا چہ واقع ہے ۱۱

نواب سید غلام محمد خان اُس ٹیلے پر جہاں آج کل انگریزی کشتون کی یادگار کا پتھر نصب ہے مع اپنے بھائیوں اور سید نصر الدخان بن نواب سید عبداللہ خان خلع نواب سید علی محمد خان اور سید احمد یار خان بن سید محمد یار خان خلع نواب سید علی محمد خان اور محمد اکبر خان سپہر حافظ رحمت خان کے ہاتھیوں پر سوار کھڑے ہو کر اس لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے انھوں نے کپتان راعزی کی رجسٹ کی شکست دیکھ کر قبل از وقت فتح کے نعائے بجا دیے تھے۔ مگر جس قدر سوار ترک سواروں کو لٹا رہے ہوئے انگریزی کیپ میں گھس گئے تھے اُن کو کوئی کمک نہ پہنچی اور وہ لوگ لوٹ میں مصروف ہو گئے تھے کہ یکایک جنرل ابرکرمی نے گورون کی پلیٹن اور چار توپن اور بقولے دو توپن پٹھانوں کی سیدھی طرف گھا کر لگا دیں سلطان لکاپت میں لکھا ہے کہ قریب تھا کہ انگریزی فوج کا استیصال ہو جائے کہ جنرل ابرکرمی نے ایک پلیٹن اور چار توپن سے انٹانوں پر حملہ کیا اور ایسے وقت میں اپنے سپاہیوں کی بربادی کا بھی خیال نہ کیا جو پٹھانوں سے لڑ رہے تھے اسلئے پٹھانوں کو شکست ہو گئی تاریخ آصفی میں ہے کہ انگریزی جنرل جو قلب لشکر میں تھا اُس نے فوج سمینہ کو جمع کر کے روہیلوں پر توپن سے آگ بر آگ اور لوہے پر لوہا برسایا کہ تھوڑے عرصے میں پٹھانوں کا چڑھا ہوا زور ایک دم سیلاب کی مانند اُتر گیا اور بہت سے روہیلے مارے گئے آخر کار ایک ہزار روہیلے کام آئے اور باقی ماندہ نے منتشر اور متفرق ہو کر بھاگنا شروع کیا بھٹورے کے میدان کی فتح انگریزی فوج کے نصیب میں لکھی تھی انجام کار روہیلوں کو کامل شکست ہوئی اور کوئی پٹھان میدان میں باقی نہ با عث اس کا یہ ہے کہ دلیر خان کمانڈر جو پانچزار آدمیوں کے ساتھ

نچو خان اور بلند خان کے سرکٹ کر آصف الدولہ کے پاس لے گئے جو کمرے سے بریلی کو روانہ ہو چکے تھے لاہی کھیڑے کے پل کے پاس سواری پہنچی تھی کئی کئی میل دو نون سر لے کر پہنچا اور نواب کو دکھائے اور وہاں سے واپس لا کر فتح گنج کے کھیڑے میں دفن کیے گئے۔ آصف الدولہ نے بریلی کے باہر قیام کیا اور جنرل برکٹی کو کہلا بھیجا کہ آپ ہمارے پہنچنے تک آگے کو نہ بڑھیں جب نواب آصف الدولہ کا گذر میدان جنگ میں ہوا اور پٹھانوں کی لاشیں پڑی دکھیں تو راجہ جھاڈال کو حکم دیا کہ جتنے مقتول اس میدان میں پڑے ہیں اُن کی لاشیں دفن کر ادینی چاہئیں چنانچہ بہادر علی اس خدمت پر متعین کیا گیا اُس نے شتون کو جمع کر کے دفن کر دیا اور زخمیوں کو چنوا کر مرہم پٹی کے لیے جراح مقرر کیے جب وہ تندرست ہو گئے تو ہر ایک کو مکان تک پہنچ جانے کے لیے خرچ دے کر روانہ کیا۔

انگریزی اور آصفی فوجوں کا روہیلون کے تعاقب میں دامن کوہ کی طرف جانا اور نواب سید غلام محمد خان صاحب کا مجبور ہو کر اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دینا۔ آخر کار انگریزوں کی اجازت سے بیت اللہ کو جانا آصف الدولہ بریلی سے کوچ کر کے میر گنج میں انگریزی فوج سے ٹکڑیاں سے

۱۵ دیکھو آصف نامہ ۱۲

۱۶ دیکھو تاریخ مظفری ۱۲

ہے یہی ثابت ہوتا ہے اسکی نظم یہ ہے

رہ دامن کوہ را بر گرفت در فتح چون آن مظفر گرفت

نخستین مقامے بہر بیژن بود کہ یک جاسود لشکر جنگ سود

برہاراکہ در پائے آن درہ بود درم تیغ او برق کین مے نمود

گرفتند آن درہ از مورجل کہ تا ناید از خصم سیل خلل

اور عباس علی خان تخلص بہ عباس ولد زیارت خان نے اپنے سواخ میں لکھا ہے کہ میں نے لاہور میں یہ خبر سنی تھی کہ نواب سید غلام محمد خان نے کوہ چلکیا میں پناہ لی تھی۔

سربراہ برٹا برکری نے روہیلون کا دو جوڑا تک تعاقب کیا اس کے بعد مقتولوں کی لاشیں گاڑنے کے واسطے جنرل مذکور کو ایک روز وہاں قیام کرنا پڑا اور زخمی بریلی کو بھیج دیے گئے۔ اب لشکر آصف الدولہ کا حال سنئے جو تلہر میں مقیم تھا کہ جس وقت میدان جنگ میں لڑائی بگڑ گئی اور آصف الدولہ کے پاس اس بات کی خبر پہنچی تو انھوں نے عبدالرحمن خان قندھاری اور الماس خان کے رسالوں کو کرینل مارٹین کے ساتھ روانہ کیا اور ان کے عقب سے نواب آصف الدولہ خود سوار ہوئے اور جھاؤ لال کو حکم دیا کہ میدان جنگ سے جو خبریں موصول ہوں وہ ہم کو ہر وقت پہنچتی رہیں نواب وزیرا بھی کٹرہ کمائزی خان میں پہنچے تھے کہ ادھی رات کے وقت خبر ملی کہ نواب سید غلام محمد خان کو شکست ہوئی فتح کی تو پین چھوڑنے لگیں جھاؤ لال کو خدمت مرحمت ہوا انگریزی فوج اپنے مقتولوں کی لاشیں دفنانے سے فارغ ہو کر میر گنج کو چلی گئی اور شہبونا تھہ حاکم بریلی کے ملازم

جھاؤ لال گفتگو کے لیے مقرر ہوا۔ جھاؤ لال نے نواب سید غلام محمد خان کے پیغام مصالحت کے جواب میں آصف الدولہ کی طرف سے امن دینے کا وعدہ تو کیا لیکن ریاست پر قائم رکھنے کا کوئی صریح وعدہ نہیں کیا۔ صاحبزادہ سید نصر الدخان واپس آئے اور ان سے نواب سید غلام محمد خان صاحب یہ ناتمام جواب پراپید برآئی سے مایوس ہوئے اور اب انھوں نے مقابلہ جاری رکھنے کے خیال سے سپاہ کو اشرفیان تقسیم کین اور رسد حاصل کرنے کا یہ انتظام کیا کہ راجہ کوہستان کے پاس اپنا ایک ایلچی بھیج کر اُس سے استدعا کی کہ وہ بیواریوں کو حکم دیدے کہ وہ اُنکے لشکر میں رسد پہنچاتے رہیں۔ راجہ نے اُنکی استدعا پر دو ہیلون کے لشکر میں رسد پہنچانے کا حکم جاری کر دیا اور بہت سا غلہ پٹھانوں کے مورچوں میں آگیا۔ آصف الدولہ نے جب یہ دیکھا کہ دو ہیلے قابو میں نہیں آتے تو ایک روز شب کے وقت انگریزوں سے مشورہ کر کے یہ تجویز کیا کہ یہاں سے فوج کو آگے بڑھانا چاہیے تاکہ پٹھانوں پر رعب پڑے اور صلح کی طرف مائل ہوں چنانچہ پٹے سے فوج آگے بڑھائی گئی اور پہاڑ کے تلے تک اُن کا نقاب کیا گیا انگریزی فوج نواب آصف الدولہ کی سپاہ کے آگے تھی۔ انگریزی فوج کے آگے بڑھنے سے پٹھانوں کی سپاہ میں کوئی ہراس پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ انگریزی لشکر میں ہمیشہ اس بات کا خوف رہتا تھا کہ پٹھان توپوں پر کوئی حملہ نہ کر بیٹھیں یا شب خون ماریں اور جاڑا بخار بھی شدت سے انگریزی سپاہ میں پیدا ہو گیا تھا۔

نواب سید غلام محمد خان نے اُس مقام و شوار گزار کو ایسا حصار بنایا تھا کہ انگریزی فوج سے سر نہو سکا۔ تو ناچار انگریزوں نے اُن کی فوج کے سرداروں

دور فوجوں نے رامپور کی طرف کوچ کیا جب یہ لشکر رامپور کے قریب پہنچا تو جھاڑ لال نے آصف الدولہ کے حکم سے شہر کی محافظت کے لیے ایک پٹن مقرر کر دی تاکہ کوئی شخص سپاہ انگریزی یا آصفی کا رامپور میں گھسکر کسی کو لوٹے کھسوٹے نہیں اور حکم سنا دیا گیا کہ کوئی لشکری شہر میں نہ جائے نواب آصف الدولہ نے کسی کے کنائے مقام کیا اور میمان دودن دورات قیام کر کے فیروز من نواب سید غلام محمد خان کے نقاب میں کوچ کیا یہ فوجیں ریہڑ تاک پہنچیں اور میدان ٹپہ میں ٹھہریں۔ مولوی غلام ہیلانی رفعت درمنظوم میں کہتے ہیں۔

وز انجاد واسپہ بہ ریہڑ رسید بیدان ٹپہ بکین آر مید

مگر روہیلوں نے آصف الدولہ کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر ٹپہ کو پہلے ہی لوٹ کھسوٹ کرتا ہوا کر دیا تھا۔ انگریزی فوج نے روہیلوں پر بہت کچھ گولہ باری کی مگر ان کے مورچے ایسے محفوظ تھے کہ وہ ان مطلق نقصان کا اثر نہوا۔ جبکہ متفقہ فوجوں سے پٹھانوں کے مورچے مسخر نہ ہو سکے تو انگریزوں نے نواب سید غلام محمد خان کو تحریر کیا کہ آپ ہمارے پاس چلے آئیے اور صلح کر لیجیے نواب نے جواب دیا کہ مجھ کو پہلے سے صلح کا خیال تھا۔ آپ کی جانب سے لڑائی کی ابتدا ہوئی تو ناچار مجھ کو بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر آپ عہد و پیمان کر لیں تو میں آپ کے پاس چلا آؤں انگریزوں نے اس تحریر کا یہ جواب دیا کہ آپ بے کھٹکے چلے آئیں میمان آنے کے بعد سب امور متنازعہ فیصلہ ہو جائینگے۔ نواب صاحب نے اس امر کے استحکام اور صلح کی جنگی کی غرض سے صاحبزادہ سید نصر اللہ خان بن نواب سید عبداللہ خان خاں نواب سید علی محمد خان سفارت پر انگریزی کمپ میں روانہ کیا اور نواب آصف الدولہ کی طرف سے

نے نہ مانا اور کہا کہ میں اس معاملے میں تم سے زیادہ واقفیت رکھتا ہوں میرے والد
 (نور الدمرقدہ) کا معاملہ بھی انگریزوں کے توسط سے طے ہوا تھا اور وہ انگریزوں
 کے لشکر میں چلے گئے تھے اور تم اب لڑائی کو ختم کر دو ورنہ بنا ہوا کام بگڑ جائے گا اور
 بغیر کسی قسم کے قرار و مدار کے اسکاٹ صاحب کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ نواب موصوف
 کے انگریزی کیمپ میں چلے آنے کے بعد صاحبزادہ سید نصر الدخان بہت سی جمعیت
 کے ساتھ اپنے مورچوں میں ٹھہرے تھے۔ اس خیال سے کہ مبادا کوئی دغا بازی
 نواب موصوف کے ساتھ کی جائے تو وہ جنگ کو مستعد ہو کر زور ڈالیں اور نواب
 آصف الدولہ نواب سید غلام محمد خان صاحب کو رئیس رامپور تسلیم کر لیں یہ قول
 عوام و السعادت کے مؤلف کا ہے اور تاریخ آصفی کے خلاف ہے کیونکہ اُس میں لکھا
 ہے کہ نواب صاحب کا آنا خاص نصر الدخان کے اتفاق کی وجہ سے ہوا جنگ پوری حد
 نے درپردہ ملا کر نواب کی خیر خواہی سے پھیر دیا تھا بہر صورت آصف الدولہ نواب
 سید غلام محمد خان کی مسند نشینی کے خلاف تھے اور انھوں نے انگریزوں سے
 ضمانت صاف انکی مسند نشینی کی مخالفت ظاہر کی۔ کیمپ میں تشریف لے آنے
 کے بعد جنرل ابر کر مبی کی اور نواب صاحب کی ملاقات ہوئی معاملات ضروری
 کے بارے میں چند سوال و جواب ہو کر جنرل صاحب نے نواب صاحب کو اُس خیمے
 میں جانے کے لیے رخصت کیا جو انکی آسائش کے لیے پہلے سے تیار تھا جب وہ اُس
 پہونچ گئے تو اُس کے گرد پہرے کھڑے کر دیے نواب صاحب نے جرنیل کو کہا بھیجا کہ یہ تو
 وعدہ خلافی ہوئی جرنیل نے یہ جواب دیا کہ ہمارا اقرار آپ سے یہ تھا کہ آپ کی ذات
 کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچے گی ہر طرح کی آسائش کا سامان ملے گا اپنے اس قرار پر

کو خط لکھے کہ تم میان چلے آؤ تمھارے تصور معاف کیے گئے جب نواب صاحب کو یہ حال معلوم ہوا کہ انگریز میرے لشکر میں تفرقہ پر دازی کی فکر کر رہے ہیں اور انھوں نے میرے افسروں کو خط بھیجے ہیں تو انھوں نے عہدہ داروں سے وہ خط طلب کیے جو دل سے خیر خواہ تھے انھوں نے تو پیش کر دیے۔ منافقوں نے نہ دکھائے خط کے آنے سے انکار محض کیا نواب نے دل میں خیال کیا کہ دشمن تو صلح پر آمادہ ہے اور بعض ظاہری دوست دغا دہریہ کی فکر میں ہیں اس لیے یہ مناسب سمجھا کہ مخالف کے لشکر میں جلا جانا چاہیے علاوہ اسکے رسد کی بھی کمی ظاہر ہونے لگی تھی پس نواب صاحب نے اول صید خان کو انگریزی لشکر کے سپہ سالار کے پاس بھیج دیا تاکہ امور صلح طے ہو جائیں۔ جرنیل صاحب نے نواب صاحب کی حفاظت جان کی نگرانی کی تاک دینے کی نسبت کوئی عہدہ و پیمان نہیں کیا اور قرار پایا کہ اسکاٹ صاحب اور چیری صاحب نواب صاحب کو لانے کے لیے بھیجے جائیں اور ایک اقرار نامہ جرنیل صاحب کی طرف سے لکھا گیا اور وہ مہرون سے مکمل ہو کر صید خان کو دیا جو اسے نواب صاحب کے پاس لے گیا۔ نواب سید غلام محمد خان نے اپنے عزیز و اقارب کو جمع کر کے کہا کہ میری جگہ صاحبزادہ سید نصر الدخان کو سمجھنا چاہیے میں انگریزی لشکر میں جاتا ہوں خیر اندیش افسروں نے ان کے اس ارادے کو ناپسند کیا اور مشورہ دیا کہ آپکے وہاں جانے میں اندیشہ ہے۔ اس عرصے میں اسکاٹ صاحب نواب صاحب کے پاس پہنچ گیا اور چیری صاحب بن سے باہر کھڑا رہا۔ نواب صاحب اسکاٹ صاحب کے ساتھ روانگی کو طیار ہوئے عمر خان بڑ موپنچھے اور نواب صاحب کے چھوٹے بھائی کریم الدخان ساتھ ہوئے سپاہ نے اصرار کے ساتھ رد کیا لیکن نواب

کیے جائینگے البتہ نائب کا تقرر تھاری مرضی کے مطابق ہو گا جسکو تم منظور کرو گے ہم اسکو مقرر کر دینگے جو لوگ نواب سید غلام محمد خان کے ہوا خواہ تھے انھوں نے اس طرح صلح ناپسند کی اور انگریزی فوج کو تیر و بندوق سے تنگ کرنے لگے انگریزوں کے ہاں یہ مشورہ قرار پایا کہ جب تک نواب سید غلام محمد خان ہیمان موجود رہینگے روہیلے اپنی ہٹ سے باز نہ آئینگے اور صلح کی طرف کبھی مائل نہ ہونگے اسلئے جمعہ کی شب کو آدھی رات کے وقت ان کو ہاتھی پر بٹھا کر بہت سے سواروں کی حراست میں بنارس کی طرف بھیجا چند مدت کے بعد نواب صاحب نے بنارس میں اپنے اہل و عیال و اطفال و اعزہ و اقربا کو چھوڑ کر اور انگریزوں سے یہ اقرار کر کے رام پور کو نہ جا وینگے جج کعبۃ اللہ کا عزم کیا۔ ۱۶ شوال ۱۲۰۹ھ ہجری کو پٹنہ کی طرف چلے گئے اور کچھ دنوں وہاں رہ کر جہاز میں بیٹھنے کے لیے کلکتہ کی طرف کوچ کیا اور جج بیت اللہ سے فارغ ہو کر ماہ رجب ۱۲۰۹ھ ہجری میں کابل پہنچے اور وفادار خان کے ذریعہ سے زمان شاہ نبیرہ احمد شاہ ابدالی کی ملازمت سے مشرف ہوئے خلعت فاخرہ اور ناصر الملک محض اللہ ولہ مستعد جنگ بہادر خطاب پایا۔ یہ واقعہ ۲۲ شعبان ۱۲۰۹ھ ہجری کا ہے۔

روہیلوں کے ساتھ مصالحت ہو جانا

نواب سید غلام محمد خان کی روانگی کے بعد لشکر انگریزی اور آصفی روہیلوں

۱۷ تاریخ مظفری میں اسی طرح لکھا ہے۔ اخبار الصنادید میں شوال کی جگہ شعبان سمو القلم سے لکھ گیا

۱۷ منہ ۱۲ دیکھو واقعات درانی ۱۲

ہم اب بھی قائم ہیں لیکن ملک آپ کو نہیں مل سکتا۔ اب نواب صاحب کے ہاتھ میں چارہ کچھ نہ تھا مجبور تھے۔ مخالف کے قبضے میں آگئے تھے انھوں نے اپنی فوج میں کہلا بھیجا کہ میرے اہل و عیال اور خزانے کو میرے پاس پہنچا دو اور تم اب منتشر ہو جاؤ صلح کرو یا جنگ وہاں سپاہ کو جو یہ خبر پہنچی تو اس نے نواب کے بیٹے سید عبدالعلی خان کو سردار مقرر کر کے مقابلے پر کمانڈ ہی اور جھگل کی آڑ سے انگریزی لشکر پر بند دقین مارنے لگے اور رات کو بھی ستانے لگے۔ نواب صاحب نے انگریزوں سے کہا کہ جس قدر خزانہ وہاں موجود ہے وہ روہیلے لف کرینگے آپ مجھ کو یا عمر خان کو چھوڑ دیں تاکہ خزانہ بربادی سے بچا کر آپ کے لشکر میں لے آئیں انگریزوں نے نواب کو تو نہ چھوڑا عمر خان کو چھوڑ دیا جبکہ عمر خان نے لشکر روہیلے میں پہنچ کر انگریزوں کا یہ پیام سنایا کہ سارا خزانہ اور نواب سید غلام محمد خان کے اہل و عیال کو انگریزی لشکر میں بھیج دو۔ تو روہیلوں نے یہ جواب دیا کہ جب تک ہمارے تن میں جان باقی ہے ایسا نہیں کریں گے اور عمر خان کو بھی روک لیا عمر خان کے ساتھ جو آدمی انگریزی لشکر کے گئے تھے انھوں نے انکو واپس کر دیا اور کہہ دیا کہ مجھے بھی سپاہ روہیلہ نہیں چھوڑتی انگریز یہ خبر سن کر متوش ہوئے اور روہیلوں نے افغانہ کو کہلا بھیجا کہ ہم کو تنہا لے معاملات کی درستی منظور ہے اور تم ہم سے جنگ کرتے ہو نواب کا خزانہ لے کر یہاں چلے آؤ نصف ملک تمکو دیدیا جائے گا اگر فوج روہیلہ نے یہ جواب دیا کہ نواب سید غلام محمد خان کو ہمارے پاس پہنچا دو اس پر انگریزوں نے کہا کہ وہ رہا نہیں ہو سکتے کیونکہ نواب سید محمد علی خان کے بیٹے سید احمد علی خان مستحق ہیں وہ مسند نشین ریاست

اس مشورے کے بعد روہیلوں نے انگریزوں کو کہلا بھیجا کہ ہکو آپ کے حکم کی تعمیل منظور ہے اور ہماری خواہش یہ ہے کہ مختار و نائب ریاست نواب سید نصر اللہ خان مقرر کیے جائیں۔ آپ نے جو زبانی پیام دیا ہے اُس مضمون کو تحریر کر کے اور پختگی اُسکی قسم سے فرما کے بھیج دیجیے تو ہم سارا خزانہ بھی آپ کے پاس بھیج دیں اور اطاعت کو حاضر ہو جائیں۔ انگریزوں نے روہیلوں کی درخواست کے بموجب یہ مضمون لکھ بھیجا دوسرے روز صاحبزادہ سید نصر اللہ خان عہد نامے کی تکمیل کیلئے انگریزوں کے پاس چلے آئے۔ نواب آصف الدولہ نے نواب سید احمد علی خان اور اُنکی والدہ کو بھی رامپور سے لشکر میں طلب کر لیا تھا۔ یلگم نے بھی یہی خواہش ظاہر کی کہ نواب سید احمد علی خان کے نائب سید نصر اللہ خان مقرر کیے جائیں چنانچہ موضع پٹہ کے گھائے میں ۵ جمادی الاول ۱۲۰۹ھ ہجری کو عہد نامہ تحریر ہوا اس عہد نامے کی وجہ سے یہ قرار پایا کہ جو کچھ خزانہ خاندان نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کا ہو گا فوج روہیلہ اُسکو امانتہً کمپنی کے حوالے کر دیگی اور بعد حوالے ہو جانے خزانہ کے نواب آصف الدولہ اور انگریزی کمپنی کی فوجین یہاں سے روانہ ہوں گی اور فوج روہیلہ منتشر اور متفرق ہو کر جہاں چاہے گی چلی جائے گی اور نواب سید احمد علی خان کے ۲۱ سال کی عمر کو پہونچنے تک سید نصر اللہ خان بطور منصرم ریاست اور محافظ سید احمد علی خان کے مقرر ہوں گے۔

نواب سید احمد علی خان کو جس قدر ریاست دی گئی طول میں زیادہ سے زیادہ ۵۰ میل اور عرض میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ میل ہے کل رقبہ اس ریاست کا دیہی کاغذات کی رو سے ۸۹۹ میل مربع ہے۔ لیکن

کے دبانے کے لیے اُنکے مورچوں کی طرف بڑھا۔ اُدھر سے پٹھان بھی مقابل ہوئے
 بند و قین مارنے لگے چونکہ ردھیلے ایسے موقع پر پناہ گزین تھے کہ انگریزوں
 کی طرف سے اُنکو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا اسلئے اُن کا کوئی آدمی
 کام نہ آیا اور انگریزی فوج کے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ اگرچہ
 بڑے بڑے افسران ردھیلہ کی یہ مرضی نہ تھی کہ جنگ جاری رکھی جائے مگر سپاہ
 برابر لڑتی رہی کہ اتناے جنگ میں انگریزوں کی طرف سفید جھنڈی جنگ
 بند کر دینے کی علامت کے لیے ہلائی گئی۔ بعد اسکے انگریزوں کی طرف سے
 ایک ایچی اس مضمون کا خط لیکر ردھیلوں کے پاس گیا کہ یہ صورت اچھی نہیں
 سب اعزہ و اقارب اُٹھائے رامپور میں موجود ہیں مخالفت کے ترک کرنے کی
 صورت میں اُنکے واسطے بہت بڑا ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ لڑائی کو موقوف کر کے
 نواب کا خزانہ یہاں بھیج دو۔ نواب سید احمد علی خان کو مسند نشین ریاست
 کیا جائے گا اور جسکو تم نائب تجویز کرو گے اُسے نائب و مختار ریاست بنایا جائیگا۔
 اس تحریر کو دیکھ کر تمام سرداران ردھیلہ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ نواب سید
 غلام محمد خان مخالفانہ کے قبضے میں آگئے اُن کا رہا ہونا معلوم۔ دوسرے
 ہم یہاں محصور ہیں ہر طرح کی تکلیف اُٹھا رہے ہیں اور پہاڑ کی آبے ہوا منہایت
 خراب ہے بہت سے آدمی تپ و لرزہ اور اسہال کی بیماری میں مبتلا ہیں قوم
 اور طاقت کو بیک نقصان پہنچ رہا ہے اگر دشمن دباتا ہوا ہمارے مورچوں میں
 گھس آیا تو تمام عزت و ناموس برباد ہو جائے گی بہتر یہ ہے کہ انگریزوں کے حکم کی
 تعمیل کی جائے اور صاحبزادہ سید نصر اللہ خان کی نیابت کے لیے استدعا کی جائے۔

آصف الدولہ نے رامپور کے قریب پہونچکر اجیت پور میں مقام کیا اور دوسرے روز
سوار ہو کر رامپور کی سیر کو نکلے کوچہ و بازار میں پھرے کئی ہزار روپیہ مساکین کو
دیا۔ جب سید نصر اللہ خان کے دیرے کے پاس پہونچے تو انھوں نے ایک ہزار
اشرفیان نذر کیں اور وزیر اُنکے دیرے میں داخل ہوئے بعد اسکے آصف الدولہ
اور انگریز تمام فوج کے ساتھ ۲۵ جمادی الاول کو بریلی کی طرف چلے گئے۔
جب دونوں لشکر سرحد رامپور سے نکل گئے تو تمام پٹھان رامپور میں آکر اپنے
اپنے گھروں میں آباد ہوئے۔ خاندان ریاست رامپور اور نواب سید احمد علی خان
اور سید نصر اللہ خان آصف الدولہ کے ساتھ بریلی کو چلے گئے۔ وہاں جلاوی لاٹ
۱۲۰۹ء ہجری مطابق ۳ دسمبر ۱۸۲۴ء کو تفصیلی عہد ناموں کی تکمیل ہوئی۔ مگر
ان عہد ناموں میں عہد نامہ متبیدی کی اتنی مخالفت کی گئی کہ اس میں تو خزانہ نواب
سید فیض اللہ خان مرحوم کا کمپنی کے پاس امانت رکھا گیا تھا اور اب یہ شرط لکھی
گئی کہ کمپنی نے یہ سارا خزانہ نواب آصف الدولہ کو بطور نذرانہ بابت ریاست رامپور
کے اور بعض کل حقوق ضبطی وغیرہ مال و اسباب نواب سید فیض اللہ خان اور
نواب سید محمد علی خان کے دیدیا۔ جبکہ نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹوں نے
یہ دیکھا کہ سید نصر اللہ خان صاحب نائب ہو گئے تو انگریزوں سے کہا کہ ہماری
تخواہ کا تصفیہ کر دینا چاہیے تاکہ سید نصر اللہ خان پھر تغافل نہ کریں اس لیے
اُنکی تخواہیں بھی عہد نامے میں داخل کر دی گئیں اور نواب سید فیض اللہ خان
نے جس قدر تخواہ اپنے بیٹوں کی مقرر کی تھی نواب آصف الدولہ نے اس سے زیادہ
اُنکے درمابے مقرر کیے۔

دوسری تحقیقات کے مطابق رقبہ اس کا $\frac{1}{4}$ ۸۹۲ میل مربع معلوم ہوتا ہے
 اس ریاست کی آمدنی دس لاکھ روپیہ سالانہ اُس وقت میں قرار دیکر نواب
 سید احمد علی خان کے لیے مقرر کی تھی ۸۸ لاکھ ہجری میں ریاست رامپور چودہ لاکھ
 پچھتر ہزار روپے کی قرار پاکر نواب سید فیض الدخان بہادر کو عہد نامہ لال ڈاگ
 کے مطابق تفویض ہوئی تھی۔ اُنکے حسن انتظام سے آمدنی اسکی بائیس لاکھ روپے
 سالانہ کو پہنچ گئی تھی تو اس حساب سے اصل ریاست میں سے بارہ لاکھ روپے
 سالانہ کی آمدنی کا ملک کٹ گیا اور اس کاٹے ہوئے ملک کی تحصیل کا سزاوول نواب
 کی طرف سے عطا بیگ خان سرف مرزا کلن جو پہلے اعظم گڑھ کا حاکم تھا فوج شائستہ
 کے ساتھ مقرر ہوا جب یہ عہد نامہ تمیدی تحریر ہو چکا تو صاحبزادہ سید نصر الدخان
 روہیلون کے لشکر میں گئے اور تیس لاکھ اکیس ہزار اشر فیہاے سکھ چھپو بارہ چھٹروا
 مین لدوا کر انگریزی لشکر میں پہنچا دین اور چیری صاحب رزیمینٹ کے سپرد کر دیا
 جو انگریزی کمپنی کی جانب سے عہد نامے کی تکمیل کا ضامن تھا۔ نواب آصف الدو
 نے نواب سید فیض الدخان کے دیوان طوطا رام کو رامپور سے بلوا کر اُنکے خزانہ
 کا سب حساب سمجھا اُسے جمع خرچ پورا سمجھایا اور دیوان سے ملک کی نکاسی کا حصہ
 لیا گیا تو بائیس لاکھ روپے سے زائد آمدنی پائی گئی۔ بعد اس کے آصف الدو
 مع لشکر ذاتی و انگریزی دامن کوہ سے کوچ کر کے رامپور کی طرف روانہ ہوئے
 بعد اسکے چٹھانوں کی سپاہ اسپے مورچہ بن سے نکلی اور صاحبزادہ سید نصر الدخان
 روہیلون کے لشکر کو حضرت نگر میں چھوڑ کر آصف الدو کے لشکر میں شریک ہوئے

کے لیے پچیس ہزار روپیہ سالانہ اور محمد اکبر خان سپہر حافط رحمت خان کے لیے چھ ہزار روپیہ سالانہ اور بیگمات کے مصارف کے لیے اسی ہزار روپیہ سالانہ اور نواب سید غلام محمد خان کے بیٹوں کے لیے اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ۔ مجموعی تعداد ان مصارف کی چار لاکھ روپیہ سالانہ ہوئی باقی آمدنی سپاہ کے خرچ کے لیے مقرر کی اور اُس کے مطابق بند خرچ تیار ہو کر صا جزادہ سید نصر الدخان کو دربار میں دیدیا گیا۔ ۹ جمادی الاول ۱۱۰۹ھ ہجری کو نواب آصف الدولہ مع فوج انگریزی کے اودھ کو چلے گئے اور نواب سید احمد علی خان اور اُن کے اہل خاندان و افسران فوج رام پور کو روانہ ہو گئے۔ ۱۸ جمادی الاخریٰ کو نواب لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ جس دن نواب کا داخلہ لکھنؤ میں ہوا تمام چوک اور دوکانیں دور و یہ کمال حسن و خوبی سے نقش و نگار کے ساتھ آراستہ کی گئی تھیں۔ تمامی اور کتبواب کے تھان دوکانوں میں بچھائے گئے اور پری پکیر منڈیاں سر سے پائون تک زیور اور گران بہا پوشاکوں سے آراستہ ہو کر چھتوں پر کمر وں میں جلوہ گر تھیں اور تاشائون کا کوچہ و بازار میں ہجوم تھا۔ نواب نے روپے اور اشرفیان محتاجوں اور ارباب شاکو کو بخشیں۔ ناسخ نے آصف الدولہ کی فتحیابی کی تاریخ اس طرح موزون کی ہے ۵

مردہ لے ناسخ کہ با اقبال دجاہ
از پئے تاریخ این فتح مبین

بعد و نواب آصف فتحیافت
ہاں گویا نواب آصف فتحیافت

تاریخ شاہیہ میں لکھا ہے کہ نواب جس قدر خزانہ رام پور سے لائے اُس میں سے بہت سا روپیہ اُن انگریزوں کے عیال و اطفال کو حسب درجہ دیا جو اس لڑائی

نواب آصف الدولہ کا نواب سید احمد علی خان اور
 اُن کے امرا کو خلعت عطا کرنا اور ریاست رامپور
 کی آمدنی کے مصارف مقرر کر دینا بعد اس کے آصف الدولہ
 کا اودھ کو روانہ ہو جانا

منظم کتاب ہے کہ نواب آصف الدولہ نے ۱۱ جمادی الآخرے ۱۲۰۹ھ ہجری کو
 اپنے دربار میں نواب سید احمد علی خان کو طلب کر کے ایک خلعت عطا کیا جس میں
 ایک زرین دستار اور ایک ٹوپی اور ایک سر تیج اور کلغی اور موتیوں کی کالا اور
 سپر اور تیغ تھی اور ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی اور پالکی بھی دی۔ جب نواب سید
 احمد علی خان نامت پہن چکے تو ایک خلعت اُنکے نائب سید نصر الدخان کو دیا۔ پھر
 ریاست رامپور کے بائیس ارکان دولت کو طلب کر کے اُنکو بائیس خلعت عطا کیے۔
 اور نواب سید فیض الدخان کے بیٹوں کو بھی خلعت مرحمت کیے نواب آصف الدولہ
 نے آمدنی ریاست میں خرچ کا سالانہ اس طرح انتظام کیا کہ نواب سید احمد علی خان
 کی ذات خاص کے سالانہ مصارف کے لیے ایک لاکھ روپیہ سید نصر الدخان کے لیے
 سالانہ ساٹھ ہزار روپیہ۔ سید حسن علی خان و سید فتح علی خان و سید نظام علی خان
 ابنائے نواب سید فیض الدخان کے لیے سالانہ بہتر ہزار روپیہ اور سید یعقوب علی خان
 و سید قاسم علی خان و سید کریم الدخان ابنائے نواب سید فیض الدخان کے لیے
 سالانہ ساٹھ ہزار روپیہ اور سید احمد یار خان بن محمد یار خان پسر نواب سید
 علی محمد خان اور سید مصطفیٰ خان بن سید الہ یار خان خلف نواب سید علی محمد خان

حفظ و حراست کرے اور سارے چار لاکھ روپیہ سالانہ مظفر جنگ آصف الدولہ کو دیا کرے۔ اپنے عہد ریاست کے اخیر حصے میں نواب مظفر جنگ نے سارے چار لاکھ روپیہ خراج کی تخفیف لکھنؤ سے حاصل کر لے میں بہت کوشش کی اگرچہ وہ بذات خود ایک مرتبہ وہاں گیا لیکن اُسکی کوشش نے کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ وہ اُس شخص کے ہاتھ سے بچ گیا جسکو وہ یقین کرتا تھا کہ آصف الدولہ نے روپیہ نہ کر سکے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ ایک شخص بھاگو خان نامی نے اس مشکل میں اُسکی جان بچائی تھی۔ نواب مظفر جنگ نے ۳۸ برس کی عمر میں ایک خفیف علالت کے بعد ۲۲ اکتوبر ۱۷۷۷ء کو انتقال کیا زہر دینے کا شبہ کیا گیا۔ نواب آصف الدولہ اور مسٹر لیڈن ریڈنٹ لکھنؤ اس معاملے کی تحقیقات کرنے اور جانشین تجویز کرنے کے لیے فرخ آباد میں گئے۔ جھاؤ لال نے چاہا کہ فرخ آباد میں بھی آتش فتنہ مشتعل ہو۔ نواب وزیر کا فرج اس راہ پر لایا کہ مظفر جنگ کے بڑے بیٹے رستم علی خان نے اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے مسند نشینی کے لائق نہیں مناسب یہ ہے کہ اُسکی جگہ دوسرا بیٹا امجد حسین نصیر جنگ جو عاشق محل کے بطن سے تھا مسند نشین کیا جائے اور خداوند خان نائب بنایا جائے۔ جب افغانہ مؤوشمس آباد نے جو شریک دولت فرخ آباد تھے یہ خبر سنی تو انھوں نے نواب وزیر کی مداخلت خلاف سمجھ کر مفسدہ برپا کیا۔ آخر وہ جماعت جو خداوند خان کی مطیع تھی راجہ جھاؤ لال کی پاسداری کی وجہ سے مستعد مقابلہ ہوئی دوسری طرف سے امراؤ بیگم پہلی زوجہ نے بددکاری اپنے بھائی امین الدولہ کے اپنے بھتیجے دلاور جنگ پسر امین الدولہ کو جو اُس کا متبنی تھا پیش کیا فریقین مقابل نے نواب آصف الدولہ کی توجہ اور مہربانی حاصل کرنے کی کوشش کی آخر ش

مین کام آئے تھے چنانچہ کرنل برنگٹن کی میم کو چالیس ہزار روپے دیے۔

نواب مظفر جنگ والی فرخ آباد اور اُسکے ساتھ
سلطنت اودھ کے معاملات۔ مظفر جنگ کی
وفات ہونا اور اُس کا جانشین مقرر کرنے کے لیے
آصف الدولہ کا فرخ آباد کو جانا

نواب مظفر جنگ ایک کمزور اور نا تجربہ کار جوان آدمی تھا۔ اُسکے ملک میں
سے الماس علی خان عامل نواب وزیر نے قصبہ دھرہہ کو ایک غیر کافی خراج پر
لے لیا تھا۔ پرگٹھ حافظ ملو اور سوج ہمیشہ تاراج ہوتے ہے فتح گڑھ کے قریب کھاٹ
اُترنے کے محصول کو نواب وزیر کے افسر دن نے زبردستی لے لیا تھا۔ فرخ آباد
ویران ہو گیا وہاں پر کوئی مستقل حکومت کئی برسوں تک نہیں رہی۔ نواب آصف الدولہ
اور اُسکے نائب اور لکھنؤ اور فرخ آباد کے ریڈیٹوں اور فتح گڑھ کے کمپو کے حاکم
اور نواب مظفر جنگ اور اُسکے میں ناہون نے باری باری سے دست اندازی کی۔
اس نواب کی بھی ہر کار کمپنی مدت سے سرپرستی کرتی تھی اور نواب اودھ کی دست بڑ
سے بچاتی تھی۔ ابن نواب کا ملک طول میں ۵۰ میل اور عرض میں ۵۰ میل تھا
اور سائے ملک کی آمدنی ساتھ سے دس لاکھ روپے کی تھی۔ انگلش گورنمنٹ نے
مظفر جنگ اور آصف الدولہ کے درمیان ۱۸۵۷ء میں یہ عہدہ و پیمانہ کر دیے تھے
کہ نواب فرخ آباد اُس قدر سپاہ رکھے جو ریاست کے کاموں کو کرسکے اور نواب اودھ
ایک پلٹن اپنی سپاہ کی فرخ آباد میں ہمیشہ رکھیں جو نواب فرخ آباد اور ملک کی

مٹگیا کہ اتنا زیادہ روپیہ مصارف بیجا میں راگان خرچ ہوتا ہے اگر اس کے عوض
 خزانے میں جمع ہو تو کسی ضرورت کے وقت کام آئے نواب وزیر اس مضمون سے
 تامل گئے کہ یہ آتش افروزی ٹکیٹ اسے کی ہے ورنہ انگریز کچھ ہمارے ناصح نہیں
 سے ٹکیٹ اسے نواب کی نظروں سے گر گیا اور اس کے معزول کرنے پر آمادہ ہوئے
 سالہ ہجری میں ٹکیٹ اسے نے ایک فرد مہاجن شہر کے قرضے کی تعدادی
 پچھتر لاکھ روپیہ فاضلات کی خزانچی سے لکھو اگر نواب کے ملاحظے میں گذرائی اور
 عرض کیا کہ اس کا سود باعث نقصان سرکار ہے چونکہ نواب وزیر کو توجہ کاغذات
 کی جانب بہت کم تھی دیکھ کر نہایت برا فرختہ ہوا اور غضب میں آکر راجہ
 جھاؤل لال کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک حیدر بیگ خان زندہ رہا حکومت
 و کتاب کی تکلیف نہیں دی جبکہ ہم بذات خاص متوجہ اس کام کی طرف ہوں تو یہ
 کار پرداز لوگ جو لاکھوں روپیہ اپنے حقوق کا لیتے ہیں محض بیکار ہیں یہ سن کر پہلے
 جھاؤل لال خاموش رہا جب دوبارہ نواب وزیر نے ارشاد فرمایا اس وقت جھاؤل لال
 نے عرض کیا کہ راجہ ٹکیٹ اسے شہر کے مہاجنوں سے سازش رکھتا ہے اور بیخنا تھ
 جو خزانے کا دار و نہ ہے وہ ٹکیٹ اسے کا بھائی ہے اور اس کو آج اس قدر قدرت
 حاصل ہے کہ چاہے تو چاندی کی عمارت تعمیر کرے اور یہ سب دولت حضور کی بدولت
 ہے۔ نواب آصف الدولہ نے جھاؤل لال کو حکم دیا کہ مہاجنوں کو اپنی حویلی میں یا راجہ
 پھراج کے مکان میں بلا کر بات پیت کرے اور اسے بالک رام امین محاسب کا ہو غرض
 بہت سی تفتیش و تحقیق کے بعد حسب فیصلہ بالکرام کل گیر ہ لاکھ روپیہ مہاجن کا کلام
 باقی سب حساب مصنوعی تھا اس جرم میں بیخنا تھ خزانے کے عہدے سے علیحدہ ہوا اور یہ کام پھراج کو

وہ نزع بذریعہ مصالحت کے طے پائی جس کے بموجب نواب نصیر جنگ جو ہوقت
۱۳ یا ۱۴ برس کا تھا بنگرانے امین الدولہ جانشین ہوا اور یہ شرط ہوئی کہ نواب
کو پچاس ہزار روپیہ سالانہ ملنا چاہیے اور دوسرے معاملات میں امین الدولہ
اختیار تام رکھے اور مظفر جنگ کے بڑے بیٹے پر چرم زہر خورانی ثابت ہوا۔

سرفراز الدولہ اور راجہ گیٹ راسے سے نواب کی

ناموافقت ہونا جھالال کو سلطنت کے کاموں میں

داخلت کرنے سے انگریزوں کی طرف سے ممانعت

ہو جانا چیرمی صاحب کا عہدہ رزیدنٹی سے تبادلہ

علامہ فضل حسین خان کا عہدہ سفارت کلکتہ پر مقرر ہونا

ریاست اودھ کا حال روز بروز بدتر ہوتا جاتا تھا۔ گورنمنٹ انگریزی کا

زرموعود قرض سے ادا ہوتا تھا اگر کوئی پڑانا قرض ادا ہوتا تھا تو اس کے لیے

نیا قرض لیا جاتا تھا آمدنی ملک سے نہیں ادا ہوتا تھا۔ اس لیے سود پر سود بڑھتا

جاتا تھا۔ حیدر بیگ خان کی رحلت کے بعد سرفراز الدولہ اور راجہ گیٹ راسے

کلکتہ کو گئے تھے اور جو روپیہ سرکار کمپنی کا نواب وزیر کے ذمے قسطوں کی رو سے

تھا اُسکی وجہ سے سود میں قیش لاکھ روپیہ سالانہ دینا قرار پایا تھا۔ اُن روپوں

کا تقاضا اہل شہر اور عاملوں سے رہتا تھا۔ آخر کار گیٹ راسے نے نواب اصفی اللہ

کے کثرت مصارف کی شکایت لکھ کر گورنر جنرل کا خط نواب وزیر کے نام اس مضمون کا

۹
دیکھو تاریخ
مختصر

آیا اور گورنر جنرل نے نواب آصف الدولہ کو تحریر کیا کہ ہم نے آپ کی خواہش کے مطابق
جیری صاحب کو لکھنؤ سے علاحدہ کیا اب مناسب ہے کہ جھاؤ لال کو آپ کسی رو بہ ملک
میں مداخلت نہ یق اُس کو معطل کر دیں۔ مگر نواب وزیر نے جھاؤ لال سے لطف و کرم
کے نہ کیا اور جھاؤ لال نے بہت کوشش کی اور منشی عبدالقادر کی معرفت مسٹر
لیڈن رزیڈنٹ سے موافقت اور صفائی چاہی۔ مگر مسٹر جیری ایسی قباحتیں
نہ لکھ گیا تھا جو رزیڈنٹ کے مزاج کی اصلاح ہوتی۔
تفضل حسین خان کے نام عہدہ سفارت کلکتہ قرار پایا۔ وہ کلکتے کی جانب
روانہ ہوئے اور راجہ گو بند رام قوم ناگر جو اس سفارت پر مامور تھا موقوف
ہوا۔

نواب آصف الدولہ کی دادی کا انتقال

شجاع الدولہ کی ان نہایت عابدہ تھیں دین کے کاموں میں سر مو احتیاط کو ہاتھ
سے نہیں دیتی تھیں۔ اگلے زمانے کے عابدوں کی جو باتیں کتابوں میں دیکھی ہیں
وہ اس نیک بی بی میں جمع تھیں۔ حیا و عفت اور عدالت و سجا غرض کوئی ایسی صفت
نہو گی جو ان میں موجود نہ ہو اور باوجود ان اوصاف کے طنطنہ شجاعت سے بھی
خالی نہ تھیں حالانکہ عورتوں میں ایسی ہمت نہیں ہوتی ہے ان کی ہمت کے وقت
پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی ناز کے لیے فیض آباد میں زمینداروں اور
مالکوں سے زمین مول لی تھی۔ نواب شجاع الدولہ نے ان کے لیے دریائے کناس پر
ایک عہدہ مکان تیار کرنا شروع کیا تھا اس وجہ سے یہ موتی بلغ میں رہتی تھیں

دیا گیا جب ٹکٹ رے نظر نہ لگ گیا تو سرفراز الدولہ کے ذریعہ سے مسٹر چیری صاحب ریڈنٹ سے مل چلا اور سلسلہ جنبانی کی کر کوئی بات سود مند نہ ہوئی جبوقت راجہ ٹکٹ رے نے پھر کاغذات درست کر کے پیش کیے تو سرفراز الدولہ اور ریڈنٹ کی سفارش سے اُسکے دوبارہ دیوانی اور پیشکامی کا خلعت مرحمت ہوا۔ مگر نواب آصف الدولہ کا دل اُس سے اب بھی غبار آلودہ رہا۔ بلکہ سرفراز الدولہ کی طرف سے بھی مزاج میں کدورت آگئی۔ ریڈنٹ نے نواب کو مشورہ دیا کہ بخشی گری کی خدمت سرفراز الدولہ کے فرزند کے نامزد ہونی بہتر ہے اور دیوانی کا تعلق راجہ ٹکٹ رے سے مناسب ہے اور جہاؤ لال مصاحبت میں رہے اور باہم کوئی شخص کسی کے عہدے میں دست اندازی کرے اور پھر راج خزانے کے کام پر رہے۔ نواب وزیر نے سرفراز الدولہ سے کہا کہ تم ہمارے نائب ہو تم کو جہاؤ لال خیر خواہ پر نظر التفات لازم ہے اور ٹکٹ رے بدخواہ کو موقوف کرنا مناسب ہے۔ مگر سرفراز الدولہ کو ٹکٹ رے کا عزل منظور نہ تھا نواب وزیر نے کاغذات گذرانیدہ ٹکٹ رے کو جعلی قرار دیا اور سرفراز الدولہ کے بیٹے کو کم سنی کے سبب سے یا نگدہ خاطر کی وجہ سے بخشی گری نصیب نہ ہوئی یہ خدمت مرزا جعفر کو ملی جہاؤ لال کو مرزا جعفر اور راجہ ٹکٹ رے کا عزل منظور تھا۔ اس کارروائی کی وجہ سے نواب وزیر اور مسٹر چیری صاحب میں رنجش پیدا ہو گئی چیری صاحب نے لاہور سے ریڈنٹ لکھنؤ پر مقرر تھا۔ نواب نے سر جان شور صاحب کو راجہ ٹکٹ رے کو چیری صاحب کے تبادلے کے لیے لکھا اُنھوں نے اُس کو اودہ سے بنارس کو بلدیا اور وہاں محکمہ اپیل کا حاکم اعلیٰ کر دیا اور چیری صاحب کی جگہ مسٹر لٹین جوبنارس میں مقرر تھا ماہ ربیع الاول ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء مقرر ہو کر

کاتب نے جواب دیا چالیس سال کی بیگم نے کہا یہ تو بہت کم لکھی ہے اور بڑھانا چاہیے
اُسے دو عدد اور بڑھا دیے بیگم نے کہا کہ یہ کیا بڑھانا ہے چالیس میں اور دو میں
کچھ زیادہ فرق تعین ہے کاتب نے کہا کہ لو تھاری خاطر سے دو اور بڑھائے
دیتا ہوں بیگم نے خوشامد کی کہ اور بڑھائے وہ غائب ہو گیا بیگم بیدار ہوئیں تو بھین
کہ یہ یوں ہی خراب و خیال ہے لیکن بوجہ بشریت کے دل میں دغدغہ بنا رہا۔
جب نواب شجاع الدولہ کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر گئی اور روہیلون کی
مدد کے لیے رام گھاٹ کا سفر پیش آیا تو بیگم نے چاہا کہ کعبۃ العد کو چلی جائیں اور
وہاں رہ جائیں اگر کوئی حادثہ بیٹھے پر واقع ہو تو ایسے روز بد کو آنکھوں سے
نہ دیکھیں اور نواب سے اس بات کی اجازت منگائی انھوں نے جواب میں لکھا
کہ غلام بھی زیارات کا ارادہ رکھتا ہے اگلے سال ہر کاب چلے گا توقف فرمائیے
دوسرے سال روہیلون سے لڑائی پیش ہوئی اگرچہ نواب کو فتح حاصل ہو گئی
مگر بیگم کے دل میں دوسو اس رہا سیکھنے سے بھولی کہ نواب کے لشکر میں چلی گئیں
اور اُنکے ساتھ ساتھ فیض آباد آئیں نواب کے مرنے کے بعد پھر فیض آباد سے
نہ نکلیں صرف دو مرتبہ لکھنؤ کو آصف الدولہ کی خاطر سے جانے کا اتفاق ہوا
وزیر علی خان کی شادی سے واپس آنے کے بعد پھر کمین جانا انہو ہر سال
تین ماہ کے روزے رکھتی تھیں اور موتی باغ کے عقب میں عالیشان مسجد اور
امام باڑہ بنوایا بارہ برس تک سہ ماہہ روزوں کا معمول رہا وہ فیقہہ
شاہہ بھری کو ظہر کی نماز میں مشغول تھیں عین سجدے میں عالم جاودانی
کی راہ لی بیشتر سال کی عمر پائی بنگلہ خراب شد (۱۰ ۱۲) تاریخ وفات ہے

مکان ابھی ناتمام تھا کہ شجاع الدولہ کا انتقال ہو گیا پھر انھوں نے اپنی سکونت اسی باغ میں رکھی۔ چند چھوٹے چھوٹے ضلع جیسے علی گج فیض آباد کے پاس اور رے گنج اودھ میں اور ضلع بھٹائی متصل سلون وغیرہ اپنے متعلقین کے لیے لیکر انکی آمدنی پر قلعہ تھیں اور ہمیشہ عبادت دریاضت میں بسر کرتی تھیں انکے خواجہ سراؤں میں معزز آدمی یہ لوگ تھے محرم علی خان ناظر التفات علی حسان جاوید علی خان۔ مطبوع علی خان۔ میان بہرہ یاب۔ سخن فہم۔ میان شفقت۔ میان دانا۔ میان بختاور۔ سرہوش عرف فراست علی وغیرہ انہیں سے ہر ایک کے ساتھ رفیق و ندیم اور ملازموں کی جماعت حویلی کی محافظت کے لیے رہتی تھی جو پانسوا دیون کے قریب تھے۔ اور اچھے اچھے حکیم اور امیرزادے جو دلی کی تباہی کی وجہ سے نکل کھڑے ہوئے تھے انکی سرکار سے معقول تنخواہیں ملتے تھے۔ بیگم کی سرکار کا رویہ عہدِ عالمگیری اور نادر شاہی اُمرا کی وضع پر تھا۔ جب انکی سواری نکلتی تو جلو میں عمدہ عمدہ لباس پہنے ہوئے خاص بردار ہوتے نشان اور نقارہ ہاتھیوں پر آگے آگے چلتا اور سواری بھی آہستگی اور وقار کے ساتھ قدم بہ قدم چلتی۔

فیض بخش لکھا ہے کہ ایسا سننے میں آیا ہے کہ جب شجاع الدولہ انکے حکم میں تھے اور حل چھ ماہ کا ہو چکا تھا تو بیگم نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص لکڑی کے تختے پر کچھ لکھ رہا ہے انھوں نے اسکا نام پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ تم کیا لکھ رہے ہو کانہ نے جواب دیا کہ تمہارے پیٹ میں بیٹا ہے اُسکی عمر میں جو کچھ واقعات اُس کو پیش آئیوں ہیں وہ قلم بند کر رہا ہوں پھر بیگم نے پوچھا کہ اُسکی عمر کے سال کی لکھی ہے

اُنکی نوٹڈی اُنکے خزانے کی کلید دار تھی۔ جب سکھ بچن کو روپے کی ضرورت ہوتی تو بیگم صاحبہ سے عرض کرتی کہ روپوں کے نوٹڑوں کو دھوپ دینے کا حکم ہو جائے اور اُن سے اجازت لے کر تھیلیاں دھوپ میں رکھواتی جس قدر ضرورت ہوتی روپے لے لیتی اور شام کے وقت پھر تھیلیاں خزانے میں رکھ کر بیگم سے عرض کرتی کہ آج اس قدر روپیہ دھوپ میں خشک ہو گیا بیگم صاحبہ اس دروغ کو سچ سمجھ کر کبھی مزاحمت نہیں فرماتی تھیں۔

جس زمانے میں مطبوع علی خان اور محرم علی خان ناظر بیگم کے اموال کی بازخواست میں گرفتار تھے اُس زمانے میں خواجہ ہر علی خان نواب کی ماں کی طرف سے سالگرہ کے موقع پر نواب کے لیے خلعت لے کر فیض آباد سے لکھنؤ کو گیا تھا نصف اولہ نے خواجہ ہر علی خان سے کہا کہ دادی صاحبہ کے دولتخانے میں جمع خرچ کا کاغذ نہ تھا اس لیے اُنکے خواجہ سرا اس مصیبت میں گرفتار ہیں میں نے سنا ہے کہ اللہ رحمہ کے دولتخانے میں بھی کاغذ درست نہیں ہوتا ہے یہی سلوک تھا رے ساتھ کیا جائے گا خبردار رہنا چاہیے ابتدا سے آمد و خرچ کا کاغذ درست رکھنا چاہیے خواجہ ہر علی خان نے عرض کیا بہت خوب لیکن دل میں ڈر گیا اور ہمیشہ اس غم میں گھلتا رہا خدا کی شان تو دیکھیے کہ نواب اس فرمانے سے ایک سال اور کئی ماہ کے بعد مر گئے اور اُن کی ماں نے لکھنؤ پہونچ کر اُنکی سرکار میں سے اکثر سامان جیسے ہاتھی خیمے چھینسین بیل گاؤں بیل اور ہر شیر وغیرہ منتخب کر کے لیے اور اپنے ساتھ فیض آباد کو لے گئیں۔

گلاب باڑی میں شجاع الدولہ کے پہلو بہ پہلو دفن ہوئیں۔ انکے تمام خواجہ سرزدون
میں مطبوع علی خان صاحب اختیار و اعتبار۔ آسودہ۔ ہوشیار اور صاحب تدبیر
تھا۔ اسکی رفاقت میں بہت سے مغل اور شیخ جو صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھے رہتے
تھے۔ بیگم کے پاس۔ روپے اسٹرنیان۔ جو اہرات قیمتی دو شالے اور دوسرے نفیس
اور بیش قیمت کپڑے و اسباب نایاب کثرت سے تھا جو بہان الملک کے عہد سے جمع ہوتا
رہا تھا ان چیزوں کو مطبوع علی خان نے پھینکا چھپا کر اپنے ان صاحبان قاصدین
کے پاس جمع کر دیا کیونکہ یہی لوگ اُسکے پرانے رفیق اور معتمد تھے۔ آصف الدولہ
کی طرف سے تحسین علی خان خواجہ سر ضابطی کے لیے آیا اور اُس نے حساب نمبی کے واسطے
سب کو نظر بند اور قید کر لیا اور اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گیا نواب آصف الدولہ نے
مطبوع علی خان کو پاس بلا کر اپنے سر کی قسم دے کر مال و اسباب کا حال دریافت
کیا اس نکتہ کو جس قدر جمع کرایا تھا وہی بتایا اور نواب کے سر پر ہاتھ رکھ کر
جھوٹی قسم کھا گیا حالانکہ بڑی چوری کی تھی لیکن یہ شخص بھی اپنی زشت کرداری
کے ثمرہ مفید سے محروم رہا اُسکے متقی اور پرہیزگار تیس سال کے رفیقوں نے
ایک چیز واپس ندی اور وہ افشاں راز کے خوف سے خاموش تھا۔ بیگم مرحوم
کی پردہ نشین کنیزوں کو قلعہ کے ایک چرانے مکان میں اس طرح رکھ دیا جیسے
مشکے میں غلہ بھر دیتے ہیں اور گذراوقات کے لیے دو دو تین روپے تنخواہ کردی
اور یہ جو کچھ عمل میں آیا ہو بیگم والدہ آصف الدولہ کا طفیل تھا۔

بعض کتابوں میں بیگم کے بھولے پن کی ایک حکایت نظر سے گذری ہے
انکے نام کی ہوشیاری اور سمجھ اور طبیعت کے سامنے بعید معلوم ہوتی ہے کہ کچھ پن نام

دہال خاطر جانتے تھے۔ جھاؤ لال پر مرتے تھے اسی کو اپنا نائب بنانا چاہتے تھے۔ اس منظور نظر کی خاطر سے انھوں نے نیابت کا کام ظاہر میں اپنے ہاتھ میں لیا اور حقیقت میں اس کو دیدیا۔ جھاؤ لال نے جس طرح ریاست کا اندرونی انتظام درست کیا گورنر جنرل اور انکی کونسل سے موافقت پیدا کر سکا بلکہ جو کچھ اسکے ہاتھ سے وقوع میں آیا وہ ان کے خلاف تھا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب راجہ جھاؤ لال گورنر جنرل اور انکی کونسل کے ساتھ صفائی ہونے سے مایوس ہوا۔ تو اس نے درپردہ نامہ و پیام کا لپی کے مرہٹوں سے شروع کیا اور جو لڑکا جھاؤ لال کا نجبن طوائف کے بطن سے تھا اسکو ہمت بہادر کی بیٹی کے ساتھ منعقد کیا اور اپنی بیٹی کی شادی ہمت بہادر کے فرزند کے ساتھ کر دی تاکہ سلسلہ اتحاد مضبوط ہو اور ایک بیٹی محمد بخش خان کے ساتھ منعقد کی یہ شخص ترک توریانی شاہجہان آبادی تھا اور رامپور سے عمر خان بڑو منچھے کو بلایا گیا کی نواب کی سرکار میں نوکر رکھوایا اور دستور تھا کہ سید نصر الدین خان کو نواب سید احمد علی خان والی رام پور کے عہدہ نیابت سے موقوف کر کے عمر خان کو رامپور کا نائب بنائے تاکہ افاغندہ رامپور اور توریانیان شاہجہان آباد اور مرہٹان کا لپی کی ملت ضرورت کے وقت کام آئے اور جبکہ زمان شاہ بنیرہ احمد شاہ ابدالی کی لاہور کی طرف آمد کی خبر مشہور ہوئی تو راجہ جھاؤ لال نے یہاں سے شاہ کی خدمت میں نیاز مندی کے خفیہ پیام بھیجے اور ان سے موافقت چاہی اور قلعہ الہ آباد کی مرمت شروع کرائی اور یہ مشہور کیا کہ اگر ابدالی کی فوج اودھ پر چڑھائی کرے گی تو قلعہ الہ آباد میں پناہ لی جائیگی اور جھاؤ لال نواب وزیر کو صلاح دیتا تھا کہ حضور لکھنؤ سے قدم باہر رکھیں۔

جھاؤ لال کی سرکار وزیر مین خیر خواہیان اور
انگریزوں کی طرف سے مخالفانہ خیالات۔ جس
کی پاداش میں پٹنہ کی طرف جلا وطن کیا جانا۔
شاہ ابدالی کی چڑھائی کے حیلے اور اودھ کی
اصلاح کے نام سے گورنر جنرل کا قلعہ آباد میں
سپاہ فراہم کرنا

راجہ جھاؤ لال نے منشی غلام قادر خان میر منشی رزیدنٹ کا تھوڑا سا سہارا
پانے پر دست تسلط سلطنت کے کاموں میں دراز کیا اور سرداران سپاہ اور نواب
کے عزیز و اقارب اور نواب برہان الملک اور صفدر جنگ کے ہمسایوں کے
بہت سے مصارف کم اور موقوف کر کے ایسی بچت پیدا کی کہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ
انگریزی مہاجنوں کا جو راجہ ٹکٹ راس کے وقت سے سلطنت کے دوش پر
واجب الادا تھا چکا یا اور خزانے سے نقد چالیس لاکھ روپے لے کر سب انگریزوں
کا قرضہ بیباق کیا اور جو کچھ فی الجملہ باقی رہا اُس کو بلا سود چھ برسوں پر قسط بند کیا۔
اور اسکے سوا کچھ زر نقد بھی خزانے میں جمع کیا اور نواب کے امور حاکمی میں بھی
خیر خواہیان کین۔ نواب وزیر اکثر زبان سے فرمایا کرتے تھے کہ مرزا حسن رضا خان
اور ٹکٹ راس نے ہمارا گھر برباد کیا مگر جھاؤ لال نے پھر سر نو قائم کیا انکو اپنے نائب
حسن رضا خان اور راجہ ٹکٹ راس سے قلبی نفرت تھی انکو وہ اپنا عذاب جان اور

کو سمجھایا جائے کہ وہ اپنے نکلے سوار موقوف کر دیں اور انکی تنخواہ کی بچت سے ان سواروں کی رجٹوں کی تنخواہ دیا کریں۔ جب نواب سے یہ درخواست کی گئی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ مارچ ۱۷۹۴ء مطابق ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۱۱ھ میں سر جان شور گورنر جنرل نے علامہ تفضل حسین خان کو ساتھ لے کر کلکتے سے زمان شاہ ابدالی کے تدارک کے حیلے میں کوچ کیا۔ اور بنارس میں آئے اور یہاں سے بھی انگریزی فوج اٹھا کر لکھنؤ کی طرف روانہ ہوئے۔ نواب وزیر نے استقبال کر کے ملاقات کی۔ دو مطلب گورنر جنرل کے تھے ایک یہ سواروں کا خرچ نواب اپنے فمے لین جس سے وہ قطعی انکار کر چکے تھے دوسرے انتظام مکان میں اصلاح کر دین۔ گورنر جنرل کا کہنا خالی نہ گیا اس شامٹ کے ماسے نواب نے مان لیا کہ اگر ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ خرچ نہ ہو تو ایک جمٹ گورنر کے سواروں کی اور ایک ہندوستانی سواروں کی بڑھانی منظور ہے۔ گورنر جنرل اور آصف الدولہ دونوں لکھنؤ سے بھی آگے کو بڑھ گئے تھے۔ جبکہ زمان شاہ کی واپسی کا بل کی خبر ملی تو گورنر جنرل ماہ شوال ۱۲۱۱ھ ہجری میں وزیر سے رخصت ہو کر بنارس کی طرف سدھائے۔ چلتے وقت گورنر جنرل نے نواب آصف الدولہ سے درخواست کی کہ جھاؤ لال کو جسکی ذات سے مفیدہ بردہاری اور فتنہ انگیزی کی اکثر خبریں سموع ہوتی ہیں ہمارے حوالے کریں نواب سے اس وقت میں کہ عالم مجبور سی تھا۔ بھڑاسے کچھ بن نہ پڑا کہ جھاؤ لال کو حوالے کیا گورنر جنرل نے

۱۵ یہ لفظ نشی ذکاۃ اللہ صاحب کا عطیہ ہے

۱۶ دیکھو تاریخ مظفری ۱۲

یہ تمام خبریں کونسل کلکتہ تک پہنچیں گورنر جنرل اور انکی کونسل کو گمان ہوا کہ جھاؤ لال نواب دریر کو آمادہ مخالفت کرتا ہے گورنر جنرل نے اس جیلے سے کہ اگر ابدالی کا لشکر ادھر رخ کرے گا تو ہم تدارک کرینگے قلعہ الہ آباد میں انگریزی فوج جمع کرنی شروع کی۔ جبکہ زمان شاہ کو اخبار اور ہوا خواہان دولت کے عرض سے دریافت ہوا کہ اُنکے سوتیلے بھائی محمود نے جسکو وہ ہزیمت دیکر ترکستان کے پہاڑوں کی طرف بھگا آئے تھے ہرات کی طرف سر نکالا ہے تو وہ متدھار کی طرف لوٹ گئے۔ گورنر جنرل کامہ قلعہ الہ آباد میں فوج کے جمع کرنے سے یہ تھا کہ لکھنؤ کی حالت کی اصلاح کریں۔

نواب کے ملک میں انگریزی سپاہ بڑھتی جاتی تھی۔ وارن ہیسٹنگز کے وقت میں ایک برگید سپاہ رہتی تھی۔ لارڈ کارن والس کے زمانے میں دو برگید رہنے لگے اور نواب کی نالیافتی اور بد انتظامی کے باعث سے کمی روپے کی ہو کر پچاس لاکھ روپے اُسکے لیے جانے لگے اب اُس سے بھی زیادہ سپاہ رہنے لگی کیونکہ نواب میں نہ خود لیاقت تھی نہ انکی سپاہ اس قابل تھی کہ ملک کا انتظام کر سکتی اگرچہ تو یہ سودا و مفت تھا کہ ملک کی حفاظت غیر دن کی سپاہ سے اُسکی چوتھائی آمدنی میں ہوتی تھی اس سے زیادہ کیا سودا سستا ہو سکتا تھا ۱۲۲۱ اپریل ۱۸۹۶ء کو کورٹ ڈائرکٹر نے گورنر جنرل کو لکھا کہ بنگال میں جو دور جمٹین ہندوستانی سواروں کی ہیں ان میں دوا اور جمٹون کا اضافہ ہوا اور سرکار کمپنی کا خرچ نہ بڑھے اسلئے نواب آصف اللہ

۱۵ یہ الفاظ نواب کی شان میں جلد دوم عہد نامہ مجاز میں مندرج ہیں ۱۲

۱۶ دیکھو تاریخ منشی ذکا اللہ صاحب ۱۲

سلطنت اودھ کی نیابت پر تفضل حسین خان علامہ

کا مامور ہونا

پٹنے کی طرف جھاؤ لال کی روانگی کے بعد گورنر جنرل نے آصف الدولہ سے کہا کہ نیابت کا کام بدستور مرزا حسن رضا خان سے لیا جائے اور پیشکاری و دیوانی کا کام راجہ ٹکیت رائے کے سپرد کیا جائے نواب وزیر کامزاج جھاؤ لال کے جانے کی وجہ سے نہایت افسردہ ہو رہا تھا انھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر انھیں دونوں شخصوں کو نیابت اور دیوانی دینی منظور ہے تو میں عتبات عالیات کی طرف روانہ ہوتا ہوں مہینہ بھی دوسرا پیدا کرنا چاہیے میں تبدیل لباس کر دوں گا یہ جواب سنکر گورنر جنرل نے تامل کیا کچھ دنوں اہل شہر کو الماس علیخان خواجہ سرا کی طرف نیابت کا گمان تھا ریزیڈنٹ نے بھی اسی کو تجویز کیا تھا جس دن یہ ارادہ ہوا کہ اسکو آج خلعت نیابت دیا جائے اُسی دن چٹھی ممنوعی گورنر جنرل کی آگئی اسلئے مسڈن صاحب ریزیڈنٹ نے یہ ارادہ موقوف کیا آخر کار گورنر جنرل کی سفارش اور مشورے سے نواب وزیر نے تفضل حسین خان کو جنگلی ذہانت اور لیاقت پر گورنر جنرل کو اعتبار تھا سلطنت کے کام کے لیے تجویز کیا اور ان کو طلب کر کے انکی گردن میں ہاتھ ڈالکر کہا کہ اب میری عزت و آبرو تمھارے ہاتھ میں ہے نیابت قبول کرو انھوں نے چار دنا چار قبول کی اور خلعت سے منہل ہو گیا جیسا کہ تاریخ شاہیہ میں ہے۔ تفضل حسین خان نے اکرام الدخان کی معرفت سرفراز الدولہ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ میں نے بہت سا خون جگر کھایا تھا کہ

اُسکو پٹنے میں بھیج دیا اور پانچ ہزار روپیہ ماہوار مقرر کر دیا۔ اُس نے دہان عالی شان میں بنوائی اور ہمیشہ تعزیرہ داری بڑے تکلف سے کرتا تھا۔ سالہ ہجری میں بستر بیماری پر قضا کی اور انتقال کے وقت اپنے دفن کے لیے بوضع اسلام وصیت کی اُس کے تکلفات اور عیش وعشرت کا یہ حال تھا کہ جبکہ لکھنؤ میں رہتا تھا تو کھانا کھانے کے وقت اُسے اُس فرش پر چسپ کھانا کھانا ایک طرف رو بہرہ مسلمان طوائفین بیٹھتی اور ناچتی گاتی تھیں اور دوسری جانب ہندو کھانا کھانے میں مشغول ہوتے تھے۔ غرض کہ اُس کا تمام خاندان مطیع الاسلام تھا۔ اُسکی چند بیٹیاں بنجن طوائف سے تھیں جن میں سے ایک بیٹی نواب اشرف علی خان کے خاندان میں مرزا بھورا ولد مرزا ابراہیم کے ساتھ منسوب ہوئی تھی۔ بنجن طوائف کے بطن سے جس قدر اولاد تھی راجہ جھاؤ لال کے انتقال کے بعد اُس کے تمام متروکے پر متصرف ہوئی کیونکہ کوئی بیٹا ہم قوم عورت سے نہ تھا۔ بنجن جھاؤ لال کے بعد چند مدت راسے بالک رام سے متفق رہے ہی اس وجہ سے اُس کا درماہہ جاری رہا تو ٹھٹھے دنوں کے بعد ان دونوں میں نزاع خفیہ پیدا ہو گئی اس عرصے میں بنجن نے انتقال کیا۔ اور راسے بالک رام نے بھی راجہ جھاؤ لال کے بعد ترک لباس کیا۔ جھاؤ لال کے بعض سپاندون نے انگریزی سرداروں کا توسل پیدا کر کے اپنے اندوختے سے اوقات معمولی مقدر رکھ کر اعزاز و امتیاز کے ساتھ بسر کی۔ بریلی میں بالکرام کے جس قدر گائون تھے وہ اُس کے بیٹے رتن سنگھ کے نام سرکار انگریزی کی طرف سے بحال ہے۔

انگریزی اور لاطینی زبان بھی سیکھی تھی نیوٹن صاحب کے ڈفرنشل وغیرہ کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ غرض کہ تفضل حسین خان رفتہ رفتہ یعقوب علی خان خواجہ سرا کی وساطت سے شجاع الدولہ کے حضور تک پہنچ گئے اور اُن کے بیٹے یمن الدولہ سعادت علی خان کی تالیفی پر مقرر ہو گئے۔ جو وقت یمن الدولہ آباد میں تھے تو خان مذکور مصروف مطالعہ رہتے تھے۔ اور مولوی سید دلدار علی جو شاعر و شاعرانہ کے مجتہد تھے اُنکی وکالت کرتے تھے اور مولویان عصر سے مباحثہ رہتا تھا تفضل حسین خان کے آباد اجداد حنفی مذہب رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی ذات سے اثنا عشری مذہب اختیار کر لیا۔ جس زمانے میں سعادت علی خان نے نجف خان کے لشکر سے لکھنؤ آنے کا ارادہ کیا تھا تو نواب آصف الدولہ نے دارن سسٹنگز گورنر جنرل کو لکھا تھا کہ اگر سعادت علی خان لکھنؤ میں آتے ہیں تو آئیں مگر تفضل حسین خان اُن کے ساتھ نہ آئیں اسلئے تفضل حسین خان کا لکھنؤ میں آنا موقوف رہا۔ بالابالا کلکتے کو چلے گئے۔ شہرہ میں گوہر کے رانا لوکیندر سنگھ نے جو والیان دھوپور کا مورث اعلیٰ ہے اور جبکا ملک کوہستانی بہت وسیع جنما کے کنارے پراودہ اور سیندھیا کے ملکوں کے درمیان میں آگرے سے ساٹھ میل پر جنوب و مشرق میں واقع تھا انگریزوں سے ارتباط پیدا کرنا چاہا جسکو سیندھیا بہت دق کرتا تھا تو گورنر جنرل نے اُس سے ان شرائط پر عہد و پیمان کیے کہ رانا جو اکثر مرہٹوں کی دست درازی سے تنگ رہتا ہے اُسکو تہہ مرہٹوں کے ہاتھ سے خلاصی دلانے میں انگریز امداد کرینگے اور وہ انگریزوں کی امداد اپنے لشکر سے اُس حالت میں کرے گا کہ مرہٹے متصل کی ریاستوں پر ترک تازہ کریں۔ جبکہ مرہٹوں نے رانا کے ملک پر حملہ کرنا شروع کیا

کاروبار سلطنت کا حل و عقد بدستور آپ سے متعلق رہے لیکن اُسکے خلاف ظہور میں آیا امید ہے کہ اب آپ اس بات کا ملال فرمائیں گے۔ سرفراز الدولہ نے یہ خبر سُن کر اظہار مسرت کیا اور حضرت عباس کی حاضری منگا کر تقسیم کی اور خان موصوف سے کہلا بھیجا کہ اس بات سے ہم بہت خوش ہوئے۔

تفضل حسین خان کا سلسلہ نسب یوں ہے کہ سیف الدخان اور کرام الدخان دو حقیقی بھائی لاہور میں رہتے تھے۔ سیف الدخان کے پانچ بیٹے تھے (۱) حجت الدخان کہ عدالت بنارس کچھ دنوں اس سے متعلق رہی (۲) انعام الدخان یہ شخص لکھنؤ میں رہتا تھا (۳) احسان الدخان (۴) افضل الدخان (۵) اکرام الدخان ان پانچ بیٹوں کے سوا دو بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک بیٹی محمد حسین خان کے بیٹے کے ساتھ منسوب ہوئی اور دوسری بیٹی سلام الدخان پسر میر محمد کے ساتھ منفقہ تھی۔ سیف الدخان کا بھائی کرام الدخان مدت تک نواب معین الملک عرف میر منو صوبہ دار لاہور پسر قمر الدین خان وزیر اعظم محمد شاہ کی طرف سے وکالت پر مقرر رہا اور تین لاکھ روپیہ سالانہ پایا کیا۔ تفضل حسین خان اسی کرام الدخان کے بیٹے ہیں قصبہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے دلی میں آکر مولوی نظام الدین کے حلقہ درس میں داخل ہوئے اور علم ریاضی خیر الد مہندس سے سیکھا۔ ملا نظام الدین کے بعد لکھنؤ کو چلے گئے۔ اور قرنگی محل میں ملا حسن سے استفادہ کیا سبق کے وقت حاکمانہ اعتراض کرتے ملا حسن خفا ہو کر کتاب کو زمین پر دے مارتے تھے آخر کار اپنے حلقہ درس میں آنے کی مانعت کی۔ بعد ازاں تفضل اور سعد الدخان شاہجہانی کے علامہ کا خطاب اگر ہوا تو تفضل حسین خان کے لیے تسلیم ہوا ہے۔ اُنھوں نے

کا ایک عامل تھا اپنا مشیر بنایا مگر جب خان مذکور ریاست کے کام میں تنگ ہوتے تھے تو اکثر کہتے تھے کہ مجھ کو مطالعہ کتب اور مشغلہ درس و تدریس اس نیابت سے بہتر تھا۔

تاریخ شاہیہ میں لکھا ہے کہ تفضل حسین خان کتب حکمت پر متوجہ رہتے تھے اس لیے وزیر سے صحبت برآر نہ ہوئی۔ نواب انتظام موجودہ سے بے حد رنجیدہ تھے چنانچہ فرح بخش میں محمد فیض بخش نے لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ پیش از فوت خود بیس سال رو بروے مردم اردلی کہ ہر وقت حاضر حضور بودند بیشتر حرف می زدند چنانچہ خبر آمد آمد زمان شاہ درین ملک شہرت گرفت فرمودند کہ ہمہ کسان ٹنگان این ملک تماشای آمد شاہ خواهند کرد الا من کہ نخواہم دید۔ حسن رضا خان ماہ رمضان ۱۱۰۰ ہجری میں اپنے کام سے سبکدوش ہوئے تھے اور ابتداء ماہ شوال سے تفضل حسین خان نے نیابت کے بوجھ بھار کو سنبھالا تھا۔

نواب آصف الدولہ کی وفات

ایک تو وزیر کو جھاؤ لال کی مفارقت کا رنج تھا دوسرے نیابت کا نقرہ بھی اُن کے حسب دلخواہ نہوا جیسا کہ تاریخ شاہیہ نیشاپوریہ میں مذکور ہے اس لیے ابھی اس تغیر کو پورا ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ اوائل صفر ۱۱۰۰ ہجری سے نواب وزیر کا مزاج جادہ اعتدال سے منحرف ہونا شروع ہوا۔ ابتداءً نواب شراب پیا کرتے تھے پھر اُسکے استعمال سے توبہ کر کے بھنگ سے مشغلہ رہا اس کو چھوڑ کر

تو کپتان پوچھم کی افسری میں ایک دستہ سپاہ ششہ میں رائا کی مدد کو بھیجا گیا جسے گوہر کے ملک سے مرہٹوں کو لٹا کر بھگا دیا اور مشہور قلعہ گوالیر کا بھی ۱۴ اگست ۱۸۵۷ء مطابق ۲ شعبان ۱۲۹۵ھ ہجری کو فتح کر کے رائا کو دیدیا۔ فضل حسین خان نے اُس وقت میں کمان افسر کے ساتھ جاکر رائے گوہر کی کارروائی میں مدد کی تھی اور انگریزوں میں اُن کا رُسوخ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ بام صاحب کے ساتھ لکھنؤ میں آئے اور اُن کے ساتھ رامپور کو گئے ۱۸۵۷ء میں پندرہ لاکھ روپے نواب سید فیض السد خان سے آصف الدولہ کو دلانے کی عوض میں نواب سید فیض السد خان کو فرض مدد ہی سپاہ سے بری کرایا۔ بعد اسکے فضل حسین خان پھر کلکتے کو چلے گئے اور جبکہ وارن ہیسٹنگز ۱۸۵۷ء میں کلکتے سے لکھنؤ میں آئے تو فضل حسین خان کو اپنے ہمراہ لاکر نواب آصف الدولہ کی ملازمت کرائی اور بہت کچھ سفارش کی آخر کار نواب نے فضل حسین خان کو راجہ گوہندر رام ناگر کی عوض میں اپنی ریاست کی طرف سے گورنر جنرل کے پاس سفیر مقرر کر دیا اور سلطنت عظیم و حل نصیب ہوا وہ اپنے علم اور حسن تدبیر سے اُدھر معتد سرکار انگریزی کے ادھر رکن سلطنت کے تھے فضل حسین خان نے انتظام شروع کیا۔ سلسلہ انتظام جدید میں مرزا جعفر کو بخشی گری کا عہدہ دیا اور خلعت دلایا اور حیدر بیگ خان کے بعض رفقا کو دیوانخانہ اور کوتوالی کی خدمت پر مامور کیا۔ اور نصیر الدولہ سید معزز خان کو پھر کام کا اُمیدوار کیا مگر انھوں نے اُس زمانے میں تبدیل لباس کیا اور دنیا داری کے تعلقات کو ترک کر دیا تھا اور عمر بھی زیادہ تھی اس وجہ سے نوکری اور علاقہ کچھ قبول نہ کیا۔ فضل حسین خان نے مرزا امجد علی کو جو سرکار وزیر

شش جہت سے کوچ کیا۔ ۱۲۵ھ ذیقعدہ ۷۵۰ھ ہجری کو مقام فیض آباد میں
مسند حکومت پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے اپنا دار الحکومت لکھنؤ مقرر کیا تاہم مظفری کی
روایت کے بموجب اُنچاس برس کی عمر پائی اور وزیر نامے سے ثابت ہے کہ
وہ پچاس سال سے زیادہ عمر پا کر فوت ہوئے۔ کیونکہ او آخر ۱۳۰۰ھ ہجری میں پہلو
تھے۔ آغا محمد زیم روضہ خوان مصنف بحر البکانے کہ روضہ خوانی و مرثیہ گوئی اور
خوش بیانی میں کمال رکھتا تھا نواب وزیر کے مدفن کی تاریخ اس طرح نکالی ہے
ہہنار و روح وریحان و جنات نعیم۔ نواب دزیر عتبات عالیات کے زدارون
کی نہایت خبر گیری کرتے تھے سیکڑ دن کوٹھے خاک کر بلا اور تبرکات کر بلا و جفلت
سے معمور تھے باوجود اس شمت و عظمت کے انتقال کے وقت جملہ کوٹھوں پر دفعتاً
مہر و قفل لگ گئے۔ اسلئے مرزا حسن رضا خان کے ہاں سے خاک کر بلا اور امن کا
خاص کفن منگا کر دیا گیا اور وہ نواب کے نصیب ہوا اور نواب اپنے امام باڑے
میں دفن ہوئے۔ نواب کی سرکار میں اس وقت تک دو ہزار ہاتھی موجود تھے۔
انکے عہد میں برت اور پھول اور گلاب باوجود کثرت کے لوگوں کو بہت کم میسر
ہوتے تھے یہ جملہ چیزیں سرکاری کارخانے میں جاتی تھیں۔

تاریخ وفات از آغا محمد بندیم

گلشن عشرت تباراج خزانِ فت لے زیم	شامہ استشام حسرت نے غاید در نسیم
آصف کین نہ صدف را یک در شہوار بود	آن در شہوار رفت از دست دعا شد تیر
لکھنؤ بے آفتاب	شہر یونان بے مسج و طور سینا بے کلیم

افیون پر ٹھہرے اور پہلے حقے سے طبیعت کشیدہ تھی گلاب و مساز تھامرض نے
 ہاتھ پانوں نکالے دوا اور غذا میں بے اعتدالیان واقع ہوئیں اطباء حادث
 جیسے شفا فی خان اور حکیم صادق خان وغیرہ کہ ہر ایک صاحب تصانیف تھا
 معالج تھے مگر نواب وزیر کہا کرتے تھے کہ اب میں زندگی کا خواستگار نہیں بلکہ
 عوام میں مشہور تھا کہ جھاؤ لال کے جانے سے نواب وزیر کو اپنی جان عزیز و مال
 ہے بلکہ دوا سے اجتناب تھا آخر میں استقسا پیدا ہو گیا برن کا پانی کثرت
 سے پیتے تھے مرض نے طول کھینچا دوا کا استعمال بھی ترک ہوا اور علاج بھی موثر
 کیا۔ انکی بان بھی عیادت کو آکر برج طلائئ میں اترتی تھیں نواب بہت استعمال
 کرتے تھے بیماری کے تمام عرصے میں کبھی دنیا سے رحلت ہونے کا افسوس اور رخصت
 و ملال کا کوئی لفظ زبان پر نہ آیا اگر کبھی کوئی اُن کا ذکر انکی حالت زار دیکھ کر
 حزن و ملال کی بات کہ بیٹھنا تو غصے ہو کر سامنے سے دور کر دیتے۔ اگر کبھی فضل حسین
 یار زیڈنت مزاج پرسی کے لیے آجاتے تو فوراً اپنے آپ کو درست کر کے صبح و سالم
 و کھاتے اور بات چیت اُسی شوکت و لطیفی کے ساتھ کرتے جو محنت کی حالت میں
 دستور تھا مگر انکی بان کا دل بے چین تھا جب سامنے آتین تو بے اختیار رونے
 لگتین اُس وقت نواب کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے جتنی دیر دو لڑن
 مان بیٹے مقابل رہتے سوار رونے دھونے کے دوسری بات نکرتے۔ ۲۳ برس اور
 کچھ مہینے ریاست کی تھی کہ بہمراۃ کے دن ۲۸ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ ہجری کو اس

لسفہ: تاریخ اور فتح بخش مولفہ فیض بخش من اسطرح ہے تاریخ مظفری میں انکی وفات کی تاریخ سلطہ ربیع الاول
 لکھی ہے اس تاریخ میں دن کو کہتے ہیں جسکی شام کو ہلال نمودار ہو شاہ محمد اہل کی نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسدن

ہاتھ گنت سال تاریخیں شد مراش بزیں پائے حسین

دیگر

لے آفتاب زود بزیں زمین شدی در لاک غیب والی تلج و نگین شدی
بے توہانیان بعد از قیامت اند فکر جهان نہ کردی بہ خلد برین شدی

دیگر بہ تعصیہ

از دقائش بے سرو پا گشتہ اند قلم و نسق و ہیبت و ہمت کرم

از شاہ محمد اجل الہ آبادی

دنیہ اعظم دستور انجم گرامی گوہرے از دُلہ آدم
ابا عن جد امیر ابن الامیر ابا عن جد وزیر ابن الوزیر
سلیمان خست و آصف شکوہ فرید دن صولت و در علم کوہے
جناب آصف الدولہ کہ در جود نظیر او بعالم کسرک بود
کسے از فتنہ گر جُستے پناہے پریدے کٹورس آرا مگلہے
ہزاران مردم از اقصاء عالم ہزاران یافتند از دے دارم
نیاز آتش بخت کر بلا رفت نہ پنہان بارہ بارہ بر ملا رفت
بشہد ہنرے آورد آن یگانہ کہ باشد یادگارش ہر زمانہ
غلام ہمت اور حاتم طے بود از بند گانش من بن لے
سزا پامظہر جود و سخاوت ز نو شر دان فردن ز در عدلت
چو خورد بے زمین تابندہ میثبت جہان بخشش او زندہ میثبت

وار د آصف عشر تے درجن آصف لای شد انبیا ہمد سلیمان ہم نفس آصف ندیم
نقش بند کائناتون بر تربت صف نوشت ہمار روح در مکان و جنات نعیم

قطعه دیگر

گرد پدر و د جهان را چو وزیر اعظم ماتش اہل جہان را ہمہ خون در دل کرد
ہاتھائین مصرعہ تاریخ و فاش بر خواند آصف الدولہ بہ فر دوس برین منزل کرد

دیگر

الہی آصف الدولہ بہاد بحق نائب تو باد مغفور
نو شتم سال تاریخ و فاش بود با حیدر کرار محشور

دیگر

وزیر جہان آصف الدولہ رفت بخت چو زین خاکدان خراب
بہ شب ہائے دیجور ایام نور بدل گشتہ در دیدہ شیخ و شاب
زیلاب اشک صفار و کبار بنائے امید جہان شد بر آب
درینا جگر ہائے عالم نمود چہا آتش ماتم او کباب
مذاقم چرا از سر روزگار ید رحمت خود کشید آن جناب
پے سال تاریخ او چون شبے فتادم در اندیشہ بحساب
سحر آسمانم رسید این صدا بزمیر زمین حیف شد آفتاب

دیگر

گرد رحلت چو آصف الدولہ بتلا شد جہان با تم و شین

بطور تسمیہ تاریخ دیگر + گونخشش تمام وجود بے سر

خدا یا جائے او خلد برین باد

طفیل احمد و اولاد امجاد

دیگر

آصف الدولہ وزیر اعظم ہندوستان کرد رحلت گشت حال ہل عالم بس تباہ
سال تاریخ وفات آن امیر ذوالکرام گفت ہاتھ عمدہ ماتم عمدہ ماتم آہ

بزبان ہندی

ایک سہس آٹھ سے چون سببت کا پران بارہ سے بارہ سنہ ہجری جانت سکل جہان
کوار مانس پر یواسدی جمعرات مدھیان اٹھائیسین ربیع الاول آصف تجو پران

نواب آصف الدولہ کی ازولج و اولاد

نواب آصف الدولہ شمس النساء یگم بنت نواب انتظام الدولہ خان خانان
بن نواب قمر الدین خان وزیر اعظم ہندوستان کے ساتھ بیامہے گئے تھے۔ یہ بیگم
قلعہ بھی بھون میں رہتی تھیں لا دلہ رہیں کبھی نواب سے موافقت بھی نہ رہی نواب گنج
کے قریب بہر تاب گنج جسکی آمدنی ساٹھ ہزار روپے سال کی تھی انکی جاگیروں تھا اور
نواب آصف الدولہ کی سرکاری سے ساٹھ روپے روز کا خاصہ (امرا کا کھانا) مقرر تھا
نواب سعادت علی خان نے اپنے عہد میں کچھ آمدنی بازار اور گومتی کے پل کی ضبط کی
لوٹھا ہو کر اپنی جاگیر کو چلی گئیں کرنل پٹی صاحب رزیدنٹ لکھنؤ نمائش کو گئے

اگر چه خان خان کان هم بود
 درین ایام بودے خان خانان
 در یغارت آن میر جوآن تخت
 در یغا آن سپهر جو و حشمت
 ازین ملک فنادل سیر گردید
 در یغا آن امیر پاک طینت
 بتنگ آمد ز بس زین دار فانی
 بر روز پنجشنبه آه صد آه
 ربیع الاول بست و منم بود
 مرا شفق را این غم چون رسانند
 چه گویم آنچه شد حال دل من
 در انحالت بخود هرگز نماندم
 بغیر ناله دآه و فغان هیچ
 بدل حسرت به چشم اشک بلب آه
 هزاران آه می کردم در آن شب
 ازان جمله شرم چون دو صد آه
 شمار این دو صد آه دود آهم
 دیگر تاریخ فوت او بنام گاه
 دیگر تاریخ گفته جان بر تفت

امیر عالی من هم نه کم بود
 از دے خواستے انعام و حسان
 در یغا بست ازین دار العنارت
 ملک جاودانی کرد رحلت
 ملک لایزالی گنج بگزید
 که ناید کس نظیرش در بصیرت
 نموده بند و بست جاودانی
 وداع این جهان نمود ناگاه
 که رحلت آن سپهر جو و بنود
 نشید هم جو ماتم چون رسانند
 چه گویم آنچه شد غم حاصل من
 بخرخ هفتمین ناله رساندم
 نموده با من سر تاوان هیچ
 ز وقت شام تا وقت سحر گاه
 دها تم بود از آهم لب لب
 فزودم هم بران دو آه جانگاه
 بود بر سال تر حلیش گوا هم
 غم آصف بگفتم با سر آه
 سلیمان نمانده آصفی رفت

نیر علی خان تھا۔

تذکرہ حکومتہ المسلمین میں لکھا ہے کہ یہ ایک فراس کا بیٹا تھا نواب نے اسکو
بلکر وزیر علی خان نام رکھا تھا۔

نواب آصف الدولہ کے عہد میں تعداد سپاہ

انکے وقت میں اسی ہزار پیادے اور بیس ہزار سوار تھے اور بعض نے
اسی پچیس ہزار اور پندرہ ہزار سوار بتائے ہیں دکن کی مرہٹوں کی لڑائی میں آصف الدولہ
نے انگریزوں کو بہت مدد دی اور اپنی فوج جرنیل مارنیں اور عبدالرحمن خان
مندیاری کے زیر حکم بھیجی اور کرنیل گاڈر بھی جہازات اور دکن کی مہموں میں انگریزوں
کی کمک کے لیے مامور ہوا تھا اور گوہر وغیرہ قبضہ و تصرف میں لایا تھا۔

نواب آصف الدولہ کا اسراف

تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خم خانہ جاوید میں لکھا ہے کہ انکی سخاوت
ہندوستان میں ضرب المثل ہے چنانچہ مشہور ہے جسے مے مولائے نے آصف الدولہ
یہ مثال آج تک زبان زد خاص و عام ہے انکی فیاضی کی عجیب و غریب حکایتیں
مشہور ہیں ایک مرتبہ آپ نے لاکھ دانوں کی تسبیح بھولے بن کر ایک بڑھیاسے
لاکر روپے میں خرید لی کسی اور موقع پر ایک ضعیفہ کو اس کے اس گمان پر کہ وہ
بچے کو ہے کی تلوار کو پارس سمجھتی تھی اس تلوار کے ہوزن سونا دلا دیا غریبی پریش
اور اہل کمال کی قدر افزائی کی نئی نئی تجویز میں نکالا کرتے تھے داد و دہش کو

نما آخیاں تھا کہ نواب سعادت علی خان خود منائے کو آئیے گریہ خیال خام تھا
ایک مہینے کے بعد جاگیر سے الہ آباد کو چلی گئیں۔ وہیں کئی مہینے کے بعد انتقال کیا
غازی الدین حیدر بن نواب سعادت علی خان کے عہد میں انکی لاش لکھنؤ میں آئی
ایک ضریح چاندی کی انکی قبر پر بھی نوافی ضریح قبر نواب آصف الدولہ کے رکھوا دی
تھی۔ مرزائی صاحب وغیرہ مرہوم کے متعلقین تھے۔ سرکار نے انکے سب متعلقین کو پیش
دستی ہی جو نسلاً بعد نسل ہے۔ نواب مظفر حسین خان کنتا تھا کہ نقطہ دیکھتے برہان خان وغیرہ نقطہ نواب
آصف الدولہ کسی محل سے مجھے تھے وہ سن ظلی میں مر گئے باقی اور بیٹے و بیٹیاں نواب کی اولاد لکھنؤ تھی نہ لکھنؤ
مرزا فیج السوائے نواب موصوف کے ان دونوں فرزند کی تاریخیں اس طرح موزون کی ہیں۔

شدم در فکر نارنج تولد
کہ ہاتف گفت ناگہ از سر ہوش
براس آن گل بلغ نجابت
گر امی گو بہر درج سیادت
دیگر

تھا اسی فکر سوچ میں کہ مجھے
آج اقبال سر پہ ہے لکے
ہوا حق کی طرف سے یہ الامام
کہہ کہ ہے فخر مادر ایام
مفتاح التوازیج میں لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ کو عورتوں سے مطلق شرف
نہ تھا بلکہ انہیں رجزلیت ہی نہ تھی لیکن انکی مجلسہ امین پانسو کے قریب خوبصورت
عورتیں جمع تھیں ان میں سے کئی ایسی بھی تھیں کہ ان کو نواب نے تل کی حالت میں
اپنی مجلسہ امین داخل کیا تھا۔ جب کوئی بچہ ان حاملہ عورتوں سے پیدا ہوتا تو
نواب خوشی کرتے اور اپنے فرزند کے طور پر پرورش فرماتے چنانچہ ایسے ساٹھ بچے
انکے پاس جمع ہو گئے تھے جن میں ۲۳ لڑکے اور ۲ لڑکیاں تھیں سب سے بڑا

آصف الدولہ فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے اور علم سیر و تاریخ میں اچھی مہارت رکھتے تھے اُنکے اُردو اشعار یہ ہیں۔

بڑے شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
یا دُر مجھے تیرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کتاب ہے بہت کچھ وہ مجھے چُپکے ہی چُپکے
مواہ تیرے لیے تیرا عاشقِ غم کش
وہ قبر سے نہ نکل آئے گا مرا ذمہ
جب مرنے لگی بلبل شوریدہ قفس میں
صیاد تجھے بخشد یا خون میں اپنا
کل تنہ کے بولانا لہ بلبل پہ یون پتنگ
رور و کے یہ جواب دیا عندلیب نے
ہے شمع کے بھی دل میں محبت پتنگ کی
پرولنے کو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام
فریاد و آہ و نالہ بھلا کس لیے کرے
گل مہربان سنا ہے کبھی عندلیب پر
میں آہ آہ و نالہ نہ کھینچوں تو کیا کروں
جہاں تیغ اسکی علم دیکھتے ہیں
جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں
گزرے ہیں سو سو خیال اپنے دل میں
چلے گا روبرو دیکس کس کے معاملہ دل کا
یا حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ظاہر میں یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ذرا تو فاتحہ پڑھ چلے تاکجا دوسواں
ٹنگ اسکی روح تو خوش ہو نہ دلیں لا دوسواں
آصف یہی کہتی تھی بہ تکرار دم نزع
ٹنگ جا کے دکھلا مجھے گلزار دم نزع
کم فرن دیکھ ہم بھی تو آخرین زائشع
انصاف دل میں کبھی بولے دلفگار شمع
گرہے پتنگ سوختہ جان ہیقلر شمع
جینا بغیر بار کے ہے ٹنگ و عار شمع
جیتے سو پتنگ رہا ہم کس عار شمع
تو شکر کر کہ مہر و وفا ہے شعرا شمع
جلتی ہیں غم سے سیری لگین مثل نار شمع
وہاں اپنا ہم سر قلم دیکھتے ہیں
خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں
کسی کا جو نقش قدم دیکھتے ہیں

مسنرہ ضروریات زندگی کے سمجھتے تھے۔

ایسی بخشش کس کام کی کہ اہل استحقاق حق پانے سے محروم رہیں اور نامستحق ضرورت سے زیادہ پائیں۔ فرح بخش میں فیض بخش نے کہا ہے کہ نواب کا اپنی سپاہ کو چڑھی ہوئی تنخواہ کے دینے کا یہ حال تھا کہ ہر کس از سپاہیان بعد یک سال و ششماہ دعویٰ طلب و تنخواہ مے کردند اگر تلمنگان مے بودند مقابل آن بجاہے نو بخانہ و فرقہ نجیبان را کردہ و چند کس را کشتہ مے گریند و اگر نجیبان این عمل مے نمودند تلمنگان را زور و غنودہ میرانند۔

نواب آصف الدولہ کی شاعری

نواب آصف الدولہ اردو دین شعر بھی کہتے تھے سید محمد میر متخلص بہ سوز کے شاگرد تھے نواب کی غزلوں میں بالکل استاد کا انداز ہے جن کی انشا پردازی کا حسن کلیف اور صنائع مصنوعی سے بالکل پاک ہے۔ اس خوشنمائی کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گلاب کا پھول بھری بھری ٹھنی پر کھڑا سا دھرا ہے اور سرسبز پتوں میں اپنا اصلی جوہن دکھا رہا ہے جن اہل نظر کو خدا نے نظر باز آنکھیں دی ہیں وہ جاننے ہیں کہ ایک حسن خدا داد کے سامنے ہزاروں بناوٹ کے بناؤ سنگار قربان ہوا کرتے ہیں وہ جیسے سیدھے سادھے مضمون اذہتے تھے ویسے ہی آسان آسان طرحیں بھی لیتے تھے انکے شعر کا قوام فقط محاورے کی چاشنی پر ہے۔ اضافت تشبیہ استعارہ۔ فارسی ترکیبیں انکے کلام میں بہت کم ہیں جنکے لیے استعداد علمی کے ساتھ طبیعت میں زور اور فکر میں قوت غور ضرور ہے۔ تاریخ مظفری میں لکھا ہے کہ

کے سامنے وزیر علی خان کو اپنا بیٹا کہا تھا نواب کے مرنے کے بعد جب لسنڈن صاحب نے یہ چاہا کہ ماتم پرسی میں شریک ہو کر دولت خانیہ تک جاوے تو فرج ریاست جو حسن باغ تک آراستہ و استادہ تھی اُس نے صاحب کو قدم بھر آگے نہ بڑھنے دیا۔ تفضل حسین خان نے انھیں وہیں چھوڑ کر نواب کی مان کو خبر کی محرم علی خان اور جواہر علی خان خواجہ سراؤں کو حکم ہوا کہ صاحب کو دارالامارت تک آجانے دین۔ جب صاحب تنہا دو تلخانے میں پہنچے تو نواب کی مان نے فرمایا کہ اس وقت میری آنکھوں میں جہان تاریک ہے تم اس ریاست کے وارث ہو جسے مناسب جاؤ۔ مسند پر بٹھا دو روزیڈنٹ نے کہا جسکو نواب صاحب خود مقرر کر گئے ہیں اُسکے سوا اور کون بیٹھ سکتا ہے مرزا وزیر علی خان کہ کچھ محلے میں اپنے کتب میں تھا۔ تحسین علی خان ناظر کے حسب الطلب بیچے میں سوار ہو کر آیا تھا اور اُس وقت گریبان پھاڑ کر نعش پر زار زار رو رہا تھا بیگم صاحبہ نے جواہر علی خان سے کہا کہ سبز و شالہ جو نواب مرحوم کے پلنگ پر رکھا ہوا تھا اسے اڑھا دے یہ گویا بیگم صاحبہ کی طرف سے مسند نشینی کا خلعت تھا اُسی وقت توپوں کی شکاک کا حکم ہوا۔ ارکان دولت نے وہیں نذرین گذرانیں اور مرزا حکومت پر کسی کی بے درد قابض اور مالک ہو گیا اور دوسرے حقدار جو اسکے متمنی تھے افسردہ خاطر ہرگز چلے گئے مسند نشینی کی باضابطہ رسم اور نذرین مکان باذلی میں ہوئیں ۵

بعد نواب آصف الدولہ	کہ صفاتش چو مہر و ماہ جلی ست
کردہ شد جانشین وزیر علی	مقتضای مشیت ازلی ست
ہست معروف و اثقا تاریخ	کہ نبی شاہ کل وزیر علی ست

بتوں کی گھٹی میں شبِ روزِ آصف
 ایک دن یار سے یہ مین نے کہا
 ہنسکے کہنے لگا کہ اے آصف
 تو اپنے شیوہ جو رجسٹری سے کیوں گڈے
 فرکو ہوتا ہے ہر راہ میں کمالِ زوال
 یوں فکرِ دل میں گرچہ تجھے سہ لگی ہے
 مٹنے نہ مٹنے کا تو وہ مختارِ آپ ہے
 تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں
 اب تو ہم طاقت و توانی سے گئے
 یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جان سے گئے
 تری بلا سے مراد م رہت رہے نہ ہے
 ترے بھی حسن کا عالم ہے ہے نہ ہے
 آصف یہ شرط ہے کہ آدم کو لگی ہے
 پرتھکھو چاہیے کہ تک دو د لگی رہے

وزیر علی خان کی مسند نشینی

نواب آصف الدولہ کے نطفے سے کوئی فرزند نہ تھا، ہمیشہ آرزو مند رہے کہ
 کوئی وارث ریاست پیدا ہو لیکن نخلِ آرزو بدور نہ ہوا عالمِ ایو سی میں ایک غریب
 سید کے رستے کو نواب نے اپنی فرزندگی میں جگہ دی اور وزیر علی نام رکھا۔ اس طرح
 اور بھی لڑکے رضا علی، شہناز علی اور دیانت علی وغیرہ تھے مگر ان میں سے
 سولے وزیر علی خان کے کسی نے نام اور نمود نہ پائی وزیر علی خان نہایت ذہین
 خوبصورت، ملچ دغوشنا تھا علم و ہنر اور انشا کی تعلیم بخوبی پائی تھی۔ خوشنویس
 میں مرزا محمد علی اعجاز رقم کا شاگرد تھا اور فنونِ سپاہ گری رستم خان پھکیت
 سے سیکھے تھے۔ اس پنازی، شمشیر نگینی، تیر اندازی اور چوگان بازی میں
 اُسکو خوب مشق تھی۔ نواب آصف الدولہ کو اُس سے کمالِ اُلفت تھی۔ آصف الدولہ
 نے اپنے انتقال سے پیشتر وارن ہیمنڈنگز صاحب گورنر جنرل اور کمشنر کے ریڈیٹ

اور لکھنؤ حسن خیز پیری رخساروں سے۔ دکنش قاف ہو رہا تھا وزیر علی خان نے عیاشی شروع کی اور شراب اور بھنگ نے رنگ جایا۔ مرزا وارث علی خان جو کھوٹا خان کو تو ال کا معشوق تھا اب نشاط کا داروغہ مقرر ہوا اور میر عشرت علی جوہر ستم خان پھکیت کے شاگردوں میں سے تھا مشیر اور ہمد بنا اور اسی طرح اکثر کلمات اور قوالوں کو مراتب بخشے اور امیران قدیم واہکاران لائق سے منٹھ چھپایا اور اُن بیچاروں کے حق میں کلمات ناملائم کہنے لگا۔ نواب آصف الدولہ نے چند مضمین اپنے نفس کے واسطے جمع کی تھیں اپنی نگاہ رغبت و المنا شروع کی تحسین علی خان جو بہرہ جو آصف الدولہ کے عہد میں تو شے خانے کا داروغہ تھا اور نواب کی وفات کے بعد لباس بد لکر دُنیا سے ہاتھ اٹھا کر نواب کی قبر پر بیٹھ گیا تھا اُس کو وزیر علی خان نے ابتدا سے ریاست میں بلا کر خلعت سے سرفراز کیا اور محل کا ناظر بنا دیا اور اُس سے بہت سا خواہرات اور اسباب لے کر بیجا مصروف میں اڑا دیا محتشم خانی میں لکھا ہے کہ آصف الدولہ کی صاحبزادے محل میں سے ایک حسین عورت کو چاہا کہ اپنی صحبت کیلئے لے لے تحسین علی خان نے منع کیا کہ ایسا کرنا زیبا نہیں آپ کی تو وہ مان ہے اُس کے ساتھ ادب سے پیش آنا چاہیے۔ وزیر علی خان نے چند مصاحبوں کے لغو اسے چاہا کہ اُسے قید کر دے بلکہ ایک دن یہاں تک کہنے لگا کہ اس قمر مصاق کی داڑھی ترلے ڈالتا ہوں اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ یون کہا تھا کہ چہری سے اسکی ناک کاٹ لیں گا۔ بے چارہ اپنی جان اور آبرو بچانے کے واسطے ٹھیک دوپہر کے وقت افضل حسین خان کے پاس جا کر اُن کے پانوں پر گر پڑا اُسے اُنھوں نے اپنی بارہ دری کی شہ نشین میں بٹھا کر کئی آدمیوں کو اُسکی حفاظت کے لیے مقرر کیا وزیر علی خان نے

اُسی وقت داروغگی دیوانخانہ کا خلعت خواجہ غلام محمد عرف بڑے مرزا کو ملاوا بخشی گری کا عمدہ فخر الدین احمد خان پسر مرزا جعفر خان مرحوم کو دیا گیا۔ لیکن خلعت اس کو تیس دن مرحمت ہوا۔ آصف الدولہ کی وفات سے پانچویں دن وزیر علیخان مجلس میں گیا جو گوشتی کے پار تھی اور داروغہ اُس کا فوجدار خان تھا اُن سے چار عورتیں اپنی ہم بستری کے لیے منتخب کر لایا۔

آصف الدولہ کے بھائیوں میں سے بڑے سعادت علی خان تھے اس اندیشے سے کہ کوئی سازش نکرین وہ بنارس میں رہنے کے لیے مجبور کیے گئے تھے اُنھوں نے وزیر علی خان کی جانشینی پر اعتراض کیا کہ آصف الدولہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور جو بیٹے اُنکے مشہور ہیں وہ اُنکے نطفے سے نہیں اس لیے میرا استحقاق جانشینی کا ہے اور اس جھگڑے کے انفصال کے لیے گورنر جنرل ثالث بالآخر ٹھہرے۔

آصف الدولہ وزیر علی کو اپنا بیٹا اور وارث سلطنت کا اپنے بعد کہتے تھے اور یہ کہنا اُنکا شرع اسلام کے موافق اُنکے استحقاق سلطنت کو مستحکم کرتا تھا آصف الدولہ کی بی بی اور ان کی مرضی تھی کہ وہ تخت نشین ہو ساری دارالسلطنت کے آدمی اُس کے نواب ہونے سے خوش تھے۔ غرض وزیر علی مسند آرا سے ریاست ہوا اور انگریزوں نے درپردہ کی وجوہات پر خیال کر کے اُسکی جانشینی کو تسلیم کر لیا اور وہ افواہیں جو اُسکے نطفہ نامحقق ہونے کی نسبت مشہور تھیں اُن پر خیال نہیں کیا۔ وزیر علیخان ملک داری کے کوچے سے نابلد تھا ناشایستہ حرکتیں اس کثرت سے وقوع میں آئیں کہ جو صورتیں سالہا سال دراز میں پیدا ہوئی تھیں وہ چند روز کے عرصے میں برہم ہوئیں۔ نئے مصاحب پیدا کیے سترہ برس کی عمر تھی اور عالم شباب جویش پر تھا

وقوع میں آتی ہیں اور اُس کا حسب و نسب جیسا ہے وہ سب پر ظاہر ہے اور
 در ثانی حقیقی ریاست سے محروم ہیں اس لیے اہل استحقاق کو حق ریاست پہنچنا واجب
 اور لازم اور خوشنودی خدا و رسول و خلق کا باعث ہے جو شخص اس اتفاق سے
 انکار و اغماض کرے وہ اپنی کردار کو پہنچے۔ یہ محضر کوچہ و بازار میں اور خانہ بخانہ
 پھر اجماعیگیات اور خواجہ سراؤں اور افسروں اور نواب سالار جنگ کے بیٹوں وغیرہ
 کی اُسپر مہرین ہوئیں اور بازار کے مہاجروں اور چودھریوں نے بھی اُسپر دستخط کیے
 مگر عبدالرحمن خان اور بعض دوسرے افسران سپاہ نے یہ لکھر پہلو متی کی کہ ہم لوگ
 سپاہی مسند وراثت کے نوکر ہیں ہم کو خانگی معاملات سے کیا کام جو کوئی مسند نشین
 ہو اُسکے مطیع ہیں اور وجہ اسکی یہ تھی کہ مرزا وزیر علی خان باوجود اُن بر اطواریوں
 کے شجاع و دوست۔ سپاہ پرست اور باہمت تھا اسٹریفون کو کوٹریوں سے بھی
 کمتر تصور کرتا تھا پس اہل سپاہ ایسے ہی شخص کو عزیز رکھتے تھے اس نوجوان نے
 بہت دنوں سلطنت کے مزے نہ اڑائے تھے کہ گورنر جنرل کے پاس اُسکے چال چلن
 کی اور اُسکی ناحق جانشینی کی خبریں پہنچنے لگیں اور گورنر جنرل کی خدمت میں
 آصف الدولہ کی بیوی وغیرہ اعیان ریاست نے یہ درخواست کی کہ وزیر علی
 اولاد آصف الدولہ سے نہیں ہے بلکہ ایک فراسٹ کا بچہ ہے نواب نے اُسکو مٹنے اکر لیا
 تھا اُنکے بقائے نام کے لیے ہم نے اُسکو اپنا والی تسلیم کر لیا چونکہ قوم کا رذیل تھا
 اس نعمت عظمیٰ کی شکر گزاری نہ کی بلکہ کفران نعمت کرنے لگا ایسی کج ادائی کے ساتھ
 یہ شخص قابل فرمان روائی کے نہیں ہے اس ریاست کی مستحق شجاع الدولہ کی اولاد
 ہے۔ اسکی تدبیر کرنی چاہیے ورنہ فساد پیدا ہوگا جس سے دونوں سرکاروں میں عداوت

جب یہ خبر سنی تو فوراً ہاتھی کے پاٹھے پر سوار ہو کر تفضل حسین خان کے گھر پہنچا اور
 تحسین علی خان کو مانگا انھوں نے انکار کیا اور اُسکے سر کی قسم کھائی جب ہر کارے
 نے پھر عرض کیا تو وہ کہنے لگے کہ میرے مقابلے میں ایسے پاجی کی بات کا آپ یقین
 کرتے ہیں وزیر علی خان شرمندہ ہو کر چلا گیا پھر ہر کاروں نے خبر دی کہ ابھی ابھی
 تحسین علی خان بطور زمانہ سوار کی کے محمد اسحق خان کے میاں میں بیٹھ کر جو رزیدنٹ
 کے اسٹنٹ کا منشی ہے رزیدنٹ کی کوٹھی پر پہنچ گیا اور وہ منشی گھوڑے پر
 اُسکے ساتھ تھا اور رزیدنٹ نے مرزا خلیل کے بنگلے پر رکھا ہے وزیر علی رزیدنٹ
 کے بنگلے پر چلا گیا۔ اور تحسین علی خان کو مانگا پہلے تو رزیدنٹ نے اُسکے قصور کے
 معاف کرنے کے لیے بہت سمجھایا پھر جب دیکھا کہ طول کھینچا جاتا ہے تو کہا کہ یہ کچھ
 سیرا گھر نہیں سرکاری مکان ہے وہ آپ سے سرکار میں چلا آیا اور امان کا خواہاں ہوا
 ہے فرض کیا کہ میں اگر تمھاری خاطر سے اُسے دے بھی دوں تو سرکار کو کیا جواب دوں گا
 اس سے بہتر یہ ہے کہ جب تک صدر سے حکم نہ آئے یہ تمھاری امانت میرے پاس ہے
 اُس دن سے سب کی یہ رائے ہوئی کہ اسکو معزول کر دینا چاہیے ان عادات سے
 جملہ بیگمات خصوصاً نواب آصف الدولہ کی امان نہایت رنجیدہ خاطر ہوئیں اور
 وزیر علی خان کی شکایت زبان پر جاری ہوئی اور رزیدنٹ کے کاؤن تک یہ خبریں
 پہنچنے لگیں اُسے گورنر جنرل کو لکھا۔ آصف الدولہ کے بجائی اور دوسرے بڑے آدمی
 وزیر علی خان کی اطاعت میں دریغ کرنے لگے لکھنؤ میں ایک عجیب تلامذہ چ گیا۔
 جام جہان نائین مولوی قدرت اللہ نے لکھا ہے کہ ایک محضر بھی اس مضمون کا تیار
 ہوا کہ مرزا وزیر علی خان سلطنت کی لیاقت بالکل نہیں رکھتا اُس سے حرکات نشائستہ

لکھنؤ میں پہنچے ہیں تو الماس علی خان کو لکھا گیا کہ بیگم اور نواب کے درمیان جو عہد و پیمان ہوئے ہیں وہ ایسے استوار ہیں کہ ٹوٹنے کے نہیں اور حسن رضا خان اور راجہ گلیٹ رائے بھی اُسکے پھون میں گھس گئے نواب کے مزاج میں اُس کا خسر اشرف علی خان بڑا اثر رکھتا تھا ان تمام گرد و ہونگاہیہ مطلب تھا کہ انگریزوں کی غلطی کا مقابلہ کیجیے بلکہ افسران سپاہ فتنہ و فساد پر مستعد ہو گئے گورنر جنرل نے یہ حال معلوم کر کے اقبال الدولہ سے کہا کہ مرزا حسن رضا خان کو سمجھا دو کہ آپ افسران فوج کے پاس جا کر کہیں کہ قرب و جوار لکھنؤ سے اٹھ جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور گورنر جنرل نے چند ٹپنیں انگریزی اور ترکیسوار اور گورون کی فوج اطراف و جوانب سے بلا کر بی بی پور کے قرب و جوار میں قائم کر دی۔ تھوڑے ہی دن گورنر جنرل کو آئے ہوئے تھے کہ نواب کے چچک نکلی اور وہاں سازشیں شروع ہوئیں تفضل حسین خان نے جب سر جان شور سے کہا کہ وزیر علی خان کو معزول کر دیا جائے تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ بات بہت مشکل ہے اسیلئے کہ یہ کیونکر ثابت ہو کہ یہ شخص آصف الدولہ کے نطفے سے نہیں ہے اس لیے کہ نواب مرحوم نے اُس کے بیٹے ہونے کا خود اقرار کیا ہے تفضل حسین خان نے کہا کہ اس بات کو آپ تحسین علی خان اور نواب آصف الدولہ کی بیوی سے دریافت کریں تحسین علی خان نے مشرح سب حال بیان کیا کہ اصل میں نواب آصف الدولہ کا تو ایک بیٹا بڑا ہاں علی خان تھا جو ایک مہینے کا ہو کر گذر گیا اور کوئی بیٹا اُسکے نطفے سے نہیں ہے اور نواب کی بیگم نے چلن کی آٹھ سے کہا کہ نواب مرحوم کو کبھی بھی تسلط نہیں ہوا جیسا کہ لخص تاریخ اودھ میں بہت پر شام نے لکھا ہے سر جان شور خود لکھتے ہیں

پڑ جائے گی۔ ایسے گورنر جنرل کے برسرِ موقع آنے کی ضرورت ہوئی ایسے اُنھون نے لکھنؤ کی طرف سفر کیا۔ جب لکھنؤ کے قریب پہنچے تو وزیر علی نے بھی پیشوائی کی راستے میں کچ اندیش مشہور کرتے تھے کہ وزیر علی کو ترقی اقبال حاصل ہوگی اور انگریزوں کی شوکت برباد ہو جائے گی اور کہتے تھے کہ گورنر لکھنؤ صاحبِ کر خان علامہ کو مع چند دوسرے آدمیوں کے قید کر کے وزیر علی کے سپرد کر دیں گے اور وزیر علی بھی نادر شاہ وقت بن گیا تھا راہ میں اپنے ہاتھی اور گھوڑے کو گورنر جنرل کے ہاتھی اور گھوڑے سے آگے آگے رکھتا تھا ایک ن ایک انگریز راہ میں ایک کھیت کے کنارے پیشاب کر رہا تھا ناگون نے اُسکے پاس پہنچ کر بیجا باتیں اُس کو کہیں اور ہزار کے قریب آدمی اُسکے گرد جمع ہو گئے اور شور مچاتے تھے کہ پکڑ لو پکڑ لو مگر اُس انگریز نے اور اس کے ساتھیوں نے بھی بوجہ فحاشی گورنر جنرل کے دم نہ مارا اور اس طرح لکھنؤ کو روانہ ہو کر وہاں جا پہنچے بڑی بیگم یعنی آصف الدولہ کی ہان نے وزیر علی کی بد اخلاقی کو روکنا چاہا تھا اس لیے نواب نے اُن پر دباؤ ڈالا کہ فیض آباد کو چلی جائیں اسوجہ سے اب وہ دوست سے دشمن ہو گئی تھیں۔ الماس علی خان سے گورنمنٹ انگریزی کو نفرت تھی جس نے نواب کی سرکاری خدمتوں سے اُسکو جدا کر دیا تھا اب اُس نے اپنی عقل و دانش کے زور سے ایک بڑا علاقہ اپنی زمینداری میں لے رکھا تھا اور اس ریاست میں بڑے رتبے کا آدمی گنا جاتا تھا جب بیگم کا جھگڑا نواب سے ہو گیا تو اُنھون نے الماس علی خان ہی کو اپنا مدارِ المہام بنایا اُس نے بیگم اور نواب کی ظاہرین صلح کرادی۔ گورنر جنرل جو وقت

اُسکی تحقیقات کے درپے ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک ماما کا لڑکا ہے تحسین علیخان جو آصف الدولہ کا بڑا معتمد خواجہ سرا تھا اُسنے یہ افسانہ سنایا کہ وزیر علی کی مان کا خاندان موجود ہے وہ نواب کے ہاں ماما تھی اور خاوند کے پاس وہ آتی جاتی تھی جب وزیر علی اُسکے ہاں پیدا ہوا تو اُسے پانچ سو روپے کو نواب نے مول لیا تھا۔ نواب کی عادت تھی وہ حاملہ عورتوں کو مول لے لیتے تھے اور اُنکے ہاں جب بچے پیدا ہوتے تھے تو اُنکو اپنا بتا کر لے لیتے تھے اور اُنکی پرورش بیٹوں کی طرح کیا کرتے تھے۔ یہی حال سب لڑکوں کا ہے جو نواب کے بیٹے مشہور ہیں۔ یہ تحقیق ہو گیا کہ وزیر علی کی مان ایک امیر کے گھر میں ماما تھی تین لڑکے اُس کے تھے۔ اُسکے بڑے بیٹے کو نواب آصف الدولہ نے مول لیا تھا اور اُسکا نام محمد امیر رکھا تھا دوسرا بیٹا اُسکا اپنی ذلیل حالت میں نوکری چاکری کیا کرتا تھا۔ تیسرا بیٹا یہ وزیر علی تھا اس وزیر علی کے سامنے کبھی آصف الدولہ کی بیوی منوئی یہاں تک کہ نواب کے بلانے پر بھی اُسکے بیاہ بین شریک منوئی اور اُس نے خاوند سے کہلا بھجوا یا کہ میں ایسے ذلیل دیکھنے کے روبرو ہو کر اپنے خاندان کے نام و ناموس کو بٹا نہیں لگاتی نواب آصف الدولہ کے حقیقی دو بیٹے تھے جو صغریٰ منیٰ مرچکے تھے اب کوئی بیٹا نہیں تھا۔ گورنر جنرل نے تحسین علی خان سے پوچھا کہ کیا آصف الدولہ کو خیال یہ تھا کہ وزیر علی کی مان سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے وہ میرے نطفے سے ہے اس پر اُسنے کہا کہ نواب کو اُس کی مان کے حاملہ ہونے کی بھی خبر نہیں ہوئی جب لڑکا پیدا ہوا ہے تو اُسکا حاملہ ہونا معلوم ہوا ہے۔ اب گورنر جنرل نے یہ سوچا کہ ایسا منو کہ شہر میں خون ریزی واقع ہو اور بہت سے بے گناہ ملے جائیں آخر کو کوٹھی بی بی پور میں قیام کیا اور سب

کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آج تک ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ایسی برکرداری اور حرام کاری کے معاملے میں وقت اور دشواری اٹھانی پڑی ہو۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو الماس علی خان جو تمام باتوں کو نہایت غور و خوض سے دیکھتا تھا گورنر جنرل کے پاس گیا اور کئی روز تک اُسے صلاح اور مشورے کرتا رہا اور کہنے لگا کہ وزیر علی نطفہ نا تحقیق ہے اور وہ نہایت مسرف اور عیاش ہے بیگم کی مرضی ہے کہ وہ معزول ہو اور شجاع الدولہ کے بیٹوں میں سے کوئی جانشین ہو صفا الدولہ کے سارے بیٹے جو مشہور ہیں نطفہ نا تحقیق ہیں غرض یہی بات گورنر جنرل کے سامنے کئی دفعہ اور کمانڈر انچیف کے سامنے ایک دفعہ بیان ہوئی۔ ہو بیگم والدہ نواب آصف الدولہ اور الماس علی خان دونوں مرزا جگلی کو جو سعادت علی خان سے چھوٹا بھائی تھا نواب بنانا چاہتے تھے اور گورنر جنرل سے درخواست کرتے تھے کہ اگر آپ اس پر راضی ہو جائیں تو اس کا عوضاً نہ بہت کچھ نذر کیا جائے گا۔ وزیر علی کی بدچلنی اور مسرفی اور زشت افعالی کی شکایتیں نہایت حکمت اور سلیقے سے اس طرح گورنر جنرل کے سامنے پیش ہوتی تھیں کہ جس سے اُن کا دل وزیر علی سے پھر جامے۔ لوگوں نے کہا کہ نواب ایسا مسرف ہے کہ سائے ملک کی آمدنی اپنے گلچھروں میں بیچ اڑا دے گا سرکار کمپنی کا روپیہ کہاں سے ادا کرے گا مزاج اُس کا اکھڑا اور ہٹکیلا ہے کہ وہ کسی بات کو سمجھانے سے سمجھتا نہیں اس لیے وہ غالباً انگریزوں کا محکوم نہیں رہے گا بلکہ اُسے نفرت کرنے لگے گا اور جہاں تک اس سے ہو سکے گا وہ اُسکے جوے کے نیچے سے نکلنا چاہے گا جب یہ باتیں سر جان شور کے گوش گزار ہوئیں تو اُن کا دل بھی وزیر علی کے نطفہ نا تحقیق ہونے پر یقین کرنے لگا۔ اور

گورنر جنرل کی ہے وہ عمل میں آئے گا پھر بیہوش ہو گیا جب ہوش بجا ہوئے تو رویا
اسٹرنف علی خان نے پہونچکر کہا کہ اس روتے سے کیا فائدہ منے خود تیشہ اپنے پائون
میں مارا ہے وزیر علی خان نے کہا کہ جو کچھ کیا ہے منے کیا ہے باوجود اطلاع کے
کس لیے مجھ کو آگاہ نہ کیا جواب دیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے کہ تم کو اور اپنے آپ کو
بلا سے محفوظ رکھا ہے شام کے وقت گورنر جنرل نے وزیر علی خان کو اپنے پاس
طلب کیا اور انکی ملاطفت آمیز بات چیت سے اُسکے زخم پر کچھ مرہم کاری ہوئی
گورنر جنرل نے اُسکو وہ کاغذ دکھایا اور کہا کہ اس میں ہمارا کچھ قصور نہیں جب تم
ریاست کے وارث نہ ٹھہرے تو ہم پر واجب ہے کہ حق حقدار کو دلایا جائے اور
مصلحت وقت جانکر اُسکو رخصت کیا مرزا دہان سے پریشان و بدحواس ہو کر
آصف الدولہ کی مان کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے اور کسی سے کچھ گلہ نہیں مگر آپ سے
ہے کہ آپ نے مجھے آصف الدولہ کا غلام جانا اگر حقیقت میں اُن کا بیٹا نہیں ہوں
تو فرمائیے کہ اتنی آپکی اطاعت کون کرے گا بیگم صاحبہ آصف الدولہ کا نام سن کر
رونے لگیں اور اپنی مہر انگلی سے اُتار کر دیدی کہ اگر میری مہر سے تمہارا کام نکلے
تو بہت بہتر ہے لیکن یہ تدبیر اب بے فائدہ ہے۔

اُس وقت عرضی خانہ زاد خان منتظم سرکار مرزا سلیمان شکوہ کی کہ بعد عزل
وزیر علی کے اخراج اُس کا اسی گناہ کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا اس مضمون کی
پہونچی کہ جس طرح ہو سکے جناب اپنے آپ کو گھوڑے پر سوار کر کے دریغ گو متی تک
پہونچا دین ہاتھی میں لاتا ہوں اور دہان سے ہاتھی پر سوار کر کے ابراہیم بیگ داروغہ
توبخا نہ کے پاس پہونچا دوں گا اور شہر سے! ہر نکل کر لشکر جمع کر کے انگریزوں سے لڑینگے

ارکان دولت کو بلایا اور صبح سے شام تک سب کے سب گویا قید سے رہے بہت سی باتوں کے بعد سب نے اپنی اپنی مہرین کر دین کہ وزیر علی خان آصف الدولہ کا بیٹا نہیں ہے اب سر جان شیر نے دل میں یہ کہا کہ جس شخص کو میں نے نواب اودھ مان لیا تھا اور سوا سعادت علی خان کے اور سب اُمراء عالی تبار نے اُس کا اقرار کر لیا تھا اب ثابت ہوا کہ وہ آصف الدولہ کا بیٹا نہیں تو چاہیے کہ وہ تخت سے معزول کیا جائے گو گورنر جنرل کے خیال میں یہ ایک دفعہ آیا کہ وزیر علی خان کی صغر سنی میں سارے ملک کے انتظام کی عنان اپنے ہاتھ میں لے لیجیے مگر بہت سے اعتراضات اسپر ہوتے تھے اسلئے اس خیال سے ہاتھ اٹھایا گو سر جان کی فہم نے کئی بار پلٹے کھائے مگر اُسکی تمام تحریرات اس معاملے میں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نیک ذات سادہ مزاج کی نظر حق رسانی اور انصاف پر تھی وہ اپنی موتی سمجھ سے مجبور تھا کہ اُس نے ایک سلطنت کا فیصلہ ایک شہادت سقیم پر کر دیا کہ جس پر انگریزی قانون ملک انگلستان میں چند پونڈ کا فیصلہ کرتا۔ گورنر جنرل نے منشی غلام قادر خان جیسی میٹرنشی مسٹر مسڈن رزیدنٹ کی معرفت وزیر علی خان کو کہلا بھیجا کہ شرع محمدی کے موافق قرار پایا ہے کہ آپ کو دولت آصفیہ میں شرعاً اور عرفاً کسی طرح شرکت اور مداخلت نہیں اور اہل استحقاق یعنی نواب شجاع الدولہ کی اولاد اس منصب سے محروم ہے اسلئے اُن میں سے ایک شخص مستد آرا ہو گا اور آپ کے واسطے عمدہ عمدہ کھانے اور پہننے کے کپڑے اور سامان امارت مہیا رہے گا اور نواب سعادت علی خان مسند نشینی کے لیے روانہ ہو چکے ہیں لیکن آپ کو اپنے دل میں کوئی ملال نہ کرنا چاہیے کیونکہ جملہ اسباب حشمت آپ کو حاصل رہے گا وزیر علی خان نے جواب دیا کہ جو کچھ مرضی

کی اجازت والدہ آصف الدولہ سے چاہی مگر انھوں نے جواب ندیا اور رات اسی سوال و جواب میں گزری صبح کو آفرین علی خان اور انشرف علی خان گورنر جنرل کے حکم سے وزیر علیخان کے پاس رہے۔

تاریخ اسیری ۵

حسد کا تیکہ از وزیر علی گشت صادر ز بس غریب عجیب
دل خلق از دیشور آمد شور صاحب رسید بالتقریب
کرد اسیر من بغرہ شعبان نزد پیش رفت کس ز نصیب
سال و تاسیخ جس سے جستم گفت ہاتف عیان ز لفظ غریب
راپے تلسی رام نے وہ اشتہار جو نواب سعادت علی خان کے استحقاق پر است
اور وزیر علی خان کی معزولی کی نسبت خان علامہ کا لکھا ہوا تھا گورنر سے لے کر
جاری کیا اور نئی حکومت کا اعلان کیا۔

عبارت اشتہار در باب معزولی وزیر علی خان

درین والا باظہار ثقات و اقرار جمع کثیر و بیگم صاحبہ معظمہ این بہ ثبوت پیوست
کہ نواب وزیر علی خان را اصلاً و مطلقاً حق در جانشینی جناب عالی مرغوم نیست چون ملازمان
این سرکار بطریقہ وفاداری موصوف و در درجہ خدمتگذاری و حق پرستی معروف اند
یقین کہ باستماع این معنی کہ حفاظت ناموس شجاع الدولہ بہادر و غمخواری فوج و
رعیت بدست فرزند حقیقی ایشان تعلق یابد و مال و دولت و ناموس قبائل نواب
بر مان الملک و نواب صفدر جنگ و نواب شجاع الدولہ از دست تسلط شخص جنبی

عرضی پڑھ کر کہا کہ ملاح اُس وقت کشتی لایا کہ غریق پانی کی تہ میں پہنچ گیا ایک منجر نے یہ خبر گورنر جنرل کو پہنچا دی انھوں نے وزیر علی خان کو پھر طلب کیا وزیر علی خان نے نثار دہزان کو چوب زنی سے ممانعت کی اور سوار ہو کر عبد الرحمن قندھاری نے روکا کہ یہ وقت دگر توں ہے جانا مناسب نہیں اب دغا پاؤ گے لیکن جو اُس کے خاص رفیق تھے جیسے نواب قاسم علی خان وغیرہ اور نواب اشرف علی خان جو اُس کا شہر تھا انھوں نے مرزا کا جانا ہی چاہا انھوں نے اُس کو دغا پیش کی کہ جو کام درست ہے غیر حاضری کی صورت میں وہ بھی خراب ہو جائے گا آپ اشرفین لے جائیے رسالہ دار نے دوبارہ عرض کیا کہ میں حق نمک ادا کر چکا اور خالص پور کی جانب روانہ ہوا لیکن اُن لوگوں نے فریب کے دم دیکر اُسے کوٹھی میں پہنچایا اور اس بات پر گورنر جنرل سے نیک نامی کی چٹھیاں پھینک دیں کہ جب وزیر علی کوٹھی کے کمرے میں داخل ہوا تو چیف سکرٹری نے کہا کہ اب آپ یہیں قیام فرمائیں اور پہرے تلنگون اور گورون کے کھڑے ہو گئے اور اُسکو حراست میں لے لیا سوار سی کا جلوس ہٹا دیا گیا۔ اور لشکر میں فتنہ برپا ہو گیا انگریزی فوج نے شہر اور لشکر کو صبح تک چاروں طرف سے گھیرے رکھا۔ جب وزیر علی کی گرفتاری کی خبر ہوئی تو ابراہیم بیگ مسطور نے کہا کہ وزیر علی خان کو اشرف علی خان نے اس روز بند کو پہنچایا ورنہ ہم سب اُسکے ساتھ جان نثاری کرتے اگر کوئی شجاع الدولہ کی اولاد میں سے ارادہ کرے گا تو میں قصور نکر دوں گا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر مرزا جنگلی برادر علاقائی سعادت علی خان کو پہنچی اور ابراہیم بیگ کا قول اُن کے خاطر نشین ہوا قصد محاربہ کے لیے کربانہ بھی اور صف آبادی و سستی

لاکھون روپون کا مال ضائع ہوا اور لاکھون روپون کا مال داسہاب وزیر علی خان کے ساتھ گیا اور لاکھون روپون کے تحائف گورنر جنرل اور سرکار کپنی کے قاضی ہوئے ان تحائف میں ایک شاہ نامہ اور ایک شاہ جہان نامہ مطلقاً و مذہب تھے یہ کتابیں اعلیٰ درجے کے خوشنویسٹوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں یہ دونوں کتابیں لندن کے کتب خانے میں رکھنے کو بھیجی گئیں باوجود اس قدر سامان نکل جانے کے اس قدر سامان اب بھی لکھنؤ میں باقی تھا کہ جس کو دیکھ کر چشم حقیقت میں دنگ ہوتی تھی شالون سے کوٹھے بھرے پڑے تھے۔ جو اہرات سے جو اہر خانہ معمور تھا وزیر علی خان کی حکومت لکھنؤ میں چار مہینہ اور کئی روز رہی۔ جشن بسنت کی تیاری لاکھون روپوں کے صرت سے ہو رہی تھی مگر اس بسنت کی خبر نہ تھی تقدیر نے یہ روز بد دکھایا مفتاح التوا ریخ میں لکھا ہے کہ وزیر علی خان کی معزولی کا صدمہ لوگوں پر بہت گزرا شعرا نے اُس کی معزولی کی تاریخیں موزون کیں تو ان میں ان آدمیوں کی بہت مذمت کی جو اُسکی معزولی کے بانی مبنی تھے۔

تاریخ

از سر نام ہفت کور نمک	سال تاریخ شد عیان بے شک
اول آن قاتل حسن الماس	سرگرد وہ ہمہ حرام نمک
باز تحسین کہ با دلفرینش	از سادات ہم زجن و ملک

۱۔ الماس علی خان

۲۔ تحسین علی خان

محفوظ باشد ہمہ ذکران وفادار و ملازمان از قدیم نیکوکار خوش حال خواهند شد
 بنا بران ریاست برلے نواب والا قدر سعادت علی خان بہادر کہ باستحقاق
 مالک این ملک داور دے حقیقت ریاست بہتر از ہمہ اند مقرر شدہ بقلم آید
 کہ ہر کس کہ از ملازمان جناب عالی مرحوم باطاعت و فرمانبرداری نواب صاحب مہرج
 خواہد کوشید۔ بدستور ملازم سرکار و بقدر مراتبہ و درجہ خود مورد تفضل خاوند خود
 خواہد شد و ہر کہ طریقہ نیک حلالی گذاشتہ راہ تہ و سرکشی اختیار خواہد ساخت
 از چاکری بر طرف داند ملک جناب عالی مرحوم اخراج خواہد گردید این چند سطر بنا بر اطلاع
 بقلم آمدہ تا آیندہ مقام عذر عدم اطلاع برلے کے باقی نباشد۔ تحریر سوم شعبان
 سنہ ہزار و دوصد و دوازدہ ہجری۔

بعد اسکے گورنر جنرل نے حکم دیا کہ دوسو ہیلیان اور دوسواونٹ اور رتھ
 اور ہاتھی اور چھکڑے آٹھ روز تک جس قدر اسباب اور سامان شوکت اور نقد جنس
 و جواہرات و پشمینہ و اصطل و فیمل خانہ وغیرہ نقارہ و ماہی مراتب سمیت
 ضروریات امارت و سواری و جلوس و حشمت مرزا وزیر علی خان کو ضرورت ہو اس
 کے قیام گاہ تک پہونچائیں اور ساڑھے بارہ ہزار روپیہ ماہوار وزیر علی خان کے
 مصارف کے لیے معرفت صاحب ریڈنٹ مقرر فرمایا اور شہر بنارس میں مادہ و دوس
 کا باغ اسکے قیام کے لیے تجویز ہوا چنانچہ یہ سب صورتیں ظہور میں آئیں مگر اس دار و گیر
 میں لاکھون روپون کا مال لوگوں کے تصرف میں آیا اور لاکھون روپون کا جواہرات
 تلف ہوا اس قلعہ و تصرف میں بہت سے آدمی صاحب دولت و تجارت ہو گئے۔
 نواب آصف الدولہ کے کارخانے اس قدر تھے کہ ان کا حساب دشمار شکل تھا

آن مروک بے حیا تفضیل الماس کہ بود تخم مروان
کردند اسیر امیر خود را باکر و دغا و کید شیطان
تاریخ اسیر نیش حسرت گفت لعنت بر ہمہ نیک حرامان

ایضاً در ہندی

بی بی بیگم حسن رضا خان اور الماس نانہ ٹکیٹ و تحسین اور تفضل اشرف شہر دیوانہ
بیجا کیا وزیر علی کو جو وہ ہے مردانہ سرے حرفتان ساآر و دھن ہے نایخ شہنا
ایضاً

سات حرفون نے کیا خانہ خراب تین تے اور دو الف اک حے و تے
تین تے سے مراد علامہ تفضل حسین خان کشمیری و تحسین علی خان خواجہ سرا
اور راجہ ٹکیٹ رائے اور دو الف سے مطلب الماس علی خان خواجہ سرا و شرف علی خان
خسرو نے وزیر علی خان اور ایک حے سے مقصود حسن رضا خان سرفراز الدولہ اور ایک
بے سے مراد بہو بیگم مادر آصف الدولہ ہیں۔

وزیر علی خان کا بنارس میں انگریزوں کو مار ڈالنا اور
فرار ہو کر جاہ جانا مارا پھرنے۔ آخر شہنشاہ مہاراجہ جیپور
کی معرفت اُس کا کپڑا جانا۔ اور کلکتے کے قلعہ میں
بحالت قید انتقال کرنا

سرجان بشور نے وزیر علی خان نواب معزول اودھ کی سکونت کے واسطے

فتنہ پرداز محمد کشمیر	کہ شیا طین پدرش اوطفلک
آن خسرو دشمن جہیم و جہیم	جہل بسیار دانش اندک
ناقص العقل ز نکتہ نادان	دست بردار شد از ان کودک
راجہ ہم داخل لیماں شد	کرد پاس نک ز خاطر حک
دادن دختر و دغا دادن	شرف خود شناخت آن مردک
مہر کردند بر عزل و زیر	خود سید و شدند زیر فلک

دیگر

اول بر نائب پشیمان	دویم بر آنکہ گشت دیوان
سوم الماس پور خناس	لعنت بردے ز حد فزادان
بیگم خرد و بزرگ ہر دو	دیگر مردک شرف علی خان
تحسین کہ برد ہزار نفرین	از وحش و طیور و جن انسان
پیدا شدہ این یزدید ثانی	یعنی مرزا حسن رضا خان
کردند اسیر ہمسر خود را	از کمر و فریب و کید شیطان
تاریخ اسیریش بر آمد	لعنت بر ہمہ نک حرامان

دیگر

تحسین و ملکیت رائے دیوان	ہم جعفر دہم حسن رضا خان
۱۷۰۰ تفضل حسین خان - ت - ۲۰۰	۱۷۰۰ حسن رضا خان - ح - ۸
۱۷۰۰ بوبہ بک والدہ آصف الدولہ - ب - ۲	۱۷۰۰ ملکیت رائے - ٹ - ۲۰۰
۱۷۰۰ اشرف علی خان - آ - ۱	(سب کا مجموعہ ۱۲ ۱۲ ہے)

کے پاس بھیج دیا معلوم نہیں اُن دو چار مفلوک مفلون نے جو مرثیہ خوانی اور حدیث پڑھنے کے لیے روٹیوں پر پڑے رہتے تھے کیا اُس سے لکھوا کر بھیجا۔ غرض قرائن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا ارادہ تھا کہ جب سپاہ انگریزی فاصلہ بعید پر زمان شاہ سے لڑنے چلے تو وہ یہاں ہنگامہ فتنہ پردازی برپا کرے اور سب لوگ اُس کے شریک ہوں گے۔ بد معاش مصاحبون نے اُس کو سمجھایا کہ آپ ایسے شاہزادے ہیں کہ جس کو چاہیے مار ڈالیے کوئی آپ سے باز پرس نہیں کر سکتا اور آپ پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا اس سبب سے اُس نے کئی دفعہ شورش برپا کی اس نے اہل خانہ کا کسی طرح پر وہ کھل گیا مسٹر چیری جو بنارس کا رزیڈنٹ تھا وزیر علی خان کی کنت سے آگاہ ہو گیا اور یہ خبریں گورنر جنرل تک پہنچیں غرض ان وجوہات سے نواب سعادت علی خان نے بھی درخواست کی کہ وہ بنارس سے کمین اور بھیج دیا جائے لارڈ ولزلی گورنر جنرل نے بھی اس کو مصلحت سمجھا اور چیری صاحب رزیڈنٹ بنارس کو لکھا کہ وہ وزیر علی خان کو سمجھائے کہ وہ کلکتے کے قرب و جوار میں سکونت اختیار کرے اُس کا اعزاز و اکرام بدستور باقی رہے گا سولے تغیر مسکن کے کوئی اور تبدیل اُسکی حالت میں نہ ہوگا۔ صاحب موصوف ہمیشہ سے وزیر علی کا خیر خواہ تھا اُس نے یہ حکم گورنر جنرل کا اُس کو سننا دیا جس کے سبب سے وہ چیری صاحب کا دل سے دشمن ہو گیا وزیر علی کو یہ حکم ناگوار ہوا۔ مصاحبون نے سمجھایا کہ آپ کلکتے تشریف لے نہیں گئے کہ قبر میں گئے حکم کی منسوخی کے واسطے بہت ہاتھ پیر پیٹے جب کچھ ہوا اور بالکل یو سی ہوئی تو اُس نے اپنی روانگی کے متعلق ہان ہون کر کے سپاہ کی بھرتی شروع کی ہندو لیٹننٹ اور بلک بہار اور بنگالے کے بعض راجے بھی اس بات پر مستعد ہوئے اور

ایک نامناسب مقام بنارس تجویز کیا تھا چنانچہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ بنارس میں جا کر مقیم ہوا اُسکے ساتھ چالیس ہاتھی اور دوسو گھوڑے اور تلنگون کی دو کمپنیاں اور پنجبوں کے کئی متن تھے اور تمام سامان امارت کا موجود تھا کمال عیش و عشرت میں بسر ہوتی تھی اکثر غلام بچوں اور رفیقوں کی شادیوں میں لاکھوں روپے صرف کیے عوام الناس میں اسکی ہمت وجود نے بڑی شہرت پائی۔ گو سر جان شور کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سب لوگ اُس سے ناراض ہیں مگر اس کے خلاف جہان جہان اُسکی معزولی کی خبر پہنچی وہاں کی رعایا اور اہل پیشہ کو تا سفاک ہوا اور بعض نے خطوط اخلاص آمیز لکھے اور بعض بے فکرے جو اپنے تئیں ارسطو اور افلاطون سمجھتے تھے اُسکے مُشرع و مصاحب بنے لکھنؤ کی مخلوق اُن لوگوں کی بھوکرتی تھی جنہوں نے محضر پر دستخط کیے تھے اور اسٹرن علی خان اور فضل حسین خان کے حق میں وہ نئے نئے پٹے اور ٹھمران موزون ہوئیں کہ زبان قلم پر اُن کا آنا باعث حجاب ہے اور وزیر علی خان کے شناختیہ تھے۔ وزیر علی خان کے نادان مصاحب نے اُس ناسمجھ کے ذہن میں یہ بٹھانا شروع کیا کہ حضور جتنے سردار اور امیر نزدیک و دور کے ہیں آپکی معزولی ہر رات دن روتے ہیں۔ اب وزیر علی کے رفیقوں نے کاغذ کے گھوڑے دوڑانا شروع کیے اطراف و نواح کے زمیندار دن اور مقتدر آدمیوں کے ساتھ نامہ و پیام جاری کیے بہت سے زمیندار ایسے تھے کہ وہ وزیر علی کے زر و جواہر کی تانک میں کین گاہ لگائے ہوئے تھے وہ اُسکے پاس آکر نوکر ہو گئے۔ بعض زمیندار جو نواب سعادت علی خان کے خراج کی زیادہ سانی سے عاجز تھے وہ بھی اُس کے پاس آ پہنچے۔ بالا بالا ایک وکیل کو نوکر رکھ کر زمان شاہ والی کابل

چلتے ہوئے اس مقابلے میں اتنا عرصہ گزر گیا کہ اس سے تمام انگریزوں کو خبر ہو گئی
 وزیر علی نے اپنے مکان پر پہنچ کر لوگوں کو اشرفیان اور روپے تقسیم کیے اور عجلت
 کے ساتھ آدمی جمع کیے اور مرزا جو ان سخت کی بیگم کے پاس جا کر توپ طلب کی مگر
 اُس نے توپ نہ دی یہاں سے لوٹ کر مرزا اُجٹا نبیرہ جو ان سخت کے پاس گیا اور
 اُن سے شرکت چاہی یہ کم سن نا تجربہ کا محض تھے سلاح جنگی تن پر آراستہ کیے
 اور ہاتھی پر سوار ہوئے اور وزیر علی نے خواصی میں جگہ پائی دو تین ہزار آدمی
 قدیم و جدید اس دو چار گھڑی میں جمع ہو گئے کہ دفعۃً انگریزی ترک سوار اور
 تلنگے اور توپیں آگئیں اور اس فوج نے قریب شہر پہنچ کر صف آرائی کی پہلے
 فوجی افسر نے پیام دیا کہ اگر وزیر علی ہمارے پاس آجائے تو ہم اُسکے ساتھ کوئی برقی
 نگرینگے مگر وہ ان تقدیر اور رنگ پر تھی مقابلے کو قدم بڑھایا انگریزی افسر نے
 چار گولے توپ کے باد بوائی سر کیے کہ اُسکی آواز سے شہر کے تماشائی اور فوج جڑ
 نے راہ فرار لی فقط وزیر علی خان چند آدمیوں کے ساتھ میدان کارزار میں لہ گیا
 اور اُس نے بہت جاہا کہ ہاتھی سے اتر کر ہاتھ تلوار پر ڈالے مگر لوگوں نے سمجھایا
 کہ یہ جرات بے فائدہ ہے۔ وزیر علی خان نے میدان سے پھر کر جنس قدر جواہر اور
 اشرفیان مکان پر تھیں کچھ اپنی کمرین رکھیں اور کچھ ہمراہیوں کی کمر دین بندھو اگر
 دو سو سوار ہمراہ لے کر شہر سے نکلا اور باقی مال و اسباب شہر کے بد معاہثوں نے
 لوٹ لیا اور سوار جو ہمراہ تھے وہ بھی زر و جواہر کی طمع میں گھوڑوں سے اتر کر
 پیادہ پالنے اپنے مکانوں کو راہی ہوئے جن میں سے بعض کو کو تو ال شہر بنا رہے تھے
 گرفتار کیا اور بعض نے مال بخوبی ہضم کیا اور بعض نے مال کے پیچھے جان بھی دی

ایک دن اور ایک مہینہ خاص مقرر ہوا کہ بنارس کے انگریز دن کا وزیر علی کام تمام کرے اور اسی دن ہر ایک ضلع میں ہر ایک آدمی اپنا حوصلہ باقی نہ رکھے جو ہر شمشیر دکھائے اور فوج انگریزی کو سترہت فنا پلائے لیکن دنیا کا کارخانہ مشیت الہی پر وابستہ ہے وہ دن جو وعدے کا قرار پایا تھا اُس سے پیشتر بہانہ ایک نیارنگ فلک نیزنگ ساز نے جایا کہ ۱۴ جنوری ۱۸۵۹ء کو صبح کے وقت وزیر علی خان رزیڈنٹ کی کوٹھی پر جو شہر بنارس سے تین میل تھی گیا دوستانہ موافق دستور کے ملاقات ہوئی۔ چار پی گئی۔ پھر اُس نغم کی شکایت کا دفتر کھولا باتیں کرتا جاتا تھا اور مزاج اُس کا بگڑتا جاتا تھا اور غصے پر غصہ چلا آتا تھا جب بہت گرم اور گستاخ ہوا تو چیری صاحب نے منابت نرمی سے اس اپنے ملک الموت سے کہا کہ آپ مجھ پر کیون عتاب فرماتے ہیں یہ لارڈ صاحب کا حکم ہے مجھے اس کی تعمیل واجب ہے یہ سن کر یہ ظالم اُن پر لپکا اور ایک تلوار لگائی یہ دیکھتے ہی اور نوکر جو اس اشائے پر لگے ہوئے تھے تلواریں لیکر اُس مظلوم پر ٹوٹ پڑے اور ان قصائیوں نے اُن کا قیمہ قیمہ کر دیا۔ کہتان کا ذی صاحب اور گرہیم اُن کے گھر میں تھے ان کا بھی یہی حال کیا وزیر علی کے ساتھ جو پچاس آدمی تھے اُنھوں نے چیری صاحب کے بنگلے کو آگ دیدی اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور دو چار انگریز دن کو اُن کی کوٹھیوں پر جا کر راجب دیورس صاحب حج کی کوٹھی پر پہنچے تو یہ کوٹھی دو منزلی تھی وہ کوٹھی کی چھت پر چڑھ گئے اور زینے کا دروازہ بند کر لیا اور بٹم ہاتھ میں لے لیا کئی دفعہ بد معاشوں نے حملہ کیا مگر تم نے اپنا کام کمب اور سرکشوں کو ناکام رکھا اس لیے سرکش کوٹھی کو لوٹ لاٹ کر

جورے پور میں رہتا تھا پہونچا مگر یہاں پناہ پائی بیقرار ہو کر سپاہ کی طرف بھاگا
 بھڑاچ کی طرف چلا گیا اور گھاگرہ کو عبور کر کے راجہ بھوٹ وال کے ہاں پناہ لی
 یہ راجہ نیپال کے راجہ کا باجگذار تھا نواب سعادت علی خان نے رسالہ قندھاری
 کو بھیجا اور دوسرے سردار بھی بھیجے تاکہ وزیر علی خان کا محاصرہ کر لیں اور
 پکڑ لائیں وزیر علی نے قلعہ سے نکل کر مردانہ جنگ کی انگریزوں نے اسکی شکست
 راجہ نیپال سے کی اُدھر نواب سعادت علی خان نے راجہ بھوٹ وال کو اپنی طرف
 سے لکھا تو راجہ بھوٹ وال بھی وزیر علی خان سے مخالف ہو گیا اسلیے وہ رات
 میں وہاں سے بھاگ گیا اب اس فرعون بے سامان کے پاس سامان بہت سا
 جمع ہو گیا تھا وہ گور کھپور میں آیا یہاں سرکار کپینی کی سپاہ سے خفیف سامنا بلہ
 ہوا اور اس میں اس کا نقصان ہوا۔ اب اُسکی بے زری کی وجہ سے ساتھی
 جدا ہونے لگے اگر نواب سعادت علی خان کی سپاہ اس سے ملی ہوئی نہوتی تو ضرور
 پکڑا جاتا مگر وہ بھاگ کر نانک ستہ کی راہ جنگل میں آیا اور یہاں قلعے آرام لیا
 اور کھاپی کر وہاں سے کڑے کڑے کوچ کر کے بھینس کھتہ کی راہ گنگا کو عبور کر کے
 اور ملای کو پانچ اشرفیان دے کر فتحپور سیکری میں داخل ہوا اور وہاں
 سلیم چشتی کی زیارت کر کے رات وہاں بسر کی بعض زمیندار پہلے اتفاق کرتے
 تھے اور پھر کنارہ کرتے تھے۔ کلب علی نے جو سابق میں سرکار کپینی کا نوکر تھا ادا
 بادل خان نے ساتھ دیا اور جنگلوں میں ہمراہ رہے لیکن ہر جگہ فوج انگریزی اور
 فوج نواب سعادت علی خان سائے کی طرح اُس کے پیچھے پہونچتی تھی اور وزیر علی

وزیر علی خان کے مکان کی ضبطی کے وقت اکثر متوسلان سرکار انگریزی کے خطوط
 فنا و انگریزی کی تحریک کے لیے ہاتھ آئے اُن میں سے شمس الدولہ برادر ناظم دھاکہ
 کا بھی ایک خط ملا اور ایک خط ناصر الدولہ کا ملا جو بنو بیگم دختر علی قلی خان لدھیانہ
 کے بطن سے میر شہاب الدین المخاطب بہ غازی الدین خان عماد الملک کا بیٹا تھا
 اور بند لکھنڈ میں اپنے باپ کی جگہ ریاست بادنی پر قابض تھا جو عماد الملک کو
 علی بہادر ولد شمشیر بہادر نے دی تھی اور اُس میں باون موضع شامل تھے اس لیے
 باؤنی کے نام سے مشہور ہوئی اور کالپی سے مشرقی سمت بارہ میل کے فاصلے پر جمنا
 کے نزدیک واقع ہے۔ بشن سنگھ نام ایک مسلمان رنڈی سے بالاجی راؤ پیٹوا
 کا بھائی تھا بھادو نے اُس کو ایک سفر میں اس خوف سے کہ مہاراجہ کوئی ہندو اُس کے
 برتن کا پانی پی کر ایمان سے جائے مسلمان کر کے شمشیر بہادر نام رکھ دیا تھا۔
 عماد السعادت میں اسی طرح لکھا ہے اور مفتاح التواریخ میں کہا ہے کہ علی بہادر
 کو باپ نے مسلمان کر دیا تھا اور بند لکھنڈ کا مالک اُس کے حوالے کیا تھا اُس کی وفات
 کے بعد شمشیر بہادر بڑا بیٹا باپ کا جانشین ہوا جس کے انگریزوں نے چار لاکھ روپے سال
 پنشن کے مقرر کر دیے اور وہ باندے میں ۳۸ سال ہجری میں فوت ہوا
 ناصر الدولہ نے یہ خط شمس الدولہ کی دوستی کی وجہ سے لکھا تھا آخر کار روپاری
 کے بعد بہت سے آدمیوں کا اخراج ہوا اور بہتون کو پھانسی دی گئی اور بہتون
 نے مخلصی پائی اور اکثر دایم الحبس ہوئے اور شمشیر کیے گئے شمس الدولہ نے بھی
 بڑی بھاری روپاری کے بعد نجات پائی۔ جس وقت وزیر علی خان نے
 دریائے گنگا کو عبور کیا تو صرف دس بیس سوار ہمراہ تھے اور راجہ بنارس کے پاس

پناہ گیر یعنی وزیر علی قاتل اور مجرم علت قتل تھا، ہم کچھ استحقاق اُسکے طلب نہ کیا نہیں کہتے تھے
 تحفہ راجستانین لکھا ہے کہ راجہ جگت سنگھ نے سرکار انگریزی کے ساتھ عہد نامہ قبول کیا جسکی وجہ سے نواب
 وزیر علی کو انگریزوں کے حوالے کر کے بہت بدنامی اُٹھائی اسپر بھی انگریزی سرکار نے لڑائی نہیں مصروف رہنے
 کے سبب جیسپور کو اُسکی قیمت پر چھوڑ دیا اور اُسکو مرہٹہ اور پنڈارون نے بہت تہاہ کیا ریاست نے
 انگریزی سرکار کو مطلب کا پابند خیال کر کے شامہ کے عام عہد نامے سے انکار کیا وزیر علی کلکتہ کے خلع
 میں ایک تنگ کو ٹھہری میں قید رہا مگر پلنگ اُسکو ملتا تھا ساتھیوں میں سے بعض کو بنارس میں بھانسی
 میں بعض قید ہو کر جلا وطن ہوئے وزیر علی کو کھانا ہندوستانی باورچیوں کے ہاتھ کا پکایا ہوا دیا جاتا تھا
 آخر کار بیمار ہو گیا یونانی حکیموں اور انگریزی ڈاکٹر کا معالجہ سود مند نہوا اسی قید میں ۳۶ سال کی عمر میں
 جون ۱۸۵۷ء مطابق شعبان ۱۲۷۵ھ ہجری میں ۳۷ سال ۴ ماہ ۴ دن قید ہو کر انتقال کیا جانے کے ساتھ لکھنؤ
 سب چھوٹے بڑے آدمی تھے چند مدت تک قبر پر گار درہا پھر چھوٹا سا مقبرہ بنوا دیا جو کاشی باخان میں
 پٹو سلطان کے کسی بیٹے کی قبر کے پاس ہے۔ اُسکی لوح قبر پر یہ اشعار کندہ ہیں۔ ۵

وزیر عہد وزیر علی آصف جہاہ
 زہیم غوطہ بدریاے فکر تا آریم
 بدست گوہر تاریخ مہر آن مغفور
 نولے واسے درینا زجن دانس و طیور
 وزیر علیخان کو طفل مزاج تھا مگر شجاعت و ہمت میں جوان بے نظیر تھا بھاگتے وقت اگر خلیفہ ہزاروں
 کے غول میں سے تنہا زور شمشیر مقابلہ کرتا ہوا نکلیا اور جو وقت دریے گھاگرہ پر پہنچا تو فوج انگریزی
 بھی صوٹ مچ قدم بقدم جا پہنچی مگر اُسنے کمال جلاوت اور جرأت کے ساتھ گھوڑیکہ کر بند کٹ کر پانی میں
 ڈال دیا اور پار اتر پہاڑ اور جنگلوں میں اکیلا اتر آیا اور تیور و پیرل نہیں آیا ایک دن قید خانہ کلکتہ میں پلنگ پر
 لیٹا ہوا تھا کہ اُسکے گلے کی لالا کا دورا ٹوٹ گیا اور دل نے دین پر کبھر گئے وزیر علی نے ایک دانہ اٹھا کر جطر ج

سیاہ کی طرح کسی جگہ ٹھہر نہ سکتا تھا اور کمال دلاوری کے ساتھ ہر جگہ لڑتا بھڑتا چلا جاتا تھا۔ آخر میوات میں پہونچا مگر میواتیوں سے کچھ بن نہ آئی وہاں سے جیپور چلا گیا راجہ جگت سنگھ والی جیپور نے استقبال کیا اور اُس کو اپنا مہمان کیا دستار بدلی اور راجہ کی مان نے وزیر علی خان کو اپنا بیٹا بنایا۔ کپتان کولنس رزڈینٹ مہاراجہ سیندھیانے راجہ جیپور کو لکھا کہ تم وزیر علی کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم تمکو بہت سے روپے دیں گے۔ راجپوتوں کا اگرچہ یہ دھرم ہے کہ جو شخص اُن کی پناہ میں آئے خواہ وہ قاتل ہی کیوں نہ ہو اسکو کبھی دشمن کے حوالے نہیں کرتے مگر یہ وقت تو وہ انقلاب کا تھا کہ سائے دھرم کرم اپنی جگہ پر نہ تھے راجہ نے دیکھا کہ مزدبند نامی مین زر و جواہر ہاتھ لگتے ہیں اسلئے اُس نے کچھ اس کا دھیان نہیں کیا کہ ہمیشہ کو کلنگ کا ٹیکہ لگے گا سرکار انگریزی سے روپیہ اور وزیر علی سے جواہر لے کر ستلہء مین اُس کو اس شرط کے ساتھ حوالے کر دیا کہ وہ جان سے نہ مارا جائے نہ لٹکے پاؤں میں بیڑیاں پڑیں مہمان کی مہانداری کا یہ حق ادا کر دیا کہ اُس کی جان بچا دی انگریزوں نے وزیر علی کو پالکی میں بٹھا کر دونوں طرف تفل لگا دیے اور ڈاک کے ذریعہ سے کلکتے کو بھیج دیا تاؤ صاحب نے تاریخ رجستان میں لکھا ہے کہ آیاب امر جس نے زیادہ تر بے اعتباری ہماری پیدا کی ہمارا چھین لینا وزیر علی کا پناہ جیپور سے تھا جس سے ایک دلغ بند نامی کچاہہ کے نام کو لگا جب کوئی مجرم یا بد نصیب پناہ لیتا ہے تو راجپوتوں کے نزدیک وہ فعل مذہبی تصور کیا جاتا ہے اس قاعدے کا انفساخ ہننے جبراً جیپور سے کرایا گو وہ اُس زمانے میں ہمارا مطیع نہ تھا یہ کوئی عذر بہ جا نہیں ہو سکتا کہ

خزینہ ذوقِ عبرت کا ہے گنجِ شوقِ حسرت ہے
عجب کچھ نظرِ دلکش طلسمِ جزوِ فطرت ہے

تاریخ اودھ

حصہ چہارم
(جبین)

نواب سعادت علی خان کی منشیہ سے غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر و منا خان نمک کے کل حالات نہایت شرح و بسط سے درج ہیں۔ نواب وزیر کی جزی بلکہ اس وجہ سے عدل و انتظام میں بے عنوائی سے گورنر کا نواب کو سخت سے محروم کرنے کی دھمکی دیکر بہت سادہ اودھ کا کاٹ کر سرکاری عمارت میں داخل کر لینا۔ آخر میں نواب وزیر کو زہر دیا جاتا اور ان کے مرنے پر غازی الدین حیدر کا منشیہ ہو کر کچھ دنوں بعد وزیر سے بادشاہ بن جاتا اور بادشاہ دہلی سے منہ پھراتا۔ ان کے انتقال پر نصیر الدین حیدر کا منشیہ ہو کر لہو و لعب میں مشغول ہوتا اور خزانے پر چھاڑ دینا کینہِ عورتوں اور رنڈیوں کا اقتدار بڑھاتا۔ انکی ماں کا اچھوتے اور اچھوتیان بنانا۔ اور ہر نام کی ولادت اور چھٹی منانا۔ نصیر الدین حیدر کے انتقال پر مناجان کا بادشاہ بیگم کی احانت سے انگریزوں کی خلاف مرضی سخت پڑھنا اور سرایا نا نہایت چہرست واقعات ہیں

مصنفہ

جناب مولانا مولوی حکیم محمد نجم الغنی خان صاحب رامپوری مدظلہ العالی مصنف کتب متعددہ

باہتمام

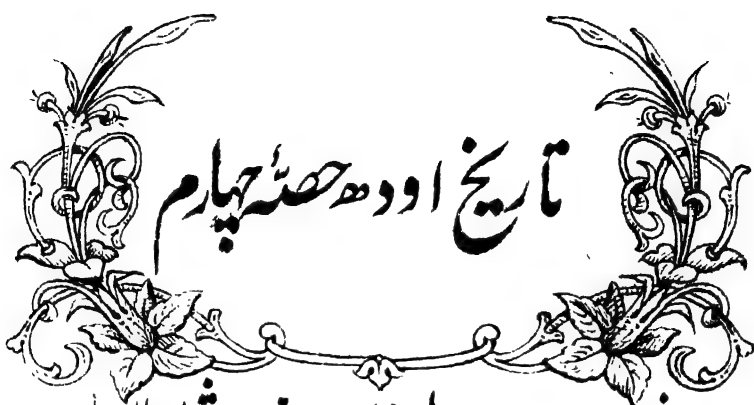
کسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

۱۹۱۹ء

منشیہ نوکشی لکھنؤ میں چھپائی گئی ہے

لڑکے گولی کھیلنے ہیں اُسکو فگلیو کے دور کے ساتھ دیوار پر پار اُسکی آواز سنکر بہت خوش ہوا وہ کئی مہین قیامت دانے
 اس طرح مار مار کر توڑ ڈالے اسوقت آبدار بانی پلانیک واسطے حاضر تھا اُسنے یہ حال دیکھ کر کہا کہ باقی دانے مجھے یہ رہنمائی
 مرزا نے وہ موتی جو کئی ہزار روپے کے تھے دے ڈالے تذکرہ حکومتہ المسلمین میں ہے کہ وزیر علیخان کے مرنے کے بعد
 انگریزوں نے محمد علیخان وغیرہ انبائے وزیر علیخان کے واسطے چھ سو روپیہ درماہ اس تفصیل کیساتھ تجویز کیا کہ تین سو
 محمد علیخان کے نام و تین سو اُسکے چھوٹے بھائی اور زوجہ وزیر علیخان کے واسطے مقرر کیا اور نو گیارہ مہینے کا حکم دیا لیکن
 اُسکی زوجہ نو گیارہ مہینے ہی اور لکھنؤ میں آکر رہیں علیخان کے بیٹے مرزا ابوالکلا کے ساتھ کلاج کر لیا بعض نے لکھا ہے کہ اُس عورت کیلئے
 چھ سو روپیہ ماہوار سرکار انگریزی سے مقرر ہوا مرزا ابوالکلا کے بعد یہ تنخواہ اُسکے فرزند پیر مقرر ہوئی اور وزیر علی کے بیٹے بھی چار
 اُسکے نطفے سے تھے کچھ پاتے تھے اور اُس عورت کا زوجہ ایک صندوق میں تمام زبھورا کے تصرف میں آیا۔

وزیر علیخان شعر بھی کہتا تھا ایک اہل اُسکی یہاں لکھی جاتی ہے جو اُسنے اپنی مصیبت کی حالت میں کہی تھی مخلص و تیری کرتا تھا
 جو ن سبزہ رُنب آتے ہی پیر و نکے تلے ہم اس گردشِ افلاک سے پھولے نہ پھلے ہم
 رہنے ہیں شب و روز اسی فکر سے یارب غنچے کی طرح باغ میں گل ہو نہ کھلے ہم
 ارمان بہت کہتے تھے ہم دل کے چمن میں بیٹھے نہ خوشی سے کبھی سائے کے تلے ہم
 جس گل پہ نظر کرتے ہیں آتا ہے نظر خار گلشن کے پلے جاتے ہیں کانٹوں میں لے ہم
 ہم وہ نہ قلم تھے کسی مالی کے لگائے زر گس کے ہنا لو نہیں تھے آصف کے پلے ہم
 افسوس کہ اس دل کا کنول کھلنے نہ پایا کوئی دن میں چلے جاتے ہیں ماٹی کے تلے ہم
 اب پہلے ہی آغازِ دین پا مال ہوئے ہیں فریاد کریں کس لئے قسمت کے جلے ہم
 دکھ اپنا عیش کہتے ہیں بیدار دے کے آگے بے بس جو جہان آگے ہرگز نہ ملے ہم
 زمانِ مصیبت میں بھلا کس کو بلائیں رہتے ہیں وزیر میری ہی سے دراز تلے ہم



نواب سعادت علی خان بن نواب شجاع الدولہ

آب حیات میں لکھا ہے کہ نواب سعادت علی خان حرم کے شکم سے تھے اُنکو بچپن میں منگلو کہتے تھے کہ منگل کو پیدا ہوئے تھے۔ اُنہیں زیر کی اور دانائی کے آثار بچپن ہی سے عیاں تھے۔ نواب شجاع الدولہ آصف الدولہ کی والدہ سے کہا کرتے تھے کہ سلیم اگر منگلو کے سر پر تم ہاتھ رکھو گی تو تمھارے دوپٹے کا پھریرا لگائے گا اور لشکر کا علم زبرد کے اُس پار لگا دیا جائے گا۔ ۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے خط شکستہ خوب لکھتے تھے خط سکھانے پر افضل حسین خان علامہ مقرر تھے یہی اتالیق تھے اور مولوی عبدالحکیم کشمیری پڑھاتے تھے عین عالم شباب میں فوج کیسل سلطنت مدار الدولہ مختار الملک نواب سید یوسف علی خان بہادر مصمص جنگ کی بیٹی سے اکیڑ آباد میں شادی ہوئی تھی غلام ہند میں بیان کیا ہے کہ مرزا نجف خان نے علاقہ ہندون بیانہ وغیرہ جس کی جمع سالانہ سات لاکھ روپیہ تھی۔ نواب سعادت علی خان کے سپرد کیا۔ نواب کے ساتھ ہوتے آٹھ ہزار آدمی جمع ہوئے تھے اور نواب مدار الدولہ نیابت کرتے تھے اور نواب محصوف علاقے کے مفسدون کی سرکوبی میں ہمہ تن مصروف تھے۔ لیکن دلی منشاویہ تھی کہ مرزا نجف خان اور

و منافی مصلحت وقت یافتہ درس نہ کئے اور ویکصد دود و یک ہجری روانہ بنارس شہنشاہ بہ
 الہیہ مشہور ہو کر گاہک بظہر اقامت انداختند زہر کہ بہت مصارف سرکار مقرر گشتہ بود بواسطہ
 الہالی سرکار دولتدار کمپنی انگریز بہادر ہما نجا رسید و مدت بہت سال بانتظار فرودہ غیبی ہما نجا
 بسر کردید۔ بہر صورت نواب سادات علی خان حسب اشارہ گورنر جنرل لکھنؤ میں آئے اور نواب
 آصف الدولہ سے ملے اور چند روز یہاں رہ کر کلکتہ کو چلے گئے اور وہاں گورنر جنرل سے ملاقات
 کر کے ان کے مشورے سے بنارس کو چلے آئے اور یہاں مادھو داس کے باغ میں قیام کیا اور تین لاکھ
 لاکھ روپیہ سالانہ ریاست لکھنؤ سے ریڈینٹ کی معرفت پہنچنا قرار پایا۔ مشہور ہے کہ جس زمانہ
 میں نواب سادات علی خان کلکتہ میں رہتے تھے اکثر گورنر جنرل کی کوٹھی پر آمد و رفت کھتے
 تھے ایک دن ایک گوسے نے جو کوٹھی کے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا نادانستگی کی وجہ
 سے روکا اور کچھ نا ملائم الفاظ زبان پر لایا اس کے جواب میں نواب نے شمشیر نکالی مگر سے
 پہنچ کر ماری وہ گورہ زخمی ہو کر گورنر جنرل نے چشم پوشی فرما کر بنارس کو رخصت کیا کہ وہاں
 قیام اختیار کریں اس مقام میں سادات علی خان اور گورنروں سے جو لکھنؤ میں آئے اور ریڈینٹوں
 اور شانہ زادگان اولاد مرزا جوان بخت سے بخوبی راہ و رسم محبت جاری ہو گئی تھی اور اپنے گھر کے
 مراحل و مخارج کا انتظام اس حسن و خوبی سے کیا تھا کہ چالیس لاکھ روپے بنارس میں ان کے پاس جمع
 ہو گئے تھے خزانہ قدیم اسی سے مراد تھی اور زمینداری اور باغات اور عمارات اس کے سوا تھیں
 جسکی آمدنی بارہ ہزار روپیہ ماہوار تھی۔ نواب کی جزیسی اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ صیقل اور
 فیضانے کا آخر بھی ضائع نہیں ہونے پاتا تھا۔ دانے اور رات کے پکنے میں کام آتا تھا۔

نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد جب وزیر علی خان مسند نشین ہوا تو نواب

دوسرے کارپردازان بادشاہی کی سہی سے عمدہ نیابت وزارت جو شجاع الدولہ کے عہد میں اُنکو حاصل تھا یا کوئی عمدہ جاگیر جس میں کسی قسم کا خرشتہ نہوا اور صورت ثروت ظاہری قائم رہے اُنھوں نے گریہ تنائے دلی پوری نہویٰ مرزا نجف خان کی ہمیشہ جنگ و جدل میں لگڑتی تھی اور نواب سعادت علی خان کے مزاج کورات دن کی محنت ناگوار تھی آخر اگر بے تک پہنچکر واران ہیسٹنگز گورنر جنرل کو جانب کلکتہ خط شوقیہ اس مضمون کا لکھا کہ مرزا نجف خان کی لشکر کا عنقریب آگے بڑھنے کا ارادہ ہے اُس کے جواب میں گورنر جنرل نے لکھا کہ آپ کا اسکے ساتھ جانا مناسب نہیں لکھنؤ کی جانب مراجعت بہتر ہے گوناب آصف الدولہ کے عہد تک کوئی امر تازہ مستور نہیں مگر میں اس بات کا ذمہ دار ہو سکتا ہوں کہ اُنکے بعد آپکے سوا کوئی دوسرا وراثت کے لائق نہیں اسوقت یہ منصب بزرگ آپکے تفویض ہو گا مگر یہ روایت پایہ اعتبار سے ساقط معلوم ہوتی ہے۔ اگر واران ہیسٹنگز ایسا صریح وعدہ کر لیتے تو وزیر علی خان کی مستثنیٰ اور معزولی کے وقت اسکا ضرور ذکر آتا اور نواب سعادت علی خان اس تحریر کو میر جان شہو گورنر جنرل کے سامنے پیش کرتے۔ اس بارے میں سلطان الحکایات میں جو کچھ لکھا ہے وہ حق معلوم ہوتا ہے اسکے قول کو اُسی کی عبارت میں بیان نقل کرتا ہوں۔ پس انقضائے یکسال خود بدولت نامہ یہ نواب ستطاب گورنر جنرل واران ہیسٹنگز صاحب بہادر مشعر عنایت خود بطرفے کہ خدا بردار و قزاق کلک گہر سلک نمودند و چون نواب گورنر جنرل بہادر پیراوش نگاشتند کہ عنایت آن شائستہ ریاست و ایالت بچان و گرمانی مصلحت بل ازین غم نامناسب تشریف بری لکھنؤ انسب چہ در انجا چہار لک روپیہ سالانہ برائے مصارف لایبی مقرر خواہد گشت و ثبوت نواب وزارت مآب آصف الدولہ بہادر مشعر طلب آن جناب لف مکتب مفرح القلوب خود فرستادند و زول اجلال بہ لکھنؤ فرمودند و بود و باش را آنجا ہم ناگوار طبع حیدر بیگ وغیرہ کارپردازان سرکار فیض آثار

جب گورنر جنرل نے اُنکے نواب بنانے کے لیے شرائط پیش کیں تو اُن کا کیا مقدور تھا کہ اس میں حیلہ و حجت نہ نکالتے سب شرائط پر سچھکا دیا فیض بخش نے فرح بخش میں کھلے کہ انگریزوں نے نواب شجاع الدولہ کی بڑی سیوی کو پیام دیا کہ آپ کے جو کچھ مطلب ہیں وہ بیان کر دیجئے تاکہ نواب سادات علی خان سے وہ پورے کرادیے جائیں۔ بیگم نے کہا کہ چند مقام شجاع الدولہ کے عہد سے بغیر دوسرے کی شرکت کے میرے نائبوں کے قبضے میں تھے آصف الدولہ میرا بیٹا تھا اُس نے اُن پر قبضہ کر لیا میں نے کوئی مضائقہ نہ سمجھا اب اُنکو میرے آدمیوں کے سپرد کر دینا چاہیئے چنانچہ پرگٹہ ٹانڈہ و نواب گنج کہ دریائے گھاگرا کے پاس شمال کی جانب واقع ہے اور تمام صوبے کا کلہ داغ اور اسماعیل گنج جو بھٹی گنج کے پاس شہر لکھنؤ کے متصل ہے اور قصبہ اُناؤ اور وزیر گنج یہ سب میرے تھے انکی جمع شخص کرا کے اُنکے عوض میں چکلا اودھ اور رام پور اور نور پوری بھی دلوادیے جائیں دوسری درخواست بیگم نے یہ کی کہ نواب شجاع الدولہ کی کھجی اور متاعی اور دوسری قسم کی عورتوں کی تنخواہیں جو خر و عمل کلاتی ہیں اور نواب صفر جنگ کی خاص محل کے متعلقین کی تنخواہیں نقد مقرر ہیں جو دشواری کے ساتھ وصول ہوتی ہیں اس لیے یہ سب لوگ تکلیفیں اٹھاتے ہیں ان کی تنخواہوں کی جگہ محال گوئدہ محسوب کر کے ہمارے آدمیوں کے قبضے میں دیدیا جائے تاکہ ماہ باہ انکا مشاہرہ ہمارے اہلکاروں کے ہاتھ سے پہنچتا رہے۔ انگریزوں نے یہ باتیں بھی نواب سادات علی خان سے پوری کرادیں۔ نواب موصوف بنارس سے کانپور میں آئے اور کانپور سے اُنکی جلوبین اردو سے بزرگ ساتھ ہوا اس شان سے لکھنؤ میں آئے۔

ازبلدہ بنارس باجاہ و کامرانی در لکھنؤ چو ماہ برج سادات آمد
تاریخ مقدمش راجستم زیر وانش گفتا گو سادات با صد سادات آمد

سعادت علی خان نے اُسکی مسند نشینی کو تسلیم نہیں کیا اور کلکتے کو گئے اور وہاں اپنی مسند نشینی اور وزیر علی خان کی معزولی کی بابت کوشش کی اور وزیر علی خان کی معزولی کے وقت ڈاک کے ذریعہ سے کانپور میں داخل ہوئے۔ یہاں مرزا جنگلی وغیرہ اپنا سے نواب شجاع الدولہ بے پرکی اُگرتے تھے کہ یہ دولت اور ثروت ہمارے نصیب ہونی ہے۔

لخص تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ اتفاقاً تفضل حسین خان اور وزیر علی خان کی جو آپس میں بگڑی تو تفضل حسین خان نے مولوی سدن کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ اس شخص کے حال سے میں اچھی طرح واقف ہوں اگرچہ یہ میرا شاگرد ہے لیکن مجھے اسکا ہرگز اطمینان نہیں اگر تمہیں اس سے اطمینان ہو اور قول و قسم لیتو تو عجب نہیں ہے کہ ریاست اسے لجا لے یہ مولوی نواب کا مشیر خاص اور اُستاد بھی تھا غرض کہ اُس دن نواب کلکتے کے سستریں راج محل میں تھے کہ ڈاک انگریزی کے ہر کسے نے رات کے وقت وہ خط مولوی کو پہونچایا۔ اُنھوں نے اُسی وقت نواب کو دکھایا اور جو کچھ اس معاملے میں عرض کیا سب مقبول ہوا اور نواب نے خود اپنے آپ کو شہر نار میں پہونچایا۔ اور صاحب ریڈنٹ نے وہاں اُن سے اقرار اپنے سامنے اس طرح پر لیا کہ جو کچھ گورنر جنرل فرمادینگے اُس سے اُنھیں کچھ انکار نہو گا نواب نے اُسکو بخوشی خاطر منظور کیا دوسرے دن پاکلی میں سوار ہو کر کانپور کو روانہ ہوئے اور جب تک نواب کے پہونچنے کی خبر نہ پہونچی اُس وقت تک مرزا وزیر علی خان کی گرفتاری میں تامل تھا اور جب اُنکا دہان آجاتا معلوم ہو گیا شام کے وقت مرزا کو گرفتار کر لیا۔

نواب سعادت علی خان کی مسند نشینی

جب وزیر علی خان کی معزولی کی ٹھہری تو نواب سعادت علی خان متقی سلطنت ٹھہرے

کہ نواب یمن الدولہ رونق بہ مسند داد و فائز گشت برحق
سعادت یاب شد خلق از جکوشش دل احباب شد بس خرم و خوش
زنظم و نسق او عالم نوی یافت ز تحف خوش بنائے خسروی یافت
ز واثق نظم سالش شد مطرز شدہ زیب و قرار حق بر مرکز

دریائے لطافت سے استفاد ہوتا ہے کہ نواب موصوف کو جناب عالی کے لقب سے لوگ یاد کیا کرتے تھے نواب سعادت علی خان سے یہ جدید عہد و پیمان ہوئے کہ ۱۷۳۸ء سے ۱۷۶۱ء سالانہ کے سوا جو نواب آصف الدولہ نے انگریزی کمپنی کو دینا قبول اور منظور کیا ہے نواب ۱۷۶۲ ۲۲ ۱۹ روپے سالانہ اور بھی ادا کیا کریں گے یعنی کل ۷۹ لاکھ روپیہ سالانہ انگریزون کو دیا کریں گے اور اس روپیہ کو قسط بندی کے ساتھ بتعداد ۶ لاکھ ۳۳ ہزار ۳ سو ۹ روپیہ بانچ آنہ چار پائی کے ماہ بامہ ادا کریں گے اگر احياناً یہ روپیہ بموجب قسط کے وقت پر ادا نہ ہوگا اور باقی رہ جائے گا تو نواب اس طرح کی ضمانت ادا سے بقایا اقساط آئندہ کے لیے کمپنی کے میان داخل کرینگے جس سے اس کو اطمینان ہوگا اور جو روپیہ پہلے اقرار ناموں کے بموجب ان کی مسند نشینی کی تاریخ تک باقی ہوگا وہ فوراً ادا کیا جائے گا۔ مرزا جو ان سخت کی سیگم اور شاہزادگان بنارس کی تنخواہ تعدادی دو لاکھ چار ہزار روپیہ سالانہ اور فرخ آباد کی پیش تعدادی ۲۳ ہزار چھ سو ۲۳ روپیہ اس چہتر لاکھ کی رقم میں شامل تھی اور قلعہ الہ آباد مع تعمیرات گھاٹ وغیرہ کے جو اس کے متعلق تھے کمپنی کے حوالے کیا گیا اور جس قدر اس قلعہ کے مستحکم کرنے اور مرمت کرنے میں روپیہ صرف ہوگا اس کے دینے کا نواب نے وعدہ کیا بشرطیکہ تعداد اس کی آٹھ لاکھ روپے سے زیادہ نہوگی اور قلعہ فتح گدھ کی مرمت کے لیے بھی

سارا لشکر انکے پاس انگریزی تھا۔ کیونکہ ان کیس بیچارے کے پاس سپاہ کمان سے آتی غرض جیسے نواب سعادت علی خان شہر لکھنؤ میں داخل ہوئے اسی رات کو وزیر علی خان کوٹھی بی بی پور میں گورنر جنرل کی فرود گاہ پر نظر بند ہوا فقط آفرین علی خان اور اشرف علی خان انکے پاس ہے باقی تمام سرداروں اور سلطنت کے رشتہ داروں نے گورنر جنرل کے حکم سے استقبال کیا۔ ۳ شعبان ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۲۱ جنوری ۱۸۶۸ء کو اور بقولے یکم جنوری کو کہ بسنت کا دن تھا بڑے تہنل اور شان سے لکھنؤ کے بازار میں ہوتے ہوئے دو تہانے میں پہونچے اور اسی دن مسند ریاست پر جلوہ افروز ہوئے اور حق بقدر رسید کا غلغلہ سائے شہر میں بلند ہوا مسند نشینی کے وقت انکی عمر ۴۷ برس کی تھی۔ نواب پہلے بہو یکم زوجہ نواب شجاع الدولہ کے پاس جو فیض آباد سے لکھنؤ میں اگر سہری برج میں مقیم تھیں حاضر ہو کر خلعت سے نخلع ہوئے۔ بعد اسکے مرزا سلیمان شاہ کوہ کے پاس جو لکھنؤ میں مقیم تھے گئے یہاں بھی خلعت حاصل کیا اسکے بعد دولت خانہ آصفی میں آکر مسند وزارت پر جلوس کیا وزیر علی خان کا اخراج اور سعادت علی خان کی مسند نشینی علامہ تفضل حسین خان کی حسن تدبیر سے ہوئی تھی۔

تاریخ جلوس

خداوند امین الدولہ در دہر
خرد سال جلوس سندش گفت

حکومت راعدوسی سال باشد
بجاہ و حشمت و اقبال باشد

دیگر

سوم بودہ ز شعبان یارک اند
مبارک روز یکشنبہ ازان ماہ

بسنت و ماہ ماگھ از ہندیان بود
جو گلہا دل شگفتہ بود و خوشنود

قدیمی قیام گاہ کے پاس واقع تھے انکی جاگیر میں شامل کیے اور اس اقوا زنامہ کی تفصیل کی
ضامن انگریز محوایست اند یا کمپنی ہوئی۔

بہو بیگم اور نواب سعادت علی خان مین نا اتفاقی کی دیوار حائل ہونے کے اسباب

جب تک بہو بیگم صاحبہ لکھنؤ میں مقیم رہیں صبح و شام آصف الدولہ کی سرکار سے
اُن کا کھانا مقرر تھا وہ آپ تو نہ کھاتی تھیں نوکروں اور خادموں کے خرچ میں آتا
تھا صرف دوپہر کے وقت ایک بار اُن کے کھانے کا معمول تھا مولوی فضل عظیم نے جاہر علی خان
کے ذریعہ سے بیگم صاحبہ سے عرض کرایا کہ اگر آپ ارشاد کریں تو چار سو روپے روز نقد دخل
اگر دیے جائیں اور جیسی خواہش ہو وہیں باور چھانے میں کھانا پاک جایا کرے چنانچہ دو ماہ
تک آصف الدولہ کے عہد میں اور چار ماہ تک وزیر علی خان کے عہد میں اور ایک ماہ تک
نواب سعادت علی خان کے عہد میں یہی دستور جاری رہا کہ بارہ ہزار روپیہ ماہوار کے
حساب سے سات ماہ کے چور اسی ہزار روپے کھانے کے نام سے بیگم کی سرکار میں پہنچ
گئے ہر روز صبح کے وقت مولوی صاحب چار سو روپے پہنچا دیا کرتے تھے جس دن نواب
یعین الدولہ بیگم کے حضور میں پہنچے تھے اور اُن سے خلعت حاصل کیا تھا تو اپنا سر
اُن کے پائوں پر رکھ کر عرض کیا تھا کہ حضور اپنے دست مبارک سے دستار میرے سر پر
رکھیں تاکہ برکت کا موجب ہو اور یہ غلام اس قدر خدمت فدویانہ بجالائے گا کہ بھائی
صاحب خاطر اشرف سے فراموش ہو جائیں گے جب مستند شیشی سے ایک ماہ
کے بعد جمع و خرچ ڈبوڑ جہات کا کاغذ دیکھا تو ہر کار خانے میں کی ویشی کی ان

دینے کا وعدہ کیا جو تین لاکھ روپے سے زیادہ نہ ہو گا۔ اگر فوج انگریزی چھاؤنی کا بنور
اور فتح گڑھ سے کسی اور مقام مناسب پر جلے تو نواب خرچ راہ اور تعمیر چھاؤنی مجوزہ کا دینگے
انگریزی سپاہ اودھ میں اکثر دس ہزار رہا کرے گی اگر تیرہ ہزار سے زیادہ ہوگی تو نواب کو خرچ
زائد دینا پڑے گا اور اگر آٹھ ہزار سے سپاہ کم رہے گی تو مناسب کے حساب سے
روپیہ منہا کیا جائے گا۔ انگریزوں نے جو محنت و مشقت نواب کی جانشینی کے لیے
اٹھائی اُس کے عوض میں نواب نے بارہ لاکھ روپے دیے اور یہ اقرار کیا کہ بغیر اُن کی
اجازت کے وہ کسی ریاست غیر سے خط و کتابت نہ رکھیں گے نہ کسی اہل یورپ کو نوکر
رکھیں گے نہ اپنے ملک میں بسنے دینگے وزیر علی کو ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ اُسکے خرچ کے لیے
دینگے اور یہ روپیہ ماہوار سی قسطن میں تعدادی بارہ ہزار پانسو روپیہ کے انگریزی کمپنی کی معرفت
دیا جائیگا اور باقی اوجو بھتیجے مشہور ہیں اُنکے لیے معقول گزارہ مقرر کریں گے اور اُن کی پرورش
کریں گے اور نواب نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ بوجہ بڑھ جانے زراداے کمپنی کے اپنے دفاتر اور
لازمین وغیرہ کے اخراجات میں سرکار کمپنی کے مشورے کے مطابق ضروری اور مناسب
کسی کریں گے اور انگریزی کمپنی نے تمام دشمنوں کے مقابلے میں نواب کے ملک کی حفاظت
کرنے کا وعدہ کیا۔ اور یہ بھی عہد نامے میں مسطور تھا کہ دونوں سرکاروں کے تمام کام نہایت کچھتی
اور اتحاد سے طرفین میں سرانجام پایا کریں گے اور نواب مدد و کھل اختیار اپنے خانگی کاموں پر اور
اپنے ملک موروثی پر اور اپنی فوج اور رعایا پر حاصل رہے گا۔

نواب نے ۱۷۹۸ء فروری ۱۷۹۸ء کو بہو لکیم والدہ آصف الدولہ کے ساتھ ایک عہد نامہ
قرارد یا جسکی رو سے ساس کی کنیزوں وغیرہ کی اور نواب شجاع الدولہ کی زنان خرمحل کی
پشتونکی عوض میں محال گنڈہ انکودیا اور محالات اودھ بچم راجہ منگل سی جو فیض آباد میں بہو لکیم کے

بیگم صاحبہ کے سلام سے مشرف ہو جایا کرتے تھے برسوں کے بعد ستورات خرد عمل نے
 بیگم صاحبہ سے عرض کرایا کہ ہم سب کو حضور اپنی کنیت بھین ہمارا غمنا رہنا نواب شیخ الدولہ
 کی زندگی تک تھا اب امید ہے کہ جب تفریح و سیر کے لیے آپ سوار ہوں تو ہر کو بھی خدمتگزاری
 کے لیے ساتھ رکھا کریں بیگم نے حکم دیا کہ یازار سے کرایہ کی پہلی اور گارمی لیکر سوار ہو کر
 اتنی رہیں چنانچہ یہی دستور ہا ان عورتوں کو سامنے بیٹھنے کا بھی حکم نہ تھا البتہ جو کسی قدر ممتاز تھیں
 وہ پشت کے پیچھے بیٹھتی تھیں۔ جب نواب سعادت علی خان مالک ملک ہوئے تو اپنی ماں کو
 فیض آباد سے بلوایا۔ انکی سواری میں وہی شان و شوکت مقرر کی جو بہو بیگم کے لیے تھی سکھپال
 میں بیٹھ کر ان کے سامنے نقارہ ہنسی و شتری بجایا جاتا تھا انکی سواری جب اس جاہ و جلال سے
 برجِ طلائی کے تالے سے نکلی حسین بیگم صاحبہ مقیم تھیں تو یہ بات انکے دل کو بے حد ناگوار گزری تھیں
 ہو کر فرمایا کہ ادھر سے سواری نہ گزرے اور اب اس بات پر آمادہ ہوئیں کہ اپنی جائداد
 اور زر نقد کا انگریزوں کو مالک کر دین زریڈنٹ کو بلوایا اور سکھپال میں بیٹھ کر برجِ طلائی کے
 تالے آکر ایک مکان میں خود بیٹھیں اور زریڈنٹ بھی اسی میں بیٹھ لے گئے سوئے جاہر علی خان
 کے کوئی دہان نہ رہا اب اپنی زبان سے زریڈنٹ سے کہا کہ آصف الدولہ میرا حقیقی بیٹا تھا
 میری حیات میں اس نے انتقال کیا اب بعد میرے کوئی میرا وارث شرعی باقی نہ رہا میری کل
 امین زر نقد اور جواہرات اور بیش قیمت کپڑے اور دوسرے سامان کی کثرت ہے جب تک میں
 زندہ رہوں اپنے تمام مال و اسباب کی بدستور مالک ہوں بعد اسکے سرکار کمپنی کے حوالے
 اس شرط سے کرتی ہوں کہ میرے متعلقین کو جو کچھ میں اپنے سامنے دیا کرتی ہوں انکو اس قدر
 اتنا ہنسلا بعد نسل ملتی رہے آپ یہ بات گورنر جنرل کو لکھیں زریڈنٹ یہ کلام بیگم صاحبہ کی
 زبان سے بے شک چلے گئے اور گورنر جنرل کو سب حال لکھ بھیجا جب نواب سعادت علی خان کو

دعوت کے چار سو روپوں پر نظر پڑی تو دو سو روپوں کی کمی کر کے دو سو روپے باقی رکھے بیگم صاحبہ کے دل پر یہ بات نہایت گراں گزری فرمائے لگین کہ یہ بیٹا بہت کم حوصلہ ہے یہ نہیں جانتا کہ اول تو یہ تمام مال شجاع الدولہ کا ہے بعد اُنکے آصف الدولہ کا اور حقیقت میں دیکھا جائے تو ہمارا ہے دوسرے ہم لکھنؤ میں چند روزہ مہمان ہیں عنقریب فیض آباد کی روانگی کا ارادہ ہے اگر دس مہینے ہزار روپے ہمارے متعلقین کے کام میں آصف الدولہ کے مال میں سے آجاتے تو ایسا کونسا بھاری نقصان ہو جاتا یہ پہلی کبیدگی خاطر تھی۔

دوسرا سبب کبیدگی کا یہ ہے کہ اس سال سجدہ بارش ہوئی دریائے گومتی نے اتنی طغیانی کی کہ برج طلائی کے چند زینے پانی میں غرق ہو گئے خواجہ سراؤں کے مکان اور بیگم صاحبہ کے باورچخانے کے مکان جو خس پوش تھے پانی میں ڈوب گئے اسوجہ سے یہ لوگ پتھ پو لیہ پر ٹھہر گئے اور باورچخانہ بھی وہیں قائم کر دیا نواباؤ تیلخانہ نے میرنار علی داروغہ باورچخانہ بیگم صاحبہ کو فرمایا کہ پتھ پو لیہ سے کارخانے ہٹالو بیگم صاحبہ اس بات سے اور بھی کبیدہ خاطر ہوئیں جب بیگم نے مسڈن صاحب رزیدنٹ کے پاس شکایت بھیجی تو انھوں نے بیگم کے باورچخانے کو پتھ پو لیہ پر قائم کھا اور نواب کو خفت حاصل ہوئی۔

اور سب سے بڑھ کر وجہ بیگم کی آرزوگی کی یہ ہے کہ شجاع الدولہ کو بیگم صاحبہ کی اس قدر پاسداری تھی کہ کوئی شخص یہ قدرت نہ رکھتا تھا کہ اُنکے سامنے کسی خردمحل کا یا آصف الدولہ کے سوا کسی خردمحل کے بیٹے کا نام زبان پر لا آتا جب شجاع الدولہ نے انتقال کیا تو بتدریج ان لوگوں کا چرچا ہوا کبھی کبھی نواب سعادت علی خان اور مرزا جنگلی

اپنے بیٹے نصیر الدولہ مرزا محمد علی خان اور اسٹور صاحب کے ساتھ پانچ چھ ہزار فرج رام پور کو بھیجی اور حکم دیا کہ ان صاحبزادوں کو لکھنؤ میں لے آئیں یہ سپاہ رام پور کے قریب پہنچ کر دریائے کوئی کے کنارے مقیم ہوئی۔ نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹے اس بات سے بالکل غافل تھے انکا فساد کا ارادہ نہ تھا اس لیے محمد علی خان کے پاس چلے گئے محمد علی خان نے سب کو خلعت دیے۔ اسٹور صاحب بھی محمد علی خان کے ڈیرے میں اُن سے ملنے کو آیا اور صاحبزادوں کی بہت دیکھائی کی بعد اس کے لکھنؤ کی فوج نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹوں کو اپنے ہمراہ لیکر غلام حرم سلسلہ حیرام پور سے لکھنؤ کی طرف واپس ہو گئی اور لکھنؤ پہنچ کر محمد علی خان اور اسٹور صاحب نے نواب سعادت علی خان سے اُن صاحبزادوں کی ملاقات کرائی۔ نواب نے سب کو خلعت اور ہاتھی اور شمشیر عنایت کر کے لکھنؤ میں رہنے کے لیے حویلیان دیدین یہ صاحبزادے ڈیرے برس تک وہاں مقیم رہے چونکہ اُن سے کوئی حرم سرزد نہیں ہوا تھا اس لیے لارڈ دالہؤزی (ارول مارنگٹن) نے کلکتے سے نواب سعادت علی خان کو لکھا کہ نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹوں کو رام پور کی طرف رخصت کر دینا چاہیے۔ نواب سعادت علی خان نے ہر ایک صاحبزادے کو خلعت ہفت پارچہ اور فیصل و شمشیر دیکر رام پور کو چلے جانے کی اجازت دیدی۔

نواب سعادت علی خان کا شاہ دہلی کے ہاں سے خلعت
وزارت حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اس میں کامیابی نہ ہونا

نواب سعادت علی خان نے بادشاہ دہلی کے حضور میں لطف علی خان پسر شیدی
بلال محمد خان اور میٹر پور صاحب کو خلعت وزارت حاصل کرنے کے لیے بھیجا یہ دونوں نذر اور

یہ خبر پہنچی تو داراب علی خان کو طلب کر کے فرمایا کہ بیگم صاحبہ کی اس خلاف معمول حرکت سے جو یہ غیرت و حشمت کے سیراج گر جل گیا بابا جان اور بھائی صاحب کے عہد سے کسی نے کبھی انکی آواز نہ سنی تھی آج کو نسی ضرورت پیش آئی کہ انھوں نے زرنٹ سے بلا واسطہ اپنی زبان سے بات کہی داراب علی خان نے نواب کا یہ کلام بیگم صاحبہ سے بیان کیا انھوں نے جو ایدیا کہ جبکہ تم سے فرزند رشید ہم سے اسند نشین ریاست ہوئے تو اس درجہ کو نوبت پہنچی اور آئندہ اس سے بھی بڑھ کر توقع ہے خدا جلے تمھارے عہد میں اور کسی بار ایسا واقعہ ہو تم ہر روز انگریزوں سے تنہا اپنے مطلب اپنی زبان سے بیان کرتے رہتے ہو میں کبھی اسکا شکوہ نہیں کرتی اگر میں نے ایک بار اپنے مطلب کو اپنی زبان سے بیان کیا تو تمھارا کونسا بڑا نقصان ہو گیا ہم اپنے کام کے غمازین تکو امین گفتگو کی گنجائش نہیں۔

الغرض ۱۷ ماہ تک بیگم لکھنؤ میں رہ کر سوال ۳۲۷ بھری میں لکھنؤ سے فیض آباد کو چلی گئیں جہاں گوندہ اور اودھ اب بیگم کے تصرف میں آگئے تھے اس لیے پیادہ و سوار سابق سے زیادہ لوگ رکے جادوی لاخری سلطانہ بھری میں جواہر علی خان خواجہ سرا کا انتقال ہو گیا۔

نواب سید فیض اللہ خان بہادر والی رام پور کے بیٹوں کو
شہرہ مخافتانہ پر نواب سعادت علی خان کا لکھنؤ بلا لینا
گورنر جنرل کے حکم سے ان کو واپس روانہ کرنا

جام جہان نامین لکھا ہے کہ نواب سعادت علی خان کی مسند نشینی سے کچھ دنوں کے بعد انکو یہ خبر پہنچی کہ نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹے مخالفت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں انھوں نے

ہے ہی افضل حسین خان کو سفیر بنا کر کلکتہ کو بھیجا یا جہان وہ پہلے بھی تھے اور پھر سمجھ کر ہر ایک کو انکی لیاقت کے موافق بڑے بڑے کام دیے اور جن لوگوں نے نیک حرامی کی تھی انھیں سزا دی خلعت نیابت سے بدستور سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خان سرفراز ہوئے اور دیوانی راجہ ٹکٹ رائے کے لیے تجویز ہوئی جب انھوں نے ۱۲۱۳ھ میں انتقال کیا تو کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

راجہ ٹکٹ رائے سنا پیشہ زمان چون جان پاک خوبہماں آفرین سپرد
رفتم بفر از پے تاریخ سال او آمدن از غیب کہ فیاض عہد مرد
دیوانی کا عہدہ جسے سکھ رائے واصل باقی نويس سے متعلق ہوا اور اس کے انتقال پر دیوانی کا خلعت دیا کرشن کا ایستھ کو خطاب راہگی کے ساتھ عنایت ہوا۔ یہ شخص سیاق و سباق میں بدطو لے رکھتا تھا۔ اور رتن چند بقال ساکن مراد آباد جو نواب کے ساتھ بنارس سے آیا تھا عہدہ نیابت جرنیلی پر سرفراز ہوا۔ یہ شخص نہایت جزر س اور کفایت شعار تھا اسلئے نواب کے مزاج میں دخل پیدا کر لیا اور ٹکلی کامون میں دال اسکی گھنے لگی۔ پندرہ ہزار روپیہ کی جاگیر ملک بانگیرہ میں اسکو ملی اور اس کے انتقال کے بعد اسکا بیٹا انگن لال اس جاگیر پر قابض ہوا اور بخشی گری پر رائے تلسی رام متعین ہوا باقی اور خدمتوں کی تقسیم کی گئی اخبار شہر کا سرشتہ صاحب رام سے متعلق ہوا اور چٹکون کے اخبار کا کام جنتی پرشاد کو دیا اور دار الضرب کی خدمت بالکشن کو جسکا چھٹا لکھنؤ میں سرانے محالی خان میں موجود ہے دی اور انکی نیابت ہنسی دفتر کے متعلق ہوئی اور ہر کارے خبر کے لیے اور خفیہ نويس ہر ایک امیر و سردار اور اہل خدمت و محل کی ڈیوڑھیوں پر مقرر ہوئے پہلے نواب نے اخبار کا انتظام فرمایا اور اس کام پر اسقدر متوجہ ہوئے کہ ہر کارے ضروری اخبار کے پرچے

رسم لیکر داخل دہلی ہوئے اورن صوبہ اودھ اور فرمان وزارت کی درخواست شاہ عالم سے
 کی میر جعفر قیامت سے اٹاک وغیرہ صفد جنگ موقوفہ دہلی کی داروغگی پر مامور تھا اس کی
 معرفت پہلے سے سوال و جواب اس بات میں ہو رہے تھے۔ اس زمانے میں وہ مر گیا تھا تو
 لطف علی خان اسکی جگہ مقرر ہو کر بھیجا گیا تھا۔ شاہ عالم کو کوسے بالم تھے جو کچھ کرتا تھا شاہ
 نظام الدین کرتا تھا جو مہاجی سیندھیا کی طرف سے دہلی کا صوبہ دار تھا اور بادشاہ کا دارالمسلم
 تھا اور ابتدا میں شاہ کو رمی کہلاتا تھا اس نے جواب دیا کہ اس دور مان عالی شان کی رسم
 قدیم ہے کہ پہلے مرحوم کا تبرکہ نقد و جنس بطریق ضبطی اس سرکار شاہی میں آکر داخل ہو بعد اسکے
 اپنے مطلب کی طرف رجوع کر دینا چاہئے لطف علی خان اور شاہ نظام الدین کے درمیان
 صورت مناظرہ واقع ہوئی یہاں تک کہ بادشاہ کی طرف سے نہ جواب عرضی مرحمت ہوا اور نہ
 وکیلان وزارت عنایت ہوا۔ نواب سعادت علی خان نے بھی جھٹاکر سات ہزار روپیہ ہمار
 جو بادشاہ کے باورچنجانہ خرد کے صرف کے لیے لکھنؤ سے بھیجا جاتا تھا وہ بھی جتنا بند کر لیا وہ
 یہ بہانہ کیا کہ حالات الہ آباد سرکار کمپنی کے ماتھے میں چلے گئے۔ لیکن چھ ہزار روپیہ در ماہ
 مرزا سلیمان شکوہ کا بحال رہا۔ باوجود اسکے سرکار انگریزی کی تحریرات میں نواب کو وزیر الممالک
 لکھا جاتا تھا ان کا پورا خطاب اس طرح ہے نواب وزیر الممالک
 یمن الدولہ ناظم الممالک نواب سعادت علی خان بہادر مبارز جنگ
 بعض جزوی کاموں اور عہدوں کا انتظام

چونکہ نواب سعادت علی خان مرزا وزیر علی خان کے معاملے اور ارکان دولت کے
 حال سے بخوبی واقف تھے اور یہ منظور تھا کہ حکمت عملی سے ہر ایک کو بہتر دین اس لیے

و محمدی کی جانب روانہ ہوئے ایک دن شکار کا ہنگامہ گرم تھا۔ ایک شیر جنگل سے نکلا نواب اُس وقت نشہ شراب میں متوالے ہو رہے تھے وہ شیر اُن کے بہت قریب آ پہنچا نواب نے اُس پر بدوق سر کی گولی شیر کے تونہ لگی میر محمد علی خیل سوار کے سینے پر پڑی وہ ٹھنڈا ہوا نواب کا نشہ ہرن ہوا اور نہایت افسوس کیا اور اُسکے وابستوں کو زرفقہ دیا اور پھر بہت کم جانب شکار مہر دہن ہوئے۔ نواب نے چکلہ محمدی کو نہایت دیران پایا کھیتی کا کہین نام و نشان تھا کہین نہ تھا اُس کے آباد کرنے کے لیے حکیم محمدی علی خان کو جھون نے اکرام اللہ خان کی معرفت مستاجری کی درخواست کی تھی تین لاکھ روپیہ کی جج بروہ چکلہ ٹھیکے میں دیدیا حکیم صاحب نے پچاس ہزار روپیہ پیشگی کچھ اپنے پاس سے اور کچھ اپنی مشن پایا زوطا لف سے لیکر داخل خزانہ کیا حکیم صاحب کے انتظام سے وہ زمین ایسی سرسبز آباد ہوئی کہ اُس کی جمع بارہ تیرہ لاکھ روپیہ تک پہنچی رعیت نے بڑی آسائش پائی۔ بعد اس کے چکلہ فیض آباد بھی حکیم صاحب کے تفویض ہوا اور مستاجری کی نوبت چالیس لاکھ روپیہ تک پہنچی اور حکیم صاحب لاکھوں روپیہ کے آدمی ہو گئے اور حسن لیاقت اور دانشوری نے وہ مرتبہ بخشاکہ سعادت علی خان کی مصاحبت نعیب ہوئی اور پایا زوطا لف اُنکے محل میں آئی اور عالی شان عمارت محلہ نہرہ واقع لکھنؤ میں تعمیر کرائی جب عمارت دو منزلہ سہ منزلہ تعمیر ہوئی اہل محلہ نے مستغاثہ کیا کہ ہماری بے پردگی ہوتی ہے۔ نواب نے حکم دیا کہ جو دروازے اہل محلہ کی بے پردگی کا باعث ہیں وہ بند کر دیے جائیں حکیم صاحب نے منسوخی حکم کے لیے بہت کوشش کی مگر نواب نے بمقتضائے عدالت پاس ناموس شرفا ملحوظ رکھا اور حکم اول تبدیل نہ ہوا۔ حکیم صاحب کے کارخانے کا اختیار صاحب رام پسر پور پنچند و ٹیکارام بہرا دیکشتی بھولانا تھ کے متعلق تھا۔

خاص نواب کے ہاتھ میں پہنچاتے تھے سرشتے میں بھی انکی نقل نہیں ہوتی تھی اور ان ہر کاروں پر اور ہر کاسے خفیہ مامور تھے جو اخبار نویسوں کی تحریر پر ہی کے صدق و کذب سے خبر دیتے رہیں نواب کی حکومت کا جملہ دار و مدار پرچہ اخبار پر تھا اور بخلاف زمانہ ماضی کے نواب نے جرمائے کی رقم میں ترقی دی اور اسکو آمدنی کا ایک عمدہ ذریعہ خیال کیا۔ بعد اسکے نواب امور عدالت کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولوی سدن صاحب نواب کے استاد تھے پہلے ان سے حبیب خاص اور کئی خدمات کا تعلق تھا اب عدالت بھی ان کے سپرد ہوئی انکا سرخ اورون سے زیادہ تھا اور ضروری تحریرات بھی ان کی رائے سے جاری ہوتی تھیں خلوت و جلوت میں شریک ہوتے تھے اور کوتوالی کی خدمت بدستور میر بہادر علی کے پاس ہی اور عرض بگلیا عمدہ اور دیوانخانے کی خدمت بیک علی پر بحال رہی اور چکونکی تقسیم اس طرح ہوئی کہ ملک بلیمن دو آبیہ گنگا دھمنا جو پٹھانوں سے ہاتھ آیا تھا الماس علی خان کے سپرد ہوا۔ اس شخص کا زور شور اس زمانے میں زیادہ تھا۔ بریلی ملک روہیلکھنڈ کا بنگلہ مرزا ممدی علی خان اور حسین علی خان کے تفویض ہوا جنکی سفارش پر بفضل حسین خان تھے اور بنگلہ انظم گڑھ کاظم علی خان فرزند زین العابدین خان کورٹ ولے کے حوالے ہوا۔ اور صورت سنگم وغیرہ تعلقہ دارون کا علاقہ بدستور تعلقہ دارون کے پاس رہا اور توشہ خانہ موافق سابق تحسین علی خان سے اور عمدہ نفارت آفرین علی خان سے متعلق رہا یہ دونوں خواجہ سراقیدی تھے۔

نواب سعادت علی خان کا سیر و شکار کے لیے علاقے میں جانا

حکیم مہدی علی خان کی دولتندی اور عروج کا شروع ہونا

نواب سعادت علی خان ملک کے دورے کے لیے سیر و شکار کی تقریب سے خیاباد

الماس علی خان نے اپنی الماس کاری سے اور بھی اُس کو رونق دیدی اُس کو بڑا
اقتدار اور اختیار حاصل تھا بندے سے خداوند ہو گیا تھا۔ سب اُس کا لوہا مانتے تھے
وہ سب کے لئے سونگشی الماس تھا خطاب اُس کا رکن الدولہ نصیر الملک
محمد الماس علی خان بہادر فتح جنگ تھا۔ غرض یہ سب معاملات ایسے پیش آئے
کہ ارل مارنگٹن معروف بہ مارکوئیس ولزلی پر واجب اور فرض ہوا کہ وہ اپنی توجہ کو
اس طرف مشغول کریں انھوں نے سترہ مئی ۱۷۷۷ء میں رزیدنٹ کو یہ لکھا کہ تمہارا دکن
کی وجہ سے مجھ کو کھٹوئین آنے کی فرصت نہیں ملی اور نہ مجھے ایسی فراغت نصیب
ہوئی کہ میں اپنے دل و جان سے بالکل توجہ نواب اودھ کی اصلاح معاملات پر
کر تا اب میں تلو دو باتیں لکھتا ہوں جب تم کو موقع ملے اُنکی اصلاح اور انتظام کی
طرف کمال جدوجہد کرو۔ جب کبھی الماس علی خان مرے تو تم اس میں کوشش کرنا کہ
سرجان شور کے عہدے میں جو زرموعود ٹھہرے اسکی اصلاح ہو اور الماس علی خان کو جو اختیار
دو کبے میں حاصل تھے وہ سرکار کمپنی کو حاصل ہو جائیں اور اُسکے عوض زرموعود میں تخفیف
کی جائے اُسکے مرنے کے وقت تو تم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی دوسرا اُس کا قائم مقام مشل
اُس کے صاحب لیاقت اور عالمی حوصلہ اور صاحب تدبیر مقرر کیا جائے گا تو ملک کے اندر
فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر کوئی مالائِق مقرر ہو گا یا ملک مختلف زمینداروں کو
تقسیم کر دیا جائے گا تو سرحد اودھ ایسی ضعیف ہو جائیگی کہ پھر اُس میں اندرونی لشکر کشی
یا کسی اور حملے اور سپاہ کے مقابلے کی قوت نہ رہے گی اس سبب سے بہتر یہی تدبیر
ہوگی کہ دو کبے کو سرکار کمپنی خود اپنے قبضے میں کرے نواب سعادت علی خان کی سپاہ
کی بُرائیاں تم خود ہی جانتے ہو مجھے اُنکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہ ارادہ ہے کہ جب

لارڈ ولزلی گورنر جنرل ہند کا نواب سعادت علی خان کی اصلاح معاملات پر توجہ کرنا اور انکی سپاہ کو موقوف کر اگر کمپنی کی سپاہ کو بڑھانے کا ارادہ کرنا

انگریزی مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ ملک اودھ میں ایک مقدار تخت سلطنت پر بیٹھ گیا تھا مگر اس سے وہ خرابیاں اور دشواریاں کہ اس ملک میں پیش تھیں کم نہ ہوئیں غریب رعایا پر تحصیل زراعت داری میں وہ ظلم و ستم ہوتا تھا کہ خدا کی پناہ۔ مگر پھر بھی سرکار کمپنی کے زرموعدہ کا پورا نہ پڑتا تھا۔ ہمیشہ باقیات رہتی تھیں۔ عدالت و انصاف کو سارے ملک میں چراغ لیکر ڈھونڈیے تو کمین اسکا سراغ نہ پائیے فوج کو دیکھتے تو فگیہ کی بھرتی غریبوں کو تلے اپنے ہی آقا کو دھمکائے میدان جنگ میں کبھی نہ جائے اور جوئے تو نامرد مامتی بن جائے۔ دشمن سامنے آئے تو اسکو موت نظر آئے۔ جب ہندوستانی سرکار دیکھا ادبار آتا ہے تو یہ بڑا بیان اُن میں ہوا کرتی ہیں۔ مگر اودھ میں ایک اور طریقہ اسپر یہ چڑھا کہ بعض فرنگیوں نے یہاں اپنا جُدا ہی فرنگی محل ملک کے اجاڑنے کے لیے آباد کیا یہ سارے فرنگی بندہ زراعتی قوم میں بدنام تھے۔ بگڑی ہوئی ہندوستانی ریاستیں اُن کے لیے کان زرتھیں لباس و صورت فرنگستانی کے سبب سے اُن کے چوبائے ہوتے تھے اور سب اُن کے آگے مات ہوتے تھے۔ پس ہندوستانی سرکاروں میں ملک اودھ سے زیادہ اپنے جوہر لیاقت دکھانے کا موقع کمین اور نہ تھا اُن کی بدگمئی کے خرمیاد تو یہیں کے جوہری تھے۔ ہندوستانیوں کی زشت کاری کے چہرے پر جب فرنگستانی غارہ ملا گیا تو کچھ اس کا اور ہی روپ ہو گیا

جسوقت انگریزی سپاہ کو سرحد پر ایک ہیبت ناک کام کرنے کے لیے ضرورت ہوئی تو اس بات کی حاجت پڑی کہ ایک حصہ اسکا نواب کی جان کی حفاظت کے لیے لکھنؤ میں بھی چھوڑ جائے کہ وہ اُن کی خود سپاہ کی شورش کو نہ ہونے دے پس ان واقعات سے صاف یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ نواب کے ملک کی حفاظت باہر کے حملوں سے اور ملک کا اندرونی امن و امان یوں ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ یہ بیکار سپاہ کم کر دی جائے جس کی تنخواہ نواب کے خزانے سے ملتی تھی اس معاملے کی خط و کتابت میں کچھ التواء اس سبب سے ہوا کہ لندن صاحب رزئیڈنٹ نے استفادہ کیا تھا اور کرنل سکوت صاحب اُن کی جگہ مقرر ہو کر آئے تھے اور وہ ایک چٹھی کو نسل کے وائس پرسیڈنٹ سر ایورڈ کلارک صاحب کی نواب کے نام لائے تھے جس میں اصلاح سپاہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت کی وجوہات لکھی ہوئی تھیں اتفاق سے اس چٹھی کو پیش کرنے کا یہ موقع خوب ملا کہ نواب نے رزئیڈنٹ سے اپنی سپاہ کی پلٹنوں کی بغاوت کی شکایت کی تھی اُس کو نواب نے پڑھا اور جو کچھ اصلاح سپاہ کے باب میں لکھا تھا اسکو پسند کیا اُس پر رزئیڈنٹ نے عرض کیا کہ حضور اس معاملے کو بہت جلد طے فرمائیں اور سپاہ کی قسم اور تعداد اور خرچ جو حضور کو منظور ہوا اسکا پورا پورا حال لکھ کر مرحمت فرمائیں مگر بیس روز کا عرصہ گزر گیا کہ نواب نے کچھ خبر نہ لی رزئیڈنٹ کا جب تقاضا ہوا تو اس معاملے پر مباحثہ کرنے کے لیے ایک دن تجویز ہوا مشرقی آداب کا قاعدہ ہے کہ جب بڑے کوئی بات کہتے ہیں تو چھوٹے صاف اُس کے قبول کرنے میں انکار نہیں کرتے۔ نواب نے بھی اپنے مطلب کو لباس نیاز و مندی میں یوں ادا کیا کہ جو تبریر میرے سامنے پیش کی گئی ہے اسکی تعمیل ممکن تو ہے مگر بچے یقین ہے کہ اسکی تعمیل میری مرضی کے موافق نہ ہوگی۔ سولے اسکے انھوں نے یہ بھی کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ ایک

کبھی قابو بنے تو مین نواب کو سمجھاؤں کہ وہ اپنی سپاہ کو بالکل موقوف کرین فقط اتنی سپاہ رہنے دین جو تحصیل مالگذاری کے لیے کافی ہو اور افسر ایسے عالی خاندان اور شریف منتخب کر کے نوکر رکھیں کہ جن کو کچھ اپنے کام اور پیشے کی شرم ہو اور کچھ اپنی شرافت خانہ دہی کی ننگ ہو گو کھنڈ مین ایسے آدمیوں کا ملنا عقاب ہے۔ یہاں سپاہیانہ طبیعت کا آدمی تلاش کرنا گھاس کے ڈھیر مین سوئی کا ڈھونڈنا ہے۔ یہاں کے سپاہی تو وہ نامرد ہیں کہ جو افراد دشمنوں کو ملک مین بیٹھے ملتے ہیں اور اپنے ڈر پوک نواب کو ڈراتے ہیں وہ سب نکال دیے جائیں اور انکی جگہ سرکار کہنی کے سوار اور پیدلوں کی رجمنٹیں بھرتی کی جائیں اور ان کا سارا خرچ وقت پر نواب دیا کریں سو اس کے جو فرنگی یون ہی نواب کی ریاست مین گھس گئے ہیں اور کاموں مین بہت طرح کی خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ انسانیت کے ساتھ انکے خارج کرنے کی تدبیر مین سوچی جائیں۔

لارڈ ولزلی کی نیت مین جو ارادے معاملات اودھ مین تھے انکی ہمشاند یہ جھٹی تھی۔

اصلاح سپاہ کے باب مین انگریزوں کا تجویزات پیش کرنا
نواب سعادت علی خان کی طرف سے اس مین التوا ہونا

لارڈ ولزلی نے پھر ریزیڈنٹ کو یاد دلایا کہ ان ہماری ہدایتوں کی تعمیل کرو اور نواب کو اس سے اطلاع دو اور سمجھا دو کہ زمانہ شاہ دریاے سندھ سے پار اگلیا ہے وہ ضرور اودھ پر حملہ کرے گا روہیلہ اودھ کی بغل مین بیٹھے ہیں ضرور اپنے ہم قوموں کے ساتھ شریک ہونگے اب امن کے زمانے مین ایسی تدبیر کر لو کہ جس سے یہ خوف جاتا رہے سپاہ کے کارخانوں کی خرابیوں کے نواب خود مقرر تھے یہ سپاہ نکمی ہی نہ تھی بلکہ اندیشہ ناک بھی تھی

روپیہ ماہواری صرف بیگوارا کرنا خلاف دانشمندی ہے حسن رضا خان سرکار کپینی کی منظورمی اور مشورے سے مقرر ہوئے تھے نواب اُن سے دق تھے وہ رزیدنٹ سے چلپتے لگا بٹھا آتے یہ سب بدظنی کے سابق اسباب پر اور اضافہ ہو گیا تھا۔ جب رزیدنٹ کی اس صورت حال کی عرضداشت گورنر جنرل کی خدمت میں گئی تو انھوں نے حکم بھیج دیا کہ حسن رضا خان نائب جن سے نواب ناراض ہیں موقوف کر دیے جائیں۔ اور کوئی دوسرا لائق آدمی جو سرکار کپینی کی تبریر اصلاح سپاہ کا بھی مدد و معاون ہو مقرر کیا جائے رزیدنٹ نے یہ بھی لکھا کہ تحصیل مالگداری میں جو رعایا پر پہلے جو رستم ہوتے تھے اُس میں کچھ کمی نہیں ہوئی ہے پہلے یہ روپیہ زمیندار اور نواب کے درمیان کے واسطہ دار غبن کے کھا جاتے تھے اور کچھ نواب کے خزانے میں اُس کے گلچے اُڑانے کے لیے داخل کر دیتے تھے اب اس نواب کے عہد میں یہ فرق ہو گیا کہ سارا ظلم کا روپیہ نواب کی جیب خاص میں داخل ہونے لگا اور کفایت اندیشی اور جرز سی سے خزانہ خانگی میں تھیلیوں کا ڈھیر لگنے لگا۔ غرض تباہی ملک کی جو اور نوابوں کی مسر فی اور کاہلی اور عیاشی اور واباشی سے شروع ہوئی وہ اس نواب کی کفایت شعاری اور جرز سی سے اور برسر ترقی ہوئی ہے۔ سرکار کپینی نے بعض ہندوستانی سرکاروں سے یہ عہد و پیمان کر لیا تھا کہ اُنکے ملک کی حفاظت سرکار کی سپاہ کرے گی اور اس خدمت کے عوض میں وہ انکس زر مقررہ سالانہ دین گے اور وعدہ کر لیا تھا کہ اندرونی انتظام ملکی میں وہ دست انداز نہ ہو گی اب یہ معاملہ نازک ایسا آن پڑا کہ سرکار کپینی کسی عنوان نہ بیج سکتی تھی اگر سرکار انتظام ملکی بالکل اختیار میں اُن ریاستوں کے رئیسوں کے کر دیتی تو اسکے یہ معنی تھے کہ رعایا کا حال جو جی میں آئے کرو تو سرکار پر یہ الزام لگایا جاتا کہ دیکھو بھیڑیوں پر بھیڑ پے چھوڑ دیئے

بات کی درخواست کروں جس میں میرا بھی آرام ہے میری رعایا کی بھی آسائش ہے۔ میری سلطنت کی بھی بہبودی اور فلاح ہے مگر میں اُس بات کا اتنا بھی نہیں بتلاؤں گا جب تک گورنر جنرل سے میری ملاقات جسکی توقع جلد ہے۔ لکھنؤ میں نہوگی یا تو اُس راز سربستہ کو اُنکے سامنے کھولوں گا یا اُس وقت کہ کسی رزیڈنٹ کے نام اُس میرے منصوبے کی تعمیل کا حکم لے لے گا۔ غرض ایک پہیلی سی کمدی جسکو کوئی بوجھ نہ سکتا تھا۔ ہر چند رزیڈنٹ نے اُس کا حال دریافت کیا۔ مگر کچھ نہ بتلایا اور ایک دوسرا دروازہ ملاقات کے واسطے ٹھہرایا اور کہا کہ میں ایک یادداشت لکھ کر پیش کروں گا۔ مگر جب ملاقات ہوئی تو وہی باتیں تھیں جو اول روز ہوئی تھیں۔ اب رزیڈنٹ نے بدلائل نواب کے سامنے اُس امر کو بیان کیا کہ جو منصوبہ مخفی آپ کے دل میں ہے اگر اُس پر اصلاح سپاہ موقوف کی جائے تو بہت عرصہ اُس میں لگے گا اُس منصوبے کا کھلنا دو باتوں پر موقوف ہے یا تو گورنر جنرل سے ملاقات ہو سودہ بھی ابھی ہوگی نہیں یا گورنر جنرل اس آپ کے منصوبے کی تعمیل کے لیے کوئی اپنا نائب مقرر کریں یا رزیڈنٹ سے کہیں توجہ تک منصوبے کا متعلق کھلے گا نہیں کیسے گورنر جنرل اُس کی تعمیل کے لیے کسی کو اپنی طرف سے مقرر کریں گے اس کے جواب میں نواب چپ ہو گئے یہ ملاقات بھی یوں ختم ہوئی۔ کوئی اُس کا ثمرہ نہ حاصل ہوا۔ اب نواب کے منصوبے کی پہیلی بوجھنے میں لوگوں نے قیاسات اپنے لگائے رزیڈنٹ کا یہ قیاس دوڑا کہ نواب شاید اپنے نائب کو موقوف کرنا اور اُن کے عہدے ہی کو مٹانا چاہتے ہیں کیونکہ اُنھوں نے پہلے رزیڈنٹ سے کہا بھی تھا کہ آپ گورنر جنرل کو تحریر کریں کہ نواب صرف الدو ہمیشہ عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے اُن کو اس لیے نائب کی ضرورت تھی اور میں بذات خود تمام ملک کے انتظام کی طرف متوجہ ہوں مجھے نائب کی حاجت نہیں پھینٹا رہا

ادا کر دو تو ہم وہاں جائیں گے نہیں تو نہیں جائیں گے یہ اس ملک کا پرانا دستور
چلا آتا ہے کہ وائی ملک سپاہ کی تنخواہ بہت دنوں کی چڑھا رکھتا ہے کہ جس کے سبب
سے سپاہی ہمیشہ مفلس رہیں تنخواہ پا کر دولت کے نشہ میں مست نہو جائیں۔ نواب
سعادت علی خان بھی اس قاعدے کے پابند تھے سپاہ کی تنخواہ بہت دنوں کی چڑھا
رکھی تھی۔ جب یہ تنخواہ کا تقاضا ہوا تو ان کو ایسا ناگوار گزارا کہ انھوں نے سپاہ سے
کہا کہ اچھا تنخواہ اپنی سیلو مگر آئندہ نوکری سے اٹھ اٹھاؤ۔ کرنل سکوٹ صاحب ریزیٹ
لکھنؤ کو یہ بات پسند آئی اس لیے کہ اس میں سپاہ کو اپنی نافرمانی اور بدخواہی کی سزا ملتی تھی
اور آئندہ اس کے موقوف ہونے کا وہ طریقہ نکلتا تھا جس سے توقع ہوتی تھی کہ گورنر جنرل
کے حسب دلخواہ بتدریج اصلاح سپاہ ہو جائیگی۔ مگر مشرقی ملکوں میں تنخواہ چلنے کا بھی
حساب بڑے پیمانے سے ہوتا ہے سپاہ نے کہا کہ ہمارے پانچ مہینے جا مہین نواب نے کہا
کہ نہیں تین مہینے جب یہ قضیہ فیصل ہوا تو اس کے بعد یہ جھگڑا کھڑا ہوا کہ خزانے میں آؤ اور
تنخواہ لیجاؤ اور ہتھیار رکھ جاؤ سپاہ کو اس سے یہ اندیشہ ہوا کہ معلوم نہیں کہ نواب اس میں کیا
دغا کریں انھوں نے کہا کہ تنخواہ ہماری ملٹن میں بھجوادو۔ ریزیٹ نے اس تکرار کو بھی چکایا
تو پھر نواب نے حساب میں ایک اور جھگڑا ڈال دیا۔ مگر ریزیٹ نے نواب کو سمجھا کہ سپاہ کی تنخواہ
دلادی اور ہتھیار لٹکے لیے۔

گورنر جنرل کا تقاضا اصلاح میر اور اس پر مختلف رائے

اب ہم اصلاح سپاہ کا ذکر کرتے ہیں گورنر جنرل کا خط نواب کے پاس آیا تو اس کا
جواب انھوں نے گورنر جنرل کو یہ لکھا کہ سپاہ کی اصلاح کا خیال مجھے آپ سے زیادہ

ہیں۔ یگانہ ہوں کو ظالموں کے پنجے میں پھنسا دیا ہے۔ جن بُرائیوں کا روکنا اُس کا کام تھا اُس میں اور تائید کی ہے اور جب سرکار احتیاط اور اعتدال کے ساتھ انتظام ملکی میں مداخلت کرتی اور اُس کو خود لے لیتی تو یہ کہا جاتا کہ دیکھو عہد شکنی کی اور شخصوں کے حق تلفی کے خود غصب کر لیے مگر مدبران و منتظران ملکی جو اپنی دیانت و امانت خلوص صداقت پر عماد رکھتے ہیں وہ ایسی بے اصل بدنامیوں سے نہیں ڈرتے ہیں۔ مسافر اپنی راہ کو کٹوٹکی بھون بھون سمے کھی نہیں چھوڑتے ہیں وہ اپنے ایمان سے کام کرتے ہیں اور اُس میں ذرا بھی لغزش و لرزش اس دھیان سے نہیں آتی کہ آیا کسی کام کے کرنے سے لوگ ہم کو بُرا کہیں گے یا بھلا کہیں گے جن مدبران ملکی کو ایسا خیال ہوتا تھا کہ ایسا کام کیجئے کہ جس سے سب ہم کو اچھا کہیں وہ ایمان سے دیسی ریاستوں کے معاملات کا تصفیہ نہیں کر سکتے تھے۔ لارڈ ولزلی اس قسم کے مدبر نہ تھے کہ وہ اوپر کی بات کا خیال کرتے انھوں نے جیسی حالتیں دیکھیں ان کے مناسب کام امانت دیانت اور خلوص صداقت سے کیے نیکنامی اور بدنامی کا کچھ خیال نہیں کیا اصلاح سپاہ کو وہ اپنے سچے دل سے نیک جانتے تھے اُس کے باب میں پھر انھوں نے نواب کو خط لکھا۔

نواب اور سپاہ کے درمیان فساد

اُسی زمانے میں نواب اور انکی سپاہ کی بعض پلٹوں کے درمیان ایک معاملہ یا انکر بڑا حس سے صاف بات کھل گئی کہ نواب اور سپاہ کے درمیان کس قسم کا رشتہ و علاقہ ہے اور باہم ایک کو دوسرے پر کتنا بھروسہ اور اعتبار ہے۔ ایک پلٹ لکھنؤ میں تھی اور کسی مقام پر بضرورت جانے کا حکم ہوا اُس نے کہا کہ اگر ہماری جڑھی ہوئی تنخواہ کا ایک

شکر کے خرچ کی تدبیر نہ ہو گی مشکل ہے کہ سرکار کپہی سپاہ کا انصرام معاودہ فتنہ حملے کی صورت میں کر سکے مین نواب کو وہ عمدہ تدبیر بتلاتا ہوں کہ جس سے نواب کو ہمیشہ ایسی ضرورتوں کی حالت میں اپنی سپاہ کی کمک کی حاجت ہی نہ رہے آخر میں خط کے یہ اور لکھ دیا کہ عنقریب نواب کے کمک میں سپاہ کی تقویت کے واسطے ایک حصہ اس سپاہ کا بھیجا جاتا ہے جو افرائش کے لیے تجویز کی گئی ہے اور باقی سپاہ بعد اسکے بھیجی جائے گی ایک مباحثہ عظیم اس پر یہ ہے کہ اس افرائش سپاہ کا اختیار گورنر جنرل کو عہد نامے کے موافق تھا بھی یا نہیں بعض اس کے مخالف اسے رکھتے ہیں بعض موافق ہم دونوں کو بیان کرتے ہیں۔

اب موافقین کی رائے یہ ہے کہ گورنر جنرل نے اپنے کام کے انصاف کے موافق ہونے کی دلیل بیان کر دی کہ سر جان شور اور نواب سعادت علی خان کے درمیان جو عہد نامہ لکھا گیا تھا اسکی ساتویں دفعہ یہ تھی کہ جب کسی ضرورت سے فوج انگریزی ولائتی و ہندوستانی پیادہ و سوار و توپخانہ ملک اودھ میں تیرہ ہزار سے زیادہ کی جائے گی تو نواب سعادت علی خان و عمدہ کرتے ہیں کہ جو سپاہ زیادہ تعداد مذکورہ بالا سے ہوگی اس کا خرچہ وہ علاوہ دیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ضرورت کے وقت مجوز کون ہو گا اس کا جواب کہیں عہد نامے میں موجود نہ تھا اب کیا نواب سعادت علی خان اس کے مجوز ہوتے تو وہ اپنی بات میں ہٹ کے پورے تھے زوپے کی بچت میں ایسے اندھے تھے کہ ضرورت کا وقت جب سب کو دن کی طرح دکھائی دیتا تو وہ اندھوں کی طرح ماتھے سے ہی ٹٹولتے کہ کمان ہے کہ صر ہے اگر اس ٹٹول ٹٹال میں کمدیتے کہ کیوں بہکاتے جو ضرورت کا وقت

اور میں اُن فائدوں کو خوب سمجھتا ہوں جو زمانہ حال و استقبال میں حاصل ہوں گے
میں اس اصلاح کے باب میں بہت جلد کرنیل سکوت سے مشورہ اور اصلاح کروں گا
جو ہم دونوں کی اصلاح کا نتیجہ ہو گا اُس سے اطلاع دوں گا اس اقرار کو اُنھوں نے پورا کیا
مگر مشکل سے جیسی اُنکی عادت تھی آخر کو نتیجہ نہیں مبتدا کی خبر نہیں کرنیل سکوت نے
نواب کی عادت کو یوں بیان کیا ہے کہ نواب عالیجناب وہ شخص ہیں کہ اُن سے کسی معاملہ کا
طے کرنا مراسم آداب و تعظیم کے ساتھ ایسا مشکل ہے کہ اُس کا شکل خیال میں نہیں آتا
جب کوئی بات اُن سے کہی جاتی ہے تو وہ اُس کے جواب میں خاموش ہیں۔ یہاں
خاموشی کے یہ منہ سمجھے جاتے ہیں کہ اب وہ آگے بحث و تکرار اُس معاملے میں
نہیں کریں گے مگر درحقیقت وہ چپ کچھ اور سبب سے ہوتے ہیں پھر جس بات کا وہ قرار
کرتے ہیں اُس کے پورا کرنے کا ذرا خیال نہیں کرتے اُس کے لیے تصنع و تکلف دلائل پیش
کرتے ہیں جب گورنر جنرل کے پاس نواب کا جواب جس کا وعدہ تھا نہ پہنچا تو ۵ نومبر
۱۸۹۹ء کو لارڈ دالہوزلی نے صاف صاف لکھ بھیجا کہ ضرورتیں ایسی داعی ہیں کہ جو
سپاہ کے انتظام کی تباہی پیش کی گئی ہیں اور اُس پر نواب کو خوب علم ہو گیا ہے اور انہیں
نواب کو بھی میرے ساتھ اتفاق ہے بے تاثر یہ تعجب اُن کی تعمیل کی جائے۔ اس جلدی
کی ضرورت یہ ہے کہ عہد نامے کے موافق ملک اودھ کی حفاظت تمام دشمنوں سے
برٹش گورنمنٹ کے فہم واجب اور لازم ہے بالفعل جتنی سپاہ انگریزی نواب کے ملک میں
ہے وہ غیر کافی ہے اب اُن کے ملک پر زمان شاہ یا شاید کسی اور دشمن کا حملہ ہونے والا ہے
پس جیتک اصلاح سپاہ نہ ہوگی اور سرکار کپنی کی سپاہ اُنکے ملک میں نہ یادہ ہوگی اور جیتک اُنکی
خود سپاہ بے ترتیب و بے تربیت نہ موقوف ہوگی اور اُس کی تنخواہ کی بچت سے انگریزوں کے

ضعف حالی کے سبب اپنے ٹمک کی حفاظت سرکار کمپنی کی سپاہ کے حوالے کی اور اس معاملے میں اپنا قائم مقام بنادیا اور اُسکے واسطے شرائط کو قبول کر لیا۔ اور اپنے تئیں سرکار کے ہاتھ بیچ کر چند فوائد مول لیے ہوں تو اُس کا اب یہ حق نہیں رہا کہ اُن شرائط کے ایفا کا جب تقاضا اُس پر کیا جائے تو وہ اُن پر اعتراض کرے۔ مگر برٹش گورنمنٹ کا یہ فرض ہو گیا کہ ایفلے شرائط کے لیے کوئی وجہ ہو تو نواب سے ضرور شرائط کو پورا کر لے اور نواب کو کچھ عذر و حیلہ انکی قبل میں نہ ہو مگر ناحق اور بیوجہ نواب کو دبا نا برٹش گورنمنٹ کو بھی ناجائز تھا۔

دوسرا سوال تحقیق طلب یہ ہے کہ آیا اُس وقت ضرور تھا کہ نواب کو افرائش سپاہ کے لیے مجبور کریں اس کا جواب آسانی سے یہ دیا جاتا ہے کہ اودھ پر زمان شاہ حملے کرنے کو تھا وہ لاہور میں تو آ پہونچا تھا اگرچہ وہ اُس وقت اُلتا اپنے وطن کو ضرورت کے سبب سے واپس چلا گیا تھا۔ مگر پھر اُس کا آنا آسان تھا۔ سیندھیا بھی اودھ کی تاک میں بیٹھا تھا کہ جب موقع ملے تو اُس کے غلے لگائے۔ روہیلے بھی تیار بیٹھے تھے۔ نواب کے سامنے ٹمک کی رعایا اور سپاہ بگڑی بیٹھی تھی اُس سے بھی بُرے وقت میں حلہ کرنے کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اب نواب کی سپاہ کا حال تم پڑھ ہی چکے ہو اگر اور زیادہ حال معلوم کرنا ہو تو سودا کے یہ اشعار پڑھ لو۔

دعوئے نہ کرے یہ کہ مرے منھ میں زبان ہے
اللہ درے اللہ درے کیا نظم و بیان ہے
آرام سے کھٹنے کی طرح کوئی بھی بیان ہے
اس امر میں قاصر تو فرشتے کی زبان ہے
ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیان ہے

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جوان ہے
میں حضرت سودا کو سنا بولتے یا رو
اشنا میں کیا عرض کہ فرمائیے حضرت
سن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا
کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے کی کئی شکل

نہیں ہے تو دشمن کے ہاتھ سے ملک پامال ہو جاتا اور پھر سرکار کمپنی کو وہ وقت اور دشواریاں اٹھانی پڑتیں جن کو وہ پہلے سے اپنی عمدہ تدبیر سے رفع کر سکتی تھی بشرط عہدنامہ یہ تھی کہ ملک کی حفاظت سپاہ سے کی جائے گی سپاہ کی تعداد کی قید نہ تھی تو اس کی حرارت ایسی سپاہ سے کہ جو اسکی حفاظت کے واسطے کافی ہو ایک بیودہ اور حماقت کی حرکت تھی اس لیے افزائش سپاہ کی شرط ضرورت کے وقت لگائی گئی تھی۔ اب یہ لارڈ ولزلی کا حق تھا کہ جب اپنی ضرورت سمجھیں سپاہ کو زیادہ کریں اگر یہ اختیار نواب کو دیا جاتا تو سرکار کمپنی کو ملک کی حفاظت کرنا محال تھا۔ لارڈ ولزلی نے نواب کو لکھا کہ عہدنامے کی ساتویں دفعہ میں یہ لکھا ہے کہ نواب کے ملک میں بحسب ضرورت گاہے گاہے ازید سپاہ کا بھی اختیار سرکار کمپنی کو ہو گا یہ عبارت غلط ہے۔ حقیقت میں عہدنامے میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سرکار کمپنی کو اختیار ہے کہ جبوقت اسکو ضرورت افزائش سپاہ کی معلوم ہو تو وہ زیادہ کرے پس اس افزائش سپاہ کے ساتھ کوئی قید نہیں لگی ہوئی ہے کہ وہ بالاستقلال دوام کیواسطے ہو یا گاہے گاہے پس گورنر جنرل کو اختیار ہے کہ اس عہدنامے کے بموجب جبقدر افزائش سپاہ کو چاہے مستقل اور مدام کے واسطے تجویز کر دے۔

مخالفین اس دلیل کا یوں مضحکہ کرتے ہیں کہ جیسے دین ملک داری کے فتوے سے جدا ہوتا ہے ایسے ہی منطق جہان داری کے براہین بھی انوکھے ہوتے ہیں زبردست کی زیر دست کے ساتھ ایسی ہی دلیل ہوا کرتی ہے جیسی کہ اوپر بیان ہوئی ان میں بڑے بھوٹوں سے ایسے صغرائے دیکرے بنا کر نتیجہ نکالا کرتے ہیں عہدنامے کے موافق یہ امر طے ہو گیا کہ سرکار کمپنی کو افزائش سپاہ کا اختیار حاصل ہے۔ اب اس کے خرچ کے واسطے روپے کا نواب کے فے تجویز کرنا سرکار کی عنایت و رعایت پر موقوف ہے جس نواب نے اپنی

بحال کر کے مسلمانوں کی سلطنت جمانے کا ہندوستان میں دل سے ارادہ رکھتا ہو
مرہٹوں کے ایقانے وعدہ کا اعتبار نہو۔ رہمیلے بغلی دشمن موجود ہوں پھر کیا ایسے
حال میں گورنر جنرل مبارکباد کے شادیانے بجاتے کہ شمال و مغرب میں بالکل امن و
امان ہے کیونکہ اودھ میں افراطی سپاہ کھینچے۔

اس وقت لارڈ ولزلی نے خیال نہیں کیا کہ چند روزہ کی تعریف اور ستائش کے لیے
اپنی راست بینی اور دیادلی سے ہاتھ اٹھائیں اور اپنے مقاصد اعظم کو حاصل کرنے سے
باز رہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ نواب اودھ کے معاملات میں اس دخل اندازی سے
ضرور متعصب و عافیت اندیش نامعاملہ فہم اُن کی تذلیل کے درپے ہوں گے
لعنت ملامت کا غل مجاہدین گے گردہ ایسے بے سرے راگون پر کب کا لگاتے
تھے اُن کی نظر عالی ان مقاصد اقصیٰ پر تھی کہ ہندوستان میں امن و امان رہے
برٹش گورنمنٹ سلامت رہے انکی قوم اور ملک کا نام آفتاب کی طرح روشن ہو۔ اس
اپنے انتظام سے وہ جانتے تھے کہ اودھ کا نواب نہال ہو گا اور اُس کی رعایا دولت
امن سے مالا مال ہوگی گو اس وقت غیظ و غضب کے سبب سے اُسکو یہ سود مند امر نظر
نہیں آتا تھوڑے دنوں کے بعد وہ یہ دم بھرنے لگے گامِ دردم از یارِ ست درانِ نیر ہم
خلاصہ یہ ہے کہ یہ عالی ہمت والا نہت اپنے غم میں مستقل تھا اور کسی مشکل اور
دقت سے جو اُسکو پیش آتی نہیں ڈرتا تھا۔

تحققین کی رائے اس کے خلاف میں مینے وہ یہ کہتے ہیں کہ لارڈ ولزلی نے جیسی
انوکھی بات اس وقت نواب سادات علی خان کو اپنے خط مورخہ ۵۔ نومبر ۱۷۹۹ء میں لکھی ہے
وہی کمر انسان کے منہ سے نکلا کرتی ہے اُسکے یہ معنی تھے کہ امن و امان کی حالت میں

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسوی
گزرے ہے سدا یون علف و دانہ کی خاطر
ثابت ہو جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال
کتاب ہے نضر غریبے کو صراف سے جا کر
یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید و گر نہ
اس رنج سے جب چڑھ گئے چھتیس سینے
لیتے ہیں بایں روسی وہ تو دو ماہ

تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ہے
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنیے کے یان ہے
تیر دن میں ہو پر گیر تو بے چلہ کمان ہے
بی بی نے تو کچھ کھایا ہتے فلتے سے میان ہے
شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضان ہے
تنخواہ کا پھر بیٹا اس شکل سے یان ہے
ٹک دھونس دھڑپے کی جھین تباہ تو ان ہے

سرحمیں گرگ صاحب جو سپہ سالار انگریزی سپاہ کے ملک اودھ میں تھے وہ گورنر جنرل
کو لکھتے ہیں کہ نواب سادات علی خان کی سپاہ کا عدم وجود برابر ہے نواب کی
کفایت شعاری اور کنجوسی نے سپاہ کی صورت منحوس بنا رکھی ہے نہ لکے پاس
ہتھیار ہیں نہ وردی ہے نہ کوئی توپ ہے جب ایک موقع پر میں نے نواب سے وردی
اور ہتھیار اور توپیں سپاہ کے لیے مانگیں تو نواب نے کہا کہ میرے پاس یہ سب چیزیں
فقط اتنی ہیں کہ جو سپاہ میری اردلی میں رہتی ہے اُسی کے لیے کافی ہیں اور زیادہ
نہیں جو بھجوں غرض نواب کی سپاہ بالکل نکمٹی ہے مجھے خوف ہے کہ اگر اس تہ مزاج سپاہ کا
پہلے سے علاج نہ ہو گا تو اُس کی سیہ کاری کا مرض مضرت رساں ہو جائے گا میں
اگر کہیں جاؤں اور اس سپاہ کو پیچھے چھوڑ جاؤں تو مجھے اُس سے ایسا ہی خوف معلوم
ہوتا ہے جیسا کوئی قلعہ دشمن کے پاس چھوڑ دینے سے خطر ہوتا ہے پس جب ملک کی
رعایا اور سپاہ کا یہ حال ہو کہ ایک دلی ملک کی جان کو رو رہی ہو اور دوسری اُس کے
خون کی پیاسی ہو اور پھر اُس پر زمان شاہ کے حملے کا اندیشہ ہو جو دلی کے بادشاہ کو

جانتے تھے کہ اُس کا مطلب یہ ہے کہ میری فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دے اور ملک کی حفاظت اپنی سپاہ کے حوالے کرے غرض اُن کا دل سلطنت سے ایسا بچھڑ گیا تھا کہ وہ رزیدنٹ سے اشاروں اور کنایوں میں ایسی باتیں کیا کرتے تھے کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطنت کے کام سے برداشتہ خاطر ہیں اور اُس کے چھوڑنے کا قصد ہے باتیں تو انکی ایسی تھیں مگر کام اُنکے ایسے تھے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ لکھنؤ میں رہنا چاہتے تھے۔ تعمیر عمارت کی تیاریاں قوانین سلطنت کے بڑے بڑے مسوے امور خانگی کا نہایت انتظام آخر دل کی بات نہ چھپ سکی اور ایک روز رزیدنٹ کے سامنے زبان پر آ ہی گئی کہ ”نہ میں رعایا سے خوش ہوں اور نہ رعایا مجھ سے۔ سپاہ میری نہ وفادار ہے نہ فرمانبردار رعایا و سپاہ دونوں سرکش و فساد اندیش اس لیے مجھے سلطنت سے نفرت ہے میں اس بار سلطنت کو سر پر نہیں اٹھا سکتا اور خلق جو ودیعت الہی ہے اُس کی گہری اچھی طرح نہیں کر سکتا میں تو سلطنت چھوڑتا ہوں اور مجھے اس کا یقین ہے کہ سرکار انگلشیہ میرے بیٹے کو میرا جانشین کرے گی جس سے میرا نام آئندہ باقی رہے گا اور میرے خوش و یگانوں کا وظیفہ بھی کر دے گی جس سے اُن کا گزارہ اچھی طرح ہو سکے گا میرے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہے میں اُسے ساتھ اچھاؤں کا جب رزیدنٹ نے یہ باتیں سنیں تو اُن سے کہا کہ آپ اپنے اس منصوبے کو گورنر جنرل کے پاس لکھ کر بیچھدیں اُس پر نواب نے فرمایا کہ آپ ہی یہ تکلیف کریں مجھے کسی اور پر اعتبار نہیں کہ میں اپنے راز کی باتیں اُس سے کہوں۔ غرض رزیدنٹ نے یہ تمام احوال اور گفتگوئیں جو ہوئی تھیں قلمبند کر کے گورنر کے پاس بیچھدیں اور اُس پر یہ حاشیے بھی چڑھا دیے کہ نواب کے بیٹے بہت ہیں مگر سب حرامی خزانے کا حال یہ ہے کہ نواب خزانہ عامرہ سے

بھی سپاہ کے وہی کارخانے اور خرچ رہیں جو رائی کے وقت میں ہوتے ہیں عہد گورنمنٹ کے اصول میں یہ امر داخل ہے کہ امن کے وقت سپاہ کے تمام صیغون کا خرچ جس قدر ممکن ہے کم کیا جائے خراب گورنمنٹ کا اصول اس کے برعکس ہے۔ اُس میں سپاہ کا خرچ امن کے وقت میں بھی وہی ہوتا ہے جو نہایت اشد ضرورت جنگ کے زمانے میں ہوتا ہے ملک اودھ کا حال ایسا نہ تھا کہ اُس میں امن کے وقت میں سپاہ کا وہ خرچ رکھا جاتا جو جنگ کے وقت میں ضرور تھا اسکی ادھی سرحد تو سرکار کمپنی کے ملک سے ملحق تھی اُسپر تو کوئی حملے کا گمان اور اندیشہ ہی نہ تھا دوسرے ادھی طرف زمان شاہ کے حملے کا خوف اسوقت ہوتا کہ وہ تمام درمیانی سلطنتوں کو فتح کر کے طے کر لیتا اسکے لیے تو ہنوز دلی دور تھی۔ رہے مرہٹے وہ آپس کے نفاق کی بلاؤں میں مبتلا تھے ان کو اپنی جان بچانی مشکل پڑی تھی اور کس کی خبر لیتے۔ پس افغانوں کے حملوں کے خوف سے ملک اودھ میں سپاہ کے ان کارخانوں کا قائم کرنا جو جنگ کے وقت ہوتے ہیں ایسا بیہودہ کام تھا جیسے انگلستان میں ترکوں کے خوف سے یہ کام کیا جائے غرض زمان شاہ کا دھڑکا نواب سعاد علی خان کو دینا ایسا تھا جیسے کوئی بچے کو ہٹوے سے ڈراتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محققین کے ایک گروہ کے نزدیک یہ امر پیش از مرگ واویلا تھا دوسرے نزدیک علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد پر عمل تھا۔

نواب کا ترک سلطنت کا وعدہ کرنا اور پھر اسکو پورا نہ کرنا

نواب سعاد علی خان سرکار کمپنی کے مقاصد اصلی پر پہونچ گئے تھے وہ یہ

اور پھر یہ تحریر کیا کہ اس زمانے میں جو سرکار دولتمدار نے جو تیز فرمائی ہیں وہ پہلے
 کبھی نہیں ہوئیں دنیا کا یہ دستور قدیم سے چلا آتا ہے کہ بڑے چھوٹوں کی دستگیری کرتے ہیں
 جب بڑے شہنشاہ چھوٹے رئیسوں اور امیروں کے سر پر ہاتھ دھرتے ہیں تو انکی اعانت
 میں سپاہ اور خزانے سے امداد کرنے میں کسی طرح کا دریغ نہیں فرماتے ہیں اس لیے مجھے سرکار
 دولتمدار کے لطف و کرم سے یہ توقع ہے کہ میں اس امر پر مجبور نہ کیا جاؤں کہ اپنی سپاہ کو
 موقوف کروں اور ہزاروں امیر کو بھوکا ماروں اور اس سے طرح طرح کے خطروں میں پڑوں
 اور سرکار کی سپاہ کو پھیلاؤں جس سے رعایا کی نظروں میں میرا رعب و داب نہ ہے مجھے
 یقین ہے کہ گورنر جنرل کا منشا ہرگز ہرگز یہ نہ ہوگا کہ میں ذلیل و خوار ہو جاؤں یہاں تک
 تو یہ نیاز مندی کی باتیں تمہیں آگے تدابیر پیش شدہ کے خلاف یہ دلائل بیان کیں کہ عہدہ
 کی دوسری دفعہ سے حضور کی رائے پر روشن ہوگا کہ میں جب مسند ریاست پر بیٹھا تھا
 تو اس سلطنت کی حفاظت کے واسطے جس قدر سپاہ پہلے زمانے میں رہتی تھی اس سے
 بہت زیادہ اس وقت موجود تھی میں نے اس کے خرچہ ادا کرنے کا اقرار کیا مگر کہیں اس میں
 یہ نہیں لکھا کہ بعد ایک عرصے کے اضافہ سپاہ مستقل طور سے کیا جائے گا اور اس کا خرچ
 میرے ذمے مقرر ہو گا پس شرط سے انحراف کرنا بے ضرورت معلوم ہوتا ہے عہدہ
 کی ساتویں دفعہ کے ملا خٹے سے حضور پر واضح ہو گا کہ افزائش سپاہ کا اختیار سرکار کو بے ضرورت
 نہیں ہے اور ضرورت کی حالت میں حسب حال ضرورت اور وہ بھی مستقل نہیں بلکہ تا ضرورت
 پھر دفعہ ۱۱ کو دیکھئے کہ دونوں سرکاروں میں کام صدق ذلی اور موافقت سے کیا جائیگا
 اور مجھے بالکل اختیار اپنے امور عالمی میں انتظام ملے گی میں اپنے موثری ملک کی سلطنت
 میں سپاہ پر رعایا پر ان سب پر ہو گا۔ پس جب میری فوج موقوف کر دیگی تو میں پوچھتا ہوں

جو تحریرات ہوئی ہن اُن میں مین نے کبھی یہ نہیں لکھا کہ افرائٹس سپاہ مجھے منظور ہے مگر گورنر جنرل کے خط سے یہ امر ظاہر ہے کہ اُنھوں نے مجھے لکھا تھا کہ اُس وقت تک افرائٹس سپاہ کا انتظام نہیں کیا جائیگا جب تک کہ اُسکے خرچ کے واسطے میری سپاہ کے موقوف کرنے سے روکیا نہ ہوگا ابھی میری فوج بدستور نوکر ہے موقوف نہیں ہوئی انگریزی سپاہ میرے ملک میں موجود ہوئی اُس کا خرچ کس کے گھر سے دیا جائے گا سردست کوئی اُسکے واسطے سامان نہیں سپاہ کا موقوف کرنا کوئی لڑکون کا کھیل نہیں سیکڑن خطرے اُس میں ہوتے ہیں ہزاروں آدمی بریکار ہون گے سیکڑن مفسدہ پردازی پر آمادہ ہونگے بہت سے بچاے بیٹھ کر پیٹ کو روئیں گے مگر مجھ کو سب سے زیادہ گورنر جنرل کی ناراضی کا خوف ہے فقط اُنکی خوشی کے لیے اُنکی تجویز کو قبول کرتا ہوں قہر درویش برجان درویش اب میں اُن شرائط کو بیان کرتا ہوں جو اس افرائٹس سپاہ کے باب میں عہد نامے میں مرقوم ہوں۔ اول شرط یہ ہے کہ افرائٹس سپاہ ایسی کبھی نہیں کھیلے گی کہ نواب اُسکے خرچ کا بار نہ اُٹھا سکے۔ دوم سپاہ زائد کا ایک ڈویژن ہوگا اور وہ ایک جگہ وٹان رہے گا جہاں زمان شاہ اور دشمنوں نے حملے کو روک سکے گا اور فقط اُس کا یہی کام ہوگا۔ سوم افسران سپاہ کو اختیار ہوگا کہ تحصیل محصول میں دست اندازی کریں اور کچھ اور چھوٹی چھوٹی باتیں لکھ کر یہ مستندانہ فقرہ لکھا کہ بچے سرکار دو تھار کے لطف و کرم سے یہ امید ہے کہ اس دفعہ تو میں نے گورنر جنرل کی ناراضی کے اندیشے سے اس سپاہ کے داخل ہونے کو قبول کر لیا ہے مگر آئندہ مجھے اور زیادہ تکلیف ایسی تدابیر سے نہ دی جائیگی۔

۱۸۔ جنوری کو ایک مراسلہ نواب نے گورنر جنرل کے پاس بھیجا جس کے آغاز میں اپنے خاندان کی قداست کا بیان کیا اور سرکار سے جو روابط و اتحاد تھے اُس کا حال مشرح لکھا

گورنر کا نواب کو تخت سلطنت سے محروم کرنے کی دھمکی دینا اور اودھ کا بہت سا ملک کاٹ کر سرکار کمپنی کی عملداری میں داخل کر لینا

نومبر ۱۸۵۷ء میں نواب سے پھر درخواست کی گئی کہ سپاہ جس قدر اور زیادہ ملک کے رہنے کے لیے تجویز کی گئی تھی اور اُسکے ایک حصے کے لیے تو انتظام ہو گیا اب دوسرے حصے کے لیے اور خرچ کی تجویز کیجئے نواب نے عذر کیا کہ بڑی مشکل سے ملک کی آمدنی بھول ہوئی ہے مین روپیہ دینے کا عہد و پیمان جب تک نہیں کر سکتا کہ اپنے میں قابلیت اُس کے بہم پہونچانے اور ادا کرنے کی نہ دیکھوں اگر بغیر سوچ بچار کے اقرار خرچ کا کر دنگا اور اُس کا انصرام نہ کر سکوں گا تو پھر عہد شکنی کا مجرم ٹھہر دنگا اپنے خزانچی سکھ راج کی معرفت تمام ملک کی آمدنی کا حساب مرتب کر کے گورنر جنرل کے پاس ریزیٹ کی معرفت بھیج دیا جس کا کچھ گورنر جنرل نے ملاحظہ فرما کر لکھا کہ اگر ایسا ہی ہوتا کہ زمانہ آنیوالا ہے کہ جس میں نواب اپنے اقراروں کو گورنمنٹ کے ساتھ ایفا نہیں کر سکتے تو برٹش گورنمنٹ پر یہ واجب ہوا کہ نواب کی خود اصلاح مقاصد اور فلاح مآرب کے لیے اور سرکار کمپنی کے منفعت اور فائدے کی خاطر ملک میں ایسی مداخلت کرے کہ جس سے نواب کی سلطنت کے محازن آہنی کی نوبت اس حد تک نہ پہونچے کہ اُس سے نہ نواب کا کام چسے نہ سرکار کا۔ اودھ جیسے سرسبز و شاداب ملک میں جو دیرانی اور بربادی پھیلی ہے وہ صرف نواب کی بد نظمی و نقص تدبیر کے سبب سے ہے اُس پر کوئی آفت ارضی و سماوی ایسی نہیں واقع ہوئی کہ جس سے ملک ویران ہو اُسکے برابر کے ملک سارے آباد اور خوشحال ہیں غرض مدتوں سے نواب کو فمائش ہو رہی ہے کہ وہ اپنے ملک کا انتظام کریں اور رعایا پر متوجہ ہوں مگر یہ سارے پند و

کہ میری سلطنت اور حکومت کہاں رہی بے سپاہ نہ امور خانگی میں کچھ کر سکتا ہوں نہ رعایا پر رعب و داب بٹھا سکتا ہوں نہ آبائی سلطنت پر حکومت کر سکتا ہوں کسی کام کا نہیں رہتا ہوں اس لیے سرکار دولتمدار کی شاہانہ عنایت اور رافت کا اُمیدوار یہ خاکسار بمقدار ہے کہ جو تذابیر تجویز کی گئی ہیں وہ سب موقوف کجائیں۔

موجبات شکایت کا جواب دینا تو مشکل تھا مگر محکم حکم کی لڑائی محض محکوم کا کب یہ منصب تھا کہ وہ یہ کہے کہ یہ جو اور وہ نہ وزیر درست کا بس زبردست پر کیا استدلال سے چل سکتا ہے اس وقت لارڈ ڈولزلی اور ہی چال چلے انھوں نے اس خط کو دیکھ کر کہا کہ یہ تحریر گستاخانہ قابل جواب نہیں اور سرکاری سے ریڈینٹ کو لکھوایا کہ تمھاری جھٹی کے ساتھ جو ذاب کا خط بجواب ججی گورنر جنرل مورخہ ۵ نومبر کے آیا تھا وہ واپس بھیجا جاتا ہے تم نواب کو وہ دیدو اور ہماری طرف سے نواب کو یہ سنا دو کہ اس سرکاری تحریر کے جواب میں جسیور جنرل کی مہر ثبت ہو جو نواب نے اس دفعہ طرز اختیار کی ہے وہ نہایت گستاخانہ اور بیجا کا نہ ہے سلطنت انگلیشیہ کا ادب و تنظیم جو اہم واجب ہے اس سے انھوں نے باہر قدم رکھا ہے اس لیے اس خط کی تحریر جواب پر گورنر جنرل کچھ توجہ نہیں فرماتے ہیں بلکہ اپنی جھٹی مورخہ ۵ نومبر کا جواب ملنگھتے ہیں اگر اکی دفعہ نواب نے سرکار انگلیشیہ کی عمدگنی کے اظہار کے واسطے وہی پروج براہین پیش کیں اور وہی خط کی طرز تحریر اختیار کی تو سرکار کو اس گستاخی کی خبر گیری کرنی پڑے گی غرض اس جھٹی کا ترجمہ ریڈینٹ نے فارسی میں نواب کو سنوایا بعد اسکے جتین ہوئی رہیں آخر کار نواب نے تجویز ہو کر فروری ۱۸۵۷ء میں اپنی سپاہ کا ایک حصہ موقوف کر دیا تاکہ سرکار کینی کی سپاہ کا خرچ اسٹی تھا وہ سے نکل آئے یہ فوج ضرور دنگا و فساد پھانسی گورنر ریڈینٹ نے انکی تحریسی ہوئی اتھا وہ دلا کر چڑھائی سے باز رکھا اور فساد نہ برپا ہونے دیا۔

انکی حفاظت سرکار کمپنی کی عملداری کرتی اور ان اطراف سے غیر ریاستوں کے حملے کا خوف نواب صاحب کو نہ رہتا اور سرکار کمپنی کو یہ کھٹکا جاتا رہتا کہ کہیں نواب اور غیر ریاستوں سے سازش نہ کرے۔ انھیں دونوں میں لارڈ ولزلی نے ایک خط نواب سعادت علی خان کو لکھا کہ جب سے تم مسند ریاست پر بیٹھے ہو تو میں اپنے اوپر یہ فرض سمجھتا ہوں کہ موافق ان اصول کے جو ہماری گورنمنٹ نے نہایت استقلال سے اختیار کیے ہیں وہ کام کروں جو میں نے آپ کو پہلے خطوں میں لکھے ہیں یہ سارے کام فقط اس سبب سے بھی کرنے پڑے کہ آپ اپنے ملک کی بد نظمی کو روک نہیں سکتے اور نہ انتظام کر سکتے ہیں نہ بیجا ری رعایا کے جان و مال کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ غرض یہ اصول گورنر جنرل نے قائم کیا کہ جو فرمانروا اپنی سلطنت کا انتظام نہ کر سکے اور رعایا اس کی بدخواہ اور ناراض ہو وہ خود ترک سلطنت کرے یا وہ اپنی سلطنت کے کاموں سے بحیر معزول کیا جائے سر جان شور کے عہد نامے کے موافق خرچ سپاہ نواب سعادت علی خان سے ۷ لاکھ روپیہ سالانہ ٹھہرا تھا اور اب اس افزائش سپاہ کا خرچ ۱۲۹۹۹ ۵۴ روپیہ سالانہ ہوا یہ دونوں مل کر ۱۳۰۱۲۹۹۹ روپیہ ہوا اس لیے نواب سے درخواست کی گئی کہ جس ملک کی آمدنی اس قدر روپے کی اس دیرانی کی حالت میں سوائے خرچ تفصیل مانگاری سے ہو ہمیشہ کے لیے سرکار کمپنی کو یہ یا ہاں ہے سبب اول درخواست کل ملک کے حوالے کرنے کی نواب کے سامنے پیش ہوئی تو اس پر گورنمنٹ نے انھوں نے بڑے بڑے مباحثے کیے اور پھر یہ دن کے نواب کو ہذا کے نواب نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ پہلے تو ان کے عہد میں مذکور فیاضانہ نسبت پر ان کی ٹیکس اور زمین نے کبھی ادا سے زر قسط میں ایک لمحہ کا توقف نہیں کیا ایک کوٹھی میرے فمے

نصائح نقش بر آب و گرہ در ہوا بہن۔ آخر کار ملک کی بربادی و ویرانی کی وہ نوبت پہنچ جائیگی کہ زموعد بھی سرکار کمپنی کا ادا نہ ہو سکے گا اس لیے بہتر ہو گا کہ اس سرسبز ظلم کی بھری ہوئی حکومت اور زہر کی بجھی ہوئی سلطنت کی قائم مقام وہ گورنمنٹ قائم ہو جس سے رفاہ حال رعایا آسودگی برائیا ملک کی سرسبزی اور شادابی۔ نام و ناموس جان و مال عسیت کی نگہبانی اور فضل و ہنر کی کامرانی تجارت و زراعت کی ترقی غرض تمام اسباب خوشحالی خلق مینا ہو جائیں۔ تاکہ سپاہ فرمانبردار اور رعایا خیر خواہ ہو جائے۔ یہ سب باتیں ممکن نہیں کہ کسی اور طرح حاصل ہوں جب تک کہ نواب سارے ملک کا انتظام مالی و ملکی اور جنگی سرکار کمپنی کو نہ دیدیں اور خود سلطنت سے دست بردار نہ ہوں اُن کے واسطے اور تمام اُنکے دوست آشنا خویش و یگانوں کے واسطے و طیفے معقول مقرر ہو جائیں گے صرف یہی تدبیر ہے کہ جو ملک اودھ کو نہال اور رعایا کو مالا مال کرے گی ورنہ وہ کسی طور سے آفات اور مصائب کی لکڑی کو ب سے نہیں بچ سکتا۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس پر عمل کیا کہ ”برگش گیر تا بہت پراضی شود“ رنڈینٹ کو لکھا کہ اس امر کو وہ مصالحت سے طے کرے اور اگر نواب اس مصالحت کا معاہدہ نہ کرے تو پھر نواب سے نہایت ادب کے ساتھ وہ یہ عرض کرے کہ پہلی اور حال کی سپاہ زائد یعنی کل سپاہ کے خرچ کے واسطے کوئی ایسا مخزن مقرر کر دیں کہ جس سے زموعد عین وقت پر وصول ہو جایا کرے اور اس میں کچھ خلل نہ آیا کرے اسکے واسطے یہ تدبیر بتلائی کہ وہ اپنے ملک کا حصہ ہمیشہ کے لیے سرکار کو دیدیں کہ اُس سے تمام سپاہ کا خرچ چل جائے۔ جو ملک تفویض کرنے کے لیے تجویز ہوا تھا وہ اضلاع دو آب و روہیلکھنڈ مع اضلاع علی گڑھ و گورکھپور تھے اس تفویض سے نواب کا ملک اس کا گنبد ہو جاتا تین طرف سے

اجازت ہو اور میرا بیٹا سیراناٹ میری غیبت میں مقرر ہو جو کام ہونے والے ہیں وہ میری غیبت میں ہوں اپنی آنکھوں کے سامنے یہ ملک دینے کی بلا نہیں دیکھی جائے گی میں نہ سرکار کمپنی سے لڑ سکتا ہوں نہ مقابلہ کر سکتا ہوں جو وہ چاہے کرے ملک اور خزانہ سب حاصر ہے غرض یہاں عجز و نیاز کے لباس میں انکار تھا وہاں شامہ عتاب و ناز میں اپنی بات پر اصرار تھا۔ لارڈ ولزلی نے اپنی تحریرات کے اندر حقیقت میں سلطنت انگلیب کی سطوت و صولت کو دکھایا جو اس کام کے لیے سزاوار تھی کہ انھوں نے جو اتنی جھجکتیں کیں فقط اس لیے کہ انکو یہ منظور تھا کہ یہ امر ظاہر ہو کہ جبر و قہر سے ملک نہیں لیا جاتا ہے وہ دل سے چاہتے تھے کہ نواب اپنا ملک دیدین سانپ مر جائے لائٹنی نہ تو ہے اس لیے انھوں نے اپنے بھائی ہنری ولزلی کو اپنا پرائیوٹ سکرٹری بنا کر نواب سعادت علی خان کے پاس بھیجا کہ شاید میرا بھائی نواب کی ہٹ کو دور کر دے۔ ۳۔ دسمبر ۱۸۵۷ء کو وہ لکھنؤ میں آگئے اور ۶۔ کو نواب کو سمجھایا کہ یہ آپکی غلطی ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں ملک دیدون کا تو میں تخت سے محروم ہو جاؤں گا اور میری سلطنت کا عدم ہو جائے گی بلکہ برخلاف اُس کے اُس سے آپکی اولاد کے لیے تخت سلطنت زیادہ استقلال کے ساتھ برقرار ہو جائے گا وہی اعزاز و کرامت شاہانہ آپ کا باقی رہے گا اس میں کچھ فرق نہیں لے گا کوئی آپ کو تخت سلطنت سے محروم نہیں کرنا نواب نے اس کا جواب صاف نہ دیا ۱۹۔ ستمبر کو گورنر جنرل نے رزیڈنٹ کو یہ ہدایتیں لکھیں کہ اگر نواب کو دونوں درخواستوں میں سے ایک کے بھی منظور کر۔ نے میں اصرار چلا جائے تو تم تمام ملک میں اپنا بندوبست کر لو اور یہ اُس کے ساتھ معمولی دلائل بھی بیان کر دیں کہ جب تک نواب ان دونوں درخواستوں میں سے کسی ایک کو نہ قبول کرے گا ملک اودھ میں عہدہ انتظام نہیں ہو گا اور سرکار کمپنی کی سلامتی نہوگی اس لیے

باقی نہیں لیکن تجھے وہ درخواست کیجاتی ہے جو پہلے کسی نواب سے نہیں ہوتی بھلا میں
کیسے آبائی سلطنت اپنی چھوڑ کر خود ترک سلطنت کروں میں ایسی درخواست کو ہرگز نہ
مانوں گا۔ سرکار نے سپاہ کے خرچ کے لیے جو ملک دیدینے میں یہ عذر پیش کیے میں نے
کون سی قسط ادا نہیں کی کہ جس کے عوض میں اپنا ملک دیدوں مجھے خود اُمید ہے کہ اپنے
نظم و نسق سے ملک کو سرسبز و شاداب کروں گا اگر ملک دیدو گا تو میری ساری امیدیں
منقطع ہو جائیں گی اور میرا بڑا نقصان ہو گا اور نہ میں اپنے ملک کا حصہ دے سکتا ہوں
ان باتوں کا جواب گورنر جنرل نے بھی ۵۔ اپریل ۱۸۵۷ء کو زیریڈٹ کو لکھا جس کا
خلاصہ یہ تھا کہ نواب نے میری دونوں درخواستوں کو نامنظور کیا نہایت افسوس کا مقام
ہے۔ مگر آپ سے صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ شیراز اب یہ عزم محکم ہے کہ ملک اودھ
زیادہ برباد نہ ہوئے دون اور ہندوگان خدا پر رحم کروں جو ملک کی ویرانی اور اس کی
کمی کا حال ہوتا جاتا ہے وہ سب نواب پر روشن ہے اور وہ خود اس کے معرین اس
ملک کے لینے میں سرکار کمپنی کی سپاہ کے خرچ کی پوری کفالت ہوتی ہے اور ملک کی بھی
بہبودی غرض کہ گورنر جنرل نے اصلاح گورنمنٹ کا اصول یہ قائم کیا کہ جو گورنمنٹ پرے
درجے کی خراب ہوائیں کا علاج بھی ہے کہ وہ بالکل فیسٹ و نابود ہو جائے جس عضو کی
صحت کی امید ہوائیں کا ڈانسا ہی اس کی شفا ہے حالت ردی میں اس کی ناحق
مرہم پٹی کرنا مرض اور تکلیف کو بڑھا تا ہے۔ نواب کو انھوں نے سمجھایا کہ جب اصلاح اختیار
میں نہیں ہے تو وہ اور دن کو کیوں نہیں اختیار دیدیتے کہ اصلاح کریں وہی مثل ہوتی
کہ ”خود خود نہ بکس دہر گندہ گندہ یہ سگ دہر“ نواب کا کلیجہ اس معاملے میں تقریر و
تحریر سے پک گیا تو مجبور ہو کر اس مورد رنج و بلا نے کہا کہ مجھے کربلا کی زیارت کی

بارہ ہزار آٹھ سو اسی روپیہ بارہ آنہ تین پائی مع خرچہ تحصیل کے معی۔

تفصیل جمع

پنکھ کورہ و کڑا و چکلا اٹاؤہ	۵۵۸۵۷۷	روپیہ	۱۱	آنہ	۹	پائی
کھرد وغیرہ	۵۲۳۳۷۷	روپیہ			۶	پائی
فرخ آباد وغیرہ	۴۵۰۰۰۱	روپیہ				
کھیرا گڑھ وغیرہ	۲۱۰۰۰۱	روپیہ				
اعظم گڑھ وغیرہ	۶۹۵۶۲۴	روپیہ	۷	آنہ	۶	پائی
گورکھپور و بٹول	۵۴۹۸۵۴	روپیہ	۸	آنہ		
صوبہ الہ آباد وغیرہ	۹۳۴۳۶۳	روپیہ	۱۱	آنہ	۳	پائی
روہیلکھنڈ	۴۳۱۳۴۵۷	روپیہ	۱۱	آنہ	۳	پائی
نواب گنج کھلی وغیرہ	۱۱۹۲۴۲	روپیہ	۴	آنہ		
محال وغیرہ باستثنائے تعلقہ	۱۶۸۳۷۸	روپیہ	۴	آنہ		

ار دل۔

نواب گنج کے پاس اس ملک کے نکل جانے کے بعد کروڑ روپے کا ملک باقی رہا جیسا کہ انگریزی تاریخوں میں ہے لیکن بعض کہتے ہیں کہ ایک کروڑ بیست تیس لاکھ روپے کا ملک باقی رہا تھا جس قدر ملک ہاتھ سے گیا اُس میں وہ خرچ بھی جو نواب فرخ آباد نواب اودھ کو دیتا تھا دیدیا گیا۔ اور جو ملک باقی رہا اُسکی حفاظت ہوئی اور اُسکی نسبت عہد نامے میں لکھا گیا کہ آنراہیل ایسٹ انڈیا کمپنی عہد واقع کرتی ہے کہ نواب سعادت علی خان اور اُن کے

یہ امر فقط مناسب ہی نہیں بلکہ فرض ہو گا کہ تمام سلطنت نواب سے لے لی جائے
انکے خوب کان اور دل کے کواڑ کھول کر سمجھا دو کہ سرکار کمپنی نے ملک اودھ کے تمام مالی اور
ملکی انتظام لینے کا عزم مصمم کر لیا ہے پس اگر اپنی ہمت سے نہ ہٹیں تو انکی سپاہ کو معرقل
کر دو اور سارے ملک کے انتظام کی تدبیر کامل کرو اور اس پر قبضہ جالو نواب نے اسی روز
کہ یہ ہدایات ریڈنٹ کو کھچی گئی تھیں ریڈنٹ کو کھچ بھجا کہ مجھے دوسری درخواست حصہ ملک
کے تفویض کرنے کی منظور بہ بشرطیکہ مجھے حج اور زیارت کر بلا جانے کی اجازت ہو اور میرا بیٹا
سیر جانشین ہو وجہ اسکی یہ بیان کی کہ ملک کے دیہیے کے بعد میری غیرت کا یہ اقتضا
نہیں ہے کہ یہاں اپنے عسروں کو اپنا منہ دکھاؤں اگرچہ اس آخری شرط سے ایک
حرف سرکار کمپنی پر آتا تھا مگر بعد غور و تامل کے ریڈنٹ اور ہنری ولزلی نے نواب کی اس
درخواست کو منظور کر لیا اور دستخط اپنے کر کے بھیج دیے۔ ۲۷۔ کو پھر نواب نے لکھا کہ مجھے باقی
میرے ملک میں اختیار ملنی دیا جائے اور کسی کو اس میں دخل نہ ہو اس پر جواب دیا گیا
کہ اس معاملے میں پہلے بہت گفتگو ہو چکی ہے یہ ملک تو صرف سپاہ کے خرچ کے لیے
جدا کیا گیا ہے برٹش گورنمنٹ کو ہمارے سارے ملک کی حفاظت کرنے کا اور اس میں عمدہ
حکومت قائم کرنے کا انتہائی حاصل ہے اس پر نواب نے ۲۹۔ کو اپنے خط میں لکھا کہ آپ کی
اس تحریر سے مجھے معلوم ہوا کہ ملک دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا کیونکہ جو ملک باقی رہا اس میں
بھی ساقا الاعبار رہا غرض بعد بہت سی تکرار اور مباحثے کے ۱۰ نومبر ۱۷۷۷ء مطابق ۲۔
رجب ۱۱۷۷ھ ہجری کو نواب نے ہندوستان سے جو پہلے سے مرتب تھا دستخط کر دیے اور ۱۴۔ نومبر کو
بنارس میں دریائے گنگا کے کنارے لارڈ ولزلی نے اسکو اپنے نام سے مزین کیا اس عہد نامے
کے موافق سرکار کمپنی کو وہ ملک حاصل ہوا جسکی آمدنی سکھوں سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ

مذکور کے یہ بھی قرار پایا کہ دریائے گنگا اور ممالک طرفین کے دوسرے سرحدی دریاؤں میں جہاز رانی بلا فراغت ہو کرے اور کوئی کشتی محصول طلب کرنے کے لیے نہ روکی جائے اور نہ اس کشتی سے محصول طلب ہو جو فریقین معاہدے کے ملک میں اس نیت سے قیام کرے کہ وہ اپنا اسباب و سامان نہ اتارے گی مگر یہ اختیار دونوں سرکاروں کو رہا کہ اس ابناس پر جو ان کے ممالک میں آئے یا ان کے ملک سے جائے محصول کی تعداد راج اور نرخ حال سے زیادہ نہولیں۔ اور یہ بھی وعدہ ہوا کہ جو شے نواب کے ملک میں فوج مقیم علاقہ سپرد شدہ کے صرف کے لیے خریدی جائیگی اسکی نسبت دعویٰ مستثنیٰ ہونے کا پیش کیا جائیگا اور اسوقت میں بھی جب شے مذکور کمپنی کے افسروں کو دیا جائیگی۔

ایک شخص نے شعر ذیل سے اس معاملے کی تائید نکالی ہے۔

خود بخود این دور دور گئی گرفت ملک نواب فرنگی گرفت

دیگر

شور صاحب پس از وزیر علی	کہ جلوسش نہ درخیز تسلیم
بجناب میں دولت و ملک	داد ملک و ریاست از تکریم
از پس چار سال حسب شرط	ایک قسمت گرفت ملک بنیم
سال تاریخ یافت قرائق	کہ شدہ المناصفیہ تقسیم

گورنر جنرل نے ولایت کو یہ خبر بھیج دی کہ ملک پر قبضہ بغیر کسی فتنہ و فساد کے آسانی سے ہو گیا اور اس سے یہ فائدہ حاصل ہونے لگا کہ نواب کی سپاہ کی قوت بالکل جاتی رہی لشکر سرکاری جو ملک بنگال میں ہے اس کا بہت سا خرچ نے حاصل شدہ ملک کے فے ہو گیا اور موعود جو لشکر کے لیے لیا جاتا ہے اس کے وصول ہو جانے میں آئندہ کچھ ٹھٹکا نہیں رہا

جانشینوں اور وارثوں کو اس قدر ملک پر جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو علاقہ سپرد کر دینے کے بعد نواب کے پاس باقی رہے گا حکومت و سلطنت بلا مزاحمت کرنے دی گئی۔ اور نواب کی طرف سے یہ اقرار ہوا کہ وہ باقی ماندہ علاقے میں اپنے اہلکاروں کے ذریعہ سے ایسا انتظام کرے گئے جس سے رعایا کی بہبودی اور اس کی جان و مال کی حفاظت متصور ہوگی اور نواب ہمیشہ حسب ہدایت و صلاح افسران کمپنی کے کاربند ہونگے اور چونکہ یہ حصہ ملک جو فی سال نام خرچ فوج اور تمام دوسرے اخراجات کے جو کمپنی کے نواب وزیر کے ملک وغیرہ کی حفاظت میں واقع ہوتے تھے دیا گیا اس لیے کمپنی نے اقرار کر لیا کہ اب ہمیشہ کے لیے وہ سالانہ موقوف ہو گیا اب اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو اودھ اور اس کے متعلقات کی حفاظت کے لیے فوج اور بڑھانے کی ضرورت ہوگی تو اسے اخراجات ایذا و فوج کا نواب سے مطالبہ نہ ہوگا اور آئندہ جو خرچ کمپنی کا فوج کے جمع کرنے میں یا دشمن کا حملہ دفع کرنے یا تو ہم حملہ کے روکنے کے لیے ہو گا یا اس فوج کی بابت ہو گا جو ضرورت کے وقت سرکشی یا بد انتظامی متانے کے لیے فراہم ہوگی یا جنگ یا کسی اور وجہ سے ہو گا تو اس کا مطالبہ نواب کے خزانے سے نہ ہوگا اور ایک حصہ انگریزی فوج کا اور تھوڑا تو پنجانہ ہمیشہ نواب کی اردلی میں رہنا قرار پایا مگر خرچ اس کا بھی کمپنی کے ذمے رہا نواب اس کے روپے سے بھی سبکدوش رکھے گئے اور کمپنی نے یہ بھی وعدہ کیا کہ جو ملک نواب وزیر کے پاس باقی رہا ہے اس کی حفاظت برہمنی اور اندرونی دشمنوں کے مقابلے میں وہ کریگی بشرطیکہ یہ امر گورنمنٹ انگریزی کے اختیار میں رہے کہ جہاں اسکو ضرورت معلوم ہو وہاں اپنی فوج نواب وزیر کے علاقے میں رکھے اور یہ بھی شرط کی گئی کہ نواب اپنی فوج کو کم کر کے پیادوں کی چار ہٹھنیں اور ایک ایک پلٹن نجیب اور میواتیوں کی اور دو ہزار سوار اور تین سو گولہ انداز رکھیں اور بموجب عہد نامہ

سامان کے انھوں نے سیندھیا اور لکھنؤ سے عشرِ عشر بھی میدانِ جنگ میں کام نہ کیا اور ایک شکست میں ایسے پھڑے کہ کچھ بھی سنبھل نہ سکے اور مردوں کے سامنے معرکہ کا زار مین دو دو ہاتھ دکھانے کے قابل نہ بن سکے اور جہاں کہیں انھوں نے فتح پائی وہ انگریزی لشکر کی مدد سے پائی۔

لارڈ ولزلی اور نواب سعادت علی خان کی ملاقات

۱۹۔ جنوری ۱۸۵۳ء کو لارڈ ولزلی بنارس سے کانپور میں رونق افروز ہوئے تو نواب سعادت علی خان بھی یہاں استقبال کے لیے آئے اور ملاقات سے سعادت یاب ہوئے گورنر جنرل نے اپنی شیریں کلامی اور خاطر داری سے اُنکے رنج و غم کو کم کیا اور دل کو خوش کیا۔ لکھنؤ میں آئے اور نواب سے ملاقاتیں ہوئیں اُس میں گورنر جنرل نے اُن سے فرمایا کہ تم کو یہ کام کرنے ضرور ہیں اول یہ کہ اڑتالیس لاکھ روپیہ جو سپاہ بڑھانے کے خرچ کا باقی ہے وہ جلد ادا کرو اور موافقِ عہد نامے کے اپنی سپاہ کو گھنٹا دو جو نیا ٹلک سرکار نے لیا ہے اُس کا ایک ضلع بدل دو جس سے سرکار کمپنی کی سرحدیں فصل نہ پڑے اور اپنے خویش و یگانوں کی کنیشن جو سرکار کمپنی نے مقرر کی ہے وقت پر ادا کرتے رہو اور سپاہ انگریزی جو متفرق مقامات پر ہے اُن سب کو لکھنؤ کے قرب و جوار میں ایک جگہ جمع کر دو نواب سعادت علی خان نے سب کاموں کو خواہ رضا سے یا مجبوری سے منظور کر لیا اور پیہ دینے کے واسطے ہمت چاہی۔ مگر سپاہ کے یکجا کرنے کے لیے لکھنؤ میں انھوں نے یہ کہا کہ اُس کی کچھ ضرورت نہیں اُس سے کچھ فائدہ ہے۔ اب مطلب دلی گورنر جنرل کا یہ تھا کہ انھوں نے نواب سے کہا کہ اپنے ٹلک کا انتظام نہایت عمدہ کرو اس پر نواب نے کہا کہ میں بھی اس بات کو

وہ ظلم و ستم اور جور و جفا اور زیادتی و سخت گیری جو رعایا پر ہو رہی تھی اور ملک میں سخت
 ابتری پڑ رہی تھی اس سے نجات ہوئی۔ ملک کا وہ حصہ جو روہے زمین پر اپنی زرخیزی میں
 جواب نہیں رکھتا تھا اور وہ ایک ہندوستانی حکومت کے ظلم کے تو دونوں کے پیچھے دیکر
 خاک میں ملا جاتا تھا پھر اُسکے بعد دن آئے خزان کے دن گئے بہار کے دن آئے
 سرکار انگریزی کی پیشانی پر جو اس بدنامی کا دھبہ تھامت گیا کہ اُسے اس بدظنی اور
 تباہی خلقت کے روکنے میں اپنی ہیبت اور صولت کو نہیں دکھایا اور خدا کا ترس نہیں آیا
 تنبیہ لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اس وقت ایسی کئی ریاستیں
 موجود تھیں جنکی رعایا کی حالت اودھ کی رعایا کی حالت سے کچھ بہتر نہ تھی نہ ان کا انتظام ہی
 یہاں کے انتظام سے اچھا تھا اگر لکھنؤ حق میں یگل خسانیاں اور کارروایاں نہ تھیں تو لکھنؤ
 و ایسے لوگوں کے ماتحت تھیں جن میں جنگی قابلیت تھی۔ اودھ کے فرماؤاؤں میں کئی
 باتیں ایسی تھیں کہ انگریز یا دوسرے کسی ٹکڑے کے اہل جو کچھ انکی نسبت لکھیں کہ ہے یا کہ
 تو وہ فوج کی طرف سے بالکل غافل تھے انکی خبر گیری کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے
 دوسرے فوج کی کمان ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیتے تھے جو سراسر اہل کام
 اہلیت سے عاری ہوتے تھے تیسرے ایسے کاموں میں جن پر سلطنت کی ہیبت
 اور رعب و وقار کا دار و مدار نہ تھا بے در پنج خرچ کرتے تھے اور ضروری کاموں میں ایک
 کوڑی لگانے سے دل بچھتا تھا چوتھے اودھ میں جو رئیس کام کرنے کی قابلیت رکھتا
 اُسکے تو ہاتھ پاؤں بندھے ہوتے اور خود اپنی بیخ کنی اپنے آپ کو رکھا اور ان نہیں رکھتا
 وہ آزاد ہوتا تھا پانچویں یہاں کے رئیس سپاہیانہ خوب خود بھی نہ رکھتے تھے انہیں شجاع الدولہ
 بڑے بہادر بنائے گئے ہیں مگر ان کا کارنامہ دیکھ لو کہ باوجود کثرت دولت و شہرت اور افر

پاس منظور می کو بھیجا انھوں نے غور و تامل کے بعد جوابات مناسب ہر ایک درخواست کے تحریر کر کے واپس کیا اس کے بعد نواب نے ۲۲ فروری کو گورنر جنرل کے چند جوابات اور اپنی چند درخواستوں کی ترسیم چاہی اور ۲۴ فروری کی ملاقات میں اس معاہدے کی نسبت زبانی گفتگو ہوئی اس گفتگو کا یہ نتیجہ نکلا کہ بعض درخواستیں اصل کاغذ کی بالکل موقوف کی جائیں اور تیسری تحریر کے جواب گورنر جنرل دیکر نواب کی درخواستوں کے مطابق انہیں ترسیم کریں اور اسی گفتگو میں نواب نے گورنر جنرل کی اس بات کے جواب میں جو نواب سے انکی دوسری درخواست کے جواب میں کہی گئی تھی کہ نواب کوئی شخص بطور وزیر کے اجراءے کا معمولی کے لیے مقرر کریں بیان کیا کہ وہ اپنے دوسرے بیٹے مرزا احمد علی خان کو اس کام پر مقرر کرنا چاہتے ہیں گورنر جنرل نے اس گفتگو میں یہ بھی مناسب تصور کیا کہ ان مراتب کو بیان کر دیا جائے جو دونوں سرکاروں کی دوستی و اتفاق کے قیام و ثبات کے ممد متصور تھے اور بعد نامہ ۱۰ - نومبر کے نتیجے کے طور پر تھے۔ اور اس نظر سے کہ آئندہ کسی طعن کا شک و شبہ اس تحریر و تقریر کے نتیجے اور مطالب میں نہ رہے گورنر جنرل نے اپنی اور نواب کی تمام بات چیت کا حاصل تحریر کر کے اپنے دستخط اور مہر اس پر کی اور اس کی ایک نقل گورنر جنرل کی دستخطی و مہری نواب کو دی گئی۔

درخواست کوئی شخص جیسا اب تک ہو تلہے آئندہ کسی شخص کا محافظہ و مددگار نہ ہو تاکہ ہماری بقایاے واجبی کے طریق وصول میں سد راہ نہ ہو بلکہ بخلاف اسکے نڈینٹ سلطنت تحصیل بقایاے مالگاری میں مدد دین اگر نڈینٹ کی خواہش یہ ہو کہ وہ کسی مقدمہ میں منع کیا جائیں تو انکو لازم ہے کہ مجھے خلوت میں اسکا ذکر کریں اور چونکہ میری نیت ہرگز نہیں

دل سے چاہتا ہوں مگر انتظام عمدہ تو جب ہو کہ مجھے کچھ اختیار بھی ہو بغیر اختیار و اقتدار کے کچھ نہیں ہو سکتا جب ہاتھ پیر باندھ دیے جائیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے زینت کی بھی کچھ شکایت کی اور یہ چاہا کہ مجھے بالکل مطلق العنان کر دیجئے تو پھر دیکھئے کہ میں کیسا ٹمک کا نظم و نسق کرتا ہوں گو انھوں نے صاف نہیں کہا مگر اس میں اشارہ تھا کہ کرنل سکوت موقوف ہو جائیں مگر گورنر جنرل نے ایسی درخواستوں پر کان نہ رکھا تو انھوں نے دق ہو کر ایسی حکمت عملی کے لیے یہ درخواست کی کہ مجھے زیادہ حج یا کر بلا جانے کی اجازت دیجیے اور میرے بیٹے کو میرا جانشین کر دیجیے اس پر گورنر جنرل نے کہا کہ مجھے آپ کو اجازت سینے میں عذر نہیں ہے مگر اسکے اندر بعض خرابیاں بیان کیں۔ پھر نواب نے جب یہ کہا کہ زرا فتنی جب ادا ہو گا کہ میری یہ درخواست منظور ہوگی تو گورنر جنرل نہایت اذیت منظر ہو گئے۔

تنبیہ۔ فاعتبہ وایا اولی الالبصار وزیر علی خان جو یہ نسبت نواب سعادت علی خان کے سپاہی طبع اور سپاہ دوست تھا اس کو نواب نے نہایت توڑ جوڑ کے ساتھ بغیر صدور کسی قصور کے بڑی اہانت کے ساتھ معزول کر لیا مگر اس دلفریب لطنت سے انھوں نے خاطر خواہ خط حاصل نہ کیا بلکہ یہاں تک اُس سے دق ہوئے کہ ترک کرنے پر آمادہ تھے کبھی دنیا میں بھی مکافات ہو جاتی ہے۔

جو امور عہد نامہ مرقومہ ۱۰ نومبر ۱۸۵۷ء میں صاف نہ تھے گورنر جنرل کا بالمشافہہ انکی تصریح کرنا اور انکے ایسے امور کی تفہیم کرنا جن سے اتحاد اور رسم دونوں کو منٹوں کے درمیان قائم اور جاری رہیں

۱۵۔ فروری ۱۸۵۷ء کو نواب نے ایک کاغذ پر چند درخواستیں لکھ کر گورنر جنرل کے

اسی میں ہے کہ وہ مجھے ایسے معاملات میں اتنا نہ کیوں بیان کر دیا کہ میں تاکہ انکی مرضی کے موجب میرے اہلکاروں کی معرفت وقوع میں آیا کہ اسے اتنا کہ یہ حال رہا ہے کہ اکثر خیرین اور فساد فیض آباد میں اور نواب بہو بیگم صاحبہ کی جاگیر میں رہا کرتا ہے اور میری تحریر و تقریر پر کچھ خیال بیگم صاحبہ نے نہیں کیا میرے برادر مرحوم کے عہد حکومت میں جاگیر کے تنازعات سلطنت سے متعلق تھے۔

جواب بیگم صاحبہ کی جاگیر میں انصاف نواب کے زیر حکم رہے گا اور بیگم کے نوکر انکے مطیع رہیں گے اور عدالتوں کے احکام کی تعمیل بذریعہ قوت انگریزی ہوگی۔

درخواست میں چاہتا ہوں کہ گورنر جنرل بہادر اذراہ مہربانی داراب علی خان کو طلب فرمائیں اور میری خواہش یہ ہے کہ جاگیر کے سوا جو سرکاری جائیداد مثل زمین اور بارو بلغ بکثرت بیگم صاحبہ کے اہلکاروں نے بلا استحقاق اور بغیر موجودگی سند ضروری کے چار سال کے عرصے سے لی ہے جسکے حال سے میر لندنی صاحب اور مولوی غلام قادر خان مٹھی اور دوسرے معتبر آدمی جیسے الماس علی خان اور داراب علی خان اور انکے وکلاء بخوبی واقف ہیں اور تصدیق اسکی کر سکتے ہیں اور سابق خود بیگم صاحبہ نے اسکا اقبال کیا تھا اور اس حال اقبال کو سرکاری بعض معتبر اہلکار جیسے جے سکھ رائے وغیرہ جانتے ہیں اور ان کے کاغذات سے ایسی جائیداد کی تفصیل حاصل ہو سکتی ہے اور اس جائیداد کے لئے لینے سے میرا نہایت نقصان متصور ہے خصوصاً ایسے وقت میں کہ جب میں متحمل ایک ذرا بچی نقصان کا نہیں ہو سکتا یہ جائیداد مجھے واپس لے اور جو نفع اس جائیداد کا ان کو وصول ہوا ہے وہ بھی مجھے واپس دیا جائے تاکہ میرے نقصان کا معاوضہ ہو اور یہ امر بیگم صاحبہ کے اقرار کے مطابق ہے۔

کر بے انصافی ہو اس لیے یاتوین رزیدنٹ کو اس مقدمے سے آگاہ کر دو گایا وہ مجھے قائل کر دیتے۔ اگر وہ مجھے قائل کر دینگے تو میں انکی فمائش کے بموجب اس معاملے سے کنارہ گردنگا اور کسی پرہاری اسے کی باتفاق کا اظہار نہوگا۔

جواب۔ اس میں عیب نہیں ہے کہ اسکا لحاظ رہے گا نواب صاحب رزیدنٹ کے پاس اطلاعاً معاملے کی راستی کے دلائل اور اسناد ثبوت بھیج دیا کریں۔

درخواست باقاعدہ عدالتیں جس میں میری اپنی غرض بالکل متعلق ہوگی صرف شرعی مجری کے جاری کرنے اور وہابی دعاوی کی دادرسی اور رعایا کی حفاظت جان و مال کے لیے مقرر ہو گئی ہیں یہ لازم ہے کہ ہر ایک شخص انکی متابعت کرے اور اگر کوئی ان کے احکام کی خلاف ورزی کرے یا ان کی حکومت منظور نہ کرے تو افسران کمپنی مدد کر کے انکے حکم کی تعمیل کریں۔

جواب۔ یہ فعل نہایت عقل و دانائی کا ہے اور بہت مناسب ہے۔

درخواست میں نواب ہو بیگم صاحبہ کو اپنا بزرگ جانا ہون اور میری عین خواہش ہے کہ انکی توقیر اور مرتبہ اور انکی آسائش زیادہ ہو مجھے کچھ تعلق انکی جاگیر کی آمدنی اور پیداوار سے نہیں ہے اور نہ کسی دوسرے جاگیر دار کی۔ مگر مظلوموں کی داد دہی اور تصفیہ تنازعات کے بعد عدالت کی حکومت اور دیوانی و فوجداری کی نداد ہی کی تعمیل کرنا اور داد دہی کے متعلق دوسرے مقامات میرے حکم کے بموجب شہر لکھنؤ اور فیض آباد اور تمام جاگیردارت میں ہونے چاہئیں کیونکہ یہ امور والی ملک سے متعلق ہو کرتے ہیں جسکا کام ہی ہوتا ہے کہ ظلم و زیادتی نہونے دے ہو بیگم صاحبہ کے آدمیوں کو نہ چاہیے کہ ایسے معاملات میں مداخلت کریں کیونکہ حکومت میں شرکت ناممکن ہے خود بیگم صاحبہ کی نیلکامی

ایک جائداد میرے قبضے میں ہے میں چاہتا ہوں کہ لارڈ صاحب حکم اس مضمون کا صادر فرمائیں کہ اس طرح کی جائداد واقع علاقہ مذکور کی ہمارے آدمیوں کے سپرد کی جائے ایک فرست اس طرح کی جائداد اور باغات وغیرہ کی دخل کی جائے گی۔

جواب اس قسم کی کوئی جائداد جسکا ثبوت نواب حسب اطمینان لارڈ صاحب کو دین گے وہ البتہ لکھے ملازمین کے سپرد کی جائے گی۔

درخواست میں نے ضلع معلومہ فوج کے مصارف کے لیے صرف لارڈ صاحب کی رضا جوئی کی نیت سے سپرد کیے ہیں اور یہ امر ہر کو مناسب معلوم ہوا جب ولزلی صاحب آئے تو ہر لارڈ صاحب کی خوشی خاطر اور لکھے حکم کی تعمیل ضروری تصور ہوئی پس اس مضمون کے احکام جاری ہوں کہ کوئی شخص مساجد اور مقابر اور امام باڑہ وغیرہ سے جو علاقہ سپرد شدہ میں واقع ہیں متعرض اور مزاحم نہو اور کوئی اُن کو خراب و سمار نہ کرے۔

جواب احکام اس کے مطابق صادر ہوئے۔

درخواست یہ وعدہ ہوا تھا کہ جو روپیہ الہ آباد کے گھاٹ پر آئے گا وہ سلطنت اودھ کو دیا جائے گا چار برس کا عرصہ گذر گیا کہ ہر چند متواتر تحریرات اس بارے میں ریڈرنٹ کو بھیجی گئیں مگر آج کی تاریخ تک نہیں دیا گیا اس سے ہمارا بڑا نقصان ہوتا ہے احکام صادر ہوں کہ حسب وعدہ روپیہ دیا جائے۔

جواب اس حساب کے طے کرنے کو حکم صادر ہو گا۔

درخواست نواب وزیر چاہتے ہیں کہ اُمکا بیٹا مرزا احمد علی خان انصاری کا رستہ کے لیے نائب مقرر کیا جائے۔

جواب گورنر جنرل بہادر اس سے مطابقت کر کے مرزا احمد علی خان کی

جواب تمام مقدمات جو نواب اور بہو بیگم کے درمیان ہیں ان پر لحاظ کامل ہو گا اور ان کے درمیان میں معاملہ اس طرح طے کرایا جائیگا جو انصاف اور عدل کے مطابق ہو گا۔
درخواست میرے ملک کے مفرورون کو پناہ نہ دیجائے بلکہ میں جب طلب کروں مجھے دیے جائیں ورنہ ملک سے خارج کیے جائیں۔

جواب تمام مجرم حوٹے ایک دوسرے کے کیے جائیں گے سرکارین کی ایسی رعایا جسکی نسبت کوئی حرم عائد نہ ہو گا اسکو اختیار حاصل رہے گا کہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں بلا مزاحمت سفر کرے اور جہاں چاہے آباد ہو۔

درخواست اگر اس سرکار کا کوئی متوسل علاقہ سپرد شدہ میں مستاجری کی درخواست دے تو اس سے تحریر لیجائے کہ اسکو مستاجری اس شرط سے مل سکتی ہے کہ وہ ثابت کرے کہ سلطنت اودھ کا باقی دار نہیں ہے۔

جواب تمام بقایا سے حال یا جو آئندہ سلطنت کی باقی رہے گی اس کے واسطے ایک میعاد مقرر کیجائے اور تمام باقی داروں سے اقرار لکھائے جائیں کہ میعاد مقررہ میں باقی ادا کریں۔
درخواست اکثر ہمارے عامل جنگی زمین علاقہ سپرد شدہ میں ہے وہ سلطنت کے باقیدار ہیں یا تو ان کے ذمے کے روپے کی معتری ہو کر دیجائے اور یا وہ عامل ہمارے سپرد کیے جائیں تاکہ زرباقی وجہی طور پر ہم وصول کر کے انکو راکرین اور جب وہ اپنا حساب کتاب ہم سے طے کر لیں بعد اسکے مسٹر ویلزلی صاحب کو اختیار ہے ان سے اپنا معاملہ جس طرح چاہیں کریں۔

جواب نواب کے کسی عامل کے ساتھ علاقہ سپرد شدہ میں معاملہ نہیں ہوا۔

درخواست۔ سلطنت کے اکثر باغات اور دوسری جائیداد اس علاقے میں واقع ہے جو مصارف فوج کے لیے دی گئی ہے اور وہ جائیداد مالگراہی سے جدا ہے مثلاً اب بنارس میں

قائم کرنے میں اور علاقہ مذکور کے تمام امور انتظامی میں اور عام کارروائی میں نواب حسب صلاح گورنمنٹ انگریزی کے اور مطابق اسکی نصیحت کے کام کریں گے۔ یہ صلاح اور نصائح ہمیشہ نواب کو دوستانہ اور اعتبار و محاط باہمی کے طریق پر دی جائیں گی۔ جب کسی بڑے کام میں خاص گورنر جنرل بہادر کی صلاح درکار ہوگی اور ضرورت وقت ایسی ہوگی کہ انکی تحریر پر نواب کو جلدی کرنی ہوگی تو گورنر جنرل صلاح جو گورنمنٹ انگریزی کی اس بارے میں ہوگی براہ راست بذریعہ تحریر یا بذات خود دیں گے۔ رزیدنٹ مقیم لکھنؤ گورنمنٹ انگریزی کے سفیر کے طور پر ہے اور تمام مقدمات کی تحریرات میں باہمی واسطہ ہے اس لیے رزیدنٹ عام طرز کارروائی میں نواب کو صلاح جو گورنمنٹ انگریزی کی ہوگی گورنر جنرل کے نام سے دیا کریگا اور جس مقدمے میں رزیدنٹ صلاح دیکھا وہ بطور صلاح گورنر جنرل بہادر کے متفق ہوگا۔ یہ صلاح رزیدنٹ تمام مقدمات معمولی میں حسب احکام عام یا خاص گورنر جنرل بہادر کے دیا کریگا۔ رزیدنٹ کو چاہیے کہ نواب کو صلاح یکدلی و یکجہتی سے دے اور اجر اسے کار میں نواب کے ساتھ اتفاق کی کوشش کرے اور نواب کے ساتھ اتفاق کر کے انکے اہلکاروں کی معرفت ان تبدایر کا اجر کرے جو گورنمنٹ انگریزی کی صلاح سے قرار پائی ہیں۔ جن مقدمات میں انگریزی فوج کی اعانت و امداد کی ضرورت ہوگی ان میں حسب ضرورت وقت اعانت و امداد کی جائے گی۔ رزیدنٹ کو چاہئے کہ نواب کی نسبت تمام امور میں غایت درجے کی تعظیم اور اتفاق کے ساتھ پیش آئے اور تمام امور میں انکے ساتھ دلی اتفاق اور دوستی رکھے انکی حکومت کو قیام اور استحکام دے رزیدنٹ کو چاہئے کہ باقی ماندہ علاقے کے کسی کام میں اول بغیر مشورہ کرنے نواب سے انکے اہلکاروں سے ہرگز دست اندازہ نہ ہو اور رزیدنٹ کو چاہئے کہ مشورے میں نہایت راز داری کیا کرے اور جب تک کوئی امر مشورے میں قرار

تقرری کو منظور کرتے ہیں۔

درخواست غایات گورنر جنرل بہادر سے مجھے امید ہے کہ وہ میرے روبرو مراتب مذکورہ بالا رزیدنٹ کو سمجھا دیں گے اور حکم دیں گے کہ اسکے مطابق کام کیا کریں اور لارڈ صاحب رزیدنٹ کو یہ بھی حکم دیں گے کہ لارڈ صاحب کی روانگی کے بعد وہ میری روانگی کی نسبت کچھ تساہل و ہرج کرینگے بلکہ سامان سفر کی تیاری میں امداد کریں گے۔

جواب نواب کی درخواست کے مطابق ۲۲ فروری کو مراتب بالا کے احکام اور اطلاع نواب صاحب کے روبرو رزیدنٹ کو دی گئی۔

از جانب نواب گورنر جنرل

اب نواب گورنر جنرل بہادر اُن مراتب عامہ کو بیان کرتے ہیں جن کے مطابق دونوں سرکاروں میں اسکے بعد رسم اتفاق اور مراسلت زیب اجرا پائے گی عمد نامہ ۱۰۔ نومبر ۱۸۵۷ء کی رو سے قرار پایا ہے کہ نواب کی حکومت کلیتہً باقی ماندہ علاقے میں مقرر ہوئی ہے اور انکے اپنے اہلکار اور ملازم کارروایوں کے اور گورنمنٹ انگریزی وعدہ کرتی ہے کہ وہ نواب کی حکومت اُن کے باقی ماندہ علاقے میں قائم کرائے گی اور انکے اہلکاروں کی معرفت ملک کا انتظام کرائے گی اور گورنر جنرل بہادر اس سے ہرگز انحراف نہ کریں گے نواب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے باقی ماندہ ملک میں ایسا انتظام کریں گے جس سے رعایا کی بہبودی ہوگی اور باشندوں کی جان و مال کی حفاظت ظہور میں آئے گی اور یہ انتظام نواب کے اہلکار اور ملازموں کی معرفت ہوگا۔ نواب نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیشہ افسران کمپنی کی صلاح اور نصیحت کے مطابق کارروائی کریں گے اس لیے باقی ماندہ علاقے میں عمدہ انتظام

غیر دن سے بچنے کا کام اپنے منے لے لیا۔ اور ملک اودھ کو بھی اپنی عداوت کا ایک حصہ بنا لیا۔ سپاہ سے حمایت و حفاظت کرنی موقوف نہ ہو مگر پرتھی جو سال پہ سال وقت پر ادا ہوتا رہے اب اُسکے لیے اطمینان کی حالت حاصل کرنا ضرور تھا۔ سرکار کمپنی کی فوج کوئی بھٹکے کا ٹٹو بھٹکیا کے کا نہ تھا کہ جب تک جی چاہا چڑھے پھر کرایہ دیکر کھدیا کہ جلد سے اس سپاہ کے لیے تو اقرار ہمیشہ کے لیے تھا پس اُسکے خرچ کے واسطے مخزن کا مستقل ہونا ضرور تھا وہ سوائے ملک کے اور ہونین سکتا تھا اس لیے ملک کا لینا کوئی ظلم کی بات بات نہ تھی اودھ سے جو تعلق سرکار کو تھا اُس میں دو باتوں کا ہونا ضرور تھا ایک یہ کہ عہدہ کی شرائط کا ایفا ہو دوسرے ملک میں امن و امان ہے پس ملک میں امن و امان کھٹنے کا فرض ایسا گورنمنٹ انگریزی کے ذمے تھا کہ اگر شرائط ٹوٹ بھی جائیں تو کچھ خیال نہ کیا جاتا رعایا پر جو ظلم و ستم برپا ہو رہا تھا وہ آنکھوں کے سامنے تھا جس کا خود نواب کو اقرار تھا اور اسی خوف سے وہ خود تارک السلطنت ہونا چاہتے تھے یہ اتفاق کی بات ہے کہ اُنکے سب بیٹوں کی ولادت اس طرح سے ہوئی تھی کہ وراثت کا حق وہی باقی تھا جو باپ اُنکو دیدے یہ تو ان کے حق میں ظلم تھا کہ اُنکو اس قدر نہ دیا جاتا کہ وہ آسائش اور آرام سے نہ رہ سکیں مگر باپ کے کہنے سے کسی کو سلطنت کا دیدینا خوف و خطر سے خالی نہ تھا اگر یہ کیا جاتا تو بچاری غریب رعایا کی چھاتی پر اور مونگ دلی جاتی بد سے بدتر حالت ہو جاتی تو اس میں بعض امیرون اور تعلقہ داروں کے پولے ہوتے مگر بچاری رعایا کے تو طماع حاکموں کے پنجے میں پھنس کر چھکے چھوٹ جاتے غرض گورنر جنرل کو خواہ عہد نامے کے موافق دیکھو خواہ آئین ملک داری کے لحاظ سے دیکھو ملک لینے کا استحقاق حاصل تھا اُس وقت ملک اودھ سرکار کمپنی کی عداوت کا ایک حصہ تھا اُس کے انتظام کے واسطے جو مناسب ہوتا وہ گورنر جنرل پر

نپائے اُسکے افسانوں نے مین جہد ملیج رکھے۔ ان عقائد کے بموجب گورنر جنرل بہادر کو امید ہے کہ نواب رزیدنٹ کے مشورے اور صلاح سے کام کریں گے۔ اور چونکہ گورنمنٹ انگریزی اور نواب کے درمیان کوئی وقت طلب بات باقی نہیں رہی اس لیے گورنر جنرل بہادر کو یقینی امید ہے کہ آئندہ کچھ وقت اچلے امور میں واقع ہوں گی۔

نواب اودھ کے معاملات میں محققین کی رائیں

افزائش سپاہ کی نسبت تو ہم محققین کی مخالف اور موافق رائیں پہلے کچھ چکے ہیں اب اس امر کی نسبت لکھتے ہیں کہ گورنر جنرل نے جو نواب سے یہ دو درخواستیں کیں کہ یا کل اپنا ٹک دیدین یا ایک حصہ ٹک کا دیدین وہ عدالت کے موافق ان درخواستوں کے مجاز تھے یا نہیں اور پھر جو انھوں نے ٹک کا ایک حصہ لے لیا وہ بھی مقتضائے انصاف تھا یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یا ایک گروہ دوسرے گروہ سے یا ایک سرکار دوسری سرکار سے یہ کہے کہ تم ہلکوا اپنی فلاں چیز ان شرائط پر دیدو تو یہ درخواست نہ اخلاق کے خلاف ہے نہ انصاف سے باہر ہے اگر جانب ثانی انکار کرے اور اس سے وہ چیز لے لیجائے تو البتہ بعض صورتوں میں وہ بڑا گناہ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ پرنس گورنمنٹ کا دونوں درخواستوں کا کرنا نواب سے نہ اخلاق کے خلاف تھا نہ عدالت کے خلاف۔ اب جو اس نے ٹک لے لیا اس کی نسبت بحث کرنی چاہیے کہ وہ انصاف تھا یا یونہی ناحق زبردستی وجبر و قہر تھا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ نواب کی مسند حکومت انگریزی سلطنت کی نوک پر تھمی ہوئی تھی جس وقت وہ اس سے انھیں علیحدہ کر لیتی وہ خاک میں مل جاتی یہ انگریزی سہارا نہ لگا ہوا ہوتا تو نواب کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا ہوتا۔ انگریزوں نے

لکھا ہے وہ بیٹھے کے واسطے اپنوں مستحق کے واسطے فصد اور مجنون کے واسطے شیر شتر ہی
 تھا پہلی بُرائی یہ بیان کی کہ نواب کی سپاہ - ادباش - عیاش - آرام طلب ہے - وہ غریب
 رعایا کو ستائے جاتی ہے - اسکا علاج تو یہ کر دیا گیا کہ اُس سپاہ ہی کو باقی نہیں رکھا سب کو
 نواب سے موقوف کرادیا - یہ عللِ مرض کے موافق ہوا - آنکھ بھوئی پیر گئی - دوسری
 بُرائی یہ بیان کی کہ تمام ملک میں کمین ٹکڑے عدالت نہیں جس سے رعایا کی جان و مال کی
 حفاظت ہو - مجرم نہ رہائے جرموں کا انسداد ہو رعایا اپنے تضایا کا انفضال اُن میں کرائے
 تیسری خراج ستانی کے دستور ظلم و ستم سے بھرے ہوئے تھے جو بڑا اندرانہ دیتا اور زیادہ روپیہ
 دینے کا وعدہ کرتا اُسی کو زمین دیجاتی - پھر عالموں نے ظلم زمینداروں پر اور زمینداروں کے
 ظلم غریب رعایا پر جو ہوتے تھے اُسکے بیان کرنے سے کچھ ٹھکوتا ہے - جو تحریری معاہدے بھی
 آپس میں اُن میں ہوتے تھے اُنکا پاس و لحاظ کچھ نہیں ہوتا - غرض جو طریقہ زراعتکاری کے جمع
 کرنے کا تھا وہ بُرا ہی تھا - اب اُن دونوں بُرائیوں کے دور کرنے کے واسطے گورنر جنرل نے ہر ضلع
 میں کلکٹر اور مجسٹریٹ اور ایبل کے محکمے اور پولیس وغیرہ مقرر کیے - اور سچ یہ ہے کہ کچھ گورنر جنرل
 نے اودھ کے حق میں کیا وہی عدالت اور انصاف کے موافق تھا - مگر جس طرح سے کیا وہ مناسب
 تھا اُنکو لازم تھا جیسا کہ حاکمِ محکوم یا زبردست زیر دست کو حکم بھیجتا ہے کہ یہ کام کرو اسی طرح اودھ
 کے معاملے میں نواب ساداتِ علی خان کو ایک مختصرِ عالم لکھ بھیجا ہوتا کہ یہ کام یوں کرو جسقدر
 نواب سے شیریں کلامی کی گئی وہ اُنکو زہرِ ہلاہل معلوم ہوئی اگر پہلے ہی سختی دو حکمِ قطعی کی
 اُنکو بلا دیجاتی تو وہ اُنکو ایسی ناگوار نہ ہوتی - پہلے جتنی شکر کھلائی پھر اتنی ہی تلخ دو اِپلائی پڑی
 جیسا کہ اب بعدِ تحریرات کے نواب کی مرضی کے بغیر ملک لیا گیا ویسا ہی اولے لیا
 ہوتا۔

واجب اور فرض تھا نواب سرکار کمپنی کے محکوم تھے پس محکوم جو کسی پر ظلم کرے اور حاکم اُس کو نہ روکے تو وہ بھی حاکم کا ظلم تھا۔ پس اگر سرکار کمپنی اس ظلم و ستم کا انسداد یوں نہ کرتی تو خود ظالم بنی کہ ایک ملک کا حصہ خود لیکر اُسکی رعایا کو مودیوں کے پھندے سے چھٹایا اور باقی ملک کے عمدہ انتظام کے لیے نواب سے اقرار مستحکم کرایا۔ غرض جو کچھ کیا عین عدالت اور انصاف کا مقتضی تھا۔

اب جو اُسکے خلاف رائے رکھتے ہیں وہ اس پر اعتراض نہیں بھرا کرتے ہیں کہ نواب کی سپاہ اول بالکل برباد کر دینا سرکار کمپنی کی ریاکاری کا کام تھا۔ جس سے حقیقت میں نواب سعادت علی خان اپنی سلطنت سے محروم ہو گئے گو سب چیزیں اُنکی سلطنت کی ویسی ہی نظر آتی تھیں جیسی تھیں۔ سلطنت کا نور سپاہ سے ہوتا ہے جب وہ نہ ہو تو کیا رہا مُردے کو زندے کے لباس میں دکھایا اب بڑی گفتگو اس میں آن کر پڑتی ہے کہ بعض محققین اسکو بدہیات سے مانتے ہیں کہ سرکار کمپنی کی عداوت میں جو ملک لگیا وہ تھال ہو گیا۔ اور اہل ملک اپنی عبادات۔ قصایا و معاملات میں معدلت سے کامیاب ہو گئے۔ ایسے ہی اُنکے مخالفین کہتے ہیں کہ نہایت عمدہ شہادتوں اور مشاہدوں اور تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ ملک کے انتظام اور حفاظت میں جو روپیہ گورنمنٹ انگریزی کا خرچ ہوتا تھا مشکل سے وہ ملک کی آمدنی سے حاصل ہوتا تھا پس جو حفاظت اور انتظام کم قیمت میں رعایا کو حاصل ہو سکتا تھا اسکو زیادہ قیمت لیکر اُسکے حق میں ظلم و ستم کرنا اور اسکو لوٹنا تھا پس سرکار کمپنی کو اپنی فراست اور حکمت کو یوں کام میں لانا چاہئے تھا کہ سعادت علی خان کے ہاتھ سے عمدہ انتظام کرایا ہوتا۔ ملک اودھ کی بد نظمیوں کے بیان کرنے میں گورنر جنرل نے نسخہ نویسی و مبالغہ آمیزی خرچ کی ہے مرض کی تو خوب تشریح و تشخیص کی مگر نسخہ جو اُسکے لیے

سرفراز الدولہ حسن رضا خان کا حال

یہ سلطنت اودھ کے قدیمی افسر۔ باورچھانہ۔ وتوشہ خانہ۔ ودیوان خانہ تھے۔ شجاع الدولہ کے عہد سے وہ اس کام پر مامور تھے نواب آصف الدولہ کے عہد میں بیس برس سے زیادہ عرصے تک انھوں نے نیابت کا کام کیا۔ علمی لیاقت سے محروم تھے مگر عقل کے پتلے تھے اور ذہن رسا تھا۔ فارسی بخوبی سمجھتے تھے اور جب تک دربار میں نہیں آتے تھے اور کسی کو مجرے کی نوبت نہیں پہنچتی تھی گو آخر آخزمین نواب آصف الدولہ کا دل انکی طرف سے کبیدہ ہو گیا تھا۔ نواب سعادت علی خان نے مسند ریاست پر بیٹھتے ہی گورنر جنرل کے ایما سے عہدہ نیابت سے علائقہ فضل حسینانکو ہٹا کر انکو مقرر کیا کیونکہ یہ سرکار کمپنی کی تدبیرات کے موید تھے اور سلطنت اودھ کو جس سانچے میں ڈھالنے کے لیے تجویز میں ہو رہی تھیں ان کا یہ بھی ایک نہ بدست آ رہے تھے۔ نواب سعادت علی خان جملہ معاملات ملکی اور خانگی میں بذات خود متوجہ تھے کاغذات کے لحاظ اور اجراء کے احکام کے وقت انگریزوں کی طرح کرسی پر بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ مسند سے بہت کم رغبت تھی البتہ خلوت میں مسند پر بیٹھتے تھے۔ نواب توصیف سرفراز الدولہ سے جس ملکی کاغذ کا سوال کرتے سرفراز الدولہ جواب میں عاجز ہوتے تھے۔ اس نظر سے نواب اکثر اوقات مسٹر جان لسٹن ریڈنٹ لکھنؤ سے انکی عدم واقفیت اور ناخواندگی اور خراجی کی شکایت کرتے۔ سرفراز الدولہ نواب آصف الدولہ کی مہربانیوں کے عادی تھے اور لحیم و شمیم آدمی تھے۔ نواب کے کاغذات کے لحاظ کے وقت اور معاملات کی رویکاری میں

باقی ماندہ علاقے کی کیفیت

نواب کا سارا ملک تین حصوں پر تقسیم تھا۔ لکنؤ۔ بہرائچ۔ خبر آباد۔ حدود داربہ
 اٹلی یہ تھیں شمال میں نیپال۔ جنوب میں الہ آباد۔ مشرق میں صوبہ بہار۔ اور مغرب
 میں درہلے گنگا یہ صوبہ ۲۵۰ میل لمبا اور سو میل چوڑا اور وسعت میں ۲۵۱۰۰ میل
 مربع تھا بعض مورخوں نے اس کو تخمیناً ۲۳ ہزار میل مربع لکھا ہے یہاں لاچور دکی
 کان ہے اور یہاں یہ پتھر بہت صاف اور بآب و تاب اور بیش قیمت ہوتا ہے زمین
 برابر اور پانی کی کثرت سے بہت سیراب ہے۔ غلہ کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ گیہوں چاول
 گنا۔ نیل۔ افیون بھی طرح اور آسانی سے پیدا ہوتے تھے۔ اور اب بھی ہوتے ہیں
 اور ہر قسم کے پھل پھول کثرت سے ہوتے ہیں۔ ملک بسبب کثرت دریا اور ندیوں کے
 ہندوستان کا گویا ایک باغ ہے کثرت آبادی و زراعت و مردم شماری و پیداواری
 میں ہندوستان کے اور بلاد سے جو اکثر مقابلہ ہوا ہے سب باتوں میں صوبہ اودھ کو ترجیح
 رہی پہاڑ بالکل ندارد ہیں لیکن شاہان اودھ کی بذاتہ تھامی سے آمدنی نے ترقی کی جگہ
 منزل اختیار کیا ہمیشہ سے اس ملک میں معافی اور شکوک بھی بہت ہے کہ اس سے گزراہ
 یہاں کی خلافت کا ہوتا تھا۔

بڑے دریا اور ندیاں اس ملک کے یہ شمار کیے گئے ہیں۔ گنگا۔ گھاگرہ
 سرجو۔ گومتی۔ راہتی۔ چوکا۔ گنگا اس ملک کی سرحد غربی پر بہتی ہے۔ اور گھاگرہ
 شرقی پر اور بھی بعض ندیاں ہیں جو بارھون سینے روان رہتی ہیں۔

نواب نے اپنے بیٹے مرزا کاظم علی خان کی شادی سرفراز الدولہ حسن رضا خان کی بیٹی کے ساتھ قرار دی۔ عمدہ عمدہ اسباب اقربا سے سرفراز الدولہ نے متروکہ سرفراز الدولہ سے چھانٹ کر وطن کے جہیز کے واسطے مقرر کیا اور باقی مہاجنان شہر کے قبضہ میں گیا۔ سرفراز الدولہ کے ایک بیٹا محمد رضا خان نامی تھا عمدہ جہیز ملی اس سے نامزد تھا یہ شخص آوارہ مزاج تھا مرض عرع او غل دماغ میں آخر عمر تک مبتلا رہا نواب نے عمدہ جہیز ملی اس رٹکے سے نکال لیا۔

مسترق واقعات

(۱) نواب سعادت علی خان نے اپنے بڑے بیٹے رفعت الدولہ غازی الدین حیدر کو اپنا ولی عہد کیا اور اس منصب کا جملہ انتظام اس کے سپرد کیا اور دوسرے بیٹے نصیر الدولہ کے نام نیابت قرار پائی اور شمس الدولہ تیسرے بیٹے کے نام جہیز ملی مقرر ہوئی۔ مگر کاغذات نگہداشت خور ملاحظہ فرماتے تھے۔ یا کبھی جنرل صاحب کو یا نواب نصیر الدولہ کو حکم دیتے تھے مرزا حسن رضا خان سرفراز الدولہ کی تنخواہ ان تینوں عساجہ اداون پر تقسیم کر دی غازی الدین حیدر کو مرشد زادے کا خطاب ملا اور حکم ہوا کہ اتالی اداون پر تحریر و تقریر میں انکو اس خطاب سے یاد کریں تبذیہ بعض کتب تواریخ میں اسی طرح لکھا ہے لیکن دوسری مستند روایت یہ ہے کہ شمس الدولہ کو نیابت ملی تھی جو دوسرے بیٹے تھے۔

(۲) مرشد زادے نے عالم فریشتگی میں اپنی رغبت سے شیخ خان نجومی کی بیٹی کے ساتھ ۱۲۵۰ ہجری میں بنارس کے اندر نواب کی اجازت سے نکاح کر لیا تھا اور نصیر الدولہ کا بیٹا نواب نے اپنے عہد میں امام الدین خان نصیر قمر الدین خان وزیر اعظم محمد شاہ کی بیٹی

۱۵ بعض روایتوں میں امام الدین خان کی جگہ حسین الدین خان نام لکھا ہے ۱۳۰

کھڑا ہونا ان پر نہایت دشوار تھا اور کاغذات کی جوابدہی باز پرس کے وقت ان پر سید گراں
 تھی اسوجہ سے نواب وزیر ان سے خوش نہ تھے اور مرزا کا انگریزی متوسلون میں شمار تھا
 اسلئے یک بخت موقوف بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سرفراز الدولہ بھی نواب کے ساتھ نہایت
 خوشامد سے پیش آتے تھے اور نواب کی بادہ کشی کے وقت جسکے نواب بہت متوقین تھے
 شراب اپنے ہاتھ سے مرزا کو حاضر کرنے میں دریغ نہ تھا۔ اور اپنے مصارف کو بھی گھٹا دیتا تھا
 تاکہ نواب کی نظروں میں نہ کھٹکین۔ مگر نواب کو حسن رضا خان کا تنگ کرنا منظور تھا ظاہری
 وعیاری کی راہ سے سفر و حضر میں حاضر باہمی اور سواری اور خواصی کی اجازت دی تھی۔ نواب
 نے اپنی سواری کے ہاتھی کا حوضہ نہایت مختصر اور تنگ تیار کر دیا تھا۔ سرفراز الدولہ کو خواصی
 میں بیٹھنا تنگی عذاب کے صدمے سے کم نہ تھا۔ آخر کار دن رات کی محنت اور حاضر باہمی دہار
 سے نہایت تنگ آئے۔ جو وقت انکے خواب و آرام کا تھا وہ نواب کے ملاحظہ کاغذات کا
 وقت قرار پایا مرنکے غائب و غور اور بول و برار میں خلاف عادت فرق پڑا۔ عارضہ ہو کر
 ۱۶ سالہ ہجری میں دنیا سے گئے۔ مرزا نواب سعادت علی خان کے عہد میں تین چار لاکھ روپے
 کے قرضدار ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس وقت میں بالائی آمدنی تو مسدود ہو گئی تھی مواجب کے سوا
 اور کوئی شکل آمدنی کی نہ تھی کثرت مصارف اور قلت آمدنی نے قرضدار کر دیا تھا جب نواب کو
 پرچہ اخبار کے ذریعہ سے مرزا کے مقروض ہونے کا حال معلوم ہوا تو حکم دیا کہ مستغنیہ عدالت میں
 استغاثہ کریں اور وارثوں سے لین ادھر تو یہ حکم ہوا اور ادھر اسباب شوکت ظاہری متلاوت
 نقارہ اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ جو جلوس سرکاری تھا سرکاری میں طلب کر لیا گیا۔ باقی اسباب
 تو پچانہ اور مہطل وغیرہ جو مرزا کا خاص ذاتی تھا اسکی نسبت حکم ہوا کہ بیلام ہو کر زیلام قرض خواہوں کو
 دلا دیا جائے۔ اور بیلام کی یہ صورت تھی کہ سو روپے کا مال تیس چالیس روپے کی بولی پر چڑھتا تھا

قریب پہنچتے تھے کہ ایسا نہو کہ بیگم کا چرخ حیات گل ہو جائے خواجہ سرا اور کا ندرے خزانے اور توشے خانہ وغیرہ پر ہاتھ صاف کر بن۔ اسوجہ سے بیگم نواب سادات علی خان سے صاف نہ تھی۔ اور جب اس نے نواب کی حرص کا دامن دراز دیکھا تو خوف کے مارے اس آزمند کو چھوڑ کر گورنمنٹ انگلشیسی نیاز مند بنی اور گورنمنٹ انگریزی سے درخواست کی کہ وہ اسکو اپنا وارث قرار دیگی اگر وہ نواب سادات علی خان کی اطاعت سے بری کی جائے اور اس کے رشتہ داروں واسطہ دار بلا مزاحمت اپنی اپنی جائیداد پر قبضہ رکھیں جسٹس عین بیگم نے ایک وصیت نامہ درست کیا اور اس میں گورنمنٹ انگریزی کو اپنے باقی ماندہ علاقہ کا وارث کیا یعنی اس قدر علاقے کا جو بعد دینے چند جاگیر و نقدی کے اور بعد اخراجات مقبرہ وغیرہ کے پکا تھا۔ نواب سادات علی خان نے منظر فراست عاقبت انیشی سے کام لیا اس سے قبل کہ اس وصیت نامہ کا معاملہ شہرت پذیر ہوا اور جان سلی صاحب ریزیٹ اس کے مضمون سے گورنمنٹ کو مطلع کریں نواب نے ایک فتویٰ اسمائے فرضی کے ساتھ تیار کر لیا جس کا مضمون یہ تھا۔ علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس باب میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص زید نامہ ناحق تناسی کی وجہ سے وارث شرعی کے موجود ہوتے اپنا ترکہ عمر و کے حوالے کرنا ہے اور ورثہ شرعی کو مطلق محروم رکھنا چاہتا ہے۔ یہ بہرہ شرع شریف کے موافق درست ہے یا نہیں علمائے لکھنؤ اودھ دوسرے بلاد نے فتویٰ دیا کہ وارث شرعی کا ترکہ زید سے محروم رہنا شرع کے خلاف ہے جب یہ فتویٰ تیار ہو چکا تو کلکتے پہونچا وہاں کے پادریوں نے کہ اصل مطلب کا علم نہ تھا علمائے لکھنؤ کے فتوے کے موافق دستخط کر دیے جب وہ کاغذ مکمل ہو چکا تو جان سلی صاحب کو بھی بطلان ہوا اور تمام خوشی جاتی رہی اور کونسل کلکتہ کے ممبر بھی نواب سادات علی خان کی دامن داری سے جو منظر تقدم بالحفظ ظہور میں آئی تھی

سے کیا اور شمس الدولہ کی شادی مرزا جٹا پسر سالار جنگ کی بیٹی کے ساتھ کی اور چوتھے بیٹے صادق علی خان کو مدار الدولہ کی بیٹی کے ساتھ منعقد کیا۔ اور پانچویں بیٹے کاظم علی خان کا بیاہ سرفراز الدولہ کی بھتیجی کے ساتھ کیا تھا۔

(۱۷۴۸) جنوری ۱۸۱۲ء مطابق ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۲۶ھ ہجری کو نواب سعادت علی خان اور انگریزوں میں ایک عہد نامہ اس سبب سے منعقد ہوا کہ جو اکثر تکرار سرحد کے باب میں طغیانی یا فرو ہونے وریا کے باعث سے واقع ہوتی تھی وہ رفع ہو۔ اس عہد نامے میں صرف تکرار کا انسداد دونوں سرکاروں کے درمیان میں تھا اور کوئی مضمون حقوق زمینداری کی بابت نہ تھا۔

بہو بیگم کا حال

۱۷۹۹ء میں نواب سعادت علی خان اور سکوٹ صاحب رزیڈنٹ میں انگریزی فوج کے اخراجات کے واسطے سرکار کمپنی کو ملک تفویض کروانے کی گفتگو ہو رہی تھی تو نواب نے یہ کہا تھا کہ میں نواب آصف الدولہ کا جانشین ہوں جو انکو اختیارات حاصل تھے وہ مجھے بھی ہونے چاہئیں۔ رزیڈنٹ نے اس سمجھے کے یہی بیان کئے کہ انکا ارادہ ہے کہ بیگم کی دولت اور جاگیر ہاتھ ماریں۔ یہ بیگم امیر الدولہ حیدر بیگ خان کی ماری اور جلائی ہوئی اب تک زندہ تھی۔ اور اس عہد دولت میں خود مختاری اور مطلق الخانی کے ساتھ اپنی جاگیر اور دولت پر قابض تھی۔ اس بیگم کی بدولت ہزاروں شریف اور آبرودار آدمی حرمت اور امارت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے فیض آباد میں رہتی تھی اسکی جاگیر نہایت حاصل تھی۔ خزانہ معمول تھا۔ نواب سعادت علی خان اس جاگیر اور بیگم کے مال و دولت کی ہمیشہ تاک میں رہے جب کبھی بیگم کی طبیعت کسلمند ہوتی تو سب و شکار کے پروے میں فیض آباد کے

بعض امرا بیان لکھنؤ کی سنشنون اور جاگیروں کا تقریر محالات خالصہ کی آمدنی۔ اور بعض عاملوں کا بیان

علامہ تفضل حسین خان کشمیری کے پاس ساٹھ ہزار روپیہ سال کی جاگیر تھی نواب
سعادت علی خان نے اُسکی سند نسلاً بوسل اور طبناً بوسلین کے لیے عطا کی۔ اور ایک ہزار
روپے ماہوار خاندان مختار الدولہ کے نام سرکار انگریزی کے ایام سے مقرر کیا گیا اور امیر الدولہ
حیدر بیگ خان کے دو بیٹوں کے لیے دو ہزار روپے ماہوار قرار پائے۔ اور فرین علیخان
خواجہ سرا جو نواب سعادت علی خان کی اطاعت میں سرگرم تھا اُسکو بیڑ و مضافات میسواڑ
کا محال جاگیر میں دیا جسکی آمدنی ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ اور تحسین علی خان خواجہ سرا
کا درماہہ وثیقہ محل آصف الدولہ میں قرار پایا اور اُسکی طرف سے میان شیخ شمس عرف
شہاب الدین مختار رہا اور تحسین علی خان کی وفات کے بعد تقسیم وثیقہ کی مختاری اُسی سے
متعلق ہوئی۔ نواب مظفر جنگ والی فرخ آباد کا بڑا بیٹا رستم علی خان اپنے باپ کو نہر دینے
کے جرم میں لکھنؤ میں جلائے وطن کیا گیا تھا میجر جان بیلی رزیدنٹ کی سفارش سے اُسکی تنخواہ بھی
مقرر ہوئی۔ اور پچھڑے جو ساٹھ ہزار روپے کی آمدنی کا علاقہ تھا۔ نواب دار الدولہ کے نام لکھا گیا
نواب سعادت علی خان کے طریقہ انتظام سے علاقہ کی آمدنی بہت بڑھ گئی جسکی تفصیل یہ ہے۔

نام چکھ	تعداد محال	جمع سالانہ
گوئڈہ	۱۵	۱۴۷۸۵۰۰ روپیہ
میسواڑہ	۲۳	۳۲۰۵۰۰۰ روپیہ
بانگرہ	۹	۷۳۲۰۰۰ روپیہ

متعجب ہو کر دیا سے حیرت میں ڈوب گئے۔ گورنر جنرل کی مرضی تھی کہ ہو بیگم کی درخواست کی منظوری دین مگر تارا بیرا کی ختم نہ ہوئیں اور مصلحتاً اس بات کو منظور نہیں کیا کہ سرکار کینی ہو بیگم کی دولت و جاگیر کی وارث ہو۔ آخر کار وصیت نامہ منسوخ ہوا۔

شہزادہ جہانگیر کی لکھنؤ میں آمد

شہزادہ جہانگیر اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی بن شاہ عالم ثانی کے بڑے بیٹے تھے۔ ۱۸۰۹ء میں انھوں نے برٹن صاحب ریزیڈنٹ دہلی کے طمانچہ مار دیا اس سبب سے انگریزوں نے انکو دہلی چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ۳ صفر ۱۲۲۸ھ ہجری کو بڑے ساز و سامان کے ساتھ لکھنؤ کے ارادے سے دہلی سے روانہ ہوئے اور بعد قطع منازل رفق افزہ لکھنؤ ہوئے۔ نواب سعادت علی خان نے کوئی دقیقہ انکی عظمت و پاساری میں فروگذاشت نہیں کیا۔ استقبال کر کے خواصی میں بیٹھ کر شہزادے کو دھوم دھام سے شہر لکھنؤ میں ساتھ لائے اور جو خلعت شاہزادے نے زیب تن کیا اور کمال دلجوئی کے ساتھ پیش آئے۔ ناپن پڑا حرکتیں شاہزادے میں موجود تھیں اور طبیعت مطلق العنان تھی۔ غرض نشہ شراب میں گھوڑے پر سوار ہو کر لکھنؤ کے تنگ کوچوں میں پھرتے تھے بازاری لوگ اور چلنے والے یا مال سم توں برق رفتار ہوتے تھے۔ اور شر کی طوائفین باوجود سلوک ہونے کے شہزادے پر تنقیث ہوتی تھیں جس مالزادی کو چاہا بجز داخل محل کیا اور جس طوائف کو چاہا اپنے نوکر کے ساتھ ہم آغوش کر دیا اور اس اوضاع نامطبوع کے ساتھ طرہ یہ تھا کہ درگاہ حضرت عباس میں اپنے جانے کے لیے مانعت تبرکی درخواست رکھتے تھے۔ یہ صورتیں محل قیام لکھنؤ ہوئیں صاحب ریزیڈنٹ اور اسل کلکتہ کو ہرگز پسند نہ آئیں آخر کار شہر لکھنؤ سے کانپور کو اور کانپور سے الہ آباد کی طرف روانہ کیے گئے۔

کی جمع کو پہنچی اور ہیضہ جبل گنجیات میں جمع نے ترقی پائی۔ ایک بات بڑے غور سے
سننی چاہیے کہ جس وقت نواب نے گورنمنٹ انگریزی کو ملک دینا چاہا اور سرکار انگریزی
نے کاغذ طلب کیا تو الماس علی خان اور مہاری علی خان اور کاظم علی خان وغیرہ علویوں
نے آپس میں یہ قرار دیا کہ اگر اپنے ایام متاجری کی جمع شخصہ دام دام حضوین گذارتے ہیں
تو نواب صاحب نہایت کاغذی اور جرس میں ایسا نہ ہو کہ محاسبہ توفیر ملک کی بابت
شک و شبہ میں پھنسن اور ز توفیر انگلیں اس نظر سے جو کاغذ انگریزوں کی جانب یا گیا اسکی توفیر و تفریق
تھی تشخیص کے وقت ان محالات میں جمع کی زیادتی اور افزودنی ظہور میں آئی اور نواب
کی سرکار میں اُسکے برعکس کمی کی صورت سال بسال واقع ہوئی اور یہ امر نواب کی طبیعت
کے اوپر شاق گذرا۔ حکم دیا کہ ان لوگوں کو ملک متاجری میں نہ ملے جدید عامل مقرر ہوں
مرزا احمدی علی خان نے باقی کے مطالبہ میں قید ہو کر زندان حیات سے بواسطہ اصل بھائی
پائی اور مرزا مہدی علی خان کا بھائی حسین علی خان بریلی کی چکھ داری سے عزول ہو کر
لکھنؤ میں آیا نواب نے یہ صورت دیکھ کر یہ شخص بڑا دلہند اور محاسب سے پاک ہے اسکو کسی علاقے
کی متاجری دیکر یا کسی طرح محاسبے میں بیکر روپیہ کھینچنا چاہیے مگر وہ نواب کے مافی الفیہ
آگاہ ہو چکا تھا رضامند نہ ہوا۔ مرزا جعفر کی بیٹی اُسکے فرزند کے ساتھ منسوب تھی اور وہ
جان بلی صاحب رزیدنٹ کا متوسل تھا حسین علی خان نے اسکی صحبت میں خانہ نشینی
کے دن بسر کیے اور دار و گیر کے صدمے سے محفوظ رہا فضل علی خان اور مرزا خانی
وغیرہ اقربائے مرزا مہدی علی خان نے علاقہ داری قبول کی اور خلعتوں سے خلع ہوئے
کاظم علی خان پسر میرزین العابدین خان چکھ دار اعظم لکھنؤ نے نواب کی کم انتظامی پر اطلاع
پائی تو لکھنؤ نہ آیا حیدر آباد دکن کو چلا گیا الماس علی خان جسکی دہتمندی عام اہل لکھنؤ سے

نام چکاء	تقدو محال	جمع سالانہ
پچھم راٹھ	۴	۴۵۲۷۰۰ روپیہ
جگدیس پور	۳	۲۲۵۰۰۰ روپیہ
خیر آباد	۲۳	۲۲۴۹۵۰۰ روپیہ
دیوی دسترکھ وغیرہ	۹	۶۳۱۰۰۰ روپیہ
دریا باد وغیرہ	۹	۵۵۸۰۰۰ روپیہ
رام نگر	۳	۵۷۴۰۰۰ روپیہ
محوری	۱۸	۶۹۵۵۰۰ روپیہ
سٹ۔ بلہ رسول آباد و صفی پور	۱۱	۱۵۶۵۰۰۰ روپیہ
سلطان پور	۲۹	۲۰۰۰۰۰۰ روپیہ
گو شامین گنج	۴	۳۲۵۰۰۰ روپیہ
مانک پور بہار	۲	۲۱۲۹۰۰ روپیہ
حضور تحصیل		۳۴۳۰۰۰ روپیہ
املاک صفدر گنج واقع دہلی		۱۲۰۰۰ روپیہ
املاک بنارس زر خرید نواب سعادت علی خان		۱۲۰۰۰ روپیہ
میزان کل		(۱۵۲۶۱۱۰۰)

سائراور کوتوالی اور گنجیات اور جوہری بانا راو نیکاس اور دار الفرب کی آمدنی جو تخمیناً تین لاکھ روپیہ سالانہ سے کم نہوگی جمع مال کے علاوہ تھی متاجری اختیار میں جو اس عہد سے پیشتر ہمیں تیس ہزار روپیہ سال سے زیادہ نہیں آتا تھا۔ اب اسکی نوبت دو لاکھ روپے

نواب کی سپاہ

نواب آصف الدولہ کے آخر عہد تک باوجود برطانی اور کمی کے انٹی پٹنیں پیادوں کی اور پندرہ ہزار سے زیادہ سوار ملازم تھے اور بعض مورخوں نے اس سے زیادہ بیان کیا ہے۔

اب نواب سعادت علی خان نے لارڈ ولزلی سے معاہدہ ہو جانے کے بعد حکم دیا کہ کل چالیس پٹنیں اور تین ہزار سوار ملازم رہیں اور باقی موقوف ہوں سپر بھی اسے رتن چند نے اپنی جہز سی کو کام فرمایا کہ سواروں کی فی روپیہ دواںے اور پیادوں کی فی روپیہ ایک آنہ تنخواہ کم کر کے کفایت کی صورت نکالی اور مورد عنایت ہوا۔ ۳۶ ہزار پیادہ و سوار نواب سعادت علی خان کے ملازم رہے۔ مگر انگریزوں کی چھ پٹنیں بیرونی دشمنوں کی حفاظت کے لیے مامور ہوئیں۔ اُن کی انحصاؤنی تین جگہ قرار پائی۔ ایک جھاؤنی منڈیاؤن میں جو لکھنؤ سے دو کوس کے ملہ پر شمال و مشرق کی سمت واقع ہے ایک کرنیل اور کپتان مہمان مقیم تھا بیچ مہیدان سرداروں کے بنگلوں اور سپاہیوں کی بارکون کے لیے اور قواعد آئے واسطے جدا گانہ پیمائش ہو کر کمان افسر کے تقویض ہوا۔ اور دوسری جھاؤنی تیتا پور ضلع محمدی میں معین ہوئی۔ اور تیسری جھاؤنی سلطان پور میں مقرر ہوئی اور ایک متصدی پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار کاتینوں مقاموں میں بطور وکیل کے ریاست کی طرف سے مامور ہوا کہ اہل جھاؤنی کو ضرورت کے وقت گازیان اور مزدور اور کھار وغیرہ پہنچاتا رہے اور سردار سانی کے اور ریاست کے عاملوں اور انگریز

بڑھی ہوئی مٹی اُس نے سپاہ موقوف کر کے عیش و عشرت میں کر دفر کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی
 اس دولت مند کی عالی ہمتی مشہور زمانہ تھی۔ شیخ نواب آصف الدولہ کی مان کے ساتھ جینر
 میں آیا تھا اور ہو گیا کہ اس کے تمام خواجہ سرا یوں میں ممتاز تھا الماس علی خان جس وقت
 مرض الموت میں مبتلا ہوا کہ ورون روپیہ اسکے پاس تھا۔ کلکتہ اور حیدر آباد اور بمبئی اور راجپوتانہ وغیرہ
 میں اس کی کوٹھیاں جاری تھیں اور لاکھوں روپیہ اس کا امرے لکھنؤ پر قرض تھا جنکی دستاویزین اسکے
 پاس موجود تھیں جب اس شخص کو یقین کامل ہو گیا کہ اجل کے ہاتھ دے اب رہائی غیر ممکن ہے
 تو ایک دن اپنی سچی میں آکر حوض کے کنارے بیٹھا اور صند و قچہ نگاہ کر اُن دستاویزوں کے
 کاغذ حوض میں ڈال دیے اور میان رحمت بیگم کو غیرہ اپنے غم کو بلا کر کہا کہ اکثر ارباب شہر شریف
 اور نجیب اُس شخص کے قرضدار ہیں اور نواب کے مزاج کی کیفیت معلوم ہے اگر دستاویزین
 اُنکو دستیاب ہوئیں تو وہ سچا رہے عذاب سخت میں مبتلا ہونگے اس لیے میں نے سب کو معاف کر دیا
 اب مناسب ہے کہ اُن میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو میرا قرضدار ظاہر کرے اور یہ باقی لوازمہ
 ظاہری جو موجود ہے وہ بہر کیف نواب کے اختیار میں ہے اور قسمت لوگوں کی نواب
 سعادت علی خان کو الماس علی خان کی یہ بات نہایت ناگوار گذری جو وقت الماس علی خان
 نے قضا کی اُس کا چیلہ حیدر بخش اور جملہ توسل مت تک گرفتار بلارہے۔ آخر کار حیدر بخش وغیرہ
 نے مرزا جعفر سے ملکر ریڈنٹ کی بدولت لکھنؤ سے رہائی پائی۔ جہاں آباد اور کوڑے میں
 جو انگریزی عملداری میں تھا جا کر سکونت پذیر ہوئے اس رہائی میں پچاس ہزار روپیہ
 صرف ہوا۔ درمیان والوں نے مال مارا تاہم ان لوگوں کے پاس املاک کے سوا لاکھوں
 روپیہ موجود تھا اور الماس علی خان کی املاک اور چھاؤنی اور باغات اور عمارات اور امام باڑہ
 اور مسجد اور خانقاہ وغیرہ اور جملہ کارخانجات امارت ظاہری نواب کی سرکار میں ضبط ہوئے

پسلی بھیت سے حافظ رحمت خان کی نوکری چھوڑ کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا۔ شیدی لشیر کی سپاہ میں شجاع الدولہ نے اُس کو رسالہ دار کر دیا اور اس خیال سے کہ یہ شخص حافظ صاحب کے متوسلون میں سے ہے نواب شجاع الدولہ اُس کی بہت عزت کرتے تھے۔ یوسف خان کے بعد عبدالرحمن خان باپ کا قائم مقام ہوا۔ شجاع الدولہ اسکی بھی بہت خاطر کرتے تھے اور آصف الدولہ بھی نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ مگر پہلے صرف پانسو سواروں کا رسالہ عبدالرحمن خان کے متعلق ہوا تھا۔ جب فوج انگریزی کے ساتھ لکھ کے لیے متعین ہو کر دکن کو گیا اور مرہٹوں کی لڑائی میں کار نمایاں کیے تو رسالے نے ترقی پائی سولہ سترہ سو سواروں کا رسالہ دار بنا۔ گو نواب سعادت علی خان نے اُس کے سواروں کو کم کر دیا۔ لیکن عزت و توقیر میں کمی نہ تھی۔ اور وزیر علی خان کی معزولی کے محضر پر اُسکے مہرنہ کرنے سے نواب سعادت علی خان کے دل میں ملال آیا تھا۔ مگر نمک حلال مشہور تھا آخر انتی برس کی عمر میں شہسوار اجل نے اس کا کام تمام کیا۔ اُسکے رسالے میں عمدہ اور عالی خاندان آدمی نوکرتھے۔ عبدالرحمن خان اپنے پاس سے اکثر جمعہ سواروں اور دوسرے افسروں کو پانسو چار سو تین سو دو سو و بیسہ ماہوار دیتا تھا۔ عالی ہمتی میں بے نظیر تھا۔ اُسکے چار پانچ بیٹے تھے۔ سب میں بڑا حبیب اللہ خان تھا۔ یہ شخص باپ کی طرح شجاع اور سخی تھا۔ جب بھائیوں میں نزاع کی صورت پیدا ہوئی اور حبیب اللہ خان نے نواب سعادت علی خان کی چشم عنایت بھری ہوئی دیکھی تو لکھنؤ سے چلا گیا اور مرہٹوں کی نوکری کر لی اور اُنکے ساتھ لڑائیوں میں عمدہ عمدہ کام کیے حبیب اللہ خان کے جانے کے بعد رسالہ عبدالرحمن خان کے

افسروں میں واسطہ رہے۔ نواب کی جگہ سپاہ کی تنخواہ ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ تخمیناً قرار پائی۔ اور چار چار مہینے کے بعد تنخواہ ان کی نقد خزانے سے ملتی تھی۔ اور پلٹون میں شرح یہ تھی۔ سپاہی کے چار روپے جمودار کے پانچ روپے نائب تمندار کے دس روپے تمندار کے پندرہ روپے اور کیدان کے انسی روپے ماہوار مقرر تھے اور سرشتہ دار پندرہ روپے کا اور وکیل دس روپے کا مقرر تھا اور سواروں میں سپاہی کی تنخواہ علی العموم مہس روپے ماہوار تھی اور ان کے افسروں کی تنخواہ سب سے کے موافق ہوتی تھی جگہ سرداروں میں عبدالرحمن خان قندھاری ممتاز تھا۔

قندھاریوں کے حالات

یوسف خان قندھاری افغانستان سے حافظ رحمت خان والی بریلی کے پاس آیا تھا حافظ صاحب نے اُسے عہدہ رسالہ داری پر پہنچا دیا تھا یہ نہ بھنا چاہیے کہ اس وقت کا رسالہ دار بھی سو آدمیوں کا افسر ہوتا تھا۔ جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ اس وقت کا رسالہ ہزار پندرہ سو بلکہ دو ہزار سواروں کا مجموعہ ہوتا تھا اور رسالہ دار کو اپنے رسالہ داروں کے آدمیوں کی موقوفی اور بجالی کے پورے پورے اختیارات حاصل ہوتے تھے وہ لڑنے والے کل کے جنرل سے بدرجہا زیادہ اختیارات رکھتا تھا لغارہ و نشان اُسکے ہمراہ ہوتا تھا اور بڑی جاگیر اور ہزاروں روپے کی تنخواہ رکھتا تھا۔ عبدالرحمن خان اور محمد سعد خان اُسکے بیٹے تھے حافظ صاحب نے ان دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ رسالے مقرر کر دیے تھے جب نواب ضابطہ خان بن نواب نجیب الدولہ کو مرہٹوں کے ہاتھ سے ۱۸۵۷ء ہجری میں شکست ہوئی اور مرہٹے روہیلکھنڈ میں پھیلے تو اُس زمانے میں یوسف خان قندھاری

روے زمین کی ہر قسم کی جنس شہر لکھنؤ میں آسانی کے ساتھ میسر آنے لگی نواب صاحب کو سعادت گنج کی آبادی کا بڑا خیال تھا۔ نواب جس وقت مرزا حف خان کے لشکر سے لکھنؤ میں آئے تھے تو اُس زمین پر آکر مقیم ہوئے تھے اور اپنے قیام کی جگہ کے پاس چند دوکانیں اور ایک بازار بنایا تھا اور اُس کا نام سعادت گنج رکھا تھا اب اس وقت کہ صاحب ملک ہوئے سعادت گنج کا نام گنج مبارک رکھا اور تمام سودا گروں کو حکم تھا کہ وہیں جا کر دوکانیں کھولیں۔ اور کوتوالی کا مکان بڑے تکلف سے تعمیر کرایا تھا۔ کوتوال شہر کے حد اختیار سے گنج مبارک کے مقدمات خارج تھے۔ اُسکی کوتوالی علیحدہ مقرر کی تھی۔ سعادت گنج کی کوتوالی کا حکم دور دور قصبات اور اطراف میں دریائے گنگا اور دریائے گھاگرہ اور ہستان شمالی کے دامن تک جاری تھا اور یہ حکم تھا کہ جو کوئی گنج مبارک میں سکونت اختیار کرے اُس پر حاکم گنجیات اور کوتوالی شہر کا حکم نافذ نہیں اور قرض خواہ کو قدرت نہ تھی کہ وہاں جا کر مقروض پر قضا کرتا اور جو مجرم وہاں جا کر پناہ لیتا تھا قصاص اور سزا سے محفوظ رہتا تھا۔ اس وجہ سے اُسکی آبادی نے نہایت رونق پائی تھی اور وہاں جا کر اکثر ہندو مسلمانوں نے قیام کیا تھا۔ اس گنج کی حفاظت خاص نواب کی ذات سے متعلق تھی۔ حضرت عباس کی درگاہ بھی سعادت گنج سے متعلق تھی تمام ناکوں پر نواب نے حکم بھیجا تھا کہ جو مسافر باہر سے شہر میں آئے اُس سے کسی طرح کی مزاحمت نہ ہو اور جو مسافر شہر لکھنؤ سے باہر جائے تو اُس کے مال و اسباب کا جائزہ لیا جائے نقدی کی نسبت یہ حکم تھا کہ مصارف سے زیادہ جو منزل مقصود تک پہنچا دے کوئی شخص نہ لیجائے اور پر وائے راہ داری کے

دوسرے بیٹے عبدالہادی خان کے نام مقرر ہوا۔ حبیب اللہ خان کا بیٹا خلیل اللہ خان پھر لکھنؤ میں آیا، ورنہ کرمی کرلی اور فقیر محمد خان اور حبیب الرحمن خان کے ساتھ تھا عبدالرحمن خان قندھاری کا نواسہ مصطفیٰ خان نصیر الدین حیدر نسیرہ نواب سعادت علی خان کے عہد تک صاحب رتبہ تھا اور فریدون بخت عرف مناجان کے ہنگامے میں مارا گیا۔

نواب سعادت علی خان کو گھوڑوں کا شوق

نواب کو گھوڑوں کا بڑا شوق تھا۔ ایرانی۔ ترکستانی۔ عربی۔ ہندی قسم قسم کے نہایت عمدہ گھوڑے اپنے اصیل میں جمع کیے تھے اور خانہ زاد پھیرے یہاں بہم پہنچائے تھے اور لاکھوں روپیہ رسنے کی تیاری میں صرف کیا جہاں نواب کے گھوڑے نہایت آرام سے چرتے تھے اور ولایت کی گھانسی اُس رسنے میں بوائے۔ اور گھوڑ چینی کی زراعت کرائی۔ دریائے گومتی اُس رسنے کے درمیان میں ہو کر بہتا تھا۔ اس نے بھینسے بھی بہت سے جمع کیے تھے اور گجراتی بیل دکن سے منگوائے تھے۔ اور گھوڑوں کی اتنی آسائش منظور تھی کہ خانہ زاد پھیروں کو گایوں کا دودھ پلایا جاتا تھا۔ اور گھوڑوں کو دانہ دودھ میں بھگو کر کھلایا جاتا تھا۔

شہر کا انتظام اور غلے کا بندوبست

نواب نے مال تجارت اور غلے اور کرانے کے محصول کا ایسا انتظام کیا کہ گجرات کی جمع پہلے وقت سے جو گنی ہو گئی اور تاجرون کو بھی خاطر خواہ نفع حاصل ہونے لگا

دینا پڑے گا چونکہ یہ صورت غیر ممکن تھی تمام بقال اور تاجر رجوع ہوئے اور جس قدر غلہ اُنکے پاس زمین میں دفن تھا اُس کا حساب حاضر کیا اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس قمر دین ابھی اتنا غلہ موجود ہے کہ خدا خواستہ اگر تین برس برابر بارش نہ تو بھی کفایت کر سکتا ہے۔ نواب نے حکم دیا کہ تین برس تک غلہ معمولی نرخ پر یعنی لکھنوں تیس سیسہ فروخت ہوں اور لکھنؤ کا سیر ۹۶ روپے بھر کا ہوتا تھا۔

نواب صاحب کے عہد میں لکھنؤ کی آبادی نے بڑی ترقی پائی شہر کی آبادی تکیہ بودلی سے بی بی پور تک جن کے درمیان بائیس گھوس سے فاصلہ کم نہ تھا اور عرض میں چار باغ سے علی گنج اور بانس منڈی یعنی دریائے گوہتی کے اُس پار تک کہ اُن میں تین گھوس کی وسعت تھی پہونچ گئی تھی اس طول و عرض کے اندر سیکڑوں محلے اور کٹرے آباد ہو گئے۔ نواب سعادت علی خان کے عہد حکومت سے قبل یہاں زیادہ تر جنگل اور نالے تھے دور تک زمین ہموار کا نشان نہ تھا۔ شہر میں اسباب امارت اس کثرت سے آگیا اور اس خوبی کے ساتھ دوکانیں آہستہ ہوئیں کہ جن چیزوں کا آنکھوں سے دیکھنا مشکل تھا وہ ارزان قیمت پر ہاتھ آئے لیکن۔

سرشتہ اخبار کی عجیب و غریب کیفیت

نواب کو پڑھ اخبار سے بہت شوق تھا سرکاری ٹیک و بد کی اطلاع دینے کے لیے ضلعوں میں ہر کرایے مقرر کیے تھے اور شہر میں بھی ہر ایک امیر و سردار اور اہل خدمات و عمل کی ڈیوٹیوں پر ہر کرایے خبر لکھنے کے لیے مقرر تھے اور کوئی سرشتہ سرکاری ایسا نہ تھا جس میں ہر کارہ نہ ہر کاروں کا خاص کام تھا کہ سود و زیان اور راست کے متعلق

اخبار نویس کے صدق و کذب سے خبر دیتے رہیں مگر اس گھر میں سب بھوکے تھے خفیہ نویسوں
 میں بھی سوائے طامعی کے دوسری بات نہ تھی۔ میرے مامون حکیم محمد اعظم خان صاحب مرحوم
 مولف اکسیر اعظم بیان کرتے تھے کہ جب ہم سکندریہ دالیم بھوپال سے رخصت لیکر کھنؤ کو گئے تو اس
 زمانے میں واجد علی شاہ والی اودھ عدیل تھے حکیم صاحب کرنل سلیم صاحب زریڈنٹ سے
 ملے جن سے مالوے سے ملاقات تھی انھوں نے سلطنت کھنؤ کی شکایتوں کے ضمن میں یہ بھی
 بیان کیا کہ سترشتہ اخبار ستاجری میں دیا جاتا ہے جس سے بڑی بچینی بھلی ہوئی ہے یہ تو خیر
 پچھلے زمانے کی بات ہے کہ جب کھنؤ میں بالکل گڑبڑ مچی ہوئی تھی۔ نواب سعادت علی خان کے
 وقت میں بھی کہ جو انتظام کا زمانہ سمجھا جاتا ہے بوجہ ستاجری کے اخبار کا صیفہ رعایا اور ملازمین
 کے حق میں کوئی مفید نہ تھا بخیر سرکاری برائے نام فائدے کے یا ملازمان اخبار کے نفع کے
 کوئی بہود اُس سے منہ مٹو نہ تھا۔ اخبار نویس نہایت سرگرمی سے سرکاری فائدوں اور دھوکوں
 کے اسباب نقصان رسانی کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک حکایت انکی ہوشیاری کی یہاں
 سن رکھنے کے قابل ہے کہ رے رزن چند نے اپنی حکومت کے زمانے میں کسی باریہ جاہک اپنا نقد
 جو جمع کیا تھا مراد آباد کو جو اسکا وطن خاص تھا روانہ کرے۔ مگر نواب کا حکم تھا کہ کوئی شخص
 زر نقد لیکر ناکے سے نکل جائے ایک بار رتن چند نے نہایت اخفا کے ساتھ اچار اور مرے کے
 گھڑوں میں لپی نہرا راترفیاں بھر کر اوڑھمیں میں درپردہ سلوا کر چھپکڑوں پر روانہ کیں ہر کڑے
 اخبار نے یہ خوبصاف سرکار میں پہونچا دی۔ نواب نے بالا بالامنگا کر خزانہ عامرہ میں داخل کیں
 اور رتن چند کے روپر و فرمائے تھے کہ اچار اور مرے اور خیمے لائے صاحب سے بہتر دوسرا
 شخص تیار کرنا نہیں جانتا ہے۔ اور کسی روز طبیعت جب مزاج پر آجاتی تھی تو کہتے تھے کہ مراد آباد
 اُس قسم کے مرتبے اور اچار ہائے واسطے بھی تیار کرنا چاہیے جیسا کہ اپنے گھر کے واسطے بھیجتے ہو۔

اور خاص خبریں بمحقق ہم پہنچا کر دارالانخبار کے افسر اعلیٰ کے پاس پہنچاویں جو انکو نواب تک پہنچا دیتا تھا بلکہ نہایت اہم اور ضروری خبریں بلا واسطہ نواب تک پہنچا کرتی تھیں۔ محکمہ اخبار کے ہر کاسے تمام ضروری مقامات پر مشتمل رہتے تھے اور ہر کارون کے فرائض میں یہ بات دخل تھی کہ روزانہ اخبار قابل اطلاع نواب تک پہنچاتے رہیں۔ مفصلات کے ہر کارون کے پرچے بذریعہ ڈاک آیا کرتے تھے۔ یہ سترہ متاجری میں دیا جاتا تھا جسکی آمدنی دو لاکھ روپیہ سالانہ تک پہنچ گئی تھی متاجر کو داروغہ اخبار کہتے تھے۔ لوگوں کو اس بات کے سننے سے بڑا تعجب ہو گا کہ سترہ اخبار کے متعلق کونسی جاگہ تھی جسکی آمدنی سے نوکر دن کو تنخواہ دیجاتی اور سرکاری ٹھیکے کار روپیہ بھی ادا کیا جاتا اور متاجر بھی مزے اڑاتا۔ اس میں بڑا نفع پرے میں ٹھہر چھپائے ہوئے تھا جسکو میں آشکارا کرتا ہوں کہ جن امیرون اور سرداروں اور حاکموں کے یہاں اخبار نویس متعین رہتے تھے وہ اپنی عزت و آبرو اور نقصان کے خوف سے ہزاروں روپے اخبار نویس کی تواضع کیا کرتے تھے اور بالابالا متاجر اخبار کو بھی دیتے تھے۔ متاجر اخبار اسی اخبار نویس کو اس کام پر بھیجتا تھا جو سب سے زیادہ نذرانہ دینے کا وعدہ کرتا تھا اور اسی سے ظلم اور غائل اور شریف کی عزت محفوظ رہتی اور دام بالا کا شکار نہ ہوتا جو غلہ اخبار کو خوب دیتا رہتا تھا۔ مثلاً اخبار نویس یا داروغہ اخبار نے کسی کو یہ دھمکی دی کہ میں نواب تک یہ خبر پہنچا دوں گا کہ زلی ہوئی یا یہ خود بہ چین میں یا اسکے یہاں بد معاشوں کا مجمع ہو رہا ہے۔ یا نواب کے حق میں یہ بہتان فائدہ الفاظ کہے تھے یا یہ افسر رشوت خواہ ہے۔ رعایا پر جبر و ظلم کرتا ہے خواہ یہ الزام غلط ہی ہو۔ مگر وہ انکی مٹھی گرم کر کے اپنا پیچھا چھوڑتا تھا اور پھر جو چاہتا تھا اودھم مچاتا تھا۔ ہر آدمی خیال کر سکتا ہے کہ ایسی کارروائی کا جو عام اثر ہو گا وہ کتنا روح فرسا اور جانگزا ہو گا۔ اگرچہ نواب نے خبر نویس ہر کارون پر اور ضعیف نویس ہر کاسے مامور کیے تھے جو

آپ ہوشیاری سے رکھئے۔ اُس دن سے وہ امیر بڑی ہوشیاری سے اُن پستولوں کو رکھنے لگا مگر کسی ترکیب سے فٹو نے اُدا لی صاحب مال نے اُنکی تلاش میں بہت کوشش کی مگر پتہ نہ چلا۔ دوسرے دن فٹو نے وہ جوڑی لیجا کر اُس امیر کو دکھائی کہ یہ حاضر ہے اُس دو ہمت مند نے کچھ زہد سمیت وہ جوڑی فٹو ہی کو دیلی ایک بار فتو قید تھا عشرہ محرم قریب آیا جانفون سے کہا کہ بھگوانا کہ دو عشرہ محرم کے بعد مال کا باندھا حاضر ہو گا۔ لیکن غصی کی صورت ظہور میں نہ آئی ایک دن جانفون کو مخاطب دیکر نجیر آہنی توڑ کر جیل خانہ سے نکل گیا اور کسی سے اُسکی جانفون کی مگر تفریہ داری سے فارغ ہو کر عشرہ محرم کے بعد جیل خانہ میں آمو جو دھوا آخر کار نواب سادات علی خان نے اُسکی تنخواہ مقرر کر دی اور کوتوالی کے نظر بازوں میں مقرر ہوا۔ اس طرح اور بھی کئی نامی چور گرفتار ہو کر کوتوالی کی خدمات پر نوکری ہو گئے جس سے مفسدہ پردازی کا سد باب ہوا اور سیر و نی چور اکبر لوہ اور سلطان پور سے جو کتے تھے اُنکی حرکات بھی اعجاز سے کم نہ تھیں اس عہد میں چوروں کی یورش کا باعث یہ تھا کہ نواب صف الدولہ کے عہد تک عامل لوگ چوروں کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے ابخیزری کی بڑی ممانعت تھی اسوجہ سے چوروں کا بازار گرم تھا اور رعایا پریشان و سرگردان تھی۔ مگر چوروں کی پناہ کے لیے شہر میں جگہ نہ تھی رعایتی میں سکونت رکھتے تھے۔ علاقے کا یہ حال تھا کہ زمیندار لوگ فصل بیج کاغذ اپنے صرف میں لے آتے تھے اور معبر ضمانت دیکر ادلے زر کا پھو ماہ جیٹھ اور اسارڈھ کا کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ ایام بارش کے قریب انگریزی تگنے رخصت لے کر ہستے اپنے گھروں کو جاتے تھے اور اُنکی کمروں میں اشرفیوں کا ہونا مشہور تھا اس لیے یہ زمیندار قطع طریق اُنکو لوٹ لیتے تھے اور عامل مشاجری خفیہ نذرانہ لیکر مالامل ہوتے تھے ہوا سطل کم تدارک اُنکا ظہور میں آتا تھا اور اخبار نویس بھی اس عہد میں مستاجر ہوتے تھے اُنکو بھی سواے زر کے دوسرا کام نہ تھا اسوجہ سے نواب سادات علی خان اُسکے تدارک واقعی سے مجبور تھے

عدالتوں کا منظم و نسق چوری اور غارتگری کا بندوبست

نواب آصف الدولہ کے عہد تک مقدمات کا فیصلہ کوٹوال کی تجویز اور پنچوں کی رائے اور احکام شرع پر ہوتا تھا اب ہر شہر عدالت تین صورتوں پر منضبط ہوا۔ فوجداری دیوانی مراۃ عدالت فوجداری کوٹوالی شہر سے متعلق ہوتی تھی۔ میر بہادر علی اور میر خیرات علی متمم تھے بعد اُنکے خواجہ محمود کے تفویض ہوئی۔ پھر دھوی بیگ کوٹوال کے حوالے ہوئی اور پلٹین کوٹوال کے ساتھ تھانہ بندی کے لیے مقرر کی گئیں۔ شہر میں شیخون اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کا بیرونی آدمیوں کے ہاتھوں سے بخوبی انسداد ہو گیا۔ مگر شہر کے کچے شہرے اکثر شہر میں مفسدے برپا کرتے تھے۔ اُنکے کسی گروہ ہو گئے۔ ہاتھوں میں تلواریں اور بندوقین لیے ہوئے شب کو اہل شہر کے گھروں میں گھس پڑتے تھے۔ اور اُنکا مال و اسباب لوٹ لیا کرتے تھے اور تھانہ دار اُن سے مقابلہ کرتے تھے اگر مکانوں کے دروازے ان بد معاشوں کو کھلنے نہ دیتے تو دیواروں پر بیڑھیان لگا کر مکانوں میں کودتے دو لہتمندوں کے مال و اسباب سے گذر کر جانچ بانتی تھی آخر کار نواب نے کوٹوال شہر پر انکی گرفتاری کے لیے بہت تاکید کی انکی کوشش سے اکثر زندہ گرفتار ہوئے اور کچھ مارے گئے۔ اُس زمانے میں شہر کا ایک آدمی فتوٰی مے نہایت بدعاش تھا یہ شخص چوری کیا سب سے زوری کرتا تھا بڑے بڑے مکانوں پر چڑھ جانا اور پھر اُن پر سے کوہ پڑتا اسکے نزدیک ایک کھیل تھا۔ لٹدیوں کو ہزاروں روپے کھلاتا تھا۔ گناخہ اور چربن وغیرہ نشیون سے صحبت گرم رکھتا تھا۔ غریب اور محتاجوں کے مال پر ہاتھ نہیں ڈالتا تھا۔ بلکہ اُن کی حاجت براری کرتا تھا۔ ایک دن مرغ بازی کے جلسے میں فتوٰی بھی پہنچا۔ لکھنؤ کے ایک امیر کے پاس ولایتی ہسپتال کی جوڑی دیکھ کر فتوٰی نے اُس سے مانگی اُس امیر نے مذی فتوٰی نے کہا کہ حضرت یہ ہلال مال ہے

نواب سعادت علی خان کا ایک جانکاہ حادثہ سے بچ جانا

سیلیان خان اسد لکھنوی نہرہ زاوہ حافظ رحمت خان نقش سیلیان مین لکھتے ہیں کہ خواجہ حسین چشتی نام ایک سید محبت خان بن حافظ رحمت خان کی مصاحبت میں بہتے تھے انکی سیادت کی وجہ سے آصف الدولہ اور ان کے بھائی سعادت علی خان انکی عزت کرتے تھے حسب اتفاق ایک روز نواب سعادت علی خان راجہ ٹکڑت رائے کے باغ میں ناچ دیکھ رہے تھے اور اُجاگر طائف بجا کر رہی تھی۔ سید خواجہ حسین چشتی بھی شریک جلسہ تھا۔ نواب موصوف ان دنوں تک سے نوشی کا شغل کرتے تھے۔ پس نقش کی حالت میں اُس رندی سے یہ فرمایا کہ اُجاگر میان صاحب کی گود میں بیٹھ جا اُس نے قصد کیا تو میان صاحب نے اشارہ سے روک دیا چند ساعت کے بعد پھر نواب صاحب لے اُس طائف سے یہی کہا اُس نے پھر قصد کیا میان صاحب نے اُسکو جھڑکا تو وہ الگ ہو گئی۔ لیکن میان صاحب کے دل کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور خیال کیا کہ نواب صاحب خلاف عادت اسوقت بھڑے سے مسخر کرتے ہیں۔ نواب صاحب نے پھر تیسری مرتبہ برہم ہو کر اُس طائف سے فرمایا کہ تم مجھ سے چند مرتبہ کہہ چکے تو میان صاحب کی گود میں نہیں بیٹھ جاتی اسوقت وہ رندی خوفِ عالم سے مجبور ہو کر بہت قریب میان صاحب کے آگئی اور قصد گود میں بیٹھ جانے کا کیا میان صاحب نے اُسکو ہاتھ سے ڈھکیں کہ یہ فرمایا کہ دور ہو یہاں سے یہ گودی مالزادیوں کے بیٹھنے کے لائق نہیں اس میں وزیرزادیاں اور شہزادیاں بیٹھیں تو کیا مضائقہ ہے یہ بات اُس نقش کی حالت میں نواب سعادت علی خان کو بہت ناگوار گذری اور کلمہ مناسب یعنی بھلے تم کے تو کی لفظ سے میان صاحب کی طرف

ورنہ نواب کی طبیعت رعیت پروری کی طرف بہت تھی۔ نواب کے حقیقی بھائی شہامت علی خان نے ایک زمیندار سے قطعہ زمین لیکر انکی عورتوں کو ظلم سے نکال دیا تھا اور منظور سٹھاکہ دھان عمارت بنوائیں نواب کو یہ امر ناگوار گذرا اور انکو شہر سے نکال دیا۔

عدالت دیوانی۔ ابتدا میں یہ محکمہ مولوی سدن اور اُن کے بعد مولوی ظہور اللہ خان کے متعلق رہا۔

عدالت مرافعہ۔ اس محکمے میں ہفتے میں ایک مرتبہ نواب بذات خاص اجلاس فرماتے تھے اور مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے اس عدالت کا اجلاس حسن باغ میں قرار پایا تھا اور باہر ایک صندوق رکھا جاتا تھا جس میں مستغنیات اپنی عرضیاں ڈالتے تھے اور نواب اُن کو نکال کر حکم لکھتے تھے۔

ابتداء میں منشی بنی سے انتقال تک نواب کا کوئی دن ملاحظہ کاغذات سے خالی نہیں گیا اور جس کمرے میں کاغذات ملاحظہ کرتے تھے اسکے دروازے کے باہر پڑے کے قریب ایک طرف نواب کے بیٹے نصیر الدولہ اور راجہ دیا کرشن مع ضروری عملے کے اور عاملوں کے وکیل حاضر رہتے تھے اور دوسری طرف نواب کے بیٹے شمس الدولہ اور رتن چند اور اہل انشا اور بعض افسران فوج حاضر رہتے تھے اور ایک طرف طائفون اور رفاصلوں کی چولی جج رہتی تھی ان پر پیکیوں اور نواب کے درمیان ایک دروازہ پیشے کے کواڑوں کا حامل تھا جسوقت نواب کا دل ملاحظہ کاغذات سے اُٹتا جاتا تھا تو کسی سے اُٹھ کر شیخون میں سے نظارہ بازی کرتے اور رقص وغیرہ کا تماشا دیکھتے تھے جس امر میں نواب سعادت علی خان نے قاعدہ اور قانون جاری کیا آخر عمر تک بخوبی انجام کو پہنچایا۔

اتفاقاً ایک روز نواب سعادت علی خان کو موسم گرما میں یہ خبر پہنچی کہ نول گنج کے قریب جو لکھنؤ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور اُس نے ملنے میں اس گنج کے قریب کسی قدر جنگل بھی تھا ایک شیر لگیا ہے اور اُس نے کسی قدر مویشی وغیرہ کو مارا ہے باشندگان نول گنج نہایت خائف و ترسان ہیں نواب صاحب نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل ہم خود جا کر اُس شیر کا شکار کریں گے چنانچہ دوسرے دن شکار کے لیے لکھنؤ سے جانب نول گنج روانہ ہوئے۔ یہ خبر نواب محبت خان کو پہنچی۔ ان میں اور یہ خواجہ حسین صاحب میں کمال اتحاد تھا اس لیے محبت خان اپنے مکان سے ہوا دار پر سوار ہو کر میان صاحب کے مکان پہ آئے۔ میان صاحب اس وقت خط بنا رہے تھے دور ہی سے چھانکنا اور پنکھا اور آفتابی وغیرہ جو نظر آئی تو اپنے ایک حارم سے کہا کہ دوڑ کر دیکھ تو کیا نواب محبت خان آتے ہیں اُس نے دیکھ کر عرض کیا کہ وہی آتے ہیں۔ میان صاحب ویسے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور حسب معمول قدیم نواب محبت خان کو تباہ صحن مکان آکر لگے اور فرمایا کہ برادر ہوقت تم نے کیوں تکلیف کی مجھ کو طلب کر دیا ہوتا۔ نواب محبت خان نے کہا کہ ہوقت میان صاحب میں تمھارے پاس سخت ضرورت سے آیا ہوں جو میں کہوں وہ تم کو قبول کرنا پڑے گا۔ میان صاحب نے جواب دیا کہ برادر تمام ثنائت البیت اور مکان اور لڑکے بلے وغیرہ سب تمھارے ہیں مجھ سے کسی بات کے پوچھنے اور کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ نواب محبت خان نے فرمایا کہ وہ بات تم سے ہی کہنے کی ہے اور تم کو ضرور اس وقت منظور کرنا ہوگی۔ میان صاحب نے استفسار کیا تو محبت خان نے کہا کہ تم میرے سر کی قسم کھاؤ کہ میں منظور کر دوں گا اس وقت میں بیان کروں گا اول تو میان صاحب نے کچھ عذریہ جب محبت خان نے اصرار کیا تو میان صاحب نے اُن کے سر کی قسم کھائی اس وقت محبت خان نے میان صاحب سے کہا کہ نواب سعادت علی خان

مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کیا بات ہے وہ کہی۔ اسوقت میان صاحب کو غصہ ضبط کرنے کی تاب نہ رہی اور چہرے پر ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ اسے دختر شجاع الدولہ خوش اگر دوبارہ ایسا کلمہ زبان سے نکالا تو اسی وقت اپنی جان اور تمھاری جان ایک کر دوں گا اور سینہ پر چڑھ کر لہو پی جاؤں گا یہ سن کر میان صاحب کی زبان سے نواب سعادت علی خان سن کر دم بخود ہو گئے اور گردن جھکالی وہ جلسہ درہم و برہم ہو گیا میان صاحب چند ساعت توقف کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلام علیک کر کے نہایت ہوشیاری کے ساتھ دہنہ بائیں دیکھتے ہوئے باغ مذکور سے ٹکڑا لکی میں سوار ہو کر مکان پر چلے آئے۔ نواب سعادت علی خان نے بھی فی الحقیقت بیاس و لحاظ سادات نہایت محل کام فرمایا اور نہ حاکم اور محکوم میں بڑا تفاوت ہے۔ میان صاحب کی جان جانے میں کیا تامل تھا اسدن سے نواب سعادت علی خان اور میان صاحب سے یک نخت ملاقات ترک ہو گئی اور نواب صاحب نے وہ پانسو روپیہ ماہوار جو نواب آصف الدولہ کے عہد سے میان صاحب کو ملتا چلا آتا تھا بالکل بند کر دیا دو ایک ماہ کے بعد سے میان صاحب کو اخراجات کی تکلیف ہونے لگی نواب محبت خان اور میان صاحب کے بٹے بھائی شاہ خواجہ حسن صاحب نے سید خواجہ کی بہت کچھ سمجھایا کہ تم بغیر طلب نواب سعادت علی خان کے پاس چلے جاؤ اسوقت نشے کی حالت میں ان سے یہ ایک حرکت خلاف ہو گئی اور محکوم بھی غصہ آگیا جسوقت تمھارا اور اٹھاسا منا چاہیگا تو یقین ہے کہ باہم صفائی ہو جائیگی اور کہ ورت نہ رہیگی۔ لیکن میان صاحب نے یہی کہا کہ اب جب تک نواب سعادت علی خان از خود مجھے طلب نہ کریں گے میں ہرگز نجاؤں گا اس میں جو سوہو مہانتا کہ اس بات کو عرصہ قریب آٹھ دس ماہ کے گذر گیا اور میان صاحب کو بسبب بند ہو جانے تنخواہ کے ہر طرح کی تکلیف ہونے لگی کیونکہ مصارف میان صاحب کے کثیر تھے اور اولاد وغیرہ بھی کثرت سے موجود ہو گئی تھی لیکن منہ کے مارے نواب سعادت علی خان کا سامنا کرتے تھے

آتی ہے میان صاحب نے بھی جو غور سے دیکھا تو اُس کا کہنا سچ معلوم ہوا۔ اسلئے میان صاحب نے فیلبان سے کہا کہ ماتھی دوڑا۔ فیلبان نے موافق حکم میان صاحب کے ماتھی بہت تیز دوڑایا دوسرے ہمارے ہوں کو یہ ثابت ہوا کہ شاید میان صاحب کو نواب صاحب نے طلب فرمایا ہے جو یہ اپنا ماتھی اہل قدر تیز بھگائے ہوئے جاتے ہیں طرفہ یہ کہ توار کی چاک کسی کو نظر نہ آئی خلاصہ یہ ہے کہ جب میان صاحب قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص توار میں بالکی پر مار رہا ہے انھوں نے فیلبان سے کہا کہ اسے جلد ماتھی بٹھا اُس نے ماتھی بٹھایا سیرھی لگانے کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ میان صاحب فوراً ماتھی پر سے کود پڑے جسکے سبب سے کسی قدر صدمہ اُنکے ایک پائون میں آیا لیکن انھوں نے کچھ خیال اُسکا کیا فوراً جھپٹ کر اُس شخص کو لٹکا اور کہا کہ او مردودیہ کیا کرتا ہے اور میان صاحب بہت قریب لٹکے جا پہنچے تھے کہ اُس شخص نے بالکی کو چھوڑ کر ایک توار میان صاحب کو ماری میان صاحب کے ماتھ میں جو سیرگی تھی انھوں نے اُس پر روکی اُس نے اور دوسری توار ماری وہ بھی میان صاحب نے سیرگی پر روکی اور بہت قریب اُس سے ٹکرو ہی سیرگی گھما کر اُسکے سر پر ماری کہ وہ شخص اُس چوٹ کے صدمہ سے چکر اگیا پس میان صاحب نے بچالانکی تمام خم اوس سیرگی کا اُس شخص کی گردن میں ڈال کر ایک جھٹکا زور سے مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا اور میان صاحب پیش قدمی کر کے اُسکے سینے پر چڑھ بیٹھے اور یہ قصد کیا کہ اُسے ہلاک کر دے اس درمیان میں نواب سعادت علی خان بالکی کے پٹ نکھول کر باہر نکل آئے اور فرمایا میان صاحب تمھیں میرے سر کی قسم سے مارنا نہیں اسلئے میان صاحب نے اپنا ماتھ روک لیا اس اثنا میں دوسرے نوکر و ہمراہ میان سواری بھی آ پہنچے اور اُس شخص کی مشکین باندھ لیں بعد اُسکے اُس سے دریافت کیا کہ تو نے یہ حرکت بالافق کس واسطے کی تو اُس نے بیان کیا کہ میں فلان ملٹن بن تلنگن کے زمرے میں نوکر تھا وہ یہ کہ تخفیف میں آ کر بڑا طرف ہو گیا

شیر کے شکار کے لیے نول گنج کی طرف تھوڑا عرصہ ہوا تشریف لے گئے ہیں اس لیے میں تم سے کہنے آیا ہوں اور سواری کے لیے ہاتھی کی تیاری کا بھی حکم دے آیا ہوں تم میرے کہنے سے ہوتے نواب سعادت علی خان کے پاس فوراً چلے جاؤ ورنہ مجھے ملال ہو گا۔ میان صاحب نے یہ بات سن کر کسی قدر تامل اور انکار کیا۔ محبت خان نے کہا کہ میان صاحب تم میرے سر کی قسم کھا چکے ہو اس کا خیال کرنا چاہئے اور ان کے بڑے بھائی خواجہ حسن نے بھی سمجھایا۔ خواجہ حسین صاحب نے نہایت اپنا سر دھنا اور محبت خان سے کہا کہ برادر تم نے اس وقت دھوکے میں اپنے سر کی قسم مجھ سے لے لی اچھا الام فوق الادب میں جاؤں گا لیکن خط بنالو! محبت خان نے کہا کہ خط اس وقت نہ بنوائے میرے کہنے سے سوار ہو جائیے۔ ناچار میان صاحب نے کپڑے پہنے ہاتھ میں سیراگی اور کمر میں پیش قبض لگایا اور ہاتھی پر سوار ہو کر نول گنج کی طرف روانہ ہوئے۔

نواب سعادت علی خان اس مقام پر پہنچے جہاں شیر کا بیتہ لگا تھا ہانکے وغیرہ حسب معمول کیا گیا تو کہیں شیر کا سر غائب نہ ملا پس نواب موصوف، منغض اور بدر مہرہ ہو کر وہاں سے پہلے اور بسبب اس کے کہ ہاتھیوں اور سواروں کے ہمراہ ہونے سے گرد بہت اڑتی تھی نواب صاحب نے حکم دیا کہ ہم سے جملہ ہمراہیان سواری بہت دور نیچے رہیں فقط نباتات خود بالکی میں سوار اور چند کھارو ضد متگا ر ان کے ہمراہ رہے اور باقی سب لوگ نیچے رہ گئے اس وقت میان صاحب پہنچے اور انھوں نے بھی اپنا فیل سواری انھیں ہاتھیوں کے ساتھ بکرتے تھے نواب صاحب کی سواری کے آتے تھے ملایا اور آہستہ آہستہ دوسرے شخص اس سے باتیں کرتے ہوئے واپس آتے تھے کہ ایک نشیب میں نواب سعادت علی خان کی بالکی اتری اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی چند ساعت کے بعد صلابت خان چلی کہ جو میان صاحب کی خواہی میں بیٹھا تھا اس نے جھک کر حکم سے میان صاحب کے گان میں کہا کہ ملاحظہ فرمائیے مجھے نواب صاحب کی بالکی پر تلواری چمکتی نظر

عمارات جدید

نواب آصف الدولہ کی عمارتیں ایسے موقع پر تعمیر تھیں کہ برسات کا پانی جمع ہو کر لوگوں کی آمد و رفت اُدھر سے مشکل ہو جاتی تھی خاص چوک اور فرنگی محل میں کہ ناف شہر ہے ایسی تنگ گلیاں نجس اور خراب ہوتی تھیں کہ گرمی اور جاڑے کے دنوں میں بھی اُدھر سے گزر و شمار ہوتا تھا نواب سعادت علی خان کے یہ عمارت پسند تھیں اور دوسری بات ان عمارت کی طرف سے نگر پیدا ہونے کی یہ تھی کہ نواب آصف الدولہ کے انتقال کے وقت انگریزی تہذیب کے دو مہرے دولت خانہ قدیم آصفی بن مامور ہوئے تھے اور اب تک اپنے مقاموں پر قائم تھے علاوہ ان باتوں کے نواب کوئی عمارتیں جدید نقشون پر بنوانے کا شوق بھی تھا اور چاہا کہ کھلنے کی وضع کا ایک نیا شہر بنائیں جو جس سے شہر اور بی بی پور کے درمیان میں جہان کی زمین کچھ بلند اور کچھ بہاؤ تھی عمارت بنوانا چاہیں۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں جنرل ٹاٹن ایک انگریزی تاجر نے کہ نہایت متحمل تھا دو کوٹھیاں ان بنوائی تھیں۔ ایک کوٹھی شہر سے ٹی ہوئی تھی اسکی پچیس ہزار روپے کو نواب سعادت علی خان نے مول لے لیا اور اپنی عمارت جدید بن ملا لیا اور مستثنیٰ سے پنج چھ برس کے بعد اپنے رہنے کے مکانوں کو چھوڑ دیا اور سرطان کی سیما ہی میں جو نواب کو عارض ہوئی تھی بطور نقل مکان کے دو ٹھکانے سے اٹھ گئے وہاں انکو شفا ہوئی اس لئے اسکا نام فرخ بخش رکھا۔ نواب نے پنج چھ کوٹھیاں اور کبھی نئی نہایت اعلیٰ نقشے پر تعمیر کرائیں آلات شیشہ سادہ و منقش اور آئینے قد آدم سے اونچے اور انگریزی سیلابے اور گھڑیاں اور طرح طرح کے ہتھیار اور لاکھوں روپے کا سامان مول لیکر ان میں سجایا اور باغوں میں قسم قسم کے میوے والے درخت لگائے۔ شہر کی کثافت دفع ہو گئی اور ہر ایک امیر کو حکم ہوا کہ عمارت عالی تعمیر کرے اور دوسرے

نواب آصف الدولہ کی عمارتیں ایسے موقع پر تعمیر تھیں کہ برسات کا پانی جمع ہو کر لوگوں کی آمد و رفت اُدھر سے مشکل ہو جاتی تھی خاص چوک اور فرنگی محل میں کہ ناف شہر ہے ایسی تنگ گلیاں نجس اور خراب ہوتی تھیں کہ گرمی اور جاڑے کے دنوں میں بھی اُدھر سے گزر و شمار ہوتا تھا نواب سعادت علی خان کے یہ عمارت پسند تھیں اور دوسری بات ان عمارت کی طرف سے نگر پیدا ہونے کی یہ تھی کہ نواب آصف الدولہ کے انتقال کے وقت انگریزی تہذیب کے دو مہرے دولت خانہ قدیم آصفی بن مامور ہوئے تھے اور اب تک اپنے مقاموں پر قائم تھے علاوہ ان باتوں کے نواب کوئی عمارتیں جدید نقشون پر بنوانے کا شوق بھی تھا اور چاہا کہ کھلنے کی وضع کا ایک نیا شہر بنائیں جو جس سے شہر اور بی بی پور کے درمیان میں جہان کی زمین کچھ بلند اور کچھ بہاؤ تھی عمارت بنوانا چاہیں۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں جنرل ٹاٹن ایک انگریزی تاجر نے کہ نہایت متحمل تھا دو کوٹھیاں ان بنوائی تھیں۔ ایک کوٹھی شہر سے ٹی ہوئی تھی اسکی پچیس ہزار روپے کو نواب سعادت علی خان نے مول لے لیا اور اپنی عمارت جدید بن ملا لیا اور مستثنیٰ سے پنج چھ برس کے بعد اپنے رہنے کے مکانوں کو چھوڑ دیا اور سرطان کی سیما ہی میں جو نواب کو عارض ہوئی تھی بطور نقل مکان کے دو ٹھکانے سے اٹھ گئے وہاں انکو شفا ہوئی اس لئے اسکا نام فرخ بخش رکھا۔ نواب نے پنج چھ کوٹھیاں اور کبھی نئی نہایت اعلیٰ نقشے پر تعمیر کرائیں آلات شیشہ سادہ و منقش اور آئینے قد آدم سے اونچے اور انگریزی سیلابے اور گھڑیاں اور طرح طرح کے ہتھیار اور لاکھوں روپے کا سامان مول لیکر ان میں سجایا اور باغوں میں قسم قسم کے میوے والے درخت لگائے۔ شہر کی کثافت دفع ہو گئی اور ہر ایک امیر کو حکم ہوا کہ عمارت عالی تعمیر کرے اور دوسرے

حتیٰ کہ اب نوبت میری فاقہ کشی کو پہنچی تو دل میں یہ خیال آیا کہ تو مرقا ہے پس کسی ایسے شخص کو
 مار کر مرقا جس سے نام دنیا میں رہ جائے اسوجہ سے میں نے یہ حرکت کی تھی۔ غرض کہ نواب سعادت علی خان
 بعد اس قصے کے بالکی میں سوار ہوئے اور میان صاحب سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ آؤ۔ جب وہ تختانہ پر
 پہنچے اور جگہ بھر اہی پہنچا کر رخصت ہوئے تو میان صاحب کو نواب صاحب اپنے ساتھ کوٹھی
 میں لے گئے اور میان صاحب کی نہایت شکرا ریزی و مدح و ثنا کی اور بآہستگی غلامی خان
 خاں سامان کو حکم دیا کہ شتی ہارے خلعت لاؤ چنانچہ اُس نے فوراً کیس کشتیان لاکر حاضر کین
 اسوقت نواب صاحب نے میان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میان صاحب کشتیان
 خلعت وغیرہ کی موجود ہیں بجاؤ میان صاحب نے اُسکے لینے میں ہانکا کیا اور عرض کیا کہ
 میں ان کشتیوں کے لینے کا مستحق نہیں۔ اگر یہ کام آپ کے ملازمان میں سے کوئی ارسلہ اریا
 کہ میدان یاد دہر کوئی افسر فوج کرتا تو البتہ اس انعام کا مستحق تھا۔ میں بیچارہ ایک فقیر تھو کہ کوئی
 ہانکا یا سپاہی نہیں کہ یہ انعام لون نجر سے جو کچھ ٹھہر میں آیا یہ سب فقط آپ کے اقبال کا باعث تھا
 ایک گنوار کو پکڑ لیا تو کیا فخر کیا۔ میں یہ خلعت و انعام کسی طرح پر نہ تو لے سکتا اس سے مجھے حاف فرما
 چاہیئے ناچار نواب صاحب خاموش ہو گئے اور دل میں سمجھے کہ میان صاحب ہرگز اسے قبول نہ کریں گے
 اسکے بعد میان صاحب رخصت ہو کر اپنے مکان پر آئے۔ دوسرے روز نواب سعادت علی خان
 نے میان صاحب کی چڑھی ہوئی تنخواہ ایک ہزار روپیہ ماہوار کے حساب سے اسکے مکان پر بچھادی
 اور انکو طلب کیا اُس روز سے صفائی کامل نواب صاحب اور میان صاحب کے درمیان دوبارہ
 ہو گئی اور ہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہوا اور آمد و رفت میان صاحب کی نواب کے پاس
 بہت تیز ہو گئی۔

اور طلانی گنبد رکھوایا بارہ روزے اُس میں رکھے مزار قتل نے یہ تاریخ اس عمارت کی گئی ہے
۵۔ این گنبد جدید بنائے سعادت است۔

کوٹھی دیکشیا۔ اس کو نواب سعادت علی خان نے اپنے سیر و شکار کے واسطے بنوایا تھا اور ر
گرد و پیش کے جنگل کو صاف کروا کر ایک چراگاہ مقرر کی تھی اور اُس میں جانور ان شکاری مثل
ہرن وغیرہ چھڑوا دیے تھے اس کوٹھی میں اکثر بیگیاں بھی سیر کے واسطے آیا کرتی تھیں۔

موتی محل۔ احاطے کے شمال کی جانب ہے اور موتی محل اسکا اس واسطے نام رکھا گیا تھا کہ
اس میں ایک بُج بنا تھا جو موتی کی شکل پر جتا گلاب مسمار ہو گیا ہے۔

شاہ منزل۔ جس مقام پر اب قیصر بلخ تیار ہوا ہے واسطے لڑائی حیوانات کے تعمیر ہوا تھا
چھوٹے چھوٹے جانوروں کی لڑائی احاطہ شاہ منزل میں ہوا کرتی تھی اور شیر وغیرہ کی لڑائی
بھی اُسی احاطے میں ہوتی تھی اس واسطے مضبوط پتھر سے اہر مستحکم ماسن نمائندہ کھینے والوں کے
واسطے تعمیر ہوئے تھے مگر لڑائی ہاتھی اور گنبدے کی دریا پار میدان میں غلوہ باغ کے سامنے
ہوا کرتی تھی کیونکہ ایسے حیوانات کی لڑائی کی سیر کے واسطے فاصلہ بہت ضرور ہے نواب اور
دیگر ارکان سلطنت برآمدہ شاہ منزل پر سے دیکھا کرتے تھے۔

خورشید منزل۔ اس تعمیر کو سعادت علی خان نے شروع کیا تھا اور خانزادی الدین حمید
نے ختم کیا۔

ماہ منزل۔ یہ کوٹھی بھی نواب موصوف نے بنائی تھی۔

موتی باغ۔ یہ باغ نواب اعظم الدولہ نے تیار کرایا تھا اور جو تعمیرات اُس میں ہیں اُن کو
سعادت علی خان نے واسطے سیر گاہ خاص کے بنوایا تھا اُنکے اول وقت میں لڑائی حیوانات
کی اُس میں ہوا کرتی تھی اس نام کی روایت مشہور یہ ہے کہ ایک روز آصف الدولہ سوار اُس طرف

۱۔
۲۔
۳۔
۴۔
۵۔
۶۔
۷۔
۸۔
۹۔
۱۰۔
۱۱۔
۱۲۔
۱۳۔
۱۴۔
۱۵۔
۱۶۔
۱۷۔
۱۸۔
۱۹۔
۲۰۔
۲۱۔
۲۲۔
۲۳۔
۲۴۔
۲۵۔
۲۶۔
۲۷۔
۲۸۔
۲۹۔
۳۰۔
۳۱۔
۳۲۔
۳۳۔
۳۴۔
۳۵۔
۳۶۔
۳۷۔
۳۸۔
۳۹۔
۴۰۔
۴۱۔
۴۲۔
۴۳۔
۴۴۔
۴۵۔
۴۶۔
۴۷۔
۴۸۔
۴۹۔
۵۰۔
۵۱۔
۵۲۔
۵۳۔
۵۴۔
۵۵۔
۵۶۔
۵۷۔
۵۸۔
۵۹۔
۶۰۔
۶۱۔
۶۲۔
۶۳۔
۶۴۔
۶۵۔
۶۶۔
۶۷۔
۶۸۔
۶۹۔
۷۰۔
۷۱۔
۷۲۔
۷۳۔
۷۴۔
۷۵۔
۷۶۔
۷۷۔
۷۸۔
۷۹۔
۸۰۔
۸۱۔
۸۲۔
۸۳۔
۸۴۔
۸۵۔
۸۶۔
۸۷۔
۸۸۔
۸۹۔
۹۰۔
۹۱۔
۹۲۔
۹۳۔
۹۴۔
۹۵۔
۹۶۔
۹۷۔
۹۸۔
۹۹۔
۱۰۰۔

اور دو تین سو گھڑ والے صبح و شام ٹرکون پر چھڑکاؤ کے واسطے مقرر کیے اور کئی سولائیسہ سو نے چاندی کی نفیس نفیس بنوائیں جو رات کے وقت نواب کی سواری کے ساتھ رہتی تھیں اور ان میں مومی شمعیں روشن ہوتی تھیں۔

فرخ بخش۔ اس میں نواب ہمیشہ اجلاس کرتے۔ اس کو ٹیٹی میں ایک نہر کاٹ کر نہ خانوں کے اندر لائی گئی تھی اور نہر کے اندر صحن میں کوڑیاں منقش اور رنگین اس طرح بچھائی تھیں کہ دو انگلی بلند می سے پانی اُن پر بہش کرتا تھا اور غسل اور اطلس کے پردے کا چوٹی کام کے نہایت مکلف اُس مکان میں لگتے تھے اور کرسیاں سادہ اور مرصع عاج یا بچھائی تھیں اور تارازان خوش اسحان جن پر قدرت کے ہزار رنگ نثار تھے طلائی پیچروں میں آویزاں تھے اور پھوٹے بڑے آئینے نزدیک ہیں اور دور بین اور میکوس ہیں اور ہزار بین اکثر مقاموں پر نصب تھے اور سر راہ بارہ دری بنوائی تھی اور دو رویہ دو کابین لگاتے کی وضع پر تعمیر کرائی تھیں۔ فیخانہ۔ اسطبل۔ شاگرد پیشہ اور سپاہ کی چھاؤنی کے مکانات پختہ تعمیر کرائے اور چوڑی سنگین بنوائیں کوٹھی فرخ بخش میں چنگا تھی جس کو قصر السلطان کہتے تھے یہ مکان صرف واسطے دربار شاہی کے آراستہ ہوتا تھا اور جب کبھی کوئی بادشاہ جلوس کرتا تھا تو انکی تخت نشینی کی رسم یہیں ادا ہوتی تھی کوٹھی فرخ بخش سعادت علی خان کے عہد سے عمل شاہی تھی اور اس میں داجہ علی شاہ کے اولیٰ عہد تک مقام قیام شاہان و باجہ تک فیصلہ بلغ تیار نہیں ہوا تھا اس کوٹھی کی وہ جانب جو دریا کی طرف ہے جنرل مارٹین کی تیار کردہ ہے باقی تعمیرات جو اسکے ملحق تھیں اور تخت گاہ سب سعادت علی خان نے بنوائی تھیں اب یہ مکان یاد گار نہ مرست ہو کر خالی پڑا ہے۔

درگاہ حضرت عباس۔ مندرجہ التواریخ میں لکھا ہے کہ روضہ حضرت عباس کی تعمیر اتناک خام تھی کچی چھت تھی اور کچی دیواریں تھیں ۱۲۱۷ھ ہجری میں نواب نے عالی شان عمارت تیار کرائی

اپنے آخر عمد تک جمع کر لیے ان میں سے چار سی لاکھ روپے نواب نصیر الدولہ کی تحویل میں تھے اور ایک کروڑ روپے شمس الدولہ کے پاس رہتے تھے اور ایک کروڑ روپے خاص محل کی تحویل میں رہتے تھے اور آٹھ کروڑ روپے بٹے خزانے میں جمع تھے جس کا نام خزانہ عامرہ تھا اور وہ ظفر الدولہ کے سپرد تھا اور دو کروڑ روپے سپاہ کے خزانے میں رکھے تھے اور یہ خزانہ گلزاری مل خراچی کے توفیق تھا سلطان الاخبار میں ہے کہ نو کروڑ روپے اور چند لاکھ اشرفی سوے جاہریش بہا اور قمشہ نفیسہ کے چھوڑا۔

دو چار آدمی ایسے دولتمند نواب کے مطیع تھے جن سے نواب نے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی تھی نواب انکو اپنی حیب خاص تصور کرتے تھے وہ یہ لوگ بہن حکیم مہدی علی خان کلباں کرور روپے سے زیادہ کا گمان تھا دوسرا غلام حسین چکلا دار سلطان پور یہ شخص چالیس ہجاس لاکھ سے زیادہ نقد روپے اپنے پاس رکھتا تھا اسی طرح مشرف علی خان اور نجل حسین خان اہل ثروت تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں ملک المصاعف تھا مگر یہ دولت و خزانہ انکو دستیاب نہوا انکے عہد میں ہر سال سفر قیوت میں پانچ لاکھ روپے ریاست پر قرض ہو جاتے تھے اور نواب شجاع الدولہ نے بھی باوصف اولو العزمی اور دعویٰ ملک گیری کے اتنا خزانہ نہیں دیکھا بلکہ جب انگریزوں سے مصالحوں ہو تو مشکل ہجاس لاکھ روپے ان سے فراہم ہو سکے نواب سعادت علی خان اکثر کہا کرتے تھے کہ اس قدر روپے جو خزانہ عامرہ میں جمع کیا ہے اصل قیہ ہے کہ روز بد میں ایک وقت بھنے ہوئے چنوں کے لیے بھی یہ روپیہ کفایت نہیں کر سکتا سبحان اللہ طبیعت کیا زکشی پر اہل تھی۔

نواب سعادت علی خان کی صحبت زریڈنٹوں کے ساتھ

ظاہر ہے کہ جب نواب صاحب نے اپنی بے اختیاری میں محنتیں کیں مہنی اختیار و

جلتے تھے اور سب ہر اہی بیچے تھے کہ وہاں ایک موش یعنی چوہا نکلا اور نواب کے گھوڑے کی ٹاپ سے وہ مر گیا اُسے مرنے سے کچھ دل میں نواب کے رنج آیا اور اس لیے حکم دیا کہ ایک قبر اُس موش کی اُس مقام پر تیار ہو اور بلغ بھی بنے اور اُس موش کے نام سے یہ تعمیر مشہور ہوئی کیونکہ موش کو ہندی میں موسا کہتے ہیں مگر ایک روایت قرین قیاس یہ ہے کہ سعادت علی خان نے یہ تعمیر باہتمام ایک فرانسیس کے تیار کروائی تھی متمم کا در نام تو بھول گئے مگر اُسے اول کلا حرف یعنی موسیو یاد رہا کثرت استعمال سے تخفیف ہو کر موسی رہ گیا۔

دیگر تعمیرات عہد سعادت علی خان

عمرات مفصل ذیل بھی سعادت علی خان نے بنوائی تھیں تاکہ شہر غزنی جانب سے ویسا ہی آراستہ ہو جیسا کہ آصف الدولہ نے شہر قی جانب کو درست کیا تھا (۱) کوٹھی صاحب بخش (۲) کوٹھی دارانشفا (۳) کوٹھی سلیم (۴) کنکڑ والی کوٹھی (۵) کوٹھی نور بخش (۶) حبیبی بازار (۷) ٹیڑھی کوٹھی۔ ان مکانات میں اکثر صاحبزادے رہا کرتے تھے جس مکان کے بے اُنکے دل میں آتا اُس میں سیر و تماشا کیا کرتے تھے اور ٹیڑھی کوٹھی واسطے سرانجام امور ملکی کے تیار ہوئی تھی جو کام ملکی ہوتا تھا وہ وہاں درمیش ہوتا تھا ان مکانات میں سے اکثر مکانات کے نام غدر کے بلوے میں مشہور ہو گئے۔

خزانے کا حال

نواب سعادت علی خان کے پاس بنارس میں چالیس لاکھ روپے جمع ہو گئے تھے یہی کو خزانہ قدیم کہتے تھے۔ مسند نشینی کے بعد ملک کی آمدنی اور جرمانہ وغیرہ میں تیرہ کروڑ روپیوں کے قریب

رزیدنٹ کی کسی تحریک ایسا جواب نہیں دیا کہ جو نواب کے خلاف ہو۔ نواب کو مزاجِ جفر کا رزیدنٹ کو ورغلا یا ناگوار تھا۔ انھوں نے مسٹر اورنی کو جو ان کے مصاحبوں سے تھا۔ کسی فرمائش کے ہم پہنچانے کے بہانے سے لندن کو بھیجا درپردہ یہ مقصود تھا کہ وہ ان جا کر میران پارلیمنٹ اور شاہ لندن سے معاملات میں سوال و جواب کرے یہ سب کیفیت رزیدنٹ پر کھل گئی انھوں نے کاغذ کے گھوٹے دوڑائے اور دلوں میں کدورتیں پیدا ہو گئیں اور تحریروں میں مضمون پر پیچ و تہ دار قلمبند ہونے لگے اور زبانِ قلم پر ترش کلام آنے لگے دونوں طرف سے یہاں تک طبیعتیں کھینچیں کہ اگر سر راہ باہم سوار یاں دو چار ہو گئیں تو سلام و کلام سے تنفر رہا۔ اس نخش و ملال نے یہاں تک طول کھینچا کہ نواب کے آخر عہد میں یہاں مشہور ہوئی کہ انھوں نے رزیدنٹ کے سترہ قصور لائق تہرے سنگین کے لکھ کر تیار کیے ہیں اور رزیدنٹ نے جواب ترکی تیار کیے ہیں۔ نواب کو جان سبلی صاحب رزیدنٹ کی بندی بلی بل منظور تھی مگر مزاجِ جفر کی مستحکم تدبیروں اور رزیدنٹ کی دانشمندی کی وجہ سے وہ صورت و وقوع میں نہیں آئی اور باوجود ان شرارتوں کے مزاجِ جفر کے ساتھ نواب نے مراعات سے چشم پوشی نہیں کی بیٹیوں کی شادیوں میں دیدہ و دانستہ اعانتیں کیں۔ (۲) علامہ تفضل حسین خان جو کلکتہ میں نواب کی طرف سے سفیر تھے کسی کام کی واسطے لکھنؤ لطیف روانہ ہوئے مگر کلکتہ سے مرض الموت بھی ساتھ ہوا کلکتہ اور شہر آباد کے درمیان میں ۱۵۔ شوال ۱۲۱۵ ہجری کو قابض ارواح کے ہاتھ سے جان دی۔ شاہ محمد اجل الہ آبادی نے انکی تاریخ وفات میں کہا ہے۔

گر پیرِ سند سالِ تاریخش با سرِ حیف و غم بگوا فوس

نواب سادت علی خان کو انکی جاگیر کی قرقی منظور تھی اور جان سبلی صاحب اور کلکتہ کے

آدمی سے بڑی شکل میں ہی سبب سے بہت سے ریڈیٹوں سے اُنکے مزاج میں کدورت آجاتی تھی اُنکے شروع عہد ریاست میں مسٹر جان لمسٹن عہدہ ریڈیٹ پی پامور تھے اور علامہ قاسم خان جانی میشرشی تھے اور اُنکے بعد کرنل ولیم سکوت ریڈیٹ ہو کے آئے انھوں نے نواب کا قافیہ بہت تنگ کیا پھر بیان سے عہدہ ریڈیٹ ڈہلی پر مقرر ہو کر روانہ ہوئے تھے کہ راستے میں قراق اہل نے قافلہ حیات لوٹ لیا کرنل سکوت کی جگہ عہدہ ریڈیٹ لکھنؤ پر کرنل کولنس آئے جنھوں نے وزیر علی خان کو جسے پور سے بلایا تھا۔ اور اس عہد میں میشرشی کا عہدہ مرزا قاسم علی نقویض تھا اگر کرنل کولنس مرض نقرس میں مبتلا ہو کر لکھنؤ میں مر گئے اُنکا مقبرہ مشہور تھا۔ بعد اُسکے جان سیلی صاحب اودھ کے ریڈیٹ مقرر ہو کر آئے یہ صاحب ایک مدت تک بوندیلکھنڈ اور اضلاع باندہ و کالپی میں جو انگریزوں نے مرہٹوں کے ہاتھ سے تازہ فتح کیے تھے مامور تھے۔ مرزا جعفر جو سر فراز الدولہ کا ہمزلف اور اُنکا خالہ زاد بھائی تھا مسطین کا استاد تھا۔ مرزا حاجی اُسکا بیٹا تھا یہ باپ بیٹے ہمیشہ ریڈیٹ کے ہمراہ رہتے تھے۔

کرنل کولنس تک سوائے سکوت صاحب کے اور ریڈیٹوں کی صحبت نواب سعادت علی خان کے ساتھ اچھی رہی اور لطف سے گزری اب چند وجوہ سے صورت مخالفت ظہور میں آئی جسکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ایکبار مرزا جعفر کو سیلی صاحب نے اپنے ہمراہ نواب کے پاس لا کر کھانے پر بیٹھے مگر نواب نے طوعاً و کرہاً اجازت تو دیدی مگر یہ امر نہایت ناگوار گذرا۔ اسلئے کہ نوکروں میں فقط چند شخصوں کو بیٹھنے کا حکم تھا مرزا جعفر لکھنؤ کے معاملات سے بخوبی واقف تھا اور چالاک آدمی تھا اکثر سہل معاملات کی رپورٹ ریڈیٹ سے مشکل تقریروں میں گورنر جنرل کو لکھاتا تھا کہ ریڈیٹ کا دبیدہ نواب پر قائم ہوا اس زمانے میں عہدہ گورنر جنرل پر لاؤنٹیننٹ تھے انھوں

ڈنکے کی چوٹ نہ پڑے کہ اس سے ہماری نیند اچلتی ہے اس عذاب سے نواب کو ٹھٹھانے کا وعدہ لارڈ مارٹنالملقب بہ مارکوئس ہیسٹنگز نے کیا نواب نے بھی گورنمنٹ کے خوش گزے کو ایک کروڑ روپیہ دینے کا وعدہ کیا کیونکہ اس وقت سرکار کمپنی کا خزانہ خالی تھا اور گورکھوں کے ساتھ لڑائی پھیرنے کا ارادہ تھا مگر جب لارڈ مارٹن اسٹیمین لکھنؤ کی طرف چلے تو نواب سعادت علی خان مر گئے۔

مختصر تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ فی الحقیقہ کریئل جان سیلی کا بھی قصہ نہیں کیونکہ بعض ادراہرین انکو بکاتے تھے اور اپنے تئیں سرکار کمپنی کا خیر خواہ ٹھہرتے تھے جب لارڈ مارٹن نے اول بار کوٹھی رزینیٹی میں کریئل سیلی سے ان لوگوں کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ لوگ سرکار کمپنی کے متوسل اور خیر خواہ ہیں لارڈ صاحب نے فرمایا کہ کس معنی سے آیا انھوں نے ضرورت کے وقت کمپنی کی مدد روپے سے کی یا فوج اور اسباب سے بلکہ ہماری دانست میں یہ سب صفت نواب صاحب میں ہے کہ ہر طرح سرکار کمپنی کے شریک دولت رہتے ہیں اور یہ لوگ تو مختصر اپنے بچاؤ کے واسطے ہماری پناہ میں آئے ہیں۔ جب اس طرح انھوں نے فرمایا تب ان لوگوں کے چہرے بگڑ گئے۔

نواب کو مسموم کیے جانے کی وجہ

مختصر تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ گورنر دہلی صاحب جن نواب صاحب کے خاص مصاحب اور نہایت دوست تھے اور یہاں کے حال سے بالکل واقف تھے اور بطور شخصیت ولایت کو لگے تھے انھوں نے ولایت میں یہ چاہا کہ اگر ایسے وقت میں نواب صاحب کے حق میں مجھ سے کچھ بہتری ہو سکے تو میرا نام ہو گا اور اس امر کی درستی کے واسطے کوئی تدبیر

اکثر انگریزوں کو خان مرحوم کی اولاد کی حمایت منظور تھی اس لیے نواب کی وہ خواہش ظہور میں نہ آ سکی (۳) خانہ زاد خان اور حیدر بخش خان الماس علی خان کے چیلے تھے نواب نے ان کے مال و اسباب کی ضبطی کی بڑی کوشش کی مگر مرزا جعفر کی حمایت کی وجہ سے مراد پوری نہ ہوئی اور وہ دونوں لکھنؤ سے تمام مال و اسباب لیکر نکل گئے۔

(۴) محمد رضا خان بن سرفراز الدولہ کے انتقال کے بعد اس گھر نے مین دو بھائی باقی تھے ایک غلام رضا خان دوسرا موسیٰ رضا خان جان پیلی صاحب نے سرفراز الدولہ کے متعلقین کی انتخواہ کے لیے اور مرزا جعفر کی تنخواہ کے واسطے بہت کوشش کی مگر نواب سعادت علی خان نے قبول نہ کیا آخر کار سرکار کبینی کے مہمان سے ایک ہزار روپے ماہوار سرفراز الدولہ کے ورثہ کے لیے اور تین سو روپیہ ماہوار مرزا جعفر کے لیے مقرر کر گئے۔

(۵) حسین علی خان بریلی کا چکلہ دار اور مرزا جعفر کا سہمی تھا جب وہ بریلی سے معزول ہو کر آیا تو نواب سعادت علی خان چاہتے تھے کہ اس کو عذاب محاسبہ میں مبتلا کریں مگر مرزا جعفر کی وجہ سے رزیڈنٹ نے اس کو چھوڑ دیا۔

ایسی ایسی صورتیں نواب کی اور رزیڈنٹ کی ناچاقی کا باعث ہوئیں نواب سعادت علی خان رزیڈنٹ کی ہتھکنڈ نہ سہت سہتے تھے کہ وہ سرکار انگریزی کی طرف سے فقط اخبار خیر و عافیت کے دریافت کرنے کے لیے مامور ہے اور طرفین کے خطوط و کاغذات کا پہنچانا اس سے متعلق ہے اور دوسرے کسی کام میں اس کو مداخلت نہیں اور رزیڈنٹ اس کے خلاف اپنے آپ کو تصور کرتا تھا اور اپنی جان کو ریاست کا نگران اور حاکم اعلیٰ سمجھتا تھا پس یہ صورتیں مخالفت کی تھیں یہاں تک کہ رزیڈنٹ نے نواب سعادت علی خان کا ناک میں دم کر رکھا تھا ہر کام میں ان کے دخل دیتا تھا خود ایسے نازک مزاج بنے تھے کہ نواب کے نوبت خانے میں حکم تھا کہ نثار خانے میں نقاسے پر

وقت گزارنے کے لیے ایک عجیب چورن تیار ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض افگریزون خصوصاً اورنی صاحب کی معرفت نواب صاحب نے بادشاہ لندن اور میران پارلیمنٹ سے اس امر کی درخواست کی تھی کہ مملکت ہندوستان میں جس قدر حصہ سرکار کمپنی کے قبضے میں ہے اسکی مستاجری نواب کو دیدیجائے۔ مصارف افواج اور لازمات کی خواہ منہا ہونے کے بعد بقدر روپیہ پس انداز ہوتا ہے اسکو نواب ادا کرتے رہیں گے اور سال بسال اضافہ بھی قبول کیا۔ ہندوستان کا حج خرچ اس زمانے میں ۵۴ کم کروڑ روپے کا تھا اور ہندوستان سے کمپنی کو بجز فاضلات کے کچھ پس انداز نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے یہ بات مان پسند کی گئی کہ نواب سعادت علی خان کو تمام ہندوستان کی مستاجری دیدیجائے کیونکہ نواب کی دولت مندی کا ہندوستان بھر میں جواب نہ تھا چنانچہ لارڈ مارا اس کام کی دستی کے لیے لندن سے گورنر جنرل کر کے بھیجے گئے تھے مگر گورنر جنرل کی تشریف آوری سے پیشتر ہی نواب کا انتقال ہو گیا یہ بات طلسم ہند میں بیان کی گئی ہے۔

انتقال نواب سعادت علی خان

نواب کی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر گئی تھی اور ورم بکروا ہستیا کے مرض میں مبتلا تھے کسی مہینے تک حکیم علی شریف نے معالجہ کیا مگر انکا کوئی علاج راست نہ آیا کسی قدر افاقہ ہوا تھا کہ حکیم صاحب کی اجازت سے نواب بتقریب غسل صحت تام جان پر ہوا ہوئے اور تھوٹے سے مصاحبوں کو اپنے ساتھ لیکر درگاہ حضرت عباس کی زیارت سے مشرف ہو کر تماشائے رقص و سرود میں مصروف ہوئے۔ بہر رات گئے آب یخنی طلب کیا نواب کے سارے رمضان علی خان نے جو دیوانے اور آبدار خانے اور دوا خانے کا افسر تھا حاضر کیا

سو جتنی نہ تھی آخر معلوم ہوا لارڈ مارٹا بادشاہ وقت یعنی جارج چہارم کے بڑے رفیق ہیں لیکن قرض داری کے سبب انکی سب املاک زمین ہو گئی ہیں گورنر ولزلی صاحب نے خیال کیا کہ اگر نواب صاحب ایسے وقت میں انکے ساتھ سلوک کریں تو اسکا ثمرہ کسی وقت مل رہے گا چنانچہ نواب صاحب کو اس مضمون کی ایک چٹھی بھیجی اور نواب صاحب نے حسب طرح بنا بطور تحفہ وغیرہ کے انکے پاس بہت کچھ بھجوا دیا۔ لارڈ مارٹا اس دوستی غائبانہ سے انکے بہت احسانمند ہوئے جب چوتھے جارج کے وقت میں یہ کلکتے کے گورنر جنرل ہوئے تو انھوں نے نواب صاحب کو ایک خط لکھا کہ میں ہندوستان اسی آرزو سے آیا ہوں کہ پہلے آپ کے مقدمات کی درستی کروں نواب صاحب اس بات سے بہت خوش ہوئے یہاں تک کہ اکثر اپنی صحبت میں کہتے تھے کہ گورنر جنرل آویں تو ہم نگر امون سے یوں نکھیں گے اور انکے حق میں یہ یہ کرینگے ان باتوں کو سنکر نگر امون چوتھے ہو گئے اور اپنی جان و مال کے خطرے سے نواب صاحب کی جان کے خوابان ہوئے قیصر التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے بحیلہ طلب تحائف چھ لاکھ روپے بھیجے تھے اور اس ضمن میں تین لاکھ روپے پل آہنی کی خریداری کے لیے بظاہر روانہ کیے۔

افضل التواریخ میں رام سہاس نے لکھا ہے کہ نصف ملک دینے کا صدر سعادت علی خان کے دل سے مخونہوا اور ہمیشہ تیسرا واپسی ملک منقسم و حصول دیگر مالک میں مصروف رہے اور کوشش بلینج سے وہ معاملہ صدر سرکار انگریزی سے درست ہو گیا قریب تھا کہ طور اس کا خاص و عام میں ہو سعادت علی خان نے تغل حزم و ہوشیاری کو کلید زبان سے کھول دیا اعزہ حاضر کی مجالس میں یہ لب پر آگیا راز فاش ہوا زمانہ کمین گاہ میں تتر صد وقت تھا ایک عزیز خاص خیسو مارستین کہنا چاہئے مطلع ہوا اس نے اسی شب نواب کو زہر ملاہل سے شہید کیا۔

(۳) لکھنؤ کے بے فکرے محضین کھانے کے ہضم کرنے سے زیادہ کوئی کام دشوار نہیں ان کے

تاریخ وفات زبان ناسخ سے -

افسوس کہ نواب یمن الدولہ از ملک فنارفت بحکم تقدیر
تاریخ وفات انوشتم ناسخ افسوس وزیر بود آصف تدبیر

دیگر

دستور جهان بحبت آمد

دیگر

ہاتھ بگفت آہ شدہ لکھنؤ خراب

دیگر

ناگمان رحلت ازین عالم نمود زینت افزا شد بفر دوس برین
من شنیدم سال تاریخش غریب آہ شد گنج سعادت درمین

دیگر

توقع نہ از دور چرخ مہر نس کہ دارد مدار قرارش بہ یک کس
فشارے دہر گر گلے از خارے برآرد ز شاخ دگر نور نورس
سعادت علی خان بہادر کہ بودہ بجلی و جزئی کل آگاہ و جزئیں
بہ بہت و دوم از رتبہ اعلیٰ شب ز تقسیم بے جوہرے سخت و ناکس
بنا گاہ جام شہسوارت چشیدہ فغان زد کہ عباس فریاد مارس
تباریخ فوٹن رقم کرد واثق کہ شد جنت آرام گاہ مقدس

فائدہ مجموعہ تحریرات خاندان مجتہد سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب نے حالت بیماری میں مولوی سدن وغیرہ کی وساطت سے شراب نوشی کی اجازت بطور علاج کے چاہی لیکن

بعض کہتے ہیں کہ جواہر علی خان خواجہ سرائے اپنے ہاتھ سے دیا وہ پی کر پیٹنگ پر آرام کیا
ابھی آنکھ نہ لگنے بائی تھی کہ طبیعت کا رنگ بدلنے لگا ایک بیک چونک کر تین بار حضرت
عباس علی کا نام مبارک لیا اور کلمات یاس زبان برائے اور غفلت کے ساتھ ولی عہد بہادر کو
یاد فرمایا حکیم مزار علی اور عصا بردار بھی ولیمہ کے پاس نہیں پہنچنے بلے تھے کہ روح نواب کے
جسم سے مفارقت کر گئی منگل کا دن تھا اور پہر بھرات گزری تھی اور ۶۳ برس اور کئی مہینے کی
عمر تھی قیصر التواریخ میں ۷۲ یا ۷۳ برس کی عمر غلط بتائی ہے کیونکہ وہ ۶۷ سالہ میں پیدا ہوئے
تھے اسی وقت جان پیلی رزیڈنٹ مع ایک ڈاکٹر اور چند سرداران انگریزی کے پہنچ گئے
میان شب حیات تمام تھی منہ سے خون جاری تھا۔

رزیڈنٹ نے نواب مرحوم کے سر ہٹے ہوئے پکڑائے اور پر سے دو شاہ اٹھوا دیا اور ڈاکٹر ولیم
نے رفع شک کیواسطے اُنکے گلے میں شمشیر الکر و نوں کپٹیوں میں نشتر مارا کہ ایک طرف سے دریا
خون اور دوسری جانب سے کچھ چربی نکل رہ گئی پس اُنکو مرنے کا یقین ہو گیا یہ بات مختص
تاریخ اودھ میں مذکور ہے۔

سید الدار علی صاحب مجتہد نے اگر لاش کو غسل دیکر کفن پٹیا یا حاضرین کا بیان ہے کہ
سینے پر نیلگون لکیر تھی رمضان علی خان کی نسبت زہر خورانی کا شبہ ہوا جہیز و کفین کے بعد جس
مکان میں غازی الدین حیدر خود رہتے تھے اُس میں مدفون ہوئے مشہور ہے کہ جب غازی الدین حیدر
مسند نشین ہوئے تو ظاہر کیا کہ جب میں نواب مرحوم کی مسند اور محل پر قابض ہوا تو مجھے لازم ہے
کہ اپنا مکان اُنکو دونوں اس خیال سے فوراً حکم دیا کہ جس مکان میں وہ رہتے تھے اُنکو مسما کر کے
ایک قبر نواب مرحوم کی تعمیر ہو۔ یہ سانحہ جاگداز ۱۱ جولائی ۱۷۸۷ء مطابق ۲۱ جب ۱۲۷۰ھ
گذر بعض تاریخوں میں تاریخ انتقال اسکے خلاف بیان کی ہے ان کا لقب بعلافات جنت آدم کا مقرر ہوا

انکے شاگرد تھے۔ یہ لوگ بھی اُستاد کی رفاقت میں ترک وطن پر آمادہ ہو گئے انشاء اللہ خان نے امیر علی صاحب کے جانے کا سبب پوچھا تو وہ معاملہ معلوم ہوا۔ سید صاحب نواب کے نہایت مقرب تھے اُسی وقت دربار میں پہونچے نواب سعادت علی خان نے دوبارہ انیکا سبب دریافت کیا انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا ایک شعر یہ ہے۔

دولت بنی ہے اور سعادت علی بنا یارب بنا۔ بنی میں ہمیشہ بنی رہے
 پھر کہا کہ حضور غلام جو اس وقت رخصت ہو کر چلا تو دل سے کہا کہ اپنے دو دلہا کی دُلہن
 (عروس سلطنت) کو فراد کیوں۔ حضور واقعی کہ بارہا بھرن سولہ سنگھار سے سچی تھی۔ سر پر
 جھوم وہ کون مولوی دلدار علی صاحب کا نوں میں جھکے وہ کون دو نوں صاحبزادے گئے
 میں نو لکھا مار وہ کون تفضل حسین خان علامہ غرض اسی طرح چند زیور وں کا نام لیکر لکھا کہ حضور
 غور جو کرتا ہوں تو ناگ میں تھ نہیں دل دھک سے ہو گیا کہ اللہ سہاگ کو قائم رکھے یہ کیا
 نواب نے پوچھا وہ کون کہا حضور نتھ امیر علی صاحب بعد اسکے کیفیت مفصل بیان کی نواب نے
 ہنس کر کہا کہ اُنکی دراندیشیاں یہاں ہیں۔ میں ایسے صاحب کمال کو فخر کھنڈو سمجھتا ہوں۔ غرض اُنکی
 تسلی کے لیے دو سو روپیہ درماہ خانہ نشینی مقرر کر کے پروانہ اور ۵۰۰ روپے کا خلعت امیر علی صاحب
 کے واسطے انشاء اللہ خان کے ہاتھ بھیجا۔

مرزا محمد حسین قتیل جو پہلے ہندو مذہب فرید آباد کے کھتری تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ نظم
 و نثر میں اُستادی کے رتبے کو پہونچ گئے تھے قواعد فارسی وغیرہ کے بیان میں اُنکے کئی
 چھوٹے چھوٹے رسالے اور ایک دیوان فارسی اُنکا مشہور و معروف ہے اور ۳۳۳ ہجری میں
 وفات پائی۔ مگر حافظ شیخ محمد ساکن قصبہ دیوان علاقہ لکھنؤ نے جو مرزا کے ایک مصرع سے
 تاریخ وفات نکالی ہے اس سے ۳۳۳ھ میں انتقال کرنا ثابت ہوتا ہے۔

اجازت اس بات کی نہ دی گئی اس سے معلوم ہوا کہ نواب آخر عمر میں بے کشتی سے تائب ہو چکے تھے۔

نواب کی عادات اور دلی شوق - میلان طبعی اہل علم و شرفا کی قدردانی

نواب سعادت علی خان ارباب کمال کے ساتھ لطف و عنایت سے پیش آتے تھے ایک شخص خاندان مجدد اولہ عبد المجید خان سے جو شاہ عالم ثانی کے امر سے تھا ادب و قاعدہ سلطنت سے آشنا وضع قدیم پر پگڑی باندھے اور کپڑے پہنے سواری باریاب مجرا ہوا نواب نے آکر لیا کہ یہ چراغ کسی عمدہ خاندان کا ہے بلا کر نوکر رکھا اور پیش قرار تنخواہ مقرر کر دی یہ لیا باقی خان کے جوہنگارے کے رئیسوں سے تھے سات سو روپے مقرر کیے اور انکی بہت پاسداری کرتے تھے۔ سبحان علی خان اور تلج الدین حسین خان کنبوہ بھی انکی قدردانی سے سرفراز تھے یہ دونوں شخص سرکار انگریزی میں تحصیلدار تھے لیکن انکی ثروت اور دولت مندی کی بنیاد اس عمدہ کے بعد سے پڑی۔ خواجہ باسط کے نواسے میر میر علی ایک سوز خوان تھے کہ علم موسیقی میں انھوں نے پایہ کمال حاصل کیا تھا مگر اپنے گھر ہی میں مجلس کر کے پڑھتے تھے نواب نے انکے شہرہ کمال سے مشتاق ہو کر طلب کیا انھوں نے انکار کیا اور کئی پیام و سلام کے بعد یہ بھی کہا کہ اگر وہ حاکم وقت ہیں تو میں سیادت کے اعتبار سے شاہزادہ ہوں انھیں میرے یہاں آنے سے عار کیا ہے نواب نے کہا کہ سید میرے یہاں ہزاروں سے زیادہ ہیں میرے صاحب نے اگر خیر پیدا کیا تو یہی کیا کہ سید تھے اب دوم بھی ہو گئے خیر انھیں اختیار ہے۔ امیر علی صاحب نے یہ سن کر خیالات چند و چند سے دکن کا ارادہ کیا۔ سید انشا اللہ خان کے بھتیجے بھلے بھی

قلم سے یہ فقرہ تحریر کیا منشی نو کہ لفظ نوع رابطہ زانو نوشتہ عین خطا کردہ اندھا اور وہ یہ
جرمانہ گیر نما اس بن لطف یہ رکھا تھا کہ لفظ عین کے مترادف ہیں اتفاقاً کسی جلسے میں نواب کے
قلم سے اعلیٰ غلط نکل گیا منشی بھولانا تھا متعین منشی خانہ نے وہ کاغذ حضور میں لا کر عرض کیا کہ آج
صحت اس لفظ کی خانہ زاد کو ہوئی کہ اس اعلیٰ سے درست ہے نواب نے اپنی نسبت اس طرح
جرمانہ کیا کہ منشی خانہ کے جملہ منشیوں کی خواہ وہ چند ہو گئی اس وقت کا فن کہاں ہی تھا کہ زبان
فاسی یا اردو یا عربی میں نظم و شعر لکھنا بعض قریب الفہم محاسنات بیچی اور پیش پا افتادہ
اور ان شعر سے واقفیت رکھنا یا از خود کسے کسے کی مولیٰ مولیٰ باتیں زبان عربی میں طوطے
کی طرح رت سینا وغیرہ وغیرہ۔

ایک خیاط نوکر قدیم نے عرضی اضافہ سناش کی کہ اتنی نواب نے اس پر دستخط کیے
گزین را با آسان دوزی نہ دہندت زیادہ از روزی

انشاء اللہ خان دریائے لطافت میں سعادت علی خان کی فصاحت لسانی کی بڑی تعریف
کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جس کسی کو میر تقی میر کی خوشامد کا گمان ہو اس کو نواب کے
حضور میں خاص کر بولی کے موسم میں آنا ضروری ہے تاکہ دیکھے کہ راہ اندر پر بون کے لکھاٹے
میں اچھا معلوم ہوتا ہے یا نواب جو شہزادہ و نیکو شخص میں اور اس قدر دانی کی وجہ سے دہلی
کے تمام اہل کمال لکھنؤ میں پہلے آئے اور جو کچھ اہل دہلی کو نواب کے سایہ عاطفت میں
میسرے وہ دہلی میں خواب میں بھی میسر نہیں۔

نواب سہادت علی خان ارباب نشاط کے بھی بڑے قدردان تھے۔ ایک شخص پر گاش
نامہ آبا و اتے آیا تھا اور لکھنؤ میں اپنے فن والوں سے گوسبت لے گیا تھا بتائے
اور کوری پر قرض کرتا تھا اور کوئی دقیقہ علم موسیقی کا اس سے فرو گذاشت نہیں ہوتا تھا

خود آن کا فرگفتا با سر کفر قاتل کا فرامیسا نے نذر د

ایک دن انکو بھی نواب سادات علی خان نے طلب فرمایا اور ملاقات چاہی مگر یہ شخص بہت آزاد وضع تھا عرض کرایا کہ حصول دولت ملازمت عین سعادت ہے لیکن چند عادات اپنی وضع آزاد نے پسند کی ہیں ایک یہ کہ مراریہ (حقہ گلی) سے طبیعت بہت مانوس ہے اور اس سے ہر دم شغل رہتا ہے۔ دوسرے دستار سے طبیعت الجبّتی ہے فقط کلاہ سادہ سبوع طبع ہے تیسرے جو علم حاصل کیا ہے اسکی تعظیم و تکریم کا امیدوار ہوں۔ اگر یہ تینوں صورتیں ناگوار خاطر عالی نہوں تو طلب فرمایا کہ فقیر حاضر ہے اور اگر خلاف اسے بند گان حضور ہے تو قیام نامنظور ہے۔ نواب نے کہ علم دوست اور ہنر آشنا تھے یہ باتیں قبول فرمائیں اور بے تحلف آئینگی اجازت دی۔ مگر تعظیم کو کس پر دے میں بجایا کہ جسوقت مرزا قاتل کے دروازے پر پہنچ جائے کی خبر ہوئی پہلے سے اٹھکر ٹھکنا شروع کیا جسوقت مرزا نے دروازے میں قدم کھاپلے کھڑے کھڑے ملاقات ہوئی بعد اسکے بیٹھے باقی حقہ رہا اور اسکی طرف نواب نے آپ توجہ نہیں فرمائی اور اُدھر مرزا نے بھی دم نہیں مارا۔ رہی کلاہ سادہ دہریہ سر تھی۔ نواب کی انشا پر داز بی بھی مشہور تھی اور نواب ہر امر میں سلیقہ اور صفائی کے پابند تھے انھوں نے حکم دیا تھا کہ اہل فن و خوشخط لکھیں اور فی غلطی حرف پنج روپیہ جرمانہ اور فی لفظ ایک روپیہ جرمانہ اتفاقاً اسے درجے کے اہل انشاء میں مولوی سخن ایک شخص تھے انھوں نے فرد حساب میں اجناس کو جٹا لکھ دیا۔ نواب سادات علی خان تو خود ہر شے پر نظر رکھتے تھے انکی بھی نگاہ پر گئی مولویوں کو جواب دینے میں کمال ہوتا ہے انھوں نے کچھ قاموس اور کچھ صراح سے اجناس کے معنی بتائے کچھ قواعد نحو سے ترمیم میں لینگے نواب نے یہ انشاء اللہ خان شاعر کو اشارہ کیا انھوں نے اسے رباعیوں اور قطعوں کے اُتار دیا ایک منشی نے نوع کو نو لکھ دیا تھا نواب نے اپنے خاص

تمام گزرا لکھنؤ میں بہار تھی اگرچہ شگفتہ طبعی ہر جیسے جی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ہے مگر نہ اس قدر جیسا کہ اہل لکھنؤ نے اس میں حصہ لیا تھا اور دلیل اس پر یہ ہے کہ میر انشاء اللہ خان متخلص بہ انشاء نے جو نواب سعادت علی خان کے بڑے مصاحب اور انکی خلوت و جلوت کے شریک تھے نواب کے حکم اور انکے نہایت شوق سے کتاب دریاے لطافت زبان اُردو کی صرف و نحو و منطق و عروض و قافیہ و بیان میں لکھی ہے اور جیسا کہ زبان عربی اور فارسی میں ان علوم کی تحقیق کی گئی ہے اسی کے مطابق اس کتاب کو آراستہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور زخمیہ رہ جاو دانی سمجھا ہے اس کتاب میں ایسے تسخیر اور استہزائے خوش کا خاکہ اڑایا ہے کہ انکو دیکھ کر شایستگی کبھی انھیں بند کر لیتی ہے کبھی قانون میں انگلیاں دے لیتی ہے اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل لکھنؤ کی طبیعتیں عوام سے بیکر خواص تک عیاشی کی طرف نہایت مائل تھیں اور اصلی تہذیب و شایستگی مزاجوں میں بہت کم باقی تھی اور اسکی تصنیف میں مزاحمت قتل بھی شریک ہیں مگر اس عام میں سب ننگے تھے انکے بیان بھی سولے شہدین کے کوئی بات نہیں تمام کتاب میں مثالیں بھی وہی دی ہیں جن میں عورتوں کے متعلق خرافات ہے مثلاً مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن کی جگہ پر سی خانم پر سی خانم پر سی خانم پر سی خانم کہتے ہیں فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن کی جگہ چت لگن چت لگن چت لگن چت لگن چت لگن مفاعیلن مفعول مفاعیلن کی جگہ بی جان پر سی خانم بی جان پر سی خانم کہتے ہیں اور مفعول فاعلان مفعول فاعلان کی جگہ کہتے ہیں لگوڑ بی جان لگوڑ بی جان - صنعت عکس کی مثال میں لکھتے ہیں ۵ پیاز دوہین دیگی بلا کر ٹی گالی - صنعت تو شیخ کی مثال میں لکھتے ہیں پیاز دوہین آج کیا کے یا نے بندی کے گھر ناحق ناحق الفو کے سامنے مارا گھر میں سندری بھی سودہ دوسرا لی گاتی بانہ سے جوڑی بجار ہی تھی خوب جب غل ہوا تو اٹھ گئی اور کوٹھے پر جا کر لیٹ رہی

نواب تک پہنچا نواب نے اسکی بیش قرار خواہ مقرر کر کے جا بجا جائیکی مانعت کی۔ سندر
 طوائف نواب آصف الدولہ کی نوکر تھی اور وہ وزیر علی خان کے عہد میں محل سے نکلے تھی
 خیال گلے میں لیتا تھی اور حسن و جمال میں بے مثل تھی نواب سادات علی خان بھی اس کے
 حسن پر فریفتہ ہو کر جویلے مواصلت تھے۔ جب یہ نواب ہوئے تو وہ طوائف سید قائم علی
 فرزند میر نور داستان گو پر فریفتہ تھی نواب نے یہ خبر سن لی تو اکثر اس سے فرماتے تھے کہ ہر چند
 دل سے تجھ پر رغبت ہے لیکن تیری طبیعت دوسری جانب گرفتار ہے اسلئے مجھ کو تیرے
 وصل سے انکار ہے کہ بے لذت ہے۔ غرض اس قدر طبیعت پر قابو تھا کہ گو اس پر مائل تھے لیکن
 عالم سے کشی میں بھی کہ کیا وحجاب کا خون کرتی ہے اسکی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور انعام وغیرہ
 دیتے رہے نواب ایسے حسن دوست تھے کہ اہل شہر حسن پرستی کا لفظ انکی نسبت اطلاق
 کرتے تھے نواب کو دانشمندان اور صاحب کمالوں سے صحبت میں گرم جوشیاں تھیں
 اور بے علموں سے نفرت کھی تھی۔ ایک دن ایک گدھا رمنہ ناص میں گھس آیا اور بچھڑوں کا
 دانہ کھانے لگا نواب کی نظر پر چڑھ گیا گرفتار ہوا منسارام نام رکھا گیا اور وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ایک
 شخص منسارام نہایت احمق تھا اسکو خر کہتے تھے۔ یہ گدھا چند گدھیوں پر چھوڑا گیا بہت سے
 بچے پیدا ہوئے۔ ایک دن نواب محل میں داخل ہوئے محل کی عورتوں کو دیکھا کہ باولہ اور مقیش سے
 زبور تیار کر کے گردن اور گلے میں پہنا ہے خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ تمام طلائی اور مرصع کار زیور
 انکے چھین لو اس حکم کی تعمیل ہوئی چند روز ضبط رہا اور پھر عنایت ہوا۔

لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اسوقت میں بھی اہل لکھنؤ نے کوئی اخلاقی اور مادی
 ترقی نئی اور نہ علم و فنون میں کار آمد تصنیفات کا ذخیرہ جمع ہوا جس سے لکھنؤ اور اہل لکھنؤ کو
 نیکنامی اور دولت و پاداشی ملتی ہوتی عیش و عشرت دلو و لعب اور ہنسی و مذاق کی

نواب سعادت علی خان کو اپنی تمام سگیاں میں جلال الدولہ کی مان سے زیادہ محبت تھی بنارس میں اُس کو اپنی زوجہ بنایا تھا۔ پہلے یہ بیگم ٹاٹ محل کے نام سے مشہور تھی اب خاص محل خطاب ہوا کہتے ہیں کہ اس بیگم کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا بیٹا ایک نجوی نے نواب سے عرض کیا تھا کہ اس کا خاصہ یہ ہے کہ بادشاہ یا وزیر کی بی بی ہو۔ مگر مجھے تعجب ہوتا ہے کہ حضور نے اُسے عوام سے داخل خواص محل کیا۔ نواب نے اپنی مسند نشینی کے بعد اس کو نواب گنج کا علاقہ جسکی جمع ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ تھی عطا کیا۔

تنبیہ جب میں نواب کی اولاد پر نظر کرتا ہوں تو افسوس ہوتا ہے کہ اُن کا جانشین ایسا صاحب توفیق نہوا کہ اُن کے مصلح کی پیروی کرتا اور دست و بازو دولت و اقبال کا ہوتا نواب کی زبان سے شمس الدولہ اور جلال الدولہ کی نسبت کبھی کبھی نکل جاتا تھا کہ بڑے مرزا سے تو یہ دونوں ہونا معلوم ہوتے ہیں۔ مگر بڑے بیٹے کے ہوتے ان کا کچھ حق نہ تھا۔

نواب سعادت علی خان کے بیٹے صاحبات محل سے

- (۱) نواب غازی الدین حیدر خان عرف بڑے مرزا۔
- (۲) نواب احمد علی خان المخاطب بہ شمس الدولہ نجم الملک صولت جنگ انکی شادی حضرت بیگم بنت نواب شوکہ الدولہ عرف مرزا حیات سے ہوئی۔
- (۳) نصیر الدولہ مرزا محمد علی خان۔ یہ جہان آرا بیگم عرف کھیتو بیگم بنت نواب حسین الدین خان سے لکھا ہوئے نقش سلیمان میں لکھا ہے کہ یہ حسین الدین خان ذریعہ قمر الدین وزیر اعظم محمد شاہ سے تھے اور یہ صف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ میں آکر مقیم ہوئے تھے ان کے ایک بیٹا تھا جس کا نام امام الدین خان عرف جو جم صاحب تھا اور ایک بیٹی تھی جو نواب نصیر الدولہ سے

اور جو نوجوان تھیں ہے کہ نے لکین سرفراز و تورونی، صنعت معرب کی مثال میں لکھتے ہیں : ”اسے تیری بیٹی کے چچے میں منج ایضاً چنیاں کب کا وعدہ کر گیا ہے مان کا لوڑا اب تک آئے ایضاً جو تم جھک کوں دو تو تم کو گدہ دوں“ اور زفاف کا نام سنگار رکھا ہے اور رکن سالم کا صاحب طائفہ رفاصہ و خانگی اور فرخ کا نوچہ صاحب طائفہ یا کینر ان خانگی نام مقرر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل لکھنؤ ایسی باتوں کے نہایت دلدادہ تھے انکو عیش و نشاط اور صحبت ارباب نشاط کے سوا کسی امر ترقی نہ لگا دیکھتے اور فادہ خلافت کی طرف توجہ بہت ہی کم تھی اور نواب بھی ادھر بڑی رغبت رکھتے تھے جس کی بدولت زمانہ مزاجی و بیہوشی اور بزدلی عام لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی۔

نواب سعادت علی خان کی ازواج و اولاد

آر دین صاحب نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ خان خانان پیر اکبر خان خلیفہ نجیب نواب محمد خان بگٹش والی فرخ آباد کی بیٹی نواب سعادت علی خان کو منسوب ہوئی تھی لیکن نواب احمد خان نے شادی روک دی اور کہا کہ جب تک لکھنؤ کے خاندان کی کوئی لڑکی میرے بیٹے محمود خان کو نہ ملے گی تب تک خان خانان کی لڑکی لکھنؤ نہ جائیگی نواب سعادت علی خان کی اس بی بی کا نام جس سے اکبر آباد میں بیاہ ہوا تھا اور خاص محل کسٹانی تھی انفسل بیگم ہے اس کے باپ کا نام مدار الدولہ سید یوسف علی خان تھا اور ان کا نام مستورہ بیگم بنارس میں انتقال کیا درگا گنڈ کے پاس مقبرہ ہے۔ اس بیگم سے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے ایک کا نام امیر مرزا خان تھا اور دوسرے کا امر او مرزا خان ایک چھپک سے دوسرے مرض الموت سے طفولیت میں مر گیا۔

انکا عقد نکاح نواب عباس قلی خان کی بیٹی سے کیا تھا جن سے نہ موافقت رہی نہ اولاد رہی ایک اور بی بی سے دو بیٹے شمس الدولہ اور آفتاب الدولہ پیدا ہوئے افضل التواریخ میں انکی اولاد کا نام امیر الدولہ احتشام الملک علی حسین خان بہادر شجاعت جنگ اور شمس الدولہ ممتاز الملک علی حسن خان بہادر مستقیم جنگ لکھا ہے جبکہ نواب سعادت علی خان کا خطاب ناظم الملک تھا تو انکی وفات کے بعد یہ خطاب مرزا محمد حسن خان کو ملا ہو گا مین نے افضل التواریخ میں یہ خطاب انکے نام کے ساتھ دیکھا ہے۔ یا نظام الملک کہ ناظم الملک کر دیا ہے۔

نواب کی بیٹیاں صاحبات محل سے

(۱) خیر النساء یہ سب بہنوں سے بڑی تھیں اور غازی الدین حیدر کی حقیقی بہن تھیں انکی شادی میر شاہ علی بن نواب قاسم علی خان عالیجاہ سے ہوئی انکے بطن سے اولاد نہ ہوئی انھوں نے ایک لڑکی اپنی اولاد کی طرح پرورش کی تھی جسکی شادی غازی الدین حیدر کے عہد میں مرزا نظام الدین حیدر بن نواب نجابت علی خان سے کی گئی۔

(۲) فاطمہ بیگم یہ نصیر الدولہ کی حقیقی بہن تھیں انکی شادی مرزا ابوطالب خان سے ہوئی تھی افضل التواریخ میں لکھا ہے کہ انکے بھائی نے اپنے عہد حکومت میں انکو زبدۃ النواہین عصمت قباب تھیں احتجاب ملکہ زمان شریف النساء نواب فاطمہ بیگم لقب دیا تھا۔

(۳) فخر النساء بیگم انکی شادی نواب میر گل بن نواب قاسم علی خان عالیجاہ سے ہوئی ان کے ایک بیٹی مسماۃ وزیر بیگم پیدا ہوئی جس کی شادی مرزا شاہ میر خان کے بیٹے سے ہوئی تھی۔

(۴) دلاستی بیگم انکی شادی نواب حسین الدین خان بن نواب امام الدین خان سے

بیاہی گئی۔ لیکن قیصر التوارنج میں مذکور ہے کہ امام الدین خان کی بیٹی سے نصیر الدولہ
 لکھنؤ ہوئے تھے اور یہ امام الدین خان حسین الدین خان کے باپ تھے۔

(۴) نواب ضیاء الدولہ مرزا کاظم علی خان بہادر ذوالفقار جنگ انکی شادی لطف علی خان
 کی بیٹی کے ساتھ ہوئی جو مجنوں تھی کوئی اسکے بطن سے اولاد نہ ہوئی۔

(۵) نواب عماد الدولہ بجاہ الملک مرزا حسین علی خان عبادت جنگ انکی نسبت شہناز علی خان
 عرف مرزا مجنوں کی بیٹی سے ہوئی نصیر الدین حیدر کے وقت میں رخصت عروس ہوئی تھی۔

افضل التوارنج میں بہاء الدولہ منیر الملک حسین علی خان بہادر جلالت جنگ لکھا ہے
 (۶) نواب عماد الدولہ حسین الملک ضرغام جنگ مرزا جعفر علی خان انکا عقد سماء وزیر سلیم
 بنت میرن صاحب ابن میر نعیم خان سے ہوا۔

(۷) نواب صادق علی خان انکی شادی نواب نور علی خان ساکن سرنگ پٹن ایک
 مدراسی امیر کی بہن کے ساتھ ہوئی۔

(۸) نواب جلال الدولہ شجاع الملک محمد علی خان بہادر شجاعت جنگ انکی شادی
 نہیں ہوئی بنام نامی امر فقط دو تین حرم تحمین افضل التوارنج میں لکھا ہے کہ یہ جلال الدولہ
 نشاط باغ املاک ہمارا حاکمیت اسے تین آشر مقیم رہتے تھے مشہور یہ ہے کہ دو تین رعارت
 عوام سے صحبت تخلیہ میں حاضر رہتی تھیں۔

(۹) نواب اقتدار الدولہ مرزا کلب علی خان یہ نواب خاص محل کے پاس رہتے تھے
 سعادت علی خان کے انتقال کے بعد غازی الدین حیدر نے چار ہزار روپیہ درماہ مقرر کر دیا
 اپنے سب بھائیوں میں بہت لائق تھے انکی شادی خود پسندی سے ہوئی تھی۔

(۱۰) نواب کن الدولہ ناظم الملک مرزا محمد حسن خان بہادر بہرام جنگ غازی الدین حیدر نے

ہاتھوں سے ہوتا تھا بٹے بیٹے غازی الدین حیدر بڑے مرزا کے نام سے پکارتے جاتے تھے عیش و عشرت انکی گھٹی مین بڑی تھی مگر مزاج مین جرأت خدا داد تھی جب عوام کی نظر بآسباب ظاہر و احوال تحت و تلج مالک باج و خراج ہونے کے واسطے پڑتی تھی تب انکی نگاہ خونخوار شیرازہ دیکھی جاتی تھی اور اکثر زبان سے یہی نکل گیا ہے کہ میرے سوا کسکو دست قدرت ہے کہ سیر و سلطنت پر قدم رکھے اس بہت مردانہ کی سند اس روایت مقبرے ملتی ہے کہ ایک مرتبہ نواب سعادت علی خان نے اپنے سب فرزندوں کو واسطے تعمیر عمارت کے روپیہ عطا فرمایا سب نے عمارتیں اپنی اپنی ضرورت کے موافق بنالیں لیکن انھوں نے دوسرے کاموں میں اپنا روپیہ صرف کر ڈالا جب یہ خبر نواب صاحب کو پہونچی انکو طلب کر کے دریافت کیا کہ تمھارے بھائیوں نے تو اپنی بی عمارتیں تیار کر لیں تم نے اب تک کیوں توقف کیا بڑے مرزا نے عرض کیا کہ جو عمارتیں حضور تعمیر فرما رہے ہیں وہی میرے لیے کافی ہیں اس جواب سے نواب خاموش رہ گئے اور سمجھ گئے کہ کاتب تقدیر نے فرمان تحت نشینی ہی دلا دے نام لکھا ہے چنانچہ وہی حاملہ پیش آیا۔

غازی الدین حیدر کی تخت نشینی

ایک پہرات باقی تھی کہ نواب رمضان علی خان داروغہ دیوان خانہ نے جو نواب سعادت علی خان کا سالار اور بہت اعتماد و شمس الدولہ کا مین تھا فوراً دوڑ کر کرنیل جان سلی صاحب رزیدنٹ کو اس امر کی اطلاع کی انھوں نے اسوقت ایک شہر کو حکم دیا کہ منڈیاؤں کی چھانڈنی سے پلٹو نکو بندوبست کے واسطے لائے اور مرزا جعفر اور مرزا حاجی کو بلانے کے واسطے ایک آدمی کو بھیجا اور ڈاکٹر و فسن صاحب اور کپتان فاجن صاحب اور ۲۳ سپاہیوں کو اپنے ساتھ لیکر فرج بخش مین پہونچے اور سب دروازے ایوان شاہی کے بند کر کے مناسب موقع پر پہرے کھڑے کر دیے شمس الدولہ اپنی فکر مین مصروف تھے

ہوئی۔ نواب حسین الدین خان واجد علی شاہ کے ناما تھے جیسا کہ قیصر التواریخ میں ہے۔ لیکن نقش سلیمان میں لکھا ہے کہ امام الدین خان کے ساتھ ولایتی بیگم بیاہی گئی تھیں جو حسین الدین خان کے بیٹے تھے۔

(۵) ننھی بیگم انکی شادی نواب احمد علی خان بن نواب محمد علی خان سے ہوئی۔

رفیع الدولہ رفیع الملک غازی الدین حیدر خان شہامت جنگ بن نواب سعادت علی خان

نواب موصوف ۲۴۔ اگست ۱۷۷۷ء مطابق عشرہ ثانیہ جمادی الاخری ۱۱۹۸ھ ہجری
مقام بھولی میں پیدا ہوئے تھے جیسا کہ تاریخ شاہیہ نیشاوریہ میں ہے سو ق میں شجاع الدولہ
روسیلکھنڈ میں روہیلوئے امتیصال کے لیے گئے ہوئے تھے انکی عمر مسند نشینی کے وقت
اکتالیس برس کی تھی۔

افضل النوار پنج میں لکھا ہے کہ نواب سعادت علی خان کالتقات دلی شمس الدولہ پر
بہ نسبت دوسرے فرزندوں کے بوجہ یاقت و کارگزاری کے زائد تھا اور اسوجہ سے کاریا بت
انکے تفویض رہا مرزا غازی الدین حیدر عرف بڑے مرزا سے جواز روے شرع و رواج خاندان
مستحق ریاست تھے کشیدہ خاطر رہتے تھے ان وجوہ سے ہر شخص کو یہ گمان قوی تھا کہ بعد
رحلت نواب سعادت علی خان کے شمس الدولہ بہ محرومی فرزند اکبر مسند نشین ہوں گے
ہر دو فریق کے کارپرداز اور خیر خواہ اپنے اپنے آقا کے سود و بہبود میں سرگرم رہتے تھے
تاریخ اجودھیا میں لکھا ہے کہ نواب سعادت علی خان کے وقت میں انکے
فرزند دو شمس الدولہ کارپرداز مہمات سلطنت تھے اور تمام تراجیلے کار ممالک انھیں کے

پہلے تو انھوں نے کچھ توجہ نہ کی جب انھوں نے کئی بار کہا تب کرنل صاحب روکھے ہو کر بولے کہ ہاں ہاں مجھے معلوم ہے جو آپ کہیں گے وہ دیوانہ ہے مرزا جعفر نے بھی یہ ہم ہو کر کہا کہ میری ایک بات تو سن لو کہ قانون اور ضابطہ کے موافق بڑی اولاد کو ریاست کا حق پہنچتا ہے اگر اسکی دیوانگی صد میں ثابت ہو جائیگی تو اسے بٹھانے اور اٹھانے کا سرکار کو اختیار ہے رزیڈنٹ نے اس بات کو سن کر مجلس مشورت آراستہ کی بعض اشخاص شمس الدولہ کی قابلیت کو ترجیح دیتے تھے اور اکثر استحقاق کو مقدم کرتے تھے ہنوز کوئی امر طے ہونے نہیں پایا تھا کہ رزیڈنٹ نواب سادات علی خان کی لاش پر مع ڈاکٹر بھت تصدیق وفات لے چکے تھے پھر بادشاہ نے فوراً رزیڈنٹ کا ہاتھ پکڑ لیا جس سے غالباً درخواست دستگیری بختمی تھی اور ایسی کچھ تقریر کی کہ نئے خیالات بدل گئے اور قبائلی شاہی انھیں کے قامت زیر بار راست دیکھی جو کلمہ رزیڈنٹ کی زبان سے نکلا روایت کیا جاتا ہے کہ آپ مطمئن رہیں آپ ہی مسند نشین ہونگے رزیڈنٹ اپنے ہمراہی انگریزوں کے ساتھ تھوڑی دیر غلوت میں کچھ گفتگو کرتے رہے اور پھر غازی الدین حیدر سے تحلیہ کر کے باہم عہد و بیان مستحکم کر لیا اور نصیر الدولہ وغیرہ ان کے دوسرے بھائیوں سے کہا کہ نواب سادات علی خان کے مرنے کا ہلکا کمال نہ ہے۔ مگر پھر صبر کے کیا کیا جائے تم بھی صبر کرو اور نواب غازی الدین حیدر کو بمنزلے جہاں بعلی کے تصور کرو کیونکہ وہ سب سے بڑے بیٹے ہیں یہ بھی بزرگانہ طریق سے پیش آکر کوئی مہربانی کا اندر نہ رکھیں گے کیونکہ یہ خلاف سے دور ہیں سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم والد کی حیات ہی میں انکو باپ سے کم نہیں جانتے تھے اور اب کہ سرکار کیپنی کی اعانت سے رئیس ہوتے ہیں تو پھر کیسے ہم انکو جہاں بعلی سے کم سمجھیں گے بہر صورت ہم انکو اسی طرح اب بھی سمجھتے ہیں جبکہ رزیڈنٹ انکی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا تو شمس الدولہ کو جو انگریزی سپاہیوں کی ممانعت کی وجہ سے

اور رزیدنٹ کا خیال بھی شاید بجا تھا کارپردازی انھیں کی جانب تھا اور حقیقت یہ نوجوان
 بار فرما زوالی اٹھائیں کی قابلیت بھی لکھتا تھا مگر مشیت ایزدی کچھ اور تھی رزیدنٹ اس فکر میں
 تھے کہ شمس الدولہ نماز پڑھنے کو اپنے مکان کو روانہ ہوئے حکیم ظفر علی خان ان کے مصاحب نے
 عرض کیا کہ اس وقت یہاں سے آپکا جانا مناسب نہیں مگر انکو غرہ تھا کہ رایت میرے لیے
 ہے اگر میں یہاں نہ ہوں کتاب بھی ضرور ہے کہ طلب کر کے رئیس بنایا جاؤ گا اس لیے جواب دیا
 کہ میرے یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں جب تک میں یہاں نہ آ جاؤں گا یہ امر ملٹوی
 رہیگا محمد غلامی نواب مرحوم کے ایک اردلی نے نواب غازی الدین حیدر کے پاس جا کر یہ سب
 حال کہہ سنایا اور راجہ بنجا اور سنگھ نے گزارش کیا کہ یہی وقت کشن دیکش کلے خود بدولت فوراً اٹھ کر
 ہوئے تھوڑا دور دو رفیق مرنے مارنے والے ساتھ تھے ہر طرف کے دروازے بند پائے ہمت نے
 کندو والی مع راجہ بنجا اور سنگھ ایک دیوار پر چڑھ کر نواب خاص محل کے محل کی سقف سے
 بارہ درسی میں داخل ہوئے اور اس مقام پر جا پہنچے جہاں لاش نواب کی دکھی تھی تو
 خونخوار نے ایک ہاتھ چل کر پہرے والے کے سر سے اپنی نذر کی اور یہ بالین پڑ پر اگر ایک طرف
 بیٹھے خود رو رہے تھے مگر دوسری جانب انکا انبال ہنس رہا تھا آغا میر بھی کہیں سے راہ پا کر
 آ موجود ہوئے رزیدنٹ یہ خبر پا کر غور میں پڑ گئے اور اپنے ہمراہیوں سے انگریزی میں کچھ لکھوا
 کہ اس میں شمس الدولہ کا بھی نام آیا اور شمس الدولہ ہاتھی پر سوار ہو کر دروازے پر آ گئے تھے
 ایک مدت سے آغا میر کو فرزا جاجی کے ساتھ رُسوخ تھا اس وقت مرزا نے آغا میر کے
 اشارے سے اپنے باپ مرزا جعفر کو یاد دلایا اور کہا کہ یہی وقت ہے ایسا نوک مدت کی محنت
 مفت رائگان جائے مرزا جعفر نے کرنل صاحب سے کہا کہ مجھے اس وقت کچھ آپ سے کہنا ہے

نہ خرد گفت جشن وزارت مبارک

منشی عبدالاحد رابلہ نے ایک تاریخ نگھی ہے جسکے نو شعر ہیں اس تاریخ بین صنعت
 رکھی ہے کہ پہلے مصرعون کی ابتدا سے ایک ایک حرف لیکر انکے عدد نکالیں تو سنہ ہجری
 پیدا ہوا اور انھیں مصرعون کے آخر کا ایک ایک حرف جمع کر کے عدد لیں تو سنہ فصلی نکلیے
 اور دوسرے مصرعون کے پہلے حروف کے جمع کرنے سے سنہ عیسوی ظاہر ہوا اور ان مصرعون
 کے حروف آخر کے اعداد سے سمت بکرمی معلوم ہو۔

زہے غادی دین عالیجناب	وزیر الممالک سعادت مآب
بسالم درآمد چو امثال او	سر مقبلان گشت پامال او
خداوند ملک خداوند جاہ	رعیت نواز و عدالت پناہ
فریدون جنابے بنیر وے بخت	تمتن رکابے بیان وے سخت
نریان دستان فولاد دست	ہم دستیش دست یکسر شکست
ملک شاہ ثانی بہر جود و سخا	جہان مروت سحاب عطا
شکوہش ز بس سر رفعت فرشت	شکوہ فلک نام رفعت گذشت
قدیرے کہ از دست تقدیر خویش	نمودہ جہان را بتدبیر خویش
نگہ دارد اورا بلطف خودش	رساند بخونی بہر مقصدش
بتاریخ ہندی چو خمین وسیع	کم آمد عدد گفت فی الفور طبع
کہ رابطہ مکن بسر دور و دراز	سر ناز بر گیر و پائے نیاز

دیگر

وزیر غازی دوران و رسم آفاق نہے جلوس وزارت نمود بادل شاد

دریچہ بارہ درمی کی راہ سے اندر نہیں گھس سکے تھے طلب کیا جب وہ میاں پہنچے تو دوسرا رنگ دکھا رزیدنٹ نے ان سے بھی وہی بات کہی جو دوسرے بھائیوں سے کہی تھی چونکہ یہ مسند نشینی کے معنی تھے ان کلمات سے برہم ہو کر بولے کہ ہکوان باتوں سے سروکار نہیں جو کچھ آپ مناسب جانیں کریں رزیدنٹ نے کہا کہ یہ رعیت کی کلام ہے پھر اس نے کہا کہ زلمے کا رسم یہی ہے کہ باپ کا جانشین بڑا بیٹا تو ہے مین نے جو کچھ آپ سے کہا ہے رسم کے خلاف نہیں کہا ہے شمس الدولہ نے جواب دیا کہ یہ بات آپ کی درست ہے مگر جبکہ رئیس نے اپنے سامنے کسی کو اختیار نہ دیا ہو اور محکمہ باپ نے اپنا نائب اور ولیعہد بنایا تھا تو اس صورت میں میرے کام میں پھر کیوں تردد کیا جاتا ہے رزیدنٹ نے جواب دیا کہ اگر اپنے منصب کے خواہاں ہو تو وہ اب بھی موجود ہے لیکن ریاست شے دوسری ہے اور اسکو خیابالی نے کسی کے نام پر مقرر نہیں کیا ہے یہ فقط بڑے بیٹے کا حق ہے پس وہ رئیس ہوئے اور آپ نائب بن گئے۔ شمس الدولہ بولے کہ میں اپنے باپ کا ولی عہد اور نائب تھا۔ اب محکمہ یہ شے دوسرے کے سامنے منظور نہیں یہ منصب بھی کسی اور کو دیدیجیے رزیدنٹ نے جواب دیا کہ آپ کو اختیار ہے غرض کہ رزیدنٹ نے غازی الدین حیدر سے اس مضمون کی ایک تحریر لیکر کہ نواب سعادت علی خان کے طریق کے خلاف جو صاحبان اگر رخصت کر صاحب رزیدنٹ کے ساتھ جاری تھا کوئی مالی یا ملکی کام جان پہنچی صاحب کے مشورے کے بغیر ظہور میں نہیں آئے گا اُنکو جانشین کیا مبارکباد کی توپین سر ہوئیں اور حاضرین دربار کو نذر پیش کرنے کا حکم ہوا جب نواب کے دوسرے بھائی شمس الدولہ کی فوت آئی تو اُنھوں نے مجبوراً ایک ہاتھ سے نذر پیش کی غازی الدین حیدر نے غرافت کے طور پر اس ڈھپ سے ہاتھ نذر پڑا لا کہ اشرفیان زمین پر بکھر گئیں اور شکر رنجی میں تلخ کامی بڑھ گئی تاریخ جلوس اس صرع سے نکلتی ہے

تمھارے باپ کے واسطے میں راضی نہیں ہوں مرزا حاجی نے باپ کا خیال کر کے خلعت نہ لیا انھیں دنوں مرزا جعفر کو غم کے سبب سے دق کی بیماری ہو گئی اور اس مرض میں انتقال کیا

تاریخ وفات مرزا جعفر

میرزا جعفر کہ دائم از امام جعفر شش حب بر دل بود این برہر دو عالم ظاہرست
بہر تاریخ و فاتح چون تامل شد مرا آنداز ہاتف نذا جعفر بہ نزد جعفرست
اُس زمانے میں جان بلی صاحب رزیدنٹ روزانہ نواب غازی الدین حیدر کے پاس آتے اور نواب خود ہفتے میں دو مرتبہ انکی کوٹھی پر جاتے۔

مرزا جعفر کی وفات کے بعد قمر الدین احمد خان معروف بہ مرزا حاجی قمر تخلص عمدہ خزانچی رزیدنٹی سے مستعفی ہو کر منصب نیابت کی امید پر کارنامے متعلقہ نیابت کو سرانجام دینے لگے۔ رزیدنٹ کو مرزا حاجی کی یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی کہ بعض رفقہ اشتباہ کے واسطے ہماری خدمات دیر نہ کو چھوڑ با پس ان دنوں سے کرنیل صاحب کا دربار خالی ہو گیا اور منشی علی نقی خان رزیدنٹی کا میر منشی یکا یک بڑھا آغا میر جو نیابت کے خلعت کے آرزو مند تھے زلے کو دیکھ کر میر منشی سے مل گئے اور اسے اپنا باپ قرار دیا۔

رزیدنٹ کا انتظام ملک کی صورت تجویز کرنا گورنر جنرل کا اودھ میں آنا اور نواب سے قرضہ لینا

اب انتظام کی صورت رزیدنٹ کی اعانت سے اس طرح قرار پائی کہ ہر تین لاکھ روپے کے علاقے پر ایک تحصیلدار مقرر ہو اور حق تحصیل اسکو رز تحصیل سے دہ یک ملے اور

ندار سید زلف یمن کہ تاریخش بگو سعید بتو دالما وزارت باد

دیگر

بالش خیر و ہم سعادت یافت از جلوسش چو نوسر افزائی
زده پاس و سرا عادی گوس و اشفاق سال حیدر غازی

دیگر

باطال سکندر غازی دین حیدر گردید مسند آرا با بخیر و سعادت
بود از جب سہ شنبہ بدست دوم خوش آوان بر غنیمہ گوشہا شد از کوسہائے نوبت
سال جلوس اثنتی حبست بادل خوش ناکہ سرش شادی داد از فلک بشارت
بر خوان سرا عادی بر کندہ در حضورش انوار صد فردی بامسند وزارت

غازی الدین حیدر کی مسند نشینی کی تاریخ وزیر نامے میں ۳۔ رجب ۱۲۲۹ ہجری
مطابق ۲۴ جون ۱۸۱۳ء لکھی ہے اور مشہور یہ ہے کہ اُس دن ۱۲۔ جولائی ۱۸۱۳ء
مطابق ۲۲ رجب ۱۲۲۹ ہجری تھی اور اسی تاریخ آنکے اور گورنر جنرل کے درمیان ایک
عہد نامہ قرار پایا جسکی رو سے سابق کے تمام عہد نامے جو اگلے نو ابونکے ساتھ قرار پائے تھے
کلیتہ بحال اور برقرار رہے سب مقربین کو خلعت ملے مدارالہمامی کا خلعت بلا شرط نیابت
آغا میر کو عطا ہوا اور عہدہ واصل باقی پر دیا کرشن کو منسوب کیا اور اُسکو راجہ کا خطاب دیا
منظفر علی بن لطف علی خان نے خلعت تو پہنچانے کا اور اہتمام سواری کا پایا اور ولی عہد کا
خلعت مرزا نصیر الدین حیدر کو عنایت ہوا۔ اس وقت سے فخر الدین احمد خان معروف
بمرزا جعفر اور قمر الدین احمد خان معروف بمرزا حاجی کا دور ہوا۔ غازی الدین حیدر نے
مرزا حاجی کی خدمتوں پر نظر کر کے کہا کہ اگر نیابت کا خلعت تم چاہتے ہو تو موجود ہے۔ لیکن

لاڈ مارا یوں تو لے نہیں سکتے تھے مگر اسکو قرض کے طور پر لیا جس کا سود بحساب چھ روپیہ فی صدی سالانہ قرار پایا پر انا قرض آٹھ روپیہ سیکڑا پر تھا اودھ کو رنٹ چھ روپیہ سیکڑا کا بنا نا چاہتی تھی اسلئے اس کمی سود کا اشتہار دیا اور لوگوں کو قرض کا روپیہ دنیا شروع کیا مگر یہاں تو خزانہ خالی تھا پچاس لاکھ روپیہ قرض کا باقی رہ گیا وہ اس نواب کے روپے میں سے دیا گیا۔

مستمل الدولہ آغا میر کو نیابت ملنے کی وجہ

حکیم مہدی علی خان نے نواب غازی الدین حیدر کو یہ سب باریغ دکھایا کہ مرزا حاجی رزیدنٹ کا متوسل ہے ملک کے تمام معاملات اور راز کے امور رزیدنٹ کو بھی شخص سوچھاتا ہے جس سے وہ ریاست کے معاملات میں مداخلت کرتے ہیں اور اس سے انگریزی عمل و دخل پیدا ہونے کا خوف ہے نواب مرحوم نے ہزاروں روپے انگریزوں کی تنخواہوں میں صرف کیے ہیں اس لئے مصلحت یہ ہے کہ ان انگریزوں کے ذریعہ سے گورنر جنرل سے معاملات ریاست کی درستی کی صورت نکالی جائے چنانچہ ایک انگریز جو ریاست کا ملازم تھا سفیر ناگر گورنر جنرل کے حضور میں بھیجا گیا اُس نے یہ بات گورنر جنرل کے خاطر نشین کر دی کہ نواب غازی الدین حیدر جان پہلی صاحب سے ناخوش ہیں گورنر جنرل نے رزیدنٹ سے کہا کہ نواب کی سرکار میں تمھاری مداخلت بجا ہے اگر اپنی نیکنامی منظور ہے تو نواب سے راضی نامہ لیکر پیش کرو جب رزیدنٹ نے یہ سمجھ لیا کہ نواب کے راضی نامہ کے بغیر گورنر جنرل کی خوشنودی مشکل ہے تو انھوں نے منشی علی نقی خان سے جو نواب کی خدمت میں آمد و رفت رکھتا تھا مشورہ کیا علی نقی خان نے سید محمد خان عرف آغا میر بن میر تقی کو جو اولاد شاہ ترکمان سے تھے

ملازمین اور سہ بندی وغیرہ کے جملہ مصارف اسکے متعلق رہیں اور فی سیکڑہ ایک روپے سے مصارف پولیس کے واسطے ادا ہو اور تھانہ داران پولیس تحصیلدار کے ماتحت رہیں اور بین میں لاکھ روپے کے ٹک پر ایک ایک ناظم مقرر کیا جائے اور دودھ ہزار روپے ہزار تنخواہ ہر ایک کو ملے اور سپاہ ناظم کے ساتھ متعین رہے جب اس مضمون کی رپورٹ ڈیپٹ نے کونسل کلکتہ کو بھیجی تو وہاں سے جواب ملا کہ عنقریب نواب گورنر جنرل اس ٹک میں جانچیں ہیں نواب اودھ سے ملاقات کر کے انکی رائے سے تجویز ہوگا اس وقت سائر اور پربت کے محصول پر نظر نہ تھی نواب سعادت علی خان کے عہد میں کوئی شخص اجازت اور جائزے کے بغیر شہر کے ناکوں سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا تھا اور اس وقت میں کوئی شخص دس روپے زیادہ سرحد ملک سے باہر نہیں لے جاسکتا تھا اب یہ روک ٹوک ایک لحاظ موقوف ہو گئی ۱۸۵۷ء میں لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل جو لارڈ مائر کے نام سے مشہور و معروف تھے تھانہ مغرب کی طرف آئے تو نواب نے کانپور سے انکا استقبال کیا وہ دھوم دھام کے ساتھ لکھنؤ میں رونق افروز ہوئے میں دن یہاں رہے بڑے اہتمام سے دعوتیں ہوئیں قیصر التواریخ میں لکھا ہے کہ جب کانپور میں غازی الدین حیدر گورنر جنرل کے خیمے میں داخل ہوئے۔ تین سو اکرسیاں میسر کر دی تھیں نواب نے یہ قلت تعداد کرسی کہ مبادا وفا ٹکرے نواب عتشم الیہ سے کہا کہ ہم اور ہمارے اقربا ہمان ہیں اگر تقدیم اپنے مہمانوں کی ہوگی تو ہم بھی اسی صورت سے پیش آئیں گے۔ نواب گورنر جنرل نے بطیب خاطر قبول کیا۔ چنانچہ وہی صورت انگریزوں کے واسطے لکھنؤ میں ہوئی۔ امرادو سرے کمرے میں میز پر بیٹھا اور نیز بجلوس نواب سعادتیان نواب غازی الدین حیدر گورنر جنرل کو القاب عمومی بزرگ لکھتے تھے۔ نواب نے اپنے باپ کا وعدہ پورا کیا اور ایک کروڑ آٹھ لاکھ پانچ ہزار روپیہ گورنمنٹ انگریزی کو دیا اس روپے کو

اور ہزار درجے آغا میر سے علم و لیاقت میں اچھے تھے محروم رہے آغا میر کے حوصلے سے یہ عمدہ بڑھا ہوا تھا لکھنؤ کے بعض بڑے آدمیوں نے چند مدت انکو نیابت کی نذر دکھانے میں تو یں سمجھ کر انعام کی آخر کار اس درجے کو نوبت پہنچی اور ترقی اقبال کا دیکھا جاکہ آغا میر کو سلام کرنا اور انکی خدمت تک پہنچنا اپنے بزرگانِ مردہ کا افتخار سمجھتے تھے۔

شمس الدولہ کا بنارس کو چلا جانا اور انتظامِ ملک کے معاملے میں جان سلی صاحب کی تجویز کا موقوف رہنا اور محاصلِ ملک میں بہت کمی واقع ہو جانا

شمس الدولہ یہاں کے انتظامات کو دیکھ کر مایوس ہوئے اور اپنے تمام اہل و عیال اور خزانہ اور اسبابِ امارت اور رفقا کو لیکر بنارس کو چلے چودہ ہزار ایک سو اکتھتر روپے ۱۴۱۰ھ آنے ماہوار جو نواب سعادت علی خان کے عہد سے مقرر تھے بدستور بحال رہے بلکہ دو ہزار چار سو چورانوے روپے ساڑھے بارہ آنے حال میں اضافہ ہوئے تھے دو سو نوٹ اور سو کھار بار بردار اور پچیس ہاتھی اور دو سو گھوڑے اور پیادہ و سوار اور نو تھانہ اور نقارہ و نشان یہ سب سامانِ امارت اُن کے ساتھ تھا اب غازی الدین حیدر کا دل مطمئن ہوا جس وقت شمس الدولہ بنارس کی طرف چلے ہیں تو ان کے پاس دو کروڑ سے زیادہ کا مال و اسباب اور نقد و جنس تھا جو راجہ مراد وغیرہ لوگوں کی ضبطی ہو کر نواب مرحوم کے وقت میں ان کے پاس جمع ہوا تھا کسی دولت خواہوں نے نواب سے عرض کیا کہ تمام نقد و جنس نواب مرحوم نے جمع کیا تھا کس لیے آپ بھڑکتے ہیں لیکن انھوں نے اپنی ذاتی فیاضی کی وجہ سے اُن سے تعرض نہ کیا جیسا کہ تاریخ شاہیہ نیشاپور یہ مین مذکور ہے۔

اور نواب غازی الدین حیدر کے یہاں ایام صافروگی اور ولی عہدی سے پیش خدمتوں کے زمرے میں ملازم تھے اور اب نواب کی سرکار کے متمتع علیہ تھے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ نواب سے رزیدنٹ کے لیے صفائی مزاج کا کاغذ لکھا دین تو اسکے صلے میں رزیدنٹ انھیں نیابت دلا دیں گے اور منصب میں ترقی کرا دیں گے کرنل کلیوڈ صاحب اور ڈاکٹر لاس صاحب اور جو نواب سعادت علی خان کے ہمراز و مصاحب تھے یہ چاہتے تھے کہ اگر نواب پھلی باتوں کا بدلہ لینے میں نیابت قدم رہیں اور راضی نامہ رزیدنٹ کو ندین تو بہت جلد طلب براری ہو سکتی ہے لیکن آغامیر کو نواب غازی الدین حیدر کے یہاں بہت دخل تھا اور محض نیابت کے مل جانے کی طبع پر اور منشی علی نقی خان کے سمجھانے سے نواب سے عرض کیا کہ حضور کو ان انگریزوں سے طمان ہے کہ ان سے مقدمہ کی درستی ہو جائیگی اور اس سبب سے راضی نامہ دینے میں تاہل ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ شمس الدولہ کی طرف ریاست منتقل نہ ہو جائے اور ہماری برسوں کی محنت رائیگان ہو جائے پس حق نمک سے ادا ہوتا ہوں حضور کو اختیار ہے نواب نے کچھ سوچ سمجھ کر راضی نامہ اپنی مہر سے مکمل کر کے رزیدنٹ کو دیدیا جب وہ کاغذ گورنر جنرل کے ماتھے میں گزارا تو حکیم مہدی علی خان مخوی قرار پا کر نظروں سے گر گئے اور وہ چار انگریزوں کو نواب سعادت علی خان کے عہد سے ملازم تھے موقوف ہوئے اب جان بلی صاحب کی کوشش سے آغامیر کو عہدہ نیابت ملا اور ہمیں پاپے کا خلعت اور متمتع الدولہ خطاب عطا ہوا۔ دیکھو بات کہنے میں مرزا جامی کی صحبت بہم ہو گئی اور وہ خانہ نشین ہوئے اور حکیم مہدی علی خان کو حکم ہوا کہ اپنی فطامت کے علاقہ خیر آباد میں سرکاری کام کو جاؤ۔

اقبال الدولہ بن مختار الدولہ اور اکبر علی خان بن امیر الدولہ حیدر بیگ خان اور اقبالے سرفراز الدولہ محمد حسن رضا خان اور افضل حسین خان کے بیٹے جو قدیم سے اس منصب کے امیدوار تھے

میر روشن علی کے گھر میں جو مستعد الدولہ کا بھائی کھلتا ہے رہتے ہیں کبھی کسی کی مجال نہوں کہ روشن علی کا نام زبان پر لاسکے کو تو ال کا یہ عذر نہ مٹا گیا وہ بقائے آبرو کے لیے کچھ کھاکر مر گیا واکہ برآمد نہوا بعد اسکے شیدی ناصر علی خان کو جو شیدی نولاد خان کی اولاد سے تھا مقبول نذرانہ دینے کے بعد کو تو ال کا عہدہ حاصل ہوا۔

ہو بیگم والدہ آصف الدولہ کی جاگیر و زر نقد کا معاملہ

یہ بیگم سلطنت اودھ کے پہلو میں ایک خاتون اور چند بواہوس آزار مند لوگوں کے ماتحت میں گرفتار تھی اسکے طفیل سے بھی اکثر انگریزوں کو سلطنت میں مداخلت کا موقع ملتا تھا اور سلطنت کے رعب و داب میں فرق آتا رہتا تھا اور کبھی اطمینان کے ساتھ اسکی جاگیر میں شور و شر اور فتنہ و فساد کے دہانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اور خدا کی شان کو دیکھئے کہ عمر لنتی لمبی پائی اگر اتنی لمبی عمر شجاع الدولہ کی ہوتی تو سلطنت نے اکتان جو زوال کا منہ دیکھا تھا اسناخت روز بد اسکو دیکھنا نصیب نہوتا اور اس میں بدظمی بہت قدرہ آجاتی جس سے بخوبی انگریزوں کی دلائل فطرتی کا شکار ہو گئی۔

جبکہ ہو بیگم کا وہ وصیت نامہ جس میں اس نے چاہا تھا کہ وہ گورنمنٹ انگریزی کو اپنے علاقے اور زر نقد کا وارث قرار دیگی اگر وہ نواب سعادت علی خان کی اطاعت سے بری کیجائے اور اسکے رشتہ دار اور واسطہ دار بلا ترحمت اپنی اپنی جائداد پر قبضہ رکھیں منسوخ ہوا تو اس نے ۲۶ رجب ۱۲۲۸ ھ ہجری مطابق ۲۵ جولائی ۱۸۱۳ء کو ایک امانت نامہ گورنمنٹ انگریزی کے نام تحریر کیا جسکا مضمون یہ تھا کہ یہ امانت نامہ نواب ہو بیگم دختر مومن الدولہ اسحاق خان زوجہ نواب شجاع الدولہ والدہ نواب

جان سہلی کی مداخلت انتظام مالی و ملکی میں باقی رہی اس لیے جو نقشہ انتظام ملک کا انھوں نے تجویز کیا تھا وہ منسوخ ہوا طریقہ متاجری قدیم کا جاری کیا مگر نظامت اور کلکٹری کی صورت بدستور قائم رہی دو کلکٹریان علی نقی خان میرمنشی کے ذیل میں تھیں ان میں سے ایک کلکٹر می قطب الدین حسین خان سے نامزد تھی اور دوسری جعفر علی خان سپہزین العابدین خان سے متعلق تھی جو زکیر علی نقی خان کو دیکر حاصل کی تھی اور ایک جکلمتہ الدولہ کے فرزند کے نام مقرر ہوا اور اسکی نیابت بھوانی پر شاد کو ملی اور ایک کلکٹر کی کنورتن سنگھ کے نامزد ہوئی یہ شخص اسے بالکل کام کا بنایا اور راجہ جھاؤ لال کا قریبی رشتہ دار اور دیا کرشن کا سہمی تھا اور ضلع برہمنی سے کئی برس کے بعد آیا تھا نہایت دانشمند اور صاحب علم آدمی تھا زخمی تخلص تھا مرزا قتیل کا شاگرد تھا اور خیر آباد و محمدی کی کلکٹری حکیم مہدی علی خان کو راجہ دیا کرشن کی کوشش سے کچھ جمع کی مینشی کے ساتھ ملی باوجود اس انتظام کے ملک کی آمدنی کم ہوئی چالیس لاکھ سے زیادہ کی کمی پیدا ہو گئی صرف کروڑ روپے وصول ہوئے باقیات کی سبیل کے لیے یہ راستہ مکملاً کہ متصدیان محکمہ دیوانی زر باقیات علاقہ کو جمع حال کے شامل کر کے عامل قدیم یا جدید سے مہر کرا لیتے تھے۔

شہر کے عمل کو توالی کی بد نظمی

نواب سعادت علی خان کے عہد میں باہر کے ڈاکو شہر میں نہیں آنے پاتے تھے اور شہر کے رہنے والے اگر کوئی واردات کرتے تھے تو ان کا بخوبی تدارک ہوتا تھا نواب غازی اللہ خان کے عہد میں بالگوبند مہاجن کے گھر پر عین سا ہو کا سے مین سرشام ڈاکہ پڑا اور اس کا جسم دم دھومی بیگ کو تو ال کے سر پر رکھا گیا اس نے بہت عذر کیا کہ یہ چور شہر کے نہ تھے اکثر معاش

اور اسکا بھی لحاظ رکھے گی کہ کوئی شخص اُنکو یا اُنکے ورثہ کو اُنکے مقبوضات کی نسبت تکلیف
 نہ دے اور چونکہ میرے ایماندار ملازم داراب علی خان ناظر نے اور میری سرکار کے دوسرے
 فوکر وں و خواجہ سرا یوں و متوسلون نے بھگوان تک رضا مند رکھا ہے اور آئندہ بھی مجھ کو
 میری زندگی بھر خوش اور رضا مند رکھیں گے اسلئے میں چاہتی ہوں کہ اُن سے کچھ مطالبہ
 نہ کیا جائے اور نہ اُن سے کچھ حساب و کتاب لیا جائے صرف یہ امر ہو کہ میرے بعد فوراً
 اُن سے حسبِ احکم میرے تمام جائیداد و نقدی و اسباب مذکورہ بالا جواب میرے قبضے
 میں ہے اور اسکے بعد میرے پاس حج ہو گا آنراہلِ کپنی کو دلوادین اور اس تمام جائیداد
 وغیرہ کا حساب وہ ایمانداری دینگے ماسوائے رقوم پرورش مندرجہ فرد مسئلہ کے میرے
 ملازم داراب علی خان کو تین لاکھ روپیہ سکھ لکھو میرے مقبرے کی تعمیر کے لیے اور ایک لاکھ روپیہ
 نذرانہ کر بلا اور نجف اشرف اور دوسرے مقامات متبرکہ کے لیے دیا جائے اور اُسکے صرف
 میں اختیار اُسی کا رہے اور چونکہ وہ ایماندار اور راست کردار ہے اسلئے وہ اُس روپے کو
 امیر مذکورہ میں صرف کرے گا اور مقبرہ مذکور کے سالانہ صرف کے لیے دہات پر گنت
 پچھم راٹھ جسکی آمدنی دس ہزار روپیہ سکھ لکھو ہے دے جائیں اور جو کچھ آمدنی میں بچے
 وہ صرف غربا اور مومن کی خیرات کے خرچ میں آئے جو اُس مقبرے میں رہتے ہوں
 تاکہ دہجی سے وہاں رہیں۔ میرے عزیزوں بھتیوں اور بھانجوں اور خواجہ سرا یوں اور
 اور بویو اور خادموں اور دوسرے متوسلین کا نہ تنخواہ وقت پر میری جاگیر اور میری
 ذاتی جائیداد کی آمدنی سے داراب علی خان کو دیا جائے اور وہ زندگوار اُن میں تقسیم کرے گا
 اور اُسکی سفارش اور بینات اُنکی نسبت جس قسم کے ہوں اُسکے مطابق اُن کا لحاظ کیا جائے
 تنخواہ اور رقوم مذکورہ بالا کے دینے اور تمام کرنے کے بعد جو کچھ نقد و جنس میری جائیداد

اصف الدولہ کی طرف سے گورنٹ آف انڈیا کیلکٹ کے نام ہے جسکا وعدہ حفاظت و منیت میرے اور میرے عزیزوں و احمقین کے بارے میں بدین مضمون مدت سے قائم ہے کہ میری جاگیر و مکانات جائداد اور ہر قسم کا اسباب میری زندگی میں میرے قبضہ اختیار میں ہے گا اور صرف بھوکوئی اسے صرف کرنے کا اختیار ان لوگوں کی پرورش اور پرداخت میں حاصل ہے گا جو میرے عزیز اور میرے وابستہ اور رشتہ دار اور خواجہ سرا اور خادما میں جس طرح مجھ کو مناسب معلوم ہو اسی طرح اُسکو صرف میں لاؤں۔ مگر اس خیال سے کہ زندگی چند روزہ ہے اور اس نظر سے کہ آئندہ کا بندوبست حتیٰ التمام اوصحیح النفس والعقل ہونے تک ضرور ہے اسلئے میں تمام جائداد و اسباب نقد و جنس ظروف و جواہرات وغیرہ جواب میرے قبضے میں ہے نقد و میثمی ستر لاکھ روپیہ جو جب بندہ علیحدہ مہری و دستخط میرے کے بطور امانت کے گورنٹ آف انڈیا کیلکٹ کے حوالے کرتی ہوں اور جو بعد اسکے تا ایام زندگی میرے پاس جمع ہو گا اُسکا بھی اختیار گورنٹ انگریزی کو اس غرض اور نیت سے دیتی ہوں کہ اہالیان گورنٹ مذکورہ بنظر دوستی قدیمہ جو اس نے میری زندگی میں میرے ساتھ مرعی رکھی ہے وہ میرے بعد بھی مرعی رکھ کر محافظ میرے ان تمام لوگوں کی ہوگی جو میرے عزیز اور بھائی اور بھتیجے اور رشتہ دار اور خواجہ سرا اور متوسل ہیں اور انکی جاگیریں اور نقد و تحا ہیں ہر ایک شخص کی اور انکی وراثت کی میرے ذاتی روپیہ کی آمدنی سے قائم اور جاری رکھے گی اُسی قدر جس قدر میں نے فرد مسئلہ مہری میں درج کی ہے تاکہ اس ذریعے سے اُنکو مستثنیٰ الاحتیاج رکھے اسکے سوا گورنٹ انگریزی میرے اُن رشتہ داروں اور متوسلون کی حفاظت غیر کے ظلم و زیادتی کے مقابلے میں کریگی اور انکی اعانتاں مکانات اور باغات اور بازار اور دوکانات وغیرہ کے قبضے میں کرے گی جو میری زندگی میں اُنکے قبضے میں ہوں گے

اور گورنمنٹ انگریزی انکی بھی اعانت ہر موقع پر میری وجہ سے کریگی اور اگر آئندہ مزاکمہ علیٰ کی وفات کے بعد نواب وزیر انکی کل یا جزو تخواہ ضبط کریں تو گورنمنٹ انگریزی بموجب تحریر امانت نامے کے عمل کرے یعنی انکے ورثہ کی تخواہ معقول میری جاگیر یا جائداد امانت سے دیا کرے۔ اور لو احقان خاص محل کی تخواہ محال گونڈہ سے مثل سابق ملا کرے اور اس محال کے اہلکار بموجب فرد مسئلہ کے تخواہ دیا کریں اور اگر آئندہ لطف النساء اور مرزا محمد قلی خان اور مرزا نصیر یا انکی اولاد کی کل یا جزو تخواہ نواب وزیر ضبط کریں تو گورنمنٹ انگریزی بموجب تحریر امانت نامے کے عمل کرے یعنی میری جاگیر یا جائداد امانت کی آمدنی سے انکی معقول تخواہ ملے۔ مرزا تاجا کی اولاد کی تخواہ میری وفات کے بعد مثل سابق کے جاری رہے گی اور اگر ضبط ہو جائے تو گورنمنٹ انگریزی انکو گزارے کے لیے میری جاگیر یا جائداد امانت کی آمدنی سے معقول تخواہ مقرر کرے۔ تخواہ ماہواری جو ظفر الدولہ کی جاگیر کی عوض میں مقرر ہوئی تھی انکی اولاد اور متوسلوں کو دیے جائیگی ورنہ گورنمنٹ انگریزی معقول تخواہ انکے واسطے میری جاگیر یا جائداد امانت کی آمدنی سے دے یہ ان تخواہوں کی نسبت تھا جو سرکار وزیر سے ان لوگوں کے لیے مقرر تھیں۔

نواب سادات علی خان جب تک زندہ ہے اپنی اس امانت نامہ کا حال نہیں کھلا انھوں نے ۱۱ جولائی ۱۸۴۷ء کو وفات پائی۔ اس امانت نامے کو گورنمنٹ انگریزی نے قبول کر لیا اور انکی تعمیل کی ضامن ہوئی کہ جہاں تک اس کے متعلق ہو گا تعمیل انکی ہوگی اور محبت بھی اسکے لیے یہ قائم کر دی کہ یہ سیکم کا رتبہ ایسا عالی ہے اور نواب وزیر سے اسکا ایسا رشتہ ہے کہ وہ انکی رعایا سے مستثنیٰ ہے جسکے سارے مال کا مالک بادشاہ ہوتا ہے۔ اب انکی جان و مال کی وارث وہی سرکار ہوتی ہے جو خود نواب کی منہ نشینی کا سیب ہوئی ہے۔ ہو سیکم کو اختیار دیا کہ وہ اپنی ذاتی دولت کو جس مصرف میں چاہیں خرچ کریں۔ بشرطیکہ وہ صرف نواب کی

مین سے فاصل رہے اسکا کل اختیار گورنمنٹ آئرلینڈ کو ہے جو چاہے کرے اور طرح چاہے
 اسکو صرف مین لائے۔ مگر چونکہ میرے چند واسطہ دار اور رشتہ دار جنکا ذکر فرد منسلک میں درج ہے
 جاگیرات و نقدی وغیرہ عطیہ سرکار ذریعہ بر قابض ہیں اور یہ جاگیر وغیرہ انکی وفات پر
 بخلاف رسم میری سرکار کے قبضہ ہو جائیگی تو یہ امر گورنمنٹ انگریزی آئرلینڈ کو یہ فرض ہے
 کہ وہ تنخواہ وغیرہ مندرجہ فرد تفصیل کے دینے کے بعد ہتھ روپیہ اپنے قبضے میں لے کے کہ وہ
 ان رشتہ داروں اور واسطہ داروں کے پسماندگان کی پرورش و دوا کی واسطے کافی
 جنگی جاگیر وغیرہ وفات کے بعد قبضہ ہوگی تاکہ کوئی میرے متوسلین وغیرہ مین سے محتاج ہو کر
 خوار نہ ہو۔ میر جان سلی صاحب ریزیڈنٹ فیض آباد جو بیگم صاحبہ کے پاس گئے اور انکے
 ہاتھ سے فروغ خزانہ تفصیلی چونسٹھ لاکھ روپے کی حاصل کی۔ بیگم صاحبہ نے ریزیڈنٹ کو یہ بھی
 اطلاع دی کہ اس رقم کے سوائے پاس ایک لاکھ روپیہ نقد اور پانچ لاکھ کا جواہرات وغیرہ بھی
 انکے مکانات میں موجود ہے۔ فرد منسلک امانت نامہ کی رو سے کل دو لاکھ چھیانوے ہزار
 نو سو چھیتر روپیہ سالانہ یا چوبیس ہزار سات سو اڑتالیس روپیہ ماہوار دینا مقرر ہوا۔
 اس فرد کے آخرین بیگم صاحبہ کی طرف سے یہ مضمون تحریر ہوا تھا کہ میرے بھائیوں۔
 (نواب مرزا علی خان اور نواب سالار جنگ) کے خاندان کی تنخواہ ویسی ہی رہیگی جیسی نواب
 آصف الدولہ کے عہد میں تھی اور گورنمنٹ انگریزی انکی رعایت اور اعانت ہر موقع پر کیا
 کرے گی اور اگر آئندہ قابضان حل کی وفات کے بعد تنخواہ مذکور باجوز تنخواہ انکی نواب ذریعہ ضبط کریں
 تو گورنمنٹ انگریزی بموجب درخواست مندرجہ امانت نامہ کے ان کی نسبت عمل کرے گی
 یعنی میری جاگیر کی آمدنی مین سے یا میری جائیداد مین سے جو اسکے سپرد ہوگی مقول تنخواہ انکی
 مقرر کر دیگی مگر اقام علی خان کی تنخواہ بھی اسی حال پر رہیگی جیسی نواب آصف الدولہ کے عہد میں تھی

ضلع بچم راٹھ جمعی دس ہزار روپے سالانہ کے غلط ہو کر مصارف مقبرہ بیگم صاحبہ کے لیے عطا کیے جائیں گے اور اس کے سوا تمام تنخواہیں اور زر پرورش جو بیگم صاحبہ کے رشتہ داروں کے نام پر ہے اور اب تک ان کو اس سرکار سے ملتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے انکے اور انکے ورثا کے نام قائم اور جاری رہے گا اور کچھ کمی اس میں نہوگی آپکو اپنا دوست صمیمی اور خیر خواہ تصور کر کے میں چاہتا ہوں کہ آپ بلا توقف یہ سب مراتب گورنر جنرل بہادر کی خوشنودی کے لیے اطلاعاً تحریر فرمائیں۔

بہو بیگم کی وفات

بہو بیگم کی عمر چھبیس سال کو پہنچ گئی تھی ضعف و ناتوانی نے مزاج پر غلبہ کیا تھا ان کا برسوں سے معمول تھا کہ ابتدائے عشرہ محرم میں تعزیر کی زیارت کے لیے اپنے بھتیجوں کے مکانوں پر جایا کرتی تھیں اور وہاں فاتحہ پڑھ کر لوٹ آتی تھیں موت سے پہلے جو عشرہ محرم آیا تو اس سلسلہ سردی شدت سے تھی ہوا میں برودت کے سوا تیزی تھی وہاں جانے کا قصد کیا وارا ب علی خان نے عرض کیا کہ فاتحہ یہاں سے بھی ہو جائے گی آپ کا وہاں جانا ایسی حالت میں اندیشے سے خالی نہیں جواب دیا کہ چونکہ معمول ہے اگر نہیں جاؤں گی تو بچوں کی دلشکینی ہوگی چار و ناچار سوار ہوئیں واپسی میں نزلہ عارض ہو گیا اور ہلکا سا بخار بھی چڑھ گیا اور ان حواض کو ہر روز ترقی ہونے لگی اطباء نے اپنے مقدور معالجہ کیا لیکن کچھ فائدہ نہ تھا بیگم بھی سمجھ گئیں کہ اب وقت آخر ہے اپنی زبان سے اُمّی تھیں کہ سفر آخرت کی ساعت قریب ہے مرنے سے ایک روز پیشتر فرمایا کہ نواب شجاع الدولہ استقبال کے لیے آئے ہیں وارا ب علی خان نے گہرا کر پوچھا کہ آپ کیا فرماتی ہیں اُسی بات کا اعادہ کیا اسے پھر اُسی کو جمعرات کے روز کہ وہ پہر پڑ

ریاست کے لیے مضرت رسان نہوا و جب اُن کا انتقال ہو گا تو سرکار کپنی اُنکی ساری دولت
نواب کو ملک اودھ کے رفاه عام کے کاموں میں خرچ کرنے کے لیے دیگی تباہیر مجوزہ کا افشا
ہو بیگم کی مرضی سے نواب غازی الدین حیدر پر کیا گیا اور اُنکا اطمینان کیا کہ بعد وفات بیگم کے
گورنمنٹ اُنکو وارث منظور کریگی بشرطیکہ تمام عہود امانت نامہ کی تعمیل وہ کریں اس تجویز کی نسبت
نواب نے اپنی رضامندی بذریعہ تحریر مرقومہ ۱۴۔ اگست ۱۸۵۲ء عطا ہر کی اور جان پہلی صاحب
رزیدنٹ کی چٹھی کے جواب میں نواب نے گورنمنٹ انگریزی کی عطوفت اور فیاضی کا اسباب میں
بیشکریہ ادا کیا ہے وہ سننے کے قابل ہے اُنھوں نے رزیدنٹ کو لکھا کہ میرے پاس اُنکی چٹھی مرقومہ
۱۹ جولائی ۱۸۵۱ء پہنچی نہایت خوشی ہوئی آپنے لکھا ہے کہ آپ کے پاس گورنر جنرل کا حکم پہنچا
ہے کہ آپ مجھے معاملہ فیض آباد وغیرہ سے اطلاع دیں اور میں نے تمام کاغذات مسئلہ نہایت غور
اور خیال سے پڑھے سچ تو یہ ہے کہ اس سرکار کا کبھی کوئی ایسا دوست صمیمی اور رفیق دلی نہ تھا
اور نہ آئندہ ہو گا جو ایسی بے غرضانہ و بے ریا دوستی رکھتا ہو جیسی گورنمنٹ آبراہیل کپنی کہتی
ہے جس نے بغیر لحاظ اپنے فائدے کے اس قدر قیمتی جائیداد کے لینے سے انکار کیا جو نواب بہو بیگم صاحبہ
اس کے نام کرتی تھیں اور یہ قرار دیا کہ وہ سب جائیداد بعد ادا کرتے تنخواہ و سالانہ وغیرہ کے جو
بہو بیگم صاحبہ نے صدق نیت سے اپنے رشتہ داروں اور متوسلون کے نام کیا ہے اور گورنمنٹ
انگریزی نے اُس کے ادا ہونے کا وعدہ کیا ہے بھکودیا جائے جو میرے دل پر اس کا اثر پیدا ہوا ہے
اُس کے بیان میں نطق قاصر ہے اور بے تامل میں نہایت خوشی سے اُن تجویزوں کو منظور کرتا ہوں
جو گورنر جنرل نے دہات کچھ راتھ مصارف مقبرہ بہو بیگم صاحبہ اور دوسرے اخراجات
مندرجہ وصیت نامہ کے لیے دینے کو مجھے لکھا ہے بموجب اُس کے میں اس تحریر کی رو سے
اقرار کرتا ہوں کہ جب یہ فضلے انہی میری دادی اس جہان فانی سے انتقال کریں گی تو دہات

دل میں خیال کرتے تھے کہ آخر اس قدر کثیر مال سرکار انگریزی میں جائیگا کچھ اس میں سے ہاتھ لگ سکے تو بیجا لین لیکن کچھ بھی نہ ملا بیگم کی وفات سے تیسرے دن انگریزی تلنگوئی کمپنی موضع سکورہ سے کہ دریائے سرجو کے پار واقع ہے دریائے عبور کر کے فیض آباد میں پہنچی اور جابجا پھرے بیٹھ گئے بعدہ نواب غازی الدین حیدر کی سرکار سے سپاہ اگرستین ہوئی بیگم نے جائیداد قیمتی ۹۹ لاکھ ۴۸ ہزار ۹ سو ۶ روپے کی چھوڑی فرج بخش میں محمد فیض لکھتا ہے کہ نواب غازی الدین حیدر ایسے بلند جو صلہ تھے کہ انھوں نے بیگم کے مال کی ذرا پروا نہ کی غیرت ذاتی اور شان امارت کی وجہ سے اسباب نہ لے اور بیگم کے استعمال کے تمام پرے زمین میں دفن کر دیے تاکہ بیگانے کی اُس لباس عصمت پر نظر نہ پڑے۔ جبکہ لارڈ مارٹا لکھنؤ میں رونق افروز ہوئے تو بیگم مرچکی تھیں دارا ب علی خان خواجہ سراج بیگم صاحبہ کے لکھے ہوئے کاغذ کے سوال و جواب کے لیے لکھنؤ میں آیا تھا خلعت سے سرفراز ہو کر موجود تھا گورنر جنرل تک جب بیگم کی جاگیر اور مال و اسباب فیض آباد کا قضیہ پہنچا تو فرمایا کہ نواب صاحب اس ملک کے مالک اور جملہ مال و اسباب کے وارث ہیں رائےگان ہونا و ہانکے اسباب کا منظور نہیں ہو بیگم صاحبہ کی وفات کی وجہ سے ہزاروں آدمی بیکار اور بے معاش ہو گئے تھے۔ اہالیان کمپنی اور ریاست کے افسر فیض آباد میں مامور ہوئے اور سلون اور گوندیکا علاقہ بادشاہ بیگم زوجہ غازی الدین حیدر کی جاگیر میں مقرر ہو گیا راجہ بختاؤ سنگھ برہمن جس کو نواب سعادت علی خان نے ترقی دی تھی اور نہایت ہوشیار آدمی تھا ریاست کی جانب سے بیگم کے خزانے کی موجودات کے لیے بھیجا گیا اور اسکے ساتھ نصیر الدین حیدر ولی عہد بھی تھے اور انکے ہمراہ کئی متصدی بھی گئے اور زرنڈنٹ نے اپنے اسٹنٹ کو بھیجا اور اسکے ساتھ منشی حیدر گیا اور مرزا پناہ علی مرثیہ گواہ و افسر و تخلص و اقیقت کی وجہ سے اس جماعت کے شریک تھا

چھ گھڑی گزری تھیں بیگم کا طائر روح قفس قالب خاکی سے پرواز کر گیا شیخ محمد فیض بخش نے فرزند بخش مین یون ہی لکھا ہے۔ لیکن اس کتاب کے حاشیے پر ایک ثقافتی کی تحریر نظر سے گزری اُس میں ہے کہ نوال شمس پر شاید ایک گھڑی گزری ہوگی جو بیگم نے انتقال کیا ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مردمان اندرونی و بیرونی نے کئی گھڑی تک اُنکی رحلت کی خبر اس لیے غفی رکھی کہ لاکھوں لاکھ نقد و جنین بیگم صاحبہ کا اور اپنا مال بھی کہیں چلا دین انتہی۔

بیگم کے پاس دس ہزار پیادہ و سوار اور بہت سے ہاتھی گھوڑے اور ہتھیار کا رخا نے تھے اتفاقاً اگر کوئی انگریز فیض آباد کی طرف آنکھتا تو اُسکو کھلا دیا جاتا کہ رعیت سے رسد نہ لے اور کسی پر زیادتی نہ کرے جو کچھ مطلوب ہو بیگم کی سرکار سے مانگ لے۔ داراب علی خان بیگم کا مستعد اور وصی تھا اُس نے لاش کو دریا پر لیجا کر غسل اور تجھیز و تکفین شاہانہ طور پر کی اور نہایت جاہ و جلال کے ساتھ دریائے جواہر باغ تک لایا یہ مقام قلعہ فیض آباد سے جنوب کی طرف شہر نہاہ کے قریب واقع ہے اور دریائے کوس بھر کا فاصلہ رکھتا ہے یہاں قبر کھود کر اٹل کر ملا کی مٹی جو عرصہ دراز سے جمع کی جاتی تھی سر سے قدم تک قد کے برابر بچھا کر اُس میں دفن کیا اور رات بھر قبر پر ہزار آدمی جاگتے اور قرآن پڑھتے رہے نتیجے کے بعد مرقہ پر نیل قرآن خوان مقرر کر دیے بیگم کا ہر ایک آدمی اپنے اپنے کام کی فکر میں لگے مرنے کے بعد صرف ہو گیا۔ مرزا نصیر خان مرزا تفتی خان اور اُنکی اولاد ہمیشہ بیگم کی حیات میں دعا کرتی رہتی تھی کہ اللہ اول ہکو اٹھائے تاکہ بیگم صاحبہ کا روز بد ہکو دیکھنا نصیب نہو یہ لوگ بیگم کے مرتے ہی اپنے اپنے مکانوں میں جا کر باپوں پھیلا کر آرام سے سوئے اور جو لوگ بیگم کی غلامی کا دعویٰ رکھتے تھے وہ بھی اس طرح الگ ہو گئے۔ صبح کے وقت بیگانوں کی طرح مرقہ پر جا کر فاتحہ کی رسم ادا کی لیکن کسی کی آنکھ سے ایک قطرہ اشک بھی نہ پکا۔ بلکہ نہ روجواہر کے اڑنے کی فکر میں تھے اور

اختیار کامل نواب غازی الدین حیدر کورما۔ بہو بیگم کی وفات کے بعد یہ تجویز ہوئی تھی کہ انکی جائیداد کے بارے میں جو شرائط قابل تعمیل گورنمنٹ انگریزی اور نواب کے درمیان ہوں انکی نسبت عمد نامہ تحریر ہو کر نواب اسپر راضی ہوئے اور انھوں نے بیان کیا کہ جو ایک عمد نامہ ۱۲۸۵ء میں ہو چکا ہے وہ کافی ہے اب اور عمد نامہ کیا ضرور ہے اسلئے گورنمنٹ انگریزی نے اصرار اس امر میں نہیں کیا۔ بہو بیگم کی تمام ذاتی جائیداد نواب کے سپرد ہوئی اور انھوں نے ۵۶ لاکھ ۴۸ ہزار ۸۲ روپے انگریزی خزانے میں داخل کیے کہ انکے سود سے اکثر پنشنیں جنکی ادائیگی بموجب کاغذامانت داری کے جائیدادیں ماندہ بہو بیگم سے مشروط تھی ادا کیا جائیں اس قسم کی پنشن کو امانتی کہتے ہیں انکے سوا اکثر جاگیریں ایسی تھیں کہ انکا دینا بھی خزانہ اودھ سے مشروط تھا اور اگر نواب ان میں کمی کرتے یا انکو موافق کرتے تو گورنمنٹ انگریزی اس قدر پیسہ وثیقہ داروں کو جائیدادیں ماندہ بیگم سے دلوادیتی اور اس قسم کے وثیقے سے مرزا علی اور سالار جنگ اور انکے تینوں بیٹوں یعنی مرزا قاسم علی اور اکبر علی اور اصغر علی اور خاص محل کے واسطہ داروں کے وثیقے متعلق تھے مرزا علی اور سالار جنگ اور انکے تینوں بیٹوں کے وثیقے اس نظام میں شامل ہو گئے جو وزیر علی سے پہلے زر قرضہ اودھ کے باب میں عمل میں آیا تھا اور خاص محل کا وثیقہ جو لطف النساء اور مرزا محمد تقی خان اور مرزا نصیر اور انکی اولاد کے نام پر ہے اور جس کی تعداد ۶ ہزار روپیہ ماہواری ہے۔ ضمانت انگریزی کی رو سے ان کے تعلق ہوا یہ وثیقہ ضمانتی کہلاتا ہے۔

زر قرضہ جو گورنمنٹ انگریزی کو دیا گیا تھا اس کا سود و تالیق میں محسوب ہونا

۱۲۸۵ء میں جو نواب وزیر نے ایک کروڑ آٹھ لاکھ پچاس ہزار روپیہ گورنمنٹ انگریزی کو

داراب علی خان خواجہ سر نے خزانے کی کچی سیسٹمٹ کے سپرد کر دی اور چند عرصے کے بعد اس کی انتقال ہو گیا یہ شخص متدین تھا اس کے مرنے کے بعد بہو بیگم کے مال و اسباب میں خیانت پیدا ہوتی لگی۔ راجہ بنجا اور سنگھ کا صاحب ثروت ہونا اس وقت سے مشہور ہے اور جو کوئی اس محلے میں شریک تھا وہ بھی صاحب دولت بن گیا جو کچھ نقد و جنس بیگم کی سرکار سے ضبطی میں آتا تھا فتح علی خان کی جسکا خطاب ظفر الدولہ بہادر تھا تحویل میں داخل ہوتا تھا اور اس کے عوض وزیر علی کے خزانے سے زر نقد خزانہ زرینڈی میں داخل ہوتا تھا اور بہو بیگم کے متعلقین کی فوری عیادت کی داروغگی کا عہدہ اصغر علی خان اور مرزا حسین علی خان بن نواب قاسم علی خان نے زرینڈی سے سفارش کر کے پناہ علی مرثیہ کو کو دلایا یہ عہدہ اگرچہ گمنام تھا مگر درپردہ فتوح عظیم میں حاصل تھی تھوٹے عرصہ میں یہ شخص لاکھوں روپے کا آدمی ہو گیا پناہ علی کی وفات کے بعد مستمالہ وکٹ مرزا حسین علی خان کو بدوغن قادملک اس بات پر راضی کیا کہ پیش کش نذر کرے تو پناہ علی کا قائم مقام بنایا جائے اسکی وجہ یہ تھی کہ حسین علی خان کو نواب سالار جنگ اور قاسم علی خان کے گھروں سے قیمتی جواہرات ہاتھ آگئے تھے اور مستمالہ وکٹ کو انکا حاصل کرنا منظور تھا لیکن صاحب زرینڈی کو مرزا محمد تقی خان کی پاسداری منظور تھی اس لیے حسین علی خان اس جگہ پر مقرر نہ ہو سکا۔ مرزا محمد تقی خان مالک وٹیکہ اور گویا فیض آباد کے نواب تھے بی بی شرف النساء بیگم جو بہو بیگم کی روشنی چشم تھی وہ انکے کھل میں تھی مرزا حیدر خلیف مرزا محمد تقی خان اسکے لٹن سے تھے زرینڈی نے فیض آباد کے تمام معاملات کا انتظام محمد تقی خان کی رائے پر رکھا اور گنگا پرشاد کا یہ تھ تقسیم وٹیکہ کے واسطے نوکر ہوا اور چند سال میں اتنی دولت جمع کی کہ نئی عمارتیں اور باغات تیار کر لے پھر ایک مرتبہ یہ کام مرزا حیدر سے متعلق رہا مگر یہ شخص کوٹلی گنگا پرشاد کی وجہ سے آخر کار کھٹائی میں پڑا اور اسقدر سناقتہ اہل و فائق میں پیدا ہوا کہ اسکے نقشے دست بدست قرار پائے اور بہو بیگم کے تمام مال و اسباب پر

نام وثیقہ دار تعداد وثیقہ ماہواری تعداد وثیقہ سالانہ

مستولان و متعلقان

تحسین علی خان ۹ شخص

۷۷۵ روپیہ ۹۳۰۰ روپیہ

میزان کل ۵۴۲۴۲ روپیہ ۹ پائی ۶ ۵۰۹۰۴ روپیہ

فصل ۷ روپیہ ۵ آنہ ۳ پائی ۹۵ روپیہ ۷ آنہ

مجموعہ ہر دو ۵۴۲۵۰ روپیہ ۶ ۵۱۰۰۰ روپیہ

۱۸۵۱ء میں کثرت مصارف جنگ نیپال کی وجہ سے ایک کروڑ روپے کی سود فی صدی چھ روپے سالانہ پر اور درخواست کی گئی بھجوری وہ بھی انھوں نے قرض کے طور پر دیدیے مگر جب جنگ ختم ہوئی تو قرض کے عوض ضلع کھیرا گڑھ اور ملک ترائی جو گورکھوں سے لیا تھا نواب وزیر کو دیا گیا یہ علاقہ دریائے گھاگرا اور گورکھپور کے درمیان واقع ہے اور نواب وزیر کو برگٹہ نواب گنج بھی جو ضلع گورکھپور کا جز تھا دیکر ان کا برگٹہ مہدیا عرف کیوی جو ضلع پرتاب گڑھ میں شامل تھا اور درمیان اضلاع انگریزی جونپور اور مرزا پور اور الہ آباد کے واقع تھا گورنمنٹ انگریزی نے تبادلے میں خود لے لیا نواب گنج کا محفل مہدیا کے مساوی تھا۔ اس بارہ میں ایک عہد نامہ یکم مئی ۱۸۱۶ء مطابق ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۶ھ ہجری کو اسٹریچی صاحب رزٹنٹ کی معرفت لکھا گیا جو رزٹنٹ کی گوالیار سے جان سلی تھا کی جگہ مقرر ہو کر آئے تھے نیپال کی مہم میں غازی الدین حیدر نے تین سو با تھی بھی انگریزوں کے پاس مدد کو بھیجے۔

مستعد الدولہ آغا میر کا قید ہونا

مستعد الدولہ کے زوال کی صورت کئی وجہ سے ظہور میں آئی (۱) کسی شخص نے آمد و رفت کے

قرض دیا تھا اسکا سود بحساب چھ روپیہ فی صدی سالانہ قرار پایا تھا اسکے سود کی نسبت یہ قرار پایا کہ سود کا تمام روپیہ جسکا ماہواری چوں ہزار دوسو پچاس روپیہ اور سالانہ چھ لاکھ اکاون ہزار روپیہ ہوتا ہے وراثت میں دیا جائے اور یہ بھی مقرر ہو گیا کہ جو ضبط ہو جائے اسکا اصل روپیہ سرکار اودھ کو واپس لے پنشن نمبر کریم دیو جبہ ۱۲۹۱ بجری مطابق ۱۴ نومبر ۱۸۷۸ء سے شروع ہوئی۔

نام وثیقہ دار تعداد زر وثیقہ ماہواری تعداد زر وثیقہ سالانہ

شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ	۶۰۰۰ روپیہ	۷۲۰۰۰ روپیہ
نواب شمس الدولہ علی خان	۱۶۶۶۱ روپیہ	۱۰ روپائی دو لاکھ روپیہ
ومتوسلان		
مستقلان شمس النسا بیگم صاحبہ	۴۰۰۰ روپیہ	۴۸۰۰۰ روپیہ
مرزا شہامت علی خان	۲۸۰۰ روپیہ	۳۳۶۰۰ روپیہ
مرزا منیڈو	۱۶۴۷ روپیہ	۱۹۷۶۴ روپیہ
خانڈان مرزا علی خان سالار جنگ	۶۷۲۷ روپیہ	۸۰۷۳۴ روپائی
مرزا قاسم علی خان	۳۳۹۹ روپیہ	۴۰۷۸۸ روپیہ
اکبر علی خان و اصغر علی خان	۲۱۰۹ روپیہ	۲۵۳۱۲ روپیہ
مستقلان طیبہ بیگم صاحبہ	۳۲۶۶ روپیہ	۳۹۱۹۳ روپائی
مرزا رمضان علی خان	۴۸۵۱ روپیہ	۵۸۲۱۲ روپیہ
مستقلان حسین علی خان ولد		
جہد بیگ خان صاحبہ	۲۰۰۰ روپیہ	۲۴۰۰۰ روپیہ

غریب ہندو مسلمانوں کے زارٹائے گوش فلک تک پہنچے مگر نواب کے کان تک پہنچنا مکمل دشوار تھا کیونکہ کسی کی عرضی مستعد الدولہ کی نظر ثانی کے بغیر نواب تک جانہ سکتی تھی اتفاقاً کسی کی عرضی نواب کے ملاحق تک پہنچ بھی جاتی تھی تو مستعد الدولہ عرض کرتے تھے کہ شہر کے کوہے تنگ ہیں اور کچھڑ ہوتی ہے جسکی وجہ سے گھجی اور سیج گاڑی کا گذر مشکل سے ہوتا ہے مکانوں کی شکست و ریخت آراستگی کے لیے طور میں آتی ہے اور مکانوں کی قیمت خاطر خواہ صاحبان کو دیجاتی ہے لیکن یہ مفسد لوگ اس پردے میں چاہتے ہیں کہ بندگان عالی کو بھروسے ناراض کر دیں خلاصہ یہ ہے کہ ایک خلق گرداب بلا میں پڑی تھی اور کسی کی بددعا کا اثر آغا میر پر نہ ہوتا تھا مستعد الدولہ کا دماغ آسمان پر تھا اپنے آپ کو ولی عہد سلطنت سے کم نہیں سمجھتے تھے اور اب مستعد الدولہ کو یہ منظور ہوا کہ عامل سلون کو جو بادشاہ یگم اور میر فضل علی کی طرف سے مامور تھا موقوف کر کے اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو وہاں مقرر کریں اور ولی عہد کی سرکار کی دیوانی کسی اپنے رفیق سے متعلق کریں (۷) فرخ آباد کے سفر میں اکثر حرکات ناالام ولی عہد کی نسبت عمل میں آئیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب گورنر جنرل لارڈ ماٹا مالک مغربیہ سے پھر کر فرخ آباد میں آئے تو مستعد الدولہ اور ولی عہد نصیر الدین حیدر ملاقات کو گئے گورنر جنرل کے ایمان سے چار بانچ انگریزی افسر استقبال کو آئے اور ولی عہد کو یجا کر کمپن میں ٹھہرایا پہلے ولی عہد گورنر جنرل کی ملاقات کو گئے تو مختل معافی میں یورپین لیڈیوں کا ملج ہوا مستعد الدولہ گورنر جنرل کی خدمت میں معاملات کے سوال و جواب کے لیے آمدورفت رکھتے تھے انھوں نے گورنر جنرل پر ظاہر کیا کہ نواب کے خزانے پر گوجھکو قابو نہ تھا مگر آپ کی استدعا کی وجہ سے نواب کو سمجھا کر وہے کی سبیل ظہور میں لایا اور مرغویوں نے ولی عہد کے مزاج میں یہ آگ لگا دی کہ مستعد الدولہ کی گزرم بازاری گورنر جنرل کے پاس گرم ہے اور حضو کو کوئی پوچھنا بھی نہیں اور ان کی

در و انس پر اس مضمون کا ایک کاغذ چسپان کر دیا کہ علی نقی میر منشی زبیدی اور مستعد الدولہ دونوں شیر و شکر ہو رہے ہیں غازی الدین حیدر کو اس مضمون سے اطلاع ہو گئی تو یہ منظور ہوا کہ مستعد الدولہ کو نذر ادجائے (۲) شہر میں تبرکاً کا یہ زور ہوا کہ ساتویں اور آٹھویں محرم کو آغا باقر مرحوم کے امام بارہ میں اہل سنت اور اہل شیعہ میں بہت دنگہ ہوا یہاں تک کہ جو علم دیور بھی خاص محل اور خرد محل سے لٹھے تھے وہ لڑا دیے گئے اور نوبت کشت و خون کی آئی اور فرنگی محل کے کوچے میں مرزا جعفر اور مرزا حاجی کے مکانوں کے قریب شور و ہنگامہ برپا ہوا کہ شیعہ نے ان اہل شام اور کوفہ کو جو خباب امیر اور انکے صاحبزادوں سے لڑتے رہے نام لیکر متوسلان کہینی و سکناے لندن وغیرہ کے حق میں ایسے شوموثر سے تہرکی یورش کی کہ ریڈنٹ نے نواب وزیر سے اس بات کی شکایت کی۔ (۳) کارپردازان گنجیات کی نسبت یہ شکایت پیش ہوئی کہ قسط سالی میں غلے کی گرانی میں رعایا سے کثرت سے رشوت لیتے رہے جس سے رعایا کو بڑی پریشانی کا سامنا ہوا (۴) مستعد الدولہ نے آمدنی ملک کو اپنی ذات خاص کے مصارف میں اس کثرت سے خرچ کرنا شروع کیا کہ ریاست کے لازموں کی تنخواہ تقسیم نہ ہو سکی (۵) مستعد الدولہ کا بھائی میر روشن علی اہل حرفہ پر ظلم و تعدی کرتا تھا کسی سے اگر سو روپیہ کا اسباب مول لیتا تو اسکو دس روپے بھی بمشکل دیتا تھا اور لوگوں کو ہر وقت گالیان دیتا رہتا تھا اور مستعد الدولہ اسکا کچھ انتظام نہیں کرتے تھے (۶) مستعد الدولہ نے دولت پورے میں اپنے واسطے عمارت تیار کرائیں تو ہزاروں مکان بننے و خام رعایا کے کھود کر خاک میں ملا دیے گئے اور مکانات والے پریشان حال مارے مارے پھرنے لگے اور اگر کسی مکان کا معاوضہ دیا تو ہزارین سو روپے دیے اور مکانات کے خریدنے اور خالی رانے میں وہ عجلت کی کہ مکانات والوں کو اپنا اسباب اٹھانا مشکل تھا غرض اس ظلم و تعدی کے ساتھ کئی محلے کھڑے مستعد الدولہ کی عالیشان عمارت عین ناف شہر میں تیار ہوئیں

(۲) عباس قلی خان جن کے باپ منیر الدولہ شاہ عالم کی طرف سے الہ آباد میں ناظم تھے آئے یہ صاحب نہایت متین اور نازک طبع تھے اور اپنے باپ کی جاگیر میں نواح عظیم آباد کی طرف رہتے تھے زیارت کر بلائے معلے اور نجف اشرف سے مشرف ہو کر ایران سے لوٹ کر کھنڈ میں آئے اور بحرے کے وقت شمشیر قیمتی نواب کو نذر کی اور ایک کتاب اپنی تصنیف کی ہوئی پیش کی اس کتاب میں اپنے سفر عرب و عجم کے حالات بیان کیے تھے۔ اقوام و کینیٹ مشیہ کے ہاتھوں جو مصائب اٹھائے تھے اور ان کے پنجہ عذاب میں گرفتار ہو کر دو تین لاکھ روپیہ کا سبب برباد کیا تھا یہ حال مفصل بیان کیا تھا کئی برس کے بعد ان کا کئی ہزار روپیہ مشاہرہ قرار پایا۔

(۳) نواب قاسم علی خان بن نواب سالار جنگ نے قضا کی یہ نواب عمدہ عمدہ کھانوں کے بڑے شوقین تھے بلکہ خود اچار اور مربے بنانے میں مشاق تھے اور ہاتھی۔ گھوڑے اور تلوار کو خوب پہچانتے تھے نعمت و سرور اور مرثیہ خوانی میں داؤد ثانی تھے بوجہ دولت مندی کے حکام انگریزی انکی بہت عزت کرتے تھے گورنر جنرل سے بھی روشناس تھے۔ قاسم علی خان کے بعد ان کے بیٹے حسین علی خان اور بھائی نوازش علی خان اس گھرانے کے سربراہ رہے۔

(۴) نوازش علی خان بن نواب سالار جنگ نے انتقال کیا یہ بھی بڑے دولت مند تھے جو صفات ان کے بھائی قاسم علی خان میں تھے وہ ان میں نہ تھے۔

(۵) رمضان علی خان جن کی بہن نواب سعادت علی خان کی حرمون میں داخل تھی اور اس وجہ سے نواب کے مقرب اور ندیم تھے اور پیش قرار مشاہرہ رکھتے تھے اور دولت مندی میں تھے اور انکی نسبت نواب سعادت علی خان کو نہر خوانی کا شہنشاہ تھا۔ اسیر پنجاب میں ہوئے انکی تنخواہ ان کے بیٹوں پر مقرر ہوئی۔

(۶) گلزاری مل خراجی کا خزانہ حیات قزان قضا نے لوٹ لیا اس شخص کی عمارت شیخ

سواری کی رونق حضور کی سواری سے زیادہ ہوتی ہے ولی عہد کے مزاج میں مستند الدولہ کی طرف سے بل پیدا ہو گیا۔ اتفاقاً ایک دن ایسی آمدنی چلی کہ اہل لشکر کے خیمے کر گئے بلکہ جس شخص میں دینار پیدا ہوا تھے وہ بھی سو کو بی ہوا قریب تھا کہ بالکل گر پڑے اور مستند الدولہ کے خیمے کو ہزاروں فراشوں کے سوا امرائے عالی شان دست بستہ تھامے ہوئے تھے اس لیے کرنے سے محفوظ رہا ایسی باتوں سے بادشاہ سلیم کے دل میں آگ لگ گئی اور مستند الدولہ کی طرف سے دل میں سرد مہری پیدا ہو گئی اور انگریزوں کے ساتھ جو انکو خصوصیت حاصل ہو گئی تو اس وجہ سے خود بادشاہ کا مزاج جل بھا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک دن کہنے لگے کہ مستند الدولہ کو ہم نے آبرودہی مگر انگریزی دوستی نے اسکا دل ہماری دولت خواہی سے پھیر دیا اس طرح اکثر ان الفاظ شکایت سردار علی محمد خان اور محمد علی خان اور مصمصام الدولہ کے روز و زبان پر لائے جب مستند الدولہ فرخ آباد سے واپس آئے تو نواب نے انکو نظر بند فرما کر ارشاد کیا کہ اب دیکھتا ہوں کہ کون اُسکی ضمانت کرتا ہے اور حکم دیدیا کہ بدوین طلب ہمارے سلام کو نہ آیا کرے۔

مستند الدولہ پر قرض خواہوں کا تقاضا اور شہر کی شکایتوں کا ہنگامہ برپا ہوا یہاں تک کہ انکے گھر کا سبب بیلام ہوا۔

ان عمائد کے حالات جوان دو برسوں کے اندر لکھنؤ میں

آنے اور بعض لکھنؤ میں رہر و ملک عدم ہوئے

(۱) نواب منصور علی خان بن اشرف اور زرا شاہ ولی خان وزیر احمد شاہ درانی تلاش معاش کے لیے لکھنؤ میں آئے اور محلہ حیدر آباد میں جو نیا آباد ہوا تھا ٹھہرے ابھی کوئی مستقل سلسلہ روزگار پیدا نہوا تھا صرف مستند الدولہ کے ذریعہ سے مدد خرچ کی صورت ظہور میں آئی تھی کہ بیاہ ہو کر دار فرائض گزرتے۔

اور بادشاہ بیگم کی جاگیر کا کام آفرین علی خان خواجہ سرکرتا تھا اور سلطان پور کا علاقہ مرزا حاجی کے چھوٹے بھائی مرزا محسن سے متعلق تھا مرزا حاجی اور آفرین علی خان یہ دونوں نواب غازی الدین حیدر کے مشیر تھے کچھ دنوں محبت نے رنگ دکھایا چین سے گزری باہم شیر و شکر تھے یکایک پیر فلک نے کر دت لی جسکی تفصیل یہ ہے۔ مہتمم الدولہ نے خیال کیا کہ بادشاہ بیگم کی آزدگی اپنے منصب نیابت کی بربادی کا باعث ہے اس فکر و تدبیر میں عرق ریزی شروع کی کہ انکا دل صاف ہو جائے کوئی دقیقہ سحر و افسون و طلسم و دعا و توجیز وغیرہ مذہب اہل سنت و امامیہ سے باقی نہ رہا کہ جو ظہور میں نہیں آیا آخر کار سبحان علی خان نے بی بی قطبی کے ذریعہ سے بادشاہ بیگم کا ائینہ دل رنگ آزدگی سے صاف کیا اور صفائی کی صورت پیدا ہو کر آغامیر اٹھارہ ماہ معطل رہنے کے بعد پھر خلعت نیابت سے معذرت و نقادہ سرفراز ہوئے۔ اس عرصے میں مسٹر اسٹریچی زریڈنٹ لکھنؤ سے چلے گئے اور کچھ دنوں مسٹر میجر اسٹنٹ قائم مقام زریڈنٹ رہے۔ پھر مسٹر جان کٹن جو سابق مین دفتری کلکتہ مین سکریٹری اور زریڈنٹ بنگالہ تھے عمدہ زریڈنٹ لکھنؤ پر مامور ہو کر آئے کچھ دنوں کے بعد یہ بھی مستعفی ہو کر ولایت کو چلے گئے اور اس عہدے پر مسٹر رکن صاحب مقرر ہوئے۔

نواب غازی الدین حیدر کا بادشاہ بننا اور شاہ زامن
لقب اختیار کرنا آغامیر کو وزارت ملنا

شاہ عالم ثانی کا مسکہ ۱۱۷۱ھ ہجری تک تمام ہندوستان میں انگریزوں نے جاری رکھا جو سپہ دار روپیہ کھلاتا تھا یہ مین نے دیکھا ہے انھوں نے بیاسی برس کی عمر میں ۷۔ رمضان ۱۱۷۱ھ ہجری کو انتقال کیا برائے نام ۸۸ سال قمری

دروائے کے قریب اور مینا بازار میں بلند اور وسیع تھی یہ تمام مکانات غدر کے بعد مسمار ہوئے
یہ شخص قوم کا بنیا تھا راجہ رائے رتن چند کی وجہ سے معتمد الدولہ کا ملازم ہوا نواب سعادت علی خان کے
عہد میں تقسیم سپاہ کے خزانے کا جس میں دو کروڑ روپیہ ہمیشہ موجود رہتا تھا خزانچی تھا اس کے
مکان عالیشان کا دروازہ صحن حیدر باغ اور عمارات سنگین محل کے مقابل سر بازار واقع تھا
حکم ہوا کہ وہ کھوکڑ زمین ہوا کر دی جائے لیکن مکانات نے کچھ نذرانہ دیکر اُسکی بلندی کچھ پست کی دی
(۷) نواب مدار الدولہ امراے نامی شاہ جہان آباد سے تھے پرگنہ بھڑہہ متعلقہ خیر آباد جسکی
جمع ساٹھ ہزار سالانہ تھی انکی جاگیر میں تھا یہ نواب مدت سے عیال تھے نواب وزیر نے
اور گورنر جنرل کے دربار میں تقرری پاپون کی کھٹولی پر بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔ آخر کار مر گئے
ترکہ کے واسطے ورثہ میں نزاع پیدا ہوا۔ آخر یہ تجویز ہوئی کہ گھر کی سہرہ آور دگی و سرغنائی محمد علی خان کے
نامزد ہو اور جاگیر ضبط ہو کر پانچ ہزار روپیہ ماہوار نقد خزانہ عامہ وزارت سے عنایت ہوتا ہے
اور اس رقم میں نواب محمد سی علی خان اور نواب احمد علی خان اور نواب امجد علی خان کی بھی تنخواہ
قرار دی جائے۔

(۸) تاجل حسین خان سپہر علامہ تفضل حسین خان نے انتقال کیا علاقہ بمیسواڑہ میں جو جاگیر
انکی ساٹھ ہزار روپے کی تھی وہ انگریزوں کی حمایت سے احمد حسین خان اور حمید حسین خان
فرزند تاجل حسین خان پر بحال و برقرار رہی۔ گو کار پر دازان ریاست نے مداخلت کی
مگر انگریزوں کی حمایت کی وجہ سے نہ پھل گئی۔

مرزا حاجی کا ر نیابت انجام دینا مگر آخر کار دوبارہ معتمد الدولہ کا بحال ہونا

معتمد الدولہ غامیر کے نظر بند ہونے کے بعد نیابت کا کار دوبارہ مرزا حاجی جلاتے تھے

دو بھائی قوم کا یست سکسینہ اطراف شاہ جہان پور ملک روہیلکھنڈ سے لکھنؤ میں وارد ہوئے تھے اور سرشتہ والا ضرب میں نوکر ہوئے تھے انھوں نے ایک جدید صورت سکے کے لیے خلع کی اور نواب کی خدمت میں پیش کی اسکی صورت یہ تھی کہ دو شیر و ان کے درمیان تصویر نقش تھی نواب نے اس سکہ کو پسند فرمایا اور یہی سکہ جاری کیا گیا اور چند روپے حسب دستور کلکتہ کو بھیجے گئے کہتے ہیں کہ گورنر جنرل نے اس کے جواب میں نواب کو لکھا کہ نواب صاحب اپنے ملک کے مالک ہیں اور اپنی قلم و کے بادشاہ ہیں اگر سکہ اپنے نام سے مضروب فرماتے تو بھی مناسب تھا مستمد الدولہ نے گورنر جنرل کے مضمون خط سے نواب غازی الدین حیدر کو اطلاع دی تو نواب نے ریڈیٹ کی معرفت کونسل کلکتہ میں اس امر کی درخواست کی کہ سکہ ہمارے نام سے جاری ہو۔ سیر تختہ میں وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ لارڈ مارٹا مارکوئس ہیسٹنگز گورنر جنرل ہند کو ۱۸۱۳ء میں جب ہندوستان کے دورے کا اتفاق ہوا تو انھوں نے اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی بن شاہ عالم ولد عزیز الدین عالمگیر ثانی سے ملاقات کے وقت کسی کا سوال کیا بادشاہ نے یہ امر جدید بخلاف عہد قدیم کے قبول فرمایا جبکہ گورنر جنرل کی یہ مراد پوری نہ ہوئی تو دل میں سجدہ رنج پیدا ہوا اور شاہ دہلی کو مات کرنے کے لیے غازی الدین حیدر کو بادشاہ بنانے کا منصوبہ کیا۔

تختہ خوانی میں اس بات کو یوں لکھا ہے کہ مستمد الدولہ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ رئیس کو عہدہ وزارت سے مرتبہ بادشاہت پر پہنچائیں گورنر جنرل کے یہاں سے ایک تحریر آئی تھی جس میں غازی الدین حیدر کو لکھا تھا کہ صاحب اپنے ملک کے آپ بادشاہ ہیں کسی کو آپ کے مقدمات غلامی میں مداخلت نہیں ہے اس تحریر کو سند سچہ کہ نواب اودھ کی جانب سے بادشاہت کا سلسلہ لایا۔ اور چند ایسے آدمیوں کے نام لکھے کہ وہ سابق میں شاہ ایران کے

اور پانچ مہینے تک بادشاہت کی جن میں سے بارہ برس اور ھ مہینے بہار اور الہ آباد میں بسر کیے دہلی میں ۷ برس دونوں آٹھوں کی مینائی کے ساتھ گزارے اور انیس سال نابینائی کی حالت میں کاٹے اُنکے سکے کا شعر یہ ہے۔

حامی دین محمد سایہ فضل الہ سکہ زور بہفت کشور شاہ عالم بادشاہ

مگر مشوریں طرح ہے ۷

سکہ زور بہفت کشور سایہ فضل الہ حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ

راجپوتانے کی بعض بعض ریاستوں میں ۱۸۱۵ء تک لکھ نام کا سکہ جاری ہے جو اگلے زمانے کا مسکوک ہے ٹکسال اسکی بند ہے۔

نواب اودھ کی ٹکسال میں جو سکے جلوس رئیس کا ہر سال بنا پڑتا تھا وہ شاہ عالم کے نام سے مسکوک ہوتا تھا اور کچھ نمونے کے طور پر کلکتے کو بھیجا جاتا تھا نواب غازی الدین حیدر نے اپنے جلوس کے تیسرے سال سکے کی یہ صورت مقرر کی کہ ایک طرف شاہ عالم کا نام تھا اور دوسری جانب بھجلی کی صورت اور اودھ کا نام تھا اور بھجلی کی صورت میان کی رسم قدیم تھی اسوجہ سے کہ جب صفدر جنگ صوبہ اودھ میں داخل ہوئے تو پہلے پبل داخلے کے وقت بھجلی نظر پڑی اسلئے اسکو نیک سنگون خیال کر کے سکے میں رواج دیا۔ یہ بیان بعض مورخوں کا ہے مگر ہم برہان الملک کے حالات میں ایک اور تاریخ سے لکھ چکے ہیں کہ جب برہان الملک صوبہ دار اودھ ہو کر اس ملک کی قبضہ کرنے کے لیے آئے اور لکھنؤ کو عبور کرنے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے تو ایک بھجلی حبست کر کے اُنکے دامن میں آ پڑی اور نواب نے اسکو سنگون نیک جان کر رکھ چھوڑا جو واجد علی شاہ کے عہد تک ہی گوشت دور ہو کر ہریان رہ گئی تھیں۔

بہر صورت نواب نے اس قسم کے سکے مسکوک کر کر کلکتے کو بھیجے۔ جمعیت بایں اور دشمن لال

وزارت مانی جاتی تھی تمام ہندوستانیوں کے دل متفر ہو جائیں گے کہ اپنے بادشاہ کو کمزور پا کر اپنے رتبے سے بڑھ کر قدم رکھا اور یہ عداوت ہمیشہ باقی رہے گی اور اس صورت میں سرداران ہندوستان کی طرف سے سازش کا اندیشہ جاتا رہیگا اور اس میں ہمارے نامی اُسوقت مقصود تھی کہ تحریص سرکار کمپنی کی طرف سے ہوتی حالانکہ ہمارے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی اور یہ کام خلاف قانون و دستور بھی نہیں ہے کیونکہ نواب خود لکھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں میں سے کئی بادشاہ گذرے ہیں اور ممانعت کی اس وقت میں جگہ تھی کہ نواب اپنے بزرگوں کے خلاف کوئی کام کرنا چاہتے اور یہ کام نواب کا فتنہ و فساد کا احتمال رکھتا تو روکنے کے قابل ہوتا بلکہ یہ تو ایک قسم کے لہو و لعب اور عیش و عشرت کی تلخ ہے پس یہ کام سرکار کمپنی کے لیے عین مصلحت ہے کیونکہ جبکہ رعیش و عشرت میں مبتلا ہوں روکنا اس سے مقصداً دانائی کے خلاف ہے فتنے کا خواب میں رہتا بہتر ہے بیدار ہونے سے۔ نواب کی یہ تخت نشینی اسی قسم کی ہے اور آداب ملاقات و مراسلات میں تو تفاوت اس وقت پڑ سکتا ہے کہ اجازت دیجائے گوڑہ چلنے نے بھی فریق ثانی کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا کیونکہ انکوں ملاقات کے باب میں بادشاہ دہلی سے رنج پور بچا تھا اور کہا کہ نواب اودھ اپنے ملک میں ہر طرح کا اختیار رکھتا ہے اور بادشاہ دہلی کی شکایت ہم سے ہونیں سکتی نواب سے ہوگی جب صدر سے اجازت تخت نشینی کی ہو چکی تو غازی الدین حیدر متددالہ کے کام سے ایسے راضی ہوئے کہ کبھی ایسا کوئی مالک اپنے گھوڑے راضی نہوا ہو گا اس خدمت کے صلے میں ریاست میں پورے اختیارات بخشے اور دم واپسین تک اُنکے حق میں کسی شکایت پر التفات نہ کیا۔ اثنا عشر یہ کے نزدیک ۸۸ تاریخ ذی حجہ کی مبارک ہے

۱۷ چونکہ نواب مدوح از بادشاہ دہلی پر در باب ملاقات دفعہ بود رائے ثانی برابر رائے اول فرج دادہ ہو چکے

سلطنت مجاہد نمود ۱۲ محترم غازی نواب مدوح سے مراد گورنر جنرل ہے ۱۲

ماتحت تھے اور تحریر کیا کہ میرا تعلق بادشاہ دہلی سے کسی قسم کا نہیں ہے مین شاہ انگلستان کا تابع ہوں اور وہ شاہنشاہ ہین لیسے میری خواہش یہ ہے کہ عمدہ وزارت کو ترک کر کے سرکار انگریزی کی مدد سے تخت نشینی اختیار کر دوں میرے خاندان میں سے پہلے کئی شخص سلطنت کے مرتبے کو پہنچے ہیں اور صدر سے فلاں تاریخ جو مراسلہ آیا ہے اس میں بھی مندرج ہے کہ آپ اپنے ملک کے بادشاہ ہین پس یہ درخواست قبول کر کے اجازت سے دریغ نہ کریں جب گورنر جنرل کی کونسل میں یہ مراسلہ پیش ہوا تو عجب پیدا ہوا اور میران کونسل کو اس امر میں اختلاف پیدا ہو گیا ایک فریق کی یہ رائے تھی کہ اس صورت کا پیدا ہونا مناسب نہیں اور دوسرے فریق نے وزیر کی درخواست کی تائید کی فریق اول کی ذیل یہ تھی کہ جب تک اسکا بادشاہ زندہ ہے یہ امر مناسب نہیں ہے دوسرے عہدہ جنگ کے عہد سے اس وقت تک کسی نے یہ حوصلہ نہیں کیا تھا۔ اب غازی الدین حیدر کا ایسا کرنا خلاف دستور ہے۔ تیسرے جس وقت یہ خیر ممالک میں پھیلے گی تو سرکار کپنی بنام ہوگی کہ باوجود تسلط اور اختیار کے اس نامناسب کام سے نہ روکا جوتھے ملاقات اور تحریرات میں نقاد تہذیب جا لیگا اور یہ دستور قدیم کے خلاف ہے۔

دوسرے فریق کی دلیل یہ تھی کہ ہکو وزیر اور بادشاہ کی خوشنودی اور رنجیدگی سے کوئی غرض نہیں جب کام میں سرکار کپنی کی بہتری ہو وہ ہمارے نزدیک اچھے ہے اور اس امر میں نواب کو اجازت دینا سر مصلحت کے موافق ہے کیونکہ جتنے عہدے سرکار کپنی اور ریاست اودھ کے درمیان وزارت کے عہد میں منعقد ہوئے تھے وہ تخت نشینی کے وقت کا عدم ہو جائیں گے یہ سرکار کپنی کی خوش آقبا کی کے آثار ہیں کہ ابتدا اس امر کی نواب کی طرف سے ہوئی دوسرے جس قدر اولاد شجاع الدولہ کی شریک ریاست تھی وہ سب خارج ہو کر سوا امتیاز الدولہ کے دوسرا باقی نہ رہے گا اور اس کا بھی مال کار دیکھنا چاہیے کہ کتنا تک طول کھینچتا ہے تیسرے اودھ کی ریاست تمام ہندوستان میں

مقابلے میں تھیں اب معتمد الدولہ کا عمدہ نیابت بھی وزارت کے ساتھ تبدیل ہوا
شیخ امام بخش نے غازی الدین حمید کے بادشاہ ہونے کی تاریخ اس طرح موزون کی ہے۔

بھرا اللہ کہ با اقبال و دولت	بر تخت زر جلوس شاہ گردید
زمین و آسمان یکے بنمیشیت	ز ماہی حشر می تماہ گردید
امبارک باد اے آفاق عالم	طلوع آفتاب جاہ گردید
ندا آمد بگو شہم زود یارب	کہ شاہ امر و زشاہنشاہ گردید
پے سال ہمایون جلوس	بگو تاریخ کہ فضل اللہ گردید

دیگر

بر تخت شہی جلوس فرمود	زیبا سے سریر بادشاہی
آوازہ جو د فیض بخشی	تاماہ رسیدہ اش ز ماہی
نافذ شرے ست تا ثریا	عکس ز او امر و نواہی
جاری باد اہفت اقلیم	این سکہ و حکم خاص شاہی
تاریخ جلوس ساختہ و رد	واثق بدعا کے صبحا ہی
نولج شہی و سکہ و ملک	قائم بدوام و سکہ الہی

تاریخ جلوس نمودن بر تخت مرصع و وزیر اعظم شدن معتمد الدولہ -

چون شاہ زمین صاحب ہوا نصرت	شد بر سر اوزنگ مرصع جالس
گردید وزیر غلش ضعیف جنگ	کوہست بمضمار فراست غلش
ساز و قدم شاہ خرف را یا قوت	وز خاک در وزیر زر گرد و سن
تاریخ بسید کردن تاریخ تحریر	شہ اسکنند وزیر اسطفا لیس

کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب سردار کائنات حجۃ الوداع سے پھرے تو غدیر خم کے مقام پر کہ ایک جگہ کے اور مدینہ کے درمیان میں ہے ۱۸-۱۹ ذی الحجہ کو سب صحابہ کو جمع کر کے حضرت علیؑ کی مولائیت کی بشارت دی تھی جس سے مراد یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا کے بعد امامت کے لیے اولے ہیں پس اس تاریخ کو ۱۲۳۳ ہجری میں کہ ۹- اکتوبر ۱۸۱۹ء سے مطابق تھی شنبہ کے دن نوابی کی صورت سلطنت سے

مبتدل ہوئی۔ اور بادشاہ کا لقب ابو المنظر معز الدین شاہ حسن غازی الدین حیدر مقرر ہوا اور بزم جشن جلوس منعقد ہوئی۔ اب چتر تخت لوازمہ شاہی کی بھی ضرورت واقع ہوئی جنگی تیاری کے لیے دو کروڑ روپے ساہ گونبد لال پیرساہ بہاری لال کی تحویل میں حج ہو کر تخت اور چتر مرصع مکمل ہوا اور کاردار کارچوبی شامیانہ تیار ہوئے۔ اس تخت کی کیفیت یہ ہے کہ یہ چاندی اور سونے سے بنایا گیا تھا اور اس کے آس پاس چار حاشیے لعل اور زمرد اور یاقوت اور فیروزہ اور کھلج اور موتی اور مونگے سے اس طرح کاریگریوں نے دکائے تھے کہ وہ تاروں بھرے آسمان کی طرح بہار دیتا تھا اور اس تخت پر محل سرخ کی مسند بھی تھی اور اوپر ایک شامیانہ زینبت کا ایسا وہ تھا جسکی جھالروں میں موتی اور مقیش ٹکے تھے تو بین اس شامیانے کی سونے اور چاندی کی تھین اور کلابتون کی ڈویروں سے تنا ہوا تھا۔ تخت اس شامیانے کے تلے تھا اور تخت کے سامنے چالیس گز لمبا بیس گز چڑا ایک دوسرا شامیانہ کھڑا تھا جس کی تیاری میں سترہ سو سارہ مقیش و کلابتون خرچ ہوا تھا۔

الگو نرو کو بہت کچھ دیا گیا۔ رکھن صاحب زریڈنٹ کو لاکھوں روپے اور لاکھوں کے تالیف دیے گئے اور تمام بڑے بڑے اہلکاروں کو خلعت مرحمت ہوئے سات دن تک جشن رہا۔

سکہ جو سجان علی خان نے موزون کیا ہے یہ ہے۔

سکہ زدرسیم وزر از فضل رب العزیز غازی الدین حیدر عالی نسب شاہ زمین

سکے پر ایک طرف یہ بیت تھی اور دوسری جانب دھچھلیوں اور دو شیروں کی تصویریں ایک دوسرے کے

محسوب نہ تھا لیکن مزاراجا جی سے جو معتد الدولہ کا دشمن تھا، موافقت رکھتا تھا اس لیے معتد الدولہ کا دل اس سے کد رکھتا اور بارہین آنے کے واسطے اسکو ممانعت تھی اس تھوڑے سے عرصے میں آفرین علی خان ملک عدم کا رہرو ہوا۔ تاریخ وفات زیب قلم ہوتی ہے۔

چون محمد آفرین رحلت ازین عالم نمود مدفن او شد بخاک آستان شاہین
چون نمود فکر مہر سال تاریخ وفات اس نے گھسا کہ ہے یہ کرد رحلت آفرین
اس کا نائب میر حیدر بخش محاسبے میں مقید ہو، مطلق اور زنجیر پھنی اور بڑی رسوائی کو پہنچا
پھر ریڈنٹ کی سفارش سے جو آفرین علی خان پر مہر پائی رکھتا تھا راہوا گورد بارہین بادشاہ
کے جانا پھر نصیب ہوا اور آفرین علی خان نے جو اپنے متروکے مین سے لے سکے یہ وراثت
سرکار انگریزی میں مقرر کیا تھا وہ بھی حاصل ہوا۔ یہ شخص مذہب امامیہ میں اتنا غور رکھتا تھا
کہ صحابہ کے نام کھ کر فرش کے تلے بچھائے تھے تاکہ پاؤں مال ہوں کھنکھائی کر بلاے تاکلثوہ میں تنک
یہ بات موجود ہے میر حیدر بخش نے ایک کر بلا بنائی تھی جو بہت مشہور ہے نام اس کا شبیہ
روقتہ امام علیہ السلام ہے۔ اسکی تیاری کی تاریخ یہ ہے

در ایام غازی دستور ہند	کہ ہم نام حیدر بچود و عطا ست
نہے رکن اقبال او ناظر ست	جہاں آفرین خوان اودا ہما ست
بدر بار اوسید بادشا	خدا بخش نامش بفضل خدا ست
بنار دچون کر بلا کر بلا	بچشم نہاں خاک او طویلا ست
زروے بشارت خرد سال او	گھسا کہ این نقشہ کر بلا ست

جب میر حیدر پر ہاتھ صاف ہو چکا تو معتد الدولہ کی نظر حکیم ممدی علی خان پر پڑی
پہلے کئی لاکھ روپیہ انکے فے واجب وغیرہ واجب نکال کر طلب کیا انھوں نے کہہ دیا شہنشاہ

صاحب رے کہتا ہے :-

بر تخت چو پاؤ شاہ نازشیں بست صد شکر خدا داد زبان مردم
تاریخ جلوس اوسبارک باشد ماہ دہوی جہ شنبہ باہر دہم
راجہ دیاکرشن کے انتقال ہوتے پر اسکے بیٹے نول کرشن کو راجہ کا خطاب اور خالصہ کی
وصل باقی کی خدمت ملی اور کشی گری کا عہدہ بہر چند کے قنویض ہوا تھوٹے عرصے میں کرشن کا
فروصاب بھی دست اجل نے چاک کیا تو عہدہ دیوانی خالصہ پر راجہ میوہ رام مقرر ہوئے اور
راجہ بال کرشن سپہ راجہ نول کرشن واصل باقی نوہیں ہوئے ثواب روشن الدولہ بن مظفر علی خان
بن بندہ کلی خان وزیر دوم اور علی محمد خان بن قناتش علی خان بن ثواب سالار جنگ وزیر
سوم اور مصمم الدولہ مرزا جھو صاحب برادر محمد قلی خان وزیر چہارم مقرر ہوئے اور میر علی خان
فرزند سیر افضل علی بابسی والا کو جو مستمد الدولہ کا داماد تھا جرنیلی کا عہدہ دیا گیا اور اُس کی
نیابت پر فقیر محمد خان مقرر ہوئے اور وزیر اعظم کی نیابت کا خلعت سبحان علی خان کو ملا
اور خلیل الدین خان خلعت و کالست مطلق سے سرفراز ہوئے اور پھر یون کے نام اس وقت پر
تبدیل ہوئے۔ دارالانشاء۔ دارالاجرا۔ صدر الصدوری۔ کھری سلطانی۔ دفتر نظامت
دفتر جرنیلی۔ دفتر دیوانخانہ۔ وغیرہ اور علاقہ کھنڈ کے زمینداروں نے اپنی عہدداشتیں
مبارک کیا سلطنت کی نذر وں کے ساتھ بھیجیں اور راجگی اور رے کے خطابوں سے نام آور ہوئے
اور بعض کوتاہ دیشوں نے گرہیان اور قلعے بنوا کر بغاوت اختیار کی۔

مستمد الدولہ وزیر اعظم اور اُن کے مخالفوں کی چوٹیں

آفرین علی خان خواجہ سراج ہف الدولہ کا غلام تھا گو مستمد الدولہ کے بدخواہوں میں

مرزا حاجی سے قلبی عداوت تھی اس لیے وزیر اعظم نے اُنکے بھائی مرزا محمد حسن کو چنگل سلطانپور کے محاسبے میں جسکو اُس نے مرزا حاجی کی ضمانت سے اجازت سے لیا تھا اور سرکاری روپیہ ادا کیا تھا گرفتار کیا اور اُسکی علت میں مہربان آنے کی مانعت مرزا حاجی کے لیے بادشاہ کی طرف سے صادر کرائی۔ معتمد الدولہ نے یہاں تک اُنکی تبدیلی کی صورت نکالی کہ شہر سے مع گھر بار کے اخراج کا حکم صادر کرایا اور روانگی میں اتنی عجلت کی جو مرزا حاجی کی شان کے بالکل خلاف تھی مرزا حاجی پیادہ پا سر بازار تمازت آفتاب میں اپنے مکان سے نکل کر روانہ ہوئے جو شخص دیکھتا تھا اُنکی شان و ثروت و عظمت و حشمت کو یاد کر کے روتا تھا۔ مرزا محمد حسن بھی اُن کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اُنھوں نے یہ تاریخ اپنے اخراج کی فی البدیہہ استخراج کی۔ ۱۲۳۸ غریبی

تاریخ دیگر

میرزا حاجی کہ اُن از سالما در قید بود ناگمان اور ابرون از شہر کردہ این قتلک سال حال سرگذشتش چون ہدف خواستم گفت مرزا حاجی بیچارہ رفتہ یک بیک مرزا حاجی کے اخراج کی نسبت جو اسطرح حکم ہوا اُسکی علت یہ تھی کہ اُنھوں نے میر غلام علی پسر میر حامد علی کی صلاح سے ایک برہمن باراجپوت کو جیسا کہ محشم خوانی میں لکھا ہے اور پوئے خود میر غلام علی کو کئی ہزار روپے دینا کہ مرعتمد الدولہ کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ حکیم عبدالجبار بیٹے کی شادی میں ایک دن محفل رقص و سرود منعقد تھی لکنو کے بڑے بڑے آدمی شریک تھے اور معتمد الدولہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور میر غلام علی بھی مسلح شریک محفل تھا اور معتمد الدولہ کے قتل کی تاک میں تھا۔ شیخ امام بخش ناسخ نے جبکہ معتمد الدولہ بااعلاہی شاگرد تھے اس مجید سے مطلع ہو کر فقیر محمد خان کی معرفت معتمد الدولہ کو خبردار کرایا فقیر محمد خان نے

اومی تھے حکمت عملی سے کام لیا وکیل کی معرفت زر مطلوبہ بلکہ حساب سے کسی قدر زیادہ دیکر آئندہ کے لیے خدمت کے خواستگار ہوئے مستبد الدولہ بھی مصلوہ غفلت دہی کے واسطے لطف و کرم سے پیش آئے اور چکر بہ راج اُنکے علاقہ قدیم پر اضافہ کیا۔ حکیم صاحب نے اس علاقے کا بندوبست بھی بخوبی کیا لیکن اُس علاقے کا ایک چودھری کہ صاحب دولت تھا مستبد الدولہ کے اشارے سے انتظام میں خلل ڈالنے لگا حکیم صاحب نے اُسکو بذریعہ کسی شخص کے ہاتھ سے عدم کالستہ دکھایا اور اُسکا تمام مال و اسباب اپنی سرکار میں داخل کیا مستبد الدولہ کہیں معلوم سے بڑا صدمہ ہوا۔ حکیم مہدی علی خان اسطوے وقت تھے انھوں نے شاہجہان پور عیالاری سرکار کپٹنی میں جو محمدی سے نزدیک تھا جا کر عمارات بنوائیں اور بتدریج اپنی تمام دولت و حشمت کو وہاں پہونچا دیا اور خود بھی وہاں سکونت اختیار کر کے انگریزوں کے ذریعہ سے بادشاہ کی خدمت میں لکھا کہ جو محاسبہ مجھ سے لینا منظور ہو انگریزوں کی وساطت سے ملین میں اُسکے دیے کو موجود ہوں لیکن لکھنؤ میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ مستبد الدولہ کے دل میں یہ خار کھٹکتا ہی رہا۔ اور مجبور ہو کر فوراً اس امر کا اپنی خوبی اقبال سے تصور کر کے زر محاسبہ تمام و کمال طلب کر لیا چونکہ شیخ ناسخ آغا میر کے دوست تھے حکیم صاحب کے چلے جانے کی انھوں نے تاراج مکی جسکا مادہ گر خیمتہ (۱۲۳۵) ہے اور پچھلا مصرع یہ ہے ۵

دکا شوبلے پختن شلم گر خیمتہ اور جب نوبت مرزا حاجی کی آئی تو یہ بھی بلاؤں میں مبتلا ہوا ایام مصلیٰ میں بھی وزارت کی اسید پر اسباب امارت اُسی شان و عظمت کے ساتھ مہیار کھا بیٹن میں باعقی سو ڈیڑھ سو گھوڑے اُنکے قیل خانے اور اصیل میں رہے انکی مصلیٰ کے ٹٹنے میں اکثر بادشاہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے ایک شیر غونچا پنجربے میں بند کیا ہے جس وقت رہا ہو دیکھئے کس کس کو لقمہ کرے خلاصہ اس تقریر کا مستبد الدولہ کی طرف اشارہ تھا۔ مستبد الدولہ کو

جب مستعد الدولہ اُس سے پر غاش پر آمادہ ہوئے تو اُن جوانوں کے ساتھ دن کو تمام مال و اثاثہ لے کر ہندو قین چھپاتا ہوا شہر سے نکل کر کانپور کی طرف روانہ ہوا۔ اور در دولت کے پاس ایک کوٹھی اُسکی بنوائی ہوئی کمال پر تکلف موجود تھی۔ کانپور پہنچ کر نئی عمارتیں بنا کر اُن میں رہنے لگا۔ چند عرصے کے بعد اُسکی لکھنؤ کی کوٹھی مسمار کر دی گئی۔

اسی طرح امام بخش رہتے ہوئے کسی قصور کی علت میں کشان کشان شہر سے خارج کیا۔ یہ شخص بڑا دہشت گرد تھا اُس کے بیٹے کی شادی ہوئی تھی تو بہر اجڑ قاپ و کاسہ کے ایک رنگ و ستر خوان پر چنے تھے اور دو تین لاکھ روپیہ اس کا بازار میں پھیلا ہوا تھا۔ امام بخش بریلی کو چلا گیا قادیانی وطن تھا چلا گیا اور علاقہ زمینداری کا مول لیکر امیر کی طرح رہنے لگا اور انگریزی دربار دارون میں محسوب ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مستعد الدولہ نے اپنے کسی مخالف کو باقی نہ چھوڑا اور بادشاہ کے پاس اب کوئی ایسا آدمی باقی نہ رہا جو تہ دل سے اُسکا خیر طلب ہو اور مستعد الدولہ کی بدخواہیوں کی روک تھام کرتا ہو۔

مستعد الدولہ کا روشن کمار کو زندہ درگور کرنا۔

روشن کمار جو نواب سادات علی خان اور غازی الدین حمید دونوں کا مستعد تھا اور خزانہ حضور اور جواہر خانے کی کنجیان اُس کے پاس تھیں۔ مستعد الدولہ نے ایک دن اُس سے کچھ روپے طلب کیے اُس نے بادشاہ کی اجازت بغیر دینے میں تامل کیا بلکہ بادشاہ سے مستعد الدولہ کی خیانت کی شکایت کی مستعد الدولہ نے بعض رقومات اُس سے زبردستی لیکر اُسکا تغیر و تبدل کیا اور بادشاہ کی دہشت سے اُس کمار کو ایک دن ساتھ لیکر جہان اپنی عمارت

بنظر تقدم با حفظ غلام علی خان سے ہتھیار طلب کیے جب وہ دینے پر راضی ہوا تو فقیر محمد خان نے اس کے پیچھے مارا غلام علی خان نے زخم کھاکر فقیر محمد خان کے تلوار ماری کہ اٹکا ہاتھ بھروسہ ہوا غلام علی گرفتار ہوا۔ جب یہ شخص برہنہ کیا گیا تو مہاجن کی ٹیپ دس ہزار روپے کی اس کے بازو سے جو تعویذ کی طرح بندھی ہوئی تھیں دستیاب ہوئی اس کا غلہ نے شہادت غم مرزا علی کی بادشاہ کے روبرو دی اور حکم اخراج کا جہادی ہوا۔ اور غلام علی دالم الجس ہو کر کئی برس کے بعد مر گیا یہ شخص بات کا اتنا پورا تھا کہ محمد الدولہ نے بہت کچھ جاکر وہ اپنے اور مرزا حاجی کے گناہ کا اقرار غازی الدین حیدر کے سامنے کرے تو اس کو مار کر کے زلفہ دے مگر اس نے نہ مانا اب محمد الدولہ کی فکر مظفر علی خان بن لطف علی خان کے دامنگیر ہوئی۔ یہ شخص سپاہی منش اور شجاع تھا اس کے متعلق دیوان خانے اور توہن خانے کا کام تھا سو اسے بادشاہ کے دوسرے کی طرف سر نہجکانے سے باز رکھی۔ آخر کار مرث لال کا بیٹہ کو جو نظم و فشر میں مرزا قاتل کا شاگرد تھا اور مظفر علی خان کا مستعدی تھا پیش کر کے چند قصو مظفر علی خان پر رکھ کر اس کو خانہ نشین کیا۔

اس کے بعد اسد الدولہ معروف بہ غلامی کی تحریب کی طرف متوجہ ہوئے یہ انواب سعادت علی خان کے غلامان پرورش یافتہ ہیں سے تھا اور انکی خدمت میں تقرب رکھتا تھا اور نہایت دلیر تھا اور صاحب ثروت تھا چند متفرق علاقے اس کے سپرد تھے اسکی بہادری کے متعلق ایک واقعہ سن رکھنے کے قابل ہے کہ ایک دن غازی الدین حیدر نے ایک شیر کو پھرے سے کھول کر حاضرین دربار سے فرمایا کہ دیکھیں کون اسکو شمشیر اور چابک سے شکار کر سکتا ہے۔ میان غلامی نے اس کے مقابل ہو کر چابکوں سے اسکا بدن ایسا اٹو لیا کہ وہ ناتوان ہو کر بیٹھ گیا اس وقت سے اسد الدولہ خطاب پایا چار پانسو روپے کی نفاذ میں تھے

(۴) روشن علی شیخ سادات کا نام بدنام کرنے والا تھا مسفلہ طبع خراب وضع بد زبان
فحش گو مسک و نجس۔ نہایت بے مروت تھا نوکر کو تنخواہ اور بائع کو جنس کی قیمت دینا
اس کے مذہب میں حرام تھا کوئی شخص علی الصبح اس شخص کا نام زبان پر نہ لاتا تھا
(۵) میرا سیدہ شخص وجیہ سفید پوست لطیف و نحیم تھا چند کوٹھیوں کی توبلاری اس کے
حولے تھی لیکن جائزے کے وقت ایک گھڑا خاک سے آلودہ کوٹھی میں رکھا ملا اُس کو باہر
لا کر دیکھا تو کسی سیرطلائی و رقون سے بھرا ہوا تھا اُس نے وہ گھڑا اپنے گھر کو بھیجا اس
قسم کی دولت سے مالا مال ہو گیا تھا۔

(۶) اشرف باوجی اس شخص کی بھی بخوبی دال کلی تھی ہزاروں روپے جمع کر کے
دو ٹمنہ ہو گیا تھا۔

(۷) میر بندہ علی بن شاہ علی یہ شخص قوم کا حامی تھا نہایت ذلیل اوقات تھا
مہاراجہ دولت راو سیندھیا کی سرکار میں پہنچ کر مسخرے پن کی بدولت کچھ سرمایہ ہم پہنچایا
اور وہاں کسی طوائف کی لڑکی پر جو مہاراجہ کی منظور نظر تھی آنکھ ڈالتا تھا اس قصور میں
اُس سرکار سے نکالا گیا نوپنی ترک سوار و مکی طرح سر پر رکھا تھا اپنے آپ کو سید لکھنوی سپاہ
لباس عشرہ محرم کا اوزنہ کی اشرفی اور طلائی زنجیر جو ہمیشہ نذر سادات ہوتی تھی متعلقہ ملکہ کی
سرکار سے حاصل کیا کرتا تھا۔ آخر مسخرگی اُسکی اس قدر چلی کہ کبھی حسب احکام سر بزم اُسکی مقصد
غیر شمع بنتی تھی اور کبھی مولیٰ اُسکی کون میں رکھا کر بکریاں اُسکے پیچھے دوڑانی جاتی تھیں اور یہ
کیفیت دیکھ کر متہ الدولہ اور حضرات مجلس ہنستہ ہنستے دیوار مقہ بن جلتے تھے ایک دن ہوش مسلم
حلق میں اتار گیا انھیں قیرون میں لاکھوں روپے کا آدمی ہو گیا ایک ایک دن میں پچاس
پچاس ہزار روپیہ اور پشیمینہ وغیرہ کی گاڑیاں انعام پاتا تھا۔ نو جوان عورتیں اپنے نکاح میں لا کر

بن رہی تھی وہاں پہنچے اور کسی کو اشارہ کیا کہ اُس نے روشن کو خندق میں ڈھکیل کر مٹی سے اُس کو پاٹ دیا مستعد الدولہ نے بادشاہ کو خبر کی کہ روشن مر گیا۔

خیر خواہان مستعد الدولہ

(۱) اعظم علی خان یہ ایک بازاری شخص محض تھا نوازندہ لڑکپن سے مستعد الدولہ کا رفیق تھا جب مستعد الدولہ نیابت اور وزارت کی دولت کو پہنچے تو کاغذ اور قلمدان اور نذر کی شرفیاء اعظم علی کے ہاتھ میں رہتی تھیں پہلے دو سالہ اور پوٹاک وغیرہ انعام میں پا کر مستعد الدولہ کے فرائج میں مداخلت کلی حاصل کی اور رفتہ رفتہ مخفی امور میں محرم راز ہو کر خزانہ اور لوہ خانہ وغیرہ تمام کارخانوں کی انصری ماحصل کی اور انعام و اکرام اور امانت و خیانت میں ہتھ در دولت کثیر ہاتھ آئی کہ کروڑ پتی مشہور تھا اسکی عمارتیں بھی مستعد الدولہ کی عمارتوں کے برابر تھیں کروڑوں سے تعمیر ہوئیں اب تک وہ عمارات باقی ہیں اور ایک کو بھی فلک فرسا نول دروازے میں موجود ہے اور جسوقت سوار ہوتا تھا تو شہر و بازار میں ہزار ہا نسوروپے فقیروں اور محتاجوں کو تقسیم کر دینا بات نہ تھی اسکی خدمتگار بیش قیمت پوشاکوں سے آگستہ بستے تھے اور ہزاروں روپیہ رقص و طرب میں جا بیجا صرف ہوتا تھا مستعد الدولہ کے نوکروں میں ایسا صاحب ہمت اور نیکیام دوسرا آدمی نہ تھا (۲) ٹیپو خان جو شہر سواروں میں پندرہ روپے کا نوکر تھا مستعد الدولہ کی رفاقت میں اسکی دولت نے یہ ترقی کی کہ ہزاروں روپیہ کنکریوں کے مانند طائفوں کے انعام میں صرف ہوتا تھا نہ حرف شناس تھا نہ کتاب و روت کا سبق پڑھا تھا اکثر چوپایوں کے کاغذ لے آئے متعلق تھے۔ (۳) سنگین خان شیخ علی علیہ میں مداخلت رکھتا تھا شراب کثرت سے پیتا تھا ہمیشہ نشے میں مبتلا رہتا تھا اسکی بدولت فاحشہ عورتیں و کسبیاں بالامال تھیں یہ شخص بیکارہ محض تھا۔

دور دور مشہور تھا۔

مستعد الدولہ کے اسراف کا تھوڑا سا بیان اور بادشاہ کو شراب اور بھنگ کے نشے پر لگا کر غفلت میں ڈال دینا

مستعد الدولہ نے ایک دن ایک فراش کو نہایت مخموم و مخمورون دیکھا اُس سے سبب دریافت کیا اُس نے عرض کیا کہ میری بیٹی جو ان قابل شادی ہو گئی ہے اور میرے پاس اس قدر روپیہ نہیں کہ اُس کے سامان ہیز کے بارگراں سے سبکدوش ہو جاؤں۔ مستعد الدولہ نے چوہدر کو حکم دیا کہ اعظم علی خان سے دریافت کرے کہ آج کی آمدنی خزانے میں کس قدر جمع ہے معلوم ہوا کہ لاکھ روپے کسی عامل کے مسئلہ آئے ہیں۔ مستعد الدولہ نے اُس فراش کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تیری قسمت میں اسی قدر آمدنی تھی جلد اعظم علی خان سے لے لے اُتیوت وہ روپیہ ہاتھ نہ پیر بار ہو کر اُسکے گھر میں پہنچا۔

(۲) ۱۸۳۱ء میں شیخ امام بخش ناسخ کو سو لاکھ روپیہ قسیدے کے صلے میں دیا۔
(۳) مستعد الدولہ کے ہر ایک رفیق کے مصارف میں دس بارہ ہزار روپے اور کم سے کم دو تین ہزار روپے ماہوار آتے تھے۔

ایسے ایسے مصارف نے سلطنت کے خزانے کو کھوکھل کر دیا تھا۔ مستعد الدولہ کی نہایت اور وزارت کے زمانے میں ایک کوڑی خزانے میں داخل نہ ہوئی تمام آمدنی ملک کی مستعد الدولہ کی فرمائشات میں کام آتی تھی ایک دن سبحان علی خان نے مستعد الدولہ کی آنکھوں سے غفلت کے پردے کھولے اور عاقبت اندیشی کی باتیں سوچائیں اور کہا کہ انجام اس اسراف کا کیا ہونا ہے مناسب ہے کہ وہ فکر کجائے کہ انتظام ملک و خزانے کی صورت ظہور میں آئے

محکمہ ترسنی گنج مین عالیشان عمارت بنوائی تھی۔

اس قسم کے بسیوں آدمی مستملہ دولہ کی مصاحبت میں تھے جنکا ذکر طوالت کے خوف سے بیان ترک کیا گیا۔

ایسے لوگوں کے علاوہ عمدہ اور منہذب اور صاحب علم آدمی بھی اس سرکار میں تھے انھوں نے وہ دولت پیدا کی تھی کہ مستملہ دولہ کے زوال کے بعد برسوں عیش و عشرت میں ان کی اوقات بسر ہوئی ان میں سے بعض کا بیان مذکورہ کیا جاتا ہے۔

(۱) سبحان علی خان۔ یہ شخص علامہ عصر اور بہمہ صفت موصوف۔ نثار بنے نظیر عالی فکر خوش تدبیر تھا مستملہ دولہ ان کے بغیر مشورے کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔

(۲) تلج الدین حسین خان ذیقعل اسطوے عہد تھے کبوتر ہوئی قوم میں ایسا آدمی کم گذار ہے۔

(۳) فقیر محمد خان گویا تخلص یہ صاحب بخشی محمود خان آفریدی دارالامام نواب قائم خان بنگش والی فرخ آباد کے خاندان سے تھے۔ شجاع اور دلیر آدمی تھے شعر و سخن سے بہت ذوق و شوق تھا صاحب دیوان ہیں شیخ امام بخش ناسخ سے مشورہ تھا۔

(۴) منیدو خان یہ صاحب بدل بیگ خان دس دہلی کے خاندان سے تھے قوم کے منل خاندان ترک جیک سے تھے مستاجر ہی ملک کی بدولت انھوں نے بڑی ثروت پیدائی تھی

(۵) مولوی خلیل الدین خان فرزند قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان خاندان جمیل الدین توراتی سے تھے۔ جو نواب شجاع الدولہ کے عہد میں رسالہ دار تھے اور قصبہ کاکوری کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ خلیل الدین خان جامع فنون صاحب علم و کمال اور دو لختہ خوش اقبال تھے۔

(۶) حکیم واجد علی خان موہانی یہ صاحب علم طب میں جالینوس ثانی تھے۔

(۷) ساہ مباری لال فرخ آبادی اور اس کا بیٹا گوبند لال ساہوکار انکی دولت مند سی کا شہرہ

رفیقوں کے دوسروں کی مداخلت نہواور آمدنی ملک میرے قبضہ و تصرف میں ہے (۳) لکھنؤ کے
متمول لوگوں سے جس طرح بنے روپیہ لیا جائے (۴) سپاہ شاہی کے مصارف میں کمی ہو
اس صفے سے روپیہ ہاتھ لگے چنانچہ فوج میں منڈانے کا قاعدہ جاری کیا اور ہر بلٹن اور سالے
سے بیس ہزار تیس ہزار روپیہ پیشگی وجہ مندرانہ میں لینا شروع کیا۔ ساہوکاروں اور اہل حرفہ سے
بھی روپیہ کھینچنا شروع کیا۔

مستعد الدولہ کا بادشاہ کو انتہا دیجے کا دھوکا دینا کہ بعض آدمیوں پر
اُنکو بھوت پلید کا یقین دلادینا اور بعض زندہ آدمیوں کو اُنکے
سامنے مردہ ظاہر کرنا اور جبکہ بادشاہ کا کسی موقع پر اُنکو دیکھ کر پھانسی
لینا تو مستعد الدولہ کا اور اُن کے ایماء سے تمام حاضرین کا اُسکو
جن یا صورت مثالی ثابت کرنا

(۱) کانکا داس گورٹہ کناری والا زمرہ اہل حرفہ سے ایک دولت مند آدمی تھا اُس نے لاکھ روپے کا
مال فرمائشات محلات مستعد الدولہ میں دیا جب وہ اپنے روپے مانگنے لگا تو مستعد الدولہ کے
کارپردازوں نے اُس حاکم شہزاد کو پری کی مانند اس طرح شیشے میں اُتاراکہ اگر بادشاہ سلامت کی
قد مبسوسی تجھ کو حاصل ہو جائے تو ہم چمن میں عزت کا باعث ہو وہ دیوانہ قریب میں آگیا اور
مستعد الدولہ کی خدمت میں حاضر ہو کر منت و سماجت کے ساتھ خلعت بادشاہی کا اُمیدوار
ہوا۔ مستعد الدولہ کہ اسی فکر میں تھے اُس کو اپنے ساتھ دیوان خاص بارہ درسی سلطانی میں لے جا کر
ایک مقام پر بٹھا دیا اور کہا کہ میں بادشاہ سے عرض کر کے تیرے حصول خلعت عمل میں لاتا ہوں

سبحان اللہ معتمد الدولہ نے اسکا انتظام اس طرح کیا کہ بادشاہ کو جو امراض ورم و جگر و استسقاء و صلابت
 معدہ وغیرہ میں مبتلا تھے حکیم مرزا علی وغیرہ اطباء سے سلطانی کے ساز و بان سے جام شراب
 اور پیالہ بھنگ پر گوانگنا رکھا رکھ لیا اور افراط کی نوبت اس حد کو پہنچی کہ شام سے صبح تک
 اور صبح سے شام تک عالم بخوری اور نشے میں گذرتی تھی اتفاقاً اگر کسی وقت بادشاہ ہوش میں آکر
 امور سلطنت کی طرف توجہ فرماتے تھے یا کسی معاملے کا استفسار کرتے تھے تو معتمد الدولہ سر اور
 دستار اٹکے قدم پر رکھ کر عرض کرتے تھے کہ پہلے حضور جام صحت بخش جو باعث تندرستی اور اعتدال
 مزاج عالی کا ہے نوش فرمالین پھر خانہ زاد ہر قسم کی نقش کاری کا سزاوار ہے اور سرکاری آبادی و ملک
 تاکید تھی کہ میرے حضور اور غیبت میں کسی وقت پانی مسکرات سے خالی نہ رہے اس پر وہ
 غفلت میں معتمد الدولہ اپنا کام نکلانے جاتے تھے۔ اور رزیدنٹ سے منشی غلام حسین خان کی
 معرفت میل پیدا کیا۔ اور معتمد الدولہ نے مفتی خلیل الدین خان کو کلکتے بھیج کر وہ کارروائی
 کی کہ اخبار صحیفہ لکھنؤ کا جو کلکتے میں چھپا کرتا تھا لکھنؤ میں آنا موقوف ہوا بلکہ اہل اخبار کے ساتھ
 کچھ ایسا سلوک کیا کہ جو پرچہ دفتر شمس الاخبار یا جام جهان نما کا کلکتے سے آتا تھا اُس میں
 غازی الدین حیدر کی تعریف کے سوا لکھنؤ کے متعلق اور مضمون نہیں ہوتا تھا اور
 رزیدنٹ بھی معتمد الدولہ کی پاس خاطر سے یہاں کی کیفیت کو رز جنرل کو نہیں لکھتے تھے
 جو آخر کار بدنامی کا باعث ہوا۔

معتمد الدولہ کی طمّاعی

معتمد الدولہ کو چار فکرین پیدا ہوئیں (۱) جس طرح ہو سکے جو کچھ خزانہ سلطانی سے
 نکلے میرے گھر میں داخل ہو (۲) ملک کا بندوبست اس طرح قرار دیا جائے کہ سوا میرے

کہ ہمراہ تھے انھوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی کار پر دازان سواری نے کہ نظر شناس تھے تمیل حکم بادشاہ سے چشم پوشی کی اور اپنی جگہ سے نہ ہلے اور وہ تینوں وزیر بھی معتدل الدولہ کی آنکھیں دیکھتے رہے اور باہم چار آنکھیں ہو کر صورتِ آئینہ متعین گئے بادشاہ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔ سب نے بالاتفاق ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ حضور کو اللہ نے چشم پر نور جہان بین عطا کی ہے ظاہر و باطن کے پردے کھٹد ہیں جو کچھ حضرت ملاحظہ فرمائے ہیں ہم سب لوگ ہرگز نہیں دیکھ سکتے خلاصہ کلام یہ ہے کہ بادشاہ کی زبان پر یہ کلام کہ وہ ہے وہ ہے اور ان کو رنگوں کی زبان پر دیدہ و دانستہ یہ حرف تھا کہ کمان ہے کمان بادشاہ کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ صورتِ لباسی تھی۔ اس طرح کی حکایتیں بہت ہیں ناظرین اولوالابصار کو بطریقِ نمونہ اقتدارِ مستعد الدولہ معلوم کرنے کو اسی قدر کافی ہے۔

نظامتوں کی تقسیم اور انتظامِ ملک کی کیفیتِ معتدل الدولہ اور ان کے رفقا کا عینِ احوالِ سلطنت کو خرد و برصو کرنا

مستعد الدولہ نے چککہ بیسواڑہ جسکی آمدنی نوابِ سعادت علی خان کے عہد میں ۲۲۰۵۰۰ روپیہ تھی اپنے سدھی روشن الدولہ کو سرکار شاہی سے دلایا اس چککہ سے چار پانچ لاکھ روپے خسارہ ملک کے نام سے خزانہِ مستعد الدولہ میں سات برس تک برابر داخل ہوا کیے اور باقی حجِ مستعد الدولہ کی فرمائشات اور تنخواہ سپاہِ متینہ اور صرفِ ناظمِ عین لگی ایک کوڑی بھی خزانہِ شاہی میں داخل ہوئی اتنی لاکھ روپے عینِ احوال کے اس عہد میں روشن الدولہ نے خرچ کیے۔ روشن الدولہ کے ایک ایک رفیق کا پانچ پانچ سب سات سو روپیہ دربارہ تھا۔

یہ کمکر وہ تو سراپردہ سلطانی میں چلے گئے اور یہ دیوانہ پر ہی زندہ تنہا خلوت کے نشاط میں پھولا ہوا بیٹھا تھا کہ اتفاقاً بادشاہ بارہ درمی میں چلے گئے اور اسکو بہت کریمہ لہجہ و شجیم دیکھ کر فرمایا کہ یہ کون ہے لازمون کی مجال نہ تھی کہ معتمد الدولہ کے ساتھ لائے ہوئے کو زبان پر لائیں خاموش ہے بادشاہ نے فرمایا کہ ہم مدت سے سنتے تھے کہ اس جگہ دیوبلید کا مقام ہے عجب نہیں کہ وہی ہو نظر بند رہے حکم سنتے ہی لوگوں نے دست بستہ پکڑ کر گرفتار کیا۔ اور اس دم کشاکش ہوئی کہ وہ سمگیا سمجھا کہ جان و دولت اور ناموس و عزت پر پانی پھرا اور ہم چٹنوں میں ذلیل ہوا۔ معتمد الدولہ کے قدموں پر سر رکھ کر زار زار شروع کیے۔ معتمد الدولہ نے اُس بوالموس سے زرد کوہ کی فارغ خطی لیکر ملکہ شہ زائد حساب جرمانہ میں لکھوا کر دیا کیا وہ اپنی جان و عزت لیکر کافور ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو بادشاہ پھر دیوان آئے دریافت فرمایا کہ وہ دیو کمانچا کسی کو مجال و قدرت نہ تھی کہ اصل حال کو بیان کرے ادھر ادھر اسکی تلاش میں دوڑے آخر کار معتمد الدولہ نے عرض کیا کہ اللہ تبارک نے بندگان حضور کو لباس کرامت ظاہری اور باطنی سے آراستہ فرمایا ہے اصل میں وہ مردِ بلید بیشک دیو سیاہ تھا کہ اس چوکی اور پہرے سے جہان فرشتہ پرہیز مار سکتا عفا کی صورت غائب ہو گیا اور اُن تینوں فرشتوں اور حاضرین نے بھی معتمد الدولہ کے کلام کی تائید کی جس سے وہ بلا معتمد الدولہ کے سر سے ٹلی۔

(۲) ایک دوسری حکایت اس سے بڑھ کر ناظرین تاریخ شنیں کہ ایک شخص تھا جس پر غازی الدین حیدر کو نظر التفات تھی اور چند روز سے اسکی تلاش میں تھے۔ معتمد الدولہ نے آزدہ ہو کر اسکو حکم دیا کہ تو اپنے گھر سے باہر قدم نہ رکھنا اور بادشاہ سے یہ بات بیان کی کہ وہ شخص مر گیا ایک دن شامت اُس بجایے پر سوار تھی کہ اُس نے قدم گھر سے باہر رکھا تھا کہ اتفاقاً بادشاہ کی سوار سی اُس پر نگاہ جا پڑی حکم دیا کہ یہ فلان شخص ہے جلد حاضر کرو معتمد الدولہ

تاج الدین حسین خان اور سپاہ متینہ کے صرف میں خرچ ہوتی تھی ایک جبہ سلطانی خزانے میں داخل نہوا۔ تاج الدین حسین خان نے بنارس اور کانپور میں ہندو کی دکانیں کھولیں اور کنھو و کانپور میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں ضابطی حاکم سابق کے سوا بائیس لاکھ روپے نقد آمدنی سرکاری کے خان مذکور پر مستعدیان دفتر کے حساب سے واجب الادا تھے۔

اور اسی طرح جو علاقہ اور چکھنقر محمد خان اور عیند خان کے تفویض تھا انکی آمدنی لئے رسالو کی تنخواہ میں محسوب تھی اور کچھ معتمد الدولہ کی فرمائشات میں صرف ہوتی تھی سرکاری خزانے سے کچھ واسطہ نہ تھا۔

اور جو علاقہ ساہجی کے متعلق تھا وہ معتمد الدولہ کی حیب خاص کہلاتا تھا چکھنقر بہرائچ میر باد می خان مخاطب بہ سیف الدولہ بن میر زین العابدین خان کے متعلق تھا یہ علاقہ نہایت سرسبز اور شاداب تھا۔ اس چکھنقر میں محصولات زمین کی آمدنی کے سوا ایک دوسری آمدنی یہ تھی کہ ایک قوم سرپ کھو یعنی گنڈر اور سانپ کی لکھانے والی دزدی پیشہ ڈاکو زن بڑی بھاری جمعیت کے ساتھ گنگا اور گھاگرہ کے کنارے دشوار گزار مقام میں رہتی تھی اور سودا گروں۔ مہاجروں اور مسافروں کا مال و اسباب لوٹی تھی اور سپاہ انگریزی کے آدمی جو اپنی فوجوں سے رخصت یا رضا لیکر اپنے وطن کو جاتے تھے انکو گنجل میں مار کر انکی مہمانیاں کھول لیتی تھی سیف الدولہ نے اس قوم کا ایسا قلعہ قمع کیا تھا کہ اس کے انتظام سے سب اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرنے لگے تھے اور بہت سا روپیہ نذر کرتے تھے یہاں سے بھی معتمد الدولہ کی سرکار میں نصف روپیہ پہنچتا تھا اور دفتر دیوانی کے مقصدی مالا مال تھے۔

عاموں کی طرف سے خزانہ شاہی میں روپیہ کی ارسال آنا بند ہو گئی اور عامات

چکلا محمدی اول ساہ گوبند لال نے اس شرط سے لیا کہ بعد فرخ سپاہ و فرمائشات جو کچھ
ہیں انداز ہو گا سرکار میں پہنچا جائیگا۔

علاقہ سلطان پور۔ کہ چوبیس لاکھ روپے کا تھا تاج الدین حسین خان کو دیا اور آخر
عہد معتمد الدولہ تک اُن پر بحال رہا۔ تاج الدین حسین خان کا لشکر محمد شاہ کے لشکر کا جواب
تھا چاندنی چوک آگستہ کیا سیکڑوں طلبے ارباب نشاط کے جمع کیے اور دُکانیں
ہر پیشے کی جیسے بزازہ اور صرافہ اور نان بابی اور حلوائی وغیرہ موجود تھیں اور توپ خانہ
سپاہ بھی اسی عظمت کے ساتھ تھی۔ غلام حسین خان سابق چکلا دارنواب سہات علی خان
آبرو دیا ہوا تھا اور اس قدر دولت مند تھا کہ سو پچاس چکلاتے خزانے سے معمور ہمیشہ اُس کے ساتھ
رہتے تھے یہ شخص کمال جبری اور شجاع تھا۔ اُسکے عہد حکومت میں چکلا کا حال بہت اچھا تھا
جو کہ لاوارث فوت ہوا اُس کا لاکھوں روپے کا مال تاج الدین حسین خان کے ہاتھ لگا
اور اسی فوت سے ایسے اہل پانوں نکالے کہ جاوہ اعتدال سے گزرے۔ ایک زمیندار
ایک لاکھ اور کئی ہزار روپے کا باقی دار تھا اور قلعہ بند ہو کر اُس نے مقابلہ شروع کیا ایک دن
مجلس غزلے حضرت امام حسینؑ میں تنہا ایک بیٹی و دو گوش آمو جو ہوا اور اپنے نام کا پتا
دیکر بیان کیا کہ میں حضرت امام حسینؑ کی ضمانت سے حاضر خدمت ہوا ہوں اب چاہو بخشو
اور چاہو قتل کرو اُس وقت تاج الدین حسین خان سے اسکے سوا کھ بن آئی کہ اُسکے محلے کا
کاغذ اپنے دفتر سے لیکر چاک کر کے پانی کے حوض میں ڈال دیا اور فارغ غلطی دیکر رخصت کیا عشرہ
محرم میں تاج الدین حسین خان کا لاکھوں روپوں کا صرف تھا تو یہ علاقہ اُنکی جاگیر میں تھا
پہلی دفعہ چکلا دار سابق کی ضابطی سے تھوڑی سی رقم خزانہ شاہی میں داخل ہوئی اور بعد
اسکے کچھ آمدنی دست برداشتہ معتمد الدولہ اور سہان علی خان کی فرمائشات میں آتی تھی یعنی علم

مستند الدولہ کے ہاتھ سے مجبور رات دن محوور بادہ غفلت میں نشینہ دل عاشق کی طرح چور
ہیں جب یہ باتیں پیش آئی تھیں تو بادشاہ قسم دلا کر تسلی آئینہ کلام سے پیش آتے تھے۔

راجہ بختاؤرسنگھ کی عزت افزائی

غازی الدین حیدر نے مسن نشینی کے بعد بختاؤرسنگھ کو خطاب راجگی بختاؤر خدمت
مصاحبت و منصب داروغگی تحویل جیب خاص کا خلعت گران بہا عطا فرمایا۔

جب نواب نے بادشاہی کا خطاب لیا تو راجہ بختاؤرسنگھ کو ایک خلعت فاخرہ دیا
وراپنی وہ خاص تلوار جو بادشاہ اس وقت لگائے ہوئے تھے اپنی کمر سے کھول کر راجہ صاحب کو
عطا کی یہ وہ تلوار ہے جو عباس صفوی بادشاہ ایران نے شہنشاہ دہلی کو بھیجی تھی اور احمد شاہ دہلی
محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب صفدر جنگ کو عطا فرمائی تھی اس پر یہ عبارت کندہ ہے

بندہ شاہ ولایت عباس

ایک روز حضرت بادشاہ ہاتھی پر سوار شراب کے نشے میں چور چلے جاتے تھے
راجہ صاحب بھی ساتھ تھے کشتی کے ایک بل سے گدڑا جا ہا راجہ بختاؤرسنگھ نے اس بل کو غیر
مضبوط خیال کر کے بادشاہ سے دست بستہ عرض کیا کہ یہ بل خدوش ہے اس طرف سے
خدو عطف عثمان فرمائیں لیکن بادشاہ نے کسی طور سے اس امر کو نہ سنا اس وقت راجہ نے دوڑ کر
جان نثارانہ بادشاہ کو ہاتھی سے اتار لیا اور فیلبان سے کہا کہ تم ہاتھی بل پر لیجاؤ جیسے ہی
ہاتھی بل پر پہنچاؤ اس کے بوجھ سے بل شکست ہو گیا اس و فاداری اور غیر اندیشی سے
بادشاہ نے خوش ہو کر وہ تلوار عطا فرمائی جو نواب صفدر جنگ کو بروقت وزارت
دہلی سے ملی تھی۔

ایک ادنیٰ محرم تک کسی کو اس بات کی پروا نہ تھی کہ کوئی شخص ہمارا گریبان گیر ہو گا اور عطا تو کی آمدنی کے گچھے اڑانے میں مصروف تھے۔ ظفر الدولہ کپتان فتح علی افسر خزانہ اس بات سے نہایت برا فرد خستہ خاطر تھے کہ بادشاہ کو آمدنی کی کچھ پروا نہیں ہے جو کچھ صرف ہونا تھا خزانے سے نکلتا تھا۔ جب بادشاہ کے سرشتہ داروں اور سپاہ اور شاگرد پیشہ اور اطمینان لکھنؤ کی تنخواہ کا تقاضہ ہوتا تو انکو کچھ علی الحساب دیکر انکی زبان بندی ہوتی تھی یا خزانے پر گزرتی تھی اور سائر اور نجیات شہر کی آمدنی اس قدر نہ تھی جو اس خراج کو کفایت کرتی اور غلے کی گرانی اس درجہ ترقی پذیر ہوئی کہ نواب سعادت علی خان کے عہد میں گہون ایک روپیہ میں بیس سیرے کم نہیں کیے اور اس عہد دولت میں ابتداءے جلوس سے آخر تک آٹھ دس سیرے زیادہ فروخت نہیں ہوئے

ظفر الدولہ فتح علی خان کپتان اور محمد الدولہ میں نزاع پیدا ہونا

حقیقت میں ظفر الدولہ ریاست کے بہت بڑے خیر طلب اور دولت خواہ تھے اگر اس شخص کا قدم اس راہ میں نہوتا تو وہ معلوم کیا نوبت گذرتی جب باپ بچہ کرور روپے خزانے سے ان صورتوں میں خرچ ہو چکے تو ظفر الدولہ کی زبان پر حرف شکایت علانیہ آنے لگا اور محمد الدولہ نے انکی جان و حرمت کے درپے ہو کر اس قدر تنگ پکڑا کہ ظفر الدولہ نے خزانہ اور جواہر خانہ اور توشہ خانہ کی کنجیاں بادشاہ کے روپرور کھدین اور کتبۃ اللہ اور کربائے معلے کے لیے خواہش گار رخصت ہوئے لیکن یہ صورت ظہور میں نہ آئی اور کچھ دنوں یہ معاملہ اسی طرح سے اُلجھا رہا۔ جب ظفر الدولہ بہت تن عازم سفر کربلا ہوئے محلات سلطانی کو یقین کال ہوا کہ اب کوئی پشت و پناہ ہمارا سرکار شاہی میں نہیں رہا۔ سب محلات نے باہم اتفاق کر کے بادشاہ سے عرض کیا کہ جب ظفر الدولہ جاتے ہیں تو ہم بھی رخصت کے امیدوار ہیں کس لیے کہ حضور

زرا امانت بادشاہی خزانے میں داخل کرو اور اُنکے تمام رفقا کی آمد و رفت بند کی اور عظیم الشان
وزیرِ امین و قوم حجام کہ نصیر الدولہ کے رفیق و مشیر تھے اُنکی طلبی کا حکم جاری ہوا اور عظیمین بطوائف
کہ عظیم الشان کی آشنا تھی اُنکو بھی گرفتار کر کے بلوایا اور چوکے پہرے اُسے گھر پر مامور کیے عظیم الشان نے
عالمِ اضطراب میں سوائے رجوع ہونے کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا اسلئے زمرہ مذکور دینا مناسب سمجھا
اور نواب نصیر الدولہ بھی عظیم الشان کی رہائی مستند الدولہ کے بچہ غضب سے غنیمت سمجھے۔

اسکے بعد نواب جلال الدولہ مہدی علی خان کی نوبت آئی یہ نواب سعادت علی خان کے
سب فرزندوں میں چھوٹے تھے اور نواب کو اپنے اس چھوٹے بیٹے سے بہت محبت تھی اور
مہدی علی خان کی ماں خاص محل جسکا پہلے ٹاٹ محل خطاب مشہور تھا سب بیگمات سے
نواب سعادت علی خان کے نزدیک زیادہ محبوب تھی اس بیگم کے پاس امانت بن نقد
کرور روپے سوائے جواہرات کے تھے جو ماہولال کا بستہ دیوان خانگی کی تحویل میں اس شرط
سے تھے کہ اُنکا منافع جمع کیا کرے ماہولال نے ان روپوں میں سے دو تین لاکھ روپے
لیکر تعمیر عمارت میں صرف کر دیے تھے اور اسقدر بطواری کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوا
کہ خاص محل پر بدنامی کا حرف آیا اور یہ کیفیت مستند الدولہ نے بادشاہ کے گوش گزار کر دی
اور زینت کو اطلاع دیکر کرور روپے کا محاسبہ اُنکے سرور پر رکھا گیا اور ماہولال کو
کشان کشان یے آبروئی کے ساتھ بلوا کر پہلے بہت برا بھلا کہا اور پھر ایک لکڑی میں بندھا کر
ایسا عذاب دیا اور اتنا بٹوایا کہ اُنکی جان زار لبغیر آگئی۔ جلال الدولہ بھی اس مقصدی سے
اس یے رنجیدہ خاطر تھے کہ جب یہ جوش شباب میں روپیہ خرچ کے واسطے طلب کرتے تھے
تو وہ مقدار مناسب سے زیادہ نہیں دیتا تھا حسن اتفاق سے اُسی زمانے میں غازی الدین حسین
نے پچاس ہزار روپے ولادت فرزند کی تقریب میں مسرفہ کرنے کے یہ جلال الدولہ کو

نواب سعادت علی خان کی بیگم اور بیٹوں اور نوکر و نوکرانہ کے ساتھ معتمد الدولہ کی سخت گیری

نواب شمس الدولہ چونکہ بنارس کو چلے گئے تھے وہ تو لکھنؤ کے مخمضوں سے آزاد تھے غازی الدین حیدر کے باقی بھائی جو بیان موجود تھے انکو معتمد الدولہ نے بہت دق کیا۔ انکی تحویل میں انکو دستیاب ہوتی تھیں یہاں تک کہ بادشاہ سے علی الاطلاق نوبت عرض معروض کی آئی اور رزیدنٹ نے بھی بادشاہ سے انکی سفارش کی اور انکے تصفیہ معاملات میں قدم رکھا پھر نواب نصیر الدولہ جو بادشاہ سے چھوٹے بھائی تھے مرد و سرے بھائیوں سے بڑے تھے خواہ کے خواستگار ہوئے۔ معتمد الدولہ نے عرض کیا کہ اگر حساب نام بے حسابی کا ہے تو جو کچھ حکم ہو بجالاؤں اور اگر حساب کوئی چیز لائق شمار کے ہے تو نواب سعادت علی خان کے خزانے کے کاغذات سے یہ بات ثابت ہے کہ نصیر الدولہ حساب مقدمات مالی و ملکی کے بالکل مالک تھے اور دیوانی اور دیہات خالصہ کے جملہ امور ان سے متعلق تھے شمس الدولہ کا صرف اخبار اور خبر گیری کے کام سے تعلق تھا اور انکے قطع نظر رجوع مقدمات کے وقت عالموں سالہا سال نہ نقد جو انکو دستیاب ہوا اُس سے انکا صاحب دولت و ثروت ہونا سب سے ظاہر ہے کہ کوئی دولت میں انکے ہم پلہ نہیں ہے اور جو اسی لاکھ روپیہ نقد امانت انکی تحویل میں جمع ہے اسکو منافع سمیت خزانہ عامرہ میں داخل کرین بعد اگلے خواہ کا حساب پیش فرمائیں یہ پیر تقیر مرسلر بادشاہ اور رزیدنٹ نے کہا کہ بیشک زر امانت لے لینا چاہیئے اور ان مفسد و مکرورہ کو اپنی مناسب ہے اُسی وقت ایک نوپ اور بیچون کا تمن اور ملنگو کی کمپنی نواب نصیر الدولہ کے دروازے پر بھیجا انکو تاکید کی کہ نواب سعادت علی خان کا

رہتے تھے وہ شاہ میر خان کی بحث میں خفا ہو کر کانپور عمارتی انگریزی مین چلے گئے لیکن رزیدنٹ لکھنؤ نے واپس آنگو بلوالیا اور متحدہ الدولہ نے اُنکے چھوٹے بھائی مرزا چھو کو وزیر جبارم مقرر کیا اور صمصام الدولہ خطاب دلایا۔

بادشاہ یگم کے حالات - نصیر الدین حیدر کی ولادت کی کیفیت

وقائع دلیدر میں مذکور ہے کہ بادشاہ یگم زوجہ غازی الدین حیدر مہیشتر خان نجم قویم ساز کی بیٹی ہیں اور مہیشتر خان مشرف خان کے بیٹے ہیں اور خیر اللہ رعبہ بند محمد شاہی کے شاعر ہیں مہیشتر خان نے بادشاہ یگم کو دہلی علوم سکھانے کے بعد تخریج احکام نجوم کی بھی اچھی طرح تعلیم دی تھی غازی الدین حیدر عالم صاحبہ دگی سے اُنکے حسن و جمال پر فریفتہ تھے دہلی میں نواب سعادت علی خان نے اُنکے ساتھ غازی الدین حیدر کی شادی سنہ ۱۱۸۰ ہجری میں کی تھی غازی الدین حیدر کی عمر اکیس برس کی تھی اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیاہ سنہ ۱۱۸۰ میں ہوا تھا اس شادی کا حال ایک انگریزی خاتون نے اس طور پر لکھا ہے کہ رسم شادی کے اختتام پر جواہرات کی بوجھار ہوئی رزیدنٹ کی اور میری آستین پر چند جواہرات آپرے تھے رزیدنٹ کو آستین جھٹکتے ہوئے دیکھ کر میں نے بھی اُسکی تقلید کی اور جواہرات میں پر بھینک دیے شاہی خواصوں نے سمیٹ کر باہم تقسیم کر لیے اس بوجھار میں زمرہ کچھ راج نیلم اور ہیرے تھے خاتون مذکور کہتی ہے کہ یہ کیسی لاثانی اور قیمتی اور تعجب خیز بخشش اور فداغی ہے۔

بادشاہ یگم سے بیاہ ہو جانے کے بعد اُنکی ایک خواہس کے ساتھ جسکا نام صبح دولت تھا نواب غازی الدین حیدر کو عشق پیدا ہو گیا اور اُن سے اُس کے حل رہ گیا بادشاہ یگم کو

جنہیں فرزند سے کم نہیں سمجھتے تھے عنایت فرمائے تھے متمدلہ دولہ نے زندگوارا کرنے کے وعدے پر
رسید میری منگو اگر رقم مذکور میں پچاس ہزار روپے مجھ کو لے لے اور باہوال سے کسی لاکھ روپیہ نذرانہ
لیکر فیصلہ کیا اور بائی کے واسطے وعدہ خلائی کر کے اسکو بھر گزنا کر کیا اور وہ کاوش و پرفاش کی
کہ جلال الدولہ کو حبقدر شیرخان اور جواہر تانہ آیا وہ لیکر گھوڑے پر سوار ہو کر خفی کلکتے کے غرض سے
لکھنؤ سے نکل گئے وہاں پہونچ کر جب دیکھا کہ متمدلہ دولہ کی سنگاٹ کی میان شنوائی نہیں ہوتی
تو جہاز پر سوار ہو کر بیت اللہ اور کر بلا سے مسئلے کا راستہ لیا نواب سادات علی خان کے
بیٹوں میں یہی دو بیٹے زیادہ صاحب اعتبار تھے جب انکی یہ صورت گذری تو انکے اور بیٹوں کا
حوصلہ پست ہوا۔ چنانچہ رکن الدولہ محمد حسن خان نے بھی جلائے وطن اختیار کیا اور بائی
کا ظلم علی خان اور جعفر علی خان کو جو کچھ متمدلہ دولہ تھوڑا بہت دیدیتے تھے وہ اُس پر
قانع تھے لیکن ان میں سے ہر ایک شخص وافر دولت رکھتا تھا۔

اسی زمانے میں متمدلہ دولہ اور مرزا تقی خان کے درمیان نزاع پیش آیا وجہ اسکی
یہ تھی کہ متمدلہ دولہ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی جو بانوں سے معذور تھی اور میرزا علیخان
بسمیرا افضل علی خان بائیسویں والے کے ساتھ منقہ تھی اور متمدلہ دولہ کا ایک بیٹا روشن الدولہ
کی بیٹی کے ساتھ منقہ تھا اور دوسرے بیٹے کی نسبت شاہ میر خان کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی
یہ شاہ میر خان بہو بیگم کے خاندان سے تھے چونکہ یہ نسبت شاہ میر خان کی قدر و منزلت کے خلاف
تھی انھوں نے متمدلہ دولہ کی درخواست کے وقت شادی سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ غریب
کی بیٹیاں غریب خاندان میں جاتی ہیں یہ بات سن کر متمدلہ دولہ نے جبر و ظلم کی راہ اختیار کی
شاہ میر خان نے مجبور ہو کر شہر چھوڑا کلکتے کو چلے گئے وہاں جسکو دیکھا متمدلہ دولہ کا دوست ہے
وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر لندن کی طرف سدھارے اور محمد تقی خان کے لکھنؤ اور فیض آباد میں

صاحب الزمان کے واسطے ایجاد کی چھٹی یہ ہے کہ بچہ عورت جننے سے چند دن کے بعد سچ بچہ کے غسل کرتی ہے اور عمدہ لباس پہن کر جلسہ کرتی ہے اعزہ کو معانہ ملاتی ہے بادشاہ یگم اس رسم کو اس امام عالی مقام کی طرف منسوب کر کے ہر سال ماہ شعبان میں ادا کرتین اور بہت سارے پیسہ خرچ کرتی تھیں اور اس معاملے میں بہت دھوم دھام کرتی تھیں دوسرے اشرفیہ کی دوشیزہ اور خوبصورت لڑکیاں روپیہ خرچ کر کے یا کسی دوسری تدبیر سے ہم پہنچا کر ائمہ اثنا عشر کی انکو ازواج بناتین اور ان ائمہ کی ازواج کا نام سُکر وہی نام ان لڑکیوں کے رکھتین اور ان لڑکیوں کا خطاب اچھوتی مقرر کیا تھا اچھوتی اُس چیز کو کہتے ہیں جو چھونے کے قابل نہ ہو تاکہ آلودہ اور نجس نہ ہو جائے مگر حضرت فاطمہ زہرا کی پاسداری کی وجہ سے حضرت علیؑ کے لیے کوئی عورت تجویز نہیں کرتی تھیں اور ہر ایک اچھوتی کی خدمت میں تین نوکرین خدمتگزار سی کے لیے رکھتی تھیں اور انکو عمدہ عمدہ کھانے کھلاتین اور نہایت نفیس کپڑے پہناتی تھیں اور انکی اتنی خاطر اور ادب کرتی تھیں کہ ہر روز صبح کو اٹھ کر پہلے انکی زیارت اور سلام کرتین تب کوئی دوسرا کام کرتین اگر ان میں سے کوئی جوان ہو جاتی اور دل اسکا مناکحت کو چاہتا تو مانع آتین اور کہتین کہ بعد زوجیت ائمہ اطہار کے دوسرے کے ساتھ تزویج اور عقد کرنا اور اُس سے ہم بستر ہونا ملت پاس و ادب اور رعایت قانون اسلام میں حرام ہے۔ وہی بیچارہ شہوت میں گرفتار نہ رہنے کی طاقت اور نہ قدرت فرار۔ ایک ان میں سے اتنی شوہر کے ہاتھوں مغلوب ہوئی کہ اُس نے ایک عجیب شعبہ کھڑا کیا کہ اول شب میں خواب سے مضطرب اٹھ کر زور سے رونے اور چھاتی کو ٹٹنے لگی اپنی شوہمی طلع پر فریاد و فغان کرتی تھی۔ شوہر غل سُن کر محل کی تمام عورتیں جج ہو گئیں اور اسکی گریہ دہرا سی کا حال بادشاہ یگم سے عرض کیا

اسوجہ سے کمال غضب و رشک پیدا ہوا جب ۲۲ جمادی الاول ۱۱۵۰ھ ہجری کو بیٹا ہوا بادشاہ بیگم نے کہ نہایت مغلوب الغضب تھیں سخت شدائد و آلام کے ساتھ جس سے بڑھکر تصور نہیں صحیح دولت کو مراد والا جو کھانڈ باغ میں مدفون ہوئی یہ وہ زمانہ تھا کہ نواب سعادت علی خان اودھ کی سلطنت پر متمکن ہو چکے تھے نصیر الدین حسین نے اپنی حکومت کے زمانے میں اس قبر پر عمارت بنوا دی بادشاہ بیگم نے جاہاں اس بچے کو بھی مار ڈالین مگر فیض انسل نے جو بادشاہ بیگم کے پاس غلامیوں میں نوکر اور عطاقت لسانی میں یکتا تھی اور میر فضل علی زمان کی پھوپھی اور بقولے بہن تھی جو بیگم کے محل کے تمام کاموں کا مختار تھا اس فعل سے منع کیا اور انکو فصل کے دیندے کے ساتھ سمجھا کہ اس ارادے سے باز رکھا بیگم نے اس بچے کا نصیر الدین حسین نام رکھا اور پلنے لگیں اور نہایت محبت کرنے لگیں لیکن بیگم صاحبہ کی طبیعت الزہد عبادت اور تلاوت قرآن و ادعیہ ماثورہ کی طرف نہایت مائل تھی لیکن حکومت و جاہ طلبی اور خود رانی اور خود سری اور مغلوب الغضب اور امور مذہب اثنا عشریہ میں اختراع و جدت ان میں اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ بیان سے باہر تھا قوت غضبی اتنی تھی کہ غازی الدین حیدر برسوں ان سے ترسان اور لرزان رہے اور انکی اطاعت و انقیاد میں سر مو فرق نہیں کرتے تھے جب غضب حد سے گذر گیا تو زان شوہر میں افتراق کی نوبت پہنچی۔ بیو بیگم کی وفات کے بعد سلوان کا علاقہ جو بچہ راجہ میں شامل تھی انکی بالیر میں دیا گیا انھوں نے میر فضل علی خان کو اس علاقے میں مقرر کیا۔ بیگم کی جاہ طلبی کی یہ حالت تھی کہ ہمیشہ جاہتی تمہیں کہ کل سلطنت پر جاوی رہیں۔

امور مذہب اثنا عشریہ میں بادشاہ بیگم کی مختصرات

بادشاہ بیگم کی اختراع امور دینیہ کی یہ کیفیت ہے کہ اول اپنی طبیعت سے ایک چھٹی

ادا کرتی تھیں۔

جنون کا بادشاہ بھی بادشاہ بیگم کے پاس آتا تھا جو ان پر عاشق تھا بیگم کا معمول تھا کہ ہفتے عشرے میں غسل کر کے پر تکلف لباس اور زیور پہن کر اور عطر میں سراپا بس کر ایک مکان میں تنہا بیٹھ جاتی تھیں مجال نہ تھی کہ پھر وہاں خواصوں یا ماماؤں کے فرشتے پر مار سکیں اور بیگم صاحبہ اپنی زبان سے کہا کرتی تھیں کہ آج اُس جن کی آمد آہ ہے چنانچہ کوئی خواص کتنی تھی کہ ہم نے اپنے کانوں سے حقہ پینے کی آواز اس کو ٹھہری سے سنی تھی اور کوئی کہتی تھی کہ بیگم سے بات حیرت ہونے کی آواز آتی تھی اور خاص اس تقریب کے لیے ایک عمدہ مکان آراستہ کیا گیا تھا گانے بجانے کا جملہ سامان وہاں جمع رہتا تھا۔ خوش گلوں میں اُس جلسے میں گایا کرتی تھیں اس جلسے کا نام ہندی میں مٹھک (بے موجدہ کے فتح اور بے تھانی کے سکون اور بے ہندی کے فتح اور بے ہندی اور کاف ساکن سے) ہے۔ نصیر الدین حیدر جو خاص بیگم صاحبہ کے پاس پلے تھے انکو بھی لڑکپن سے اُس میں بیٹھنے کی عادت تھی چنانچہ اس بات کا شہرہ تھا کہ جنون کا بادشاہ۔ بادشاہ بیگم کے پاس اور شاہزادہ شاہزادے کے پاس آیا کرتا تھا اور پران بھی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ ہر ہفتے میں ماں بیٹے اس تقریب سے خلوت میں بیٹھتے تھے اور جو دونیاں کہ گانے کے واسطے آتی تھیں انکو انعام ملتا تھا۔ اس تقریب میں کم سے کم چار ہانسواور کبھی ہزار دو ہزار روپے صرف میں آتے تھے اور جو پوشاک بیگم صاحبہ ہوقت پہنے ہوتی تھیں وہ گانے والیوں کو انعام میں دیدی جاتی تھی

بادشاہ بیگم کی بے پروائی کی وجہ سے بادشاہ کا محسن لدو کہ اپنے پاس رکھ لیا

تاریخ شاہیہ بنشاپوریہ میں ہے کہ غازی الدین حیدر اپنے لوا سے عسکریہ کو

وہ خود بستر راحت سے اُٹھ کر پاس گئیں اور حال دریافت کیا تو اُس اچھوتی نے روتے ہوئے
 لہجے میں سلیم کو جواب دیا کہ اس وقت میں نہایت سحر سحر ہی تھی کہ یکایک خواب میں کیا
 دکھیتی ہوں کہ صاحب الاموال فرمان میرے پاس پہنچے اور آپ اُس وقت نہایت غضب آلود
 تھے فرمایا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور اپنی زوجیت سے جدا کیا جب میری آنکھ کھلی تو اپنی
 سیب بختی پر رونے لگی کہ جب ایسے امام الزمان کے نکاح سے خارج ہوئی تو اب دین دینا
 میں میری کس طرح گزرے گی الغرض بادشاہ سلیم نے یہ بات سُن کر اُس عورت کو فوراً پا لگی
 میں سوار کر کے مح اُسکے تمام سامان کے اُسکے باپ کے گھر پہنچا دیا۔

اچھوتے کی رسم بھی اُنھوں نے ایجاد کی اچھوتی اور اچھوتے میں تذکرہ و تائید کا فرق
 ہے۔ اچھوتہ بھی ایسی چیز کو کہتے ہیں جو بوجہ طہارت و نفاست کے مس کرنے کے قابل نہ
 ہو تاکہ نجس نہ بن جائے اچھوتے کی حقیقت یہ ہے کہ سلیم نے محل میں ایک حجرہ ائمہ ہدے کے واسطے
 مخصوص کیا تھا کوئی آدمی اُس میں آنے جانے نہ پاتا تھا جب کسی امام کی پیدائش کا دن
 آتا تو اُس حجرے کو طرح طرح کے نفیس فرش فرش سے آراستہ کیا جاتا زین قنبدین لٹکائی
 جاتیں اور زربفت کی مسندیں بچھائی جاتیں اور اُس امام کے نام نہاد اچھوتی عورت کو زیور
 اور مکلف پوشاک سے آراستہ کر کے مسند زنگار پر بجاتیں اور نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ
 اُسکو نذر دکھاتیں اور خادمانہ طریق سے مراحم و غزو نیاز بجالاتیں اور تمام لباس نفیس اور زیور
 جواہر کار اس عورت کو دیدیتیں اور حجرے کا دوسرا تمام اسباب محل کے کسی نوکر کو بخشدیتیں
 اور محاسن امین ائمہ اثنا عشر کے روضوں کی نقلیں تیار کرائی تھیں اور ہر روضے کے سامنے
 ایک ایک مسجد بنوائی تھی اور ہر روضے میں ضربی کی نقل اور عتبات عالیات کے دوسرے
 تبرکات رکھے تھے اور روضہ عباس کی ایک نقل بھی وہاں تیار کر کے شب در در ہر اس تعزیت

بادشاہ سلیم کے پرورے توڑنا مقصود تھا اور یہ دونوں معتمد الدولہ کے خیر خواہ تھے

بادشاہ سلیم سے معتمد الدولہ کی مخالفت اور میر فضل علی کا خراج

جب معتمد الدولہ نے بخوبی ہاتھ پانوں نکالے تو بادشاہ سلیم کی اطاعت سے قدم اٹھایا اور چاہا کہ ولیعہد بہادر کی دیوانی سجان علی خان کے تفویض ہو اس کام کے لیے اول اس بات کا کہ ناصر دہلی کا میر فضل علی خان یہاں سے نکالا جائے۔ معتمد الدولہ نے بدستغابی جاگیر بادشاہ سلیم کے باب میں جو فضل علی خان سے متعلق تھی چند پرچہ اخبار درست کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیے آخر کا سلیم صاحبہ تک پہنچ کر میر فضل علی خان معزول ہوئے لیکن تنخواہ گھر بیٹھے سلیم صاحبہ عنایت فرماتی رہیں اور دیوڑھی پر آمدورفت جاری رہی جب معتمد الدولہ کی شمشیر تبریر نے کاٹ کیا تو چند غمگین معتمد بادشاہ تک پہنچا کر میر فضل علی کے اخراج کا حکم بادشاہ سے حاصل کیا بادشاہ اس امر سے فضل علی سے بہت ناراض تھے کہ وہ محسن الدولہ کی خاطر داری میں سلیم صاحبہ کے یہاں بخوبی مصروف نہ رہتے تھے بے پروائی رکھتے تھے۔ میر فضل علی سلیم صاحبہ کے فرمان پذیر تھے انھوں نے معتمد الدولہ کو جواب دیا کہ میں تمہارا مطیع نہیں ہوں بادشاہ سلیم کے حکم کے بدون جن کا میں ملازم ہوں شہر سے قدم باہر نہیں رکھوں گا۔ یہ جواب گرم سن کر معتمد الدولہ جل گئے اور اس مضمون کو بڑی آب و تاب سے خلاف پیرے میں بادشاہ کے گوش گزار کیا انھوں نے خفا ہو کر حکم دیا کہ میر فضل علی کو گرفتار کر لاؤ اور اگر زندہ نہ آئے تو سر کاٹ لاؤ معتمد الدولہ نے جاہا کہ اس حکم کی تعمیل کریں اور سوار ہو کر اُن کے مکان پر پوش کریں لیکن معلوم ہوا کہ چار سو آدمی اُن کے مکان کے آس پاس مسلح بیٹھے ہیں جان تو بچھڑے کو غرور رہے دو تو میں اُن کے دروازے

بہت چاہتے تھے بعض لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ بادشاہ بیگم صاحبہ
مرشد زادہ آفاق نصیر الدین حیدر پر بوجہ پرورش کے محبت قلبی رکھتی ہیں
اور ان کے تمام کاموں کے انتظام میں مصروف رہتی ہیں اور حضور کے دوسرے
فرزند یعنی محسن الدولہ بہادر کے تمام کام اپنی ڈیوڑھی کے مختار فیصل علی کے حوالے
کر رکھے ہیں اور اسوجہ سے ان کے اکثر کام خراب رہتے ہیں بادشاہ نے فرمایا کہ بغیر تحقیق کے ہم اس بات کا
یقین نہیں کرتے بادشاہ نے خفیہ طور پر بیگم صاحبہ کے نوکروں سے دریافت کیا جو کچھ پہلے
بادشاہ سے عرض ہوا تھا اس سے زیادہ پایا گیا بعد اسکے خود محسن الدولہ کو اپنے پاس بلا کر
اس کیفیت کی حقیقت دریافت کی وہ خاموش رہے انکی خاموشی کو بادشاہ نے نیم رضا سمجھا
اور انکو یقین ہو گیا کہ بیگم صاحبہ محسن الدولہ کے معاملات میں حاضر ہیں بادشاہ نے محسن الدولہ
کے نقد دس ہزار روپے ماہوار مقرر کیے اور خالصہ اور پوشاک بھی علیحدہ مقرر کر دی اور بہت کچھ
عنایت انکے حال پر مبذول کی اور انکو حکم دیا کہ بیگم صاحبہ سے کام نہ لیں اور انکی شادی
بڑی دھوم دھام کے ساتھ نصیر الدولہ محمد علی خان کی بیٹی سلطان عالیہ کے ساتھ کی اور
مرزا حاجی کی عمارت رہنے کو عنایت کی اور روز بروز عنایت و مرحمت محسن الدولہ کے
حال پر زیادہ ہونے لگی جب کبھی گورنر یا کوئی بڑا انگریز آتا تو استقبال کے لیے انہیں کو بھیجتے
کیونکہ نصیر الدین حیدر کی اکثر حرکات و سکنات سے بیدار تھے اور محسن الدولہ ہمیشہ بادشاہ کی
اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ نصیر الدین حیدر اپنے عہد سلطنت
میں محسن الدولہ سے دل میں ہمیشہ ناراض رہے گو بظاہر پاس رکھتے تھے

ہمت پرشاد کی تاریخ سے مستفاد ہوتا ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ اور انور علی بیگ اُسنانہ نے
محسن الدولہ کو نانی سے جدا کرایا تھا اور میرے نزدیک ضرور ایسا ہوا ہو گا کیونکہ متہ الدولہ کو

عدالت کو نامسموع کیا بیگم صاحبہ کو یہ بات ناگوار گذری انھوں نے چاہا کہ ولی عہد نصیر الدین اور فیض علی کو ہمراہ لیکر اور اسباب اٹھا کر فیض آباد چلی جائیں یہ بات مستعد الدولہ نے بادشاہ سے عرض کی انھوں نے ۲۴ - ذیقعدہ ۱۲۳۷ھ ہجری مطابق ۱۳ - اگست ۱۸۲۲ء کو فوج بھیج کر بیگم صاحبہ کو جانے سے روکا ریٹیر صاحب قائم مقام رزیدنت نے فساد کی طوالت کے خوف سے کپتان جان ہوم صاحب کو چار کمپنیاں تگلوں کی دیکر اور اپنے سیہنشی سید باقر علی کو ساتھ کر کے بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر بھیجا ہوم صاحب زیرک آدمی تھا اس نے سلطانی سپاہ کو لڑائی سے روک کر بیگم صاحبہ کو سمجھایا اور فیض علی اور ان کے باپ غلام حسین کو رزیدنتی کی کوٹھی پر لگے مستعد الدولہ کے حکم سے فیض علی کا مکان منہدم ہوا مال و اسباب سپاہ نے لوٹ لیا ۱۹ - محرم ۱۲۳۸ھ ہجری مطابق ۶ - اکتوبر ۱۸۲۳ء کو میر فیض علی اور ان کے باپ غلام حسین اور بھوپتی فیض النساء دوسری چودہ مغلانیان انگریزی تگلوں کی حفاظت میں کانپور کی طرف روانہ کر دی گئیں اور شہر میں منادی عام ہو گئی کہ جو کوئی بیگم صاحبہ کی نوکری کرے گا وہ مورد عتاب ہوگا اور سلطنت کی طرف سے سزا پائے گا۔

اب اچھی طرح عداوت بادشاہ بیگم اور مستعد الدولہ کے درمیان واقع ہوئی اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ولی عہد دربار میں نہ آئیں اور بیگم صاحبہ کے سیکرٹن نوکر جو میر فیض علی کے طرفدار تھے گرفتار ہو کر قید ہوئے اور باقی بھاگ گئے اور فیض علی کا گھر مسمار ہو کر لاکھوں روپے کا اسباب غارت ہوا بادشاہ بیگم کی جالیہ پر مستعد الدولہ کی طرف سے عامل مقرر ہوا اور بادشاہ بیگم اور ولی عہد پر صدے پہنچنا شروع ہوئے۔ نصیر الدولہ کی بیٹی سلطان عالیہ بیگم کے ساتھ ولی عہد کی شادی کی تجویز تھی مگر یہ بات شائع نہ ہوئی تھی اور طرفین میں باہم اس تقریب کے مراسم ادا نہ ہوئے تھے کہ اس واقعہ کی وجہ سے بیاہ کا لفظ طرفین کی زبان پر نہ آیا۔ ۲۰ شعبان ۱۲۳۸ھ ہجری

بھجین ابھی پورا نکی جوہلی کا محاصرہ نہونے پایا تھا کہ فضل علی خان بھی مخفی اپنے مکان سے نکلا کہ بادشاہ سلیم کی دیوڑھی میں پہنچ گئے۔ معتمد الدولہ نے ۲۴ ذیقعد ۹۵۳ ہجری مطابق ۱۳ اگست ۱۵۴۲ء روز جمعہ شنبہ کو بادشاہی فرج سے سلیم کے مکان کا محاصرہ کرادیا اور فضل علی خان کو طلب کیا بادشاہ سلیم نے جواب دیا کہ ہم نے تمہارے قید ہونے کے وقت دستگیری اسی امید پر کی تھی کہ مقابلے پر آئے۔ اب فضل علی کا سر میرے سر کے ساتھ ہے اور یہ سوال وجواب فی فضل علی لی بہن بی مغلانی کی معرفت تھا اسکی تقریر آریوں نے اور بھی نفیض کی صورت پیدا کی صبح سے چار گھنٹہ دن رہے تک یہ حشر یہ پارہا اس عہد میں مشر ریچٹر کو زرنڈی کا جہج تھا انھوں نے ایک انگریز متبعین چھاؤنی منڈیاؤں کو سلیم صاحب کی دیوڑھی پر بھجکا پیام دیا کہ آپس میں نزاع کرنا خونریزی خلافت کا باعث ہے اس لیے فی فضل علی کو ہماری ضمانت و کفالت پر ہمارے پاس بھجیو جان و مال کو انکے صدر نہ پہنچے گا بادشاہ سلیم نے عہد و پیمان سے اطمینان کر کے فضل علی کو زرنڈی کے پاس بھجیادیا انھوں نے ایک دن اپنی کوٹھی پر رکھ کر دوسرے دن تنگوں کے گارد و نکی حفاظت میں مال و اسباب کے ساتھ کانپور کی طرف روانہ کر دیا اور ساٹھ ہزار روپے نقد خرچ کے واسطے بادشاہ سلیم سے دلائیے معتمد الدولہ نے اس راہ میں بہت خاک اڑائی اور انھیں ہر گز یہ منظور نہ تھا کہ وہ لکھنؤ سے سلامتی کے ساتھ جائیں لیکن زرنڈی نے قبول کیا۔ اس واقعہ کو سلطان الاخبار میں کسی قدر خلاف سے بیان کیا ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ حسن الدولہ جو بادشاہ سلیم کے پاس رہتے تھے انھوں نے معتمد الدولہ کی اغوا سے اپنی نانی (بادشاہ سلیم) اور مامون (نصیر الدین حیدر) کی شکایت بادشاہ سے کی اور فی فضل علی داروغہ دیوڑھیات کی نسبت اپنی تنخواہ میں سے چار لاکھ روپے کے تغلب کا نوکر کا معتمد الدولہ کے ذریعہ سے بادشاہ نے ہتھ روپے کا مواخذہ میر فضل علی سے کر لیا اور انکے

۹۷
سے
۹۸
۹۹
۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰

جب معتمد الدولہ کو خواصی میں بیٹھنے کا حکم ہوا تو ایک علیحدہ ہاتھی پر سوار ہو کر برات کے ساتھ رہے غرض عقد نکاح کے بعد دھن کو نواب سلطان بہو صاحبہ خطاب ملا اور یہ رسم ۱۸- رمضان ۱۲۳۹ ہجری مطابق ۱۳ مئی ۱۸۲۳ء کو ادا ہوئی۔

نقل نکاح نامہ - ہو المولف بین القلوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاسیکہ عارض دلرباے شاہد بیان را غازیہ پیرائی نماید و شایسته کہ قامت و لہریہ عروس سخن را بجلی چل آراید مالک الملک را سزاوارست کہ خیال وصال خراید مخدرات معرقتش در آغوش حوصلہ خروہ بینان خطہ عرفان نگنجد و عیار نقد کمال عیار کبریا و عیش را محک غواض ناقدات افکار عرصہ ذوق و وجدان نسجد و درودیکہ شمیم روح فرایش شام جان ایمان را مہر سازد و سلامیکہ طیب عنبر آگینش دماغ ہوش صاحب دلائل را معین نماید نثار آستان ملک پاسبان آن خاتم نص رسالت باد کہ چہرہ کشائے عرائس احکام بابلغ تبلیغ و احسن ارشاد فرمودہ و عروس خلافت را بداماد خویش اعمی نفس رسول دزد و جبتول عقد و دام بستہ صلی اللہ علیہ لے یوم الدین و علی البیتہ الطہیین الطاہرین الائمہ الاثناعشر شفاء یوم المحشر یا یعسوب الدین و قاتل الشترکین اسد اللہ الغالب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ و علی آلہ الکرام آلاف التحیۃ والسلام۔ اما بعد غرض از نظم لای آبدار و مقصود از جلوہ این ابکار افکار آنکہ بابر منطوق کریمہ و انکوائیامی منکم الآیہ و بمضمون خبر خیر اثر التکل من سلتی فمن رغب عن سنئی فلیس منی در بہترین اوقات و خوشترین ساعات کہ چون صبح شادمانی عنبریز و مانند بہار زندگانی نشاط انگیز بود نو بادہ بوستان سلطنت

مطابق ۲- مئی ۱۸۲۳ء کو مارڈنٹ رکیٹ صاحب زریڈنٹ ہو کر داخل لکھنؤ ہوئے اور انکے سبھانے سے انگریزی تلنگون کے پہرے بیگم صاحبہ کے مکان سے اٹھ جانے پر بادشاہ راضی ہوئے اور صاحب عالم (نصیر الدین حیدر) کی آمد و رفت بھی دربار میں جاری ہوئی۔

مرزا نصیر الدین حیدر کا بیاہ

جب نصیر الدولہ کی بیٹی کے ساتھ انکی نسبت ظہور میں نہ آسکی اور معتد الدولہ نے وہ بساط بچھائی کہ اس لڑکی کے ساتھ بادشاہ بیگم کے نواسے محسن الدولہ کی شادی ہوگئی تو اس بات سے بادشاہ بیگم کے مزاج میں معتد الدولہ کی طرف سے اور بھی زیادہ تکدر پیدا ہوا بادشاہ بیگم نے ۲۷ شعبان ۱۲۳۹ھ ہجری مطابق ۲۹- اپریل ۱۸۲۳ء کو دلی عہد کی نسبت مرزا سلیمان شکوہ کی بیٹی کے ساتھ قرار دیکر عین وقت پر بادشاہ کو اطلاع دی بادشاہ کسی سمیات شادی میں شریک نہ ہوئے البتہ معتد الدولہ وغیرہ ارکان سلطنت اور زریڈنٹ اس شادی میں شریک تھے گو معتد الدولہ کی مخالفت کی وجہ سے شادی میں خاطر خواہ رونق ظہور میں نہ آئی لیکن دو ہفتہ کامل عیش و عشرت کا ہنگامہ گزرا بادشاہ بیگم کا دل معتد الدولہ سے کھٹکا ہوا تھا اور انکے بارات کے وقت سواری کے ساتھ رہنا منظور نہ تھا دلی عہد کی حفاظت جان کے لیے زریڈنٹ کو پیام دیکر سوچا جس شب بڑے سرداران انگریزی طلب کیے جو سواری کے ہمراہ ہاتھیوں پر شانہ زے کے گرد حلقہ زن تھے اور زریڈنٹ بھی شریک جلسہ تھے بادشاہ سلامت مرزا حسن رضا خان کی بارہ درمی میں جو گوشتی کے پارتھی رونق بخش تھے اور محل شادی کا جلسہ حسن باغ کی بارہ درمی میں آراستہ تھا

جبکہ شاہزادے کی اس طرح شادی ہو جانے سے محمد الدولہ کے دل میں خار حسرت اٹھنے لگا تو انھوں نے دوسرا ننگ جھایا کہ مرزا محمد حسن پسر نواب روشن الدولہ کو سلیمان شکوہ کی دوسری بیٹی کے ساتھ باجوہ دیکھ اُنکو یہ کشتہ نہایت ناپسند تھا بزور و ظلم منعقد کیا اور اس جیلے سے وہ سات ہزار روپیہ ماہوار جو خوراک خاصہ شاہ عالم بادشاہ دہلی کے لیے شجاع الدولہ کے عہد سے الہ آباد کی آمدنی سے بادشاہ کی خدمت میں جاتا تھا اور نواب سعادت علی خان کے عہد سے مسدود تھا مرزا سلیمان شکوہ کے نام و گذاشت کر ایادہ پہلے سے چھ ہزار روپے کے درماہہ دار تھے اب یہ سات ہزار روپیہ ملکر تیرہ ہزار روپے میں اوقاف عیش و آرام میں بسر ہونی شروع ہوئی لیکن بادشاہ یگم کو محمد الدولہ کی اس کارروائی سے بیحد ملال ہوا اور بادشاہ سے اُنکی شکایت کی لیکن جواب دندان شکن پایا کہ پھر شکایت لبو نہر نہ آئی اور ولی عہد نے بھی سلطان بہو کی صحبت سے پرہیز کیا۔

لیکن نادار العصر کی روایت مختصر خانی کی روایت سے بہت مختلف ہے اس میں لکھا ہے کہ ولی عہد کی شادی خود بادشاہ کی تدبیر سے وقوع میں آئی تھی۔ انھوں نے سلیمان شکوہ کے لیے منسل سہی گار و تائیکہ بمجرب سرب دریا کئی لاکھ روپے صرف کر کے ایک مکان بنوا دیا اور دس ہزار روپے ماہوار سی مصارف کے لیے اور دو ہزار میوہ خوری کے لیے مقرر کر دیے تھے بعد دہائی اور خاطر داری کے اپنے فرزند ولی عہد مرزا نصیر الدین حیدر کی شادی کا اُنکی لڑکی کے ساتھ پیغام دیا چنانچہ بعد شراط مرزا سلیمان شکوہ نے وہ شادی منظور کی اور بڑی بیٹی سلیمان شکوہ کی عقد نصیر الدین حیدر میں آئی اس شادی کے ہونے سے غازی الدین حیدر نے پچیس لاکھ روپے کے نقد و جنس سے سلیمان شکوہ کے ساتھ سلوک کیا تھا بعد چند روز کے محمد الدولہ نے دوسری بیٹی کے واسطے اپنے فرزند کے ساتھ شادی کا پیغام دیا مرزا سلیمان شکوہ بسبب طبع دولت کے

و تاجدار سی و سرور بنار گلستان شوکت و شہر یاری سلالہ شاہ عالم پناہ فلک بار گاہ سکندران
 خدیو زمین و زمان مہر سہ گیتی ستانی مرکز دائرہ جہانبانی شہر یار عادل و شہنشاہ باذل خسرو
 عدالت گستر جمشید سیافریون فرموج شریعت حضرت سید المرسلین مؤید مذہب حق ائمہ معصومین
 صلوات اللہ علیہم وعلیہم جمیع السلاطین الاعظم الا فخر الخاقان الاعل الاکرم الملک المؤمن
 المنصور علی الاعادی ابو المظفر مغیر الدین شاہ زمن غازی الدین حیدر یاد شاہ غازی خلد اللہ
 ملکہ واجہے فی بنار السلطنتہ فلکہ اعنی اعلیٰ حضرت خورشید منزلت صاحب عالم و عالمیان شاہزادہ
 جہان و جہانیان سلیمان جاہ مرزا نصیر الدین حیدر بہادر ادام اللہ اقبالہ و ضاعف حب لہ
 بجلالہ عقد دائم در آورد نفس نفیسہ بقیس سررہ سلیمانی بانوے جملہ دودمان صاحبقرانی
 بالوہ رشیدہ جناب عفت قباب قمر رکاب خورشید اجتناب رقیہ سلطان یکم بنت عالیہ جاہ
 سعلی بار گاہ ثمرہ شجرہ سلطنت و کامرانی دودہ حدیقہ شوکت و جہان یابی غرہ ناصیہ
 تحت و تاجدار سی قرہ ناصرہ کامگاری و بختیاری سلالہ دودمان سلاطین تیموریہ نقادہ
 خاندان خواقین شاہ جہانیہ عالی جناب فلک رکاب شاہزادہ عالی تبار مرزا سلیمان شکوہ
 بہادر ادام اقبالہ و زاد اجلالہ بر صدق و کابین مسلخ بچ کرور رو پیہ سکوکہ ضرب دار السلطنتہ کھنوا
 صانہ اللہ عن طوارق المحدثان و حرسہ عن نواب الدہر الخوان بوکالت جناب مجتہد العصر
 و الزمان مولوی سید محمد صاحب دام فیوضہ عن جناب النکح اعظم بوکالت جناب فہم المصاب
 مولوی میر سید علی صاحب زاد مجدہ عن جناب المنکوۃ المظنیہ ختم العقد صحیحاً شرعیاً جائزاً نافذاً
 علی وجہ الشہرۃ و الاعلان لابی طریق النخیتہ و الکتمان و کان ذلک لاربعاً الثلاث لیل
 لعین من شہر شعبان المعظم سنہ تسعی و ثلثین بعد المائتین و الالف من الهجرة النبویۃ
 علی صاحبہ آلاف الاثنیۃ و التیمۃ۔

پرداخت کے یہ حکم دیا اسکی تعمیل نہ کی اور نصیر الدین حیدر کے بے اعتبار کرنے میں کوئی قسطہ نہ چھوڑا یہاں تک کہ اُنکو نطفہ نہ تحقیق مشہور کر دیا جبکہ گورنر جنرل کے کانوں تک یہ خبر پہونچی تو اُنھوں نے رزیدنٹ کو لکھا کہ بادشاہ کی نسل کے معاملے میں بخوبی تحقیقات کیجائے قوتِ معتمد الدولہ نے اپنے خبث باطنی اور عناد دلی سے گورنر جنرل کو جواب میں یہ لکھ کر بھجوا دیا کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے نطفے سے نہیں ہیں بادشاہ بیگم نے ایک خواص کے بچے کو پرورش کر کے تمت بادشاہ پر بلادھی ہے۔ اب گورنر جنرل نے رزیدنٹ کو لکھا کہ تم بادشاہ سے خود مل کر اس بات کی زبانی تحقیق کرو ابھی یہ تحریر رزیدنٹ کے پاس پہونچنے پہلی تھی کہ معتمد الدولہ نے تمام شہر میں اشتہار اس مضمون کے چسپان کرادیے کہ مرزا نصیر الدین حیدر کو کوئی شخص بادشاہ کا فرزند قرار نہ دے۔ جب رزیدنٹ کے پاس گورنر جنرل کی تحریر آئی تو اُنھوں نے بادشاہ کے پاس باکر حال دریافت کیا تو بادشاہ نے اپنی زبان سے نصیر الدین کی ولایت کا اقرار کیا۔ جب یہ تیر تیر معتمد الدولہ کا نشانے پر نہ پہونچا تو دوسری منکر کی اور ایک دن بادشاہ سے عرض کیا کہ بادشاہ بیگم نے اسوجہ سے کہ بچہ حضور کی نظر توجہ ہے اور اُنکی شکایت پر میرے حق میں حضور التفات نہیں فرماتے دس لوٹیاں ترکینین اور حبشین دشمنان حضور کے قتل کے لیے مامور کی ہیں اور اُنکا یہ ارادہ ہے کہ اس سانحے کے ظہور کے بعد گورنر جنرل سے اعلان کر کے مرزا نصیر الدین حیدر کو تخت سلطنت پر بٹھائیں اور آپ غمخوارین معتمد الدولہ نے اس طلاق لسانی سے اس مضمون کو ادا کیا کہ بادشاہ نے بیگم صاحبہ سے ملنا بھی موقوف کیا اور دروازہ جو خواب گاہ بادشاہ اور محل قوام بادشاہ بیگم کے درمیان واقع تھا وہ بھی تینہ کیا گیا اور ملاقات طرفین کی بند ہوئی اور بادشاہ بیگم پر یہاں تک تنگی کی گئی کہ اُنکی جاگیر کی آمدنی بھی بند کر لی گئی اور اس وجہ سے نوبت ناداری کی

راضی ہو گئے شادی قرار پا گئی یہ خبر غازی الدین حیدر کو پہنچی آگ ہو گئے اور دونوں سے عقد
آزاد ہوئے کہ جسکی شرح حد سے باہر ہے یہاں تک کہ فرزا سلیمان شکوہ کو اسی دن شہر سے نکال دیا
اور مکان بھی اٹھا کھنڈ و اڈالا بار بار یہ فرماتے تھے کہ ہم اس شانہزادے کو ایسا لالچی نہ جانتے تھے کچھ بھوک
بیٹی دیکر میرے نوکر کو اپنی بیٹی دیگا۔ سلیمان شکوہ جو یہاں سے نکالے گئے قریب دلی کے پہنچے
اُس زمانے میں اکبر شاہ ثانی کا دور تھا انھوں نے جو یہ حال سنا حکم دیا کہ ایسے شخص کا یہاں آنا
مناسب نہیں چنانچہ سلیمان شکوہ وہاں سے پھر کر کوڑیا گنج میں آئے اور طرح اقامت ڈالی۔
گاران صاحب (یا کرنل کارنر) سوداگر جاگیر دار کوڑیا کا سلج نہایت دو متمند تھا اس کے دام
طرح میں آکر شانہزادے موسوف نے شادی اُس رکھی کی اُس سے کر دی بعض کتابوں میں گاران صاحب
اکا سمی لکھا ہے۔

اس عرصے میں غازی الدین حیدر تھکا کر گئے نصیر الدین حیدر کو بھی اس عورت کے یہاں آنے کی
کمال تمنائی ریڈیٹ کے ذریعہ سے بادشاہ نے اجازت آئینی دی گاران صاحب سلسلہ ہجری
میں اس عورت کو لکھنؤ میں لائے تھے اور حسن باغ میں اُترے اور لاکھ روپے صرف کر کے محرم میں
تقریر داری نرسی و حوم سے کی۔

مقتدالدولہ کا بادشاہ کے لیے پن سے اتنی جسارت کرنا
کہ نصیر الدین حیدر کو نطفہ نہایت مشہور کر دینا آخر کار بادشاہ کا
اُن کو اپنا بیٹا تسلیم کر لینا بادشاہ اور بیگم کے درمیان سخت
ناچاقی کرا دینا اور اس کھالت میں بیگم پر نہایت سخت گیری کرنا
مقتدالدولہ نے بادشاہ بیگم کی آمدنی پر دست درازی شروع کی اور بادشاہ نے جو بادشاہ بیگم کی

آساٹس نہیں حسن بلغمین کہ مقام خوش فضا لب ریاد واقع ہے تشریف لے چلین شاہزادے
 کہا کہ اس شرط سے چلوں گا کہ ملکہ زامانی کو بیگم صاحبہ کے مکان سے طلب کر لیا جائے دوسرے
 بیگم طوائف کو میرے ساتھ کر دین چونکہ بیگم خادمہ حسین کی آشنا تھی جو معتدلہ کے رفیق تھا
 جسکی دل شکنی و آرزوگی معتدلہ کو منظور نہ تھی ایسے انھوں نے وہ چال چلی کہ جس سے شاہزادہ کو
 بیگم سے دست بردار ہونا پڑا۔ عرض کیا کہ بدون اطلاع بادشاہ کے غلام کی طاقت نہیں کہ
 ایسے کام کر سکے اور بادشاہ یہ دونوں رکیک امر قبول نہ کرینگے اگر ان میں سے ایک بات کی
 نسبت ارشاد ہو تو اگرچہ اس کا سر انجام بھی مشکل ہے مگر بہر صورت عرض کر کے اسکی درستی
 کیجاگی چونکہ ملکہ زامانی سے انکو کمال محبت تھی اور حرم محترم میں داخل کر لیا تھا اسکی جانب کو
 ترجیح دی اور رقاہ سے دست بردار ہوئے اور معتدلہ کے فریب سے آگاہ ہو کر درو
 بھرے ہوئے دل کے ساتھ حسن باغ کو تشریف لے گئے مگر محل سے نکلا کر شہر خنگ کے باغ میں
 معتدلہ کے فریب کی وجہ سے آنے سے بہت نادم اور تنگ تھے۔

بادشاہ بیگم کو چونکہ شاہزادے کے ساتھ بیجا الفت تھی چند روز کی جدائی سے نہایت
 بیتاب ہو گئیں ایک مالن شاہزادے کے لیے بار بھول بیجا یا کرتی تھی بیگم نے شاہزادے کے
 پاس اس مالن کی معرفت یہ پیام بھیجا کہ معلوم نہیں کہ ان دنوں کون سی بہتری کی بات
 معتدلہ کے طرف سے اپنے حق میں دیکھی جو ہمارے حقوق دیرینہ کو خیر باد کہا اور اسکی جھوٹی
 باتوں میں آکر ناحق سبکی حاصل کی ایسا جان عزیز اگر تمھاری بہتری و بان کے رہنے میں ہے
 تو چشم ماروشن دل ماثدا لیکن دل کو اس بات کا نہایت ناخوش ہے کہ دشمنوں کے درمیان میں
 جا پونے ہو اشد تمھاری حفاظت کرے میں تو ایک بوڑھی عورت ہوں مجھ کو کوئی ریاست کا
 دعوے نہ تھا جو کچھ میں نے کیا وہ تمھاری بھلائی کے لیے کیا تھا جو کچھ مجھ پر گزارا وہ تمھاری

پونجی اب بیگم کو ایک روپیہ ہزار روپیوں کے برابر تھا اسباب نفرتی اور طمانی پرے
میں بک کر اوقات بسر ہوتی تھی ان رخصتوں میں دار پر بھی معتد الدولہ کی نمک پاشی کم نہ تھی
یعنی وہ اس بندش اور تحسُّس میں رہتے تھے کہ جو اسباب بکنے کے وقت ظاہر ہوا اسکو منگوا کر
اپنے توشخانہ میں داخل کیا جائے انکی سردھریوں سے سات سات آٹھ آٹھ روز تک بیگم کے
محل میں چولھے میں آگ ملکانے کی نوبت نہ آتی تھی بعض اوقات من دو من چنے یا جوار
بھنوا کر محل میں تقسیم ہوتی تھی۔

شاہزادے کا چند روز تک بیگم سے علیحدہ رہ کر پھر اُن کے پاس چلا جانا

معتد الدولہ نے نصیر الدین حیدر کو شیر جنگ کے باغ میں بلایا وہ بظرف قدم بالحفظ
انجام کو سو بچ کر ایک دن اس باغ میں گئے اور خاصہ طلب کر کے نوش کیا۔ معتد الدولہ نے
جادہ اطاعت سے قدم باہر نہیں رکھا اور دلاسے کے ساتھ پیش آئے اور اپنا قصور معاف
کرایا اور انکی دلجوئی حسب مراتب ہر وقت ملحوظ خاطر تھی مگر دل میں عداوت بھری رہی بلکہ
ایک عجیب حرکت کی جو یہ ہے کہ شاہزادے کے خوش کرنے کو جنگی طبیعت عیاشی اور لعلوب
کی طرف زیادہ رغبت رکھتی تھی چند رقاصہ عورتیں انکی خدمت میں بھیجیں اور اُن کو
حکم دیا کہ شاہزادے کا دل اپنی طرف مائل کر لیں تقاضائے سن کی وجہ سے کہ عمر انکی
۲۳ سال کی تھی مسماۃ بنگا سے مالوف ہو گئے جب معتد الدولہ کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے
یہ خیال کیا کہ اگر دوسری جگہ بھیجا جائے کیونکہ ان بیٹوں میں مفارقت منظور تھی اس لیے
عرض کیا کہ یہ مکان تنگ ہے حضور کی آسائش کے لائق نہیں اور حضور کو بھی یہاں خاطر خواہ

آئے تو ولی عہد اس دربار سے محروم تھے ایک بار بادشاہ نے ولی عہد کو حکم دیا کہ مناس
عید الفطر کے لیے عید گاہ کو جائیں مگر وہ نہ گئے

لارڈ ام ہرسٹ کا ورود

صاحبزادہ سید کریم اللہ خان خلیفہ نواب سید فیض اللہ خان بہادر والی رام پور
سیر کریمین واقعات سلسلہ ہجری مین لکھتے ہیں کہ مجھ سے بنارس کے بڑے صاحب نے
بیان کیا کہ شاہ اودھ نے لارڈ ام ہرسٹ صاحب گورنر جنرل کی ملاقات کے وقت ایک تلوار
بہت نادر کہ جس کا قبضہ اور ساز بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھا اور نہایت قیمتی جواہرات
کی مالا جو عجیب چیز تھی سوائے دوسرے تحائف کے گورنر جنرل کو دی اور ولی عہد سلطنت
نصیر الدین حیدر استقبال کے لیے نہ گئے اور نہ اُوقت گئے جب کہ گورنر جنرل شاہ اودھ کے
محلات مین ملنے کو آئے دبنارس کے بڑے صاحب کو اندرونی معاملات کی کیا خبر تھی
شاہزادے صاحب بادشاہ کے حکم سے شرکت رسم استقبال و دربار سے محروم رہے تھے مگر جب
گورنر جنرل نے رزیدنسی مین بادشاہ کی دعوت کی تو باپ کے ساتھ ولی عہد بھی گئے اور محمد اللہ
کی طرف سے پشت کر کے بیٹھے محمد اللہ کا ارادہ تھا کہ اگر شاہزادے نظر التفات فرما دیں تو
سلام کریں مگر انھوں نے کچھ التفات نہ کیا لکن وہ گورنر جنرل کی رونق افروزی کے وقت
دبان کے آدمیوں نے ۱۲ سو تنگے کی عرضیاں گورنر جنرل کو دیں لیکن انھوں نے
بادشاہ کے پاس حاضر سے کسی کو کچھ جواب نہ دیا۔ دوسری جگہ پوچھ کر ایک عرضی پر جہاد
حکم لکھوایا۔

ہوا خواہی و دوستی کی وجہ سے گدڑا۔ جاے شکایت نہیں ہے جو کچھ پیش آیا قسمت کا کھٹا تھا
شاہزادے کو جب یہ پیام پہنچا تو آبدیدہ ہوئے اور کہلا بھیجا۔

مصرعہ من ہماں بندہ دیرینہ کہ بودم ہستم۔ بر سین گذرین کہ آدمی مہتمم الدولہ کی طرف سے
پیام لاتے تھے کہ میں آپ کا غلام و خانہ زاد ہوں اگر میری خطا معاف کیجائے تو خدمت کو
سعادت دارین جانکر ایسی جان فدا کر دوں گا کہ یادگار زمانہ رہے گی اور حضور کو کیفیت
خادمیت و مخدومیت کی ثابت ہو جائیگی اور آپ پر یہ بھی بخوبی روشن ہے کہ تکلیف اُترا جائے
سے میری طاقت طاق ہوگئی تھی اور اسکی بیدار سے میرے نوکر چاکر تنگ آگئے تھے ناچار
یہ کام کیا اگرچہ یہ امر سبک تھا لیکن اس بد باطن کے دل کا حال بدون اہمال ح ظاہری کے
معلوم ہونا ناممکن تھا محض اس مصلحت کی وجہ سے آپکی مفارقت گوارا کی گئی ہے جب سے
میں آپ سے جدا ہو کر بیان آیا ہوں سوائے نفاق کے کچھ اور انکی طرف سے ظہور میں نہیں
آیا۔ اسحہ اللہ کہ اب میں نے حجت تمام کر دی اور دروغ گو کو رکھنا تک پہنچا دیا۔ اور
حاشا کہ آپکی طرف سے ارادت میں کوئی قصور و فتور نہیں ہوئے۔ بلکہ باپ و خون وقت کی
نماز کے بعد دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ برقرار رکھے۔ مالن جب یہ
جواب لیکر بادشاہ بکیم کے پاس گئی تو اسکے دوسرے دن انھوں نے شاہزادے کے پاس
یہ پیام بھیجا کہ اگر وہاں کے رہنے میں اپنا مطلب حاصل ہوتا دیکھو تو وہاں رہنا چاہیے
ورنہ ایک دم کی مفارقت اکیسال کے برابر ہے جلد بیان آجانا چاہیے اب جدائی کی تاب
نہیں ہے۔ شاہزادے یہ پیام پہنچتے ہی وہ پہر کے وقت محل میں چلے آئے اور ہفت
سے غازی الدین حیدر کے مرنے تک دربار میں نہ گئے اور سرکار شاہی سے بھی شاہزادے
کے لیے کہیں آنے جانیکی ممانعت کا حکم نافذ ہوا یہاں تک کہ جب لارڈ ایچرٹ گورنر جنرل

دشمن گھات میں ہے وہ بہت ضحیت کر گیا اسلئے انھوں نے یہ فکر کی کہ حل کا پردہ ہی نہ اٹھے اسلئے کسی بچے کی تلاش میں مصروف ہوئیں جس زلمے میں کہ سکھ چین کو خون آگے ایک دھوبن کے بچہ پیدا ہوا تھا اسکو منگا لیا اور سکھ چین کے دروازہ کے شروع ہونے کی خبر اڑا کر بچے کو خون سے آلودہ کر کے نہایت احتیاط سے سکھ چین کے پاس لٹا کر صدائے مبارکباد اور تہنیت کے وہ تمام مراسم جو ولادت پسر کے موقع پر رسومین ادا کر لئے تھے واقعہ ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۵ ہجری مطابق ۴ ستمبر ۱۸۱۹ء میں بدین رہنے کے وقت کاہن پرستارن علی نے اس بچے کو غسل دیکر چار گھڑی دن ہے بادشاہ بیگم کی آغوش میں دیا اسکا نام محمد محمدی اور لقب رفیع الدین حیدر اور عرف مناجان ہوا اور سکھ چین کا خطاب افضل محل ہوا۔ ممتا الدولہ کو پہلے سے اُن دایوں نے جو بادشاہ بیگم سے حل ہونے کا حال بیان کرتی تھیں مرض راجی کی کیفیت بتا دی تھی ممتا الدولہ نے بچہ پیدا ہونے کی خبر سُن کر اُن دایوں کو بلوا کر اصرار کے ساتھ اقرار کر لیا تھا کہ یہ بچہ خواص مذکور کے بطن سے نہیں ہے اور تمام ماجرا بادشاہ سے عرض کر دیا تھا بادشاہ بیگم نے نصیر الدین حیدر کو اُس لڑکے کی پیدائش کی نذر کے لیے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا امرت لال اور فتح علی خسان عرض بیگیوں اور عبدالکریم داروغہ دیوانخانہ نے عرض کیا کہ آپ کی باریابی کے لیے حضور کا حکم نہیں ناچار ولی عہد بے نیل مقصود واپس ہوئے اور دوسرے دن بادشاہ امرت لال عرض بیگی سے حال معلوم کر کے اُن سپاہیوں اور افسروں کو جن کے پہرے میں سے صاحب عالم آئے تھے موقوف کر دیا۔ جان منگلتن صاحب رزٹنٹ تھے انھوں نے جب یہ ماجرا سنا تو خیال کیا کہ یہ صورت بادشاہ کی طرف سے محض اس وجہ سے وقوع میں آئی ہوگی کہ انہیں اور ولی عہدین ملال ہے چنانچہ انھوں نے بادشاہ سے ملاقات کر کے کہا

اور رکیٹ صاحب رزڈنٹ لکھنؤ نے غازی الدین حیدر کے بھائی حسین علی خان کی عرضی جو ان کے نام کے خط کے ساتھ آئی تھی بادشاہ کی خدمت میں بھیجی تو بادشاہ نے واپس کر کے جواب دیا کہ میں بھائی حسین علی خان کی عرضی نہ لوں گا (انتہی)

مناجان کی پیدائش اور بادشاہ بگم کا یہ مشہور کرنا کہ وہ نصیر الدین حیدر کے لطف سے ہے معتقد ولہ کا بگم کی دھول اڑنے میں کسر باقی نہ رکھنا اور انجام کار مناجان کا ولی عہد کے لطف سے ثابت نہ ہونا

بادشاہ بگم کی ایک خواص کا نام سکھ چین تھا صاحبزادگی کے زمانے سے نصیر الدین حیدر کی صحبت میں رہتی تھی بہت خوبصورت تھی کوئی سو بار سے زیادہ صاحب عالم کی ہم بستری سے مشرف ہوئی تھی ایک بار حیف کے ایام مل گئے اور معلوم ہوا کہ اسکو حل ہے سات مہینے اس حل کو گندے موافق دستور ہندوستان کے نہایت خوشی کی گئی اور حل کی یہ خبر دور دور پھیل گئی معتقد ولہ کو بگم اور نصیر الدین حیدر سے قلبی عداوت تھی انھوں نے اس حل کی تحقیقات شروع کی حقیقت میں یہ حل نہ تھا راجی مرض تھا ریح دفع ہو کر پیٹ پٹلا پڑ گیا حالانکہ مرض کے میلان میں خون حیف بند تھا پیٹ میں بچے کی سی حرکت معلوم ہوتی تھی چھاتیوں سے دودھ نکلتا تھا ریح کے نکلنے ہی یہ سب باتیں مٹ گئیں بادشاہ بگم کو اطلاع ہونے پر بہت رنج و فدا ہوئی کہ تمام میں یہ خبر پھیلی اور بادشاہ تک پہنچی اور انجام یہ ہوا کہ بگمات کے سامنے بھی غل ہونا پڑ گیا جو حل کے دنوں میں خوشی کی رسموں میں آئی تھیں بگم نے خیال کیا کہ معتقد ولہ

بادشاہ نے فرمایا کہ بچہ پیدا ہونے کی امید ۲۵ ماہ کے بعد نمودار ہوئی ہے۔ بعد اسکے زریذنت
 بات کو طول دینا مناسب نہ سمجھا اور اس سے ۱۵ ماہ قبل بادشاہ کی زبان زریذنت کو
 معلوم ہوا تھا کہ ولی عہد بہادر کے یہاں بچہ پیدا ہونے کو ہے لیکن بعد اسکے کوئی خبر بچہ پیدا
 ہونے کی معلوم نہ ہوئی تھی اور ایک اخبار نویس نے زریذنت کو خبر دی تھی کہ بادشاہ میلم نے
 چار عورتیں از قوم سادات ولی عہد کی صحبت میں رکھی ہیں اور بوظفل کہ اب پیدا ہوا ہے ان میں
 سے ایک عورت کے بطن سے ہے۔ زریذنت نے یہ تمام حال گورنر جنرل کو لکھا کہ ولی
 بہادر تو ولدیت کے مقر ہیں مگر بادشاہ انکار کرتے ہیں اور بادشاہ کے قول کی تحقیق
 مشکل ہے کہ فرماتے ہیں کہ نصیر الدین حیدر طفل مذکور کے باپ نہیں ہیں اور سب سے زیادہ
 مشکل جانبین کے دوستوں اور دشمنوں کی غرض کا ادراک ہے۔ ۴۔ اکتوبر ۱۸۲۲ء کو گورنر جنرل
 جواب طامس مشکلف صاحب سکرٹری دفتر سفارت کے ذریعہ سے یون پہونچا کہ آپ کی تحریر
 مرقومہ ۱۴۔ ستمبر ۱۸۲۲ء سے معلوم ہوا کہ ولی عہد کے مکان میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے
 جسکو بادشاہ تسلیم نہیں کرتے اس امر کی تحقیق ضرور ہے تاکہ آئندہ کوئی دقت اور سلطنت میں
 پیش نہ آئے اور تکرار واقع نہ ہو اسلئے مناسب ہے کہ اب اچھی طرح طفل مذکور کے نسب کی بات
 تحقیقات کریں کہ فی الحقیقہ ولی عہد کا لطفہ ہے یا نہیں اور نواب گورنر جنرل امید رکھتے ہیں
 کہ جناب بادشاہ اودھ ایسے امر نازک میں اپنے اشتباہ کا رفع کرنا اور اسکی تحقیقات ضروری
 جانیں گے زریذنت نے اس خیال سے کہ بادشاہ اپنی زبان سے اس لڑکے کو دھوبی کا
 بچہ بتاتے ہیں اور عوام میں بھی یہ مشہور ہے کہ ایک حاملہ دھوبی مدت سے غائب ہے یہ متنا
 جاننا کہ اُسکے شوہر کے اظہار لیے جائیں مگر اسوجہ سے کہ مبادا خبر پاتے ہی آدمی دھوبی سے
 ملکر جلسہ بازی کریں اپنے میرمنشی کو حکم دیا کہ تم اپنے یہاں اُس دھوبی کو نوکر رکھ لو بعد اُسکے اُسکے

کہ حضور نے مجھ کو ولادت فرزند کی خبر کیوں نہ دی تاکہ تنہا کے مراسم بجالاتا بادشاہ اس بات سے دل میں کبیدہ ہوئے اور بظاہر ایسی بے پروائی کی کہ گویا صاحب کی بات کا مطلب آپ کے ذہن میں نہیں آیا اور تجاہل کی راہ سے فرمایا کہ میں نے کونسی بات کی آپ کو خبر نہ دی صاحب نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ ولی عہد بہادر کے محل میں بیٹا پیدا ہوا ہے یہ خبر مجھ کو صبح کے وقت پہونچی تھی اور اواسے تنہا کا منتظر تھا۔ بادشاہ نے تھوڑی دیر سکوت کر کے فرمایا کہ اسباب میں گفتگو نا مناسب ہے اس جواب سے رزٹنٹ متحیر ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھ کو حضور کے پوتے کی پیدائش کی خبر پہونچی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ ولی عہد بہادر نذر کو گئے اور بے نیل مراد واپس ہوئے اور پھر سپاہیان متعینہ دروازہ برطرف کر دیے گئے کیا یہ بات سچ ہے یا جھوٹ بادشاہ نے جواب دیا کہ شام کو ولی عہد بہادر مع خاص کر دارو کے زبردستی حاضر ہونا چاہتے تھے اور راز کا دن میں پیدا ہوا تھا اگر فی الحقیقت ہمارا اصلی پوتا ہوتا اور وارث حقیقی ہوتا تو ہم پہلے اس سے ساز و سامان جن میں اور اواسے لوازم تنہا کے لیے برضا و رغبت حکم دیتے لیکن اس معاملے میں ہر طرح جعل و فریب ہوا ہے اور حقیقت میں یہ سچہ دھوین کا ہے کہ ۲۵ روز سے اس کو محل میں لے گئے ہیں۔ رزٹنٹ نے غم و فراست کی راہ سے کہا کہ مبادا یہ بات معاندین و مخالفین نے مشہور کر دی ہو بادشاہ نے فرمایا کہ تم اس کو خوب تحقیق کر لیا ہے پھر رزٹنٹ نے کہا کہ یہ امر بہت مشکل ہے کہ ولی عہد بہادر اب فریب کھاتے اور حقیقت ان سے مخفی رہتی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اُس بیچارے کو کیا سمجھ ہے یہ تمام چالاکی بادشاہ بیگم کی طرف سے ہے اور وہ بیچارہ بسبب کم عمری اور بے عقا کے کیا سمجھ سکتا ہے رزٹنٹ نے کہا کہ حضور سابق میں شکایت کرتے تھے کہ ولی عہد بہادر عورتوں کے ساتھ صحبت اور اختلاط رکھتے ہیں۔ چنانچہ بعض اُن میں سے حاظہ بھی ہو گئی یہ

اُس وقت میرے گھر سے چلی گئی تھی چونکہ مجھ کو بیض آدمیوں کی زبانی یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ پردیش علی کی شرکت سے مینا کٹنی نے اُس کو فروخت کر دیا اسلئے مینا کٹنی کے گھر پر گیا اُس کے بیٹے نے کہا کہ وہ دو دن سے مکان پر نہیں آئی ہے آخر تیسرے دن میں نے اُس کو پایا اور کو تو ال کے پاس لے گیا اور تمام حال ظاہر کر کے گرفتار کر دیا چار دن کے بعد اُس کٹنی نے عورت کے حاضر کرنے کا اقرار کیا اُنکی ضمانت لیکر کو تو ال نے چھوڑ دیا بعد اسکے میری ساس نے نالش کی تو پھر متمدلہ نے اُس کٹنی کو بکڑا کر کو تو ال کے پاس بھیج دیا وہاں قید ہو گئی اور متمدلہ نے میری زوجہ کو تلاش کرنے کے لیے حکم تاکید صادر کیا کو تو ال نے نہایت تحریف و تمہید کی مگر کچھ مفید نہوا آخر کار مجھ کو کہا کہ وہ رنگ محل میں ہے اور وہاں کو تو ال کا حکم نہیں چتا میں نا امید اور ایلوس ہو گیا اور کٹنی بھی چوتھی محرم کو رہا ہو گئی اور مجھ کو بہت سے معتد آدمیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ میری زوجہ رنگ محل میں ڈیڑھ سو روپے کو فروخت کر دی گئی ہے رزیدنٹ نے بادشاہ کی شرح ملاقات اور دھوبی کا اظہار گورنر جنرل کے پاس بھیج دیا بعدہ عہد قائم مقامی فیلکس السنٹ ریپر صاحب میں ایک دن بادشاہ نے محسن الدولہ سے فرمایا کہ تمہارے مامون یعنی نصیر الدین حیدر تہاے دیکھنے کو کہ پانوں میں چوٹ لگ گئی ہے کیوں نہیں آتے محسن الدولہ نے عرض کیا کہ حکم عالی کے منتظر ہیں ارشاد ہوا کہ ابھی جا کر ہماری طرف سے کہو کہ اپنے بیٹے کو ہمراہ لیکر آئیں۔ محسن الدولہ نے جا کر بادشاہ گیم سے کہا اُنھوں نے ولی عہد کو مع فرزند مسطورا بادشاہ کے حضور میں بھیجا ولی عہد نے بادشاہ کے قدموں پر سر رکھ دیا بادشاہ نے اُن کا سر اٹھا کر گلے سے لگایا اور شفقت پوری کے جوش میں اگر خوب روئے اور بچے کو گود میں لیا اور لمحہ کے بعد ولی عہد کو مع اُس بچے کے خلعت دیکر رخصت کیا قائم مقام رزیدنٹ نے گورنر جنرل کو یہ ساری کیفیت ۱۰۔ اپریل ۱۸۳۱ء کو لکھ بھیجی اس بچے کے نسب کے باب میں دوسرے لوگوں کے معتد الدولہ نے اظہار کوائے تو

انہار لو اے اور بادشاہ سے ملاقات کے وقت ایک پرچہ پیام متضمن ضرورت تحقیق نسب
 طفل مذکور کہ مبادا انجام کو نہ ملے ریاست میں تکرار پیش آئے بادشاہ کے حوالے کر کے زبانی
 کہا کہ ایسے امر نازک میں عتاب اور خفگی دل سے دور کر کے اسکا جواب اس طرح تحریر فرمائیں کہ
 اب اور آئندہ اشتباہ باقی نہ رہے اور سب سے یہ بہتر ہے کہ جناب والا خود محل میں تشریف لیا کر
 اس لڑکے کو بحیثیت خود ملاحظہ کر لیں مگر بادشاہ نے محل میں جانا قبول نہ کیا اور فرماتے لگے کہ اگر
 فی الحقیقت میرا پوتا ہو تا تو اس سے بہتر اور خوشتر کیا تھا۔ لیکن وہ اصل میں میرا پوتا نہیں ہے اور
 بادشاہ یکم نے اسکی ولادت کے وقت حسب دستور سترہ کیلے ہائے خاندان کی نیکیات کو جمع کیا
 مگر رزیدنٹ کی طرف سے بہت تاکید ہوئی کہ اس معاملے کی پوری پوری تحقیقات کی جائے اسلئے
 بادشاہ نے دانی کو تلاش کرایا اور اسباب میں ایک خط بادشاہ یکم کو لکھا اسی اثنا میں اخبار نویس نے
 رزیدنٹ کو اطلاع دی کہ ۲۵ جمادی الآخری ۱۲۳۲ھ ہجری مطابق ۱۳- مئی ۱۸۱۸ء کو جناب
 بادشاہ اودھ نے تین عورتیں منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان کی پیش کی جو تین معرفت بہمنت خواجہ
 کے بادشاہ یکم کو عطا کی تھیں ان میں سے دو مرگیں ایک زندہ ہے اور وہی اُس بچہ کی ماں ہے
 اور اسکا خطاب افضل محل ہے اور وہ خود طفل کو دودھ پلاتی ہے دلی عہد بہادر بادشاہ یکم کتنی بین
 کہ اگر بادشاہ کا دل چاہے تو خود آکر لڑکے اور اسکی ماں کو ملاحظہ کر لیں دھوبی کا نام پیرا تھا اُسے
 اپنے اظہاروں میں بیان کیا کہ میری زوجہ منا نام جسکی عمر سترہ سال کی اور آٹھ ماہ کا عمل تھا
 ۱ ذیقعدہ ۱۲۳۵ھ ہجری مطابق ۱۷- اگست ۱۸۱۸ء کو دن کے ساڑھے دس بجے پرورش علی
 کے گھر کپڑے لیکر گئی تھی وہاں سے غائب ہو گئی۔ دوپہر کے وقت مسماۃ میتا کٹنی میرے گھر آئی
 اور میری زوجہ کا حال پوچھا میری ساس نے کہا کہ وہ پرورش علی کے گھر کپڑے لیکر گئی ہے
 مینا چلی گئی میں نے شام تک اسکا انتظار کیا بعد اسکے پرورش علی کے گھر پر گیا اُس نے کہا کہ وہ

آرزوگی کے ساتھ فرمایا کہ اگر وہ لڑکا میرے بیٹے کا ہوتا تو رسم شلک عمل میں آتی ولی عہد حاضری کی اجازت پانچ برسے نیل مقصود لوٹ گئے۔ چونکہ بادشاہ بیگم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق بادشاہ کی بہن اور پھوپھی کو ولادت کے وقت شریک نہ کیا تھا۔ اور نعیم خواجہ سرائے بھی بیان کیا تھا کہ اس طفل کے ولی عہد کے نطفے سے ہونے پر اعتقاد نہیں اور دائی نے بھی ظاہر کیا تھا کہ تمام کام میں جمل ہے اور خداوند سلطان وقت کے سامنے غلط بات نہ مگوئی میرے سامنے بچہ پیدا نہیں ہوا بلکہ جہا ہوا بچہ میرے سامنے لائے اور کہا کہ اسکی ناف کا ٹکڑے میں نے ناف کا ٹکڑی بھکھا ایک ہزار روپے دیے اور مسماۃ سکھ چین میں ذرا بھی جننے کے آثار نہیں پائے جاتے اس لیے بادشاہ نے یہ تمام کیفیت تحقیقات کی جان منگلن صاحب رزیڈنٹ سابق سے بیان کر دی تھی چند مدت کے بعد ولی عہد اور محسن الدولہ لڑکے کو کسی عورت کے ہاتھ میں لیکر بادشاہ کے پاس آئے حضور نے خشم و غضب کی وجہ سے اسکی صورت نہ دیکھی۔ اور میری دعا عمل اولہ کی (وساطت سے رزیڈنٹ کو خبر دی۔ رزیڈنٹ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ نے اس لڑکے کو گو دین لیا تھا بادشاہ نے رزیڈنٹ کا یہ قول سنا تو نہایت مکر ہوئے اور انکو کہلا بھیجا کہ کسی نے آپکو یہ خبر فریب کی راہ سے دی ہے اگر وہ ہمارے بیٹے کا بیٹا ہوتا تو ہم انکو گو دین لیتے اور فلکس السنٹ ریٹر صاحب قائم مقام رزیڈنٹ اور رکس (رکیٹ) صاحب رزیڈنٹ سابق سے بھی بادشاہ نے روبرو فرمایا تھا کہ ابھی نصیر الدین حیدر سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ لازم ہے کہ اس خاندان کی ریاست اس خاندان کے وارثوں کو دیا جائے نہ غیر کے ہاتھوں میں۔ جبکہ بیگم صاحبہ کی طرف سے یہ بات مشہر ہوئی تھی کہ سکھ چین ولی عہد سے معاملہ ہے تو مسکرا بادشاہ نے ایک

پرویش علی خان عرف چھوٹے خان اور مرزا عنایت علی اور شیخ ضیاء اللہ کے بیانات سے ثابت ہوا کہ سماءہ منادھو بن حاطہ بادشاہ بیگم کے محل میں گئی تھی اور اس کے جانے سے چند روز بعد محل میں بچہ پیدا ہونے کی خبر سننے میں آئی اور مہتاب دانی نے اپنے اظہار و انوار میں بتایا کہ سکھ چین خواص کا پیٹ میں نے بادشاہ بیگم کے حکم سے خوب بچا کر محل کے آثار نہ پائے اور باقی خانہ مخلافی ملازم بادشاہ بیگم نے بھی کہا کہ مناجان سکھ چین کے شکم سے نہیں سکھ چین کو بھی حل ہی نہیں رہا معتدل الدولہ نے رزٹینی کے دفتر کو اہل طہر کی کیفیت لکھی کہ جب بادشاہ بیگم سے بادشاہ سے ظاہر کیا کہ سکھ چین نصیر الدین حیدر سے حاطہ ہے تو بادشاہ نے تھوڑی دیر سکوت کرنے کے بعد فرمایا کہ بچہ کینچ کو شاہرہ دے کے پاس بھیجا ہماری خواہش اور نیز نواب گورنر جنرل کی مرضی یہ تھی کہ کسی خاندان عالی شان میں بیابے جاتے تاکہ فرزند صحیح النسب پیدا ہو تا آخر الامر بادشاہ نے نویسے تک تظار کیا جبکہ بچہ پیدا ہوا تو بیگم صاحبہ کے فریب کو پا کر پیام دیا کہ اس قدر دیر ولادت میں ہونا مقام تعجب ہے بادشاہ بیگم نے جواب دیا کہ بچہ پیٹ میں تو موجود ہے لیکن جنات و شیاطین کے آسیب سے پیدا نہیں ہو سکتا اس بات سے بادشاہ کو زیادہ شبہ ہوا اور فرمایا کہ بچے کی پیدائش ہماری تحیر اور بھوکھی اور دوسری بیگمات خاندان کے سامنے ہو الغرض اس و تیسرے پر ۲۵ ماہ گزرے اور بادشاہ کا تعجب روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور انھیں دنوں اخبار کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ محل میں زن حاطہ کی بڑی تلاش ہے متعاقب اُسی کے اخبار سے دریافت ہوا کہ ایک حاطہ دھو بن ملازم منشی محمد باقر غائب ہے اس حال کے دریافت ہونے سے بادشاہ نے حکم دیا کہ جب سکھ چین کے بچہ پیدا ہو تو بیگمات خاندان کو اس وقت بلا لیا جائے ان کے سامنے ولادت واقع ہو بعد چند روز کے ناگمان حضور کو خبر پہنچی کہ بیٹا پیدا ہوا اور ولی عہد فریب کی راہ سے نزد گزرنے اور شلک سلامی کی اجازت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں بادشاہ نے

وہ وصیت کر جائے دیا جائے اور دو تہائی باقی اور جب قدر بعد خرچ حسب وصیت نامہ تہائی اول سے باقی رہے یا اگر وہ کچھ وصیت نہ کر جائے تو وہ ایک تہائی بھی اس میں شامل ہو کر سب روپے کے دو حصے ہوں ایک حصہ نجف اشرف میں دیا جائے اور دوسرا حصہ کر بلا میں امام بارہ اور مجاوروں کے لیے یا ان شخصوں کے لیے جو بادشاہ کی جانب سے مستم ہوں دیا جائے مگر بادشاہ کو اس کا ثواب نصیب ہو۔ اور یہی شرط سلطان مریم بیگم کے وثیقہ میں تھی مبارک محل کی اصل و حقیقت اس طرح سے ہے کہ یہ عورت کرنل عیش کے نطفے سے مسماہ چمپا کے بطن سے پیدا ہوئی تھی کرنل عیش کا بنگلہ کانپور میں اسی کے نام سے مشہور تھا جب یہ کرنل ولایت کو چلا گیا تو یہ لڑکی اسکول میں لڑکوں کے ساتھ پڑھنے کو جایا کرتی تھی مذہب عیسائی تھا جب غازی الدین حیدر نے تعلیم و تلقین فرمایا تو صدق دل سے ایمان لائی۔ یہ عورت فی الحقیقت بہت حسین تھی اور ذی ہمت اور سیر ختم بھی تھی کئی ہزار آدمی اسکی بدولت پرورش پاتے تھے۔ اسکی سرکار میں سیاہ و سفید کا اختیار حکیم بندہ رضا خان کو تھا اس بیگم نے واجد علی شاہ کے عہد میں انتقال کیا۔ موت سے کچھ دنوں قبل سے علیل تھی ایک دن باغ سے آموں کی ڈالی آئی تھی انہیں سے کئی آم رات کو کھائے فرج کچھ برہم ہوا حکیم حنا نے موافق معمول دو ابھی اُسے کھایا پھر استفراغ کیا آخر کار شب ہشتم ماہ شعبان ۱۱۸۲ھ ہجری مطابق ۱۸۶۹ء کو شنبہ کے دن انتقال کیا امام بارہ نجف میں غازی الدین حیدر اپنے شوہر کے ہم پہلو دفن ہوئی۔ پشیمینہ اور جواہرات مبارک محل کے پاس مشہور تھا کارڈنگی خیانت سے کچھ اسکا پتہ نہ لگا۔

مبارک محل سے نکاح کر لینے کے بعد بادشاہ نے ڈاکٹر شارٹ کانسل بغداد کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اور اسکو نواب سلطان مریم بیگم خطاب دیا یہ بھی عیسائی مذہب اور اسی کے

یونانی حکیم اور ایک انگریز ڈاکٹر اپنے ملازم اور ایک دوسرے ڈاکٹر کو کہہ کر نووارد تھا اس امر کی تحقیق کیے بغیر صاحبہ کے محل میں بھیجا تھا مگر انھوں نے تحقیق نہ کرنے دیا اور یہ خبر چار سال تک مشہور رہی لیکن کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔

محترم خانی کا مؤلف کہتا ہے کہ مجھ کو سفیر کے منشی باقر کی زبانی معلوم ہوا کہ ہمارے دفتر میں جو تحقیقات ہو کر کاغذات آئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بچہ صاحب عالم کے نطفے سے نہیں ایک دھوبن کے پیٹ سے ہے یہی تحریر دفتر ریڈیٹی میں داخل کی گئی ہے وہ دھوبن معتمد الدولہ کے اخراج تک کوٹھی نور بخش میں قید تھی۔

معتمد الدولہ کی ترغیب سے غازی الیدین حیدر کا دو عیسائی عورتوں سے نکاح کر کے ان کو خطاب و جاگیر دینا

بادشاہ کے دل میں بادشاہِ بگیم کی مفارقت سے خوارالم کھٹکتا تھا معتمد الدولہ نے اُسکے رفع کرنے کے واسطے یہ تجویز نکالی کہ ایک خوبصورت عورت جو ایک انگریز کے نطفے سے ایک ہندوستانی عورت کے بطن سے پیدا ہوئی تھی اور اُسکو مرزا حاجی کانپور سے اپنے ساتھ لائے تھے بادشاہ کے ساتھ منعقد کی بادشاہ نے رنگ محل خطاب دیا اور مبارک محل نام مشہور ہوا۔ دس ہزار روپے ماہوار کی جاگیر اُسکے لیے مقرر کی۔ بادشاہ نے حکیم محرم سلمہ بھرمی کو جو گورنمنٹ انگریزی کو ایک کروڑ روپیہ قرض دیا تو اُسکے سود میں سے دس ہزار روپیہ ماہوار کا وثیقہ مبارک محل کے نام پر مقرر کر دیا اور یہ قرار پایا کہ یہ روپیہ زندگی بھر مبارک محل کو ملے اور اُسکی وفات کے بعد ایک تہائی روپیہ جسکے نام باجس کا واسطے

اپنے مذہب عیسائی پر مستقل رہی اس لیے میری تجویز و تکفین موافق مذہب عیسائی کے ہو
اور ایک ٹٹ میری تنخواہ میں میری وصیت جاری ہو بعد اس کے حسن علی خان کپتان کے
متصل امام بارگاہ آغا باقر خان کرایہ پر لیکر اُس میں رہی آخر کار ۷۔ اپریل ۱۸۴۹ء کو شب کے
وقت مر گئی اور موافق وصیت کے شاہ پیر بلیل کے بیٹے کے متصل رومن کیتھولک کے
گورستان میں مدفون ہوئی۔ حسبِ احکم شاہی مجددولہ نے تعلیقہ کر کے پھرے بٹھا دیے جب
کلکتے سے رزیدنٹ کی رپورٹ کا جواب آیا تو متروکہ اُسکا جوزف شارٹ کو ملا ہر چند پرچہ
پیام پھر سیاب میں گیا کہ اس صورت میں ساری تنخواہ وثیقہ کر بلاے مٹنے جائے لیکن کچھ نہوا
غازی الدین حیدر کے بعد سے ایک حکیم صاحب اس حکیم کے یہاں بھی بڑا اختیار رکھتے تھے

تعمیرات

مبارک منزل - یہ کوٹھی بادشاہ نے کنارہ دریا پر تعمیر کرائی تھی -
قدم رسول - یہ ایک مذہبی مقام اہل اسلام کا ایک بلند مقام پر بادشاہ نے تعمیر
کرایا تھا اور اس میں ایک سنگ پارہ رکھا تھا جو عرب سے ایک حاجی لایا تھا اُس پر آنحضرت
کے قدم کا نقش تھا غدر میں سنگ پارہ مذکور گم ہو گیا -
نجف اشرف - جو بنام شاہ نجف مشہور ہے اسکو غازی الدین حیدر نے اپنا مقبرہ
بنوایا تھا اور اُسی میں دفن بھی ہوئے ہیں اس مقام کو یہ نام اس واسطے دیا گیا تھا کہ ایک مقام
کوہ نجف ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قبر ہے اُسکی نقل یہ مقبرہ بنوایا تھا بادشاہ نے
کچھ روپیہ واسطے مصارف اس مقبرے کے سرکار کمپنی میں جمع کر دیا تھا جسکے سود سے خرچ
اس تعمیر کی مرمت کا اور تنخواہ علمہ مقبرہ کی ادا ہوتی ہے ۷

اس کی ابتدائی حالت یہ ہے کہ غازی الدین حیدر کے جلوس سے تیسرے سال اس لڑکی کی ماں اسکو ساتھ لیکر کانپور سے لکھنؤ میں آئی اور ایک مکان کراے پر لیکر اُس میں رہی تاں پھر ایک لباس انگریزی پہنے شرک پر کھڑے ہو کر بادشاہ کو سلام کرتی رہی جب قسمت نے یاوری کی بادشاہ نے ایک روز اسی بات کے بعد میر ظفر خواص کو مع میاں سوار سی بھیجا کہ بلایا اُس کی ماں میر ظفر سے کہنے لگی کہ ہم مایوس ہو کر کانپور جایا چاہتے تھے منظر خرچ کے تھے غرض بن سنور کر داخل کمرہ مجلس سے فرح بخش ہوئی حکم ہوا کہ میسر پر سے ایک قطی تین لاکھ روپے کے زیور جواہر کی اٹھائے اور اُسے بہن کرہا سے پاس آئے۔ جب بادشاہ کی صحبت سے مشرف ہو چکی تو پانچ ہزار روپے دیکر رخصت کیا بعد کئی دن کے پھر رات کو طلب فرمایا دوسری قطی زیور جواہر کی اور دو ہزار روپے اور ہزار اشرفیان اور تین بدر سے ہر قسم کے پارچے کے عنایت ہوئے بعد کئی دن کے بلکہ حضرت عباسؑ کی حاضری اپنے ہاتھ سے کھلا کر مذہب اسلام تلقین کیا اور فرمایا کہ ہم نے تجلو تکم کیا اُس نے نند دی پھر ایک دن جڑا جوڑی ہاتھوں کے کر دلی جسکی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی اور اُس میں الماس کے نیگنے سفید دگلابی جڑے ہوئے تھے اور ایک ننہ قیمتی ایک لاکھ روپے کی عنایت فرمائی۔ اور پانچ ہزار روپے ماہواری مقرر ہوا۔ رہنے کے لیے مجلس سے کی بارہ دری عنایت ہوئی اور اہتمام ڈیوڑھی اور لوازم اسباب ضروری کے لیے ظفر الدولہ کپتان فتح علی خان کو حکم ہوا سکھپال سوار سی کو ملا اس نے بھی واجد علی شاہ کے عہد میں انتقال کیا دو برس سے کھانسی اور تپ دق میں مبتلا تھی اُسے مرض الموت جان کر اور بخوف حاکم وقت ایک وصیت نامہ لکھ کر ریڈنٹ کے پاس بھیجا جسکا مضمون یہ تھا کہ میں اصلی مذہب عیسائی پر ہتی اور ہوں میری ماں نے محض بطع زردینا مجھے مسلمان کو دیا میں بھی اپنی نافرمانی سے مجبور تھی ہر چند بادشاہ نے مجھے اپنے مذہب کی تعلیم و تلقین کی مگر باطن میں میں

سید عیسیٰ کی زبان پر یہ حرف تھا کہ اگر ان بیچاروں کی جان کی خیر منظور ہے تو معتقد الدولہ بیبا جان کو محل سے نکال دین نہیں تو انکا کام تمام ہے ایک حشر آرزو برپا ہوا ان بچوں کی جان تلف ہونے کے خوف سے کوئی ان سفاک ظالموں کے پاس نہ جاسکتا تھا دور سے تلوار و بندوق دکھاتے تھے اور دونوں جابر یہ کہتے تھے کہ اگر کسی نے ہم پر ہاتھ ڈالا تو ہم ان دونوں بچوں کو فوج کر ڈالیں گے یہاں تک نوبت پہنچی کہ رزیدنٹ کو خبر ہوئی امداد آئے اور مجبور ہو کر بیبا جان کو محل سے نکال کر سید عیسیٰ کے روبرو کھڑا کر دیا۔ اور انکی تنخواہ کے چالیس یا پچاس روپے جسکا وہ طلبگار تھا حاضر کیے۔ سید عیسیٰ نے اس طوائف کی طرف روم نگاہ سے دیکھ کر اسکے سر پر ٹف کیا اور دو ہزار روپے اسکو دیکر کہا کہ ایسے ہی نامزدوں کی ہمت پر ناز کرتی تھی اور ان لڑکوں کا ہاتھ صاحب رزیدنٹ کے ہاتھ میں دیدیا اور یہ درخواست کی کہ نظر خواہی فرمائی یہ ہے کہ مجھکو بے مزاحمت کا پتہ ہو چکا دو۔ رزیدنٹ نے کھڑے کھڑے اسکو ہاتھ پر سوار کر کے گنگا پار پہنچا دیا۔ لیکن صاحب جج بریلی نے اس مجرم کو پکڑ کر قید کیا۔ اتفاقاً گورنر جیل جیل خانے میں قیدیوں کے لحاظ کے لیے گئے۔ سید عیسیٰ نے سلام کر کے عرض کیا کہ آپ قوم انصاری سے ہیں اور نام میرا عیسیٰ ہے جو جہر غدار عذاب ہوں چونکہ یہ لطیفہ غیرت انگیز تھا گورنر جیل نے اسی وقت اسکو رہا کر دیا۔

معتقد الدولہ کے اخلاق

مختصر تاریخ اودھ میں ہے کہ اگرچہ معتقد الدولہ لیاقت اور مروت اور اور صفوں میں بے نظیر تھے لیکن ہر کسی کو اپنی اپنی زندگی بھاری پڑی تھی غریبوں پر جو انکے رفیق ظلم کرتے تھے تو انکی فریادیں سننے سے تھے اور شہر کی بربادی بڑی بڑی عمارتوں کے بننے اور مکانوں کے

باحسن عقیدت نجف اشرف را فرمود بنا بہست نواب وزیر
تاریخ مبارکش چو جسم از عقل ہاتف گفتا عجب نجف شد تعمیر

معمد الدولہ کے فرزندوں کے ساتھ سید عیسیٰ کی ہیرجی

سید معصوم جو حافظ رحمت خان روہیلہ والی بریلی کے پیر تھے اور سید احمد عرف شاہ جی میان کے بیٹے تھے اور سید علی بابا کی اولاد میں تھے جو سادات ترمذ سے امام زین العابدین کی نسل سے ہیں سید معصوم کی اولاد اب تک بریلی میں نو محلے والے سیدوں کے نام سے مشہور ہے۔

سید معصوم کا بیٹا عیسیٰ نامے دکن سے پھر تاناہوا لکھنؤ میں آیا اور معمدا الدولہ کی طاعت سے بہرہ ور ہو کر سوخ پیدا کیا۔ بیبا جان طوائف خوش گلوئی اور نغمہ سرائی کی وجہ سے سید عیسیٰ کی منظور نظر تھی۔ معمدا الدولہ کی اجازت سے میان عیسیٰ بیبا جان کو اپنے گھر میں بٹھا کر کھانچ کر پڑے آباد ہوئے بیبا کی ماں کا نام محبوبن تھا اسکی مرضی نہ تھی اسنے روکنا چاہا میرا سدنہ جو معمدا الدولہ کا رشتہ دار تھا محبوبن سے یہ وعدہ کیا کہ معمدا الدولہ کو لکڑی مانگت کرادو لکھا میرا سدا کی وجہ سے دونوں کسبیاں معمدا الدولہ کے محل میں آتی جاتی تھیں وہاں جا کر بیٹھ گئیں اور کسی روز باہر نہ نکلیں۔ سید عیسیٰ اسپر فریفتہ تھا آمادہ فساد ہوا عید کے دن نذر پیش کرنے کے لیے دربار خاص میں پہونچا معمدا الدولہ داخل محل ہو چکے تھے۔ سید عیسیٰ مکتب خانے میں گیا وہاں معمدا الدولہ کے دورے کے پڑھ رہے تھے انکو نذر دکھا کر سید عیسیٰ نے ایک کو اپنی آغوش میں لیا اور دوسرے کو اسکے رفیق نے پکڑا اور خنجر بڑاں دونوں نے گروں سے نکال کر انکے سینوں پر رکھ دیے ان پتھون کا رنگ زرد ہو گیا حاضرین مکتب خانہ پریشان ہوئے

انگریزی چھڑا جائے مگر چونکہ گورنمنٹ کو تنگی روپیہ بوجہ طول کھینچنے جنگ برہما کے تھی اور بادشاہ کا خزانہ پرتھا اس واسطے یہ تجویز قرار پائی کہ ایک کروڑ روپیہ بادشاہ سے قرض لیا جائے اور اس روپیہ کا سود بوجب عہد نامہ مورخہ ۱۲ محرم ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۱۷- اگست ۱۸۲۵ء کے گورنمنٹ انگریزی نے وعدہ کیا کہ بادشاہ بعض وثیقوں کے دیا جائے گا اور گورنمنٹ نے یہ بھی وعدہ کیا کہ یاہنگان و ٹائلن کی حفظ حرمت اور بہبود ہوگی اور کمپنی ان کے مقبوضات مثل مکان اور باغ وغیرہ کے بھی محافظ بادشاہ اور ان کے دشمنوں سے رہے گی گویہ مکان و باغ وغیرہ ان کو بادشاہ اودھ نے عطا کیے ہوں یا انھوں نے خود تعمیر یا خرید کیے ہوں اور جہاں اور جس شہر میں وہ ہونگے ان کو دبان یہ دیتے دیے جائیں گے اور بادشاہ اودھ اختیار صل نہوگا کہ نہ اصل دو بار دلیں یا اس کے سود میں کچھ مداخلت کریں جب یہ عہد نامہ منعقد ہوا تو اس زمانے میں ایم ریکٹ صاحب ریڈنٹ تھے اس رقم کے سالانہ سود میں امام بارہ جدید موسوم بہ امام بارہ نجف اشرف کے لیے بھی روپیہ مقرر کیا گیا اور محمد الدولہ آغا میر کے لیے بھی وثیقہ پچیس ہزار روپے ماہوار کا قرار پایا جس میں سے بیس ہزار روپیہ ماہوار تو خاص مستمل الدولہ کے نام پر تھا اور دو ہزار انکی بیگم کی تنخواہ ہوئی اور ایک ہزار ان کی بیٹی عالیہ بیگم کی تنخواہ کی گئی اور دو ہزار روپے ان کے بیٹے امین الدولہ کی تنخواہ قرار پائی اور چنگی کے لیے عہد نامے میں یہ مضمون لکھا گیا کہ یہ روپیہ ہمیشہ مستمل الدولہ اور ان کے ورثہ کو دیا جائے گا۔ لو اب کی وفات کے بعد ان کے وصیت نامے کے بموجب ان کے بیٹوں اور بیٹیوں اور بی بیوں اور متوسلون کو دیا جائے گا اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ وہ وصیت نکرین تو یہ روپیہ ان کے دار ثمان شرعی کو بموجب حصص شرعی مذہب اشاعشری کے دیا جائیگا اور جو روپیہ ان کی تنخواہ میں سے ان کی بیوی اور ایک فرزند اور دختر کے لیے اب مقرر ہے

زبردستی جھین لینے سے ہوئی۔ تفضل حسین خان علامہ کے بعد کلکتے کی وکالت کا عہدہ موقوف ہو گیا تھا لیکن معتمد الدولہ نے آغاز اور انجام کو سوچ کر پہلے دیوان ولی بیگ کو اسباب خریدنے کے بہانے کلکتے کو روانہ کیا انھوں نے دفتر والوں سے بہت میل ملاپ کر لیا اور جنرل کے دربار عام بن جا کر کہا کہ بادشاہ کی طرف سے اسباب کے خریدنے کے واسطے کلکتے میں آیا ہوں آخر فرزا اپنی نالیامتی کے سبب لوٹ آیا ایک مدت کے بعد گورنر جنرل نے دونوں سرکاروں کی بہتری کے واسطے وکیل کاربہنا منظور کیا محمد خلیل الرحمن خان دونوں سرکار کا مقبول تھا بطور وکالت مقرر ہو معتمد الدولہ کے عہد میں ملک میں زبردستی بہت ہوئی چنانچہ اُس گرائی غلہ کے وقت میں بھی سرکاری آمدنی میں کچھ نقصان ہوا۔

معتمد الدولہ کا سرکار کمپنی کو اپنا حامی بنانا غازی الدین حسین کا
مرض الموت میں ایک کروڑ روپے سرکار کمپنی میں
جمع کر کے معتمد الدولہ وغیرہ کے لیے وسیعے مقرر کرنا

ولی عہد سلطنت نصیر الدین حیدر اور معتمد الدولہ آغا میر آس میں سخت دشمن ہو گئے تھے
کو ایک دفعہ ظاہرین صفائی ہو گئی مگر انکا غبار نہ گیا آغا میر کو ولی عہد سے خوف پیدا ہوا
تو انھوں نے سرکار کمپنی کو ۱۸۲۵ء میں ضرورت کے وقت ایک کروڑ روپیہ قرض دلایا
اور اسکو اپنی جان و مال کا محافظ مقرر کیا اول بادشاہ نے درخواست کی کہ اس روپے کے
غرض میں کچھ ملک سابق اُن کا واپس دیا جائے کیونکہ ۱۸۱۹ء میں گورنمنٹ نے اُنکو بادشاہ
بنایا تھا اس امر میں نہایت تامل واقع ہوا کیونکہ یہ امر از حد غدارانگیز تھا کہ علاقہ یا جزو علاقہ

اُسی کروڑ روپے کے زسود میں وثیقہ قرار دیکر کاغذ تیار کر کے مسٹر جان سیلی برادر جان سیلی
 ریڈنٹ سابق کو کہ عہدہ ڈاکٹری پر ملازم تھا بھیج کر مسٹر سوڈنٹ ریکٹ صاحب کو طلب کیا
 اور اس کاغذ پر ریڈنٹ کے دستخط کرائے اور ریڈنٹ سے کہا کہ معتدل الدولہ پر کوئی بحاسبہ مالی و
 ملکی باقی نہیں ہم نے اُسکو اپنا فرزند کیا ہے اُسکو ایمان کہنی میں وثیقہ دینا اگر آپ کے سپرد کرتے
 ہیں ہر ریڈنٹ لکھنؤ کو واجب ہے کہ اُسکی عزت و توقیر کرتے رہیں اور وثیقہ دار بھیج کر تمام
 آفتون سے اپنی ضمانتوں میں محفوظ رکھیں اور جو شرط مبارک محل کے وثیقہ بین تھی وہی
 سلطان مریم بیگم اور ممتاز محل اور سرفراز محل اور متوسلان سرفراز محل کے وثائق میں رہی
 تنبیہ نصیر الدین حیدر جس عورت سے متولد ہوئے تھے ممتاز محل اُسکا بھی خطاب تھا
 مگر وقلعہ پذیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ بیگم نے اُسکو نصیر الدین حیدر کی ولادت کے زمانے ہی
 میں کہ ۱۱۸۰ھ ہجری تھے مرواڈالا تھا۔

سال آئندہ بین بھرجو تھی مرتبہ قرض نصف کروڑ روپے کا سودی پنج روپیہ فیصدی
 سالانہ بادشاہ سے گورنمنٹ انگریزی نے لیا اور اُسکے ادا کرنے کا وعدہ دو سال کا قرار پایا
 مگر قبل وفات کے ۱۱۸۰ھ میں بادشاہ نے درخواست کی کہ یہ قرضہ بھی دوامی ہو جائے اور
 اُسکا سود یعنی وثیقہ دار و نکو ملا کرے اور گورنمنٹ انگریزی اُن وثیقہ داروں کی حفظ مرتب
 و بہبودی کی ضمانت کر لے مگر پہلی ضمانتوں کی تعمیل میں بھی گورنمنٹ کو نہایت دقت عاید ہوتی
 تھی سو اُسے یہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔

غازی الدین حیدر کی وفات

بادشاہ کے عارضے نے یہاں تک طوالت کھینچی کہ اکثر اوقات اُنکی زبان پر حسرت یاس کے

وہ بھی ہمیشہ انکو اپنے معمولی حصّوں کے سوا ملے گا اور جو کچھ نواب اس کے سوا انکو دیکھائے گا وہ بھی انکو ہمیشہ علیحدہ ملا کر دیکھا اور اگر نواب وصیت کر جائیں تو وہ پیر کی بھی تقسیم تینوں میں حسب حصص معینہ شرع ہوگی۔

یہ وظیفہ معتمد الدولہ نے عجیب حُرمت اور عیاری کے ساتھ مقرر کیا جسکی تفصیل اس طرح ہے کہ جب بادشاہ کے درم جلّ اور دوسرے امراض نے استعمال شراب اور غذا ہائے نامناسب کی وجہ سے طول کھینچا اور مرض الموت کی صورت پیدا ہوئی تو معتمد الدولہ نے ایک دن تازہ دام تزییر بچھایا کہ انھوں نے روشن الدولہ و مصصام الدولہ و محمد علی خان مرزا علی کو سکھا کر بادشاہ کے پاس بھیجا ایک نے یہ بات بادشاہ سے عرض کی کہ اس زمانے میں بدخواہ اولاد باپ کے مرنے کی خواہاں ہوتی ہے خصوصاً شاہزادہ نصیر الدین حیدر کو ذرا بھی حضور کے مرض کا رنج و ملال نہیں دوسرے نے کہا کہ اس زمانے میں خیر خواہ کو کرنا باپ ہے مگر معتمد الدولہ انتخاب ہے تیسرے نے کہا کہ معتمد الدولہ ازلی غریب محتاج ہے لیکن بادشاہ سلامت کی عنایت نے وہ مرتبہ بچھا کہ شاہزادے آتش رشک میں جلتے ہیں جو تھے نے یہ تقریر کی کہ ہم سب اہل و ثائق شہر کیے جاتے ہیں سدر حق موجود رکھتے ہیں مگر معتمد الدولہ کے ہاضمین کا سہ گدائی کے سوا اور کچھ ہونا معلوم بادشاہ نے یہ تقریریں کہ جادوا و افسون کا دم بھرتی تھیں سنکر ارشاد کیا کہ ہم پر بھی یہ بات روشن ہے کہ ہمارے بعد یہ شخص خراب و برباد ہو جائیگا بادشاہ نے معتمد الدولہ اور ان کے متعلقین کے لیے پچیس ہزار روپے ماہوار کا وثیقہ مقرر کیا اور سپہرج مبارک محل کے لیے دس ہزار روپے ماہوار کا اور سلطان مریم بیگم کے لیے پندرہ سو روپے ماہوار کا اور ممتاز محل کے لیے گیارہ سو روپے ماہوار کا اور سرفراز محل کے لیے ہزار روپے ماہوار کا اور ملازمان و متوسلان سرفراز محل کے لیے تین سو تیس روپے ماہوار کا اور امام باڑہ نجف اشرف اور اسکے ہتھم کے لیے بھی

دھڑک دیکھ بھرمادوزخ یہ بہشت آن جناب پاک شدہ
 دیدہ باشد باتش نناک سینہ آہ در دناک شدہ
 رفت داماں صبر از دستم جیب صبر د شکیب چاک شدہ
 گشت تاریخ مصرعہ استاد اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ

دیگر

گیاشیر غازی جوانی ہرے کیا باغ جنت کو سارا ہرا
 جو تاریخ مرنے کی پوچھے کوئی تو کدینا اس سے کہ آغا مرا

دیگر

از وفات غازی الدین حیدر شاہ دہلی
 چون جہلے را زیر بار غم ہاتف بید
 اور یہ تاریخ امام بارہ نجف اشرف میں جس جگہ غازی الدین حیدر مدفون ہیں
 کا غدزین پر بخط جلی لکھی ہے

چون رفت شہ ز من زد دنیا ماتم دل خاص و عام گرفت

از روئے بجا و آہ گفتم حیدر بہ نجف مقیم گرفت

شیخ ناسخ کی تاریخ کے الفاظ دیکھ کر آب حیات کی اس روایت پر تعجب ہوتا ہے کہ
 غازی الدین حیدر کے عہد میں جب ناسخ کی تعریفوں کی آوازیں بہت بلند ہوئیں تو انھوں نے
 نواب متھلہ ولہ آغا میر اپنے وزیر سے کہا کہ اگر ناسخ ہمارے دربار میں آئیں اور قصیدہ سنائیں
 تو ہم انھیں ملک الشعرا کا خطاب دیں متھلہ ولہ نے ان کے باخلاص شاگرد تھے جب یہ پیغام
 پہنچا تو انھوں نے بگڑ کر جواب دیا کہ مرزا سلیمان شکوہ بادشاہ ہو جائیں تو وہ خطاب دیں

کلنے لگے اور حکیم مرزا علی معتمد الدولہ کے حکم کے خلاف شراب وغیرہ سے کہ امر افسل لاکھ کو ستم قاتل
 یعنی ممانعت نہ کر سکتے تھے آخر کار نوبت قریب نزع کے پہنچی اور معالجے سے اب ہاتھ اٹھا
 لیا گیا۔ بادشاہ بیگم ظفر الدولہ کے ایاز سے جاگیر کی سند لکھوا کر نصیر الدین حیدر کو ساتھ لیکر بادشاہ کے
 مکان میں پہنچیں امرت لال عرض کی کہ بہت منع کیا لیکن انھوں نے نہ مانا جو خواجہ سربراہ بادشاہ کے
 قریب بیٹھا تھا اُس نے بادشاہ کو ہوش میں لا کر بیگم صاحبہ کے آنے سے آگاہ کیا بادشاہ نے پاس
 بٹھایا بادشاہ بیگم کو لے گئیں بادشاہ نے اُوقت اپنے ہوش و حواس درست کر کے ولی عہد کے
 ذریعہ سے اپنی مہر ظفر الدولہ سے طلب کر کے جاگیر کے کاغذ پر لگا دی اس ٹھوڑے سے عرصے میں
 بادشاہ کا حال اور تغیر ہوا چھ گھنٹہ کی رات رہے ۲۷۔ بیچ انارکلی ۲۳ سالہ ہجری مطابق ۱۹۔
 اکبر جہاں شاہ کو دیوالی کے دن چودہ برس حکومت کر کے دنیا سے کوچ کیا اور حسب وصیت
 امام باڑہ نجف میں جو انھیں کا تمیر کیا ہوا تھا مدفون ہوئے ۸۸ سالہ ہجری میں پیدا ہوئے
 تھے اس حساب سے اُنکی عمر پچیس برس سے زیادہ نہ تھی خدمتِ مہمان خطاب بعد الوفا تقرر ہوا۔
 یہ بادشاہ اگر چہ سخی اور نیک نیت تھا کہ سیکڑوں تاجدار اراکین ہزاروں روپیوں
 کے ہمیر سے بیاہ دین لیکن کاروبار سلطنت میں اُس سے محنت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے
 سارا اختیار معتمد الدولہ کو سونپ دیا تھا۔

تاریخ وفات بہ تعمیر

رحلت نمود گر بہ زدنیا شہ زمن نوشیروان مرد بہ نیکی چہ نام یافت
 تاریخ انتقال شد از پایہ نیاز رضوان بہ گفت جنت علیا مقام یافت

از امام بخش ناسخ

از وفات جناب شاہ زمن گویا علی ہلاک شدہ

لکھا ہے کہ نواب سعادت علی خان مرحوم نے طائی کا نام بالائی رکھا تھا۔ لکھنؤ میں عام اور دلی وغیرہ میں کم رائج ہے مگر مذاق سلیم دونوں کے لطف میں امتیاز کر سکتا ہے نواب کی نظر ٹوپی کی فلاسفی کی طرف نہ دوڑی ورنہ پاپوش کے مقابلے میں اسکو سرکوش کے لفظ سے یاد کرتے۔

مستبدانہ دلہ پر بادشاہ کی جو عنایات تھیں انکا حال تم نے سن لیا مگر پھر بھی بدعرب ڈالا تھا کہ بادشاہ کے رو برد جانا انہر سخت تھا وجہ یہ کہ بادشاہ ہر وقت غیظ و غضب کی حالت میں تھلپے اور گھونسے اور لات سے انکی خبر لیتے رہتے تھے ایک فراش کی تنخواہ کئی مہینے سے چڑھی ہوئی تھی فقر و فاقہ کے صدمے سے اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ ایک بار زمین پر لر پڑا بادشاہ کو جب کیفیت معلوم ہوئی تو چوبدار مستبدانہ دلہ کے گھر پر مامور کر دیے کہ بارہ بہر تنگ مستبدانہ دلہ کے گھر میں سب پرکھانا بند رہا اور فی الفور اس فراش کی تنخواہ دلائی

بادشاہ کی ایک مؤلفہ کتاب پر ریویو

مولوی قبول محمد نے ایک کتاب علم لغت میں لکھی ہے جسکا نام ہفت قلزم ہے مولی الیہ اس کتاب کو بادشاہ کی تالیف بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ دیباچہ اسکا لکھنے کے واسطے بادشاہ نے مجھے حکم دیا بعد اسکے لکھا ہے۔ کہ رونے بتقریب بادشاہ میفرمودند کہ در روز اکثر امور مالی و ملکی فراغت گرفتہ و داد و ستم رسیدگان و مظلومان دادہ و حاجت بخش حاجتمندان برآوردہ بہ تحریر مسودہ این کتاب از شرانہ شستہ زمانے برخاستہ ایم کہ سپیدہ صبح دمیدہ۔ قبول محمد کا یہ قول پایہ صداقت سے نہایت دور ہے جس بادشاہ کے حالات ایسے ہوں وہ اور کتاب بناے اور پھر کتاب بھی نہایت ضخیم اور وہ بھی علم لغت میں

یا گورنمنٹ انگلشیہ خطاب دے انکا خطاب لے کر مین کیا کرومگا۔ نواب کے نرنج مین کچھ حشمت بھی تھی حسب حکم شیخ صاحب کو نکلنا پڑا اور چند روز الہ آباد مین جا کر رہے نواب نے گئے تو پھر لکھنؤ مین آئے۔ محمد حسین آزاد جبکہ یہ جانتے تھے کہ آغا میر شیخ ناسخ کے باخلاص شاگرد تھے اور نواب کے قابو مین بادشاہ تھے تو پھر شیخ ناسخ کے ساتھ یہ واقعہ کیسے پیش آسکتا تھا اور اگر ایسا ہو بھی جاتا تو آغا میر فوراً اصلاح کر دیتے۔ بات یہ ہے کہ منتظم الدولہ حکیم ممدی علی خان اور آغا میر مین خلاف تھا اور آغا میر کی طرف داری کی وجہ سے ناسخ نے جبکہ بادشاہ کی نظر انکی طرف سے پھر گئی تھی انکی بچو کھی تھی جب دوبارہ دربار لکھنؤ مین انکو رسوخ حاصل ہوا اور آغا میر کی کمان لگ گئی تو ناسخ کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔ یہ واقعہ نصیر الدین حیدر کے عہد کا ہے۔

بادشاہ کے مخمرعات اور رعب و داب اور محمد الدولہ کو لات گھونسون اور طمانچون سے مارنے کا تذکرہ

کئی چیز مین بادشاہ نے اختراع کی تھیں۔ کشتیان کوئی مچھلی کی صورت اور کسی مین گھوڑے وغیرہ کی صورت بنی ہوئی تقری و طلا کا رتیار کرائی تھیں۔ اس بادشاہ کو سوار سی بچہ و شیر یا سے بہت شوق تھا جیسے اس طرح کا ایجاد کیا کہ بغیر طابون اور میخون کے پل کی طرح کھڑا رہتا۔ اور ہول سے نہ گرتا۔ شکاری جو خضے اس طرح کے بنوائے کہ شکاری جس طرف متوجہ ہو اسی طرف خوضے کا سر پھر جائے۔ عمارات مین روشنی کے شیشہ و آلات لصب کئے اور کھانوں مین بھی طرح طرح کی ایجاد مین مین مثلاً نان آفتاب اور شب دیگ اور بڑی روٹی جس کا وزن دو من سے کم نہوتا میدہ اور قند سے تیار کرائی۔ اور کئی چیزوں کے نام بھی تبدیل کئے مثلاً کئی کا نام بالائی رکھا۔ دیہی کا نام دیہی مقرر کیا جسے کا نام سن مغل قرار دیا لیکن اب حیات مین

رے محلہ اور نون اور یاسے تھانی سے لکھا ہے اور اس غلطی میں اللہ عزوجل کا مؤلف بھی شریک ہے اور آسمان درہ جو کمکشان کے معنی میں ہے اُسکو آسراں سکون میں مملہ و فتح راسے قرشت و سکون الف و نون سے لکھا ہے۔

جہاں قواعد فارسی کا بیان ہے وہاں بھی عید غلطیاں ہیں اور بعض جگہ ایسی فاحش غلطیاں ہیں کہ اہل علم کی زبان سے انکا صد و تعجب معلوم ہوتا ہے مثلاً لکھا ہے کہ واو ترہیب راہب و مرہوب کے درمیان آتی ہے اور ڈرانے کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ راہب و مرہوب صیغہ آم فاعل و مفعول رہب سے مشتق نہیں ہوتے کیونکہ رہب حرف اول مضموم سے ڈرانے کے معنی میں مصدر لازم ہے اور صیغہ مفعول لازم سے بلا تعدیہ حرف جر کے درست نہیں ہوتا اسلیطرح راہب ڈرانے والے کے معنی میں نہیں آتا۔

نشر عاری کی مثال میں یہ عبارت سنہ شرفہوری کی لکھی ہے۔ ”ریش سروین گلشن فتح خنجرش ماہی دریائے ظفر حالانکہ یہ دو فقرے شمر جز کی مثال ہیں جس میں وزن ہو تا ہے قافیہ نہیں ہوتا اور نشر عاری وہ ہے جس میں نہ وزن ہو نہ قافیہ صاحب کتاب الباقی فی اصول اللغۃ نے اس کے حق میں کچھ جھوٹ نہیں لکھا ہے کہ کثیر الجمع و قلیل النفع ہے اسکی غلطیاں ہم نے تفصیل وار کتاب نیچ الادب میں دکھائی ہیں جو زبان فارسی کے قواعد صرف و نحو میں نہایت ضخیم کتاب زبان فارسی میں ہے۔

بادشاہ کے مزاج میں کچھ خبیث بھی تھا

محاربہ غدر تالیف منشی میڈی لال میں مذکور ہے کہ غامی الدین حیدر بادشاہ کا کیا پوچھنا وہ تو ہولے خطے مشہور ہی تھے اکثر یہ شغل فرمایا کرتے تھے کہ کوئٹے میں آجاکلی

جو بادشاہ کے مذاق سے بالکل بعید تھا ہفت قلم جیسی ضخیم کتاب مدت دو سال میں غازی الدین حیدر جیسا شخص رات رات پڑھ بیٹھ کر تالیف کر لے کیسی عجیب و غریب بات ہے کہ جسکو کوئی ذی عقل جو بادشاہ کے لائف سے واقف ہے اور ہی نہیں کر سکتا بہر صورت اس کتاب میں کوئی خوبی نہیں سرف لغات برہان قانع کو ترتیب قوافی کی رعایت پر جمع کر دیا گیا ہے اور برہان نے جس لفظ کا علیہ ہوں لفظ مشہور لکھ دیا ہے وہاں اعراب کی تشریح سے طول لاطائل کر دیا ہے اور بس لغت کا علیہ مجہول تھا وہ بغیر تحقیق اور حوالہ کتاب کے اپنے قیاس و گمان سے لکھ دیا ہے اور اس کتاب میں لغات جمع کرنے کے وقت کسی دوسری کتاب سے بہت کم مدد لی ہے کیونکہ جو تصحیفات و تحریفات برہان قانع میں ہیں اور انکی تصحیح و تنقید صاحب سراج اللغۃ وغیرہ حقیقین نے کی ہے وہ بعینہ ہند قلم میں موجود ہیں اور یہ غلطیاں ایسی صریح ہیں جنکو اہل ایران نے بھی تسلیم کر لیا ہے چنانچہ انہیں آڑے اصری میں ان غلطیوں کی تصحیح موافق تصحیح سراج اللغۃ کے کر دی گئی ہے مثلاً چکاگ برہان ہلاک میں لکھا ہے کہ پیشانی کو کہتے ہیں اور جو کوئی تبالہ لکھتا ہے اسکو بھی کہتے ہیں اور نگولہ کھو دے والے کو بھی بولتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے۔ پیشانی کے معنی میں چکا و وال حملہ سے لفظ فارسی ہے اور تبالہ نویس کے معنی میں صدکاک صا و حملہ سے صا و کے وزن پر عربی ہے اور نگولہ کھو دے والے کے معنی میں حکاک حاکے حملی سے عربی ہے اور بیٹا کو جو بے موصہ سے طوطے کے معنی میں ہے بیجا بے موصہ کے بعد بے تھانی سے لکھا ہے۔ اور قوس جو ایک شہر کا نام ہے قاف اور واو سے اسکو فرس فا اور اسے لکھا ہے۔

ہفت قلم میں ترقی کی گئی ہے کہ برہان کی غلطیوں پر اور اضافہ کیا ہے مثلاً ابویہ وال حملہ اور دیوے تھانی سے ستودن اور ستودہ آمن کے معنی میں ہے انکو آبارانیدن

نظر الدولہ کپتان فتح علی خان محمود شاہ وغیرہ دیہات کھنڈو
۸ لاکھ روپیہ ۳۵ لاکھ روپیہ ۱۲ لاکھ روپیہ
مگر اسی کتاب میں ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ ایک کروڑ انا لیس لاکھ پچاس ہزار
روپیہ جمع بعد ضبطی جاگیر ہو بیگم صاحبہ کے تھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

غازی الدین حیدر کی اولاد

(۱) مرزا نصیر الدین حیدر عرف مرزا علی حیدر مسماۃ صبح دولت الخاطب بہ ممتاز محل کے
بطن سے

(۲) پوتی بیگم بطن بادشاہ بیگم سے۔ پوتی بیگم مقرب الدولہ مہدی علی خان بن نواب
محمد علی خان بن نواب محمد قلی خان برادر زادہ صفدر شاہ سے منعقد تھیں اور یہ بیاہ
نواب سعادت علی خان نے اپنی حکومت کے ایام میں کیا تھا۔ پوتی بیگم سے ایک بیٹا اور
دو بیٹیاں پیدا ہوئیں ان کے بیٹے نواب محسن الدولہ محسن علی خان کا بیاہ نواب نصیر الدولہ
یعنی محمد علی شاہ کی بڑی بیٹی نواب سلطان عالیہ بیگم سے ہوا تھا ان کے کئی بیٹے عالم طفلی
میں مر گئے ایک بیٹا مرزا علی قادر شاہ کی شادی غنی نقی خان وزیر واد علی شاہ کی بیٹی کے
ساتھ ہوئی۔ پوتی بیگم کی بیٹیوں کے نام یہ ہیں۔ حاجی بیگم اور وزیر بیگم ان صاحبزادیوں کو
انکی نانی بادشاہ بیگم نے پرورش کیا تھا حاجی بیگم کی شادی مرزا ابوتراب خان بن نواب طالب خان
سے ہوئی اور وزیر بیگم کی شادی مظفر الدولہ مرزا ابوالقاسم خان بن مرزا ابوطالب خان سے ہوئی
وزیر بیگم کو ملائے گئے تھیں شرف زیارت کے بعد کھنڈو واپس ہو کر انتقال کیا لفظ وزیر بیگم
واقعہ دکندیر میں ہے اور دوسری بعض کتابوں میں اس جگہ نہرہ بیگم لکھا ہے۔

اور بعد فراغت کے جو سامنے پڑا اُس سے کہا اسکو کھاو یہ سنتے ہی آسمان کو تکتے لگتا تھا آخر کار متمدلہ دولہ اُسکے بچانے کے واسطے اُسکے قریب ہو جاتے تھے اور آہستہ سے اُس سے کہتے تھے کہ میں تجھ سے کون کہ میں گوہ کھاؤں گا اور تو مجھ سے کہنا کہ میں کھاؤں گا غرض اس طرح دونوں باہم کہتے سنتے لڑتے جھگڑتے اُس گوہ کو متمدلہ دولہ نگاہ سے پوشیدہ گوشتی میں ڈال دیتے تھے وہ شخص گوہ کھانے سے بچ جاتا تھا۔

بادشاہ کی فضول خرچی۔ سپاہ۔ اور آمدنی ملک

(۱) جو روپیہ کہ نواب سعادت علی خان نے خون جگر کھا کر ہزاروں تدبیروں سے جمع کیا تھا نصف سے بھی زیادہ لااُ بانی مصارف۔ ناچ و رنگ اور تماشوں میں کوڑیوں کی طرح خرچ ہوا۔

(۲) انکے وقت میں سات ہزار سوار اور اکٹالیس ملین تنکوں اور نجیب کی عسلاوہ تو بچانے کے تھیں۔

(۳) ملخص تاریخ اودھ میں ہے کہ آمدنی ملک ایک کروڑ اسی لاکھ روپیہ تھی جب ہوگی کہ علاقہ شامل ہوا تو ملک کی جمع بڑھ گئی۔

تذکرہ حکومت السلین میں لکھا ہے کہ ان کے وقت میں آمدنی ملک ایک کروڑ ایک لاکھ اسی ہزار روپے تھی

افضل التواریخ میں لکھا ہے کہ انکے عہد میں علاقجات حسب تفصیل ذیل تو فیض ناظران و اہلکاران ریاست تھے۔

مرزا حاجی محمد آفرین علی خان محمدی علی خان منظم الدولہ
۵۷ لاکھ روپیہ ۵۹ لاکھ روپیہ ۱۸ لاکھ روپیہ

کہ رزیڈنٹ اس قسم کا سوال کریں گے اور میں اس وقت اپنی زبان سے جواب دینا مناسب نہیں جانتا اس لیے کہ وکیل کا یہ حق نہیں کہ موکل کے سامنے جواب دے حضور اس جواب کے ساتھ ان کو ساکت کر دین چنانچہ مستبد الدولہ نے جو جواب بتایا تھا وہ رزیڈنٹ کو نصیر الدین حیدر نے یوں دیا کہ آصف الدولہ کے بعد مرزا فیر علی خان ایک غیر مستحق شخص مسند سلطنت پر تنگ تھا اس وقت نواب سعادت علی خان نے ملک موروثی حاصل کرنے کے لیے ملک دیا اور غازی الدین حیدر کے نوبھائی وارث شرعی تھے اور شمس الدولہ سلطنت کے طلبگار تھے اس آتش فتنہ کے انطفاء کے واسطے انھوں نے کروڑوں پیسہ دینا قبول کیا اب میرے واسطے کہ بلا شرکت غیر سے وارث ریاست ہوں اب لیان سرکار کمپنی نے کونسا امر تازہ تجویز فرمایا بیان کیجئے تاکہ علم آپ کی رضا جوئی کا ظہور میں آئے صاحب رزیڈنٹ اپنے کلام کو لطیفہ میں ڈال کر منس دیے اور لفظ مبارکباد اجلاس اورنگ سلطنت زبان پر لائے ان فرض ۲۸ ربیع الاول ۱۲۸۶ ھ ہجری مطلق ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو نصیر الدین حیدر نے ۲۵ سال کی عمر میں تخت سلطنت کو روئی بخشی مستبد الدولہ نے پایہ وزارت پر کھڑے ہو کر کسی زر نگار صاحب رزیڈنٹ کے لیے بھجوائی اور مصمصام الدولہ داہنی طرف گس رانی میں مشغول ہوئے اور مہاراجہ میوہ رام نے بائیں طرف جنوہلا نا شروع کیا۔ مسیتابیک کو قوال نے اس بات کی منادی کرائی۔ مسند نشینی سے تیسرے دن ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے جشن جلوس قرار پایا۔ کیونکہ مسند نشینی کے دن چاند بالکل ڈوبا ہوا تھا سات دن برابر مسند نشینی کا جشن رہا۔

پہلے دن۔ بادشاہ لباس فاخرہ پہن کر تاج مرصع اوڑھ کر موتیوں کی حامل حسین یاقوت اور زمردی تھے گلشن بہن کے تخت پر بیٹھے سامنے زندان عمدہ لباس اور زیور وں سے آراستہ پنج مہر قسم کے ساز جیسے رباب۔ عود۔ پکھلج۔ مندل وغیرہ موجود تھے۔

نصیر الدین حیدر سلیمان جاہ بن غازی الدین حیدر

مرزا نصیر الدین حیدر عرف مرزا علی حیدر ۲۲۔ جمادی الاولیٰ سال ۱۸۰۵ ہجری کو سہارن
صحیح دولت الخانات بہ نواب ممتاز محل سے پیدا ہوئے جسکا مقبرہ جھانگر بلوچ مین بنات مرزا سے
موصوف کی پرورش بادشاہ یکم خاص محل نواب غازی الدین نے کی تھی باپ کی حیات مین
انکا خطاب ابو انصر امتیاز الدولہ سلیمان جاہ صاحب عالم ولی عہد میرزا نصیر الدین حیدر بہادر
اسد جنگ تھا۔

نصیر الدین حیدر کی مسند نشینی

ہم انکے حالات زیادہ مختصر غانی سے استنباط کر کے لکھیں گے جسکو مختصر خان بن نواب
محبت خان خلف حافظ رحمت خان نے نصیر الدین حیدر کے حالات مین لکھا ہے اور زیادہ تر
اپنی چشم دید ایسی باتیں بیان کی ہیں جن مین سے بعض مین وہ شریک تھے کیونکہ دربار ہی آدمی
تھے جسوقت غازی الدین حیدر شاہ زمین خلد رکان کا روز نامہ عمر درست قضا نے طے کیا دھڑی
رات باقی تھی کہ مشہور ڈنٹ رکٹس (رکٹ) صاحب زریڈنٹ ضروری مقامات پر
پہرے کھڑے کر کے موتی محل مین پہونچے اور حسب مشورہ مستعد الدولہ آغا میر نصیر الدین حیدر کو
بلا کر پہلے یہ بات کہی کہ نواب سعادت علی خان مسند نشین ہوئے تو نصف ملک گورنمنٹ
انگریزی کو اس خدمت کے جلد و مین دیا اور غازی الدین حیدر نے کروڑ روپے سے سرکار
کمپنی کی مدد کی آپ کیا اقرار فرماتے ہیں یہ بات اپنی غیر خواہی جتانے کے لیے مستعد الدولہ نے
زریڈنٹ کو سکھا دی تھی اور ادھر ولی عہد بہادر سے یہ کہہ رکھا تھا کہ قراین سے یہ معلوم ہوتا ہے

تاریخ بر آوردہ زیر قہ نو عروس بکر فکر
زیب تلج و تخت تاریخ جلوس او بگفت
بر قہ کا حرف اول بابے اس کے عدد ۲ ہیں یہ عدد الفاظ زیب تلج و تخت سے
نکال دین تو تاریخ عیسوی پیدا ہو۔

از صاحب رائے

تخت پر ہے جلوہ فرما بادشاہ گنج بخش
بین زمین پر شاد آدم اور فلک پر مہر ماہ
شور عشرت ہے عیان اس مصرعہ تاریخ سے
اب ہوا مرزا نصیر الدین حیدر بادشاہ

دیگر

بر تو اسے بادشہ فیض سان عالم
تخت این مملکت ہند مبارک باشد
سال تاریخ جلوس طرب افزا بشنو
جادو دان سلطنت ہند مبارک باشد

دیگر

مورد السام طبع بادشاہ
انسیم فیض حق چون گل شگفت
سال تاریخ جلوس مینت
آفتابم شرف عالم خود بگفت

دیگر

بہ بست ہفت ماہ ربیع الاول و شنبہ
نصیر الدین حیدر شاہ والا شد سر آرا
جہان از جوش شادی شرف ناوک و گریں
بگفت از خازن دولت در گنجینہ با بکشا
نغض ہر جلوس مینت مانوس و بعد از ہم
قروم سیم و زہر بخشید و پوشانید خلعت
بتاریخ جلوس شمس علی نذر موزون شد
کہ خواہد بود بر نوک زبان و یاد اکثر
نصیر الدین حیدر داد زیب اورنگ ملکی را
ولیکن از سر السام واثق گفت تاریخش

آج مستمل الدولہ نے چنداشر فیون اور روپون پر یہ ریت مسکوکہ کر کے مذہب کے
 سکے زبر سیم زر از سایہ فضل اللہ نائب مہدی نصیر الدین حیدر بادشاہ
 اور کئی مشقال سیم وزر اور سات قسم کے جواہرات تصدیق ہوئے۔ فریون بخت عرف مٹا جانے
 خلعت دلی عہدی پٹنا کر سونے کی کرسی پر بٹھایا۔ منترین اور رشتہ داروں کو خلعت دیے
 رزیڈنٹ اور انگریزی افسروں کو ہر قسم کے کپڑوں کی کشنیاں۔ جواہر کے خوان۔ گوٹے کے
 ہار اور عطر کی شیشیاں دین وہ رخصت ہوئے دوپہر تک یہ صحبت گرم رہی۔ اس کے بعد
 بادشاہ محل میں گئے اور حسینی کو ملکہ زانی بنایا اور جاگیر دی۔ اُسکے بیٹے زینب کو کیوان جاہ کا
 خطاب عطا کیا اور بادشاہ بیکم کی جاگیر پر اضافہ ہوا۔

دوسرے دن سرداروں اور امیروں کو خلعت دیے

تیسرے دن اہلکاروں کو خلعت بخشے

چوتھے دن بڑے بڑے افسران فوج نے خلعتوں سے اعزاز حاصل کیا

پانچویں دن اہلکاران دفتر رزیڈنسی نے خلعت پہنے۔

چھٹے دن جشن میں رزیڈنٹ شریک نہ تھے مگر سامان جشن اُسی کو فرسے رہا

ساتویں دن ہر فرقے کے مردمان بازاری نے خلعت پہنے۔

قاضی محمد سعد الدین خان متوطن کا کوری نے تارنج جلوس ہر طرح لکھی ہے

اکن سلیمان جاہ رونق بخش تخت سلطنت کز جلوسش باغ اسید جہان گل گل شگفت

عقل و سلطان عادل قابل و میدار بخت وز شکوہ رعب عدلش ظلم رفت و فتنہ خفت

پیش دست جو دو انعامات اکن نوشیروان نام حاتم طہ شدہ در پردہ بخت نہفت

غوطہ زد در بحر فکرش بہر تاریخ سعید در عیسیٰ بہ سنک تمیہ چون در بخت

اور تین لاکھ روپیہ نقدِ صینہ انعام میں مرحمت کیا اور سجان علی خان کو نیابتِ وزارت عطا ہوئی اور تحریراتِ صدر (کلکتہ یا کونسل گورنر جنرل) کا یکم اختیاط اور دارالانشائی فہری دی اور پچاس ہزار روپیہ نقد دیا اور بادشاہِ مستمد الدولہ کی دہجائی میں ہندو مسروق ہوئے کہ ایک ساعت کی مفارقت بھی ناگوار تھی۔ اکثر مستمد الدولہ اپنے جلسے میں کہتے تھے کہ شاہِ زمیں (غازی الدین حیدر) کے تفضلات میرے دل سے بھول گئے اور دوسو کے قریب مستمد الدولہ کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بادشاہ نے خلعت باقی و بالائی سمیت دیے اور کئی معلمان اور چند خواصین اور گائین جنکو غازی الدین حیدر کے وقت میں ناچنا گانا سکھایا جاتا تھا مستمد الدولہ کے لیے بھیجنے۔ ایک دن سجان علی خان نے مستمد الدولہ کو کمانہ جھکوا اس خطاط میں حیلہ نظر آتا ہے اس لیے کہ جو کوئی کام تم پیش کرتے ہو بادشاہ بغیر چون و چرا کے اُسے منظور کر لیتے ہیں باوجودیکہ تمہاری طرف سے بہت سی ناگوار باتیں انکی نسبت ظہور میں آئی تھیں اس لیے معنی شناس شوش ہیں کہ مبادا پردہ غفلت میں انکر دامِ فریب میں پھانس لیں۔ مستمد الدولہ نے دوسرے آدمیوں پر نظر ڈال کر یہ جواب دیا کہ عنایتِ اُمی سے صفائی حاصل ہو گئی ہے لوگ حسد کی وجہ سے ایسا خیال کرتے ہیں بجا نہیں۔ یہ باتیں سن کر اُسے کو کچھ کننا چھوڑ دیا رنڈنٹ کو بھی حیرت تھی انھوں نے ایک دن مستمد الدولہ سے کہا کہ بادشاہ سے تو خوب صفائی حاصل ہو گئی اور تم اپنے مقصود پر کامیاب ہو گئے غازی الدین حیدر کے مرض الموت میں انکی وفات سے ایک دن قبل رنڈنٹ نے بطور نصیحت کے مستمد الدولہ کو بھایا تھا کہ تم کو اچھا و شیعہ مل گیا اور محاسب سے فارغ غفلتی بھی دستیاب ہوئی اب یہ یہ لازم ہے کہ جب بادشاہ مر جائیں تو فوراً کام چھوڑ دیکو اس صورت میں کوئی تم سے متعلق نہ ہوگا اور یہ میں خوب جانتا ہوں کہ طبعِ حکومت تم کو کنارہ کشی کرنے دیکھا اگر بادشاہ کے

اواکل سلطنت میں بارش ہو کر قحط سالی بالکل رفع ہو گئی دس سیر سے بیس سیر بلکہ زیادہ
تک نرخ غلہ پہنچا بلکہ تمام باغات میں شادابی پیدا ہو گئی۔

بادشاہ سکیم اور بی حسینی کو مریم مکانی و ملکہ زمانی کا خطاب ملتا
اور ملکہ زمانی کے بیٹے کو جہ فیلیان کے نطفے سے تھا
کیونکہ جاہ خطاب عطا ہونا

یہ بیان مجملہ پہلے مذکور ہو چکا ہے تفصیل اسکی یوں ہے کہ بادشاہ سکیم زوجہ غازی الدین حسین کو
ابتداء سے زمانہ جلوس میں مریم مکانی خطاب عنایت ہوا اسون اور گونڈے کی جاگیر جو ضابطہ
ہو گئی تھی واپس ملی۔ مختتم غازی سے معلوم ہوتا ہے کہ جاگیر قدیم کے سوا چھ لاکھ روپے کی
جدید جاگیر دی گئی اور بی حسینی دایہ مناجان کو جو زمان شاہزادگی سے منظور نظر ہو کر غلات میں
دخل ہوئی تھی ملکہ زمانیہ بنایا اور برگٹہ ہر ہٹہ پر و استعلقہ چکلہ بسواڑہ اسکو جاگیر میں عنایت
کیا جسکی آمدنی چھ لاکھ روپے کی تھی ملکہ زمانی نے دارت علی خان اور فتح علی خان کو جو دودھ
اسکے بھائی تھے غلتہا سے ذخیرہ دیکر زیادت کے طریق پر روانہ کیا اور ملکہ زمانی کے بیٹے کو
جو ایک فیلیان کے نطفے سے تھا کیونکہ جاہ خطاب دیا۔

مستعد الدولہ اور میوہ رام اور بھجان علی خان کو خطابات
اور انعامات عطا ہوتا۔

مستعد الدولہ کو برادر بھجان برابر خطاب مرحمت ہوا اور یوں لاکھ روپیہ نقد انعام میں دیا
اور میوہ رام پیر نول کرشن بن دیا کرشن کو مہاراجہ افتخار الدولہ خطاب دیا اور دپوانی کا عمدہ

اور ان دنوں فرخ آباد میں مٹی لکھنؤ روانہ کیا تاکہ بادشاہ اور بادشاہِ گیم کا مزاج مستعد الدولہ کی طرف سے پھیرے مغلائی ڈولی کی سواری میں دفعتہ لکھنؤ میں آئی اور بادشاہِ گیم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُسکے سبب سے سرِ نو خط کتابت میر فضل علی اور حکیم مہدی علیجان سے شروع ہوئی اُوقت سب کو یہ حال معلوم ہوا مستعد الدولہ نے یہ خبر سُن کر بادشاہ سے شکایت کی اُنھوں نے کہا تمکو مجھ سے کام ہے نہ والدہ صاحبہ سے ایسے کتے اور لوٹریاں بہت سی آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں یہ کوئی پریشانی کی بات ہے مستعد الدولہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے حکیم مہدی علی خان نے وہ رنگ جمایا کہ نصیر الدین حیدر کی طرف سے ایک کاغذ پر جو پہلے سے بادشاہ کی مہر ہو کر ان تک پہنچا تھا مستعد الدولہ کی عداوت کی وہ تمام باتیں جو اُنھوں نے نصیر الدین حیدر کے ساتھ صغریٰ سے کی تھیں لکھنؤ گورنر جنرل کے پاس روانہ کیا اس مراسلے میں لکھا تھا کہ مستعد الدولہ قدیم سے ہمارے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور غلہ مکان (غازی الدین حیدر) کے عہد میں جو کچھ ہماری خرابی کی وہ ظہرِ شمس سے اس قصے سے سب چھوٹے بڑے واقف ہیں لیکن غلہ پاک کی حفاظت شامل حال تھی اُنکا ہر وار خالی گیا۔ اب تمام رعیت اور فوج اُنکے حکم میں ہے ایسے ہم کسی کام میں مداخلت نہیں کرتے جو کچھ اُنکے جی میں آتا ہے کرتے ہیں ہم اپنی جان کے خوف کے اس دم نہیں مارتے گورنر جنرل نے یہ خط دیکھ کر ریڈنٹ کو لکھا کہ بادشاہ سے درپردہ دریافت کرو کہ یہ تحریر اصل رکھتی ہے یا نہیں بادشاہ نے اس نظر سے کہ ریڈنٹ اور مستعد الدولہ دونوں باہم شہر و شکر ہیں اُنکا افتاء غیر مناسب سمجھا اور انکار کر دیا اور کہا کہ کسی نے میری مہربانیاں یہ جلسہ بازی کی ہوگی اور مستعد الدولہ کی بہت سی تعریف کی ریڈنٹ نے یہی جواب گورنر جنرل کو لکھ بھیجا تھوڑے دنوں کے بعد پھر اس مفہوم کا خط بادشاہ کی طرف سے گورنر جنرل کے پاس پہنچا

مرنے کے بعد ان کے بیٹے کی مسند نشینی کے وقت تم نے گھڑی بھر کو بھی دربار مسند نشینی میں کھڑے ہو کر لوگوں کی نذرین لینا شروع کیں تو اتنی دیر کی شرکت سے تم محاسبہ میں پھنس جاؤ گے ریڈنٹ کو معتمد الدولہ نے یہ جواب دیا تھا کہ ایسے وقت میں میرا کنارہ کشی کرنا مطعون کا موجب ہو گا لوگ کہیں گے کہ بادشاہ کے باپ کے طفیل سے ایسے ربتے کو پہونچے اور اسکا لحاظ کر کے پہلے ہی دن سے بیٹے سے علیحدہ ہو گئے اور انکو تنہا چھوڑ دیا ریڈنٹ نے کہا کہ تم کو اختیار ہے جو کچھ نصیحت کا حق تھا ادا کر دیا چونکہ زوال اقبال قریب تھا اسی پر وہ غفلت میں گرفتار غصب ہوئے۔

معتمد الدولہ کی تخریب کے لیے بادشاہ کی طرف سے مخفی کارروائی

معتمد الدولہ کی امارت اور کثرت دولت اور ترقی جاہ و شہرت کے سامنے زن و فرزند بادشاہ کو اس قدر دست قدرت حاصل نہ تھا کہ انکی مقاومت میں قدم دھریں انکا مرتبہ نہایت کم ہو چکا تھا کہ اہل لکھنؤ میں مشہور تھا کہ ایک درویش کامل نے چند انگوٹھیاں نگینہ و انقش تھیں انقش معتمد الدولہ کو دی تھیں وہ جس وقت انکو پہنتے تھے بادشاہ اور تمام اہل دربار انکی محبت کا دم بھرتے تھے جب ستارہ اقبال برج نحس میں آیا تو پہلے نصیر الدین حیدر نے وہ انگوٹھیاں کی جیسے سے لیکر اپنی انگلیوں میں پہن لیں معتمد الدولہ نے بہت کوشش واپسی کی کی مگر اکتانہ نہ آیا تب جب یہ سونے کی چڑیا معتمد الدولہ کے ہاتھ سے اڑ گئی اقبال نے روگردانی کی جب حکیم ممدی علی خان کو فرخ آباد میں معتمد الدولہ کی بادشاہ کے ساتھ صفائی کی خبر پہونچی تو فیض النساء غلامانی کو جو اپنے بھائی میر فضل علی کے ساتھ کانپور اور فرخ آباد کی طرف گئی تھی

جلوس کے ساتھ راہ میں ملے ہاتھیوں پر سوار تھے باہم ملاقات کر کے خوب اختلاط کے ساتھ
کیون جاہ کے خیمے میں پہنچے میان بادشاہ کی طرف سے حاضری تیار تھی اُسے کھایا
اسکے بعد کیون جاہ کی طرف سے کشیان پیش ہوئیں ان میں سے صرف عطر اور گوٹے کا
ہار لارڈ صاحب نے قبول کیا دوسرے دن صبح کو کیون جاہ کی دعوت لارڈ کیمبرج کے
خیمے میں ہوئی بانچ گھڑی دن چڑھے لارڈ صاحب کا مترجم مسٹر کان اور ایک دوسرا
انگریز کیون جاہ کے خیمے میں آئے اور بیان کیا کہ لارڈ صاحب انتظار میں ہیں کہ جناب
حاضری نوش کرنے کے لیے تشریف لے چلیں گوٹے کے ہار ان انگریزوں کو دیکر سوار ہوئے
جب خیمے کے دروازے پر پہنچے تو لارڈ صاحب اور دوسرے چند انگریز استقبال کو باہر
بچھے لارڈ صاحب کیون جاہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اندر گئے اور اپنے پاس کرسی پر
بٹھایا معتمد الدولہ اُنکے سامنے بیٹھے مختصر خانی کا مؤلف بھی اس صحبت میں شریک تھا
اور بھی کئی معزز آدمی جیسے مرزا محمد عباس اور مرزا علی محمد اور مرزا علی جان کہ معتمد الدولہ کے
مصاحب تھے کرسیوں پر بیٹھے گھڑی بھر تک یہ صحبت گرم رہی پھر عطر و پان لیکر خدمت
ہوئے اور اپنے اپنے خیموں میں پہنچے معتمد الدولہ کھانا کھانے میں مشغول ہوئے لیکر ایک
امرت لال داروغہ دیوان خانہ پریشان آیا اور ایک پرچہ اخبار معتمد الدولہ کو دیا کہ دو گھڑی
رات گئے ہمیں سوار جن میں سے ایک کے ڈھاننا بندھا ہوا تھا ناکہ پل دریل سے شہر میں
پہنچے اور بادشاہ یکم کے مکان تک پندرہ اُن میں سے علاحدہ ہو گئے اور باقی بانچ میں سے
ایک نے اندر جانے کا ارادہ کیا دربان مانع ہوا سوار نے پیچھے سے دربان پر حملہ کیا وہ توڑ گیا
اور سوار محل کے زمانے دروازے تک پہنچا اور گھوڑا چھڑ کر ڈھاننا کھول دیا معلوم ہوا کہ فضل علی
داروغہ قدیم محل کا ہے مریم مکانی نے مطلع ہو کر چاندی کے پالون کا پٹنگ آرام کے لیے بھیجا

اور پھر اسکی نقل ریڈنٹ کو انھوں نے اس غرض سے بھیجی کہ وہ بادشاہ سے اس کی
تقسیم کریں اب بھی بادشاہ نے وہی پہلا سا جواب دیا۔ ریڈنٹ نے بادشاہ سے کہا کہ اگر
حضور افتخار کے اندیشے سے دل کا حال نہیں کھولتے تو اس سے اطمینان رکھنا چاہیے
کہ معتمد الدولہ کو کبھی یہ بحید معلوم نہ ہو گا جو کچھ دل کا ارادہ ہو گا ہر فرما دیجے تاکہ اس کے مطابق
کارروائی کر دی جائے بادشاہ کا دل ریڈنٹ سے مطمئن نہ تھا وہی جواب دیا ریڈنٹ نے
وہ مضمون صدر کو لکھ بھیجا اتفاقاً لارڈ کیمبر میر کی آمد الہ آباد کی طرف مشہور ہوئی جنھوں نے
اسلمہ ہجری مطابق ۱۲۶۶ء میں بھرتپور کے قلعہ کو فتح کر کے درجن سال کو گرفتار کیا تھا
منظم الدولہ مدعی علی خان اُن سے الہ آباد میں ملے اور اُنکے آگے بیان کیا کہ جو فلان خط شاہ اودھ
کی طرف سے گورنر جنرل کے پاس گیا تھا اُس کے حال سے آپ واقف ہیں یا نہیں انھوں نے
جواب دیا کہ ہاں ہم بخوبی مطلع ہیں بلکہ گورنر جنرل نے اُس کے دریافت کرنے کے لیے ہم سے کہا
ہے اور صاحبان کونسل بھی اس پر متفق ہیں یہ سن کر منظم الدولہ نے یہاں کی ساری کیفیت
پوست کندہ گوش گزار کی اور کہا کہ شاہ اودھ معتمد الدولہ کی دہشت سے جو لکے دشمن
جانی ہیں اور صاحب ریڈنٹ سے سازش رکھتے ہیں اس قدر چھپاے ہوئے ہیں کہ وہ
سوائے انکار کے دوسرے حرف زبان پر نہ لائیں گے اس لیے آپ صاحب ریڈنٹ سے علیحدہ
خلوت میں شاہ اودھ سے اس معاملے کو دریافت کریں اور اس عرصے میں منظم الدولہ نے
بھی ایک عرضداشت بادشاہ کو بھیجی اور تمام تقریر جو لارڈ کیمبر میر سے کی تھی ظاہر کی جب
لارڈ کیمبر میر لکھنؤ کے قریب پہنچے تو بادشاہ کی طرف سے حسبِ دستور قدیم معتمد الدولہ
اور کیوان جاہ استقبال کے لیے راحت گنج تک گئے صبح کو اس طرف سے یہ دونوں صاحب
اکمال جاہ وحشم کے ساتھ اور اُس طرف سے لارڈ ڈیویس و فرک سواران انگریزی کے

بھی اگر بادشاہ کے کان بھرے۔

اس اثنائیں لارڈ کیمبرج کی آمد آٹھ لکھ نو سو روپے کی معتمد دولتہ طرک شہر میں رہ کر راحت گنج کو کھیمہ گاہ لشکر بادشاہ سے چار کوس پر تھلوٹ گئے۔

بادشاہ کی سواری کا نظارہ

اب بادشاہ نے داروغہ اور اہل خدمات کو حکم دیا کہ کل باغ گھڑی دن چڑھے ہم استقبال کے لیے سوار ہونگے تمام سامان جلوس و حشمت کا در دولت پر حاضر ہے جب رات ختم ہو گئی اور دن نکلا بادشاہ نے بیدار ہو کر حمام کیا پوشاک بدل کر اس شان سے سوار ہوئے۔ لباس شاہی زیب تن کیا تاج مرصع سر پر رکھا موتیوں کا ہار لگے مین پینا جواہرات سے جڑے ہوئے پھوٹے بڑے جوشن بازوون پر باندھے انگلی میں انگوٹھی مہنی اور اصنافی تلوار کمر میں لگائی اور اس بناؤ سے ماتحتی پر تلائی حوضے میں سوار ہو کر فرخ بخش سے برآمد ہوئے۔ یہ حکم پہلے سے دیا تھا کہ بازاروں کی دوکانیں اور لب ترک کے مکانات آگستہ رہیں۔ صرف اپنی اپنی دوکانوں کو طرح طرح کے رنگوں سے منقش کر کے لباساں فاخرہ پہن کر بیٹھے تھے۔ جن کے سیدھی جانب اشرفیان رکھی تھیں اسی طرف پولنگے ڈھیر تھے اور سامنے قسم قسم کے زیور اور سونے چاندی کے برتن کھے ہوئے تھے بزازوں نے بھی اپنی اپنی دوکانوں کو بادلہ۔ زربفت۔ کھواب اور طلسم کے قیمتی اور رنگین کپڑوں سے سجایا تھا اور دوکانوں کی چھتوں پر طوائف سنگار کر کے سواری کے تماشے کی منتظر تھیں ترک پر تاشبیں نوجوان بانیے ترچھے اچھے کپڑے پہن پھرتے تھے کہ سواری بادشاہ کی آئی اس میں غلغلہ غلغلہ جلوس کی صف بندی تھی۔

اور دروازہ محل پر حاضر باشی کا حکم دیا دو گھنٹے کے بعد راجہ بنجا اور راجہ شیو دین سنگھ نے بھی بیو بیج کر رہی خبر دی چونکہ مہتمم الدولہ کا مزاج سفارشی مائل تجارت تھا ان خلاف طبع باتوں کی تاب نہ لا کر اسی وقت کیمپ سے شہر میں آئے بادشاہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ بادشاہ مرحوم کے بعد میرا کوئی حوصلہ بھراسے نہ تھا کہ لٹکے مرقد پر جاؤں بکشی کروں مگر حضور نے ازراہ تفضل و الطاف اس ٹھکانہ کو کھینچا اور خدمات لینا چاہن جشن عالی میں اگرچہ اعلیٰ وادنی سب کو تبرکات کے ذریعہ سے سرفرازی حاصل ہوئی مگر فدی نے عمدہ وزارت خلعت ابتک نہ پہنا جس کسی کو وزارت عنایت کرنا منظور ہو عطا فرمایا جائے خانہ زاد اس کا تابع رہے گا بادشاہ نے زمانہ ساری سے کام لیا اور فرمایا کہ نواب بھائی نتھارا اچھا سیاست کمان لیا۔ اگر ساتوں اہم کی سلطنت ملے تو نتھاری مداخلت کے بدون بیچ ہے۔ اور میر فضل علی کو خود ہی ایام صاحبزادگی سے ناپسند کرتا ہوں اور نہ اب اس سے صاف ہوں اور نہ اب وہ میری رائے سے آیا ہے بھائی سے بدون طلب والدہ ماجدہ کے پاس آیا ہے اگر اس وقت اسکو نکالتا ہوں تو ایک بڑے فتور پڑے اور والدہ سے جھگڑا ہونے کا اندیشہ ہے اور وہ بھی تم سے کدر ہیں اور نتھاری خرابی کے درپے ہیں اس لیے میں نے تمہارے عمدہ وزارت کے لیے کلکتہ کو لکھا ہے جواب باصواب کے حاصل ہونے کی امید قوی ہے اسوقت جناب عالیہ کی پوری پوری بیداری ہو کر ہرکو اختیارات کھلی حاصل ہو جائیں گے پھر اسکا اخراج آسان ہے جو کام آسانی سے ہو سکے اسکو مشکل میں ڈالنا عمل تعجب ہے تم سارے طوفان فطرت اور ایسے امر کی ایک کو خیال میں لائے فرض کیا کہ وہ بیان ہے گا تو اس سے زیادہ نہیں ہے کہ داروغہ ہو گا تم بہر حال وزیر اعظم ہو گے میرے گھر کا انتظام چاہیے نہ اس سرکار کا مہتمم الدولہ ان باتوں کو سن کر مطمئن ہو گئے اور خواب خرگوش میں پڑ گئے میر فضل علی

بادشاہ کی داہنی طرف ریزیڈنٹ دوسرے ہاتھی پر سوار تھے اور بائیں طرف ریزیڈنٹ کا نائب ایک اور ہاتھی پر بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے بادشاہ کے رشتہ دار اور سردار ہاتھیوں پر سوار تھے جو عمدہ عمدہ جھولوں سے آراستہ تھے۔ ادھر سے لارڈ کیمبر میر کی سواری آئی جس کے ساتھ انگریز اور کیوان جاہ اور ممتاز الدولہ تھے اور جلوین دو سو ترک سوار و نگار سالہ تھا عالم نگر کے میدان میں پہنچے اس طرف سے بادشاہ ہاتھی پر سوار اور اس جانب سے لارڈ صاحب ہاتھی پر بیٹھے ہوئے تھے جب دونوں ہاتھی قریب ہوئے تو بادشاہ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھی پر لے لیا اور اس مقام پر روپے اور اشرفیان بچھا دیں جہاں جہاں بادشاہی سپاہ کے سوار و پیادے کھڑے ہوئے تھے انکی سلامی لیتے ہوئے فرخ بخش مین پہنچ گئے جب حاضری کی میز پر جلوہ افروز ہوئے تو ۲۱ فیروز سلامی کے سر ہوئے حاضرین سے فراغ ہو کر راج کا ناہو اس صحبت میں صرف شوقیہ بات چیت ہوئی رخصت کے وقت بادشاہ کی طرف سے کشتیوں بنات اور زربفت اور کجواب کے کپڑے اور جواہر لارڈ صاحب کے سامنے پیش ہوئے اسی طرح انکے اسٹاف کے انگریزوں کو تحائف دیے گئے عطر اور گوٹے کے ہار بھی تقسیم ہوئے۔ دوسرے دن بادشاہ لارڈ صاحب کی فرود گاہ پر رونق افروز ہوئے انھوں نے استقبال کیا اور صدر میں بادشاہ کو بٹھایا اور محبت کی باتیں ہو کر کشتیاں بادشاہ کے روبرو پیش ہوئیں اور گوٹے کے ہار تمام امرے ہمراہی کو ملے اور لارڈ صاحب نے شریفانہ کامیابی کی شکر ادا کیا۔ رخصت کے وقت لارڈ صاحب نے اُس مقام تک مشاہدت کی جہاں تک استقبال کیا تھا تیسرے دن بادشاہ کی طرف سے بڑی بھاری دعوت ہوئی آکٹوباز می جھوٹی روشنی ہوئی اور دیر تک شوقیہ بات چیت ہو کر رخصت ہوئے۔

پہلی صف میں - ایک بڑے ہاتھی پر نشان تھا اور اس کے بعد چند ہاتھیوں پر
ماہی مراتب تھا۔

دوسری صف میں - ہاتھیوں اور اونٹوں پر نقارے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے
سوشتر سوار دن کار سالہ تھا جس کے سوار سبز و سرخ بانات کی وردیاں پہنے اور زکار
سارے لگائے ہوئے تھے۔

تیسری صف میں - نہایت عمدہ خانہ زاد عربی و دکھنی بچاس گھوڑوں پر نقارے تھے
اور عمدہ ساز و سامان اور زیور اُپڑا ہوا تھا۔

چوتھی صف میں - کوہ پیکر کلان سر اور قوی دندان ہاتھیوں کی قطار تھی جن پر زینت
اور بانات کی جھولیں پڑی تھیں اور ہر ایک پر ایک پہلوان ہاتھوئیں گزر گران لیے بیٹھا تھا
پانچویں صف میں - تین سوار تھے جنکے سالہ وار و جمدار زینت اور شہینہ رنگین
کے لباس پہنے اور قیمتی ہتھیاروں سے مسلح تھے

چھٹی صف میں - دوسو کے قریب ترک سوار سیاہ بانات کی وردیاں پہنے اور ننگی
گرچہ ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے۔

ساتویں صف میں - دوسو خاص بردار زین منیلین سر پر باندھے ہوئے تھے اور انکے
ہاتھوئیں چھاتی بند و قین تھیں جنہر بانات کے خلاف چڑھے ہوئے تھے۔

آٹھویں صف میں - سو آدمیوں کے ہاتھوں میں چکدار نشان تھے۔

نویں صف میں - سو آدمیوں کے ہاتھوں میں چاندی کی برچھیاں تھیں جنہیں
پرچم انک رہے تھے۔

دسویں صف میں - سو چوہدر چاندی ہونے کے عصا ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے۔

اطلاع دی دوسرے دن حاضری کے بعد خلوت ہوئی رزڈینٹ مترجم کی تعلیم کے
موافق کنارہ کش ہوئے اب لارڈ صاحب نے وہ خطوط بادشاہ کو دکھائے اور مستفسر حال ہو
اول بادشاہ نے انکار کیا انھوں نے کہا کہ اگر آپ صاف صاف بیان نہ فرمائیں گے تو آئندہ پھر
کبھی متمدلہ الدولہ کے باب میں آپ کی کوئی سکایت گورنر جنرل نہ سنیں گے اس لیے صاف صاف
اب کہہ دینا چاہیے اس وقت بادشاہ نے عہد و پیمان قسم کے ساتھ لیکراقرار کیا اور جو اندامیں متمدلہ الدولہ
کے ہاتھ سے پائی تھیں حرف بحرف بیان کیں اور کہا کہ اسکا مضمون جملہ ہماری منشا کے
موافق ہے نقطے کا خلاف نہیں اور جو شائبہ نامہ فردوسی کا کپتان مکان صاحب نے
باخراج اشعار اسدی وغیرہ انتخاب کیا تھا اس کے چھاپنے کے واسطے پچاس ہزار روپے
غنائیت کیے۔ جب لارڈ صاحب لکھنؤ سے رخصت ہو کر دریائے گنگا کے کنارے
ہونچے تو تاکید دی چھی لکھنؤ کے رزڈینٹ کو اس مضمون کی کھٹی کہ جس طرح بنے متمدلہ الدولہ
کی گرفتاری کی صورت ظہور میں آئے۔ رزڈینٹ اس چھی کے مضمون سے مطلع ہو کر
بادشاہ کے پاس خلوت میں حاضر ہوا اور الفاظ عذر زبان پر لا کر کہا کہ حضور کے دوست
و دشمن اپنی نظروں میں بھی دوست و دشمن ہیں۔ بہر حال آپ کی رضا جوئی منظور ہے
اگر پیشتر سے ارشاد ہوتا تو یہ عرصہ اڑھائی مہینے کا ہر گز طے نہ ہوتا۔ ابھی متمدلہ الدولہ کی گرفتاری
کی صورت ظہور میں لاتا ہوں۔ لیکن دولت پرانگی گرفتاری فساد عظیم کا باعث ہے
بلکہ خونریزی کا احتمال ہے۔ جب یہ مضمون ختم ہوا تو رزڈینٹ نے وہ کاغذ جو اس میں
لکھا ہوا اپنے ساتھ لایا تھا دستخط کے واسطے پیش کیا اس وقت متمدلہ الدولہ سے قلمدان کا طلب
فرمانا خلاف مصلحت تھا اس لیے بادشاہ نے انگریزی قلم سے سپرد دستخط کیے اور فرمایا کہ مہر آئندہ
لگائی جائے گی۔ جب رزڈینٹ وہاں سے رخصت ہوا تو بادشاہ نے متمدلہ الدولہ جو خیرانی

یعنی رزڈینٹ سے جس
کا صحیح نام نہیں پڑا ہے

بادشاہ کا معتدلہ دلہ پر عتاب نازل ہونا

اب لارڈ صاحب کو ان مراسلات کی تحقیق کی فکر ہوئی انھوں نے اپنے مترجم مسٹر مکان سے کہا کہ ان کاغذات کی تحقیقات جو ہمارے ساتھ ہیں کیسے ہو اس لیے کہ انکی تحقیق خلوت چاہتی ہے اور رزیڈنٹ کا شامل ہونا مشکل ہے کیونکہ وساطت اس کے عہدے کی ذمہ داری ہے اور اگر اس کے سامنے بادشاہ سے دریافت کیا جائے گا تو وہی جواب ملے گا جو پہلے ملتا تھا۔ پس ایسی صورت کرنی چاہیے جس سے رزیڈنٹ تخلیہ میں شریک نہ رہے اور اسپر یہ امر گران بھی نگزرے۔ مترجم مذکور نے دوستانہ طور پر رزیڈنٹ سے کہا کہ بادشاہ کی طرف سے جو تحریر معتدلہ دلہ کی شکایت میں گورنر جنرل کے پاس پہونچی تھی آپ کے ذریعہ سے انکی بابت بادشاہ سے پوچھا تو انکار کر دیا بلکہ انسا انکی تعریف کرنے لگے بعد اسکے پھر اس مضمون کی تحریر پہونچی تو اب گورنر جنرل کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یا تو تم خلاف واقعہ لکھتے ہو یا بادشاہ تمھاری وجہ سے کہ تم معتدلہ دلہ کے دوست مشہور ہو افلاس راز ہونے کے خیال سے انکار کرتے ہیں تم اپنے آپ کو کیوں معنون کرتے ہو اس بات کی تحقیقات لارڈ کیمبرسیر صاحب کریں تو تم اس صحبت میں شریک نہ رہنا اور کہنا کہ اگر میری طرف سے کوئی شبہ ہے تو میں اس معاملے کی تحقیق کے وقت شامل رہتا نہیں چاہتا آپ خود بادشاہ سے تحقیق کر لیں چونکہ بادشاہ رزیڈنٹ سے اس معاملے کے ساتھ انکار کر چکے تھے کہ اسکو یقین کلی تھا کہ یہ بادشاہ کے دل کی بات ہے اور وہ لارڈ صاحب کو بھی وہی جواب دینگے جو مجھے دیا تھا مترجم کی صلاح کو پسند کر کے شکریہ ادا کیا اور یہ وعدہ کیا کہ کل کی صحبت خلوت میں میں شریک نہ ہو گا مترجم نے اس طرف سے دلجمی کے لارڈ صاحب

متمو سل متمم الدولہ کا ہولے گرفتار کر کے لاؤ اور اُنکے مکانوں میں چوکی پہرے بٹھاؤ اُس روز
 لکھنؤ میں ایک تملکہ عظیم پر پانچواں مہاجن اور سوداگر جہا جہا فریاد کرتے تھے کہ ہمارا روبرو متمم الدولہ
 سے ہکو وصول ہو جائے۔ آخر شری رزیدنٹ نے متمم الدولہ سے کاغذ عدم مفسدہ پر داری کی
 لکھو کر مہر لگوائی اور انھوں نے نظر بندی اپنے مکان پر رضامندی سے قبول کی اور رزیدنٹ
 نے اُنکو ہاتھی پر سوار کر کے انگریزی پلٹن کی کمپنی کی حفاظت میں اُنکے مکان پر بھیجا اور کہہ دیا
 کہ قرضہ قرض خواہوں کا حساب و کتاب کی رو سے ادا کر دو یہ معاملہ سرکار کا نہیں ہے بلکہ آپ کی
 ذات کا ہے انھوں نے دو توپیں اپنے مکان کے آس پاس دونوں طرف کو پے نصب
 کرا لیں اگرچہ یہ مجال نہ تھی کہ مکان سے قدم باہر نکلیں لیکن دونوں وقت گھر میں ایک
 دربار عظیم پر پانچ کھتے تھے اور دربارے انعام و اکرام نے آگے سے زیادہ موجی شروع کی اور
 یہ صورت رزیدنٹ کی بدولت نمائش آبرو کے لیے حاصل تھی یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ ہجری کا
 ہے صاحب راس مورخ نے یہ تاریخ انکی معزولی کی لکھی ہے ۵

آج اس گھر کا سہم بیچا گیا

رزیدنٹ نے اپنی طرف سے ایک انگریز کو متمم الدولہ کے قرضے کے انفصال کے
 لیے متین کیا نواب نے اُسکے سامنے روشن علی کے ہاتھوں سے زر قرضہ دام دام ادا کر دیا۔

متمم الدولہ کے متعلقین کے مکانوں پر بادشاہی پہرے

مقرر ہونا اور انکا مذلت اٹھانا۔ فیض علی خان کا عہد وزارت پانا

منظم الدولہ مہدی علی خان کا وزارت کی دستیابی سے محروم ہو کر

وزخ آباد کو چلا جانا

متمم الدولہ کے نظر بند ہونے کے بعد میر فضل علی کو خلعت نیابت بائیں پچھے کا ملا اور

ریاست کا بیڑہ اٹھائے ہوئے تھے۔ بان عنایت کر کے ارشاد کیا کہ کچھ کلکتے سے تمہارے
 حق میں سفارش آئی ہے۔ تم ابھی رزیدنٹ کی کوٹھی پر جا کر دریافت کرو اور اسکا ترجمہ حسب
 سرشتہ لاؤ اور رزیدنٹ نے اپنی کوٹھی پر پہنچ کر پلٹن کے کہتان کو بلا کر اس مضمون سے
 مطلع کیا اسنے اپنی کمپنی کے آدمی مکان رزیدنٹی میں جا بجا مامور کیے اور رزیدنٹ نے
 اپنے میشر کی معرفت فقیر محمد خان اور میٹو خان کو کھلا بھیجا کہ اسوقت اپنے گھروں سے
 قدم باہر نہ رکھیں لیکن تذکرہ حکومتہ المسلمین سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر محمد خان معتدل الدولہ کے
 ساتھ تھے معتدل الدولہ کئی ہزار سوار و پیادہ ہمراہ لیکر نہایت تزک و شان کے ساتھ رزیدنٹ کی
 کوٹھی پر پہنچے۔ جب رزیدنٹ نے انکے آنے کی خبر سنی تو موافق دستور قدیم کے مراسم قوانین مقررہ
 سے پیش آئے اور باہم تذکرہ سلطنت کے باب میں کچھ اصلاح ہوتی رہی تھوری دیر کے بعد رزیدنٹ
 دوسرے کمرے میں چلے گئے اور معتدل الدولہ کو وہیں بٹھا گئے۔ خورادو انگریز کچ رہمنہ معتدل الدولہ
 کے سر پر کرکھڑے ہوئے اور یہ حکم سنایا کہ آپ بادشاہ کے حکم سے قید ہوئے ہتھیار کھول کر رکھ دو
 یہ سنتے ہی طائر جوش و خواس معتدل الدولہ کا اڑ گیا فی الفور ہتھیار کھول کر دیئے۔ بعد اکیساعت
 رزیدنٹ پھر وہاں آئے اور نہایت تسلی کر کے کہا کہ تم خدا کا شکر کرو کہ ہمارے پاس قید ہوئے
 اگر بادشاہ کی قید میں آتے تو وہ مکو طرح طرح کی تلغینیں پہنچاتے جو کچھ تم کو منظور ہو ہم سے کہہ دو
 معتدل الدولہ نے ابدیدہ ہو کر عرض کیا کہ اب عزت و آبرو میری آپکے ہاتھ ہے۔ بعد اس کے
 رزیدنٹ انکے ساتھ نیکو جو دروازے کے باہر تھے حکم بھیجا کہ تمہاری نوکری اور عزت
 اسی میں ہے کہ اپنے پسے رسالوں میں چلے جاؤ تمہارے آقا گرفتار ہوئے ورنہ تم پر بھی قید کی
 نازل ہوگی آغا میر کے ہمراہی پانوں سر پر رکھ کر بھاگے مگر عظم علی خان اور دو خدمتگارا
 حاضر رہے۔ جب نصیر الدین حیدر نے گرفتار ہونا معتدل الدولہ کا سنا تو علی الحوم حکم دیا کہ جو کوئی

وغیرہ میں جو بہرے سلطانی ہوئے تھے اس اسباب یہاں کا تلف ہوا لیکن نقد روپیہ کسی جگہ نہ تھا۔

امرت لال عرض کی کہ ایسے سکینہ جو غازی الدین حیدر کے عہد سے معزز و ذی اختیار جلا آتا تھا اور ایام شاہزادگی میں نصیر الدین حیدر کی خبر میں معتمد الدولہ اور غازی الدین حیدر پہنچایا کرتا تھا۔ اول اسکو بطور دل دہی خلعت و خطاب راجگی عطا فرمایا اس ہنگامے میں وہ بھی گرفتار ہو کر راجہ دشمن سنگھ غالب جنگ قوم کورمی کے حوالے ہوا مار پیٹ کی نوبت آئی اور مدخل و مخارج دیوانخانہ کے محاسبے میں مبتلا ہوا اُس نے کچھ زر نقد جو امکان میں تھا پیش کیا اور باقی سبیل زیر کیو سٹے اجازت طلب کی کہ اپنے مکان میں جا کر جو دھینے موجود ہیں حاضر کرے اور اس حید سے رخصت لیکر اپنے گھر پہنچ کر چاقو سے گلا کاٹ کر اپنا کام تمام کیا تاریخ اس واقعہ کی صاحب رائے مونس نے یوں لکھی ہے ہائف زغیب گفت کہ شاہباش امرت لال این کار از تو آید مردان چنین کنند پھر اعتماد الدولہ نے چاہا کہ بلائے محاسبہ میں معتمد الدولہ کو مبتلا کریں چونکہ وہ انگریزی قیدی تھے اعتماد الدولہ نے بہت کچھ خاک اُڑائی لیکن کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔

حکیم ہمدی علی خان نیابت کی امید میں فرخ آباد سے لکھنؤ میں آئے کہ وہ دولت اعتماد الدولہ کو نصیب ہو چکی مجبور ہو کر نذر وزارت دینے میں کہ کسر شان تھی تامل کیا آخر کار صورت تالیف قلب بطور میں آئی۔ چونکہ منتظم الدولہ مرد آخر میں اور صاحب دانش تھے اعتماد الدولہ کا دل نذر دیکر خوش کیا۔ ایک دن منتظم الدولہ باذشاہ کے پاس حاضر تھے دیکھا کہ کیوان جاہ پسر ملکہ زمانی خلعت جرنیلی سے سرفراز ہو کر کاغذات سپاہ پر حکام لکھ رہا ہے ہمدی علی خان نے نہایت آرزو ہو کر کاغذ اُس کے ہاتھ سے لیکر آواز بلند یہ

اعتماد الدولہ خطاب عنایت ہوا۔ یہ میر فضل علی وہی شخص ہیں جو بادشاہ بکرم زوجہ غازی الدین حسین کی جاگیر کے منتظم تھے اور اپنی بہن بی منلائی کی وجہ سے جس کا نام فیض النساء بیگم صاحبہ کی کاسر میں پورا تسلط رکھتے تھے اور معتد الدولہ کی عداوت کی وجہ سے کانپور کی طرف نکلوائے گئے تھے چونکہ فیلبان کے زمرے میں سے تھے اس لیے ایک شخص نے ان کی ذرا مت کی تاریخ اس طرح پر نظم کی ہے۔

یہ اوج مسند عزت نشست چون باب زفیض محلہ نشینان ہو دج عصمت
مورخش بسیر فیل فکر رفت و گفت گرفتہ از سر آئیں بری بری دھت دھت
میر فضل علی دہلی کے سادات صحیح النسب سے تھے ان کے بزرگ عہدہ فوجدار خانی پر سرکار
شامی میں ممتاز رہے یعنی سواری کے وقت خاص بادشاہ کا فیل چلاتے تھے انتظام الدولہ
منظر علی خان جو خانہ نشین تھے انکو خلعت دیوان خانہ ملا اور معتد الدولہ کے متعلقین و متوسلین کے
مکانوں پر بادشاہ کی طرف سے پہرے کھڑے ہو گئے اسم شماری انکی یہ ہے۔ میر محمود وغیرہ
پسران میر افضل علی باہسی والدہ یہ میر فضل علی معتد الدولہ کا سمدھی تھا۔ سبحان علی خان۔

ملج الدین حسین خان حکیم واج علی خان دولت رائے و اصل باقی نویس۔ بیچو خان۔ میر بند علی
مسخرہ۔ مولوی جلال الدین۔ سنگی خان۔ جیون خان بیواقی۔ اعظم علی اور قطب شاہ
وغیرہ وغیرہ یہ تمام آدمی نظر بند ہوئے۔ اور انکا اکثر سباب لٹ گیا مگر وہ لوگ محفوظ رہے
جن کے مکانوں پر پیشتر سے معتد الدولہ نے انگریزی پہرے بٹھا دیے تھے وہ یہ ہیں۔ خاں بکرم
معتد الدولہ کی بہن اور میر انبی بخش معتد الدولہ کا بھتیجا اور میر روشن علی اور میر شاہ علی معتد الدولہ
کے سہلے اور میر نثار حسین اور میر اسد غرض اس کش کش میں کہ حشر پر پاتھا شہر کے بازار اور
رعیت کے گھر کے دروازے بند ہو گئے اور کوٹھی نور بخش اور حیدر گنج اور باغ دوار کا واس

جاؤں گا تو قدردیوانی کے افسر مجھے مکان پر پہنچنے نہ دیں گے اور متمدن الدولہ کے مکان پر
انگریزی پہرے ہیں یہاں ان کا ہاتھ نہ پہنچے گا مگر اس فکر میں تھے کہ کسی طرح متمدن الدولہ
سے اس روپے کی فاطمی ہاتھ لگ جائے چند روز کے بعد جب متمدن الدولہ کے سعلقین کی گرفتاری
کی شوش موقوف ہو گئی اور شہر میں امن قائم ہو گیا اور فتنہ ٹھنڈا ہو گیا۔ تو متمدن الدولہ نے
تاج الدین حسین خان سے کہا کہ اب ہکو اطمینان ہے آپ یہاں بے آرام ہیں اپنے اہل و عیال
میں چلے جائیے میں آپ کو برضا و رغبت اجازت دیتا ہوں تاج الدین حسین خان نے
اس محاسبے کا عند کیا متمدن الدولہ نے سوچ کر کہا کہ جو کوئی تم سے پوچھے یہ جواب دیجو کہ میں
وہ روپیہ متمدن الدولہ کو دیکھا ہوں جو کوئی مجھ سے کروڑ دو کروڑ روپے کا حساب لے گا ان روپوں کا
بھی حساب دیدو لگا تاج الدین حسین خان نے عرض کیا کہ اگر یہ پرورش منظور ہے تو دستور کے
موافق رسید عنایت ہو جائے تاکہ جو کوئی مجھ سے محاسبہ کرے تو بطور سند کے دکھا دوں متمدن الدولہ
نے فرما جو صلہ سے یہ وقت رسید اپنی مہری عنایت کر دی۔

القصد تاج الدین حسین خان نے فقیر محمد خان اور منیڈو خان اور ساہو گوند لال کی
رضاجوئی اور اعتماد الدولہ کی اطاعت اختیار کی اور اپنا دامن محاسبے سے پاک کیا۔ متمدن الدولہ
کے زلمے کے سب عمدہ دار اعتماد الدولہ کی طرف رجوع لائے و اجد علی خان نے بھی وہ
زمانہ سازی کی کہ دونوں پہلے برابر رکھے۔ ان باتوں کے بعد اعتماد الدولہ نے انتظام ملک کی جانب
تعمد اٹھایا عامل مساجری کے طور پر روانہ کیے۔ بہانہ کہ واقعات ۱۲۴۳ھ ہجری کے تھے۔

۱۲۴۳ھ ہجری کے بعض قابل ذکر واقعات کا بیان

(۱) سال دوم جلوس مطابق ۱۲۴۳ھ ہجری کا آغاز ہوا تو اعتماد الدولہ کو بادشاہ نے حکم دیا

کہ اس دایہ بچے کو امور سلطنت سے کیا واسطہ ہے جو اپنے آپ کو صاحب حکم سمجھتا ہے نیز باگوری
بادشاہ کو پسند نہ آئی اور دل میں طال پیدا ہوا۔ حمدی علی خان نے اس پر لے میں کہ میری
تجارت کے کام نہ رہے ہونگے تھوڑے عرصے میں انتظام دیکر پھر دولت پر حاضر ہو گا مگر خست
جھل کی اور فرخ آباد کو چھ لگے چونکہ وہ آغا میر کے قریب تھے ناسخ نے پھر تاریخ کی۔

باز گر بجھتے (۱۲۴۵) اب رفتہ رفتہ ڈریڈنٹ کے دل میں اعتماد الدولہ کے اعتبار نے
گھر کیا نیلنامی کے ساتھ یاد کرنے لگا جب سبحان علی خان سے مواخذے کی نوبت پہنچی تو کہتا
ہوا کہ یہ شخص غیر طلب سرکار شاہی کا تھا اس لیے وہ نیا بتا شریک مشورہ ہوئے اور ان کی
تجویز سے منشی عاشق علی خان رفیق اعتماد الدولہ سفیر کلکتہ مقرر ہوئے اور وثیقہ کی دستی ان سے
مستعلق تھی چنانچہ اس کام کی بدولت صاحب دولت ہو کر انھوں نے رنگ تجارت کلکتہ میں
جمایا اور بان عالیشان عمارت تعمیر کرائی اور وزارت کی دیوانی منشی جاگجی پرشاد سے متعلق تھی
اور بیت الافشا کا دفتر منشی جوالا پرشاد کے حوالے تھا اور کونسل کلکتہ سے تحریرات کی سودہ ویسی
سبحان علی خان سے تعلق رکھتی تھی یہ امر تازہ ظہور میں آیا کہ سبحان علی خان فاتح الدین حسین
میں جو باہم اتحاد و محبت تھی وہ جاتی رہی۔ نقش عداوت صفحہ دل پر بیٹھا اور وجہ سے تاج الدین حسین
بائیس لاکھ روپیہ کا محاسبہ چکر سلطان پور کی بابت قرار پایا تاج الدین حسین خان معزول ہو کر
لکھنؤ میں آئے دریافت ہوا کہ مکان پر بادشاہی چوکی پہرے مامور ہیں اس طرح اس پر اعتماد الدولہ
آغا میر کے مکان پر چلے گئے اور چند روز رہ کر واسطہ استحقاق رفاقت دست آویز جو فارغ ظلمی کا
کام کے حاصل کر کے بکشاہ پیشانی اپنے گھر میں آ بیٹھے۔ محشم خانی میں اس رسید کی کیفیت
یوں لکھی ہے کہ جب اعتماد الدولہ اپنے مکان پر مقید ہوئے اور یہ خبر شہر میں پھیلی تاج الدین حسین خان
اسیدن ان کے پاس پہنچ کر شریک حال ہو گئے اور رفاقت میں رہنے لگے انکو درجہ اکابر کے مکان

(۳) وقائع دلیپیر میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے مناجان کو جب فریدون بخت خطاب کیا تو بادشاہ بیگم نے ۲۲ جادی الاولیٰ ۸۸۸ ہجری کو اپنے محل میں محفل جشن آراستہ کی اور نصیر الدولہ کی والدہ اور نواب جعفر علی خان و نواب کاظم علی خان وغیرہ کی بیگمات خاندان منصور یہ کو طلب کر کے اول بادشاہ کو پوشاک فاخرہ پہنا کر چھبیسویں سالگرہ منائی اور وقت شب کے محسن الدولہ کی بیہون کی رسم تختہ الیٰ ابوطالب خان کے بیٹوں کے ساتھ ادا کی اور پھر فریدون بخت کا ختنہ کرایا اور ختنہ کرنے والے نانی کو بیس ہزار روپے مرحمت کیے اور پچاس ہزار روپے کے شال دوشالے بادشاہ کے پاس بھیجے تاکہ وہ اپنے خاص خاص نوکروں کو تقسیم کر دیں باوجودیکہ ابھی بادشاہ اور بادشاہ بیگم میں آتش فساد و عناد مشتعل نہ ہوئی تھی لیکن انکواسبات سے نہایت طیش آیا۔ تمام پیشینہ کو جلوا دیا اور کرنیل جان لوصاحب رزیدنٹ کو کہلا بھیجا کہ اگر بادشاہ بیگم آپ کو شیرینی بھیجیں تو واپس کر دیجئے چنانچہ بیگم صاحب نے تقریٰ ٹھیلیوں میں شیرینی بھر کر بھیجی تو انھوں نے نہ لی بادشاہ کی غرض اس سے یہ تھی کہ فریدون بخت کے میرا بیٹا ہونے پر یہ امر دلیل نہو جائے۔ اور انھیں دنوں میں بیگم صاحبہ نے محسن الدولہ کی بیٹی کے ساتھ فریدون بخت کا بیاہ قرار دیا ابھی سامان عروسی تیار ہی ہو رہا تھا کہ لڑکی کا انتقال ہو گیا۔

نصیر الدین حیدر کی طبیعت کا اعتماد والدہ کی طرف

سے مکر رہو جانا

بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ وزیر نہایت نیک نیت اور بامروت اور صاحب خلق اور با خدا تھے سب کو اپنا دوست سمجھتے تھے اور اپنے دشمن کو دشمن نہ جانتے تھے۔ بادشاہ کی

کہ جشن کی تیاری کریں۔ اگرچہ جشن عظیم ہوا لیکن بعض امور میں ایسی بے اعتدالی واقع ہوئی کہ اعتماد والدہ کی بے سلیقگی کھل گئی اور کچھ روپے کی خیانت بھی انکی نسبت ثابت ہوئی اور بعد اسکے ملک میں خرابی پیدا ہو گئی اور خزانہ عامرہ میں آمدنی بھی بہت کم ہو گئی اور ملک میں چاروں طرف فساد پھیل گیا اور لوٹ مار سے مسافر و کھانا گاہ میں دم آگیا۔ رزیدنٹ نے اس بات کی بادشاہ سے شکایت کی اور صاحبات محل اور سپاہ کی تنخواہ بند ہو کر اوویلا پرنٹ پہنچ گئی۔

(۲) نصیر الدین حیدر کی خواہش یہ تھی کہ چند عورات خاندان کی تنخواہ دوامی طور پر وثیقہ مقرر ہو جائے اس نظر سے انھوں نے اس امر میں گورنٹ انگریزی کو تحریر کیا کہ جو پچاس لاکھ روپے عازمی الدین حیدر کے عہد میں چوتھی مرتبہ قرض دیا گیا ہے وہ دوامی ہو جائے اور بارہ لاکھ چالیس ہزار روپیہ اور لیا جائے اور قرضہ گورنٹ انگریزی میں منظور ہو اس کل روپے کا سالانہ سود تین لاکھ بارہ ہزار روپیہ فی صدی پانچ روپیہ سالانہ کے حساب سے ہوا۔ مگر بشرط قرار بائی کہ جو تنخواہ دار یا وثیقہ دار فوت ہو گا اسکا روپیہ جب منظور ہو گا واپس لے گا اور اگر کوئی وثیقہ دار لا اسکا وارث بادشاہ کی حیات میں لا دلہم جاوے گا تو وثیقہ منضبطہ بادشاہ کو ملیگا۔

وثیقہ داروں کی حفاظت کے باب میں گورنٹ نے ضمانت نہیں دی مگر اقرار کیا کہ انکی خاطر کچا ایگلی ۱۴ شعبان ۱۲۸۳ ہجری مطابق یکم مارچ ۱۸۶۹ء کو اس باب میں عہد نامہ منعقد ہوا

نام وثیقہ دار	ماہواری	سالانہ
ملکہ زمانہ	۱۰۰۰۰ روپیہ	۱۲۰۰۰۰ روپیہ
تاج محل	۶۰۰۰۰ روپیہ	۷۲۰۰۰۰ روپیہ
مختار علیا	۶۰۰۰۰ روپیہ	۷۲۰۰۰۰ روپیہ
سلطان عالیہ ہمشیرہ شاہ	۴۰۰۰۰ روپیہ	۴۸۰۰۰۰ روپیہ

پوچھی اور فرمایا کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ کام میرے اثنائے سے نہیں ہوا ایک شخص نے
 نشے کی حالت میں بے اعتدالی کی بلکہ بھی برا معلوم ہوا چونکہ قوم کا انگریز تھا اس وقت کے
 دوسری نسل کے لیے مناسب نہ معلوم ہوئی اگر یہ گناہ دوسرے سے سرزد ہوتا تو اسکو
 پوری سزا ملتی اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سُکّار علیٰ جبکہ خود
 نماز فرض کے لیے نشے کی حالت میں ایسا حکم دیا تو دوسرے کاموں پر کیا حکم ہو اگر کسی بادشاہ
 کوئی دیوانہ کچھ ڈال دے تو اُس راہرو کی عزت میں کیا بنائے گا تم اس کا دل میں کچھ خیال
 نہ کرو بادشاہ نے اس طرح انکی تشفی کی اور اپنے ساتھ لائے لیکن انھوں نے نہ جھپٹ کر کاموں کے
 ہاتھ کھینچا یکدن بادشاہ نے کثرت نشہ شراب میں ہر کاروں کے جھمدار کو حکم دیا کہ جلو
 آدمی تیار ہوں جو فوج حاضر بھی حسبِ احکم تیار ہوئی اعتماد الدولہ نے بنظر حفظ باقاعدہ صاحب
 رزیدنٹ کو درپردہ اطلاع دی کہ ہوشیار رہیں مگر یہ بات کچھ اصل نہ رکھتی تھی دوسرے روز
 رزیدنٹ نے بادشاہ کے پاس آکر دریافت کیا بادشاہ نے جواب دیا کہ ایک کوئی نہ معلوم ہوا
 اُس نے کہا کہ اعتماد الدولہ نے بلکہ خبر دی تھی یہ صورت بادشاہ کو نہایت ناگوار خاطر ہوئی
 اور اُس نے دل میں تازہ غبارِ کدورت جم گیا آخر اس کش مکش میں اعتماد الدولہ ۱۲۳۶ھ ہجری
 میں جہان فانی سے گزرے جبکہ زندہ تھے باوجود بیماری و خانہ نشینی کے بادشاہِ بگم کے
 لحاظ سے کہ انکے ساختہ و پرداختہ تھے نیابت انھیں کے نام پر رہی۔ شبیہ کر بلا میں جسکو
 میر خدابخش نے تعمیر کیا تھا اُنکا جنازہ دفن کیا گیا فقط دو لڑکیاں اولاد میں رہیں جو میر علی
 اور میر حیدر حسین قوم سادات کے ساتھ منعقد تھیں۔ بعض تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے
 کہ جو میں لاکھ روپے بادشاہ نے اپنے خزانے سے اعتماد الدولہ کے ویتے کے لیے۔ مسرور
 رکیت صاحب کی معرفت جمع کر لے تھے۔ اعتماد الدولہ کا ویتہ ان دونوں دامادوں

طبیعت انکی طرف سے کئی وجہوں سے صاف نہ تھی (۱) جس طرح ایام شاہزادگی میں اتالیقی کرتے تھے اسی طرح اب بھی اطوار شائستہ کی تفہیم میں قاصر نہ تھے (۲) جو منتقام کہ مقتلہ دولہ سے منظور نظر سلطانی تھا وہ طور میں نہ آیا (۳) شرکت صحبت بادشاہ سے جو خلاف وضع تھی دور دور رہتے تھے۔ آخر کار رفتہ رفتہ صورت نقیض پیدا ہوئی اور بادشاہ کی طبیعت جو انانہ نوعاستہ کی طرف مائل ہوئی اور بزم بادہ گل رنگ نے گل کھلائے اور ناچ درنگ کا جلسہ بجا اور ان لوگوں کا بازار آہستہ آہستہ گرم ہوا۔ اور اعتماد الدولہ کی گرما گرمی سرد ہوئی۔ ملخص تاریخ اودھ میں بہت پرشاد کتنا ہے قصداً اقبال الدولہ پیش ہو گئے اور عہدہ جرنیلی پا کر سلطنت کے کاموں میں ذخیل ہوئے بادشاہ کی طبیعت اعتماد الدولہ کی طرف سے پھیر دی اور جہان پناہ کو یقین کرایا کہ مقتلہ دولہ سے سازش رکھتے ہیں یہاں تک کہ بادشاہ انکے جانی دشمن ہو گئے اور انکے خراب کرنے کے درپے ہوئے۔ ایک دن نصیر الدین حیدر بھرے میں سوار ہو کر دریائی سیر کر رہے تھے اور نشہ شراب سے لایعقل ہو رہے تھے کہ ناگاہ ایک فرنگی بچے کی ٹوپی عالم نشہ شراب میں دریا میں گر گئی اسنے بادشاہ کے اشارے سے وہ دست افشانی کی کہ قریب تھا کہ اعتماد الدولہ کی دستار سر سے جدا ہو جائے لیکن انھوں نے بیچ و تاب کھا کر دونوں ہاتھوں سے سنبھالی اور فرط حجاب نے قالب سے باہر کیا اور چاہا کہ شمیر آبار کے جوہر دکھائیں لیکن جب اہل کشتی نے میان سے تلوار کھینچنے مذی تو اعتماد الدولہ نے زبان سے بہت کچھ بڑا بھلا کہا بادشاہ نے دل جوئی کی راہ سے اس لڑکے کو قید کر کے رزیدنٹ کے پاس بھیج دیا لیکن اعتماد الدولہ اس بے حرمتی سے لوگوں کی نظروں میں بے اعتبار ہو گئے اور آنا جانا دربار کا موقوف کیا۔ وزارت کا کام چھوڑ دیا ہر چند بادشاہ نے بڑا یا نہیں آئے آخر کار بادشاہ خود منانے کو اُنکے گھر گئے اور وجہ خانہ نشینی کی

مہاراجہ دولت راؤ سیدھیا کے لشکر میں چلے گئے اور اُسکی ملازمت حاصل کی۔ جب نصیر الدین حیدر سلیمان جاہ تخت نشین ہوئے تو پُرانی محبت کی وجہ سے شترسوار کو دھڑلہ روپوں سمیت بھیج کر جعفر علی خان کو گوالیار سے بلوا کر عمدہ توہن خانہ سلیمانی عطا کیا اور پانسو روپے تنخواہ مقرر کر دی اور بادشاہ کے مصاحب و ندیم ہو گئے وہ آبر و بہم پہنچائی کہ درباری آتش حدین جلنے لگے تاج الدین حسین خان نے فتنہ و فساد کی وہ آگ بھڑکانی کہ جعفر علی خان کی گرم بازوی سرد ہو گئی۔

رام دیال کا اپنی بہن کو بادشاہ کے محل میں پہنچا کر راجگی کا خطاب اور عزت پانا

بینی رام لکھنوی ساکن محلہ چکھ مر دھیم و شیم خوش وضع و سفید پوست تھا سپہ سالار بیجا کرتا تھا اور لین دین کرتا تھا صاحب تقدیر تھا کارون کا جھنڈا بھوانی مہارام گیا اُسکے پاس چھ سات لاکھ روپیہ نقد تھا وہ بڑے محنت بینی رام کے ہاتھ آیا۔ اور اس روپے کی بدولت عالموں سے پوتہ داری کے ذریعہ سے زر کثیر حاصل کیا۔ عاشورن نام ایک لکھنوی طوائف سے رسم آشنائی بڑھا کر اُسکو گھر میں ڈال لیا اُس کے بطن سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی بیٹے کا نام احمد علی رکھا جب بینی رام نے انتقال کیا تو ایک بیٹا منالال عرف رام دیال ہنجوم عورت سے بھی چھوڑا وہی ساہوکار سے کی کوٹھی اور تمام مال و اسباب کا وارث بنا چلا لاکھ تھاکہ جو ہر فردشی کی بدولت صاحبزدگی سے محل شاہی میں اُسکا لین دین تھا اب بادشاہ کے دربار تک رسائی بہم پہنچائی اور اپنی سوتیلی بہن کو جو عاشورن طوائف سے تھی بادشاہ کے پاس پہنچایا جس نے

وغیرہ پر جو حصہ دار تھے تقسیم ہوا۔ آخر کاریہ دونوں داماد کھنوسے ٹکڑا دہلی کو چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔

ظفر الدولہ کے بیٹے اور داماد کہ بعض ان میں سے وزیر سلطنت کے ہمسر تھے اور انتظام سلطنت میں مدد ملتے تھے

ظفر الدولہ کپتان فتح علی خان کے بڑے بیٹے محمد علی خان کا اقبال الدولہ خطاب تھا اور عمدہ جرنیلی کی نیابت اُن سے متعلق تھی جو کیوان جاہ کے بایہ نام تھا اور فتح علی خان کے دوسرے بیٹے کا خطاب کرم الدولہ اور تیسرے کا خطاب مجد الدولہ تھا ان دونوں کے متعلق بلٹنن تھین اور فتح علی خان کے یہ تین داماد تھے ایک مرزا حسنو خٹک سپرد جلیبی تو پچنانہ تھا دوسرے میر علی اکبر سپر میر علی شیر یہ بائیس بلٹن کے غارتھے اور تھوٹے سے سوار بھی اُنکے ماتحت تھے تیسرے محمد میر یہ سادات بارہ کے گھرانے سے تھے اور عدالت اُنکے سپرد تھی اقبال الدولہ پر بادشاہ کی بڑی مہربانی تھی یہاں تک کہ اُنکا منہ دیکھ کر خواجگاہ سے اُٹھتے تھے اور ہر وقت عیش و عشرت کے جلسوں میں اُنکو شریک رکھتے تھے اور اُنکے متعلقہ کاموں کو منشی غلام مرتضیٰ مرثیہ خوان سپر لامل محمد روضہ خان سرانجام دیتا تھا اقبال الدولہ کی بدولت غلام مرتضیٰ کی خوش گلوئی اور احسان دلکش کے ساتھ مرثیہ خوانی بہت ثروت و شہرت کو پہونچی تھی۔

نجم الدولہ جعفر علی خان

جعفر علی خان ابن مظفر علی خان ابتدا سے شباب میں اپنے باپ سے بنجیدہ ہو کر

شاہی مین بڑے رتبے پر پہنچایا۔

اسی سنہ مین ایک روز کا قصہ ہے کہ بادشاہ ظہر کے بعد کھ بلاس نامے مکان کی محبت
حجاست بنوا رہے تھے اور اقبال الدولہ اُوقت حاضر تھے من خان اور محمد بخش دونوں
نماز کے لیے چھت سے تلے اُتر رہے تھے کہ ایک دیوانہ آدمی کشمیر برہنہ ہاتھ مین لیے
اور بندوق کا ندھ پر رکھے بے محابا موتی محل کے دروازے سے محل کے اندر گھسا
راجہ شیو دین اور دربان و بان بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے منع کیا اُنکو تلوار سے ڈرا کر
بھگا دیا اور کھ بلاس کی طرف قدم بڑھایا جو کوئی اُسے روکنا چاہتا تلوار سے دھمکا کر
بھگا دیتا تلوار کی آغ کی کوئی تاب نہ لاسکا دور سے لوگ ڈراتے پاس نہ آتے نجم الدولہ کی
دور سے اُس پر نظر پڑی وہ بھی پاس نہ آسکے دیوانخانہ اُنکے باپ کے ماتحت تھا انھوں
نے چوہداروں کو حکم دیا کہ اسے روکین مگر کسی مین یہ جرأت نہ تھی کہ قریب جا کر اُسے منع کرتا
وہ بڑھتے بڑھتے مکان مذکور کے زینے تک پہنچ گیا بادشاہ اس دیوانے کی جرأت
اور لوگوں کے شور و غل سے متحیر تھے من خان اور محمد بخش تلے سے اوپر چڑھے اور جون ہی
اُس دیوانے نے پھد زینے پر قدم رکھا اور چاہا کہ بادشاہ تک پہنچے من خان نے
چالاک کی وجہی کر کے فوراً ایک ہاتھ کمر مین ڈالا اور دوسرے سے اُسکی تلوار کا قبضہ کر لیا
یہ ضعیف اور دیوانہ قومی ہیکل تھا لیکن محمد بخش نے من خان کی مدد کر کے اُسے تلوار
مارنے کی فرصت ندی دونوں نے اُسے زمین پر دے مارا تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ
گئی اب نجم الدولہ دلیری کر کے دور سے دوڑے اور اُسکی بندوق دونوں ہاتھوں سے
بکڑا کر اس زور سے سسر پر ماری کہ سر کی ہڈیاں پارہ پارہ ہو کر بھجناک کی راہ بہ گیا اور فوراً
مر گیا بادشاہ من خان کی جرأت سے بہت خوش ہوئے تعریف کی طلعت فاخرہ اور کئی ہزار

محلات شاہی میں داخل ہو کر پھول محل خطاب پایا اور رام دیال کو راجگی کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۲۴۳ھ ہجری میں اعتماد الدولہ کے تنزل سے رام دیال کی کارگزاری کا ستارہ چمکا اور تمام معاملات پر اس کا حکم جاری ہوا بلکہ محل کا عزل نصب اسکی رائے سے ہونے لگا اور رزیدنٹ کے پاس بادشاہ کی طرف سے سفارت بھی کرتا۔ اور رزیدنٹی کے خزانچی سے راہ و رسم پیدا کر کے اسکی وجہ سے غلام حسین میرنشی رزیدنٹی سے صورت اتحاد نکلی بلکہ رزیدنٹی کا تمام علمہ بھی اسکی توقیر کرتا تھا۔ لیکن بے علم کندہ نائراش تھا جب سرہربٹ مک لکھنؤ کے رزیدنٹ ہو کر آئے اور انھوں نے ایک دن رام دیال سے دریافت کیا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے تو اس نے جواب دیا کہ پیٹ نفس (نفخ) بہت رہتا ہے یہ سن کر صاحب رزیدنٹ نے جانچ لیا کہ یہ شخص بڑے اور ذمے داری کے کام کے قابل نہیں یہاں تک واقعات ۱۲۴۴ھ ہجری کے تھے۔

دور قاصد عورتوں کی سرفرازی۔ من خان اور محمد بخش کی ترقی ایک مجنون کی عجیب حرکت

مسند نشینی سے تیسرے سال ۱۲۴۵ھ ہجری میں جن موقوف رہا۔ لیکن دور قاصد عورتوں کو جن کا نام حسینی تھا اپنی صحبت کے لیے پسند کر کے ایک کو بادشاہ محل خطاب دیا اور دوسری سلطان محل۔

دولہ کے تھے ایک کا نام من خان تھا اور دوسرے کا محمد بخش یہ دونوں غازی علی شاہ کے پاتوں دبا کرتے تھے انکو نصیر الدین حیدر نے منظور نظر فرما کر بڑے رتبے پر پہنچا دیا من خان کو اول ارباب نشاط کا داروغہ بنایا پھر فرج کی حکومت دی اور خواص

مدارالمہامی باعث آغاز بد انجامی ہے۔ بادشاہ اور رزیدنٹ کے درمیان آمد و رفت اور پیام و سلام کا دروازہ رام دیال پر بند ہوا بادشاہ کو یہ نصیحت مصلحت آمیز پسند نہ آئی مگر رزیدنٹ کی خاطر سے پرچہ پیام چوبدار کے ذریعہ سے جاری رہا اور اگر مشکل کام پیش آتا تو نجم الدولہ کے ذریعہ سے انجام پاتا۔

رام دیال کی طرف سے رزیدنٹ کی زیادہ تر ناخوشی کا سبب یہ امر تھا کہ انھوں نے اُس سے ایک دن دریافت کیا کہ کیوان جاہ بادشاہ کا بیٹا ہے یا نہیں اسکی تھتق کر کے اہل کو خبر دو اور یہ بات اہل کو تاکید کر دی کہ یہ راز بادشاہ پر نہ کھلے اس بیٹے کے بیٹ میں پانی کب ہضم ہوتا تھا یہ ماجرا بادشاہ تک پہنچایا انھوں نے تیسرے روز ملاقات میں رزیدنٹ سے شکایت کی کہ آپ کو ایسے امر کی ہم سے تحقیقات چاہیے کہ بیٹے کی پیدائش کی اطلاع باپ کو اچھی طرح ہوتی ہے صورت اسکی یہ ہے کہ اسکی مان میری متوجہ تھی لیکن خلد مکان اور مریم مکانی کے خوف سے اس بات کو چھپائے رکھا تھا جبکہ وہ حاملہ ہوئی اور وضع حمل کا زمانہ قریب آیا تو بچہ کی پیدائش اپنے محل میں مناسب نہ جا کر اُسکے مکان کو روانہ کر دیا تھوڑے دنوں کے بعد بیٹا پیدا ہوا ہر چند یہ بات چھپائی لیکن زبان بر زبان مریم مکانی کے کانوں تک پہنچی انھوں نے بچے کی پرورش غیر جگہ اپنی شان کے خلاف سمجھ کر عورت کو معہ بچے کے اپنے پاس بلا لیا اور علد مکان کے خوف سے یہ مشہور کیا کہ یہ عورت دودھ پلانے آئی ہے۔

رزیدنٹ نے کہا کہ یہ بالکل بہتان ہے کہ کسی نے مجھ پر باندھا ہے مجھ کو ایسے معاملات سے کیا کام آپ اُس کا نام تو بتائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس آدمی نے کہا ہے۔ کلام اُس کا اعتماد کے قابل ہے یا نہیں بادشاہ نے رام دیال کا نام تباد یا صاحب کو پہلے ہی سے

روپے عنایت کیے اور ہر ایک محل سے ہزاروں روپیہ انعام میں ملا۔ لیکن بادشاہ بیکم نے سب سے زیادہ دیا۔ اُس دن سے من خان کی آبرو سب میں بڑھ گئی اور بادشاہ کے دل میں پکڑ کر ارا میں داخل ہو گیا۔

نئے رزیڈنٹ کا بادشاہ کو سمجھانا کہ انتظام ملکی کی طرف
توجہ کرنی چاہیئے رام دیاں کا کیوان جاہ کے نسب کی
تحقیق کی علت میں ندامت اٹھانا

ایم رکیٹ صاحب رزیڈنٹ نے لکھنؤ کے معاملات میں اتنی چشم پوشی کی کہ آخر کار بدنام ہو گئے اور میرنشی غلام حسین کی وجہ سے کہ نہایت راشی اور طامع تھا بدنام ہو کر شہر میں لکھنؤ کی رزیڈنسی سے اُنکی تبدیلی ہو گئی۔ صاحب رزیڈنٹ نے وقت رخصت بادشاہ سے یہ بات کسی کہ میں نے اکثر خیر خواہی کی راہ سے آپ کو سمجھایا۔ لیکن آپ نے بمقتضاے شباب کہ انجام اُنکا خراب ہے میری نصیحت پر غل نکیا اور جھکوبدنامی نصیب ہوئی لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ پہلے رو بکاری رزیڈنٹ منصوب سے کیوان جاہ اور فریدون بخت کے باب میں پیش آئے گی کہ وہ شاہزادے ہیں یا نہیں یہ صاحب تو بادشاہ کے کان کھول کر بیان سے چلے گئے اور ناوک صاحب قائم مقام رزیڈنٹ ہو کر آئے اور وہ بظلم مستقیم ڈاک کے ذریعہ سے بلا انتظار استقبال یکایک لکھنؤ میں داخل ہوئے چونکہ یہ طریقہ آئین قدیم کے خلاف تھا اسلئے بادشاہ کے پسند نہوا۔ اس رزیڈنٹ نے بادشاہ کو نصیحت شروع کی اور اُنکے کان کھولے کہ دزات نشہ شراب میں رہنا عقل سے دور ہے اور رندیوں کی صحبت میں پڑا رہنا بہترین اور رام دیاں جیسے آدمی کی

گڑے ہوئے مُردے اُکھیرنا اور ناحق اس فکر و نخت میں دل کو پریشان کرنا ضرور نہیں جو کچھ مناسب وقت تھا ظرفین سے ظہور میں آیا۔ سر ہر برٹ مڈک اس جواب سے بے حد خوش ہوئے لیکن کونسل کے حکم سے مجبور تھے۔ اور اس بات کی تحقیقات منظور تھی اس لیے غلام حسین میرمنشی زریڈنٹی کی طلب کیا بادشاہ نے اقبال الدولہ کو اجازت دی اُنکے حکم سے راجہ پنجا اور سنگھ سوار لیکر اُس کے مکان پر پہونچا اور صورت محاصرہ ظہور میں آئی۔ غلام حسین نے دیکھا کہ عزت و آبرو جاتی ہے پستول بھر کر اپنے پیٹ پر خالی کیا۔ قضا میر سوار تھی پُرار مان اور لاولد جہان سے گزرا اور اُسکے دو خدمتگار جو غرم اسرار تھے بندوق کی گولیاں کھا کر اپنے آفاکے پیچھے پیچھے رہی ملک عدم ہوئے اُس کا تمام مال و اسباب ضبطی میں آیا۔ التفات حسین خان میرمنشی گری سے سر فراز ہوا لیکن روبرو بیٹھنے کی قدرت نہ تھی اور نہ کسی کام میں دم مارنے کی قوت۔

ایم ریٹ صاحب کی بدنامی کے باعث یہ تین شخص تھے (۱) تاج الدین حسین خان کہ اس زمانے میں نظر بند ہو گئے تھے (۲) ساہ بہاری لال اُس نے یہ لکھنا پناہ میں پا لیا کہ میں مہاجری پیشہ ہوں مجھ کو معاملات شاہی سے کیا کام (۳) رام دیال کہ اسی کے سر پر بدنامی کا ٹوکرا رہا۔

دشمن کہتے ہیں کہ نصیر الدین حیدر میں رجولیت کی قوت نہ تھی

تاریخ مناجان میں لکھا ہے کہ سر ہر برٹ مڈک زریڈنٹ نے مناجان کے بادشاہ کا لطفہ ہونے کے باب میں بھی تحقیقات کی بادشاہ بیگم نے ظاہر کیا کہ طفل مسطور کا کل دو سال سے زیادہ تک رہا اور عوام میں یہ بات مشہور تھی اور معتدل الدولہ کے اظہار سے جو مڈک صاحب کے

رام دیال کا گمان تھا کیونکہ سو اُس کے کسی اور سے اُنھوں نے اسکا چرچا نہیں کیا تھا جب بادشاہ نے نام اُس کا بتا دیا تو رزیڈنٹ نے کہا کہ یہ شخص حرام زادہ اور مفتری ہے جھوٹی بات بناتا ہے اور دونوں سرکار وین فساد ڈالتا ہے حضرت اُسکے جھوٹے قول پر اعتماد نہ کریں اور ایک ایسے بنیے سے سفارت کا کام نہ لیں کہ نہ وہ اسرار بادشاہی کے قابل ہے اور نہ ہم لوگوں کی ہم کلامی کے لائق۔ محترم خانی مین واقعات ۱۲۲۵ء ہجری مین صیرح لکھا ہے۔

مڈک صاحب کا رزیڈنٹی پر مقرر ہونا اور فریڈون بخت کے نسب کی تحقیق

۱۲۲۶ء ہجری مین جن مسند نشینی ملوئی رہا اور مسٹر مڈک صاحب کی آمد کی خبر گرم ہوئی جبکہ نام اصالتاً رزیڈنٹی کا عمدہ تھا۔ بادشاہ اور قائم مقام رزیڈنٹ باوجود کشیدہ خاطر مین کے ضرورتاً عالم نگر تک کہ استقبال کی حد و مان تک مقرر تھی استقبال کو گئے اور ملاقات کر کے بادشاہ اپنے ہاتھی پر بٹھا کفرج بخش مین لائے اور رسوم معمولی سے فراغت پا کر خست کیا قائم مقام رزیڈنٹ کو اتنا رنج تھا کہ گوٹے کا بار فرج بخش ہی مین چھوڑ کر چلے گئے ادھر سے بھی کسی نے نہ پوچھا اور اپنے مستقل عہدے پر دوسرے شہر کو روانہ ہو گئے ایک دن رزیڈنٹ نے بادشاہ کو پیام دیا کہ متمدد لولہ کو ہمارے پاس بھیج دینا چاہیے ان سے کچھ باتیں کہنا سننا ہیں۔ بادشاہ نے اُنکا رزیڈنٹ کے پاس جابا مصلحت کے خلاف سمجھا اور اجازت مذی آخر کار رزیڈنٹ نے بطور خود متمدد لولہ کو جو درہل انگریزی قیدی تھے بادشاہ کی اجازت کے بغیر اپنے پاس بلالیا اور اُن سے رزیڈنٹ سابق اور عہدہ رزیڈنٹی کی رشوت ستانی کا حال تحقیق کیا مگر متمدد لولہ نے ہرگز افشاء راز نہ کیا اور کہا کہ اُن قدح بشکست و آن ساقی نماندہ

جاتا ہے وہ اُس مقام کے تمام حالات اور آدمیوں کی کیفیت اپنے جانشین کے لیے لکھ جاتا ہے تاکہ اُسکے موافق ہر ایک کے ساتھ برتاؤ اور سلوک اور بندوبست کرے چونکہ ناک صاحب رام دیال سے سجدہ مکدر اور رنجیدہ خاطر تھے اُسکی بے حقیقتی اور کم ہمتی اور تنک ظرفی کے معللے میں ایک تحریر مذک صاحب کو دے گئے تھے اسلئے صاحب موصوف اُسکی ملاقات کے روادار نہ تھے۔ اس عرصے میں کسی شخص نے رام دیال کو خبر دی کہ رزیدنٹ نے تیری شکایت غلام تاسع گورنر جنرل کو لکھی ہے۔ رام دیال نے اپنے رفیقوں کو حکم دیا کہ ایسا بندوبست کرنا چاہیئے کہ گورنر جنرل کی طرف سے جو جواب آئے وہ رزیدنٹ تک نہ پہنچ سکے اُنھوں نے بعض ڈاکوؤں سے ملکر انکوائسبات پر آمادہ کیا کہ قاصد کو راستے میں قتل کر کے گورنر جنرل کا جواب چھین لیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ خط رام دیال کے پاس آگیا یہ شخص انگریزی جانتا نہ تھا کسی انگریزی خوان سے مضمون معلوم کر لیا بعض آدمی رزیدنٹ کے ملنے والے رام دیال سے ناوش تھے اُنھوں مفصل خبر اس کر تو ت کی مذک صاحب کو دی وہ تو پہلے ہی رام دیال کی شکل سے متفرق تھے اور اُسکے خراب کرنے کی فکر میں تھے یہ سننے ہی فوراً بادشاہ کے پاس گئے اور اُس کی بہت کچھ شکایت کی بادشاہ نے رزیدنٹ کی خاطر سے اُس سے چشم بخت چرائی اور دو کمپنیاں بھیج کر گرفتار کر اڑھیں کوٹھی میں قید کر دیا اس پر گشتہ بخت کو تنہا رہائی اور آرزو سے منصب مدارالمنامی میں ایک مدت گذری مگر آرزو بر نہ آئی۔

اب سفارت کا عہدہ اکبر علی خان پسر امیر الدولہ حیدر بیگ خان کو ملا مگر بادشاہ کا نائب کوئی نہوا یہ شخص ہر کام میں سجدہ عطا تھا اس لیے اکثر کاموں کے اجرا میں التوا کرتا تھا لوگ اُسکی کارروائی کو بے سلیطی کہتے اور اُسکی وضع قدیمی کو جو طرز جدید کے منافی تھی برا جاکر متواتر بادشاہ تک شکایتیں پہنچاتے کہ اس شخص سے کسی کام کی امید نہیں۔

سامنے ہوا تھا ثابت ہوا کہ نصیر الدین حیدرین ابتدا سے رجولیت کی قوت نہ تھی اور وہ عورت سے صحبت کرنے کی بالکل قابلیت نہیں رکھتے تھے اس لیے بگم صاحبہ موصوفہ انکی اولاد کی طرف سے مایوس ہو گئی تھیں اور فریب و حیلہ سے یہ لڑکا ہم پر نہ بچایا تھا۔

مظہم الدولہ مہدی علی خان نے بھی ٹک صاحب کے پاس گواہی دی کہ بادشاہ اودھ یعنی نصیر الدین حیدر نے مجھ سے مفصل اور مشروح فرمایا تھا کہ کیوان جاہ اور فریدون بخت و لون میرے اصلی بیٹے نہیں ہیں اور اس بات کا افسوس کرتے تھے کہ کوئی فرزند وارث تلج و تخت مجھ سے پیدا نہیں ہوا ٹک صاحب نے یہ بیان یکم جنوری ۱۸۳۱ء مطابق ۱۶ جب ۱۲۷۶ھ کو گورنر جنرل کو لکھ بھیجا۔

تنبیہ اوپر مختصم خانی کی روایت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بادشاہ اپنی زبان سے کیوان جاہ کے اپنا صلیبی بتایا ہونے کا اقرار کر چکے ہیں۔

تنبیہ دوم مختصم خانی وغیرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اولاد کے لیے درویشوں سے چارہ جوئی کی اس سے مستفاد ہوا کہ ان میں قوت رجولیت تھی اگر نہ ہوتی تو وہ اس بات کی کوشش کیوں کرتے علاوہ اسکے عورتوں کے ساتھ انکی ہمبستری کرنے کے واقعات بھی بائے جاتے ہیں۔

منصب وزارت۔ رام دیال کی گرفتاری

(۱) اعتماد الدولہ کے انتقال کے بعد انکے عہدے کے دشمن خواہاں تھے (۱) اقبال الدولہ (۲) رام دیال جو سرکار انگریزی کا گناہگار تھا۔

انگریزوں کا دستور ہے کہ ان میں سے جو شخص عہدے سے کنارہ کش یا معزول ہو کر

اقبال الدولہ کے ساتھ اتنی محبت ہو گئی ہے کہ انکو خفیہ ڈولی کی سواری میں محل میں بلا کر رات بھر اپنے پاس رکھتی ہیں اور دو گھڑی رات باقی رہے باہر روانہ کر دیتی ہیں خانہ زاد کے قول کی صداقت پر یہ دلیل ہے کہ جو اچھے اچھے سامان حضور محذّر علیہ السلام کو بخشتے ہیں وہ اقبال الدولہ کو عنایت کر دیتی ہیں چنانچہ فلان انکو بھی جو حضور نے بیگم کو دی تھی وہ اقبال الدولہ کی انکھی میں ہے اور فلان تھان کہ جس کا نظیر شہر بھر میں نہیں ملے گا اقبال الدولہ کے بدن پر ہے حضور تجاہل کر کے اُن سے پوچھیں کہ یہ تھان تھائے پاس کہاں سے آیا یقین ہے کہ جواب دیگے کہ بازار سے خرید کیا ہے حضور فرمادیں کہ ایک دوسرا ایسا ہی ہمارے واسطے بھی لاؤ اگر لا دیا تو خانہ زاد کا قول جھوٹ سمجھا جائے ورنہ خانہ زاد سچا ہے اب بادشاہ نے اُن چیز کو دیکھ کر بچان لیا اور تجاہل کے طور پر اقبال الدولہ سے دریافت کیا اُس نے وہی جواب دیا اور حضرت نے بھی وہی سوال کیا اقبال الدولہ نے قیاس کیا کہ اگر بازار سے خریدا ہوگا تو دوسرا بھی لجاؤں گا ورنہ بیگم سے دوسرا طلب کر کے دید و نگاہ تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ایک تھان تھا اور بادشاہ نے بیگم کو دیا تھا اس طرح کا دوسرا تھان نہ سرکار میں ہے نہ بازار میں اب اقبال الدولہ سٹ پٹائے اور بادشاہ سے عرض کیا کہ ان دو تین دن میں بہت تلاش کیا دوسرا تھان نہ ملا ہے والا کتا ہے کہ یہ ایک ہی آیا تھا بادشاہ نے بائع کو بلایا تو وہ بھی میسر نہ آیا پھر انکو بھی کا حال دریافت کیا اُسکا بھی اقبال الدولہ نے فرمایا نہ جواب دیا بادشاہ نے انکو اپنے دربار سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ کبھی ہمارے سامنے نہ آئیں باپ کی مروت سے اس پر خیر گزری کہ انکی منکوحہ مندرار قاصہ کو جو بادشاہ کی اجازت سے کچھ عین آئی تھی اور صاحب اولاد تھی اُنکے گھر سے نکلوا کر پھر چکے میں بٹھا دیا کہ جو اپنے ناچ گانے کے کسب میں مشغول ہو گئی ورنہ خدا جانے کیا خرابی برپا ہوتی اقبال الدولہ کا کارخانہ درہم برہم ہوا اور جرنیل کی نیابت کا

مخدرہ علیا کے ساتھ شہنائی کی تہمت میں اقبال الدولہ کا پایہ اقبال سے گرجانا

ظفر الدولہ کے بیٹے اقبال الدولہ کا ستارہ اقبال ایسا چمکا کہ تمام انتظام ہالی وٹکی
انکی ذات سے وابستہ تھا اور ان کاموں کی کارپردازی غلام تفضی سے متعلق تھی
اقبال الدولہ کی وجہ سے عہدہ سفارت کلکتہ بھی منشی غلام علی خان سے نکلا مگر حکیم غفر علی
کے نام قرار پایا دوڑھائی برس اقبال الدولہ کا خوب طوطی بولا آخر ہر کمالے راز و کمالے
ارباب حسد ہمیشہ آتش رشک میں جلنے لگے مخدرہ علیا کے ایک خواجہ سر سے جس کا
نام مسرت تھا بہت عدوت پیدا ہو گئی خواجہ سر اقبال الدولہ کی خرابی کی فکر میں تھا
مخدرہ علیا کے پاس ایک عورت رہتی تھی جس کا نام امیر بہو تھا یہ عورت اقبال الدولہ
کے بھائی کے ساتھ دور کا رشتہ رکھتی تھی اور اقبال الدولہ کے مکان پر اکثر آیا جاتا تھی
چونکہ یہ عیاش آدمی تھے اور وہ بھی بدچلن تھی لوگوں نے سمجھا کہ ان دونوں کی باہم شہنائی
ہے اقبال الدولہ کو بادشاہ کے پاس سجدہ رسوخ تھا اکثر آدمی اپنا کام کھانے کو ان سے
رجوع رکھتے تھے مخدرہ علیا بھی اقبال الدولہ کے خوش کھنے کو امیر بہو کی معرفت تھے
بھیجا کرتی تھیں ان تحفوں میں سے اکثر وہ چیزیں بھی تھیں جو بادشاہ نے مخدرہ علیا کو
عطا کی تھیں ایک دن ایک انگریزی قسم کا تھان جو نہایت تحفہ و کم یاب تھا بادشاہ نے
مخدرہ علیا کو دیا انھوں نے وہ تھان اقبال الدولہ کو بھیجا جو ان آدمی تھے بدنامی کا تو
خیال نہ کیا چند ماہ کے بعد اسکی قبائلوں کو دربار میں پہن کر جانے لگے مسرت خواجہ الزام
لگانے کی تاک میں تھا ہی اس کپڑے کو پہچان کر بادشاہ سے عرض کیا کہ مخدرہ علیا کو

بادشاہ کے دل میں بھی یہ بات سما گئی تھی کہ اکبر علی خان سے کچھ نہ ہو سکے گا ان کے انکس کو دیکھ کر
 بادشاہ کی طبیعت اُنکی طرف مائل ہوئی اپنے ندیون اور مصاحبوں سے مشورہ کیا ان دنوں
 جب علی قوال بادشاہ کو ستا رہا تھا اُس نے اپنا راگ چھڑا کہ حکیم مہدی علی خان
 معاملات سلطنت کا بخوبی انتظام کر سکتے ہیں یہ کاوش بغیر اُنکے درہونا دشوار ہے فقیر محمد خان
 اور انتظام الدولہ داروغہ دیوانخانہ وغیرہ نے بھی اسکی تائید کی بادشاہ بیگم نے بھی مشورے کے
 وقت حکیم مہدی علی خان کی قدامت پر نظر کر کے بادشاہ کا مزاج اُنکی طرف راغب کیا یہ
 مشورہ بادشاہ کو پسند آیا اور بدون صلاح صاحب زرڈینٹ کے حکیم مہدی علی خان کی
 طلبی میں شفقہ مظفر علی خان کے داماد بندہ حسن کے ہاتھ سے تلبہ بھری مین فرخ آباد کو حکیم صاحب
 کے پاس بھیجا وہ بھی بے اجازت اور تحریر گورنر جنرل کے ڈاک کی سواری میں لکھنؤ پہنچے
 اول بادشاہ بیگم کی ڈیوٹی پر پہنچ کر نذر دی بعد اسکے بادشاہ کی ملاقات سے سرفرازی
 حاصل کی بادشاہ نے حکیم صاحب کی زرڈینٹ سے ملاقات کر کے کہلایا کہ یہ اس ریاست کے
 انکوار قدیم اور منظم اور دیانت دار ہیں اور امروالی و ملکی میں تعلیم نواب سعادت علی خان سے
 حاصل کی ہے میں اس تدبیر میں ہوں کہ انکو دخل دیکر انکے ہاتھ سے کام لون زرڈینٹ نے
 جواب دیا کہ آپ ملک کے مالک ہیں جو کچھ آپکو مناسب معلوم ہو عمل میں لائیے۔

زرڈینٹ کے مشورے کے بموجب بادشاہ کا حکیم
 مہدی علی خان کو خلعت وزارت دینے میں تامل کرنا

حکیم مہدی علی خان نے ٹیڑھی کوٹھی میں قیام کیا بادشاہ نے اُنکی اتنی قدر و منزلت کی
 کہ حضور لقب دیا۔ جیسا کہ ہت پرشاد کی لمفص تاریخ اودھ میں مذکور ہے لیکن گورنر جنرل کے

عہدہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔

مقتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان کاکھنویں ورود

جب اعتماد الدولہ نے قضا کی اور اقبال الدولہ خانہ نشین ہوئے اور راجہ رام دیال قیدی رہا اور ظفر الدولہ نے جن پر اس خاندان شاہی کی خیر خواہی ختم تھی باوجود عنایت بادشاہ اور منظوری رزیدنٹ کے وزارت سے کنارہ کیا تو اب کوئی شخص کاکھنویں اس منصب کے سنبھالنے کے قابل نہ رہا اور بادشاہ کا مزاج عیش پسند تھا وہ عورتوں کی صحبت میں بہتے تھے یہاں تک کہ محلات سے برآمد ہونا بھی موقوف ہوا اور فرشتوں کی رسائی وہاں تک محال تھی اگر باب نشاط کے مشورے پر انتظام سلطنت تھا فتنی ذکا و اند صاحب تاج ہندستان میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ سلامت محلوں کے پہلے ہوئے تھے وہ سولے زنانی باقون کے مردانی باتین سلطنت کی کیا جانتے سر ہر برٹ ٹڈک نے کہا کہ جب تک کوئی وزیر اپنا لائق مقرر نہ کرے ہم تمھاری بات نہ پوچھیں گے لارڈ ولیم بن ٹنگ نے بھی دھکی دسی تھی کہ ملک کا انتظام کرو نہیں تو سارا ملک سرکار کمپنی خود لے لی اور بندگان خدا کو ظلم سے چھڑے گی جب بادشاہ کی جان کو یہ بُری آنکری ہوئی تو ایک لائق فائق نائب کی تلاش ہوئی حکیم مہدی علی خان کا بھی حال سینے کے جسدن سے وہ لکھنؤ سے گئے تھے لکھنؤ کی وزارت کی تمنا میں ہزاروں روپے بگاڑ رہے تھے دربار شاہی کے آدمیوں کو گانٹھ سے تھے محلات کی گیات سے لاکھوں روپے پیش کرنے کا وعدہ کر رہے تھے اور ہر مہینے بادشاہ کو عرضی بھیجتے اس میں اپنی خیر خواہی کی باتیں لکھتے کہ فدی ملک کا نہایت اچھا انتظام کر لگا ملازمین کی تنخواہ تمام و کمال اپنے پاس سے دیکھا مستمال الدولہ کو قید کر کر ان کا ذوق بھل کر گئے

سابق جو نفس الامر میں غازی الدین حیدر کے محسن تھے انھوں نے شمس الدولہ کی ولی عہدی کے باوجود برا بیٹا ہونے کی وجہ سے غازی الدین حیدر کو مسند نشین کیا اس شخص نے شمس الدولہ کی دوستی میں جان بلی صاحب کے چند قصور لکھ کر غازی الدین حیدر کے ہاتھ سے گورنر جنرل کے پاس بھجوائے اگر مقلد دولہ سا خیر خواہ نہ ہوتا تو غازی الدین حیدر کے ہاتھ سے ریاست نکل جاتی یہ وہی ریاست ہے جس میں حضور عیش و عشرت کر رہے ہیں اس شخص نے شمس الدولہ کے لیے جو کچھ تجویز کیا تھا غازی الدین حیدر کے اقبال اور مقلد دولہ کی خیر خواہی سے وہ بات ظہور میں نہ آسکی علاوہ اس کے یہ شخص گورنر جنرل کی اجازت کے بغیر لکھنؤ میں آیا ہے اس لیے وزیر بنانے میں جلدی نہ کرنی چاہیے کیونکہ سابق میں صدر سے ان کے لکھنؤ میں رہنے کی نعمت آچکی ہے جو دفتر میں موجود ہے گورنر جنرل غنقریب آنے والے ہیں انکی تشریف آوری کے بعد انکی صلاح سے جو کچھ کرنا ہو کیا جائے بادشاہ کا دل ان دشت آمیز باتوں سے متردد ہوا اور خلعت فرات حکیم صاحب کو ملنا گورنر جنرل کے آنے تک ملتوی رہا حکیم صاحب نے جو دیکھا کہ تیر تیر ریڈنٹ نشانے پر بیٹھا تو دوسری فکر میں مشغول ہوئے۔

بادشاہ کا سات خواصون کو ایک کوٹھری میں بند
کرادینا جن کا تشنگی سے تڑپ تڑپ کر مریانا

۱۲۷۹ھ ہجری میں بادشاہ کے مزاج میں عیش و عشرت نہایت بڑھ گیا تھا رات کو شراب خواری کی کثرت ہوتی تھی اور چند خوبصورت خواصین زلیور و پوشاک سے آراستہ ہو کر صحبت میں رہتی تھیں اور راگ کا زور ہوتا تھا ایک دن شب کے وقت سات خواصون نے اتنی شراب پی کہ نہایت مہوش ہو کر بادشاہ کے ساتھ شوخی اور لہو لہائی

ایک مہارے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا خطاب خود بادشاہ نے اپنی ذات کے لیے قبول کیا تھا چونکہ صاحب ریڈنٹ کی رائے کے خلاف یہ امر ظہور میں آیا تھا اس لیے باہم دلوں میں کدورت تھی حکیم صاحب نے بڑی دانتائی سے سلطنت کا انتظام شروع کیا سارے کارخانوں کا انصرام کیا رزلٹ نے کاخ پرچ گھٹایا مالگذاری کو عمدہ انتظام کر کے بڑھایا انصاف کے لیے عدالتیں مقرر کیں پولیس کا انتظام کیا مگر ریڈنٹ کا دل حکیم صاحب سے صاف نہوا البر علی خان سفیر شاہی کی موقوفی کا بھی ریڈنٹ کے دل کو صدمہ پہونچا جو انگریزی متوسل البر علی خان کے دوست تھے انھوں نے ریڈنٹ سے یہ بیان کیا کہ آپ کی دوستی کی وجہ سے البر علی خان کو معزولی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اسکے سوا حکیم مہدی علی خان منکبر آدمی تھے فرخ آباد میں انگریزوں سے برابر ہی کی ملاقات کرتے تھے لکھنؤ میں آکر لگنے والوں کے خلاف ریڈنٹ سے ہم ساری کا دعویٰ کرنے لگے انکے سامنے حقہ پیتے ریڈنٹ ایک مرغ انگریز تھا اسکو یہ بات ناگوار گزری ریڈنٹ کے عمدہ داروں نے ریڈنٹ سے عرض کیا کہ شجاع الدولہ کے عہد سے آج تک کوئی نائب ریڈنٹ سے ایسی سخت سے غلا ریڈنٹ گورنر جنرل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ ابھی سے جب انکا یہ حال ہے تو عمدہ وزارت برجم کرہلو کیا خیال میں لائیگے ریڈنٹ کے دل میں حکیم صاحب کی طرف سے بہت کدورت پیدا ہو گئی اپنے چوبدار کو حکم دیا کہ اگر سارے سامنے حکیم مہدی علی خان حقہ طلب کریں تو تم ممانعت کر دیجو یہ خبر حکیم صاحب کو بھی پہونچ گئی دوبارہ ریڈنٹ کے پاس گئے تو حقہ ساتھ نہ لے گئے مگر دل کو ناگوار بہت ہوا اور دونوں کے دلوں میں ایسی دشمنی پڑی کہ اسکا دور کرنا محال تھا یہاں تک کہ ریڈنٹ اس فکر میں ہوا کہ حکیم صاحب کو لکھنؤ سے بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص سلطنت کا پُرانا بدخواہ ہے اس لیے کہ مشرجان بھی ہندیت

پاس ایک عالی شان نیچے میں ٹھہرایا اس سلطنت کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی بڑا انگریز نہان آتا تو ریڈنٹ کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملتا مگر حکیم صاحب نے اپنے کام کے لیے خفیہ اپنے ساتھ شب میں بھاگ کر مسٹر لوہم کی بادشاہ سے ملاقات کرائی مسٹر مذکور نے بادشاہ کو سمجھادیا اور ایسی باتیں کیں کہ ریڈنٹ کے کہنے سے جو بادشاہ کے دل میں فکر پیدا ہو گئی تھی وہ جاتی رہی اور ۷۔ جادی الآخر ۱۱۳۴ھ ہجری مطابق ۴۔ نومبر ۱۸۳۳ء کو غلط وزارت دیکر منظم الدولہ کے خطاب سے سرفرازی بخشی اگرچہ یہ خطاب ممدی علی خان کا پڑانا تھا لیکن انکے اخراج کے بعد معتد الدولہ نے غازی الدین حیدر سے تاج الدین حسین خان کو دلوا دیا تھا ریڈنٹ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس فکر میں مصروف ہوئے کہ بیس طرح ہو سکے حکیم ممدی علی خان کو میان سے نکلوا دیا جائے اب تاج الدین حسین خان کا حال سنئے کہ ان پر اس درجہ حکیم ممدی علی خان نے زرباتی کا تعاضا کیا کہ آبرو پر کبھی قریب تھا کہ عزت پر پانی بھرے لیکن یہ شخص خوش فکر تھا اور فارغی منظم الدولہ کی موجود تھی اس نے منظم الدولہ سے تحریرات کے ذریعہ سے ملاقات بہم پہنچائی بالمشافہ یہ مضمون لکھا کہ معتد الدولہ کی فارغی سے سرے اوپر باقیات کا نہونا بت ہے بہر حال جان و مل حاضر ہے مگر میری حرمت کا خون کرنا مناسب نہیں اگر میری عزت باقی رکھی جائیگی تو میں وہ تدبیر کروں گا جس سے آپ کے دل سے ریڈنٹ کی طرف سے فکر دور ہو جائیگی ایک نامی انگریز گورنر جنرل کے اسٹاف میں موجود ہے نام اُس کا ملک لائن ہے وہ میرا بچا دوست ہے اسکے ذریعہ سے ایسی کوشش کی جائے گی کہ گورنر جنرل کے دل میں آپ کی طرف سے جگہ ہو جائیگی اور صاحب ریڈنٹ کی طرف سے جو کوشش آپ کے دل کو ہے وہ دور ہو جائیگی یہ بات سن کر منظم الدولہ کی افسردہ دلی کم ہوئی اور تاج الدین حسین خان ہزار دل سے مہربان ہوئے اور مطالبہ زرباتی کی وجہ سے جو سختی آپ پر تھی اس غلب سے نجات ملی

گرنے لگیں اور خزامیر کے ذریعہ سے اتنی باہم زد و کوب کی کہ نفات کے آلات تمام ٹوٹ
 پھوٹ گئے چند خواہین زخمی بھی ہو گئیں جس سے بادشاہ کا عیش منہص ہو گیا بادشاہ نے
 تنبیہ و تادیب کے لیے سب کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا اور قفل لگو کر کچی اپنے پاس
 لیکر سو رہے زوال کے وقت تک کسی نے انکی دادیلا اور فریاد پر توجہ نہ کی موسم کی حرارت اور
 نشہ شراب کی گرمی اور کوٹھری کی تنگی و حبس کی وجہ سے پیاس کی فریاد کرتی تھیں مگر کوئی
 انکے حال پر متوجہ نہ ہوا یہاں تک کہ نہایت بیتابی کے ساتھ ساتون مر گئیں۔ بادشاہ بیدار
 ہوئے اور جب قفل کھلوا یا تو سب مردہ پائی گئیں انکو نہایت سوچ و افسوس ہوا ساتونکی
 لاش کو راجہ درشن سنگھ کے حوالے کیا گیا اُس نے سب کو ایک قبر میں دفن کر دیا ہر چند
 اخفائین کو شش کی گئی مگر خون ناحق کب چھپ سکتا ہے خاص و عام سب کو خیر ہو گئی
 یہاں تک کہ رزیڈنٹ تک یہ واقعہ پہونچا اور اُس نے حکیم مہدی علی خان سے تحقیق کیا
 حکیم صاحب نے کہتی ہی تاویلات کیں مگر عذر بدتر از گناہ سمجھا گیا۔

حکیم مہدی علی خان کا خلعت وزارت پانا

مسٹر لوہم فسمخ آباد کالج تھا اس زمانے میں وہ اپنے عہدے سے علیحدہ ہو کر کلکتہ کو
 جارا تھا حکیم مہدی علی خان نے دل میں خیال کیا کہ شاید اس سے کچھ کام نکل جائے اسلئے
 اسکو تحریر کیا کہ آپ کلکتہ کو جاتے وقت لکھنؤ ہوتے ہوئے جائیے یہاں کی سیر بھی کیجئے
 اور بادشاہ سے بھی مل لیجئے میں نے انکو آپکی ملاقات کا مشاق کر دیا ہے چنانچہ صاحب
 مذکور حکیم صاحب کا طلبیدہ لکھنؤ میں آگیا مہدی علی خان نے اپنے مکان کے دروازے کے

چھٹا جو مختص سے وہ عزیز مصر حلال کی دل میں فرد کی تاریخ غلطی نے جگہ
سروش غیب سے آئی صدائے سال خلاص محاق خدع سے نکلا وہ ماورکنگان کہ
اس تاریخ سے بارہ سو بالیس عدد نکلے ہن اور مفتاح التواریخ میں اسکو اسی سال کے
واقعات میں لکھا ہے حالانکہ ۱۷۷۲ء ہجری میں تو نصیر الدین حیدر مسند نشین بھی ہوئے تھے
۱۷۷۳ء ہجری میں وہ مسند نشین ہوئے اور معتمد الدولہ قید ہوئے۔ معتمد الدولہ کی تمام
جاہلوں کو نزل سلطانہ میں آئی۔ دم واپسین تک لکھنؤ کی ہوس وزارت نہ گئی اور اسی
ارمان میں بہت جلد جان گئی دوشنبہ ۵ ذی الحجہ ۱۷۷۳ء ہجری مطابق ۷ مئی ۱۷۷۳ء
دنیا سے انتقال کیا کابنور میں دفن ہوئے انکی وفات کی تاریخ نامیخ نے یوں کہی ہے۔

دلاؤ اب ضیغم جنگ امروز گذشت از دار فانی ناگمان ہائے
نوشتم سال تاریخ و فاقش دوشنبہ پنجم ذی الحجہ اے ولے

ایضاً از میر فرد

جب معتمد الدولہ پناہ عالم دنیا سے گذر گیا وہ رشک حاکم
تاریخ کی فکر میں ارم کے در پر عنوان نے کہا بیا وزیر اعظم

رزیدنٹ کا الہ آباد جا کر گورنر جنرل سے نائب کی تشکیل کرنا

رزیدنٹ لکھنؤ سے الہ آباد کو گورنر جنرل کی خدمت میں پہنچے اور منظم الدولہ کی طرف سے
یہ شکایتیں کیں گورنر جنرل کے دل کو اس مبالغے سے دشمنی کا شہم پیدا ہوا اسلئے جواب دیا
کہ تم لکھنؤ کو لوٹ جاؤ وہاں پہنچ کر دیکھا جائیگا رزیدنٹ اس تصور میں رہے کہ میری تمام

مگر نظر بندی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ تاریخ اجداد ہیما میں حکیم مہدی علی خان کا اتنا طویل خطاب نقل کیا ہے۔ رکن رکین خلافت و جهان داری اعتضاد سلطنت مدار المہام عمدۃ الامم وزیر الممالک منظم الدولہ ناظم الملک مہدی علی خان بہادر سپہدار جنگ یار و فادار سپہ سالار فدوی خاص سلیمان جاہ بادشاہ غازی انوش امری الی اللہ

مڈک صاحب رزیدنٹ کی وجہ سے معتمد الدولہ کا لکھنؤ سے رہائی پا کر کان پور میں سکونت اختیار کرنا

جب گورنر جنرل کے الہ آباد میں درود کی خبر مشہور ہوئی تو رزیدنٹ وہاں جانے کو تیار ہوئے تاکہ مہدی علی خان کی طرف سے بہت سی شکایات کر کے لکھنؤ سے خارج کرائیں اور انھوں نے اپنی روانگی سے قبل معتمد الدولہ کا لکھنؤ سے باہر چلا جانا بہتر خیال کیا کیونکہ اندیشہ ہوا کہ اگر گورنر جنرل آگئے اور بادشاہ نے اُن سے کہا اور نائب نے لجاجت کی اور گورنر جنرل نے اس معاملے میں تعویذ کی تو پھر معتمد الدولہ کا جھگڑا مشکل ہو جائیگا اور واقع میں ایسا ہی ہوتا اس لیے رزیدنٹ نے اُن سے بیس لاکھ روپے بادشاہ کو دلا کر اس بات پر رضامند کیا کہ وہ تمام نقد و جنس سمیت کان پور چلے جائیں بادشاہ کے راضی ہونے کے بعد سواران افکریزی کی حفاظت میں کانپور کو روانہ کر دیا اور انکی املاک پر خود قبضہ کر لیا۔

اکتوبر ۱۸۳۱ء میں کانپور میں اقامت گزین ہوئے اس واقعہ کی میر فرد نے یہ تاریخ لکھی ہے کہ

جناب معتمد الدولہ یعنی غنیغم جنگ
حسد سے چرخ جفا جو کے مثل یوسف وہ
وے تحافل الہی جو اسکے شامل حال
حشم سے جسکے ہے شرمندہ آج حشمت مر
فریب و مکر زمانے میں پڑ گیا ناگہ
جلی نہ شیر کے آگے خدایت رو بہ

ممدی علی خان کے نصیب میں لکھی تھی۔

سلطنت میں یہ خیر لکھنؤ میں پہنچی کہ گورنر جنرل کانپور میں داخل ہو گئے لکھنؤ سے بادشاہ تمام خدم و حشم کے ساتھ کانپور گئے اور دریائے گنگا کے اس طرف شاہی قصبے پر پاہوئے اور دوسری طرف گورنر جنرل کا لشکر خیمہ زن ہوا گورنر جنرل سے بادشاہ نے ملاقات کر کے اپنے ساتھ برہمی تعظیم و تکریم کے ساتھ لکھنؤ میں لے آئے۔

اُس زمانے میں ابر علی خان سے سفارت ریزی نئی کام نکل جانے کے بعد غلام ساکن فیض آباد کرتا تھا یہ شخص اقبال الدولہ کے عہد میں کچھ دنوں تک انگریزی کام کرتا رہا تھا نہایت چلتا ہوا آدمی تھا۔ ہر روز ریڈنٹ کی طرف سے ایک تازہ ایسی خبر لاکر ممدی علی خان کو سناتا کہ وہ پریشانی میں پڑ جاتے خواب و خوراپر حرام ہو جاتا۔ ایک شخص عیسائی ارمنی تھا گازران کا رہنے والا جو مسلمان ہو گیا تھا اور اب نام اُسکا ممدی قلی خان مقرر ہوا تھا اسکو انگریزی زبان میں بڑی مہارت تھی اور انگریزوں کے ساتھ زیادہ صحبت رکھنے سے بے رعب اور قانون دان بن گیا تھا اُس نے حکیم صاحب سے ایک دن عرض کیا کہ اس زمانے میں مین جناب کو نہایت مشوش پاتا ہوں جب اس کا سب معلوم ہوا تو برے تعجب سے اُس نے عرض کیا کہ آپ جیسا عالیشان تاجر بہ کار مدبر دانا لوگوں کے بیہودہ باتیں بنانے سے اس طرح اپنے آرام کو خاک میں ملائے اپنے دل میں غور فرمانا چاہیئے کہ اگر کوئی خطا عہد یا سہواً سرزد ہو جائے کیا کسی طرح کی خونریزی کا ارتکاب کیا ہو یا سرکار انگریزی کے کسی دشمن سے میل رکھا ہو تو البتہ خوف اور فکر کا مقام ہے جبکہ ان برائیوں سے دامن پاک ہے تو کس بات کا اندیشہ و باک ہے ریڈنٹ کی کیا حقیقت ہے اگر خود گورنر جنرل بھی ہوں تو اُن سے خوف کا مقام نہیں۔ انگریزوں کی یہ عادت ہے

باتین پذیرا ہو جائیں گی۔ پس خوش و خرم لوٹے۔

بادشاہ کا کان پور پہنچ کر لارڈ ولیم بن ٹنگ گورنر جنرل سے
ملنا اور ان کو اپنے ہمراہ لکھنؤ لانا۔ گورنر جنرل کے اسٹاف کے
ایک انگریز کے توسط سے حکیم مہدی علی خان کا سُوح پیدا
ہو کر رزیڈنٹ کی مخالفت کلبے اثر ہو جانا

جب سے رزیڈنٹ گورنر جنرل کے پاس الہ آباد کو گئے تھے۔ حکیم مہدی علی خان کو
اپنے معاملے میں بڑی تشویش تھی انھوں نے یہ خیال کیا کہ گورنر جنرل کے یہاں آنے تک
اگر کوئی اچھا کام مجھ سے ظہور میں آجائے تو بڑی سرخروئی کا موجب ہوا۔ اس لیے انھوں نے
یہ کام کیے (۱) سلطنت کے ملازمین کی تنخواہ تین برس سے چڑھی ہوئی تھی اور اس کی عدم
وصولی کی وجہ سے واویلا کرتے رہتے تھے مہدی علی خان نے بالکل بیباک کر دی (۲)
راجہ درشن سنگھ قوم کو رمی سپاہی وضع جو غازی الدین حیدر کے وقت سے خارج البلد تھا
اس کو غالب جنگ خطاب مرحمت کر کے شہر کی گشت اور نگہداری اس کے متعلق کر دی
حضرات لکھنؤ کی خوزریزی اُس نے مین مشہور تھی اور رعایا کے شہر بند و مسلمان چھوٹے
بڑے شمشیر بکف رہتے تھے غالب جنگ نے ایک دن مین تمام رعایا کے ہتھیار لے لیے
ممکن نہ تھا کہ ایک چھڑی بھی کسی کی کمر میں نظر آتی مسیتا بیگ کو تو ال نے اس معاملے میں
مہمت سے ہاتھ پاؤں مارے تھے لیکن نیکنامی غالب جنگ کے نصیب ہوئی بار بار صدر
حکومت سے اس معاملے میں تاکید آتی تھی مگر کسی نائب سے اس کی درستی نہ ہو سکی یہ نیکنامی

جوان آدمی کے ہاتھ میں کیون ایک ایسا عمدہ کام چلے کیا اس خیال میں مضطرب نہ کبھی
 جمن کی روش پر ٹہلتے کبھی بیٹھ جاتے اور ندیوں سے غصہ نہ ہو کر کلام کرتے اور دروازے
 کی طرف نظر تھی۔ اب مہدی قلی خان کا حال سنئے کہ وہ زرنہ نئی کے دروازے پر پہنچا اور
 ایک چھٹی اس مضمون کی مسٹر پر سن کے پاس بھیجی کہ مہدی قلی خان جو کلکتے میں آپ سے عرصے
 سے ملاقات رکھتا تھا اس شہر میں چند دنوں سے مسافرانہ وارہے آپ کی تشریف آوری کا
 حال سن کر ملاقات کی امید پر آیا ہے اندر سے زبانی جواب آیا کہ ذرا ٹھہرو دو تین دوست جمع ہیں
 انکے رخصت ہونے کے بعد بلاو لگھا۔ باہر بیٹھنے کے عرصے میں ایک دوسری چھٹی منتظم الدولہ
 کی طرف سے مسٹر پر سن کے نام لکھ کر جب میں رکھ لی جس کا مضمون یہ تھا کہ یہاں مندرج آباد
 اور دوسرے اکثر مقاموں میں جلیل القدر انگریزوں سے ملاقات رکھتا ہے اگرچہ اعلیٰ درجہ کے اوصاف
 رکھنے والے بہت سے صاحبان عالی شان سے ملنے کا اتفاق ہوا مگر مہدی قلی خان کی زبانی
 آپ کے لائانی اوصاف کا حال سن کر ملاقات کا اشتیاق لگے اور بہت سے اہم معاملات
 خیر خواہی سرکار کمپنی کے برسوں سے دل میں محفوظ ہیں انکو کسی اعلیٰ درجے کے قابل اور اسطو قدر
 انگریز کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا الحمد للہ کہ عرصہ دراز کی جستجو کے بعد حسبِ خواہ جناب سامی کو
 پایا۔ اب امید ہے شرف ملاقات بخشا جائے گا کہ ان مقدمات کو عرض کیا جائے۔ جب مسٹر پر سن کے
 پاس سے آدمی اٹھ گئے تو تو آئی کہ حیدر قلی خان کون ہے اور کہاں ہے یہ شخص اوپر چڑھ گیا
 اور سلام کیا خیر و عافیت پوچھنے کے بعد کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا اور دریافت کیا کہ کے برس سے
 یہاں ہوا اور کس کے پاس تھے کہ مہدی قلی خان نے بیان کیا کہ اکیس سال کے عرصے سے اس شہر میں
 وارد ہوں اور بادشاہ کے نائب منتظم الدولہ کا منشی ہوں وہ اپنے جس انگریز کو چھٹی لکھتے ہیں تو
 مجھ سے انگریزی میں لکھتے ہیں پھر دریافت کیا کہ تمہارے آقا کیسے آدمی ہیں جواب کیا کہ منتظم الدولہ

کہ ان میں سے کوئی شخص کوئی کام خلاف قانون نہیں کرتا۔ ہندوستان کے انگریز حاکموں کے سر پر دوسرے حاکم لندن میں بیٹھے ہوئے ہیں اگر ہندوستان میں کوئی ظلم و زیادتی ان سے وقوع میں آئے تو جواب طلب ہو مواخذہ کیا جائے نائیب نے کہا کہ تم ابھی کم عمر ہو یہ قوم ہلائے روزگار رہے یہ لوگ اپنی قوم کی جو رعایت کرتے ہیں دوسرے کی اسے مقلید میں نہیں کرتے گو دوسرا حق بجانب ہو لیکن اپنی قوم کے مقلید میں اس کے حق کو نظر انداز کر دیتے ہیں مہدی قلی خان نے کہا کہ آج کا یہ ارشاد بجا ہے مگر بر جگہ نیک بھی ہے اور بد بھی اگر آپ حکم دین تو ان میں سے ایک ایسے شخص کو آپ کی طرف داری پر آمادہ کر دوں جس کے سامنے نڈیٹ ناجیز اور بے حقیقت ہے بلکہ اکثر کاموں میں اس کا علاج رہتا ہے پس یہ انگریز آج کو اندیشہ سے نجات دلائے گا مہدی علی خان نے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے مہدی قلی خان نے کہا کہ مسٹر برسن یہ شخص گورنر جنرل کا مشیر ہے اور مجھ میں اور اس میں کلکتہ سے رابطہ و ملاقات ہے بلکہ میں جب سے یہاں آیا ہوں اُنکے اور میرے درمیان میں کئی بار خطوں کے آنے جانے کا اتفاق ہوا ہے حکم مہدی علی خان نے کہا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر مسٹر برسن میرے حال پر متوجہ نہ ہوئے اور نڈیٹ یہ خبر پہنچ گئی تو وہ اور بھی دشمنی پر آمادہ ہو کر خرابی کار کے درپے ہو جائیں گے اور اس بات کی ہوشش کریں گے کہ نیر انکی وساطت کے کوئی بات گورنر جنرل تک نہ پہنچ سکے مہدی قلی خان نے کہا کہ میں یہ نہ کروں گا کہ فوراً ہی اُن سے آپ کا حال بیان کرنے لگوں بلکہ وہ خود مجھ سے دریافت کریں گے کہ آج کل تم کمان نوکر ہو اور محاش کا کیا طریقہ ہے اسوقت میں آپ کا ذکر کر کے ایک وصف کو دس کے برابر بیان کروں گا اور دس کو ہزار کر کے دکھاؤں گا اور آپ کی ملاقات کا مشاق کرے اُن سے آپ کو ملا دوں گا مہدی علی خان نے اُنکی اس رائے کو پسند کیا اور جانے کی اجازت دی مگر وانگی کے بعد یہ ظلمان دل میں پیدا ہوا کہ میں نے ایک ناجبرہ کاریں برسن کے

خوش وقت ہو کر کہا کہ جناب کا ارشاد زبانی کہنے کے بجائے اگر تحریر کا جواب تحریر سے دیا جائے تو میری بات کو تو قیر حاصل ہو جائے اور میرا اعتبار بڑھ جائے مسٹر پرسن نے جوابی چٹھی لکھی مہدی قلی خان نے بیان اگر دیکھا تو نواب پریشان خاطر بیٹھے ہوئے دروازے کی طرف تک ہے تھے جون ہی اس پر نظر پڑی اور چہرے پر اس کے رونق معلوم ہوئی تو سمجھے کہ جواب با صواب لایا ہے پھر بھی نہایت اشتباہ کے ساتھ خلوت میں لیجا کر حال دریافت کیا اُس نے سب باتیں بیان کیں اور جوابی چٹھی دیدی منتظم الدولہ بے حد خوش ہوئے بالآخر ادنیٰ کپڑے اس کام کے صلے میں عھدا کیے نماز مغرب کے بعد دروازے کا راستہ زینت کے لحاظ سے چھوڑ کر فتح علی خان کے دروازے کی طرف سے ہو کر پرسن صاحب کے پاس گئے بخوبی ملاقات ہوئی۔ زینت کو بھی انکے ملاقی ہونے کی خبر پہنچ گئی غصے سے کانپنے لگے اور فوراً اُس مکان کے دروازے پر پہنچ کر اپنی اطلاع کرائی اور اجازت شامل صحبت ہونے کی جا ہی پرسن صاحب نے منتظم الدولہ سے دریافت کیا کہ زینت صاحب کے یہاں اگر شریک صحبت ہونے میں آپ کی باتوں میں حرج تو نہ پڑے گا انھوں نے جواب دیا کہ میں انکے یہاں آنے کو مانع تو نہیں لیکن میرا مطلب ملوثی ہو جائے گا ایسے اپنی بے تصوری جو انکی تحریر میں کے خلاف ہے بخوبی ادا نہ کر سکیگا اور میرا آنا بیکار ہو جائیگا پرسن صاحب فوراً اٹھے اور گورنر جنرل کے پاس جا کر یہ تمام حال بیان کر کے عرض کیا کہ جو آپ حکم دین قریب کروں انھوں نے فرمایا کہ اگر منتظم الدولہ زینت کی شرکت نہیں چاہتے تو شریک صحبت کرنا مناسب نہیں پرسن صاحب نے واپس لے لیا یہ بات منتظم الدولہ سے بیان کی اور زینت کو کہلا بھیجا کہ اسوقت آپ کا آنا مناسب نہیں ہم منتظم الدولہ کی خاطر داری میں مصروف ہیں دوسرے وقت آنا چاہیئے زینت مجبوراً وہیں سے لوٹ گئے اب منتظم الدولہ نے اپنی تمام سرگذشت اول سے آخر تک بیان کی اور کہا

اسم ہمسایہ بن یقین ہے کہ جناب کو اس ملک کی خبروں سے اُنکا حال معلوم رہتا ہو گا اس شہر میں کوئی دن نگذرتا تھا کہ خوزیری اور خانہ جنگی نہ ہوتی ہو۔ نواب سادات علی خان اور غازی الدین حیدر نے بہت جاہا اور کوشش کی مگر اس خوزیری کے انسداد میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی اور خاطر خواہ انتظام نہوا منتظم الدولہ نے ذرا سے عرصے میں تمام شہر کے ہتھیار لے لیے اُس دن سے خوزیری کا نام مٹ گیا دوسرے برسوں سے عہد غازی الدین حیدر سے صاحبات محل اور نوکروں کی تنخواہیں ختم ہوئی تھیں اور کروڑوں روپے کے قریب سلطنت پر واجب الادا تھا اہل تنخواہ وادلا اور شور و فریاد سے گذر کر یوسے پر آمادہ تھے اعتماد الدولہ اور رام دیال نے اس امر کی تدبیر کی کہ منحصر پاک ہو جائے لیکن کوئی صورت وقوع میں نہ آسکی اس شخص نے حسن تدبیر اور سرکار کے کم خرچ میں یہ سب جھگڑا کھینچا مٹا دیا اور انتظام ملک کا حال تو روشن ہے بیاہکی حاجت نہیں انکے لئے کو پہلا سال ہے لیکن پچھلے زمانوں کی بہ نسبت آمدنی کے صیون نے بڑی ترقی کی ہے عمارتیں بن رہی ہیں اگلے انتظام اور اس پچھلے انتظام میں زمین و آسمانی کا فرق ہو گیا ہے غرض کہ چند باتوں میں مسٹر پرسن کے مزاج کو اپنی طرف متوجہ کر لیا کیونکہ انگریز جوہر شناس ہیں اور قابل آدمیوں کے خریدار ہیں صاحب موصوف منتظم الدولہ کے یہ تمام اوصاف سن کر مسکرائے اور کہا کہ میں بھی اخباروں میں پڑھتا ہوں کہ منتظم الدولہ دانشمند اور تجربہ کار آدمی ہیں۔ ممدی قلی خان نے جب دیکھا کہ میرا فسوں اتر کر گیا تو وہ چٹھی جو منتظم الدولہ کی جانب سے استدعا سے ملاقات کے واسطے لکھ کر لایا تھا پیش کی مسٹر پرسن نے پڑھ کر کہا کہ ذرا تم تھرو میں اندہو کر عبد واپس آتا ہوں اندر گئے اور مختوری دیر کے بعد واپس آکر کہا کہ میں یہ چٹھی گورنر جنرل کو دکھائی تھی فرمایا کہ اگر تم سے ملنے کی خواہش ہے تو مضائقہ نہیں بلا واپس تم اپنے نواب کو جا کر میرا سلام کہو اور کہد کہ رات کو تشریف لا کر ملاقات کریں ممدی قلی خان نے

حاصل کر لیا جائے حکیم مہدی علی خان عرصہ دراز سے یہ تمام باتیں انگریزی میں لکھوا کر اپنے ساتھ رکھتے تھے اسی وقت کاغذ پیش کر دیا مسٹر پرن اُسے گورنر جنرل کے پاس لے گئے اور انہیں دکھایا فرمایا کہ ہمارا اسلام منظم الدولہ کو لکھا جواب دین کہ اگر ضرورت ہو تو ابھی دیکھ کر جواب دیا جائے ورنہ آدھی رات کے وقت ہمارے وقت ہوتی ہے اسی وقت دیکھ کر جواب پہنچا دیا جائے گا منظم الدولہ نے دوسری شق اختیار کی اور خوش و خوش اپنے مکان کو لوٹ آئے اور بادشاہ سے تمام حال عرض کیا صحیح کو مسٹر پرن کی معرفت گورنر جنرل کی طرف سے تحریری جواب پہنچا جسکا مضمون یہ تھا کہ اگر خداوند کی عنایت و پرورش آپکے مال پر مصروف ہے تو بظہان خاطر سے اپنی سرکار کا کام کیے جاؤ۔ رزبڈنٹ کو اس محلے میں کسی طرح کی مداخلت نہوگی۔

غرض کہ منظم الدولہ نے اس نوید روح افزا سے جان نازہ حاصل کی اور وہ خوشی نصیب ہوئی کہ ستر برس کی عمر میں کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ رزبڈنٹ نے جب یہ دیکھا کہ ہماری شمشیر فکر و تدبیر نے جوہر نہ دکھائے تو باوجودیکہ بہت سے کمالات رکھتے تھے مگر طبیعت کی خود پسندی کی وجہ سے لکھنؤ کی رزبڈنٹی جھوڑی ساپاؤ کو گورنر جنرل کے پاس گئے اور نیپال کی رزبڈنٹی پر اپنی تبدیلی کرا لی۔ منظم الدولہ نے رزبڈنٹ کی روانگی کے وقت بائیس لاکھ سترہ ہزار آٹھ سو چونسٹھ روپے خزانہ بادشاہی سے نوٹ مول لینے کے حیلے سے نکلوائے اور چاہا کہ کچھ زر نقد رزبڈنٹ کی تواضع کریں لیکن انھوں نے قبول نہ کیا خدا جانے کہاں کہاں کا پر وازان سلطنت کے صرف میں آئے اہالیان سلطنت کو مدت تک دعویٰ اس زر نقد کا حکیم مہدی علی خان سے رہا اور تحریرات میں گورنر جنرل تک اس کا ذکر آیا۔

کہ میں نے عرصے تک نواب سعادت علی خان کی صحبت اٹھائی ہے بڑے بڑے مالی و ملکی کام سرانجام دیے ہیں اور لاکھوں روپے کا ٹک میرے پاس ہے جس میں پورا پورا انتظام اور رعایا کی خبر گیری رکھتا ہوں اور سرکار کا بالکل مطالبہ وصول کر کے کوٹری کوٹری ادا کرتا ہوں غازی الدین حیدر کے عہد میں بھی معاملہ اسی طرح صاف رہا اور میرا من ہمیشہ سرکاری مجلس سے پاک رہا بعض بنویوں نے غازی الدین حیدر کو میری طرف سے منحرف کر دیا اسلئے میں اُنکے ملک میں اپنی سکونت دشوار سمجھ کر انگریزی عملداری میں چلا گیا۔ پھر نصیر الدین حیدر نے مجھے بلایا لیکن اعتماد الدولہ کی شرارت سے دوبارہ شہر چھوڑنا پڑا۔ اعتماد الدولہ کے انتقال کے بعد اب پھر بادشاہ حال نے مجھے بلا کر نیابت کا عہدہ سپرد کیا ہے ایک ایک بات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ پھر کہا کہ کار نیابت کو شروع کیے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ میں نے اتنے کام عجیب و غریب کیے ہیں ایک تمام رعایاے شہر سے بغیر خونریزی کے ہتھیار چھو لے لیے جو مدت دراز سے خونریزی کے عادی تھے وہ اب ننتہ ہو گئے دوسرے برسوں سے ملازمان سلطنت کی تجواہ چڑھی ہوئی تھی اور کسی صورت سے ادا نہ ہو سکتی تھی تمام و کمال کی صفائی کر دی۔ ان تمام خدمات کے عوض میں صلہ و انعام کا امیدوار تھا لیکن سبب و بے قصور صاحب ریڈنٹ میری خرابی کے درپے ہیں اسلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے چاہتا ہوں کہ اُنکے ماتھے سے مجھے پناہ دیجئے۔ اگر گورنر جنرل کی مرضی ریڈنٹ کی خواہش کے موافق ہے تو بندہ نیابت سے دست بردار رہ کر تاہم در نہ امید ہے کہ ریڈنٹ صاحب کو حکم ہو جائے کہ وہ میرے شریک حال ہو جائیں انکی اطلاع کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا مستر برین نے مہدی علی خان کی حاجت دیکھ کر کہا کہ یہ تمام حال انگریزی میں لکھ کر دینا چاہیے تاکہ گورنر جنرل کو دکھا کر جواب

دوست تھا اور کاسکین میں مح اہل و عیال کے مقیم تھا وہ بھی تاج الدین حسین خان کی وجہ سے
عمدہ سفارت کے کاموں میں دخل ہوا۔ اس کرنیل نے ایک ہندوستانی شریف خاندان
کی عورت جو نو اب مومن خان منصب دار بادشاہان دہلی کے خاندان سے تھی اپنے
اپنے گھر میں ڈال لی تھی کرنیل اپنی جوہر و پتھر کو لیکر لکھنؤ میں چلا آیا یہیں رہنے لگا اور عورت
شاہ اودھ کے محلات میں آنے جلنے لگی اسکی وجہ سے کرنیل کے کام کو بڑی رونق ہوئی۔

منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان کے انتظامات اور انکے مستولین کی ترقی اور بادشاہ کے خاص خاص خواہوں کی بیخ کنی

منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان نے بڑی دانائی سے سلطنت کا انتظام شروع کیا
انگریز جانتے ہیں کہ یہ شریف زادہ شیراز سے آیا تھا ہندوستانی سمجھتے ہیں کہ وہ کشمیر کے رہنے
والے تھے عجب لیاقت خدا اور کھتے تھے آتے ہی سارے کارخانوں کا انتظام کیا زمانے کا
خرچ گھسیا زر مال گذاری کو عمدہ انتظام کر کے بڑھایا انصاف کے لیے عدالتیں مقرر کیں پولیس کا
انتظام کیا اور اپنے بھتیجے احمد علی خان کو ضمیمہ خلیفہ خطاب دلا کر بادشاہ کا مصاحب مقرب
اور سپاہ کا غماز بنایا اور اپنے بڑے بھائی ابو طالب بہادر الدولہ کو نائب وزیر مقرر کیا
اور دوسرے بھائی سید محمد صالح کو عدالت کا داروغہ کیا اور اپنی بہن کے داماد میرٹھ کو
مخدوم علیا کی ڈیوٹی کا داروغہ قرار دیا اور بہن کے دوسرے داماد میر آفتاب کو اور
ڈیوٹیوں کی داروغگی دی اسی طرح دوسرے شہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر پہنچایا

لارڈ بن ٹنگ کا حکیم مہدی علی خان کی لیاقت کو پسند کرنا

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حسب استدعا متمدن الدولہ آغا میر بھی کان پور میں گورنر جنرل ملے تھے گورنر جنرل نے لیاقت نائب معزول و نائب موجود کو میزان عقل میں تول کر اپنے جلسے میں یہ بات کہی کہ جان پہلی کی دانشمندی اور غازی الدین حیدر کی عقل و فراست سے کمال تعجب ہے کہ متمدن الدولہ کو کس علم و عقل پر پڑا الہام سلطنت بنایا خوبی ظاہری اور حسنِ باطنی سے محروم اور کوسوں دور بین فقط اپنی قسمت کے نور سے نائب سہے بادشاہِ حال کی حسنِ فطرت و فراست پر آفرین ہے کہ انھوں نے حکیم مہدی علی خان کو اس کام کے لیے منتخب کیا کہ اُنکے تمام لشکر میں پیرانہ سال و تجربہ کا صاحبِ لیاقت اُنسے بہتر دوسرا نظر نہیں آتا۔

گورنر جنرل نے لکھنؤ میں بادشاہ کو پسند و نصالح کے بعد کاروبار سلطنت کا مختار کیا اور حکیم مہدی علی خان کی وزارت منظور کی اور صاحبِ رزیدنٹ کو بادشاہ سے موافقت کھنے کی تاکید فرمائی اور حکیم مہدی علی خان کی نسبت یہ رائے لکھی کہ وہ ہندوستان کے نہایت لائق آدمیوں میں ہیں مالدار سی اور زمین کے بندوبست کا کام تو وہ ایسا جانتے ہیں کہ کوئی ان پر زبرد بھی اُنسے زیادہ نہیں جانتا۔ سولہ سترہ دن تک گورنر جنرل لکھنؤ میں رہے خوب خوب جلسے ہوئے روشنی ہوئی آفتاب بازی چھوٹی شیر اور ماحی اور گینڈے کی لڑائیاں کرائیں مگر بعد اسکے اسی بادشاہ کے عہد سے گورنر جنرل اور نیز دوسرے بڑے بڑے انگریزوں کے ورود کی تقریب میں انگریزوں نے بڑے کھانے کا طریق اور دستور موقوف ہو گیا تھا۔ غرض کہ گورنر جنرل لکھنؤ سے مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور حکیم مہدی علی خان کو اطمینان حاصل ہوا۔

تاج الدین حسین عہدہ سفارت رزیدنٹ پر مقرر ہوئے کرنل کازر جو تاج الدین حسین خان کا

تا جا کسی نے رضا مندی اور کسی نے مجبوری قبول کیا یہی نقصان دوسرے بڑے تنخواہ داروں کی تنخواہوں میں واقع ہوا غازی الدین حیدر کے عہد سے جو تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں ان میں سے کسی کو نصف کسی کو تہائی کسی کو چوتھائی دیکر باقی دام تو فیہ سرکار کیے اور سپاہ کی تنخواہ تین چار سال سے جو چڑھی ہوئی تھی اسکو بھی کوڑی کوڑی دیکر چہارم سپاہ کی موقوفی کا حکم دیا اور ان تنخواہوں میں فی صدی پانچ روپے خرچ البواب کے کٹے اور اسقدر نیابت کے رسوم بڑھائے اب انتظام عیالات بادشاہی کی طرف منتظم الدولہ نے نظر اٹھائی علاقہ ہرہٹہ برہو جی چھ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی تھی مگر زمانہ کی جاگیر میں محتاج علاقہ بیسواڑہ راجہ دشن سنگھ اور راجہ بنجا ورسنگھ کی مستاجرہ میں آیا اور جمع زیادہ کیلگی تو ملکہ زمانہ کا علاقہ جاگیر سے شامل مستاجرہ کیا گیا اور ملکہ زمانہ سے کہہ دیا کہ بنجا ورسنگھ زر حاصل جاگیر نقد ہو چکے گا ملکہ زمانہ نے اسباب میں بہت خاک اڑائی مگر آبرو نہ بانی پر گنہ سیان گنج مخدوم علیا کی جاگیر سے اور نواب گنج تاج محل کی جاگیر سے ناکثر نقدی مقرر کر دی۔

اس وقت میں کرنیل کارنر اور تاج الدین حسین خان اور ساہو گوبند لال وغیرہ کی جاندی تھی اب تلج الدین حسین خان نے کرنیل کارنر کے ساتھ یہ تازہ سلوک کیا کہ نجات امر خزانچی کی کوٹھی کے نام سے کرنیل مذکور کو فرضی نام کے طریق سلون کا چکر سرکار شاہی سے دلا کر دو ہزار روپے ماہواری اسکے لیے مقرر کر دیے اور چکر مذکور کی نیابت تاج الدین حسین خان کے چھوٹے بھائی نثار علی خان کے نام فرار پائی اور اسکی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار مقرر ہوئی لیکن زر مستاجرہ کی علاقہ کی انصرام کی صورت خزانچی مذکور سے ظہور میں نہ آسکی کرنیل مذکور علاقے سے دست بردار ہو کر کانگچ کو چلا گیا اور وہیں فوت ہوا اور اسکی بی بی بھی ایک چلے کے اندر غم مفارقت شوہر میں تیر و کمان قضا کا نشانہ ہوئی۔ لکھنؤ کی ریڈیٹنٹی پر کرنیل جان لو متقرر ہوئے

اور جس کسی کو اپنی حکومت کا کاشا بانا اُسکی جڑ کھود کر پھینک دی اور بادشاہ کی نظروں سے گروا دیا۔ مثلاً انتظام الدولہ برہنہ کے قصورات خاص کر بلائے تو تعمیر اور مکام نگر کے ثابت کر کے اور بار سے نکلوا دیا۔ اُنکی جگہ وصی علی خان کشمیری کو دیوان خانے کی دادرنگی دلائی بادشاہ کی صاحبزادی کے زلمے میں وصی علی خان مریم مکانی کے بھائی مرزا علی خان کی طرف سے باورچھانے کے داروغہ تھے۔ راجہ دشن سنگھ جو نواب سادات علی خان کا اردلی تھا اور غازی الدین حیدر کے عہد میں معتمد الدولہ نے اُسے نکلوا دیا تھا اور وہ اس وقت میں اگر بادشاہ کا مصاحب ہو گیا تھا اور اتنا اقرب بڑھ گیا تھا کہ ہر وقت حاضر حضور رہتا تھا اُس نے منظم الدولہ کی بہت اطاعت کی اسلئے وزیر نے اسکو ترقی دی اور اُسکی بادشاہ کے سامنے روز تعریف کرتے بعد اسکے منظم الدولہ نے عاٹون سے بقایا وصول کرنا شروع کی راجہ رام دیال نے محاسبے کے وقت لاکھ روپے نقد داخل کیے اور خیراتی زردوز کو طسلیں حسین خان چکڑ دار سلطانپور کی علت ضمانت میں گرفتار کیا جب سخت کلامی سے نوبت آبرو دینی کی آئی تو زہر کھا کر مر گیا اسی طرح بدری داس نے بھی آبرو کی واسطے جان عزیز تلف کی اور سہان علی خان نے مجبور ہو کر قید کی حالت میں اثبات البیت چکر چاس ساٹھ ہزار روپے دیئے اب منظم الدولہ نے تصفیہ تنخواہ کی طرف توجہ کر لیا نواب نصیر الدولہ مرزا محمد علی خان اور نواب عماد الدولہ معین الملک ضرغام جنگ مرزا جعفر علی خان اور نواب نصیر الدولہ مرزا کاظم علی خان اور نواب اقتدار الدولہ مرزا کلب علی خان اور نواب کن الدولہ مرزا حسن خان احوال نواب سادات علی خان اور نواب حسن الدولہ نصیر الدولہ غازی الدین حیدر کی تنخواہیں پندرہ ہزار روپے ماہوار سے دو ہزار تک مقرر تھیں انکو پیام دیا کہ آپ صاحبوں کی تنخواہ زیادہ ہے اسلئے آپکو دستیاب نہیں ہوتی اگر آپ نصف تنخواہ پر رضا مند ہوں تو ماہ اقسیم ہوتی رہے

حکم ہو گا یہی سب بجالاؤ گانا ب اسلطنہ نے انکی مستعدی اور تیاری دیکھ کر بظاہر اختیار
باندھنے کا حکم دیدیا تھا لیکن دل میں یہ بات فقیر محمد خان کی بہت بُری معلوم ہوئی تھی
جو لوگ فقیر محمد خان سے کہہ دیتے رکھتے تھے انھوں نے اُنکے ان کلمات کو بادشاہ کے حضور میں
سر تابی کے ساتھ تاویل کیا اور عرض کیا کہ رسالہ درندہ کو جو کچھ کہتے ہیں وہ انگریزوں کی حمایت کے برسر
کرتے ہیں انگریزوں سے خفیہ سازش رکھتے ہیں اور رات کو اُنکے مکان پر نوکڑ کا اجتماع ہوتا ہے
شہر کے تمام حالات بلکہ جو کچھ دربار شاہی میں گفتگو ہوتی ہے وہ موبو لکھکر انگریزوں
پہنچاتے ہیں بادشاہ نے ناخوش ہو کر حکم دیا کہ فقیر محمد خان سے کہہ دیا جائے کہ آدمیوں کو
اپنے مکان پر جمع کرنے سے باز آئیں ورنہ اسکا نتیجہ بُرا ہو گا حکیم مہدی علی خان نے
فقیر محمد خان کو طلب کر کے بادشاہ کے حکم سے مطلع کیا فقیر محمد خان نا سب کی بات سہل
سمجھے اور مروت کی وجہ سے آدمیوں کا جمع ہونا موقوف کیا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے
یہ شق لکھا کہ فوراً شہر سے فقیر محمد خان کو بلا جانا چاہیے یہ شق فقیر محمد خان کے پاس پہنچا دیا چھپے چھپے
وزیر کا چوہا بار بھی یہ پیغام لیکر گیا کہ من نے کئی بار تم کو اس اجتماع کی قیادت سے مطلع کیا اور سمجھایا
کہ یہ کام بہترین تم نے میرے قول پر عمل نہ کیا اور لغو سمجھا اور اپنی صحبت کو برقرار رکھا اب نوبت
یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کے دستخط خاص سے شق عتاب آمیز تمھارے نام پر جاری ہوا ہے
اب صلاح یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے لیے تعمیل ارشاد کرو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ اگر عدل نے
چاہا تو کچھ دنوں کے بعد حضور کی خاطر مبارک کو بطور خود تمھاری طرف سے صاف کر کے تلو واپس
بلاؤ گا باقی تمام کام تمھارے بدستور مقرر رہیں گے کسی قسم کا وغوغہ دل میں نہ لانا چاہیے
اگر حکم کی اطاعت میں انحراف کرو گے تو اس میں کئی طرح کی قیادت پیش آئے گی۔ فقیر محمد خان نے
شہر سے چلے جانے کے سوا چارہ نہ دیکھا اپنے معاملات کی گفتگو کے لیے میٹرھو خان کو دربار میں

اور سامان استقبال انکے واسطے شاہ اودھ کے میمان سے کاپلی تک پہنچا جب نئے زبڈٹٹ
گھنٹو میں آئے تو تاج الدین حسین خان کا بازار ایسا گرم ہوا کہ حکیم ہمدی علی خان کے جملہ اقربا
کی گرامری سر ہو گئی۔ اس زمانے میں چٹلہ مسوارہ محمد علی خان داماد حکیم ہمدی علی خان سے
مستقل تھا اور نثار علی خان اسکے نائب تھے مگر انکی نیابت مستقر چکی کہ محمد علی خان کی مداخلت
بالکل جاتی رہی۔

ہمارا جہ میوہ رام نے ہندو مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام میں قدم رکھا تھا دو تین لاکھ روپیہ
سالانہ عشرہ محرم اور ایام وفات ائمہ اطہار وغیرہ میں خرچ کرتے تھے اور دیوانی کا کام کرتے
تھے انکا در ماہر سات ہزار روپیہ ماہوار تھا یہ تنخواہ حکیم صاحب کی نظروں میں خارجی ٹھیکتی
تھی اسکے کھونے کے لیے حکیم صاحب نے ایک دن میوہ رام کے ساتھ سخت زبانی کی جس سے وہ
مستغنی ہو کر خانہ نشین ہوئے اور ان کے چچا راجہ بالکرشن جو اصل باقی نویس تھے انکی جگہ
کام کرنے لگے۔

اسی طرح فقیر محمد خان شہر سے ٹکڑ مرائی گنج اپنے وطن کو چلے گئے وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ
ساہی اور صاف گو آدمی تھے کبھی درجی معاملے میں کلہ خیر کے کفن سے نہیں دیتے تھے بات چیت میں
بادشاہ اور وزیر کا رعب نہیں مانتے تھے اور اداسے مطلب سے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اگر وزیر کے
در بار میں کسی پر جو بدظلم ہوتا دیکھتے تو اسکی حمایت پر کھڑے ہو کر جانب حق کی طرف داری کرتے
جس سے بادشاہ اور وزیر دونوں آزرہ ہوتے اسکے علاوہ سرکاری حکم سے تمام سرداران
فوج نے اپنے اپنے ہتھیار کھول ڈالے تھے مگر فقیر محمد خان نے جوابدہ یا کہ میں اہل جنگ کے زمرے
میں ملازم ہوں اگر ہتھیار کھول دینا تو کیا طلبہ اور سارنگی لیکر دربار میں حاضر ہوا کر دنگا اگر سرکار کو
سپاہ کی کساد بازاری منظور ہے تو میں اپنے مکان پر رہوں گا دربار میں حاضر ہونا مجھ کو چاہیے

اور بہت کم عاملوں سے رجوع کی تھی وہ دن رات عاملوں کی طرح حاضر رہتا تھا اور اکثر اہل شہر نے حکیم مہدی علی خان کی بدولت بڑے بڑے عہدے پائے روشن الدولہ کہ بہت دنوں سے بیکار تھے پانسو روپے ماہوار انکے مقرر کیے گئے اور مرزا حاجی نے بھر شہر میں اگر طرح اقامت ڈالی تو بین سو روپے ماہوار انکے واسطے مقرر ہوئے۔

آغا مرزا اور راجہ درشن سنگھ کورمی کا زور و شور

(۱) آغا مرزا نصیر الدین حیدر کا کوکا ایسا خود سر اور شراب نخوت میں چور تھا کہ تمام اراکین سلطنت اُسکی نظروں میں ہیچ تھے کو تو ال تک کو یہ قدرت نہ تھی کہ اُسکے نوکروں پر ہاتھ ڈالے اور نہ کسی عدالت کی یہ مجال تھی گو اس نے اس زمانے میں ظلم سے ہاتھ روک لیا تھا لیکن شرارت سے باز نہیں آتا تھا۔ ایک دن نصیر الدین حیدر کی سواری درگاہ حضرت عباس کی طرف جاتی تھی غلام مرتضیٰ عجلت کے ساتھ مکان سے نکل کر دوڑنے پر نہ آسکا برآمد سے سے آداب و مجرے کی رسم ادا کی چونکہ یہ صورت شان عظمت شاہی کے خلاف تھی اس لیے آغا مرزا کے حکم سے مکان کا وہ چھجہ اوپر آمدہ منہدم ہو کر خاک میں ملا دیا گیا۔

(۲) راجہ درشن سنگھ غالب جنگ قوم کا کورمی تھا نواب سعادت علی خان کی اردلی میں رہتا تھا حکیم مہدی علی خان کی وزارت کے زمانے میں اُسکا وہ رنگ جھکا کہ بادشاہ کے مزاج میں بخوبی جگہ پائی ڈیوڑھیوں کا انتظام اور چوکی پرہ خاص کی نگرانی اس سے متعلق تھی خائن اور دزدی پیشہ آدمیوں کا بندوبست بھی اُسکے سپرد تھا بہت سے زمینداروں سے گنجائشی علاقے متاجری میں اپنے مقلین کو دلا دیے عالیشان ناظموں کی یہ قدرت نہ تھی کہ اس کے دیہات متعلقین دست اندازی کرتے اور اہل دفتر کو مقدر نہ تھا کہ سرکاری جمع

وکیل کے رات کے وقت مزار گنج کو چسے گئے اس کے بعد نائب نے چند دنوں میں اُنکے رسالے کو دفعہ دفعہ متفرق کئے دوسروں کی ماتحتی میں دیدیا بلکہ اُنکی جائیداد میں بھی خرابی ڈالی اس کے بعد ایک دوسری بات بھی فقیر محمد خان کی خرابی میں موثر تھی اور وہ یہ کہ حکیم مہدی علی خان کے سامنے فقیر محمد خان نے تاج الدین حسین خان کو کلمات سخت کئے تھے۔ یہ بات حکیم صاحب کے دل میں بڑی معلوم ہوئی تھی۔ اس کا کینہ بھی دل میں جا کر رہا تھا اس زمانے میں حکیم صاحب کو تاج الدین حسین خان سے ایکنہ درپیش تھی کہ تمام زرِ ٹیڈی کا اہتمام انکو دیدیا تھا فقیر محمد خان فوج میں وجیہ اور رعب دار آدمی تھے اُنکی سخت کلامی نائب کے دل پر ناگوار تھی لیکن تاج الدین حسین خان کی شکایت اُنکے اُتران میں سبب قوی تھی۔

گو متی کے بار جو چھاؤنی دھتے خان میوانی کی تھی وہ ان ایک بار عشرہ محرم میں تبریزی وجہ سے اہل شہر کے ساتھ وہنگہ اور فساد پیدا ہوا کہ طرفین میں بندوق اور تلوار چلی چند آدمی مارے گئے جبکہ کچھ کمال شہر سے انسداد فساد نہوسکا تو مظفر علی خان ہندو ملکوں کی بلین اور توپخانہ لیکر اُس محاصرے میں پہنچے اور میوانی کو اس قدر پسا کیا کہ تمام مال و اسباب اُنکے کھروڑ کا ماتھی گھوڑوں سے لٹ گیا۔ ان دنوں اسی طرح کی خانہ جنگیوں نے بڑا حشر برپا کر رکھا تھا۔ ستمی مزار سالار جنگ کے پوتے ایک خانہ جنگی میں مارے گئے۔ اور توپخانے کے گولہ اندازوں نے بھی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بلوایا۔ کپتان بیگنس نے اس بلوے کو فرو کیا اور سات سو آدمی برطرفی میں آئے اور دس پندرہ ہزار آدمی جو معتادہ طرے نوکر رکھے تھے وہ بھی برطرف ہوئے۔

منظم الدولہ نے ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ چھوٹے بڑے راجہ اور تعلقدار اس قلمرو کے جوہر شہر عاملوں سے پرخاش کرتے تھے وہ اس زمانے میں فرمانبردار ہو کر در دولت پر حاضر رہتے تھے چنانچہ بخت سنگھ زمیندار ضلاع خیر آباد کہ بڑا سرکش اور تیرد تھا اور بہت کچھ ثروت و دولت رکھتا تھا

جب اسکی خبر من خان کو پہونچتی تو وہ بھی بادشاہ کی مصاحبت کے عرصے میں اکثر نائب کو
 علانیہ بُرا کہتا ایک دن من خان نے حکیم مہدی علی خان کی ناکردہ کاری کی نسبت ایک
 بات بادشاہ کے سامنے کہی جو بادشاہ نے بھی سُن لی اور ناراض ہوئے۔ منتظم الدولہ نے
 موقع پا کر بظاہر دلسوزی اور فی الحقیقت آتش افروزی کے لئے کہا کہ اگر اسی طرح ارادل کی
 زبانوں سے کلمات نکلا کریں گے تو بادشاہی عظمت اور سلطانی مہابت میں فتنہ اور آجائے گا
 اور سلطنت میں رخنہ عظیم پڑے گا اور عجب نہیں کہ اس سے سلطنت کے کاموں میں خرابی
 پڑ جائے بادشاہ کا مزاج بھی دونوں کی اس قسم کی باتوں سے مکدر ہو گیا تھا حکم دیا کہ انکو قید
 کر دو نائب نے فوراً راہہ دشمن سنگھ کے احاطے میں جو سخت قید خانہ تھا قید کر دیا اور گلے میں
 بھاری بھاری طوق ڈلوادیے اور رات کو لمبی زنجیر میں دوسرے مجرموں کے ساتھ شامل
 کر دیے جاتے۔ اور پھر ایک دن بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ جناب زبان اس کلمہ بے ادبانی
 کی وجہ سے سزا کو نہ پہونچے گی خلق کو عبرت حاصل نہوگی بادشاہ نے فرمایا کہ آپ جو کچھ مناسب
 سمجھیں حکم دین پس من خان کی زبان منہ سے باہر نکلوا کر لوہے کا بھاری زنجیر لٹکوا دیا گیا
 کسی رات دن اسی طرح زنجیر لٹکتا رہا یہاں تک کہ صدمے سے مر گیا جب زنجیر چھڑایا گیا تو زنجیر
 منہ میں نہ جاسکی چند پہر کے بعد جراثیم کی تدبیر سے منہ میں گئی یہاں تک واقعات ۱۱۷۷ھ
 ہجری کے تھے۔

بادشاہ کا زرنٹھ کے سامنے اپنی زبان سے فریاد

اور کیوان جاہ کی نسبت اپنا لطفہ ہونے سے انکار کرنا

سنگھ بھری میں جین جلوس سالِ خیم موقوف رہا لیکن نائب کی تجویز سے بعض لوگوں کو

طلب کرتے تو یا وہ تمام دیہات زر خیز اسکی جاگیر میں تھے جو کچھ دل میں آیا دست برداشتہ دیدیا روشن الدولہ نے اپنی وزارت کے زلمے میں اسے ماتھے سے ایک دم آرام نہیں پایا تشریف غضب سلطانی مشہور تھا۔ یہ اس کا حلیہ تھا۔ سیہ فام۔ بلند قامت۔ زشت صورت غیر موطن۔ بے مروت۔ لیکن باوجود اسکے اپنے کارمرو جمعہ میں عدالت اور انتظام جاری رکھنے میں اوروں سے بہتر تھا۔ خدمات شاہی میں اتنی جفاکشی کرتا تھا کہ رات بھر میں دو چار گھڑی سے زیادہ نہ سوتا تھا ہر وقت کمر بندھی رہتی تھی اتنی ہمت نہ تھی کہ ایک گھڑی کم کھولتا سالما سال سی بیدار مغزی اور جفاکشی میں گزرے کہ اس رتبہ امارت کو پہونچا اس سے بہتر لطف حکمرانی دوسرے کو نصیب نہوا اسی بادشاہ نے اسکو سلطنت بہادر کا خطاب دیا تھا۔

حکیم مہدی علی خان کارعب و داب اور انکی وجہ سے ایک شخص کی زبان کو زنبور سے کچھو کر مروادیا جانا

منتظم الدولہ ارسطو سے وقت تھے بادشاہ کی حرکات پر پردے میں کف افسوس ملتے اور نظاہر میں ایسا نقش حکومت جلایا کہ انتظام انکا روز بروز رونق پرتھا اور کسی کے نام کے ساتھ لفظ نواب و راجہ و راسے وغیرہ زبان پر نہیں لاتے تھے فقط خالی نام لیتے تھے اور مسئولان شاہی و انگریزی کو وقت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے نہایت نخوت پیدا کی تھی۔

من خان اور محمد بخش منتظم الدولہ کارعب نہیں مانتے تھے اسلئے منتظم الدولہ اُن پر اُتارے اور کنائے میں الزلم اور عیب لگاتے رہتے تھے بلکہ اکثر کاغذات اعبد کے ذریعے سے اُنکے مظالم جو زندیوں اور خاگیوں پر انکے ہاتھوں سے ہوتے تھے بادشاہ کے گوش گزار کرتے تھے

۲۶۔ ماہ گزر گئے اور فریدون بخت عرصہ وجود میں نہ آیا اور اس مدت میں جناب فیضی نے کبھی فریدون بخت کی مائمی صورت نہ دیکھی۔

(۲) کیوان جاہ کے معاملے میں منتظم الدولہ نے ظاہر کیا کہ جناب بادشاہ کو اسکو دلی عہد مقرر کرنے سے بہت شرم آتی ہے اور اب بیگم صاحبہ بادشاہ سے بسبب اس کے کہ مناجان کو اپنے ہمراہ ضیافت میں کہ سرکار عالی میں ۱۲ جنوری ۱۸۳۲ء مطابق ۷ شعبان ۱۲۵۷ھ ہجری کو واقع ہوئی تھی نہ لے گئے بہت رنج رکھتی ہیں بلکہ اُن کا خیال ہے کہ یہ نہ بیجانا بسبب میرے ہوا ہے اس لیے مجھے بہت ناراض ہیں اور جب بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر خاص میرے حکم سے ہوا ہے تو انکو یقین نہ آیا اور بیگم موصوف نے تمام شہر میں مشہور کر دیا کہ منتظم الدولہ دو گھڑی سے زیادہ زندہ نہ رہے گا اور منتظم الدولہ کو خبر بھی کہ لکھنؤ آنے کو تیار ہیں چنانچہ اس خبر کو بیجانے والا دیلے گیا کہ گرفتار ہوا اور ایک قید ہے اور اس بات کا اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے اب بادشاہ کو منظور ہے کہ بیگم صاحبہ لکھنؤ سے صلی جائیں اور دوسری جگہ سکونت اختیار کر لیں بلکہ منظور ہے کہ فیض آباد میں جا کر رہیں رزیڈنٹ نے یہ تمام بیان ۳۰ فروری مطابق ۷ رمضان سنہ مذکور کو گورنر جنرل کو لکھ بھیجا گورنر جنرل نے اس امر کی مزید تحقیق کے لیے رزیڈنٹ کو حکم دیا کہ تم بادشاہ سے مل کر اُن سے زبانی اسکی تصدیق کرو چنانچہ ۹ فروری مطابق ۷ رمضان سنہ مذکور کو بعد تناول حاضری کے بادشاہ اور رزیڈنٹ اور منتظم الدولہ خلوت میں گئے اور پتھوڑی سی گفتگو کے بعد بادشاہ نے نہایت حجاب کے ساتھ فرمایا کہ میں دن کے عرصے میں رمضان ختم ہو جائیگا اور معمول ہے کہ فریدون بخت اور کیوان جاہ شان و شوکت کے ساتھ عید گاہ کو جاتے ہیں اب یہ رسم موقوف کی گئی رزیڈنٹ نے کہا کہ حکومت سے کیا سروکار ہے حضور کو اختیار ہے

چند خلعت ملے و قلعہ دہلی میں مذکور ہے کہ مناجان کے بادشاہ کا لفظ ہونے نہ ہونے کے مقدمے نے ابتدا سے تحقیقات سرسہر برت مڈک سے عہدہ ریڈنٹی کرنل جان لو تک انقطاع قبول کیا۔ منتظم الدولہ نے ۲۔ فروری ۱۸۳۲ء ۱۹۔ شبان ۱۲۸۲ھ ہجری کو تاج الدین حسین خان کے سامنے کرنل جان لو سے کہا کہ سابق میں جو کچھ میں نے کیوان جاہ اور مناجان کے باب میں کہا تھا وہ بادشاہ کی جانب سے نہ تھا اب بادشاہ کی طرف سے خاص کر اُنکے حکم سے کہتا ہوں کہ بادشاہ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی ہے کہ تمام ملک میں شائع کریں کہ کیوان جاہ اور فریدون بخت اُنکے لطف سے نہیں ہیں اور یہ بھی غزم مصمم رکھتے ہیں کہ ان دونوں کو اپنے محل سے نکال دین اور اُنکے رہنے کو دوسری جگہ مکان مناسب مرحمت کر دین ریڈنٹ نے کہا کہ سابقاً تو آپ بھی اس باب میں اپنا اشتباہ ظاہر کرتے تھے اور اب ایسا کہتے ہیں منتظم الدولہ نے جواب دیا کہ اُسوقت بھی محل اشتباہ نہ تھا لیکن جو کہ حضور کی جانب سے اُسکے گزارش کر کے لیے میں مامور نہ تھا اس لیے بطریق اشتباہ میں نے بیان کیا تھا۔ حال یہ ہے کہ اکبر و زخواب نصیر الدین حیدر اپنی ولیعهدی کے ایام میں محل میں گئے تو دیکھا کہ میر فضل علی فریدون بخت کی والدہ کے ساتھ حرکات نامناسب کر رہا ہے جناب موصوف نے طیش میں آکر چاہا کہ دونوں کو قتل کر ڈالیں کہ میر فضل علی خوف کے مارے وہاں سے بھاگ گیا اور بادشاہ یگم نے اُنکے قتل کے ارادے سے روک دیا۔ آخر کار جناب موصوف برہم ہو کر محل سے اُٹھ کر معتاد الدولہ کے مکان میں چلے گئے اور تین دن وہاں رہے مگر بادشاہ کے حکم سے پھر محل میں چلے آئے بعد اسکے پھر محل چھوڑ کر چند روز حسن باغ میں مقیم رہے یگم صاحبہ نے ان دونوں بہت کوشش کی کہ نصیر الدین حیدر فریدون بخت کی مان کے ساتھ موافقت کر لیں اور اُسکو مدت تک حائلہ ظاہر کیا میاں تاک کہ فضل علی کی حرکات نامناسب کو

اپنے اختیار میں نہ تھے اس لیے بعض آدمیوں کی تحویف و ترغیب میں اگر دیا ظاہر کیا تھا
 رزیدنٹ نے بادشاہ کی بہت کچھ تسلی و تسفی کر کے فرمایا کہ اکثر آدمی ابتدا سے جوانی میں راست راہ پر
 نہیں چل سکتے ہیں لیکن اب حضور فیض الہی جوان اور بالغ ہو گئے ہیں مناسب ہے کہ حرکات
 بیہودگی اور ہرزہ درانی کو چھوڑ کر راستی و درستی کے ساتھ انتظام کار و بار ریاست میں مصروف
 ہو جائیں ورنہ تمام ریاست کا کام برہم ہو جائیگا اور بادشاہ نے ایک خط بھی جس میں لاؤڈکا
 بیان تھا رزیدنٹ کے پاس بھیجا چنانچہ رزیدنٹ نے بادشاہ کی استدعا کے مطابق تمام کیفیت
 گورنر جنرل کو لکھ بھیجی اور وقت مراجعت کے سپاہیان انگریزی متعینہ سبلی گارڈ کو حکم دیا
 کہ آئندہ سے مناجان کو سلامی ندیا کریں۔ گورنر جنرل نے جواب دیا کہ اس مضمون کو خلق میں شہر
 کر دینا چاہیے چنانچہ قلمرو اودھ میں اس مضمون کے اشتہار جا بجا چسپان ہوئے اسوقت سے
 ولی عہدی اور شاہزادگی کا لفظ اسکے نام سے محکوک ہوا لیکن بادشاہ عظیم نے محبت کی وجہ سے
 اس مضمون کے سد باب میں اکثر نکتہ چینیاں کیں اور مناجان کو اپنے پاس سے جدا کیا۔

اشتہار درباب نسب فریدون بخت عرف مناجان

اشتہار کی عبارت یہ ہے۔

چون جناب والدہ صاحبہ آن طفل معروف بہ مناجان را کہ موصوم بہ محمد ممدی و لقب
 بہ فریدون بخت کردہ اند از قرب زمان تولد پروردہ و از یطین یکا سامی مشہور نمودہ اور
 منسوب بفرزندى مابولت ساخته بودند بار ہا گفتہ شد کہ این معنی خلاف ناموس نام و رنگ
 این دودمان نفع نشان موجب تباہت عظیم است و جناب علیین آب اعلیٰ حضرت
 خلد مکان طاب ثراہ و جل بختہ مشواہ نیز بعد تحقیقات و تفتیش تمام و دریافت حال واقعی

مگر اس ارادے کا سبب بیان فرمایا اجلے بیان کرنے کے لیے بادشاہ نے منظم الدولہ کے بیٹے
اشارہ کیا رزیدنٹ نے کہا کہ یہ اور گورنر جنرل بدل حضور کے دوست ہیں جو کچھ ہو خود اپنی
زبان مبارک سے حضور ارشاد فرمائیں اور منظم الدولہ نے بھی یہی اصرار کیا اسوقت صاف
الفاظ میں بادشاہ نے کہا کہ ہم آپ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں درحقیقت قصہ یہ ہے کہ فریدون بخت
اور کیوان جاہ دونوں میں سے کوئی بھی میرا بیٹا نہیں ہے اور میں آپ سے یہ حال اس لیے
بیان کرتا ہوں کہ آپ گورنر جنرل کو لکھ بھیجیں اور یہ جو شہر میں مشہور ہے کہ دونوں میرے بیٹے
ہیں یہ افواہ محض غلط ہے اور اس شہرت کا سبب رشوت اور عالی ہمتی ہے ملکہ زمانہ ایک
لاکھ روپیہ میرے خاص خاص آدمیوں کو دیتی تھی کہ بادشاہ کو کیوان جاہ کی فرزندگی کے لیے
ترغیب دیں اسی طرح میر فضل علی اور سکھ پین فریدون بخت کے لیے ایسے کام کرتے تھے
میں خوب جانتا ہوں اور والد ماجد بھی جانتے تھے کہ فریدون بخت میرا بیٹا نہیں ہے اور جو کچھ
حال فریدون بخت کی مان اور میر فضل علی کی بغلی کا اور بعد اسکے ۲۴ ماہ کے بعد فریدون بخت کا
پیدا ہونا منظم الدولہ نے بیان کیا تھا بادشاہ نے زبان سے اسکی تصدیق کی اور کہا کہ فریدون
کی ولادت ہمارے بلوغ سے بھی قبل کی ہے اور کیوان جاہ ملکہ زمانہ کے ساتھ آیا تھا پھر فرمایا کہ
سابق میں جلسہ راز و دعا باز ہوا اپنے قابو میں کر کے اپنے نفع کے لیے ہکو فرزندگی کے اقبال کے
واسطے تحریف کرتے تھے ایسے مجبوراً قبول کر لیا تھا لیکن اب وقت بہت اچھا ہے اور نائب
سلطنت ہمارے فائدے اور خیر خواہی کے لیے بدل مستعد ہے اور راستی و درستی کے سوا کوئی امر
نہیں ہے انعرض بادشاہ نے دعا بازوں کے ساتھ جل میں شریک ہونے سے بہت شرم و ندامت
ظاہر کی اور فرمایا کہ اب ہم سے دل میں عہد کر لیا ہے کہ سولے راہ راست کے نہیں جائیں گے
اور صاحب رزیدنٹ کی بہت سی خوشامد کر کے استدعا کی کہ گورنر جنرل کو لکھ بھیجیں کہ سابق میں بادشاہ اور

۲۶۔ ماہ گزر گئے اور فریدون بخت عرصہ وجود میں نہ آیا اور اس مدت میں جناب فیضی نے کبھی فریدون بخت کی مائنی صورت نہ دیکھی۔

(۲) کیوان جاہ کے معاملے میں منتظم الدولہ نے ظاہر کیا کہ جناب بادشاہ کو اسکو دلی عہد مقرر کرنے سے بہت شرم آتی ہے اور اب بیگم صاحبہ بادشاہ سے بسبب اس کے کہ مناجان کو اپنے ہمراہ ضیافت میں کہ سرکار عالی میں ۱۲ جنوری ۱۸۳۲ء مطابق ۷ شعبان ۱۲۵۰ھ ہجری کو واقع ہوئی تھی نہ لے گئے بہت رنج رکھتی ہیں بلکہ اُن کا خیال ہے کہ یہ نہ بچانا بسبب میرے ہوا ہے اس لیے مجھے بہت اراض ہیں اور جب بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر خاص میرے حکم سے ہوا ہے تو انکو یقین نہ آیا اور بیگم موصوف نے تمام شہر میں مشہور کر دیا کہ منتظم الدولہ دو گھڑی سے زیادہ زندہ نہ رہے گا اور معتدل الدولہ کو خبر بھی کہ لکھنؤ آئے کو تیار رہیں چنانچہ اس خبر کو بچانے والا دریغ لگایا گرفتار ہوا اور ایک قید ہے اور اس بات کا اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے اب بادشاہ کو منظور کیا کہ بیگم صاحبہ لکھنؤ سے علی جاہین اور دوسری جگہ سکونت اختیار کر لیں بلکہ منظور ہے کہ فیض آباد میں جا کر رہیں رزیدنٹ نے یہ تمام بیان ۳۔ فروری مطابق ۷ رمضان سنہ مذکور کو گورنر جنرل کو لکھ بھیجا گورنر جنرل نے اس امر کی مزید تحقیق کی یہ رزیدنٹ کو حکم دیا کہ تم بادشاہ سے مل کر اُن سے زبانی اسکی تصدیق کرو چنانچہ ۹۔ فروری مطابق ۷ رمضان سنہ مذکور کو بعد تناول حاضری کے بادشاہ اور رزیدنٹ اور منتظم الدولہ خلوت میں گئے اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد بادشاہ نے نہایت حجاب کے ساتھ فرمایا کہ میں دن کے عرصے میں رمضان ختم ہو جائیگا اور معمول ہے کہ فریدون بخت اور کیوان جاہ شان و شوکت کے ساتھ عید گاہ کو جاتے ہیں اب یہ رسم موقوف کی گئی رزیدنٹ نے کہا کہ ہکو اس سے کیا سروکار ہے حضور کو اختیار ہے

چند خلعت ملے و قلعہ دلپذیر میں مذکور ہے کہ مناجان کے بادشاہ کا لفظ ہونے نہ ہونے کے مقدمے نے ابتدا سے تحقیقات سربراہ برٹ ڈک سے عہدہ ریڈنی کر نیل جان کو تک انقطاع قبول کیا۔ منظم الدولہ نے ۲۔ فروری ۱۸۳۲ء ۲۹۔ شعبان ۱۲۵۰ھ ہجری کو تاج الدین حسین خان کے سامنے کر نیل جان کو سے کہا کہ سابق میں جو کچھ میں نے کیوان جاہ اور مناجان کے باب میں کہا تھا وہ بادشاہ کی جانب سے نہ تھا اب بادشاہ کی طرف سے خاص کر اُنکے حکم سے کتا ہوں کہ بادشاہ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی ہے کہ تمام ملک میں شائع کریں کہ کیوان جاہ اور فریدون بخت اُنکے لفظ سے نہیں ہیں اور یہ بھی غم مصمم رکھتے ہیں کہ ان دونوں کو اپنے محل سے نکلوا دیں اور اُنکے رہنے کو دوسری جگہ مکان مناسب مرحمت کر دیں ریڈنٹ نے کہا کہ سابقاً تو آپ بھی اس باب میں اپنا اشتباہ ظاہر کرتے تھے اور اب ایسا کہتے ہیں منظم الدولہ نے جواب دیا کہ اسوقت بھی محل اشتباہ نہ تھا لیکن جو کہ حضور کی جانب سے اُنکے گزارش کر کے کیے میں مامور نہ تھا اس لیے بطریق اشتباہ کے میں نے بیان کیا تھا۔ حال یہ ہے کہ اگر فرخ جاب نصیر الدین حیدر اپنی ولیعهدی کے ایام میں محل میں گئے تو دیکھا کہ میر فضل علی فریدون بخت کی والدہ کے ساتھ حرکات نامناسب کر رہا ہے جناب موصوف نے طیش میں آ کر چاہا کہ دونوں کو قتل کر ڈالیں کہ میر فضل علی خوف کے ماتے وہاں سے بھاگ گیا اور بادشاہ بیگم نے اُنکے قتل کے ارادے سے روک دیا۔ آخر کار جناب موصوف برہم ہو کر محل سے اٹھ کر معتدل الدولہ کے مکان میں چلے گئے اور تین دن وہاں رہے مگر بادشاہ کے حکم سے پھر محل میں چلے آئے بعد اسے پھر محل چھوڑ کر چند روز حسن باغ میں مقیم رہے بیگم صاحبہ نے ان دونوں بہت کوشش کی کہ نصیر الدین حیدر فریدون بخت کی ماں کے ساتھ موافقت کر لیں اور اسکو مدت تک حائلہ ظاہر کیا یہاں تک کہ فضل علی کی حرکات نامناسب کو

جب اسکی خبر من خان کو پہونچتی تو وہ بھی بادشاہ کی مصاحبت کے عرصے میں اکثر نائب کو
 علانیہ براکتا لیکن من خان نے حکیم مہدی علی خان کی ناکردہ کاری کی نسبت ایک
 بات بادشاہ کے سامنے کہی جو بادشاہ نے بھی سن لی اور ناراض ہوئے۔ منتظم الدولہ نے
 موقع پا کر بظاہر دلسوزی اور فی الحقیقت آتش افروزی کے لئے کہا کہ اگر اسی طرح ارادل کی
 زبانوں سے کلمات نکلا کر نیگے تو بادشاہی عظمت اور سلطانی مہابت میں فتور آجائے گا
 اور سلطنت میں رخنہ عظیم پڑے گا اور عجب نہیں کہ اس سے سلطنت کے کاموں میں خرابی
 پڑ جائے بادشاہ کا مزاج بھی دونوں کی اس قسم کی باتوں سے مکدر ہو گیا تھا حکم دیا کہ انکو قید
 کر دو نائب نے فوراً راجہ درشن سنگھ کے احاطے میں جو سخت قید خانہ تھا قید کر دیا اور گلے میں
 بھاری بھاری طوق ڈلوادیے اور رات کو لمبی زنجیر میں دوسرے مجرموں کے ساتھ شامل
 کر دیے جاتے۔ اور پھر ایک دن بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ جب تک زبان اس کلمہ بے ادبانی
 کی وجہ سے سزا کو نہ پہونچے گی خلق کو عبرت حاصل نہوگی بادشاہ نے فرمایا کہ آپ جو کچھ مناسب
 سمجھیں حکم دین پس من خان کی زبان منہ سے باہر نکلوا کر لوہے کا بھاری زنجیر لٹکوا دیا گیا
 کسی رات دن اسی طرح زنجیر لٹکتا رہا یہاں تک کہ صدمے سے مر گیا جب زنجیر چھڑایا گیا تو زنجیر
 منہ میں نہ جاسکی چند پہر کے بعد جڑا حوٹکی تبریر سے منہ میں گئی یہاں تک واقعات ۱۲۸۵
 ہجری کے تھے۔

بادشاہ کا زریڈینٹ کے سامنے اپنی زبان سے فریاد

اور کیوان جاہ کی نسبت اپنا لطفہ ہونے سے انکار کرنا

۱۲۸۵ ہجری میں جشن جلوس سالانہ منجم موقوف رہا لیکن نائب کی تجویز سے بعض لوگوں کو

طلب کرتے تو یا وہ تمام دیہات زرخیز اسکی جاگیر میں تھے جو کچھ دل میں آیا دست برداشتہ دیدیا روشن الدولہ نے اپنی وزارت کے زلمے میں اسے ہاتھ سے ایک دم آرام نہیں پایا تشرارہ غضب سبطانی مشہور تھا۔ یہ اس کا حلیہ تھا۔ سیہ فام۔ بلند قامت۔ زشت صورت۔ غیور طبع۔ بے مروت۔ لیکن باوجود اسکے اپنے کارمروجہ میں عدالت اور انتظام جاری رکھنے میں اوروں سے بہتر تھا۔ خدمات شاہی میں اتنی جفاکشی کرتا تھا کہ رات بھر میں دو چار گھڑی سے زیادہ نہ سوتا تھا ہر وقت کمر بندھی رہتی تھی اتنی ہمت نہ تھی کہ ایک گھڑی کمر کھولتا سالہا سال اسی بیدار مغزی اور جفاکشی میں گزرے کہ اس رتبہ امارت کو پہونچا اس سے بہتر لطف حکمرانی دوسرے کو نصیب نہوا اسی بادشاہ نے اسکو سلطنت بہادر کا خطاب دیا تھا۔

حکیم مہدی علی خان کا رعب و داب اور انکی وجہ سے ایک شخص کی زبان کو زنبور سے کھجوا کر مروادیا جانا

منظم الدولہ ارسطوے وقت تھے بادشاہ کی حرکات پر پردے میں کف افسوس ملتے اور غماہ میں ایسا نقش حکومت جمایا کہ انتظام انکا روز بروز رونق پر تھا اور کسی کے نام کے ساتھ لفظ نواب و راجہ و راسے وغیرہ زبان پر نہیں لاتے تھے فقط خالی نام لیتے تھے اور مستوسلان شاہی و انگریزی کو وقت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے نہایت نخوت پیدا کی تھی۔

من خان اور محمد بخش منظم الدولہ کا رعب نہیں مانتے تھے اسلئے منظم الدولہ اُپر اشارے اور کنائے میں الزم اور عیب لگاتے رہتے تھے بلکہ اکثر کاغذات اخبر کے ذریعے سے انکے مظالم جو زندیوں اور خانگیوں پر انکے ہاتھوں سے ہوتے تھے بادشاہ کے گوش گزار کرتے تھے

اور بہت کم عاملوں سے رجوع کی تھی وہ دن رات عاملوں کی طرح حاضر رہتا تھا اور اکثر اہل شہر نے حکیم مہدی علی خان کی بدولت بڑے بڑے عہدے پائے روشن الدولہ کہ بہت دنوں سے بیکار تھے پانسو روپے ماہوار انکے مقرر کیے گئے اور مرزا حاجی نے بھر شہر میں اگر طرح اقامت ڈالی تین سو روپے ماہوار انکے واسطے مقرر ہوئے۔

آغامرزا اور راجہ درشن سنگھ کورمی کا زور و شور

(۱) آغامرزا نصیر الدین حیدر کا کو کا ایسا خود سر اور شراب نخوت میں چور تھا کہ تمام اراکین سلطنت اُسکی نظروں میں چبھتے تھے کو تو ال تک کو یہ قدرت نہ تھی کہ اُسکے نوکروں پر ہاتھ ڈالتا اور نہ کسی عدالت کی یہ مجال تھی گو اس نے اس زمانے میں ظلم سے ہاتھ روک لیا تھا لیکن شرارت سے باز نہیں آتا تھا۔ ایک دن نصیر الدین حیدر کی سواری درگاہ حضرت عباس کی طرف جاتی تھی غلام مرتضیٰ عجلت کے ساتھ مکان سے نکل کر دروازے پر نہ آسکا برآمد سے سے آداب و مجرے کی رسم ادا کی چونکہ یہ صورت شان عظمت شاہی کے خلاف تھی اس لیے آغامرزا کے حکم سے مکان کا وہ چھپچھپا ہوا برآمدہ منہدم ہو کر خاک میں ملا دیا گیا۔

(۲) راجہ درشن سنگھ غالب جنگ قوم کا کورمی تھا نواب سعادت علی خان کی اردلی میں رہتا تھا حکیم مہدی علی خان کی وزارت کے زمانے میں اُسکا وہ رنگ چمکا کہ بادشاہ کے مزاج میں بخوبی جگہ پائی ڈیوڑھیوں کا انتظام اور چوکی پیرہ خاص کی نگرانی اُس سے متعلق تھی خاٹن اور دزدی پیشہ آدمیوں کا بندوبست بھی اُسکے سپرد تھا بہت سے زمینداروں سے گنجائشی علاقے متاجری میں اپنے متعلقین کو دلا دیے عالیشان ناظموں کی یہ قدرت نہ تھی کہ اُس کے دیہات متعلقین دست اندازی کرتے اور اہل دفتر کو مقدور نہ تھا کہ سرکاری جمع

وکیل کے رات کے وقت مزار گنج کو چسے گئے اسے بعد نائک نے چند دنوں میں اُنکے رسالے کو دفعہ دفعہ متفرق کر کے دوسروں کی ماتحتی میں دیدیا بلکہ اُنکی جائیداد میں بھی خرابی ڈالی اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی فقیر محمد خان کی خرابی میں موثر تھی اور وہ یہ کہ حکیم مہدی علی خان کے سلسلے فقیر محمد خان نے تاج الدین حسین خان کو کلمات سخت کہے تھے۔ یہ بات حکیم صاحب کے دل میں بڑی علوم ہوئی تھی۔ اس کا کینہ بھی دل میں جا کر رہا تھا اس زمانے میں حکیم صاحب کو تاج الدین حسین خان سے ایکنٹ میں درپیش تھی کہ تمام زرِ یمنی کا اہتمام انکو دیدیا تھا فقیر محمد خان فوج میں وجیہ اور عجب دار آدمی تھے اُنکی سخت کلامی نائک کے دل پر ناگوار تھی لیکن تاج الدین حسین خان کی شکایت اُنکے انرج میں سبب قوی تھی۔

گو متی کے بار جو چھاؤنی دھتے خان مولائی کی تھی وہ ان ایک بار عشرہ محرم میں تیراکی وجہ سے اہل شہر کے ساتھ وہ دنگ اور فساد پیدا ہوا کہ طرفین میں بندوق اور توار چلی چند آدمی مارے گئے جبکہ کچھ تو اہل شہر سے انسداد فساد نہ ہو سکا تو مظفر علی خان ہندو متلگوں کی پلٹن اور توپخانہ لیکر اُس معرکہ میں پہنچے اور میوات ہونکو مسدود کیا کہ تمام مال و اسباب اُنکے کھروڑ کا ہاتھی گھوڑوں سے لٹ گیا۔ ان دنوں اسی طرح کی خانہ جنگیوں نے بڑا حشر برپا کر رکھا تھا۔ ننھے مرزا سالار جنگ کے پوتے ایک خانہ جنگی میں مارے گئے۔ اور توپخانے کے گولہ اندازوں نے بھی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بلوایا۔ کپتان میگنس نے اس بلوے کو فرو کیا اور سات سو آدمی برطرفی میں آئے اور دس پندرہ ہزار آدمی جو معتمد علی نے نوکر رکھے تھے وہ بھی برطرف ہوئے۔

منظم الدولہ نے ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ چھوٹے بڑے راجہ اور تعلقہ دار اس قلمرو کے جو ہمیشہ عاتلون سے پر خاش کرتے تھے وہ اس زمانے میں فرمانبردار ہو کر در دولت پر حاضر رہتے تھے جبکہ سخت شکوہ زمیندار ضلوع خیر آباد کہ بڑا کسراؤ تھا اور بہت کچھ ثروت و دولت رکھتا تھا

حکم ہو گا یہیں سے بلاؤنگا نائب اسلطنہ نے انکی مستعدی اور تیاری دیکھ کر لطیفاً ہر اختیار
باندھنے کا حکم دیدیا تھا لیکن دل میں یہ بات فقیر محمد خان کی بہت بُری معلوم ہوئی تھی
جو لوگ فقیر محمد خان سے کدورت رکھتے تھے انھوں نے اُنکے ان کلمات کو بادشاہ کے حضور
سرتابی کے ساتھ تادیل کیا اور عرض کیا کہ رسالدار مذکور جو کچھ کہتے ہیں وہ انگریز کی حلیت کے بھروسے
کرتے ہیں انگریزوں سے خفیہ سازش رکھتے ہیں اور رات کو اُنکے مکان پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے
شہر کے تمام حالات بلکہ جو کچھ دربار شاہی میں گفتگو ہوتی ہے وہ موبو لکھ کر انگریزوں کو
پہنچاتے ہیں بادشاہ نے ناخوش ہو کر حکم دیا کہ فقیر محمد خان سے کمدیا جائے کہ آدمیوں کو
اپنے مکان پر جمع کرنے سے باز آئیں ورنہ اسکا نتیجہ بُرا ہو گا حکیم مہدی علی خان نے
فقیر محمد خان کو طلب کر کے بادشاہ کے حکم سے مطلع کیا فقیر محمد خان نائب کی بات سہل
سمجھے اور مردت کی وجہ سے آدمیوں کا جمع ہونا موقوف کیا۔ بادشاہ نے اپنے ماتھے سے
یہ شقہ لکھا کہ فوراً شہر سے فقیر محمد خان کو ہٹا دیا جائے یہ شقہ فقیر محمد خان کے پاس پہنچا اور چھپے چھپے
وزیر کا چوبدار بھی یہ پیغام لیکر گیا کہ من نے کئی بار تم کو اس اجتماع کی قیادت سے مطلع کیا اور بھجایا
کہ یہ کام بہترین تم نے میرے قول پر عمل نہ کیا اور نہ سمجھا اور اپنی صحبت کو برقرار رکھا اب نوبت
یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کے دستخط خاص سے شقہ عتاب آمیز تمھارے نام پر جاری ہوا ہے
اب صلاح یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے لیے تعمیل ارشاد کرو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ اگر عدل نہ
چاہا تو کچھ دنوں کے بعد حضور کی خاطر مبارک کو بطور خود بخود تھاری طرف سے صاف کر کے نکال دیا
جائے گا باقی تمام کام تمھارے بدستور مقرر رہیں گے کسی قسم کا دفعہ دل میں نہ لانا چاہیے
اگر حکم کی اطاعت میں انحراف کرو گے تو اس میں کئی طرح کی قیادت پیش آئے گی فقیر محمد خان نے
شہر سے چلے جانے کے سوا چارہ نہ دیکھا اپنے معاملات کی گفتگو کے لیے میٹھو خان کو دربار میں

اور سامان استقبال انکے واسطے شاہ اودھ کے مہمان سے کاپلی تک پہنچا جب نئے زریڈنٹ
گھنوں میں آئے تو تاج الدین حسین خان کا بازار ایسا گرم ہوا کہ حکیم ہمدی علی خان کے جملہ اقربا
گی گرا کر میسر ہو گئی۔ اس زمانے میں جیلہ مسوارہ محمد علی خان و اما د حکیم ہمدی علی خان سے
مستعلق تھا اور نثار علی خان اسکے نائب تھے مگر انکی نیابت اس قدر چکی کہ محمد علی خان کی مداخلت
بالکل جاتی رہی۔

مہاراجہ میوہ رام نے ہندو مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام میں قدم رکھا تھا دو تین لاکھ روپے
سالانہ عشرہ محرم اور ایام وفات ائمہ اطہار وغیرہ میں خرچ کرتے تھے اور دیوانی کا کام کرتے
تھے انکار ماہمہ سات ہزار روپیہ ماہوار تھا یہ تنخواہ حکیم صاحب کی نظروں میں خارجی طرح کھینچتی
تھی اسکے کھونے کے لیے حکیم صاحب نے ایک دن میوہ رام کے ساتھ سخت زبانی کی جس سے وہ
مستغنی ہو کر خانہ نشین ہوئے اور ان کے چاراجہ بالکراشن جو اصل باقی نوپس تھے انکی جگہ
کام کرنے لگے۔

اسی طرح فقیر محمد خان شہر سے ٹکڑا کر گئے اپنے وطن کو چلے گئے وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ
ساہی اور صاف گو آدمی تھے کبھی وہ بھی معاملے میں ٹکڑیر کے کہنے سے نہیں دیتے تھے بات چیت میں
بادشاہ اور وزیر کا رعب نہیں مانتے تھے اور اداے مطلب سے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اگر وزیر کے
در بار میں کسی پر جو بدظلم ہوتا دیکھتے تو اسکی حمایت پر کھڑے ہو کر جانب حق کی طرف داری کرتے
جسے بادشاہ اور وزیر دونوں آزر دہ ہوتے اسکے علاوہ سرکاری حکم سے تمام سرداران
فوج نے اپنے اپنے ہتھیار کھول ڈالے تھے مگر فقیر محمد خان نے جوابدہ یا کہ میں اہل جنگ کے زمرے
میں ملازم ہوں اگر ہتھیار کھول دوں گا تو کیا طلبہ اور سارنگی لیکر دربار میں حاضر ہوا کروں گا اگر سرکار کو
سپاہ کی کساد بازاری منظور ہے تو میں اپنے مکان پر رہوں گا دربار میں حاضر ہوں گا مجھ کو جو کچھ

تاجار کسی نے برضا مندی اور کسی نے مجبوری قبول کیا یہی نقصان دوسرے بڑے تنخواہ داروں کی تنخواہوں میں دلتع ہوا غازی الدین حیدر کے عہد سے جو تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں ان میں سے کسی کو نصف کسی کو تہائی کسی کو چوتھائی دیکر باقی دام تو فیہر سرکار کیے اور سپاہ کی تنخواہ تین چار سال سے جو چڑھی ہوئی تھی اسکو بھی کوڑی کوڑی دیکر چہارم سپاہ کی موقوفی کا حکم دیا اور ان تنخواہوں میں فی صدی پانچ روپے خرچ ابواب کے کٹے اور اسقدر نیابت کے رسوم بڑھائے اب انتظام محلات بادشاہی کی طرف منتظم الدولہ نے نظر اٹھائی علاقہ بہرہ منہ برودا جسی چھ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی تھی مگر زانیہ کی جاگیر میں بتعجب علاقہ بمیسواڑہ راجہ دشن سنگھ اور راجہ بنجا ورننگہ کی مستاجری میں آیا اور جس زیادہ کی گئی تو ملکہ زانیہ کا علاقہ جاگیر سے شامل مستاجری کیا گیا اور ملکہ زانیہ سے کہہ دیا کہ بنجا ورننگہ زر محمل جاگیر نقد پہنچائے گا ملکہ زانیہ نے اسباب میں بہت خاک اڑائی مگر آرونہ بانی پر گنہ میاں گنج مخدرہ علیا کی جاگیر سے اور نواب گنج تاج محل کی جاگیر سے خاک نقدی مقرر کر دی۔

اس وقت میں کرنیل کارنر اور تاج الدین حسین خان اور ساہو گوبند لال وغیرہ کی جاندی تھی اب تاج الدین حسین خان نے کرنیل کارنر کے ساتھ یہ تازہ سلوک کیا کہ بجٹ امرا خزانچی کی کوٹھی کے نام سے کرنیل مذکور کو فرضی نام کے طریق سلون کا چکر سرکار شاہی سے ملا کر دو ہزار روپے ماہواری اس کے لیے مقرر کر دیے اور چکر مذکور کی نیابت تاج الدین حسین خان کے چھوٹے بھائی شاعر علی خان کے نام فرار پائی اور اسکی تنخواہ پانسو روپے ماہوار مقرر ہوئی لیکن زر مستاجری علاقہ کی انصرام کی صورت خزانچی مذکور سے ملو میں اسکی کرنیل مذکور علاقے سے دست بردار ہو کر کانگچ کو چلا گیا اور وہیں فوت ہوا اور اسکی بی بی بھی ایک چلے کے اندھ غم مفارقت شوہر میں تیر و کمان قضا کا نشانہ ہوئی۔ لکھنؤ کی زبید نشی پر کرنیل جان لو مقرر ہوئے

اور جس کسی کو اپنی حکومت کا کٹا جانا اُسکی جڑ کھود کر پھینکی دی اور بادشاہ کی نظروں سے گروا دیا۔ مثلاً انتظام الدولہ پر غبن کے قصورات خاص کر بلائے نو تعمیر اور مکالمہ نگر کے ثابت کر کے دربار سے نکلوا دیا۔ اُنکی جگہ وصی علی خان کشمیری کو دیوان خانے کی داریوں کی دلائی بادشاہ کی صاحبزادگی کے زمانے میں وصی علی خان مریم مکانی کے بھانجے مرزا علی خان کی طرف سے باورچھانے کے داروغہ تھے۔ راجہ درشن سنگھ جو نواب سادات علی خان کا اردلی تھا اور غازی الدین حیدر کے عہد میں معتدل الدولہ نے اُسے نکلوا دیا تھا اور وہ اس وقت میں اگر بادشاہ کا مصاحب ہو گیا تھا اور اتنا اقرب بڑھ گیا تھا کہ ہر وقت حاضر حضور رہتا تھا اُس نے منظم الدولہ کی بہت اطاعت کی اسلئے وزیر نے اسکو ترقی دی اور اُسکی بادشاہ کے سامنے روز تعریف کرتے بعد اس کے منظم الدولہ نے عاٹون سے بقایا وصول کرنا شروع کی راجہ رام دیال نے محاسبے کے وقت لاکھ روپے نقد داخل کیے اور خیراتی زکوٰۃ کو طبعین حسین خان چکلا دار سلطانپور کی علت ضمانت میں گرفتار کیا جب سخت کلامی سے نیت آبرو یزی کی آئی تو زہر کھا کر مر گیا اسی طرح بدری داس نے بھی آبرو کی واسطے جان عزیز تلف کی اور سہان علی خان نے مجبور ہو کر قید کی حالت میں انات البیت چکر بچاس ساٹھ ہزار روپے دیے اب منظم الدولہ نے تصفیہ تنخواہ کی طرف توجہ کی نواب نصیر الدولہ مرزا محمد علی خان اور نواب عماد الدولہ معین الملک ضرغام جنگ مرزا جعفر علی خان اور نواب ضیاء الدولہ مرزا کاظم علی خان اور نواب اقتدار الدولہ مرزا کلب علی خان اور نواب کن الدولہ مرزا محمد حسن خان احواف نواب سادات علی خان اور نواب حسن الدولہ میرہ غازی الدین حیدر کی تنخواہیں پندرہ ہزار روپے ماہوار سے دو ہزار تک مقرر تھیں انکو پیام دیا کہ آپ صاحبو کی تنخواہ زیادہ ہے اسلئے آپکو دستیاب نہیں ہوتی اگر آپ نصف تنخواہ پر رضا مند ہوں تو ماہ ماہ تقسیم ہوتی رہے

دوست تھا اور کالج میں مح اہل و عیال کے مقیم تھا وہ بھی تاج الدین حسین خان کی وجہ سے
 عمدہ سفارت کے کاموں میں دخل ہوا۔ اس کرنیل نے ایک ہندوستانی شریف خاندان
 کی عورت جو نواب مومن خان منصب دار بادشاہان دہلی کے خاندان سے تھی اپنے
 اپنے گھر میں ڈال لی تھی کرنیل اپنی جوڑو سچو کو لیکر لکھنؤ میں چلا آیا یہیں رہنے لگا اور عورت
 شاہ اودھ کے محلات میں آنے جلنے لگی اسکی وجہ سے کرنیل کے کام کو بڑی رونق ہوئی۔

منظم الدولہ حکیم مہدی علی خان کے انتظامات اور اُنکے متوسلین کی ترقی اور بادشاہ کے خاص خاص خواہوں کی بیخ کنی

منظم الدولہ حکیم مہدی علی خان نے بڑی دانی سے سلطنت کا انتظام شروع کیا
 انگریز جانتے ہیں کہ یہ شریف زادہ شیراز سے آیا تھا ہندوستانی سمجھتے ہیں کہ وہ کشمیر کے رہنے
 والے تھے عجب لیاقت خدا اور رکھتے تھے اتنے ہی سائے کارخانوں کا انتظام کیا رتوانے کا
 خرچ گھمایا زر مالدار می کو عمدہ انتظام کر کے بڑھایا انصاف کے لیے عدالتیں مقرر کیں پولیس کا
 انتظام کیا اور اپنے بھتیجے احمد علی خان کو ضمیمہ جنگ خطاب دلا کر بادشاہ کا مصاحب مقرب
 اور سپاہ کا مختار بنایا اور اپنے بڑے بھائی ابو طالب بہادر الدولہ کو نائب وزیر مقرر کیا
 اور دوسرے بھائی سید محمد صالح کو عدالت کا داروغہ کیا اور اپنی بہن کے داماد میر گل کو
 محذرہ علیا کی ڈیوڑھی کا داروغہ قرار دیا اور بہن کے دوسرے داماد میر آفتاب کو اور
 ڈیوڑھیوں کی داروغگی دی اسی طرح دوسرے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر پہنچایا

لارڈ بن ٹنگ کا حکیم مہدی علی خان کی لیاقت کو پسند کرنا

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حسب استدعا مہتمم الدولہ آغا میر بھی کان پور میں گورنر جنرل ملے تھے گورنر جنرل نے لیاقت نائب معزول و نائب موجود کو میزبان عقل میں تول کر اپنے جلسے میں یہ بات کہی کہ جاب سلی کی دانشمندی اور غازی الدین حیدر کی عقل و فراست سے کمال تعجب ہے کہ مہتمم الدولہ کو کس علم و عقل پر دارالمہام سلطنت بنایا جو بی ظاہری اور حُسنِ باطنی سے محروم اور کوسون دور ہیں فقط اپنی قسمت کے نور سے نائب سہے بادشاہِ حال کی حُسنِ فطرت و فراست پر آفرین ہے کہ انھوں نے حکیم مہدی علی خان کو اس کام کے لیے منتخب کیا کہ اُنکے تمام لشکر میں پیرانہ سال و تجربہ کا صاحبِ لیاقت اُنسے بہتر دوسرا نظر نہیں آتا۔

گورنر جنرل نے لکھنؤ میں بادشاہ کو پسند و نصلح کے بعد کاروبار سلطنت کا مختار کیا اور حکیم مہدی علی خان کی وزارت منظور کی اور صاحبِ ریڈینٹ کو بادشاہ سے موافقت رکھنے کی تاکید فرمائی اور حکیم مہدی علی خان کی نسبت یہ رائے لکھی کہ وہ ہندوستان کے نہایت لائق آدمیوں میں ہیں مالگزاری اور زمین کے بندوبست کا کام تو وہ ایسا جانتے ہیں کہ کوئی انگریز بھی اُنسے زیادہ نہیں جانتا۔ سولہ سترہ دن تک گورنر جنرل لکھنؤ میں رہے خوب خوب جلسے ہوئے روشنی ہوئی آتش بازی چھوٹی شیر اور ماتی اور گینڈے کی لڑائیاں کرائیں مگر بعد اسکے اسی بادشاہ کے عہد سے گورنر جنرل اور نیز دوسرے بڑے بڑے انگریزوں نے ورود کی تقریب میں انگریزوں کے بڑے کھانے کا طریق اور دستور موقوف ہو گیا تھا۔ غرض کہ گورنر جنرل لکھنؤ سے مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور حکیم مہدی علی خان کو اطمینان حاصل ہوا۔

تاج الدین حسین عہدہ سفارت ریڈینٹی پر مقرر ہوئے ان کے لڑکے تاج الدین حسین خان کا

حاصل کر لیا جائے حکیم مہدی علی خان عرصہ دراز سے یہ تمام باتیں انگریزی میں لکھوا کر اپنے ساتھ رکھتے تھے اُس وقت کاغذ پیش کر دیا مسٹر پرنس نے گورنر جنرل کے پاس لے گئے اور انھیں دکھایا فرمایا کہ ہمارا اسلام منظم الدولہ کو لکھا جواب دین کہ اگر ضرورت ہو تو ابھی دیکھ کر جواب دیا جائے ورنہ آدھی رات کے وقت ہمارے وقت ہوتی ہے اُس وقت دیکھ کر جواب پہنچا دیا جائے گا منظم الدولہ نے دوسری شق اختیار کی اور خوش و خوش اپنے مکان کو لوٹ آئے اور بادشاہ سے تمام حال عرض کیا صبح کو مسٹر پرنس کی معرفت گورنر جنرل کی طرف سے تحریری جواب پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر خداوند کی عنایت و بردباری آپ کے مال پر مصروف ہے تو اطمینان خاطر سے اپنی سرکار کا کام کیے جاؤ۔ رزیدنٹ کو اس معاملے میں کسی طرح کی مداخلت نہ ہوگی۔

غرض کہ منظم الدولہ نے اس نوید روح افزا سے جان تازہ حاصل کی اور وہ خوشی نصیب ہوئی کہ ستر برس کی عمر میں کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ رزیدنٹ نے جب یہ دیکھا کہ ہماری شمشیر فکر و تدبیر نے جوہر نہ دکھائے تو باوجود یکہ بہت سے کمالات رکھتے تھے مگر طبیعت کی خود پسندی کی وجہ سے لکھنؤ کی رزیدنٹ ٹی جھوڑ دی سپاؤ کو گورنر جنرل کے پاس گئے اور نیپال کی رزیدنٹ ٹی پر اپنی تبدیلی کرا لی۔ منظم الدولہ نے رزیدنٹ کی روانگی کے وقت بائیس لاکھ ستر ہزار اکھ سو چھ روپے خزانہ بادشاہی سے نوٹ مول لینے کے حیلے سے نکلوائے اور چاہا کہ کچھ زر نقد رزیدنٹ کی تواضع کریں لیکن انھوں نے قبول نہ کیا خدا جانے کہاں کہاں کا پر وازان سلطنت کے صرف میں آئے اہالیان سلطنت کو مدت تک دعویٰ اس زر نقد کا حکیم مہدی علی خان سے رہا اور تحریرات میں گورنر جنرل تک اس کا ذکر آیا۔

کہ مین نے عرصے تک نواب سعادت علی خان کی صحبت اٹھائی ہے بڑے بڑے مالی و ملکی کام سرانجام دیے مین اور لاکھوں روپے کا ملک میرے پاس ہے جس مین پورا پورا انتظام اور رعایا کی خبر گیری رکھتا ہوں اور سرکار کا بالکل مطالبہ وصول کر کے کوٹری کوٹری ادا کرتا ہوں غازی الدین حیدر کے عہد مین بھی معاملہ اسی طرح صاف رہا اور میرا مین ہمیشہ سرکاری محلے سے پاک رہا بعض منویوں نے غازی الدین حیدر کو میری طرف سے منحرف کر دیا سیلے مین اُنکے ملک مین اپنی سکونت و شواہج انگریزی عملداری مین چلا گیا۔ پھر نصیر الدین حیدر نے مجھے بلایا لیکن اعتماد الدولہ کی شرارت سے دوبارہ شہر چھوڑنا پڑا۔ اعتماد الدولہ کے انتقال کے بعد اب پھر بادشاہ حال نے مجھے بلا کر نیابت کا عہدہ سپرد کیا ہے ایک ایک بات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ پھر کہا کہ کا نیابت کو شروع کیے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مین نے اتنے کام عجیب و غریب کیے مین ایک تمام رعایاے شہر سے بغیر خونریزی کے ہتھیار چھینوا لیے جو مدت دراز سے خونریزی کے عادی تھے وہ اب نشتے ہو گئے دوسرے برسوں سے ملازمان سلطنت کی تنخواہ چڑھی ہوئی تھی اور کسی صورت سے ادا نہ ہو سکتی تھی تمام و کمال کی صفائی کر دی۔ ان تمام خدمات کے عوض مین صلہ و انعام کا امیدوار تھا لیکن بوجہ بے قصور صاحب رزیدنٹ میری خرابی کے درپے مین سیلے آپ کی خدمت مین حاضر ہو کر آپ سے چاہتا ہوں کہ اُنکے ہاتھ سے مجھے پناہ دیجئے۔ اگر گورنر جنرل کی مرضی رزیدنٹ کی خواہش کے موافق ہے تو بندہ نیابت سے دست برداری کرتا ہے ورنہ امید ہے کہ رزیدنٹ صاحب کو حکم ہو جائے کہ وہ میرے شریک حال ہو جائیں اُنکی اطلاع کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا مسٹر پین نے ممدی علی خان کی حاجت دیکھ کر کہا کہ یہ تمام حال انگریزی مین لکھ کر دینا چاہیے تاکہ گورنر جنرل کو دکھا کر جواب

خوش وقت ہو کر کہا کہ جناب کا ارشاد زبانی کہنے کے بجائے اگر تحریر کا جواب تحریر سے دیا جائے تو میری بات کو تو قیر حاصل ہو جائے اور میرا اعتبار بڑھ جائے مسٹر پرسن نے جوابی چٹھی لکھ دی مہدی قلی خان نے یہاں اگر دیکھا تو نواب پریشان خاطر بیٹھے ہوئے دروازے کی طرف تک ہے تھے جون ہی اس پر نظر پڑی اور چہرے پر اس کے رونق معلوم ہوئی تو سمجھ کر جواب با صواب لایا ہے پھر بھی نہایت اشتباہ کے ساتھ خلوت میں لیجا کر حال دریافت کیا اُس نے سب باتیں بیان کیں اور جوابی چٹھی دیدی منتظم الدولہ بھید خوش ہوئے پانچ اون کی کپڑے اس کام کے صلے میں عطا کیے نماز مغرب کے بعد دروازے کا راستہ رزیدنٹ کے لحاظ سے چھوڑ کر فتح علی خان کے دروازے کی طرف سے ہو کر پرسن صاحب کے پاس گئے بخوبی ملاقات ہوئی۔ رزیدنٹ کو بھی ان کے ملاقی ہونے کی خبر پہنچ گئی غصے سے کانپنے لگے اور فوراً اُس مکان کے دروازے پر پہنچ کر اپنی اطلاع کرائی اور اجازت شامل صحبت ہونے کی چاہی پرسن صاحب نے منتظم الدولہ سے دریافت کیا کہ رزیدنٹ صاحب کے یہاں اگر شریک صحبت ہونے میں آپ کی باتوں میں حرج تو نہ پڑے گا انھوں نے جواب دیا کہ میں ان کے یہاں آلے کو مانع تو نہیں لیکن میرا مطلب ملوثی ہو جائے گا ایسے اپنی بے قصوری جو ان کی تحریر میں کے خلاف ہے بخوبی ادا نہ کر سکا گا اور میرا آنا بیکار ہو جائیگا پرسن صاحب فوراً اٹھے اور گورنر جنرل کے پاس جا کر یہ تمام حال بیان کر کے عرض کیا کہ جو آپ حکم دین تعمیل کروں انھوں نے فرمایا کہ اگر منتظم الدولہ رزیدنٹ کی شرکت نہیں چاہتے تو شریک صحبت کرنا مناسب نہیں پرسن صاحب نے دالپلر یہ بات منتظم الدولہ سے بیان کی اور رزیدنٹ کو کھلا بھیجا کہ اس وقت آپ کا آنا مناسب نہیں ہم منتظم الدولہ کی خاطر ذرا سی مین مصروف ہیں دوسرے وقت آنا چاہیئے رزیدنٹ مجبوراً وہیں سے لوٹ گئے اب منتظم الدولہ نے اپنی تمام سرگذشت اول سے آخر تک بیان کی اور کہا

اسم ہمسایہ بن یقین ہے کہ جناب کو اس ملک کی خبروں سے انکا حال معلوم رہتا ہو گا اس شہر
 میں کوئی دن نگذرتا تھا کہ خوزیری اور خانہ جنگی نہ ہوتی ہو۔ نواب سعادت علی خان اور
 غازی الدین حیدر نے بہت جاہاد و کوشش کی مگر اس خوزیری کے انسداد میں کوئی تدبیر کارگر
 نہ ہو سکی اور خاطر خواہ انتظام نہوا منتظم الدولہ نے ذلت سے عرصے میں تمام شہر کے ہتھیار لے لیے
 اسدن سے خوزیری کا نام مٹ گیا دوسرے برسوں سے عہد غازی الدین حیدر سے صلح
 محل اور نوکروں کی تنخواہ چڑھی ہوئی تھی اور کروڑوں روپے کے قریب سلطنت پر واجب الادا
 تھا اہل تنخواہ و ادویلا اور شور و فریاد سے گذر کر بوسے پر آمادہ تھے عہد الدولہ اور رام دیال نے
 اس امر کی تدبیر کی کہ نمٹنے والے ہو جائے لیکن کوئی صورت وقوع میں نہ آ سکی اس شخص نے حسن تدبیر
 اور سرکار کے کم خرچ میں یہ سب جھگڑا کھینچا مٹا دیا اور انتظام ملک کا حال تو روشن ہے بیانگی
 حاجت نہیں انکے لئے کو پہلا سال ہے لیکن پچھلے زمانوں کی بہ نسبت آمدنی کے صیغوں نے بڑی
 ترقی کی ہے عمارتیں بن رہی ہیں اگلے انتظام اور اس پچھلے انتظام میں زمین و آسمانی کافرق
 ہو گیا ہے غرض کہ چند باتوں میں مسٹر پرسن کے مزاج کو اپنی طرف متوجہ کر لیا کیونکہ انگریز
 جوہر شمس بن اور قابل آدمیوں کے خریدار ہیں صاحب موصوف منتظم الدولہ کے یہ تمام اوصاف
 سن کر مسکرائے اور کہا کہ میں بھی اخباروں میں پڑھتا ہوں کہ منتظم الدولہ دانشمند اور تجربہ کار
 آدمی ہیں۔ ممدی قلی خان نے جب دیکھا کہ میرا فنون اثر کر گیا تو وہ جھٹی جو منتظم الدولہ کی
 جانب سے استدعا سے ملاقات کے واسطے لکھ لایا تھا پیش کی مسٹر پرسن نے پڑھ کر کہا کہ
 ذرا تم ٹھہرو میں اندھو کر حیلہ واپس آتا ہوں اندر گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر کہا کہ میں
 یہ جھٹی گوزیر نزل کو دکھائی تھی فرمایا کہ اگر تم سے ملنے کی خواہش ہے تو مضائقہ نہیں بلا واپس تم
 اپنے نواب کو جا کر میرا سلام کہو اور کہد کہ رات کو تشریف لاکر ملاقات کریں ممدی قلی خان نے

حاصل کر لیا جائے حکیم مہدی علی خان عرصہ دراز سے یہ تمام باتیں انگریزی میں لکھوا کر اپنے ساتھ رکھتے تھے اسوقت کا غنیمتیش کر دیا مسٹر پین اُسے گورنر جنرل کے پاس لے گئے اور انھیں دکھایا فرمایا کہ ہمارا سلام منظم الدولہ کو لکھ کر جواب دیں کہ اگر ضرورت ہو تو ابھی دیکھ کر جواب دیا جائے ورنہ ادھی رات کے وقت ہمارے وقت ہو جاتا ہے اسوقت دیکھ کر جواب پہنچوا دیا جائے گا منظم الدولہ نے دوسری شق اختیار کی اور خوش و خرم اپنے مکان کو لوٹ آئے اور بادشاہ سے تمام حال عرض کیا صبح کو مسٹر پین کی معرفت گورنر جنرل کی طرف سے تحریری جواب پہنچا جسکا مضمون یہ تھا کہ اگر خداوند کی عنایت و پردش آپکے مال پر مصروف ہے تو اطمینان خاطر سے اپنی سرکار کا کام کیے جاؤ۔ رزیدنٹ کو اس معاملے میں کسی طرح کی مداخلت نہوگی۔“

غرض کہ منظم الدولہ نے اس نوید روح افزا سے جان تازہ حاصل کی اور وہ خوشی نصیب ہوئی کہ ستریس کی عمر میں کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ رزیدنٹ نے جب یہ دیکھا کہ ہماری شمشیر فکر و تدبیر نے جوہر نہ دکھائے تو باوجودیکہ بہت سے کمالات رکھتے تھے مگر طبیعت کی خود پسندی کی وجہ سے لکھنؤ کی رزیدنٹی چھوڑ دی سپاؤ کو گورنر جنرل کے پاس گئے اور نیپال کی رزیدنٹی پر اپنی تبدیلی کرائی۔ منظم الدولہ نے رزیدنٹ کی روانگی کے وقت بائیس لاکھ سترہ ہزار آٹھ سو نوٹھ روپے خزانہ بادشاہی سے نوٹ مول لینے کے حیلے سے نکلوائے اور چاہا کہ کچھ زر نقد رزیدنٹ کی تواضع کریں لیکن انھوں نے قبول نہ کیا خدا جانے کہاں کہاں کا پر دازان سلطنت کے صرف میں آئے ابا بیان سلطنت کو مدت تک دعویٰ اس زر نقد کا حکیم مہدی علی خان سے رہا اور تحریرات میں گورنر جنرل تک اس کا ذکر آیا۔

کہ مین نے عرصے تک نواب سعادت علی خان کی صحبت اٹھائی ہے بڑے بڑے مالی و ملکی کام سرانجام دیے ہیں اور لاکھوں روپے کا ملک میرے پاس ہے جس میں پورا پورا انتظام اور رعایا کی خبر گیری رکھتا ہوں اور سرکار کا بالکل مطالبہ وصول کر کے کوٹری کوٹری ادا کرتا ہوں غازی الدین حیدر کے عہد میں بھی معاملہ اسی طرح صاف رہا اور میرا من ہمیشہ سرکاری محاسبے سے پاک رہا بعض مغویوں نے غازی الدین حیدر کو میری طرف سے مخرف کر دیا سیلے میں اُنکے ملک میں اپنی سکونت و شواہج اگر بڑی عملداری میں چلا گیا۔ پھر نصیر الدین حیدر نے مجھے بلایا لیکن اعتماد الدولہ کی شرارت سے دوبارہ شہر چھوڑنا پڑا۔ اعتماد الدولہ کے انتقال کے بعد اب پھر بادشاہ حال نے مجھے بلا کر نیابت کا عہدہ سپرد کیا ہے ایک ایک بات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ پھر کہا کہ کار نیابت کو شروع کیے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مین نے اتنے کام عجیب و غریب کیے ہیں ایک تمام رعایاے شہر سے بغیر خونریزی کے ہتھیار چھینوا لیے جو مدت دراز سے خونریزی کے عادی تھے وہ اب نہتے ہو گئے دوسرے برسوں سے ملازمان سلطنت کی تنخواہ چرچھی ہوئی تھی اور کسی صورت سے ادا نہ ہو سکتی تھی تمام و کمال کی صفائی کر دی۔ ان تمام خدمات کے عوض میں صلہ و انعام کا امیدوار تھا لیکن بوجہ بے قصور صاحب رزیدنٹ میری خرابی کے درپے ہیں سیلے آجکی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے چاہتا ہوں کہ اُنکے ہاتھ سے مجھے پناہ دیجئے۔ اگر گورنر جنرل کی مرضی رزیدنٹ کی خواہش کے موافق ہے تو بندہ نیابت سے دست برداری کرتا ہے ورنہ امید ہے کہ رزیدنٹ صاحب کو حکم ہو جائے کہ وہ میرے شریک حال ہو جائیں اُنکی اطلاع کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا مسٹر سپن نے ممدی علی خان کی لجاجت دیکھ کر کہا کہ یہ تمام حال انگریزی میں لکھ کر دینا چاہیے تاکہ گورنر جنرل کو دکھا کر جواب

دوست تھا اور کالج مین سہیل دھیال کے مقیم تھا وہ بھی تاج الدین حسین خان کی وجہ سے
 عہدہ سفارت کے کاموں میں داخل ہوا۔ اس کرنیل نے ایک ہندوستانی شریف خاندان
 کی عورت جو نواب مومن خان منصب دار بادشاہان دہلی کے خاندان سے تھی اپنے
 اپنے گھر میں ڈال لی تھی کرنیل اپنی جبر و ستم کو لیکر لکھنؤ میں چلا آیا یہیں رہنے لگا اور عورت
 شاہ اودھ کے محلات میں آنے جلنے لگی اسکی وجہ سے کرنیل کے کام کو بڑی رونق ہوئی۔

منظم الدولہ حکیم مہدی علی خان کے انتظامات اور انکے متوسلین کی ترقی اور بادشاہ کے خاص خاص خواہوں کی بیخ کنی

منظم الدولہ حکیم مہدی علی خان نے بڑی داناہی سے سلطنت کا انتظام شروع کیا
 انگریز جانتے ہیں کہ یہ شریف زادہ شیراز سے آیا تھا ہندوستانی سمجھتے ہیں کہ وہ کشمیر کے رہنے
 والے تھے عجب دیانت خدا اور کھتے تھے اتنے ہی سائے کارخانوں کا انتظام کیا رتانے کا
 خرچ گھنایا زر مالدار می کو عہدہ انتظام کر کے بڑھایا انصاف کے لیے عدالتیں مقرر کیں پولیس کا
 انتظام کیا اور اپنے بھتیجے احمد علی خان کو ضمیمہ جنگ خطاب دلا کر بادشاہ کا مصاحب مقرب
 اور سپاہ کا غماز بنایا اور اپنے بڑے بھائی ابو طالب بہادر الدولہ کو نائب وزیر مقرر کیا
 اور دوسرے بھائی سید محمد صالح کو عدالت کا داروغہ کیا اور اپنی بہن کے داماد میر غلام کو
 مخدوم علیا کی ڈیوٹی کا داروغہ قرار دیا اور بہن کے دوسرے داماد میر آفتاب کو اور
 ڈیوٹیوں کی داروغگی دی اسی طرح دوسرے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر پہنچایا

لارڈین ٹنگ کا حکیم مہدی علی خان کی لیاقت کو پسند کرنا

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حسب استدعا مستملہ الدولہ آغا میر بھی کان پور میں گورنر جنرل ملے تھے گورنر جنرل نے لیاقت نائب معزول و نائب موجود کو میزان عقل میں تول کر اپنے جلسے میں یہ بات کہی کہ جان پہچان کی دانشمندی اور غازی الدین حیدر کی عقل و فراست سے کمال تعجب ہے کہ مستملہ الدولہ کو کس علم و عقل پر مدار الہام سلطنت بنایا جو بی ظاہری اور حسن باطنی سے محروم اور کوسوں دور بین فقط اپنی قسمت کے نور سے نائب سہے بادشاہ حال کی حسن فطرت و فراست پر آفرین ہے کہ انھوں نے حکیم مہدی علی خان کو اس کام کے لیے منتخب کیا کہ ان کے تمام لشکر میں پیرانہ سال و تجربہ کا صاحب لیاقت اُن سے بہتر دوسرا نظر نہیں آتا۔

گورنر جنرل نے لکھنؤ میں بادشاہ کو پسند و نصلح کے بعد کاروبار سلطنت کا مختار کیا اور حکیم مہدی علی خان کی وزارت منظور کی اور صاحب ریڈنٹ کو بادشاہ سے موافقت کھنک کی تاکید فرمائی اور حکیم مہدی علی خان کی نسبت یہ رائے لکھی کہ وہ ہندوستان کے نہایت لائق آدمیوں میں ہیں مالکداری اور زمین کے بندوبست کا کام تو وہ ایسا جانتے ہیں کہ کوئی انگریز بھی اُن سے زیادہ نہیں جانتا۔ سولہ سترہ دن تک گورنر جنرل لکھنؤ میں رہے خوب خوب جلسے ہوئے روشنی ہوئی آفتاب زری چھوٹی شیر اور ماتھی اور گینڈے کی لڑائیاں کرائیں مگر بعد اسکے اسی بادشاہ کے عہد سے گورنر جنرل اور نیز دوسرے بڑے بڑے انگریزوں کے ورود کی تقریب میں انگریزوں کے بڑے کھانے کا طریق اور دستور موقوف ہو گیا تھا۔ غرض کہ گورنر جنرل لکھنؤ سے مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور حکیم مہدی علی خان کو اطمینان حاصل ہوا۔

تاج الدین حسین عہدہ سفارت ریڈنٹی پر مقرر ہوئے ان کے لڑکے تاج الدین حسین خان کا

ناچار کسی نے رضا مندی اور کسی نے مجبوری قبول کیا یہی نقصان دوسرے بڑے تنخواہ داروں کی تنخواہوں میں واقع ہوا غازی الدین حیدر کے عہد سے جو تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں ان میں سے کسی کو نصف کسی کو تہائی کسی کو چوتھائی دیکر باقی دام تو فیہ سرکاریہ اور سپاہ کی تنخواہ میں چار سال سے جو چڑھی ہوئی تھی اسکو بھی کوڑی کوڑی دیکر چہارم سپاہ کی موقوفی کا حکم دیا اور ان تنخواہوں میں فی صدی پانچ روپے خرچ البواب کے کٹے اور اسقدر نیابت کے رسوم بڑھائے اب انتظام محلات بادشاہی کی طرف منظم الدولہ نے نظر اٹھائی علاقہ ہرہمہ بردہ جی چھ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی تھی ملکہ زمانہ کی جاگیر میں محتاجب علاقہ بمیسواڑہ راجہ دشن سنگھ اور راجہ بنخا ور سنگھ کی مستاجری میں آیا اور جمع زیادہ کیلگی تو ملکہ زمانہ کا علاقہ جاگیر سے شامل مستاجری کیا گیا اور ملکہ زمانہ سے کہہ دیا کہ بنخا ور سنگھ زر محال جاگیر نقد پہنچائے گا ملکہ زمانہ نے اسباب میں بہت خاک اُڑائی ملکہ آبرو نہ پائی پر گنہ سیان گنج مخدرہ علیا کی جاگیر سے اور نواب گنج تاج محل کی جاگیر سے ناکہ نقدی مقرر کر دی۔

اس وقت میں کرنیل کارزار اور تاج الدین حسین خان اور ساہو بند لال وغیرہ کی جاندی تھی اب تلج الدین حسین خان نے کرنیل کارزار کے ساتھ یہ تازہ سلوک کیا کہ تخت ام خزانچی کی کوٹھی کے نام سے کرنیل مذکور کو فرضی نام کے طریق سلون کا چکر سرکار شاہی سے دلا کر دو ہزار روپے ماہواری اسکے لیے مقرر کر دیے اور چکر مذکور کی نیابت تاج الدین حسین خان کے چھوٹے بھائی شاعر علی خان کے نام فرار پائی اور اسکی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار مقرر ہوئی لیکن زر مستاجری علاقہ کی انصرام کی صورت خزانچی مذکور سے ظہور میں نہ آسکی کرنیل مذکور علاقے سے دست بردار ہو کر کانگچ کو چلا گیا اور وہن فوت ہوا اور اسکی بی بی بھی ایک چلے کے اندر غم مفارقت شوہر میں تیر و کمان قضا کا نشانہ ہوئی۔ لکھنؤ کی نڈی نڈی پر کرنیل جان لو متقر ہوئے

اور جس کسی کو اپنی حکومت کا کٹا جانا اُسکی بڑکھو دکھ پھینک دی اور بادشاہ کی نظروں سے گروا دیا۔ مثلاً انتظام الدولہ پرغبن کے قصورات خالص کر بلائے تو تعمیر اور مکالمہ نگر کے ثابت کر کے دربار سے نکلوا دیا۔ اُنکی جگہ وصی علی خان کشمیری کو دیوان خانے کی واردنگی دلائی بادشاہ کی صاحبزادگی کے زمانے میں وصی علی خان مریم مکانی کے بھانجے مرزا علی خان کی طرف سے باورچیخانے کے داروغہ تھے۔ راجہ درشن سنگھ جو نواب سعادت علی خان کا اردلی تھا اور غازی الدین حیدر کے عہد میں مستند الدولہ نے اُسے نکلوا دیا تھا اور وہ اسوقت میں کرا بادشاہ کا مصاحب ہو گیا تھا اور اتنا اقرب بڑھ گیا تھا کہ ہر وقت حاضر حضور رہتا تھا اُس نے منتظم الدولہ کی بہت اطاعت کی اسلئے وزیر نے اسکو ترقی دی اور اُسکی بادشاہ کے سامنے روز تعریف کرتے بعد اسکے منتظم الدولہ نے عاتون سے بقایا وصول کرنا شروع کی راجہ رام دیال نے محاسبے کے وقت لاکھ روپے نقد داخل کیے اور خیراتی زردوز کو قطب الدین حسین خان چکدر اسلطانپور کی علیت ضمانت میں گرفتار کیا جب سخت کلامی سے نوبت آبرویزی کی آئی تو زہر کھا کر مر گیا اسی طرح بدری داس نے بھی آبرو کی واسطے جان عزیز تلف کی اور سہان علی خان نے مجبور ہو کر قید کی حالت میں انات البیت بچکر پچاس ساٹھ ہزار روپے دیے اب منتظم الدولہ نے تصفیہ خواہ کی طرف توجہ کیا نواب نصیر الدولہ مرزا محمد علی خان اور نواب عماد الدولہ معین الملک ضرغام جنگ مرزا جعفر علی خان اور نواب ضیاء الدولہ مرزا کاظم علی خان اور نواب اقتدار الدولہ مرزا کلب علی خان اور نواب کن الدولہ مرزا محمد حسن خان احوال نواب سعادت علی خان اور نواب حسن الدولہ نیرہ غازی الدین حیدر کی تنخواہیں پندرہ ہزار روپے ماہوار سے دو ہزار تک مقرر تھیں انکو پیام دیا کہ آپ صاحبوں کی تنخواہ زیادہ ہے اس لیے آپکو دستیاب نہیں ہوتی اگر آپ نصف تنخواہ پر رضا مند ہوں تو ماہ ماہ تقسیم ہوتی رہے

حکم ہو گا یہیں سے بکالادوگانائب اسلطنہ نے انکی مستعدی اور تیاری دیکھ کر بظاہر ہتھیار
باندھنے کا حکم دیدیا تھا لیکن دل میں یہ بات فقیر محمد خان کی بہت بُری معلوم ہوئی تھی
جو لوگ فقیر محمد خان سے کدورت رکھتے تھے انھوں نے اُنکے ان کلمات کو بادشاہ کے حضور میں
سرنامی کے ساتھ تادل کیا اور عرض کیا کہ رسالدار مذکور جو کچھ کہتے ہیں وہ انگریزوں کی حمایت کے سبب
کہتے ہیں انگریزوں سے خفیہ سازش رکھتے ہیں اور رات کو اُنکے مکان پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے
شہر کے تمام حالات بلکہ جو کچھ دربار شاہی میں گفتگو ہوتی ہے وہ موبو لکھ کر انگریزوں کو
پہنچاتے ہیں بادشاہ نے ناخوش ہو کر حکم دیا کہ فقیر محمد خان سے کمدیا جائے کہ آدمیوں کو
اپنے مکان پر جمع کرنے سے باز آئیں ورنہ اسکا تہیہ بُرا ہو گا حکیم مہدی علی خان نے
فقیر محمد خان کو طلب کر کے بادشاہ کے حکم سے مطلع کیا فقیر محمد خان ناسب کی بات سہل
سمجھے اور مردت کی وجہ سے آدمیوں کا جمع ہونا موقوف کیا۔ بادشاہ نے اپنے ماتھے سے
یہ شقہ لکھا کہ فوراً شہر سے فقیر محمد خان کو ہٹا دینا چاہیے یہ شقہ فقیر محمد خان کے پاس پہنچا اور چھپے چھپے
وزیر کا چوہدر بھی یہ پیغام لیکر گیا کہ من نے کئی بار تم کو اس اجتماع کی قیادت سے مطلع کیا اور بھجایا
کہ یہ کام بہتر نہیں تم نے میرے قول پر عمل نہ کیا اور نوسجھا اور اپنی صحبت کو برقرار رکھا اب نوبت
یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کے دستخط خاص سے شقہ عتاب آمیز تمھارے نام پر جاری ہوا ہے
اب صلاح یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے لیے تعمیل ارشاد کرو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ اگر عدل نے
چاہا تو کچھ دنوں کے بعد حضور کی خاطر مبارک کو بطور خود تھھاری طرف سے صاف کر کے تلو داپس
بلالو گا باقی تمام کام تمھارے بدستور مقرر رہیں گے کسی قسم کا دغہ نہ دل میں نہ لانا چاہیے
اگر حکم کی اطاعت میں انحراف کرو گے تو اس میں کئی طرح کی قیادت پیش آئے گی۔ فقیر محمد خان نے
شہر سے چلے جانے کے سوا چارہ نہ دیکھا اپنے معاملات کی گفتگو کے لیے میٹھو خان کو دربار میں

اور سامان استقبال انکے واسطے شاہ اودھ کے میمان سے کاپلی تک پہنچا جب سنئے نزدیک
گھنٹوں میں آئے تو تاج الدین حسین خان کا بازار ایسا گرم ہوا کہ حکیم ہمدی علی خان کے جملہ اقربا
کی گرما گرمی سرد ہو گئی۔ اس زمانے میں جیلہ مسوارہ محمد علی خان و اما د حکیم ہمدی علی خان سے
متعلق تھا اور نثار علی خان اسکے نائب تھے مگر انکی نیابت مستعدی کی کہ محمد علی خان کی مداخلت
بالکل جاتی رہی۔

مہاراجہ میوہ رام نے ہندو مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام میں قدم رکھا تھا دو تین لاکھ روپیہ
سالانہ عشرہ محرم اور ایام وفات ائمہ اطہار وغیرہ میں خرچ کرتے تھے اور دیوانی کا کام کرتے
تھے انکار ماہر سات ہزار روپیہ ماہوار تھا یہ تنخواہ حکیم صاحب کی نظروں میں غار کی طرح مستحسنتی
تھی اسکے کھونے کے لیے حکیم صاحب نے ایک دن میوہ رام کے ساتھ تخت زبانی کی جس سے وہ
مستغنی ہو کر خانہ نشین ہوئے اور ان کے چچا راجہ بالکراشن جو اصل باقی نویس تھے انکی جگہ
کام کرنے لگے۔

اسی طرح فقیر محمد خان شہر سے ٹکڑا کر گنج اپنے وطن کو چلے گئے وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ
ساہی اور صاف گو آدمی تھے کبھی دہلی معاملے میں کلہ خیر کے کھنڈے سے نہیں دیتے تھے بات چیت میں
بادشاہ اور وزیر کا رعب نہیں مانتے تھے اور اداسے مطلب سے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اگر وزیر کے
در بار میں کسی پر جو بدظلم ہوتا دیکھتے تو اسکی حمایت پر کھڑے ہو کر جانب حق کی طرف داری کرتے
جس سے بادشاہ اور وزیر دونوں آزرده ہوتے اسکے علاوہ سرکاری حکم سے تمام سرداران
فوج نے اپنے اپنے ہتھیار کھول ڈالے تھے کہ فقیر محمد خان نے جواب دیا کہ میں اہل جنگ کے زمرے
میں ملازم ہوں اگر ہتھیار کھول دوں گا تو کیا طلبہ اور سارنگی لیکر دربار میں حاضر ہوا کروں گا اگر سرکار کو
سپاہ کی کساد بازاری منظور ہے تو میں اپنے مکان پر رہوں گا دربار میں حاضر ہونے کا مجھ کو کچھ

اور بہت کم عاملوں سے رجوع کی تھی وہ دن رات عاملوں کی طرح حاضر رہتا تھا اور اکثر اہل شہر نے حکیم ہمدی علی خان کی بدولت بڑے بڑے عہدے پائے روشن الدولہ کہ بہت دنوں سے بیکار تھے پاسنور و پے ماہوار انکے مقرر کیے گئے اور مرزا حاجی نے بھر شہر میں اگر طرح اقامت ڈالی تین سو روپے ماہوار انکے واسطے مقرر ہوئے۔

آغامرزا اور راجہ درشن سنگھ کورمی کا زور و شور

(۱) آغامرزا نصیر الدین حیدر کا کو کا ایسا خود سر اور شراب نخوت میں چور تھا کہ تمام اراکین سلطنت اسکی نظروں میں ہج تھے کو تو ال تک کو یہ قدرت نہ تھی کہ اسکے نوکروں پر ہاتھ ڈالتا اور نہ کسی عداوت کی یہ مجال تھی گو اس نے اس زمانے میں ظلم سے ہاتھ روک لیا تھا لیکن شرارت سے باز نہیں آتا تھا۔ ایک دن نصیر الدین حیدر کی سواری درگاہ حضرت عباس کی طرف جاتی تھی غلام مرتضیٰ عجلت کے ساتھ مکان سے نکل کر دروازے پر نہ آسکا برآمد سے سے آداب و مجرے کی رسم ادا کی چونکہ یہ صورت شان عظمت شاہی کے خلاف تھی اس لیے آغامرزا کے حکم سے مکان کا وہ چھجہ اوہ برآمدہ منہدم ہو کر خاک میں ملا دیا گیا۔

(۲) راجہ درشن سنگھ غالب جنگ قوم کا کورمی تھا نواب سعادت علی خان کی اردلی میں رہتا تھا حکیم ہمدی علی خان کی وزارت کے زمانے میں اسکا وہ رنگ جھکا کہ بادشاہ کے مزاج میں بخوبی جگہ پائی ڈیوڑھیوں کا انتظام اور چوکی پہرہ خاص کی نگرانی اس سے متعلق تھی خائن اور دروزی پیشہ آدمیوں کا بندوبست بھی اسکے سپرد تھا بہت سے زمینداروں سے گنجائشی علاقے متاجری میں اپنے متعلقین کو دلا دیے عالیشان ناظموں کی یہ قدرت نہ تھی کہ اس کے دیہات متعلقین دست اندازی کرتے اور اہل دفتر کو مقدور نہ تھا کہ سرکاری جمع

وکیل کے رات کے وقت مزار گنج کو چسے گئے اسکے بعد نایب نے چند دنوں میں اُنکے رسالے کو دفعہ دفعہ متفرق کئے دوسروں کی ماتحتی میں دیر یا بلکہ اُنکی جائداد میں بھی خرابی ڈالی اسکے سوا ایک دوسری بات بھی فقیر محمد خان کی خرابی میں موثر تھی اور وہ یہ کہ حکیم مہدی علی خان کے سامنے فقیر محمد خان نے تاج الدین حسین خان کو کلمات سخت کہے تھے۔ یہ بات حکیم صاحب کے دل میں برسی معلوم ہوئی تھی۔ اس کا کینہ بھی دل میں جا گرین تھا اس زمانے میں حکیم صاحب کو تاج الدین حسین خان سے ایکنہ غرض پیش تھی کہ تمام زرِ ٹیڈنی کا اہتمام انکو دیا جاتا تھا فقیر محمد خان فوج میں وجہ اور رعب دار آدمی تھے اُنکی سخت کلامی نایب کے دل پر ناگوار تھی لیکن تاج الدین حسین خان کی شکایت اُنکے اخراج میں سبب قوی تھی۔

گو متی کے بار جو چھاکونی دھتے خان میواتی کی تھی وہ ان ایک بار عشرہ محرم میں تیرا کی وجہ سے اہل شہر کے ساتھ وہ ننگہ اور فساد پیدا ہوا کہ طرفین میں ہندو اور توار چلی چند آدمی مارے گئے جبکہ کچھ تو اہل شہر سے انسداد فساد نہ ہو سکا تو مظفر علی خان ہندو تلنگوئی پلیٹن اور توپخانہ لیکر اُس معرکہ میں پہنچے اور میواتیوں کو اس قدر پسا کیا کہ تمام مال و اسباب اُنکے کھروٹا کا ہاتھی گھوڑوں سے لٹ گیا۔ ان دنوں اسی طرح کی خانہ جنگیوں نے بڑا حشر برپا کر رکھا تھا۔ سبھی نئے نئے سالار جنگ کے پوتے ایک خانہ جنگی میں ماسے گئے۔ اور توپخانے کے گولہ اندازوں نے بھی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بلوایا۔ کپتان میگنس نے اس بلوے کو فرو کیا اور سات سو آدمی برطرفی میں آئے اور دس پندرہ ہزار آدمی جو معتدالہ طہ نے نوکر رکھے تھے وہ بھی برطرف ہوئے۔

منظم الدولہ نے ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ چھوٹے بڑے راجہ اور تعلقدار اس قلمرو کے جو ہمیشہ عاملوں سے پرخاش کرتے تھے وہ اس زمانے میں فرمانبردار ہو کر در دولت پر حاضر رہتے تھے چنانچہ سخت شکوہ زمیندار ضلع خیر آباد کہ بڑا کسٹ اور تیر دھتا اور بہت کچھ ثروت و دولت رکھتا تھا

جب اسکی خبر من خان کو پہنچی تو وہ بھی بادشاہ کی مصاحبت کے عزتے میں اکثر نائب کو
 علانیہ بُرا کہتا لیکن من خان نے حکیم مہدی علی خان کی ناکردہ کاری کی نسبت ایک
 بات بادشاہ کے سامنے کہی جو بادشاہ نے بھی سُن لی اور ناراض ہوئے منظم الدولہ نے
 موقع پا کر بظاہر دلسوزی اور فی المعنی آتش افروزی کے لئے کہا کہ اگر اسی طرح اراذل کی
 زبانوں سے کلمات نکلا کرینگے تو بادشاہی عظمت اور سلطانی مہابت میں فتور آجائے گا
 اور سلطنت میں رخنہ عظیم پڑے گا اور عجب نہیں کہ اس سے سلطنت کے کاموں میں خرابی
 پڑ جائے بادشاہ کا مزاج بھی دونوں کی اس قسم کی باتوں سے مکر ہو گیا تھا حکم دیا کہ انکو قید
 کر دو نائب نے فوراً راجہ دشمن سنگھ کے احاطے میں جو سخت قید خانہ تھا قید کر دیا اور گلے میں
 بھاری بھاری طوق ڈلوادیے اور رات کو لمبی زنجیر میں دوسرے مجرموں کے ساتھ شامل
 کر دیے جاتے۔ اور پھر ایک دن بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ جب تک زبان اس کلمہ بے ادبانه
 کی وجہ سے نہ کو نہ پہنچے گی خلق کو عبرت حاصل نہوگی بادشاہ نے فرمایا کہ آپ جو کچھ مناسب
 سمجھیں حکم دین پس من خان کی زبان مُنہ سے باہر نکلا کر لوہے کا بھاری زنجیر لٹکوا دیا گیا
 کسی رات دن اسی طرح زنجیر لٹکتا رہا یہاں تک کہ صدمے سے مر گیا جب زنجور چھڑایا گیا تو زبان
 منہ میں نہ جا سکی چند پہر کے بعد جڑا حوکی تدبیر سے منہ میں گئی یہاں تک واقعات ۱۲۷۶
 ہجری کے تھے۔

بادشاہ کا زرنٹھ کے سامنے اپنی زبان سے فریاد
 اور کیوان جاہ کی نسبت اپنا لطفہ ہونے سے انکار کرنا

۱۲۷۶ ہجری میں جشن جلوس سالِ خیم موقوف رہا لیکن نائب کی تجویز سے بعض لوگوں کو

طلب کرتے تو یا وہ تمام دیہات زر خیز اسکی جائیر میں تھے جو کچھ دل میں آیا دست برداشتہ
 دیدیا روشن الدولہ نے اپنی وزارت کے زمانے میں اسے ہاتھ سے ایک دم آرام نہیں پایا تندرۃ
 غضب سلطانی مشہور تھا۔ یہ اس کا حلیہ تھا۔ سیہ فام۔ بلند قامت۔ زشت صورت
 غیر طبع۔ بے مردت۔ لیکن باوجود اسکے اپنے کارمرو جمعہ میں عدالت اور انتظام جاری
 رکھنے میں اور وہ سے بہتر تھا۔ خدمات شاہی میں اتنی جفاکشی کرتا تھا کہ رات بھر میں
 دو چار گھڑی سے زیادہ نہ سوتا تھا ہر وقت کم بندھی رہتی تھی اتنی ہمت نہ تھی کہ ایک گھڑی
 آکر کھوتا سالہا سال اسی بیدار مغزی اور جفاکشی میں گزرے کہ اس رتبہ امارت کو پہونچا
 اس سے بہتر لطف حکمرانی دوسرے کو نصیب نہوا اسی بادشاہ نے اسکو سلطنت بہادر کا
 خطاب دیا تھا۔

حکیم مہدی علی خان کا رعب و داب اور انکی وجہ سے ایک شخص کی زبان کو زنبور سے کھجوا کر مروادیا جانا

منظم الدولہ اسطوے وقت تھے بادشاہ کی حرکات پر پردے میں کف افسوس
 ملتے اور ظاہر میں ایسا نقش حکومت بجایا کہ انتظام انکا روز بروز رونق پر تھا اور کسی کے نام کے
 ساتھ لفظ نواب و راجہ و راسے وغیرہ زبان پر نہیں لاتے تھے فقط خالی نام لیتے تھے اور
 متوسلان شاہی و انگریزی کو وقت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے نہایت نخوت پیدا کی تھی۔

من خان اور محمد بخش منظم الدولہ کا رعب نہیں مانتے تھے اسلئے منظم الدولہ اُنہیں اُتار
 اور کُنائے میں الزم اور عیب لگاتے رہتے تھے بلکہ اکثر کاغذات اخیلہ کے ذریعے سے اُنکے
 مظالم جو زندیوں اور خاگیوں پر انکے ہاتھوں سے ہوتے تھے بادشاہ کے گوش گزار کرتے تھے

۲۶۔ ماہ گذر گئے اور فریدون بخت عرصہ وجود میں نہ آیا اور اس مدت میں جناب نے غم نے کبھی فریدون بخت کی مائٹی صورت نہ دیکھی۔

(۲) کیوان جاہ کے معاملے میں منتظم الدولہ نے ظاہر کیا کہ جناب بادشاہ کو اسکو دلی عہد مقرر کرنے سے بہت شرم آتی ہے اور اب بیگم صاحبہ بادشاہ سے بسبب اس کے کہ مناجان کو اپنے ہمراہ ضیافت میں کہ سرکار عالی میں ۱۲ جنوری ۱۸۳۲ء مطابق ۷ شعبان ۱۲۵۰ھ پھری کو واقع ہوئی تھی نہ لے گئے بہت رنج رکھتی ہیں بلکہ اُن کا خیال ہے کہ یہ نہ بیجانا بسبب میرے ہوا ہے اس لیے مجھے بہت ناراض ہیں اور جب بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر خاص میرے حکم سے ہوا ہے تو انکو یقین نہ آیا اور بیگم موصوف نے تمام شہر میں مشہور کر دیا کہ منتظم الدولہ دو گھڑی سے زیادہ زندہ نہ رہے گا اور منتظم الدولہ کو خبر بھیجی کہ لکھنؤ آنے کو تیار رہیں چنانچہ اس خبر کو بیجانے والا دریلے لکھنؤ گرا فرما رہا اور اب تک قید ہے اور اس بات کا اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے اب بادشاہ کو منظور ہے کہ بیگم صاحبہ لکھنؤ سے چلی جائیں اور دوسری جگہ سکونت اختیار کر لیں بلکہ منظور ہے کہ فیض آباد میں جا کر رہیں رزیدنٹ نے یہ تمام بیان ۳۔ فروری مطابق ۴ رمضان سنہ مذکور کو گورنر جنرل کو لکھ بھیجا گورنر جنرل نے اس امر کی مزید تحقیق کیے رزیدنٹ کو حکم دیا کہ تم بادشاہ سے مل کر اُن سے زبانی اسکی تصدیق کرو چنانچہ ۹۔ فروری مطابق ۷ رمضان سنہ مذکور کو بعد تناول ماضری کے بادشاہ اور رزیدنٹ اور منتظم الدولہ خلوت میں گئے اور بتھوڑی سی گفتگو کے بعد بادشاہ نے نہایت حجاب کے ساتھ فرمایا کہ میں دن کے عرصے میں رمضان ختم ہو جائیگا اور معمول ہے کہ فریدون بخت اور کیوان جاہ شان و شوکت کے ساتھ عید گاہ کو جاتے ہیں اب یہ رسم موقوف کی گئی رزیدنٹ نے کہا کہ ہکو اس سے کیا سروکار ہے حضور کو اختیار ہے

چند خلوت سے وقائع دلپذیر میں مذکور ہے کہ مناجان کے بادشاہ کا لفظ
 ہونے نہ ہونے کے مقدمے نے ابتدا سے تحقیقات سرہر بہت ڈک سے
 عہدہ ریزی نئی کرنیل جان لوتک انقطاع قبول کیا۔ منتظم الدولہ نے ۲۔ فروری ۱۸۳۲ء
 ۱۹۔ شہین ۱۸۳۲ء ہجری کو تاج الدین حسین خان کے سامنے کرنیل جان لوتک سے کہا کہ سابق میں
 جو کچھ میں نے کیوان جاہ اور مناجان کے باب میں کہا تھا وہ بادشاہ کی جانب سے نہ تھا
 اب بادشاہ کی طرف سے خاص کر انکے حکم سے کہتا ہوں کہ بادشاہ نے اپنے دل میں یہ بات
 ٹھان لی ہے کہ تمام ملک میں شائع کریں کہ کیوان جاہ اور فریدون بخت انکے لطف سے زمین میں
 اور یہ بھی غم مصمم رکھتے ہیں کہ ان دونوں کو اپنے محل سے نکلا دین اور انکے رہنے کو دوسری جگہ
 مکان مناسب مرحمت کر دین ریزی نٹ نے کہا کہ سابقاً تو آپ بھی اس باب میں اپنا اشتباہ
 ظاہر کرتے تھے اور اب ایسا کہتے ہیں منتظم الدولہ نے جواب دیا کہ اسوقت بھی محل اشتباہ نہ تھا
 لیکن جو کہ حضور کی جانب سے اس کے گزارش کرنے کے لیے میں مامور نہ تھا اس لیے بطریق اشتباہ کے
 میں نے بیان کیا تھا۔ حال یہ ہے کہ اگر وزیر جناب نصیر الدین حیدر اپنی ولیعهدی کے ایام میں
 محل میں گئے تو دیکھا کہ فیض علی فریدون بخت کی والدہ کے ساتھ حرکات نامناسب کر رہا
 ہے جناب موصوف نے طیش میں آکر چاہا کہ دونوں کو قتل کر ڈالیں کہ فیض علی خوف کے ماتے
 وہاں سے بھاگ گیا اور بادشاہ بیگم نے انکے قتل کے ارادے سے رد کر دیا۔ آخر کار جناب
 موصوف برہم ہو کر محل سے اٹھ کر معتمد الدولہ کے مکان میں چلے گئے اور تین دن وہاں رہے مگر
 بادشاہ کے حکم سے پھر محل میں چلے آئے بعد اسکے پھر محل چھوڑ کر چند روز حسن بلخ میں مقیم رہے
 بیگم صاحبہ نے ان دنوں بہت کوشش کی کہ نصیر الدین حیدر فریدون بخت کی ماں کے ساتھ
 معرفت کر لیں اور اسکو مدت تک حائل ظاہر کیا یہاں تک کہ فیض علی کی حرکات نامناسب کو

اپنے اختیار میں نہ تھے اس لیے بعض آدمیوں کی تحریف و ترغیب میں اگر دیا غا ہر کیا تھا رزیدنٹ نے بادشاہ کی بہت کچھ تسلی و تسفی کر کے فرمایا کہ اکثر آدمی ابتدا سے جوانی میں راہ راست نہیں چل سکتے ہیں لیکن اب حضور فیض الہی جوان اور بالغ ہو گئے ہیں مناسب ہے کہ حرکات یہودیگی اور ہرزہ دہانی کو چھوڑ کر راستی و درستی کے ساتھ انتظام کار و بار ریاست میں مصروف ہو جائیں ورنہ تمام ریاست کا کام برہم ہو جائیگا اور بادشاہ نے ایک خط بھی جس میں لاؤنڈ کا بیان تھا رزیدنٹ کے پاس بھیجا چنانچہ رزیدنٹ نے بادشاہ کی استدعا کے مطابق تمام کیفیت گورنر جنرل کو لکھ بھیجی اور وقت مراجعت کے سپاہیان انگریزی متعینہ بلی گارڈ کو حکم دیا کہ آئندہ سے مناجان کو سلامی نمیا کرین۔ گورنر جنرل نے جواب دیا کہ اس مضمون کو خلق میں منتشر کر دینا چاہیے چنانچہ قلم و اودھ میں اس مضمون کے اشتہار جا بجا چسپان ہوئے اسوقت سے ولی عہدی اور شاہزادگی کا لفظ اُسکے نام سے محکوک ہوا لیکن بادشاہ یلگم نے محبت کی وجہ سے اس مضمون کے سد باب میں اکثر نکتہ چینیاں کیں اور مناجان کو اپنے پاس سے جدا کیا۔

اشتہار درباب نسب فریدون بخت عرف مناجان

اشتہار کی عبارت یہ ہے۔

چون جناب والدہ صاحبہ آن طفل معروف بہ مناجان را کہ موسوم بہ محمد ممدی و لقب بہ فریدون بخت کردہ اند از قرب زمان تولد پروردہ و ازین یکا سامی مشہور نمودہ اولاً منسوب بفرزندى مابدولت ساخته بودند بار ہا گفته شد کہ این معنی خلاف ناموس نام و رنگ این دو دمان فجع الشان موجب قباح و عظیم است و جناب علیین آب اعلیٰ حضرت خلد مکان طباب تراہ و جل آنجہ مشواہ نیز بعد تحقیقات و تفتیش تمام و دریافت حال واقعی

مگر اس ارادے کا سبب بیان فرمایا جائے بیان کرنے کے لیے بادشاہ نے منظم الدولہ کو کمرشل اشارہ کیا رزیدنٹ نے کہا کہ یہ اور گورنر جنرل بدل حضور کے دوست ہیں جو کچھ ہو خود اپنی زبان مبارک سے حضور ارشاد فرمائیں اور منظم الدولہ نے بھی یہی اصرار کیا اسوقت صاف الفاظ میں بادشاہ نے کہا کہ ہم آپ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں درحقیقت قصہ یہ ہے کہ فریدون بخت اور کیوان جاہ دونوں میں سے کوئی بھی میرا بیٹا نہیں ہے اور میں آپ سے یہ حال اس لیے بیان کرتا ہوں کہ آپ گورنر جنرل کو کچھ بھیجیں اور یہ جو شہر میں مشہور ہے کہ دونوں میرے بیٹے ہیں یہ افواہ محض غلط ہے اور اس شہرت کا سبب رشوت اور عالی ہمتی ہے ملکہ زمانہ ایک لاکھ روپیہ میرے خاص خاص آدمیوں کو دیتی تھی کہ بادشاہ کو کیوان جاہ کی فرزندگی کے لیے ترغیب دیں اسی طرح میر فضل علی اور سکھ میں فریدون بخت کے لیے ایسے ایسے کام کرتے تھے میں خوب جانتا ہوں اور والد ماجد بھی جانتے تھے کہ فریدون بخت میرا بیٹا نہیں ہے اور جو کچھ حال فریدون بخت کی ماں اور میر فضل علی کی بدغلی کا اور بعد اسکے ۲۶ ماہ کے بعد فریدون بخت پیدا ہوتا منظم الدولہ نے بیان کیا تھا بادشاہ نے زبان سے اسکی تصدیق کی اور کہا کہ فریدون بخت کی ولادت ہمارے بلوغ سے بھی قبل کی ہے اور کیوان جاہ ملکہ زمانہ کے ساتھ آیا تھا پھر فرمایا کہ سابق میں مجلسار اور دغا باز ہکلو اپنے قابو میں کر کے اپنے نفع کے لیے ہکلو فرزندگی کے اقبال کے واسطے خوف کرتے تھے ایسے مجبوراً قبول کر لیا تھا لیکن اب وقت بہت اچھا ہے اور نائب سلطنت ہمارے فائدے اور خیر خواہی کے لیے بدل مستعد ہے اور راستی و درستی کے سوا کوئی امر نہیں ہے انقض بادشاہ نے دغا بازوں کے ساتھ جل میں شریک ہونے سے بہت شرم و مذمت ظاہر کی اور فرمایا کہ اب ہم سے دل میں عہد کر لیا ہے کہ سولے راہ راست کے نہیں جائیں گے اور صاحب رزیدنٹ کی بہت سی خوشامد کر کے استدعا کی کہ گورنر جنرل کو کچھ بھیجیں کہ سابق میں بادشاہ اودھ

این طفل را ازین دو دمان عالیشان اجنبی محض و مجهول النسب پندارند و گلبے و ہم نہوت
نامبرده نسبت بحضرت اقدس و اعلیٰ بنماط راہ نہ ہند۔

حکیم مہدی علی خان کی جزیسی سے متوسلان سلطنت
بلکہ خود بادشاہ کے دل میں کہ ورت پیدا ہو جانا

شہر لکھنؤ میں امر کے یہاں شادیوں میں جو ساجت کے دن رنگیں گھڑے مٹھائی
اور میوے سے بھر کر مزدوروں کے سروں پر رکھ کر دو لٹا کی طرف سے دامن کے گھر
رات کے وقت جلاتے تھے تو مزدور راستے میں اس قدر دست اندازیاں کرتے تھے کہ میوہ
اور مٹھائی بہت سی نکل جاتی تھی حکیم صاحب کو چونکہ ہر وقت کفایت و جزیسی مد نظر رہتی
تھی انھوں نے مرزا حیدر فرزند نواب محمد تقی خان کے بیاہ میں یہ جدید انتظام کیا کہ مٹھائی
اور میوہ وغیرہ وزن ہوا کرے اور اونٹوں پر لدوا کر سرکاری مقصدی غروس کے مکان تک
پہنچائیں اور خالی گھڑے کہ مطلب اُن سے نمود و نمائش ہوتی ہے مزدوروں کے سروں پر
حسب دستور جائیں اور روشنی کے باب میں یہ تجویز کی کہ تیل مٹی کے برتنوں میں رکھ کر
چراغوں میں بھرتے ہیں روغن کو رے برتنوں میں جذب ہو کر نقصان ہوتا ہے اس لیے
شہر کے باورچیوں سے چھوٹی بڑی دیگیں طلب کی جائیں۔ اسی طرح کارخانہ بادشاہی میں
بھی کفایت مد نظر تھی۔ خاص بادشاہ کے لباس میں گلبند کا تھان چالیس و پچاس روپے
کی قیمت سے کم کا صرف ہوتا تھا حکیم صاحب کی طرف سے دس پندرہ روپے کی قیمت سے
زیادہ کے تھان کی اجازت نہ تھی۔ اور پارچہ محمودی کے رومال جسکی قیمت دو تین روپے
کرنے کم نہ ہوتی تھی موقوف ہو کر خلصے کے رومال جو ایک روپے کا کئی گز بکتا تھا بادشاہ

هرگز ثبوت این طفل را نسبت بابدولت قبول نفرمودند چنانچه بر که و سه ظاهرست مگر جناب
ممدومه نشنیدند و او را طبق بالقاب مخصوص فرزندان ساختند و حال آنکه این طفل مجهول
حال را علقه بابدولت نیست و متحقق نمیکرد که جناب ممدومه این طفل را چگونه پیدا کردند حال
قوی اینست که زنی که این طفل را از بطن او میگویند و دیگر خواصان بجائۀ فضل علی میرفتند
هر چند منکر کرده شد ازین امر مستکبره باز نماندند پس غالباً از نقطه فضل علی یا درین بهیچیدی
از نقطه دیگر بهم رسانیده باشند این احتمال در صورتی است که این طفل از بطن آن زن پیدا
شده باشد والا چنانکه مشهورست زن کا ذرا که حامله بود بجائۀ خود داشته بودند و هرگاه او
وضع حمل کرد تو دل از بطن زن مذکور شهرت دادند باز مابدولت بخدمت بیگم صاحبۀ و هم
بخدمت والد ماجد خلد مکان گفته بودیم که این طفل جنبی را با بنوت من علقه نیست
لذا حضرت خلد مکان بطل نسب این مجهول النسب بودند و زیاده از همه اینکه سن حضور او را
که تکوین این طفل را بیگم صاحبۀ موصوفه مشهور کرده بودند بحد بلوغ نرسیده بود که احتمال بنوت نسبت
بخصوص امکان داشته باشد و قباحت و شاعت این امور نه چنان است که بر احدی مخفی باشد
تا گریز از ماجرایش باریله آراسے سلطنت و شمت اشرف الامرانو اب گور ز حیرل صاحب بهلا
خلد ملکہ که حفظ و حراست این سلطنت حالاً و آلاً متعلق بذات بابرکات نواب ممدوح
واللبیان سرکار کمپنی انگریز بهادرست آگهی داده شد و این معنی از ریه گزینا دلی و حق پسندی
و کفالت و حفظ این ریاست مطبوع طبع دقیقه نسخ نواب معظم الیه افتاد و در جواب اطلاع از بطلان
نسب و بنوت آن طفل و اذعان این معنی رسمی فرمودند مگر چون این امر از عمده امور ریاست است
و آگاهی خلایق هم ازین معنی باشد ضرور لهذا بر لے اطلاع خاص و عام اشتها ریز از پیشگاه و
جلال صادر گردید تا حلقه منتسبان این دولت عظمی و عماد و امر و جمیع ملازمان سرکار والا و رعایا برایا

کے لیے مقرر کیا اور دوسرے سال سے پانچ لاکھ روپیہ سال چار سال تک کے لیے قبول کیا اور اس سے آگے کو پانچ برس تک یہی آخری جمع یعنی ایک کروڑ اور ایک لاکھ سالانہ مقرر کر کے قبولیت مہری اپنے پوتے محمد علی خان کی طرف سے اپنی ضمانت کے ساتھ دفتر شاہی میں داخل کر کے پتہ مہری نصیر الدین حمید کا لکھو اگر صورت مستاجری تمام ملک اور فوج کی قراردی مگر اس قسم کی مستاجری کو گورنر جنرل اور انکی کونسل نے ناپسند کیا اور یہ حکم دیا کہ ضابطہ قدیم کے خلاف تمام ملک کی مستاجری ایک آدمی پر قرار نہیں پاسکتی۔ حکیم صاحب کا رنگ حکمت بجا ہاتھ مل کر رہ گئے۔

حکیم مہدی علی خان کی معزولی اور اسکے وجوہ و دلائل

حکیم مہدی علی خان کی طبیعت اب ایسی باقی نہ رہی جیسی پہلے تھی غصہ بڑھ گیا اور دلے ہر ایک کے ساتھ سختی اور غضب کے ساتھ پیش آنے لگے خاص و عام کے ساتھ سوا دشتی اور گالی کے بولتے نہ تھے یہ چاہا کہ بادشاہ کی حرم معترم ملکہ زانیہ کو رتبے سے گرا دیں اول انکی جاگیر میں فساد کر کے متواثر ترین بادشاہ کے گوش گزار کریں اور خود عرض کیا کہ بیگم صاحبہ کی جاگیر میں انتظام نہونے کی وجہ سے آس پاس کے تمام علاقے میں خرابی پڑ گئی ہے روپے کا وصول ہونا مشکل ہو گیا ہے اگر یہ جاگیر راہبہ بختاؤر سنگھ کو جسکی عمارتیں بیگم صاحبہ کی جاگیر کے چاروں طرف ہیں دید جائے تو وہ روپیہ بیگم صاحبہ کو پہونچاتے رہیں اور انکے علاقے کے ساتھ انتظام بھی بخوبی ہوتا ہے چونکہ یہ تقریر ظاہر میں مقبول تھی بادشاہ نے قبول کر کے وہ جاگیر جو چھ لاکھ روپے سال کی تھی راہبہ بختاؤر سنگھ کے حوالے کر دی اب یہ حال ہوا کہ بیگم صاحبہ کو روپیہ پہونچنے میں کمی ہونے لگی۔ ملکہ زانیہ کو وجہ سے گرانے کی دوسری تہذیب یہ بھائی کہ

کے لیے بنے گئے۔ دستور تھا کہ جو نئی پوشاک بادشاہ ایکبار پہن لیتے تو وہ بدن سے اتر کر انعام میں دیدیجاتی تھی حکیم صاحب نے یہ دم ترک کر کے یہ حکم دیا کہ جب تک بادشاہ کی پوشاک دو تین بار دھل کر انکے کام میں نہ آجائے تو شہ خانہ سرکاری سے جدا ہوا کرے ایکبار بادشاہ نے حکم دیا کہ بانسو جوڑے کنگنوں کے فرمائشی خواصوں کے لیے تیار ہوں حکیم صاحب نے فقری بنو کر انہیں طلائی کٹ کر انہیں چھوٹے نگینے جڑوا دیے اور بادشاہ کے محلات کی خواصوں اور لونڈیوں کے لیے جو دوپٹے بادے اور تامی وغیرہ کے قیمتی تیار ہوتے تھے وہ حکیم صاحب کی تجویز سے چھوٹے گوٹے اور بادے سے تیار ہونے لگے اور انعام کے خرچ میں یہ تخفیف کی کہ اس مصروف کی رقم دو ٹنٹ گھٹادی اور جواہرات اور شیشے کی خریداری موقوف کر دی۔ حکیم صاحب اکثر علانیہ یہ کہا کرتے تھے کہ بادشاہ سلامت چاہتے ہیں کہ گھر اپنا برباد کریں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اس طرح انتظام کروں کہ نہ نقد خزانے میں جمع ہو حکیم صاحب کی یہ جزیرسان بادشاہ کی طبیعت کو ناگوار تھیں اور اباب سلطنت مسرف پسند تھے پس ایسے دانشمند کا گذارہ ایسے مسخرے اور سطر دربار میں کب ہو سکتا۔ رفتہ رفتہ محلات بادشاہی کی زبان شکایت و اہوائی اور عداوت کی صورت پیدا ہونے لگی۔ منظم الدولہ بھی آفت روزگار تھے انھوں نے ایک ایسی تدبیر نکالی جو انکے فائدے سے خالی نہ تھی بآئکہ تمام معاملات ملک کو مستاجر ہی کی صورت پر کر دیں چنانچہ یہ بات قرار دی کہ نواب سادات علی خان کے عہد میں سرکار کبپنی کو ملک کاٹ دینے کے بعد ایک کروڑ پینتیس لاکھ روپے کا ملک سولے سائر و گنجیات کے باقی تھا یہ جمع اصلی قرار دیکر چون لاکھ روپیہ سالانہ سپاہ سلطنت اور عاملوں اور عہدہ محالات کا خرچ مجرا دیکر اکاسی لاکھ روپیہ سالانہ مصارف محلات اور کارخانہ سلطنت

سُطان پور کے باقی نگالے ہین مین یہ حج مقدس کو پہنچا کر اُن سے رسیدے چکا ہوں
 اہلکاروں کو دکھاتا ہوں تو شہزادے نہیں کرتے اُس خدمت کے صلے میں امیدوار ہوں کہ
 ۲۲ لاکھ روپے کی فارغی مرحمت ہو جائے تاکہ مجاہدے کے اندیشے سے نجات مل جائے حکیم صاحب
 اول اول جب اُنکی غرض باقی تھی فارغی دینے کا اقرار کرتے تھے جب کام نکل گیا تو یوں مالا کہ بادشاہ کی
 طرف سے فارغی دینے میں متامل ہوں مگر دل میں اطمینان رکھنا چاہیے کہ جتنا کہ میں
 موجود ہوں کوئی تم سے اُس روپے کا دعویٰ نہ کرے گانج الدین حسین خان سمجھ گئے کہ یہ شخص مجھ سے
 فریب کرتا ہے کبھی نہ کبھی ان روپوں کا دعویٰ کرے خراب کیا گئے شخص صاف نہیں ہے اگر ہر طرح جانفشانی
 کروں گا اسکے دل پر اثر نہ ہو گا یہ بہتر ہے کہ اسکا علاج مقبول کیا جائے اگر مجھے شام کو یاد کرنا ارادہ رکھتا ہوں میں سکھ
 صبح ہی کو خراب کر دوں پس خفیہ بادشاہ سے بات چیت کی راہ نکالی اور نائب کی پیخ کنی
 کی فکر کرنے لگے۔ طرفہ یہ کہ حکیم صاحب نے بادشاہ کے اخراجات روزمرہ میں اتنی کمی شروع
 کی تھی کہ اُن کا دل حکیم صاحب کی طرف سے پھر گیا تھا اس لیے اول بادشاہ نے حکیم صاحب کے
 بھتیجے احمد علی خان کو اپنی مصاحبت سے الگ کر دیا بادشاہ بیگم نے بھی بادشاہ کے
 کان بھرے کہ اس شخص کو اپنے مکان میں اس قدر خلاف دستور اختیار دیدیہے کہ علانیہ
 تمھاری بیگمات کو دربار میں بُرا کہتا ہے اور بے حرمت کرتا ہے پس میں کس شمار میں ہوں
 یہ شخص درحقیقت انگریزوں کا خیر خواہ ہے اس بات پر دلیل یہ ہے کہ ریاست کی قوت
 سپاہ سے ہے اُسکو بڑھانا چاہیے نہ یہ کہ گھٹا رہے تمھارے عزیزوں اور ملازموں کی تنخواہیں
 کم کر دیں حالانکہ بڑھانی چاہیے تمھیں ظاہر میں یہ تمکو کفایت بتائی لیکن باطن میں انگریزوں کے
 خوش کرنے کے لیے ریاست کے لوگوں کو پیدل کر رہا ہے دیکھو تھو روزمرہ کے مصارف
 میں تنگ کر دیا ہے یہ کتنی بڑی دلیری کی بات ہے اب بھی کچھ نہیں گیا ہے اسکی تدبیر کر لینی

بسم اللہ علیہ السلام جو دنیا بیک خان کی نوہی تھی اور تاج محل کی مصاحبت میں رہتی تھی ایک دن بادشاہ نے اُسے دیکھ لیا اولے دکلش پسند آگئی اُسکی طرف رغبت فرمائی خفیہ نویس نے یہ قصہ نائب تک پہنچا دیا یہ تو اس تلاش میں تھے ہی کہ کوئی ایسی عورت پیدا ہو کہ اپنی طرف بادشاہ کے دل کو کھینچ لے کیونکہ جب تک دوسری طرف اُن کا دل راغب نہ ہو گا ملکہ زمانہ کی طرف سے دل نہ پھرے گا پس بسم اللہ علیہ السلام سے خفیہ سازش کی کہ اگر میری مرضی کے موافق رہو گی اور جو میں کہو نگا اُس پر عمل کرو گی تو مکمل ملکہ زمانی کے رتبہ پر پہنچا دو گا بسم اللہ علیہ السلام نے اس لحاظ سے کہ نائب کو پورا اختیار حاصل تھا انکی بات منظور کر لی اب نائب اشارے اور کنائے میں بادشاہ کے سامنے بسم اللہ علیہ السلام کی تعریفیں کرنے لگے یہاں تک کہ بادشاہ اُس سے کھل جانے کو آمادہ ہو گئے اور بڑی دھوم دھام سے یہ شادی ہوئی حکیم صاحب نے اس عورت کو اپنی بیٹی بنایا اور دن بدن اس کا رتبہ بڑھنے لگا جب نائب کو یقین کامل ہو گیا کہ بادشاہ اس پر فریفتہ ہیں اور ملکہ زمانی کی خواہش نہیں رہی تو علانیہ ملکہ زمانہ کے نوکروں کے سامنے اُٹھنا سزا عافیت سے یاد کرنے لگے کہ وہ سُن سُن کر خون جگر کھاتی اور چپ رہتی اسی طرح بادشاہ بیکم کی جناب میں رکیک و خلاف رتبہ کلمات کہنے لگے جنہیں سُن کر اُنکے دل کو صدمہ ہوا اور حکیم صاحب کی خرابی کی فکر میں پڑیں۔ تاج الدین حسین خان سے بھی فریب شروع کیا یہ شخص حکیم صاحب کا راز دار تھا اس لیے اپنی کوشش سے مسٹر جان لو صاحب نے ڈینٹ حال کے فرلج کو حکیم صاحب کے موافق کر دیا تھا جسکی تفصیل یہ ہے کہ جب جان لو صاحب نے ڈینٹ ہو کر آئے تو تاج الدین حسین خان نے اُن سے موافقت کر کے حکیم مہدی علی خان کا دوست بنادیا حکیم صاحب تاج الدین حسین خان کی اس سُن خدمت کے ممنون ہوئے جب اُنھوں نے اپنا حق نائب پر ثابت کر دیا تو عرض کیا کہ میرے ذمے محاسبان سرکار نے ۲۲- لاکھ روپے

باتھ صاف کرینگے پس انسانوں خصوصاً سرداروں کو چاہیئے کہ بدون کوٹا کر خلق اللہ کے ساتھ احسان کریں نہ کہ بُروں کے احساندہوں اور اُنکے ظلم روکنے کی کوئی تدبیر عمل میں لائیں اب مجھ کو اور نگویہ بات مناسب ہے کہ نائب کی شکایت بادشاہ کے حضور میں پیش کریں اور ایک جماعت کو اس معاملے میں اپنے ساتھ متفق کر لیں اگر بادشاہ کے چہرے پر اُن باتوں کے سننے سے کراہیت معلوم ہو تو آئندہ پھر کبھی اس بات کو منہ سے نہ نکالیں ورنہ اشارے اور کنائے میں نائب کی بُرائیوں کو ثابت کر دیں غرض کہ سب نے بالاتفاق علانیہ اور اشارات میں نائب کی بُرائی بیان کرنی شروع کی بادشاہ بھی یہ باتیں رغبت سے سن کر شریک کلام ہونے لگے کیونکہ خود بھی نائب کی سخت مزاحی سے تنگ تھے ایک دن تاج الدین حسنین سے فرمایا کہ ہمارا دل یہ چاہتا ہے کہ حکیم مہدی علی خان کو معزول کر کے عمو کو بہ نسبت اُنکے بہت لائق ہونیابت کے کام پر مقرر کریں جب یہ میٹھی میٹھی آواز خان مذکور کے کانوں میں پہنچی بادشاہ کے نشے سے بیہوش ہو کر عقل زائل ہو گئی اور یہ نہ سمجھے کہ اس بات میں کیا مصیحت نہان ہے خود بھی معزول کرنے کو مستعد ہو گئے اور ترغیب آمیز باتیں بادشاہ سے عرض کیں بادشاہ نے فرمایا کہ ہکو یہ فکر ہے کہ مبادا رزیدنٹ انکی معزولی میں کلام کریں تاج الدین حسنین نے عرض کیا کہ حضور دل میں کوئی دغدغہ نہ لائیں انگریزوں کو جناب والا کی سرکار میں مطلق مداخلت حاصل نہیں ہے میں کل ہی رزیدنٹ کو اطلاع کروں گا کہ بادشاہ سلامت تشریف لاکر آپ سے بعض باتیں تنہائی میں بیان کریں گے اگر موافق معمول کے حکیم مہدی علی خان شریک ہونا چاہیں تو انکو روک دیا جائے پھر حضرت اچھی طرح جس قدر دل میں آئے اطمینان سے انکی شکایتیں بیان کریں رزیدنٹ بھی سب باتیں سن کر حکیم صاحب کی تند خوئی اور بے اعتدالی سے مطلع ہو جائیں اور پھر کوئی بات اُنکے موافق نہ کہیں وہ ان سے دو لٹیرے کو لوٹ کر فوراً قید

چلیے اگر پاتون جمالیے تو اٹھڑنا مشکل ہو گا بادشاہ یہ تقریر سن کر اور نیزارہ گنج الیہ حسن خان
 نے بھی بادشاہ کو اُن رازوں سے آگاہ کر دیا جو بادشاہ کی اطلاع کے بغیر انگریزوں سے نائیب نے
 کئے تھے ان تمام باتوں نے بادشاہ کو اتنا برہم کیا کہ منظم الدولہ کی خرابی کے درپے ہو گئے خانیچہ
 ایک دن بادشاہ بیگم سے کہا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں بغیر آپ کی صلاح کے نہیں کرتا اور یہ شخص بھی بغیر آپ کی
 صلاح کے نائیب نہیں بننا ہے جو کچھ ارشاد ہو گا اسکی تعمیل کجبالے لگی بادشاہ بیگم نے کہا کہ یہ درست
 ہے لیکن نوکر کو اپنے قابو میں رکھنا چاہیے نہ کہ اُسکے سامنے اپنی ہستی کو بے حقیقت کر دینا چاہیے
 اور نوکر کو اتنا غالب نہ کر دے کہ آپ اُس کا محتاج بن جائے اب صلاح یہ ہے کہ ہمدی علیا کو
 موقوف کر کے روشن الدولہ کو کہ وہ اس سرکار کا کھوار قدیم ہے اور تمھارے والد نے اُسکو عزت
 دی تھی اور کارکن بنایا تھا اور لائق اور کار پر داز آدمی ہے یہ عہدہ دیا جائے بسم اللہ بیگم نے بھی
 ہمدی علیا خان سے عہد و پیمان کے خلاف آ تو کی سلسلہ ضیائی سے اُن کی بیخ کنی کی بہت کچھ باتیں
 کہیں۔ آ تو نے بیگم کو سمجھایا کہ جب تک یہ نائیب نخل و کھوس اپنے عہدے پر برقرار ہے حکومت کو کوئی نمود
 حاصل نہو گی۔ اور نہ جھک کو کوئی فائدہ پہونچے گا ان دنوں بادشاہ بھی اُس سے کدہ بن پس ہوقت
 سے بہتر کوئی وقت اُسکے اٹھڑنے کا نہ ملے گا نہ سیہ بیگم نے کہا کہ پہلے دن اس شخص نے مجھ سے
 وعدہ لے لیا تھا اور جھکو اپنی دختر بنایا ہے پھر میں کیونکر بے سبب اُسکے خلاف کوئی لفظ زبان سے
 نکالوں اور عہد تو رٹوں آ تو نے جواب دیا کہ اگر عہد پر پابندی منظور ہے تو اپنی غفلت اور ترقہ سے
 ہاتھ اٹھالینا چاہیے۔ دنیا دار کو چاہیے کہ جس امر میں اسکی فلاح و بہبود ہو اُسے اختیار کرے
 جسے اس زمانے میں وضع کی پابندی رکھی وہ کبھی مرا دو کہ نہیں پہونچ سکتا اس بات کو اپنے
 بنایا زمین خوب سمجھ لینا چاہیے کہ منظم الدولہ نے تمھارا فروغ و رغبت دلی سے نہیں چاہا بلکہ ملک
 اپنا حق نائیب ہر بادمی کے لیے تھوڑی ترقی دلائی ہے جب اُدھر سے فرصت پالیں گے تو تم پر

چکا کہ پھر بتدریج خزانہ شاہی سے وصول کر لوں گا مگر انھوں نے برخلاف اپنے وعدے کے جس قدر چاہا روپیہ خزانہ عامہ سے لیا اور وہ بھی تمام و کمال تقسیم نہیں کیا۔ اور اپنی خوش انتظامی کو سرکار کمپنی میں شہرت دی دوسرے جو روپیہ مستمل الدولہ انعامبر کے ذمے باقی تھا اُسے وصول کرنے کی ذمہ داری اپنی ذات پر لی تھی مستمل الدولہ کانپور کو چلے گئے اور وہ روپیہ ان پر باقی رہ گیا تیسرے انکی طامعی کی یہ کیفیت ہے کہ علاوہ اُس مشاہرے کے جو مستمل الدولہ اور عماد الدولہ پاتے تھے ہر ایک کے پر پانچ روپے آمدنی مال میں سے اور اسی قدر تنخواہ ملازمین میں سے جس کا حساب لاکھوں تک پہنچتا ہے رسوم کے نام سے لیتے ہیں اور دیانت کا خیال ہے کہ خود تو رشوت لیتے نہیں مگر احمد علی خان اور بولابان اور سید محمد خان وغیرہ اپنے لوگوں کو ایسا چہرہ دکھا کر دیا ہے کہ انھوں نے لاکھوں روپے رشوت میں اہل شہر سے لیے اور مستمل الدولہ ہمیشہ دیکھتے اور کچھ نہ کہتے جو تھے ہمارے مصارف میں اس قدر جرسی کی کہ اگر ہم سو روپے کسی کو انعام کے دلوں میں تو پانچ روپے اُسکو دیکر کمزور نام کرتے ہیں یا بچوں تمام اہل شہر کو اپنی بزرگانی سے نارضا مند کیا اور ہمارے عیالات و اہل حرم کو بے حرمتی کے الفاظ سے یاد کرتے اور انکی آبرو کا پاس نہیں کرتے پس نوکر نہ ہوئے آقا نے نعمت ہوئے۔

رزیڈنٹ نے بادشاہ کو نائب کی طرف سے جب اتنا دلگیر پایا تو کہا کہ آپ اپنی ریاست کے مالک ہیں جو کچھ مناسب معلوم ہو عمل میں لائیے کوئی تردد کا مقام نہیں اس میں غیر کو دخل نہیں بادشاہ اس جواب سے شادمان و فرحان رزیڈنٹ کے پاس سے واپس آئے نجم الدولہ کو حکم دیا کہ روشن الدولہ کو لائے اور اپنے باپ نظام الدولہ کو بھی حاضر کرے جب یہ خیر قدسیہ بیگم اور بادشاہ عظیم کے محلون میں پہنچی کہ اب حکیم مہدی علی خان کی معزولی اور روشن الدولہ کی منصوبی ہوتی ہے تو بے چہرون پریشانی انکی حکیم مہدی علی خان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بہت آرزو ہوئے اور گلبدن کے

کر دین اور انکی مفسدہ پردازی سے مطمئن ہو جائیں اگر ریڈنٹ اسوقت نائب کے روکنے کو بھول جائیں تو حضرت کے ہاتھ میں ریڈنٹ کا ہاتھ ہو گا انشاء کے لیے ہاتھ کو حرکت دیدیں تاکہ یاد آجائے خانہ زاد یہ تمام باتیں ریڈنٹ کو سمجھا دیگا اس کے بعد بادشاہ عظیم مشورہ ہو کر بات پختہ ہو گئی اور روشن الدولہ کی نبابت کے لیے اسے قرار پر لگائی قدسیہ عظیم اور آتو جی کی صلاح بھی شامل تھی آتو جی کی تدبیر اس سستے کو بل دینے میں زیادہ کارگر تھی اور قرار پایا کہ شب میں روشن الدولہ کو بیان خفیہ بلا ر عہد و میثاق مستحکم کر لیا جائے آتو خود بارہ درجی راستے سے میلنے میں سوار ہو کر روشن الدولہ کے گھر گئی اور تمام رازوں سے واقف کر کے کہا کہ آج رات کو تم بلا لے جاؤ گے آتو لوٹ گئی اور رات کو سوار ہی بھیج کر روشن الدولہ کو بلوایا۔ جو منتظر طلب بیٹھے ہوئے تھے روشن الدولہ بادشاہ کے سوالات کے جواب باصول اب گزارش کر کے صبح کے قریب اپنے مکان کو لوٹ آئے اور تمام حالات سے سبحان علی خان کو مطلع کیا۔ صبح کو بادشاہ سوار ہو کر ریڈنٹ کی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور معمولی مدارات کے بعد خلوت ہوئی نائب رنگ زمانہ سے غافل تھے شریک خلوت ہونے کو پیچھے چھپے چلے ریڈنٹ کے ہاتھ میں اسوقت بادشاہ کا ہاتھ تھا انھوں نے اشارہ کیا ریڈنٹ نے آگاہ ہو کر راج الدین خان کے کہنے کے مطابق انکو منع کیا اب مہدی علی خان سمجھے کہ یہاں رنگ ہی اور ہے پرمردہ اور مضحک ہو کر مکان کے دروازے پر بیٹھ گئے اور چہرے سے حکومت کا رنگ اڑ گیا اب بادشاہ نے باطمینان ریڈنٹ سے باتیں کرنی شروع کیں اور کہا کہ لوگ تو ن فرامی کا اتمام لگائیں گے مگر آپ جانتے ہیں کہ نوکر مالک کی تفضیح کے لیے ہوتا ہے یا آرام دینے کے واسطے میں نے جب حکیم مہدی علی خان کو نائب بنایا تھا تو انھوں نے چند وعائے کیے تھے ان میں سے ایک ادا نہوا یہلا وعدہ یہ کیا تھا کہ نوکر دن کی جس قدر تنخواہیں چڑھی ہوئی ہیں وہ اپنے پاس سے

امید پر رشتہ داری کی آج سختی کا وقت آیا تو حمایت سے گریز کرتے ہیں اس لیے مین آپ کی
 پاس خاطر سے دوسری شق اختیار کرتا ہوں اور اُسی وقت حکیم صاحب سے رخصت ہو کر
 ریڈنٹ کے پاس آئے انھوں نے پوچھا کہ اس وقت یہاں تمہیں کس نے بھیجا ہے مرزا نے
 حکیم مہدی علی خان کا نام لیا ریڈنٹ نے کہا کہ تم بادشاہ سے نہیں ڈرتے جو ایسے وقت
 مین انکی طرف سے سوال و جواب پر مکرر باندھی ہے مرزا نے کہا کہ جہاں پناہ کا خوف مسلم ہے
 لیکن آپ نور کرین کہ اس وقت منظم الدولہ بیکار ہیں اُن سے کسی کو نفع کی امید نہیں اور بادشاہ
 فضل الہی سے تحت حکومت پر برقرار ہیں جب اس وقت نائب معزول نے مجھے بلایا اور لجاہت
 کی تو اپنے دل میں مین نے خیال کیا کہ سجان اللہ دینا عجب عبرت کی جگہ ہے کہ کل تک یہ شخص
 لاکھوں آدمیوں پر حاکم تھا اور آج ایک آدمی کے لیے محتاج ہے پس خدا کے خوف کو بادشاہ کے
 خوف پر مقدم رکھا اور دنیا کے نفع کو ترک کر کے اُنکی مدد کو اچھا جانا اگر اس کام میں فائدہ ہاتھ
 سے جائے تو جالے مگر مروت کی راہ میں نیکنامی حاصل ہے اگر مجھ میں کوئی بُرائی ہوگی تو مصائب کا
 اندیشہ نہیں ہے ریڈنٹ کو یہ تقریر پسند آئی اور اس ہمت پر تحسین کی حال پوچھا بیان کیا کہ منظم الدولہ
 نے کہا ہے کہ مین نے عرصہ دراز سے اس سرکار کے تعلقات چھوڑ کر سرکار انگریزی کے ملک میں حکومت
 اختیار کی تھی اور شاہ انگلستان کی رعیت بن گیا تھا شاہ اودھ نے ایک شہر اپنے ہاتھ سے میرے
 نام لکھ کر اپنے ایک امیر مرزا سیدہ حسن نامی کے ہاتھ میرے پاس بھیج کر بلایا مین نے خیال کیا کہ
 اس سرکار کا ٹک اہلکاروں کی بے سلیقگی سے برباد ہو رہا ہے جسکی وجہ سے قرب و جوار کے
 انگریزی علاقے میں بھی فتنہ اور شورش پیدا ہوتی ہے اور بھگوانا قادیبی خیر خواہ بھکر طلب کیا ہے اس لیے
 مین نے مناسب سمجھا کہ ایسے وقت میں شریک حال ہو کر حق نمک خواری ادا کروں اور ملک کے سر سے
 بلاے بے انتظامی و خرابی کو دفع کروں اس کام میں دونوں سرکاروں کا نفع تھا۔ علاوہ اس کے

تھانوں کے پیش کرنے کے بہانے سے بادشاہ کے پاس آنا چاہا جواب ملا کہ اسوقت کوئی ضروری کام درپیش ہے دوسرے وقت لاکر ملاحظہ کرالیں مجبور ہو کر مضطر بنانے اپنے مکان کو لوٹے راستے میں سنا کہ روشن الدولہ اور انتظام الدولہ کو بادشاہ نے طلب فرمایا ہے سید کی طرح لڑنے لگے اور نہایت خوف و ہراس کی حالت میں اپنے گھر پہنچے۔

حکیم مہدی علی خان کا ریڈنٹ کو اپنا حامی بنانا اس لئے حکام سلطنت کا اُن پر ہاتھ نہ ڈال سکتا

حکیم مہدی علی خان نے دل کو قابو میں کر کے یہ خیال کیا کہ سخت دشمن پہنچ گیا ہے مگر دل مجھ سے بچد ناراض ہے جو کچھ مجھے اُسے تکلیفیں کل بانی تھیں آج اُنکے بدلے میں کسر نہ اٹھا سکے گا اور پورا پورا انتقام لے گا۔ عقدہ کشائی کی یہ تدبیر سوچی کہ مرزا حیدر پسر مرزا محمد تقی کو جن سے سمدھیانہ کا تازہ رشتہ قائم ہوا تھا بلا کر کہا کہ یہ وقت میری بیکسی کا ہے اگر دستگیری کرو گے تو جوافر دی سے بعید ہو گا مرزا نے کہا کہ ایسا کونسا سخت کام درپیش ہے ظاہر فرمائیے جو لایا کہ چند بیویوں نے بادشاہ کے مزاج کو میری طرف سے براہم کر دیا ہے اور وہ سب مل کر میری خرابی کے درپے ہیں اور میری حرمت بگاڑنا چاہتے ہیں میری حرمت کے بارے میں ریڈنٹ سے گفتگو کیجئے اور اُن سے کہئے کہ حساب وہی مجھ سے لیا جائے مگر حرمت کی مزاحمت اور عزت کی خرابی بھی جائے مرزا اسوقت بہت متاثر ہوئے اور دیر تک خاموش رہ کر کہا کہ بہت مشکل کام اور سخت معاملہ واقع ہوا ہے کہ نہ آپ سے انکار کی مجال ہے اور نہ بادشاہ سے مقابلے کی طاقت اگر میں کوشش کرتا ہوں تو ابھی بادشاہ سے قطع تعاقب ہو کر ڈیڑھ سو برس کی بے سودی کا مکان ہاتھ سے جاتا ہے اگر آپ سے انکار کرتا ہوں تو لوگ کہیں گے کہ کل تو نفع کی

یا مغلانیوں یا پیش خدمتوں کے لیے ہے اس لیے وہ تیسر کر فی چلیسے کہ نہ تو حکم عدولی ہو اور نہ خرچ بڑے دو تین دن میں چاندی کے عدد بنو کر ان پر سونے کا ملح کر دیا بادشاہ نے پسند کر کے تعریف کی اور بٹوادیے جب تک نائب کام پر رہے انکی تعریف ہوتی رہی اب بیزار ہو کر انکو بادشاہ نے علیحدہ کر دیا تو طرح طرح کے عیب تلاش کرنے لگے اتفاق وقت سے دو تین گنٹوں کا ملح دور ہو کر چاندی دکھلائی دینے لگی رخ اشتباہ کے لیے کسی عدد کوٹوائے دیکھا تو چاندی کے تھے اس بات کو نائب کی بہت بڑی خیانت قرار دیا اور تمام گنگن صاحب ریڈیٹ کے پاس بھیج کر کھلا یا کہ دیکھئے مہدی علی خان کیسے خائن ہیں کہ سونے کے دام لیے اور چاندی پر ملح کر دیا جبکہ ادنے کام میں یہ غبن ہے تو بڑے بڑے کاموں میں کتنا خود برد کیا ہو گا ندیٹ کو بھی بہت حیرت ہوئی اور تحقیقات کے لیے منظم الدولہ کے پاس گنگن بھیجے انھوں نے کہا کہ انکی قیمت کاغذ میں دیکھنی چاہیے اگر چاندی کے دام مندرج ہوں تو الزام بجا ہے اور اگر سونے کے بڑے ہوں تو بجا ہے اس سرکار میں طرفی یہ ہے کہ جتنی خیر خواہی کیجائے اور جس کوشش سے کام کیا جائے وہ سب بچ ہے کاغذ کو دیکھا گیا تو چاندی کا نرخ لکھا ہوا تھا اس سے محاسبے کے باب میں سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔

حکیم مہدی علی خان کی معزولی کے مقدمے میں گورنر جنرل کی اطلاع کے بغیر جو زیادہ اصرار نامناسب تھا ریڈیٹ نے اسی بات پر کفایت کی کہ ہلو حکیم صاحب کے عزل و نصب سے کسی طرح کام نہیں کر انکی عزت و حرمت کی پاسداری بقدر دور اندیشی ملحوظ خاطر عالی رہے آئندہ جو کچھ تجویز فرما کر تحریر کیا جائے اس کے مطابق گورنر جنرل کو اطلاع دیا جائے ۱۸۳۸ء ہجری میں جو خط حکیم مہدی علی خان کی معزولی کے باب میں لکھ گورنر جنرل کے ملاحظے کے لیے ریڈیٹ کے پاس بھیجا اس کا ترجمہ یہ ہے۔

جب بھگلو بلایا تھا تو اس وقت میں نے فرخ آباد کے ہر ایک انگریز سے صلاح لی سب نے بالاتفاق روانگی کا مشورہ دیا تب میں آیا یہاں آنے کے بعد مہمات مالی و ملکی میں جو عرق ریزی کی وہ سب ظاہر ہے جو لوگ بھگدر تھے وہ ایسی سرکار میں میرے اس خون جگر کھانے کا آخرین میں بھی صلہ ملنا لگان کرتے تھے جواب پایا۔ اب آپ کی توجہ سے یہ امید ہے کہ میری عزت کی حفاظت کیجئے جو مجھے مناسبہ سمجھیں گئے گا المضاعف ادا کروں گا۔ لیکن یہ اندیشہ ہے کہ مبادا بادشاہ دشمنوں کے اغوا سے میری عزت کے درپے ہوں اس وقت میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا زینڈنٹ نے جواب دیا کہ حکیم صاحب سے کہنا چاہیے کہ جبکہ آپ کا دامن حساب سے پاک ہے تو محاسبے کا خوف نہ رکھنا چاہیئے اطمینان اور آرام سے بیٹھے رہو کوئی تمہاری عزت پر ہاتھ نہ ڈال سکے کامزاج خوش و خرم وہاں سے لوٹ کر آئے حکیم صاحب کو متفکر پا کر تمام حال کما وہ اس فوجدان بخش سے مطمئن ہو گئے۔

بادشاہ نے بخٹاؤرنگ کو حکیم مہدی علی خان سے نظر بند کرنے کا حکم دیا ابھی تک وہ ڈھرمچی کوٹھی میں قیام پذیر تھے دفعتہ پیرے جا کر کھڑے ہو گئے اور سات رنج الاول سنہ ۱۱۸۸ ہجری مطابق ماہ اگست ۱۸۷۲ء کو معزول ہوئے اب حکیم صاحب کی حکمت ساری بھول گئی۔

تاج الدین حسین خان اس قصور میں تھے کہ وزارت میرے ہاتھ لگے گی مگر یہ دولت روشن الدولہ محمد حسین خان بہادر صولت جنگ کو نصیب ہوئی اور سبحان علی خان شریک مشورہ قرار دیے گئے اور عہدہ سفارت زینڈنٹی کیج الدین حسین خان سے متعلق رہا۔

حکیم صاحب پر نہایت لغو محاسبہ

پہلا محاسبہ جو حکیم صاحب کو پیش آیا وہ یہ ہے کہ بادشاہ نے انکی وزارت کے زمانے میں انکو حکم دیا تھا کہ پانسو جڑی طلائی کنگن بنوا کر بھجودین نائب نے سمجھا کہ یہ فضول خرچی کماریوں

شفقت و الطاف کا بیان نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اُسکے ارادے کی تہ کو پہنچ کر اُسکے منصوبے میں اپنے آپکو شریک نہ فرمایا اور یادداشت شرح ملاقات بین اجوری سنہ ۱۱۳۱ء و تحلی پرست صاحب سکرٹری خاص میں یہ عبارت مندرج فرمائی۔ لیکن باموری بہادر موصوف باین عمدہ والا بر فضل ذات ستودہ صفات متصورست نہ این جانب را نوعی دران شرکت غفلت بودہ بلکہ عمد از شمول آن کنارہ کش گردیدیم و نہ از خود بطلای خلعت فاخرہ بہ تقریب سرفرازی او شان پرداختیم و نہ عطایے آن روبروے این جانب از ان سامی مکان قبول کردیم کہ تہی اور رب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ۲۵۔ صفر ۱۱۳۶ ہجری کو ایک خط میں حضور کی طرف سے مسٹر ماؤک (مڈک) صاحب بہادر کے نام عبارت ناملازم کھلکھری بھیجی جس سے صاحب موصوف نہایت رنجیدہ خاطر اور غصہ ہوئے اور پھر اُسکے کھنکھنے کی تمزت اہلکاران دارالانشاء کے سر پر تھوپنی اور کہا کہ میری اطلاع اور آگاہی کے بغیر انھوں نے اپنی طرف سے ایسا لکھ دیا ہے اور تمام علمے کو معطل کر دیا حالانکہ انکا کام صرف صاف کرنے کا تھا اس سے زیادہ انکو کوئی مداخلت نہ تھی جو کچھ یہ شخص چاہتا تھا وہ لکھو کر جاری کر دیتا تھا۔ اور آپ کے دل میں یہ بات ہرگز نہ آئی چاہیے کہ حضور کی طرف سے ایسا اختیار اس شخص کو کیوں دیدیا گیا اس لئے کہ اولاً یہ امر کچھ حضور ہی پر موقوف نہیں سوائے اُن سلاطین کے جو بذات خود بادشاہ ہوتے ہیں ایسے بادشاہوں کو جو باپ دادا سے وراثت میں سلطنت پاتے ہیں اور پوتروں کے امیر ہوتے ہیں کاموں کا تجربہ کتر ہوتا ہے دوسرے لفظ بلفظ کاغذ کے طومار کو دیکھنا اور اُسکے حسن و قبح کو جاننا بادشاہان ہندوستان کا کام کہ رہا ہے تیسرے جس کسی کو اپنا نمک حلال اور خیر خواہ تصور کر کے مدارالمہام اور مختار سلطنت بنایا جاتا ہے تو اُس پر ضرور اعتماد کرنا پڑتا ہے اور اُسکی طرف سے یہ اطمینان رہتا ہے کہ دولت خواہی

ترجمہ خط نصیر الدین حیدر در باب معزولی منظم الدولہ

آپ نے جو کچھ گفتگو منظم الدولہ کی معزولی کے باب میں کر حضور کے ساتھ کی اس میں شبہ نہیں کہ اسکی منشا صرف محبت و نیک اندیشی اس سرکار کے حق میں تھی لیکن آپ کو حقیقت حال سے آگاہی نہیں ہے اور حضور کو ان امور میں سے اکثر کے بیان کرنے سے حجاب آتا ہے اور نہیں چاہتے کہ زبان پر انکا ذکر آئے لیکن اب بضرورت مفصل لکھا جاتا ہے۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو ہم نے فرخ آباد سے محض اسوجہ سے بلایا تھا کہ اس ریاست کے ساتھ اس کے تعلقات قدیم سے چلے آتے ہیں اور شاہ الیہ نے فقط اس سرکار سے ثروت و ترقی پائی ہے اور اذ نے درجہ سے مرتبہ اعلیٰ کو پہنچا ہے اور قلم و سرکاری کپنی میں بطور خوش باشوں کے سکونت اختیار کر لینے کے سوا اور کسی قسم کا اس سرکار سے توسل اور استحقاق نہیں رکھتا اور یہاں بھی بغیر توسط شمول سرکاری کپنی کے آیا ہے ہم نے اسکی قدامت پر خیال کر کے وزارت کے عہدے پر سرفراز فرمایا اور طرح کی مہربانی اس کے حق میں مرعی رکھی اور نمائندگی کر دیا جسکا حال تمام مخلوق پر ظاہر ہے لیکن جب قدر اس کے فساد طینت کا حال زبان زد خلق تھا اور جو کچھ صاحبان زر و ثروت سلاسل کرنیل کالمس صاحب بہادر اور کرنیل جان سیلی صاحب بہادر دفتر زر و ثروت کے جوائید میں اسکی نسبت لکھ گئے ہیں اسکا حال ابتدا میں حضور کو بالکل معلوم تھا یہ شخص ابتدا سے ریاست پر تسلط کی فکر میں تھا اور چاہتا تھا کہ کسی صورت سے حضور کو بے اختیار کر دے چنانچہ اس خیال سے حضور کی طرف سے ایک محبت نامہ اٹھارہ جلدی الاموی ۱۲۶۱ ہجری کو لکھوا کر اس کے ذریعے سے چاہا کہ کپنی کی حمایت میں آجائے تاکہ حضور کو اسکی معزولی کے باب میں کسی طرح کا اختیار باقی نہ رہے لیکن اب گورنر جنرل بہادر با بقابہ کی

اور پھر نہایت دروغ اور کذب کی راہ سے یہ لکھوا دیا کہ یہ روپیہ اپنے پاس سے سرانجام
 کر کے سرکاری خرچ میں لایا ہوں اور پھر اس قدر روپوں کو بٹے اور قبولیت کی تحریر میں
 جبر لے لیا جس سے ایک طرف تو ملک اسکی ملکیت ہو جاتا اور دوسری طرف اتنا بڑا قرض
 لگتا ہے سبب سرکار کے فے ہو جاتا اور آپ اس بات کو یقین کرینگے کہ حضور کو اس کے جل و ذرب
 کی اصلاح نہ تھی حضور سے اس نے یہ کہا تھا کہ اے لایان دولت کہینی کی صاف مرضی
 یہ ہے کہ اس ملک پر اپنا قبضہ کر لیں میں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ اپنی ذمہ داری دس برس
 تک کے لیے ظاہر کر دوں گا تاکہ ارکان سلطنت کہینی کو اس عذر کی وجہ سے تصرف اور قبضہ کا
 موقع نہ ملے اگرچہ اس بات کو حضور کے دل نے باور نہ کیا لیکن چونکہ عنان اختیار اس کے ہاتھ
 میں سپرد کی تھی ہم نے سکوت کیا مگر کمان تک شکر و اب گور نہ جبرل کی لطف و عنایت کا
 ادا کیا جائے کہ جب صاحب قائم مقام رزیدنٹ کی تحریر کے ذریعہ سے اس امر کی اطلاع
 ملی تو یکتا دلی اور اتحاد قدیمانہ کے پاس و محاط سے اس بات کو قبول نہ فرمایا اور ^{۱۸۸۱ء} اوجن
 کو جیسا کہ صاحب قائم مقام رزیدنٹ بہادر کے خط مورخہ ۱۵۔ محرم ۱۲۸۱ھ ہجری سے استفاد
 ہو رہا ہے اس کام کی نامنظوری کمال اصرار کے ساتھ تحریر فرمائی جس کے بعض فقرات یہ ہیں
 ۱۔ القاب حضور کہ بہ شاہ اودھ مقبول شدہ تا وقتیکہ باین خطاب بہستند خود را از واجبات
 و مستلزمات آن بری نتوانند کرد ہم ازین جانب اطلاع سازند کہ سرکار کہینی انگریز بہادر گاہی
 چنین اقرار و قبولیت و پٹے را کہ بالفعل از حضور نوشتہ شدہ است منظور و مقبول نتواند فرمودہ
 پس گویا از سر نو انھوں نے یہ ملک حضور کو باور نہ اگر یہ امر قبول فرمائیے تو چونکہ تحریر حضور کی
 مہر می تھی حضور کو انکار کی کیا انجائیش ہوتی اور در حقیقت یہ راست اس قدر مدت کے لیے اہمیت سے
 نکل جاتی نہ کلام یہ ہے کہ بالفعل جو حضور کو اسکی طرف سے تنفر اور رسیدگی پیدا ہو کر اسے غل پر

خلاف کرے گا چنانچہ لگے وقتوں میں اکثر سلاطین و لواعظم محض ناخاندہ گذرے ہیں بیٹے
کس طرح تحریر کے نیک و بد کا امتحان اپنے ذمے کر سکتے تھے اور مدارالمہام اور کار گزار پر اعتماد
اور بھروسہ کرنے کے سوا کیا چارہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص نے تسلط اور دتحریر کے بعد
وہ کام کیا کہ ابتدا سے ابوالشتر آدم سے آجتک کار گزاروں میں سے کسی نے ہرگز نہیں کیا ہے
یعنی تمام ملک کا اجارہ اپنے نام پر تجویز کر کے بطور پٹہ اور قبولیت کے اپنی طرف سے ایک
عبارت اختراع کر کے ایک مراسلہ غزہ ریح الاول سلمۃ ہجری کو حضور کی جانب سے لکھوا کر
اس پٹے کی نقل اس مراسلے کے ساتھ نواب گورنر جنرل کی اطلاع کے لیے قائم مقام صاحب
ریڈنٹ کے پاس بھیجی اور مطابق اسکے نواب گورنر جنرل کے نام نامی پر محبت نامے لکھوا کر
اپنے پاس کھچھوٹے تھے جن کو اب تک واپس نہیں کیا۔ طرفہ کام کیے ہیں کہ کسی نے قانون سے
بھی نہیں ہونگے اول تمام ملک کی جمع جو قطع نظر وصول خام کے ایک کروڑ بیستیس لاکھ روپے
میں وقت تفویض ملک مفوضہ کے اس سرکار کے حصے میں رہی تھی کل اکاشی لاکھ روپیہ
جمع اصل و اضافہ قرار دی اور آئندہ چار سال تک کے لیے پانچ پانچ لاکھ روپے کا اضافہ
لکھا پھر اس سے آگے کو پانچ برس تک جمع مساوی رکھی اور اس طرح دس برس کے لیے تمام
ملک اپنے اجاسے میں مقرر کر لیا پس ظاہر ہے کہ ہر سال لاکھوں روپے جمع عین المال سرکار
میں اپنے اڑانے کے لیے باقی رکھے دوسرے نہایت جوش تسلط میں اگر عبارت بٹہ میں
سرکار کی طرف سے یہ اقرار مندرج کیا گیا کہ اگر نامبروہ مر جائے تو اسکا وارث بسبب اس تحریر کے
ملک کا مالک ہوگا سبحان اللہ کیا دور اندیشیان ہیں کہ اپنی موت کے بعد بھی حضور کی بے اعتباری
اور اپنے وارث کا تسلط و خطر باگیا اس ملک کو اپنی ملکیت موروثی سمجھ لیا تھا قیصر سے
عجب جمل و فرب کیا کہ پچاس لاکھ روپے خزانہ قدیم سے تنخواہ داران سابق کو دینے کے نام سے لے لیا

جن محالات میں کہ اس روپے کے وصول ہونے کی گنجائش مدد کی اس علاقے کی صحیح معین میں
سے فی صدی پانچ روپے کے حساب سے منہا کر کے اپنا رسوم قائم کیا اور یہ جو ظاہر کرتا
ہے کہ میں نے سرکار کا فائدہ کیا ہے محض فریب ہے کیونکہ آمدنی کا ذکر کثیر اسکے تصرف میں ہے
اور جو کچھ خزانہ سرکار میں وضع ہوا وہ تمام اپنے نام پر جمع کیا اور اس کے بیان کا جھوٹ ثابت
کرنے کے لیے اس رسوم کے فرمان کی عبارت جسکی نقل اسکے ساتھ بھیجی جاتی ہے کافی ہے کہ اگر
سرکار کے نام پر جمع کرتا تو اس تحریر میں اپنا نام کیوں لکھوایا اور اب تک سزا نسکی کس لیے
حرز جان سمجھ کر اپنے پاس رکھ چھوڑی ہے اور یہ مختصر سی ریاست اس قدر گنجائش نہیں رکھتی کہ
کم و بیش ہندہ لاکھ روپیہ سالانہ مدخل و مخارج کے رسوم کی بابت علاوہ اس کے اقربا اور
غریزون کے درمیان کے جو ایک لاکھ روپیہ سے متجاوز ہے اس شخص کو دیگر مدارالہامی پر
بحال رکھے (۳) ایک ایسا عین فاش اور خیانت صریح کی ہے جو آج تک کسی اہلکار
سابق و حال نے نکی ہوگی اور وہ ہے کہ بانیس لاکھ سترہ ہزار آٹھ سو نوٹ روپے نقد خرچ کرنے
سے دو مرتبہ کر کے علانیہ اپنے مکان کو بھیج دیے اور سرکاری دفتر میں نوٹ کی خریداری کے
نام پر لکھوا دیے عند تحقیق معلوم ہوا کہ نوٹ ہرگز سرکار میں نہ پہنچا اور اسکے اس جواب سے کہ ان نوٹ
استفسار کے وقت دیا ہے معلوم ہوا کہ خاص اسکا تصرف ہے اور جبکہ مدارالہام سرکار کا ظاہر میں دیانت اور
استغنا اور بے لوثی کا دعویٰ کرے اور حقیقت میں ایسا غلب بے اندازہ کرتا ہو تو اسکے باقی رکھنے میں بقائے
خزانہ نامکن ہے (۴) عوض میں ان تعضلات کے جو ہر تہائی طرف سے کیے گئے کمالات اور سست
اس خاندان نفع انسان کے اکثر مستبین کے حق میں غائبانہ اور سرکار کے بلازمون کے روبرو کیے اور جو لوگوں کے
سلسلے کے تھے ان کی زبانی متواتر ثبوت کو پہنچے جن لوگوں نے وہ الفاظ سنے ہیں وہ
حلف کے ساتھ گواہی دیتے کہ تو تیار ہیں یہ بھی ایک طرف تا مبرہہ چادر شرم کا پردہ اٹھا کر بالمشافہ

نوبت پہنچی اسکے کئی باعث دن (۱۵) پر لے نقصہ کو تازہ کر کے حضور سے از سر نو درخواست کی کہ اسی مجمع اور اسی شرط پر جب تک ٹک بھکونہ دیا جائے گا مجھ سے ٹک کا انتظام نہیں ہو سکتا اور اپنی اس درخواست کی قبولیت پر حضور کو آمادہ ہونے کے لیے مجبور کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اب اہالیان سرکار کہنی سے اجازت نہ مانگی جائیگی اور جب قدر اس باسے بین حضور کی طرف سے دیر ہوتی تھی اتنا ہی زیادہ اصرار کرتا تھا اور پریشان بناتا تھا اور منع کرنے پر بھی نہیں مانتا تھا اور کوئی دن ایسا خالی نہیں جاتا کہ اس امر کا تقاضا کرتا ہو اور اس گفتگو سے روح کو صدمہ نہ پہنچا ہو آپ غور فرمائیں کہ اگر فقط یہی امر ہوتا اور دوسرے قصورات اس سے سر نہ نہوتے تو کیا یہ قصور اسکو معزول کرنے کے لیے کافی نہ ہوتا اور اسکی معزولی کے بغیر کیا کیا جاتا (۲) ایک عجیب و غریب مسودہ اپنے رسوم کی بابت نامیردہ نے وزارت میں پیش کر کے حضور سے لکھوایا جسکی نقل اسکے ساتھ ہے کسی عہدے کے رسوم کو کسی شخص نے بھی علم میں نہ لایا تھا پس سنا ہے پھر اس سے بڑھ کر تسلط اور اقتدار کا ارادہ کونسا ہو گا اور یہ زرد کثیر کہ داخل و خارج ٹک پر کر لینی دس روپیہ فی صدی ہوتا ہے اس آمدنی ٹک سے حق وزارت قرار دیا اس معاملے میں بھی نواب گورنر جنرل کا احسان کما تک بیان کیا جائے کہ علاج سے سنگر اس معاملے کی نسبت اپنی کراہیت تحریر کی جیسا کہ خط قائم مقام ندیدنٹ بہادر سے جو ۲۳- محرم ۱۲۸۷ ہجری کا لکھا ہوا تھا حضور کو واضح ہوا۔ اس شخص نے اس باب میں چندے تامل کر کے صاحب قائم مقام ندیدنٹ بہادر کے سامنے اپنے لینے سے انکار کر دیا حالانکہ ہرگز دست بردار نہیں ہوا۔ اور اس باب میں عجیب کام کیا ہے کہ تحریر رسوم میں لفظ سواے مال سرکار لکھواتا ہے حالانکہ جو کچھ ملکیت سے وصول ہوتا ہے درحقیقت وہ مال سرکار ہے نہ آسمان سے برستا ہے اور نہ زمین سے اگتا ہے لیکن ایسا کرتا تھا کہ رقم جدید باندھتا تھا

کسی اہلکار نے بغیر حکم والی ملک کے کبھی جاری نہیں کیا ہے ایسے امور کے لیے اول شرع کا حکم چاہیئے بعدہ والی ملک سے اجازت لینا چاہیئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی کو تشہیر اور کسی کا منہ کالا کرنا اور گدھے پر چڑھانا خاص کر کسی شریف آدمی کے ساتھ ایسا کرنا قتل کرنے سے بڑھ کر ہے اس شخص کی مدارالمہامی کے عہد میں کہ بالطبع ظالم ہے یہ سرائین ایسی سہل ہو گئیں کہ ثقہ آدمیوں کو خیف سے قصور پر تشہیر کرتا انکا منہ کالا کرتا اور گدھے پر چڑھاتا حضور کی طرف سے ایسی سزاؤں کی اجازت ملنا ایک طرف حضور پر تو انکا واقع ہونا نہایت شاق تھا کئی بار اسکو منع کیا گیا یہی جواب دیتا تھا کہ اگر میرے ہاتھ سے کالم لینا منظور ہے تو حضور ذرا بھی مداخلت نہ کریں کمال ناگوار سی کے ساتھ سکوت کیا جاتا تھا چنانچہ گنگا دین متھدی کو صرف اس تصور پر کہ اُس نے برطرف ہر کارے کو بحال آدمیوں کی فہرست میں لکھ دیا تھا جسکو ہرگز جعل نہیں قرار دیا جاسکتا منہ کالا کر کے گدھے پر چڑھوایا اور تمام شہر میں تشہیر کرایا چنانچہ کسی شخص نے آپ سے بھی اس بات کی شکایت کی تھی اور آپ نے مومی ایہ سے استفسار کیا تھا افسوس کہ اُسکی بھی ہوئی روبکاری کو بنور زمین دیکھا جس سے ثابت ہو جاتا کہ اس شخص نے ایک بیگناہ آدمی پر ایسا سخت جبر و ظلم کیا اور اس ظلم کا اُس نے عدلی نام لکھا تھا کاش اس عدل کا برتاؤ تمام دیوبند ساتھ یکساں روار کھتا حالانکہ اپنے متوسلین کے بڑے بڑے قصورات پر درگزر کرتا تھا۔ دیاندرھان جو اسکا نوکر رکھایا ہوا تھا اور اسکو بخشی گری کا کلیتہ مالک کر دیا تھا اور اُس نے ایسا کام کیا تھا کہ ابتدا سے عالم سے کسی نے ایسا کام نہ کیا ہو گا یعنی قرب چاہنے والے کے پیادہ و سوانحیر ملذم کی تنخواہ قلعہ کے ساتھ سرکار سے دلوا کر تا تھا اُس کو ایک دن بھی اپنے سامنے بلا کر ایک بات نہ کہی اور اُس سے ایسی بڑی خیانت کی باز پرس نہ کی

حضور کو ایسے کلمات کہتا ہے کہ اُن میں سے بہت ہی کم آپ سے خلوت میں کہے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے کلمات محتاج اور غریب آدمی کی بھی غیرت اپنے ہمسرے سنا گوارا نہیں کر سکتی نہ کہ دلی نعمت بلکہ دالی ملک اور فرمانروا کی برداشت کر سکے اگر اُسکی پیرانہ سالی اور اس سرکار میں عزت یافتگی اور حضور کی مروت جبلی مانع نہ ہوتی تو جیسے ہی کہ اس طرح کے کلمات اُسکے منہ سے نکلے تھے اُسکو سزا دی جاتی۔ لیکن اُسوقت سے پھر کبھی اس شخص کی صورت دیکھنا حضور کو گوارا نہیں ہوا چہ جائے کہ اُسکی حکمرانی تمام پر اور حضور کے ساتھ شریک صحبت رہنا اور مجالست گوارا ہو اور اگر آپ کو اس سے تعجب پیدا ہو کہ اس شخص نے کس طرح ایسے خطرناک اور نامستحسن کام کا اقدام کیا ہو گا تو جو کچھ اُسے بعض خطوط میں اعلیٰ حضرت خلد رکان (غازی الدین حیدر) کے حق میں طعن و تشنیع کے الفاظ لکھوائے ہیں وہ اس جرم کے صدور پر دلیل کافی ہیں اپنے دفتر سے نکلوا کر دیکھ لیجئے پھر اُسکی اس جسارت کی نسبت تعجب نہ لگے گا (۵۵) اس قدر مسلم ہے کہ جو کوئی کسی ریاست کا مدار المہام ہوتا ہے تو وہ اپنے متوسلین کو عمدے اور خدمات دیتا ہے اور اُنکی پرورش کرتا ہے۔ لیکن جو کہ رؤسا کی سرکار عموماً ماضق کی پرورش کے لیے ہوتی ہے اس لیے دوسرے آدمیوں کو بالکل محروم نہیں کیا جاتا مگر اس شخص نے ہر اُننے و اعلیٰ خدمت پر صرف اپنے متوسلین کو مقرر کیا یہاں تک کہ اس بات کا بھی روادار نہوا کہ قدیمی نامی بھی اپنی خدمت پر بحال رہیں اُنکو بڑے اصرار کے ساتھ حضور کی خدمت سے موقوف کر کے اپنے جام کو مقرر کیا اور ظاہر ہے کہ اس طرح جو کوئی کسی پر احاطہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ ایک قسم کی قید معنوی ہے (۶۱) جو امر کہ موجب کمال نفرت حضور کا مشا رہا یہ ہے وہ یہ ہے کہ گو کار گزار مختار ہوتا ہے مگر حدود اور قصاص اور تعذیر کو قدیم الا یام سے آج کے دن تک

بہادر موصوف کے جواب سے جو آپ کے پرچہ پیام مرقومہ چٹی جہادی الاخریٰ مسکتہ
 ہجری کے ذریعہ سے آیا عاجز ہو گیا اور اصلاً جواب اُسکا سرا انجام نہوسکا۔ اور جب کہ
 مدارالہمام نہایت جلسا زہو اور ایسے کام پر حسین اُسکی ذات کے لیے کچھ بھی فائدہ نہیں
 جمل کیا کہ کوئی کام اس سے زیادہ قبیح نہیں ہے تو جب اُسکو اپنی ذات کے لیے ضرورت
 واقع ہو تو خدا جانے جمل کر کے رئیس اور ریاست کو کیا کچھ مضرت پہونچائے گا پس ایسے
 مدارالہمام سے محفوظ رہنا کیونکر ہو سکتا ہے (۹) ایک ایسا امر ہے کہ اُسکے تصور سے
 بدن کے روگئے کھڑے ہوتے ہیں کہ ایسا بے عذاب جمل کرنا اسی شخص کا کام ہے دوسرے
 کام نہیں تفصیل اُسکی یہ ہے کہ مومی الیہ حضور سے درخواست کرتا تھا کہ مجھکو ناظم الملک
 سپہدار جنگ خطاب دینا چاہیے اُسکو جواب دیا گیا کہ ناظم الملک جد امجد کا خطاب ہے
 اور تمکو انھین نے ادنیٰ مرتبے سے اعلیٰ مرتبے کو پہونچایا ہے پس یہ بے ادبی یعنی یہ خطاب
 ہمو دینا اور تمکو اُس کا لینا زیبا نہیں کیونکہ خلق میں تمھاری رسوائی کا موجب ہو گا اور سپہدار
 آج کل عمومی نصیر الدولہ بہادر کا خطاب ہے اور ابتداء عالم سے کبھی ایسا نہیں ہوا
 کہ ایک سرکار سے دو آدمی اپنی زندگی میں ایک خطاب کے ساتھ مخاطب کیے گئے
 ہوں جو کہ اُسکی عادت یہ ہے کہ جب کوئی بات کہتا ہے تو اُس سے پھر تانہیں ہمارا
 عذر نہ سنا اور اپنی مہر نئی اس خطاب کے ساتھ کھدوائی اور سبب اس خطاب کے
 طلب کرنے کا دوسرا تھا جو بیان آئندہ سے واضح ہو گا۔ جو کہ حضور کو اس خطاب سے
 خلیجان عظیم تھا تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص جب اس قلم و سے فرخ آباد کو چلا گیا تھا
 تو شرم و حیا کا پردہ اٹھا کر عمداً بادشاہ دہلی سے یہ دو لفظ اپنے خطاب میں لے کر
 وہیں سے مہر کھدوائی تھی یہاں پہونچ کر اس امر کے انھا کے لیے کہ حضرت جنت اراکم گاہ

بلکہ دیاندرخان کے اقربا بدستور بخشی گری میں ملازم ہیں اور اسکا داماد آج تک داروغہ اخبار کے عہدے پر مقرر و بحال ہے۔ اس طرح سابق کے عاملون میں سے جو کوئی اُس سے توکل رکھتا تھا جیسے پرم دھن خیر آباد کا عامل معزول کہ سرکار کے لاکھوں روپے کا باقیدار ہے اسکو اپنا مقرب و مصاحب بنایا تھا اور جبکہ ساتھ اسکو عناد تھا انکو بھرم قید کر کے برسوں تک رہا نکلیا (۷) اس سے بھی زیادہ مکروہ یہ ہے کہ مثالال ایک لائق اور ذمی عزت آدمی بعض گنجیات کا کارپرداز تھا اور یہ شخص فن طب سے بھی کسی قدر مناسبت رکھتا تھا اُس نے ایک چوڑی فروش کو اس گمان سے کہ چوڑی کامل اُس کے گھر میں ہے اور چوڑی میں شریک ہے چند کوٹے لگوائے تھے مشاہد الیہ نے چوڑی فروش کی شکایت پر مثالال کو اول نگا اور سر پر ہنہ کر کے اُس چوڑی فروش کے ہاتھ سے انکی کمر باندھنے کوڑے لگوائے کہ کمر کے چھوڑے اُڑ گئے اور پھر اس پر بھی اکتفا نہ کر کے اسکو اس طرح تشہیر کرایا کہ اس شہر عظیم کے ہر چوتھے کے سامنے لیجا کر کوڑے مارتے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ وہ مر گیا غور کا مقام ہے کہ اگر مثالال کے ہاتھ سے چوڑی فروش پر ظلم ہی ہو گیا تھا تب بھی ایسے افسر کی سزا صاحبان انگریز بہادر کی عدالت میں بھی جو انصاف و عدالت کے لیے ضرب المثل ہے ایک بازار میں شخص کے مقابلے میں بجز جرمانہ یا قید چند روزہ کے نہوتی پس اگر ایسے ظالم کو خلق اللہ کے سر پر مسلط رکھا جاتا تو احکام بحاکمین کے دربار میں محکمہ خراج کیا جواب دیا جاتا۔ (۸) یہ شخص بالطبع جبل کے ساتھ رغبت رکھتا ہے چنانچہ اُس کے بعض کاموں سے ابالی سرکار کمپنی انگریز بہادر پر خفی ہو گا۔ منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ شمس الدولہ بہادر مغفور کی طرف سے ایک وصیت نامہ بنا کر پرچہ پیام محررہ صبح الاول ۱۱۸۱ھ بھری کے ساتھ صاحب قائم مقام ریڈنٹ بہادر کو بھیجا اور آخر کار بیگم صاحبہ زوجہ

ایسے دو عظیم الشان فرمان روا یوں پر جبل باندھا ہے چنانچہ اتفاق سے خط مذکور کی نقل جو اُسکی رسوائی اور تفسیح کا ذیقہ ہے صاحب رجسٹرار فرناخ آباد کی دستخطی حضور میں پہنچی ہے جو بعینہ ملفوف ہے پس اگر حضور کی جانب سے یہ دعویٰ کیا جائے تو اہالی سرکار کہیں کی کو اس جلسہ کے لیے سزا تجویز کرنا ہو ورنہ کم سے کم ایسے جلسہ آزادی سے حذر و پرہیز کرنا واجب ہوگا (۱۰) اس عمر رسیدہ آدمی کی حرکات طفلانہ کے ذکر سے شرم آتی ہے یہ شخص چار برس کی عمر کے لڑکے کو جو اس کا پر دوتا ہے حضور میں لایا کرتا تھا اور ہم اُس پر مہربانی کرتے تھے یہاں تک اصرار کے ساتھ کہنا شروع کیا کہ اسکو حضور اپنی نزدیکی میں قبول فرما لیں تاکہ برکت کا موجب ہو اور ہمیشہ حضور کے پاس رہے گویہ خواہش اُسکی بے معنی تھی مگر اُسکی عرض کو قبول کیا اور اس لڑکے کا رات دن حضور میں رہنا مقرر ہوا اور اس شخص نے اس لڑکے کے لیے سامان درست کیا اور ایک دن کہنے لگا کہ جبکہ یہ فرزند میری کے نام کے ساتھ سرفراز ہو گیا ہے تو اس کے لیے شانہزدگی کے مراسم مقرر ہو جائیں اس بل کی بات سننے سے تنقض اور تردد پیدا ہوا اور متحقق ہو گیا کہ بے شبہ اس شخص نے اس طرح ریاست اپنے اور اپنی اولاد کے لیے حاصل کرنے کو بساط بچائی تھی اس چند روز کے عرصے میں اُس لڑکے کا رہنا اور اُسکی طرف التفات ہم نے موقوف کر دیا غالباً یہ حال آپ نے بھی سنا ہو گا اور آپ پر غمی نہوگا۔ جو کچھ لکھا گیا ہے یہ مشارک الیہ کی ایذا رسانی کے لیے دل سے بنا کر نہیں لکھا گیا ہے بلکہ ہر ایک بات واقعی ہے اور ان میں سے اکثر باتوں کے گواہ دونوں سرکاروں کے دفتر ہیں اور ان امور کی سند کے لیے دفتر میں کاغذات موجود ہیں جن میں ہرگز اشتباہ کا محل نہیں ہے اور ان قصورات میں سے علیحدہ علیحدہ ہر ایک قصور مشارک الیہ کے غزل کے لیے

لے بغیر ازل
دفعہ دوم و سواک
داد قبول و تالہ
نہانی ناست بیہ
حضور میں
حکومت
حکومت

(نواب سعادت علی خان) کا خطاب قتل ہوا ہے یہ کیا کہ اُس زمانے میں مارکوٹس آف ہسٹنگز صاحب بہادر باغیہ راہ میں تھے اور الہ آباد تک پہنچ گئے تھے موسیٰ الیہ نے درخواست کی کہ حضرت خلد مکان (غازی الدین حیدر) کی طرف سے ایک خط گورنر جنرل کے نام اس مضمون کا اُس کے حوالے کیا جائے کہ یہ شخص ریاست کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے مگر کرنیل جان بیلی صاحب بہادر اُسکے فساد پر متوہم تھے اس لیے اُس کا جانا موقوف کر دیا اور جو خط اُسکے حوالے کیا گیا تھا وہ مسترد ہو گیا مگر اُسکے دماغ میں جو ہوا بھری ہوئی تھی اپنی شہرت و تعلی کے لیے اُسی مضمون کا ایک جعلی خط لکھایا اور اُس میں اپنی مدح اور بلند رتبی کے الفاظ درج کر لئے اور حضرت خلد مکان کی جعلی منبر بھی لگانے پر ہوائی اُس خط کو اکثر صاحبان انگریز بہادر کو دکھایا کرتا تھا اور اسی پر اکتفا کر کے شہر فرخ آباد کی رجسٹری میں بھی اُسکی نقل داخل کرادی اور بی صداق اس قول کے کہ دروغ گوراحافظہ نباشد یہاں تک اپنے فخر و مباہات میں آیا کہ جہاں اُس کا نام درج تھا لفظ نظم الملک پہلا جنگ لکھوا دیا تھا اور یہ نہ سمجھا کہ اس سے زیادہ کونسا صریح جمل ہو گا کیونکہ یہ ممکن تھا کہ حضرت جنت مکان اپنا خطاب اپنی زندگی میں اُسکو دیدیتے اور نہ حضرت خلد مکان اپنے باپ کے خطاب کو جن کو رحلت فرماتے ابھی کم و بیش دو ماہ کا عرصہ گذرا تھا اُسکو مرحمت فرما سکتے تھے اور صد ہا عریضیاں اُسکی اس سرکار کے دفتر میں موجود ہیں اور ریزیڈنٹی کے دفتر میں بھی قطعاً کثیر ہیں بلکہ دار الحکومت کلکتہ کے دفتر انشائین بھی ہونگی یہی منظم الدولہ مہدی علی خان بہادر اُسکی مہر میں کندہ ہے علاوہ اسکے اگر پہلے سے یہ خطاب اُسکو حاصل ہوتا تو بعینہ اسی خطاب کو اب حضور سے لینے کی کیا حاجت تھی پس صاف و صریح ثابت ہے کہ وہ خط جعلی ہے اور اس نے حضرت والد ماجد خلد مکان اور مارکوٹس صاحب بہادر کو کاتب و مکتوب الیہ قرار دیکر

کاموں میں مداخلت کلی دیدیتے ہیں اور تقرر کے وقت ایسی طرح اور وصف جو ان کی شان کے لائق نہ ہو کھرا اس سرکار سے اجازت لیتے ہیں اور پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد اُس شخص مختار کو کہ جس وصف کے ساتھ وہ متصف تھا اس کے برعکس شمار کر کے اُس کی خرابی و بربادی میں کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ بات داب سلطانی کے خلاف ہے بلکہ ایسی باتوں سے بے انتظامی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں سے تصور فرمانا چاہیے کہ اُس عالیقدر کے تحت سلطنت پر جلوس کرنے کے وقت سے نواب مستمد الدولہ مرحوم اور میر فضل علی مرحوم نے جو باوجود ایسی نکمرامی اور جلسانیوں سے بخلاف نواب معزول کے بری تھے، کیا کم رنج و ذلت اٹھائی اور آخر کار اسی مخصوص میں خاک میں ملے اسی طرح منظم الدولہ بہادر کا حال ایسا نہ تھا کہ اُس عالیقدر سے مخفی ہو کہ اب اُس سے لاعلمی بیان کرتے ہیں اس لیے کہ قطع نظر ان قصورات کی نادانستگی کے جو محبت نامے میں درج کیے ہیں اخراج اول اُسکا اُس سرکار سے اُسکی بے اعتباری پر عین دلیل ہے پس اُسکی بے اعتمادی کے ثابت ہونے کی حالت میں اُسکو ملک پر مسلط کرنا اور اقتدار اختیار و اقتدار دینا خلاف عقل ہے اور جو اختیار کہ اُسکو حاصل تھا وہ محبت نامے کے مضامین سے بخوبی ظاہر ہے کہ اُس نے شریف آدمیوں کو تھوڑے سے قصور پر باوجود اُس عالیقدر کے منع کرنے اور ضوابط شرعیہ کے خلاف ہونے کے نرے تشہیر و تشدید کے باب میں کیا کیا نہ کیا اور اُس مشفق کا کتنا نہانا اور سب طرح اُس سرکار کے دوسرے کاموں میں جو کچھ چاہا کیا پس اگر اُس عالی قدر کو اُسکے جمل کے کاموں سے لاعلمی تھی تو اُسکا اس قدر قصور کیا کم تھا کہ اُس مشفق کے حکم کو خیال میں نہ لایا بلکہ تمام قصورات سے بڑھ کر اپنے والی کی نافرمانی ہے ایسی حالت میں کیوں اُسکو معزول نفرمایا اگر اُسی وقت اُسکو معزول کر دیا جاتا تو یہ نوبت کمی جج ملک اور خزانے کے تلف ہونے

کافی محتاجہ جائے کہ یہ جملہ قصور جمع ہوں اور محمد اموی الیہ کے قصورات کا حصہ اس قدر
میں نہیں ہے بلکہ کلیات امور البتہ لکھے گئے ہیں اور جزئیات کو بیان نہیں کیا گیا لازماً
اتحاد یہ ہے کہ نقل اس خط کی مع ترجمہ لفظاً بلفظ کے اطلاع کے لیے نواب گورنر جنرل
کی خدمت کثیر الاوقات میں روانہ کر دیں۔ ۲۲۔ بیچ الال سلمۃ ہجری۔ جسوقت لارڈ
بن ٹنگ گورنر جنرل ساٹھ سے لوٹ کر آگرے اور گواہیا میں داخل ہوئے تو یہ خط
ریڈیٹ نے اپنے ساتھ بجا کر انکو ملاحظہ کرایا انھوں نے منظور فرما کر جواب تحریر کیا
وہ سننے کے قابل ہے۔

ترجمہ جواب خط از طرف گورنر جنرل بنام نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ

محبت نامہ الفت طراز معزولی مدار المہام سلطنت یعنی منظم الدولہ بہادر کے باب
میں وجوہ قویہ اور دلائل ساطعہ کے ساتھ موصول ہو کر مسرتوں کا باعث ہوا اور اس کے
تمام مدارج کو نظر غور کے ساتھ دیکھا گیا واقعی رائے صائب اس عاقل قدر کی نواب
موصوف کے معزول کرنے کے باب میں بجا اسی حرکات ناظم کے نہایت اچھی
معلوم ہوئی دوستدار کو اس باب میں بسبب اتحاد قدیمی کے کوئی جائے گفتگو نہیں اپنی
فقر و میں جو کچھ بہتر جانیں عمل میں لائیں نثار ہیں لیکن اس سرکار کے کام میں تلون اور
بے ثباتی ہونے کے خیال سے البتہ تاسف اور تحسّر ہے اور بعض وجوہ مسند رجہ محبت نامہ
حیرت ہے وہ عاقل قدر باوصف اس بات کے کہ ایسے آدمیوں کی بد وضعی اور نکمرامی کو
جو چند آدمی اس مختاری کے عہدے پر گزرے ہیں جانتے ہیں اور پھر بھی انکو سلطنت کے

یہ تمام روپے سرکاری خزانے میں داخل کر دیے جب حکیم صاحب گنگا کے کناسے آبرو کے ساتھ پہنچ گئے تو میان سے بادشاہ کو ایک غرضی کے ذریعہ سے اُن دو لاکھ روپوں کی کیفیت سے مطلع کر دیا غرض اُنکی تفصیح تھی مگر اُن لوگوں نے پہلے ہی دفع دخل کر لیا تھا اس لیے اُنکی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

شیخ ناسخ نے پھر حکیم مہدی علی خان کے زوال کی تاریخ لکھی نیا انداز ہے۔

اُفتاد حکیم از مراتب تاریخ بطرز نو رقم کن

از خانے حکیم ہشت برگیر سے مرتبہ نصف نصف کم کن

مولوی ذکار اللہ تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں۔ جبکہ حکیم صاحب انگریزی

علمداری میں چلے گئے تو جو کچھ روپیہ اُنکے پاس تھا اُسکو نہایت بھلے کاموں میں خرچ کرنا

شروع کیا کوئی سائل اُنکے دروازے سے محروم نہ جاتا تھا اُنکی بخشش و عطایں کسی

کے لیے تخصیص نہ تھی۔ کشمیر میں ایک قصبہ زلزلے سے برباد ہو گیا تھا اُس کے آباد کرنے

کے واسطے روپیہ دیدیا۔

اب وہ سرکار کمپنی سے بار بار متقاضی ہوتے تھے کہ موافق عہد نامہ لارڈ ولزلی

کے سرکار اودھ میں مداخلت کرے مگر لارڈ بن ٹنگ کے مکارم اخلاق ایسے نہ تھے

کہ وہ یہ کام کرتے۔

گنگا ملاح۔ اور دلچیت تلنگ اور شیو دین بھاٹ کی دستنویاں

و عروج

گنگا کے ملاح راجہ درشن سنگھ کی نیابت کے مرتبے کو پہنچ گیا تھا اور درشن سنگھ کے غل کے بعد

اور دوسری خرابیوں کی نہ پہنچتی۔ تحقیق یہ بات اُس والا قدر کی کم توہمی سے ہے ورنہ بعد از آدمی کی کیا مجال ہے کہ اپنے والی کی رائے کے خلاف کر سکے۔ بہر صورت دوستدار کی خوشنودی اس میں ہے کہ اپنے کام کو اپنے اختیار میں رکھ کر دوسرے کو جزئی و کلی کاموں میں دست انداز نہ کرنے دیں۔

منتظم الدولہ کا انجام

کارپردازان سلطنت کو یہ بات دل سے منظور تھی کہ حکیم مہدی علی خان کو پورے طور پر دقت میں ڈالیں اور اُن کا دامن محاسبے کے کانٹوں میں الجھائیں اس واسطے شہر سوار بھیج کر فقیر محمد خان کو مرزا گنج سے بلایا لیکن حکیم صاحب نے ریڈنٹ کو کھلا بھیجا کہ فقیر محمد خان میرا دشمن ہے اور سپاہی آدمی ہے خواہ مخواہ جمل طبعی کام میں لائے گا صاحب ریڈنٹ نے مداخلت کی کہ حساب فہمی مقصدی کا کام ہے مرد چاہی بیشہ کو اس امر سے کیا سروکار اُنکی عزت سے مزاحمت نہ کرنی چاہیے اگر اُنکے ذمے ایک کوڑی بھی نکلے تو سرکار انگریزی اُس سے المضاعف دینے کو تیار ہے کیونکہ وہ سرکار انگریزی کی رعایا سے ہیں اگر کوئی امر خلاف وقوع میں آئے گا تو اہلیان سرکار کمپنی کی ناخوشنودی کا موجب ہو گا حکیم مہدی علی خان کا دامن حساب سے پاک تھا۔ چند روز کے بعد اپنے قیدی مکان واقع محلہ نہرہ میں جا رہے مرزا کو کی معرفت اس مرض ہلک کے چارہ جو ہوئے اور نواب قدسیہ محل سے مدد چاہی اور دو لاکھ روپے رشوت میں روشن الدولہ کو دیکر محاسبے سے اپنا گریبان چھوڑا اور فرخ آباد کی راہ لی اور مرزا حمید کو میان اپنی طرف سے جواب دی کے لیے چھوڑا۔ اُن دو لاکھ روپیوں میں سے ۱۹ ہزار سجان علی خان کو ملے باقی روشن الدولہ کے پاس رہے مگر پھر کچھ سوچ کر اُن دونوں نے

کرتے کہ فلان بادشاہ کے مکان میں درویشان صاحب ریاضت و افاقت کی تدبیر
و دعا سے اولاد پیدا ہوئی اور فلان صاحب کمال کی توجہ سے ایسا ظہور میں آیا ایسے قصے
سنتے سنتے بادشاہ کے خیال میں یہ بات جم گئی کہ نامراد آدمی درویشان مستجاب الدعوات کے
طفیل سے مراد کو پہنچ جاتا ہے اگر ہم بھی انکی طرف رجوع لائیں تو کیا عجب ہے کہ تیر مراد
نشانے پر پہنچ جائے غرض کہ ہر قسم کے درویشوں کی تلاش پر توجہ ہوے۔ اس عرصے میں
بادشاہ کے خیال میں یہ بات آئی کہ شاہ قطب اعظم کا خاندان مشائخوں اور درویشوں میں
بہت نامور اور برگزیدہ ہے یقین ہے کہ انکے پاس بحرب عمل ہونگے کیونکہ انکے چچا خواجہ حسن
نواب آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خان باوجود اختلاف مذہب کے بہت ملنے
تھے اور ان سے بڑی محبت رکھتے تھے کھانے پینے میں شریک کرتے تھے سلطان
غازی الدین حیدر اور محمد الدولہ بھی قطب اعظم کو صحبت خلاد ملا میں شریک کر کے نہایت
انوار و اکرام سے پیش آتے تھے یہ کام سبب سے خالی نہ ہو گا ضرور مقصود حاصل ہوا کرتا
ہو گا جو جو عمل سینہ بسینہ اس فرقے میں جاری ہیں عجب تمہیں کہ وہ اس شخص کے پاس
موجود ہوں کہ ان صاحبوں کی اولاد سے ہے اس صورت میں انکو بلا کر اور چاہو سی
کر کے ایسا توہید جس سے اولاد پیدا ہو جائے لینا چاہیے۔ ایک دن بادشاہ نے روشن الدولہ
سے دریافت کیا کہ قطب اعظم جو جلد مکان کے پاس اکثر آیا کرتے تھے انکا حال عرصہ دراز سے
معلوم نہوا کہ کمان میں اس شہر میں ہیں یا باہر چلے گئے عرض کیا کہ ہمیں ہیں اور اکثر خانہ زاد
کے مکان پر آمد و رفت رکھتے ہیں اور حقیقت میں جب سے بنظم الدولہ کا اخراج ہوا تھا
اسوقت سے روشن الدولہ کے پاس تھے ارشاد کیا کہ ایک ضروری کام درپیش ہے
انکو جلد لاوین ویرن کریں دوسرے دن روشن الدولہ انکو بادشاہ کے پاس لے گئے

اسکے مراتب سے بھی ترقی کر گیا تھا اس شخص کو کارخانہ وزارت میں بڑی مداخلت حاصل ہو گئی تھی بادشاہ کی خبریں روشن الدولہ کو پہونچتا تھا دو تین لاکھ روپے سے زیادہ اسکی دولت کا شمار تھا اور اس کے علاوہ ہزاروں روپے کی عمارت تیار کرائی تھی تین سو گھڑے والے سرکار شاہی میں اس کام کے لیے نوکر تھے کہ سڑکوں پر چھڑکاؤ کرتے رہیں تاکہ دھول اڑے ان میں سے دلچیت نام ایک تنگلے نے ترقی کی یہ قوم کا راجپوت تھا حسن و جمال اور ملاحت و ملائت میں کمال رکھتا تھا بادشاہ کے پسند آگیا خدمت خاص کے ساتھ اختصاص بخشا ہزاروں روپے نقد اور ہزاروں روپیہ کا سامان عطا کیا چند سال اس طور پر گزرے جب راجہ درشن سنگھ گرفتار ہوا تو اس کے اکثر کارخانے اس کے سپرد ہوئے وہ آبر و حاصل کی کہ نصیر الدین حیدر کے بعد دوستاج اور ٹوپیان لباس شاہی کی اور دو سو ولایتی تلواریں جن کے ساز مرصع اور قبضے و ڈا ب طلائی و نقرئی تھے اور کئی لاکھ روپے نقد اسکے ہاں سے ضبط ہو کر سرکار شاہی میں داخل ہوئے ایشودین مشعلی قوم کا بھاٹ ایک گائون کا رہنے والا بادشاہ کے حضور میں ترقی پا کر خطاب راجگی کو پہونچ گیا اور اسکو یہ عروج حاصل ہوا کہ تیس تیس چالیس چالیس لاکھ روپے کے ٹلک کے ناظم اور چکلہ دار اسکی حمایت کے ہتھار میں پہونچے

اولاد کی آرزو میں بادشاہ کا ایک سنت و جماعت صوفی کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور مراد حاصل نہ ہونے کی صورت میں پیر کی طرف سے نفرت اور نیرامی پیدا ہو جانا۔

بادشاہ کو مدت مدید سے اولاد کی نہایت آرزو تھی اکثر بزم مردانہ اور عشرت گلہ زنانہ میں اس بات کا تذکرہ کرتے تھے ان کے ندیم عورت و مرد گلے بادشاہوں کے قصبہ عرض

تو ذیلنا چاہیے بادشاہ نے اول بے اعتباری اور ناپائیداری دنیا کے متعلق چند کلمات بیان کیے پھر ایسی باتیں زبان پر لائے جن سے دین پر ثابت قدمی ثابت ہو اور شاہ صاحب کے بزرگوں کی تعریف کی اور ان کے علوے خاندانی کو ایسے مؤثرانہ لہجے میں ادا کیا کہ شاہ صاحب حیران رہ گئے اسکے بعد بادشاہ نے خواہش کی کہ حضرت آپ مجھے اپنا مرید کر لیجئے شاہ صاحب نے جواب دیا کہ مذہب امامیہ میں بیعت کب جائز ہے اس امر میں بادشاہ اور شاہ صاحب میں سوال و جواب جاری ہوئے اور جو دلائل بیان ہوئے وہ سننے کے قابل ہیں۔

بادشاہ کا خطاب حضرت آپ تمام سلاسل اولیاء اللہ کو جناب امیر کی ذات بابرکات تک پہنچاتے ہیں اور ہم ان کو اپنا امام مانتے ہیں جب آپ حضرات کے سلسلہ درویشی کا فیض اُن سے ہے تو پھر بیعت میں کیا مضائقہ کیونکہ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا عین اُن کے ساتھ بیعت ہے پس جناب امیر کی نیابت میں آپ سے بیعت کرنے میں کیا حرج ہے۔

شاہ صاحب کا جواب بادشاہ دنیا کے جو یا ہوتے ہیں صرف عقبی کے طالب نہیں ہوتے یہ بات درویشوں سے مخصوص ہے چنانچہ گدا و درویش میں یہی فرق ہے کہ اول متروک دنیا ہے اور دوسرا تارک دنیا۔

خطاب درویش صفت باشکلاہ تتری دار حدیث شریف میں آیا ہے اَلدُّنْيَا مَزْدَرُ الْآخِرَةِ - مزید آخرت کیا ہے؟ یہی افعال جہنہ۔

جواب بیعت نام غم باندھنے کا ہے اس طرح کہ اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں دینا اس اقرار پر کہ تمھارے کہنے سے ہرگز تفاوت و تمنا و زہد نہ کروں گا اور یہ بات دہرہ شاہی

پوچھا کہ ان تجھے عرض کیا کہ چار سال تک بے گناہ قید رہا تمام سامان لٹ گیا حکیم
 مدھی علی خان کے وقت میں رہائی پائی لیکن انھوں نے نہ میرے کھانے کا انتظام کیا
 نہ باہر چلے جانے کی اجازت دی جو کچھ خلد مکان کا عطیہ باقی رہا تھا اتنا خرچ کیا
 اب مجبور ہو کر بیوی کی امید پر روشن الدولہ کے مکان پر اوقات گزار رہی کرتا تھا حضور نے
 یاد فرمایا تو اپنے طالع کی یاد سی بھل کر حاضر ہوا بادشاہ نے سنا کہ اگر کہا کہ اتنا جو کچھ رقم پر
 سختی گزری تھی اسکی بالکل خبر نہ تھی جو کچھ ہوا اہلکاروں کے ہاتھ سے ہوا اب معمول کے
 موافق آتے رہا کیونکہ ہمیشہ کے موافق آپ کا حق پہنچتا رہے گا اس دن سے پھر مصاحبت
 گرم ہوئی ایک دن بادشاہ نے خلوت میں فرمایا کہ آپ کے خاندان میں اکثر حضرات صاحب
 کمال ہوئے ہیں اور علم سنیہ بسینہ کے اعمال مجرب رکھتے تھے آپ بھی انھیں کے ایک کمال
 ہیں یقین ہے کہ ہمارے ساتھ لازمہ دوستی و فیرواہی کو ادا کر کے کوئی عجز تو نہ دینگے کہ اسکی
 وجہ سے ہمارے بیان بیانیہ ہو جائے شاہ صاحب نے انکسار سے گزارش کیا کہ ہمارے اگلے
 بزرگ فی الحقیقت ایسے ہی تھے لیکن بندے کی ذات کو انکی ذات کے ساتھ اور بندے کے
 اعمال کو انکے اعمال کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں مگر کلیات فہم جو اہر میں جو ہمارے حضرت کے
 ملفوظات کے مجموعہ کا نام ہے کوئی توفیق نظر سے گذر تو انشاء اللہ حاضر کیا جائے گا اور یہ ناہی
 اتنی لیاقت نہیں رکھتا کہ حضرات ماضیہ کے ساتھ برابر ہی کا دعویٰ کر کے اپنے کمال کو بجا
 لائے البتہ فقیر دعا کرے گا اگر خدا نے میری حاجت اور خیر شہی رہا نصرت پر نظر کی اور وقت
 صبح کی دعا قبول فرمائی تو ابلی عین بندہ نوازی ہے ظاہر ہے کہ جیکہ خداوند مجازی پر توفیق
 چلتا نہیں پھر بادشاہ حقیقی پر کب زور چلے گا۔ بادشاہ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس
 شخص کو سابق میں تکلیف پہنچی ہے اس لیے چھپا لہے اب فریب اور دھوکہ دیکر اس سے

ملٹوی رہے مگر اثر نہوا مجبور ہو کر قطب اعظم نے یہ حجت پیش کی کہ طریقت کی راہ میں ہر ممنوع ہے اور اگر سرکار کے بھی تو بھل یعنی دشمنانِ اہلبیت پر کرے مفصل یعنی نام بنام کرے کیونکہ تفصل کی صورت میں ایسے خراب کام کی نسبت میں دوست اور دشمن شریک ہو جاتے ہیں اور تمام رسمیات بیعت کو بجالانا چاہیے جب تک یہ نہ تو بیعت بیکار ہے اور بچوں کے کھیل سے کم نہیں پس سب سے پہلے گناہ صغیرہ و کبیرہ سے توبہ کیجئے دوسرے پانچوں وقت کی نماز پڑھنی اور رمضان کے روزے رکھنے چاہئیں تیسرے پیر کا خرہ پھینا چوتھے موجد کے بال چھنی سے کاٹنا اور اگر یہ نہ تو دوا رھی کے اور اگر یہ بھی نہ تو کاکل کے سہی پانچویں پیر کا خرہ کھانا بادشاہ نے مصلحتاً یہ سب باتیں بخندہ پیشانی قبول کیں اب شاہ صاحب نے بہت سی حجت کے بعد جو دیکھا کہ مرید ہر کام کو رضا مند ہے اور اعتقاد کامل رکھتا ہے تو اس خیال سے کہ ایک والی ملک باوجود اختلاف مذہب کے مرید ہوتا ہے اس کے عام صوفیوں اور درویشوں میں شہرت ہو جائیگی اور ہر چھوٹا بڑا لحاظ اور ادب کرے گا۔ مرید کر لیا۔ بادشاہ نے پانچ ہزار روپے نقد دیے اور ایک کشتی میں سات ادنی کپڑے بھی پیش کیے اور مریدوں کی طرح شاہ صاحب نے اپنے طبقوں میں سے شکر فی فقیرانہ ٹوپی اور شالی رومال بادشاہ کو دیا اور جھوٹے نو لے کی جگہ مصری کا ٹکڑا اکھلایا اسکے بعد بادشاہ چند روز تک درویشوں کے اشغال میں مصروف رہے تاکہ پیر و مرشد سے عمل سہنے کا توفیق اور جب کاعل ہاتھ لگ جائے تو گون کو شاہ صاحب کی اس رگ رگ می صحبت پر بڑا حسد پیدا ہوا اور یہ فکر کرنے لگے کہ بادشاہ اور شاہ صاحب کی صحبت بد مزہ کر دیجائے۔ ایک دن تلج الدین حسین خان نے بادشاہ سے عرض کیا کہ صاحبِ مذہب مجھ سے کہتے تھے کہ ہم نے سنا ہے کہ کسی درویش کی صحبت سے بادشاہ نے فقیری اختیار کر لی ہے ہم اس کو گرفتار کریں گے کہ کوئی فرامرز اسے سلطنت بیکار ہو جائے

اور ہیت سلطنت سے بہت بعید ہے اس لیے کہ بادشاہ کو اپنا ہاتھ ایک گدنے کو چھ گرد
سُنی مذہب صوفی مشرب کے ہاتھ میں دینا مفت اپنے آپکو بدنام اور دوسرے کو فضیلت
کرتا ہے۔ حضور بادشاہ ہیں کوئی حضور سے تو کچھ کہہ نہ سکے گا بجز غریب و بکس کو ادنیٰ و اعلیٰ
طعن و تشنیع سے تنگ کر کے دشمنی کے درپے ہو جائیں گے اور جان و عزت دونوں پر آئینگی
خطاب آپ بخوبی یقین رکھیں کہ اس کام کی رغبت صدق دل سے پیدا ہوئی ہے اور
جو کام ایسا ہو کہ اُس میں بظاہر کوئی دنیاوی نقصان متصور نہ ہو اور دین کا نفع اُس میں
یقینی ہو تو ایسے کام کے اختیار کرنے میں مخلوق کے طعن کرنے کا مجھ کو کچھ خوف نہیں ہے
طریقت میں یہ فعل سنت کی طرف منسوب ہے بلکہ وجوب کے قریب ہے اور اس حسنات کے
ترک کرنے سے مرید پر اور منع کرنے سے پیر پر گناہ کا اندیشہ ہے پس مخلوق کے بدنام کرنے
سے ڈر کر گناہ کا بار اپنی گردن پر اٹھانا اسلام و دانائی سے دور ہے بلکہ مشائخ کے
طریقے میں تو کفر و نادانی ہے۔

جواب حضور کے دلائل مسلم ہیں۔ درویشوں کی ملت میں کسی کو الزام دینا درست نہیں
اگر یہی ارادہ مصمم ہے تو میر علی مرتضیٰ خان سے بیعت کرنا ان سب سے کہ وہ درویشوں کے
خانان سے بھی نہیں اور مذہب کے بھی شیعہ ہیں۔

جو نیک بادشاہ کو شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ایک دوسری غرض درپیش
تھی جوابدہ یا کہ اپنا مرشد بنانے میں مشورہ لینے کی کیا ضرورت ہے جس کو اپنے اعتقاد میں بہتر
اور کامل جانتا جائے گا اسکی اتباع کی طرف رغبت ہوگی جبکہ ہمارے اعتقاد نے آپ کی طرف
رجوع کیا تو حکوم پر ہونے میں اور آپ کو مرید کرنے میں انکار نچا ہیے بعد اس گفتگو کے چند روز
یوں ہی گئے۔ گورنر الدولہ اور سچان علی خان بھی بہت حاحج ہوئے کہ بادشاہ کا مرید

حال میں دیکھو شاہ قطب اعظم کے پانچ بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں شاہ علی اکبر صاحب کاتبیام ہمیشہ فیض آباد میں تھا اور وہیں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

تلج الدین حسین خان کا خراج

انھوں نے جو دیکھا کہ میرے ایک چٹکے میں شاہ قطب اعظم کی مصاحبت پر پانی بھر گیا تو اس کام پر غرہ ہو کر بلند پر وازی شروع کی اور جھوٹی جھوٹی باتیں گڑھ کر ریزیڈنٹ کی طرف سے بادشاہ کے سامنے بیان کرنے لگے روشن الدولہ اور سجان علی خان اُسکے مارا ستین تھیں یہ دونوں شخص ان باتوں کو بادشاہ کے سامنے نکھولتے اور تلج الدین حسین خان کی بدیہی پر روشنی ڈالتے بادشاہ کے مزاج میں کدورت آنے لگی یہاں تک کہ وہ بھی خان مذکور سے تنگ آ گئے اور اپنی زبان سے کہنے لگے کہ یہ شخص جو غیر واقع باتیں سنا رہا ہے تو ہکو ریزیڈنٹ سے ڈراتا ہے پس اُنکی مدخلت اپنے دربار میں کروا کر جانچنے کی تدبیر میں ہوئے اتفاقاً ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو ان کے اخراج کا باعث ہوا۔ پہلے اس سے بیان ہو چکا ہے کہ تلج الدین حسین خان چکلا سلطان پور کے متعلق ریاست کے بانیس لاکھ روپے کے باقیدار تھے اور منظم الدولہ کے عہد میں بہت سی خوش گئی کہ فارغی اور صافی نامہ لجا لے کر انھوں نے ندیا سو جسے ان سے برداشتہ خاطر ہو کر اُنکو معزول کر لیا اس عہد میں انھوں نے جو ہنرم خواہ سرے قدسیہ محل سے کہا کہ اگر تھادی کو شش سے بیگم صاحبہ اس بات پر آمادہ ہو جائیں کہ بادشاہ سے میری فارغی پر ہر کرادین تو مجھ سے کے دغدغے سے بچوٹ جاؤں اور پچیس ہزار روپے نکو دوں جو ہرنے بیگم سے کہا کہ تلج الدین خان ریزیڈنٹ کے مزاج میں داخل ہیں اگر ان پر احسان کیا جائے تو یقین ہے کہ اُنکی دوستی سے آپکی جگہ کا معاملہ درست ہو جائے بیگم نے کہا کہ وہ کو نسا احسان ہے جو تو نے تجوز کیا ہے

فقیری و بادشاہی میں سفیدی و سیاہی کا سافرق ہے چونکہ بادشاہ کا دل بھی چند روز کی صحبت سے بھر گیا تھا اور جب عقد اعتقاد تھا وہ اس لیے تھا کہ حل رہ جائے اور قطب اعظم سے یہ کام نکلا نہیں بلکہ خدا کے حوالے کرتے تھے اس لیے بے اعتقادی پر نوبت پہنچ گئی تھی تاریخ نگار حسین خان کا یہ کہنا بادشاہ کی منشاء کا سوید ہو گیا اس لیے انھوں نے شاہ صاحب کو اٹائے نہیں سچا دیا کہ کوئی شخص ہماری لہر آب کی صحبت ایک و تیرے پر نہیں چاہتا اس لیے چند روز بظاہر کے منتظر رہے غرض کہ رفتہ رفتہ بالکل صحبت بہم ہو گئی بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب بادشاہ قطب اعظم کی صورت دیکھ لیتے تو دل میں نادم ہو کر غصہ اور رنجیدہ ہو جاتے تھے شاہ صاحب بھی بادشاہ سے ترسان و گریزان رہتے اور اپنی حرمت کی حفاظت کی فکر میں پڑ گئے فائدہ یہ کہ شاہ قطب اعظم سید خواجہ حسن صاحب کے فرزند ہیں جو عہد نواب آصف الدہلوی میں لکھنؤ میں آئے تھے یہ نہایت متوکل تھے کسی بادشاہ یا وزیر کے دربار میں کبھی نہیں گئے شاہ علی اکبر صاحب کے مرید اور خلیفہ اور خالہ زاد بھائی تھے ۱۱۸۷ھ ہجری کے ماہ ذی الحجہ میں ان کا انتقال ہوا۔

تاریخ وفات

وفات یافت حسن آفتاب فضل و کمال کہ در زمانہ ماشبلی دوم بودہ
 بروز ماہ دسہم رحلتش نہا آمد دو شنبہ و سہ ذی الحجہ و نهم بودہ
 شاہ قطب اعظم نے ۱۱۸۷ھ ہجری میں انتقال کیا ان کے انتقال کی تاریخ یہ ہے
 چون حضرت شاہ قطب اعظم سجادہ عرش ساخت آباد
 راسخ پئے سال انتقالش برگفت کہ رحمت خدا باد
 شاہ قطب اعظم کے چچا سید خواجہ حسین صاحب کا محل نواب سعادت علی خان کے

لبیدہ خاطر ہو چکے تھے آخر کاریہ معاملہ خواجہ سر نے بادشاہ کے گوش گزار کیا انھوں نے خواجہ سر کو
 واجازت دی کہ اپنے کسی ساتھیوں کی مدد سے انکی کمین ہاتھ ڈال کر کشان کشان ایک جگہ
 بٹھائے اور جب تک روپیہ ندین اپر دانہ پانی بند کرے اور نہ چھوٹے چنانچہ یہی صورت
 پیش ہوئی کہ خواجہ سر نے خواری و ذلت کے ساتھ انکو قید کر دیا روشن الدولہ نے خواجہ سر کو
 بہت سمجھایا اس نے نہ مانا اس لیے کہ وہ اطلاع کے لیے بادشاہ کے پاس گئے انکو خواب
 رحمت میں پایا تین پہر کامل تاج الدین حسین خان کو جاہر نے ایک جگہ سے ہٹے دیا اور
 بے آب و دانہ رکھا جب بادشاہ بیدار ہوئے تو انکو اس بات کی اطلاع کی گئی فرمایا کہ میں
 اس سے کچھ کام نہیں وہ اسکا روپیہ دیدین اور اپنے گھر چلے جائیں اسوقت روشن الدولہ نے
 سنبھیں ہزار روپیہ کا ذمہ دار ہو کر تاج الدین حسین خان کو چھوڑ دیا وہ آبرو کے ساتھ اپنے گھر
 پہنچے اسکے بعد بادشاہ نے رزیدنٹ کو کھلا بھیجا کہ ایسا شخص ہمارے پاس رہنے کے قابل
 نہیں کہ زمانے دروازے پر فساد و شورش کرتا ہے اور انکو حکم دیا کہ شہر سے چلے جائیں انکو
 ان غلطی مل چکی تھی عیال و اطفال اور اسباب و اموال اپنا لیکر کانپور کی طرف قدم اٹھایا
 ورجھاؤنی کے انگریزوں سے اتحاد کی وہ راہ ورسم پسیدی کی جو کچھ کونسل کلکتہ کی تجویز تھی
 بادشاہ کے حق میں قرار پائی تھی اس سے مطلع ہوتے تھے اور اس مضمون کو پہلے سے بندید
 و مضامنت براتی خانم وغیرہ عورات محل کے توسط سے بادشاہ تک پہنچاتے تھے جسکی روک
 خام بین روشن الدولہ کی عقل چکراتی تھی۔

نجم الدولہ

منظم الدولہ کے عہد وزارت میں جو کاغذات معاصیہ نجم الدولہ کی نسبت فقیر محمد خان نے

خواجہ سر نے بیان کیا کہ وہ فارغ علی پر بادشاہ کی مہر چاہتے ہیں بلکہ یہ کام میرے اختیار میں نہیں روپے کی مقدار بہت زیادہ ہے خواجہ سر نے عرض کیا کہ بادشاہ نے منظم الدولہ کی موافقی کے وقت خود اقرار فارغ علی دینے کا فرمایا تھا اور اس غایت کا امیدوار کیا تھا اگر آپ بادشاہ کی توجہ کے وقت اس امر کی سلسلہ جنبانی کریں تو یقین ہے کہ بلا تامل مہر کر دیں گے یہ ہفت کرمداشتن ہو گا اور یوں تو تاج الدین حسین خان وہ عمدہ رکھتا ہے کہ ایک مقدمہ انگریزی پیش کرنے پر بادشاہ سے اپنا کام نکال لے گا اور جب اسکا کام مکمل جائے گا تو آپ کو جاگیر کے استحکام میں بہت تشویش پیش آئیگی اور اس وقت رنج کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا یہ بات بلکہ کے ذہن نشین ہو گئی اور ایک خاص وقت میں بادشاہ سے عرض کیا کہ حضرت نے منظم الدولہ کی گرفتاری کے وقت تاج الدین حسین خان سے اقرار فرمایا تھا کہ اگر انگریز حاکم نہ تو تھوڑی سی رقم کی فارغ علی مل جائیگی اب وہ ایسا وعدہ کی درخواست کرتے ہیں بادشاہ کو مہر کرنے میں تامل ہوا کہ تسمیہ محل نے دوبارہ عرض کیا کہ بادشاہ جو نئے کلام کو ثبات و وقار دیتے ہیں اور وہ شخص ابھی تک اپنے عمدے پر قائم ہے اگر حضور کا کوئی کام اپنی طرف متعلق کر کے کام نکال لے گا تو اس صورت میں کیا مزہ ہو گا اور ضرور ہے کہ حضور کو توجہ فرمایا پڑے گی اس لیے کہ ابھی منظم الدولہ کے باب میں صدر سے اطمینان کلی حاصل نہیں ہوا ہے جب وہ سچا ہو گا تو دوسرے اہلکار بھی سرکاری کام کے سرانجام کرنے میں جانفشانی کریں گے ورنہ تمام معاملات مالی و ملکی میں انکی بددلی سے خلل پیدا ہو جائے گا غرض کہ اس قسم کے کام سے بادشاہ کو راضی کر کے انکی مہر فارغ علی پر کر اگر خواجہ سر کو دیدی اُس نے تاج الدین حسین خان کو پہونچا دی اب تاج الدین حسین خان ۲۵ ہزار روپوں کے دینے میں امر و زور کا وعدہ کرنے لگے اسی طرح کئی عیسے گذر گئے اور اب وہ زمانہ آ گیا کہ بادشاہ بھی تاج الدین حسین خان سے

اپنے ہاتھ سے کیے اور ہر ایک نشانہ صبح بیٹھا تین گھڑی دن باقی رہے کشتی سے اتر کر ہاتھی پر سوار ہوئے اور لشکر کی سیر کا ارادہ کیا اول شرف الدولہ برادر کلان روشن الدولہ کے خیمے کی طرف گزر ہوا وہ جب گڑھی سر پر رکھ کر خیمے سے نکلے تو بادشاہ کا ہاتھی دور پہنچا تھا انکان و خیزان دور کر نذر دکھائی بادشاہ انکے دیر کرنے سے رنجیدہ ہو گئے تھے فرمایا کہ نظر پیش کر حاضر در نہیں اسین تکلیف ہوتی ہے آرام کرنا چاہیے شرف الدولہ نے مضطرب ہو کر عرض کیا کہ خانہ زاد کو فقط درباری لباس بدلنے میں دیر ہو گئی ورنہ کیا مجال تھی کہ جلدی نہ پہنچتا اب خانہ زاد بر نظر عظوفت فرمائی جائے اور نذر در کر کے حیرت نکلیا جائے بہت سی کوشش کے بعد انکی عرض قبول کی اور نذرلی میاں سے سواری آگے بڑھی جہاں جسکا ہاتھی دیکھا اور وہ پسند آگیا کھلوا لیا اور صاحب فیل کو حکم دیا کہ در دولت پر حاضر ہو کر قیمت لے لے بڑے ہاتھی کی قیمت ہزار روپے اور بچے کی پانسو قرار پائی اُسدن نو ہاتھی سرکاری فیل خانے میں داخل ہوئے مغرب کے قریب معاودت فرمائی دوسرے دن صبح کو پھر کشتی میں سوار ہو کر بندوق سے پانی کے پرندوں کا شکار کیا پھر ہاتھی پر بیٹھ کر لشکر کی طرف آئے جب شرف الدولہ کے خیمے کے قریب ہاتھی پہنچا تو انھوں نے ٹھکڑہ نذر دکھائی تختہ شمع خانی کا ٹولف بھی وہاں موجود تھا وہ بھی سلام سے مشرف ہوا لشکر کی سیر کو بڑھے اول سبحان علی خان کے خیمے پر گزر ہوا شامیانہ کھڑا تھا ہمارا ہیون نے بادشاہ کے حکم سے گرا دیا پاس ہی قطب اعظم کا خیمہ تھا خیر گدڑی کہ شامیانہ نہ تھا پھر لشکر میں جہاں شامیانہ نظر پڑا گرا دیا راجہ بالکشن دیوان سلطنت اور موہن لال پاننگ کے خیمے آموں کے باغ میں کھڑے تھے فرمایا کہ ہم تو دھوپ میں رہیں اور یہ لوگ سایے میں ایسا آرام اپنے مکانات میں ہوتا ہے انکے بھی خیمے اکھڑا دیے تیسرے روز چار گھڑی دن رہے نائب کے خیمے کی طرف گزر ہوا وہ پہلے ہی سے بادشاہ کے ادھر نکلنے کے خیال سے

پیش کیئے تھے اور اس وقت نجم الدولہ عا بے سپنج رہے تھے اس وقت وہی کاغذات مزاج
بادشاہ کے تکرار کا موجب ہوئے لیکن اس خیال سے کہ ابھی حکیم مہدی علی خان کے معاملے
نہ ختم ہوئے کہیں ایسا نہ کہ نجم الدولہ کا غزل مرہم نہ نگاری کا کام کرے یعنی مبادا یہ کام نڈیٹ
کی رائے کے خلاف واقع ہوا اس لیے اُس محاسبے کی کش مکش میں نجم الدولہ کو مبتلا کرنے سے
تامل فرمایا۔

بادشاہ کا شکار کو جانا اُس میں بہت سے مکر وہ واقعات کا پیش آنا

بادشاہ نے جلوس سے نویں سال شکار کا ارادہ کیا اور لکھنؤ کے قریب قریب سفر کرنے
لگے اول زپت گنج کو تشریف لے گئے بیان ایک جھیل ہے اُس میں اکثر پانی کے پند رہتے ہیں
بہت سے عشرے تک بیان قیام کر کے ہر قسم کے جانوروں کا شکار کیا بعد اس کے خبر آئی
کہ بیان سے سات کوس پر ایک گائون ہے وہاں ایک جھیل ہے جس میں ہر قسم کے پند بکثرت
رہتے ہیں پہر رات باقی تھی کہ کوچ کا نفاذ ہوا صبح کے وقت وہاں سواری پہنچی رات بھر
بیدار رہے تھے سو گئے دو پہر کے قریب بیدار ہوئے اور حاجت بشری سے فارغ ہو کر
کھانا کھایا پھر دن باقی رہا تھا کہ اصلاح خط اور غسل سے فارغ ہو کر چار گھڑی دن سہے چند
حرم محترم کے ساتھ گانے بجانے میں مصروف ہوئے یہ وہ عورتیں ہیں کہ سفر و حضر میں ہمیشہ
صحبت میں رہتی تھیں پھر وہ مصاحبہ کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھے انہیں سے ایک سٹرنسٹ
ایک پوروہ بن تھا جو قوم کا جام تھا اودان دونوں بادشاہ کا مقرب صحبت ہو گیا تھا دوسرا
اسکا بیٹا تھا جو فوج کا جرنیل تھا جھیل کے ایک جانب سے کشتی چلی چند فیروزہ کے بادشاہ نے

قسم کے پانی کے پرند بکثرت ملتے ہیں اگر حضرت دو تین دن کے لیے وہاں قدم نہ بھر فرمیں
اُس سرزمین کے نصیب کھل جائیں اور سیر و لطف سے خالی نہو اور عزیز و بیگانہ میں خانہ زاد
عزت افزائی بھی ہو جائے بادشاہ نے انکی عرض قبول کی مگر انوان سے اسکے گانوں کی طرف
وانہ ہوئے گانوں کے لوگوں کو خبر ہوئی تو باہر نکل کر انتظار میں کھڑے ہو گئے بادشاہ ہاتھی
دار تھے جب وہاں پہنچے تو سب نے زیارت کی چار گھڑی دن رہے سوار ہوئے سیر و تماشا
تے ہوئے دلچیت کے مکان کے قریب پہنچے اُس نے ہاتھی کے پاس حاضر ہو کر نذر دکھائی
عرض کیا کہ حضور کی شان سلطانی میں کچھ فرق نہیں آسکتا اور بندے کی عزت بڑھ جائیگی
بل کی چمک خاک سے نہیں مٹی اور نہ موتی کیچڑ سے بگڑتا ہے عورت عزیز و بیگانہ خانہ زاد کے
کان میں حضرت کی زیارت کی تمنا میں بیٹھی ہیں اگر تفضلات خاوندانہ کو کام فرما کر غلام کی
مرفرازی کیجائے اور جھوٹے کورون بخشی جائے تو اس سے خانہ زاد کی عزت ہمیشہ کم ہو جائے
و رشوکت شاہی میں کچھ نقصان پہنچے گا اگلے زمانے کے بادشاہوں نے بھی اپنی ادنیٰ
عایا کو اس قسم کی عزت بخشی ہے بادشاہ کے رحم جمیلی نے دلچیت کی بجاہت پر مرحمت کی
و اسکے مکان میں تشریف لے گئے انکی مان بہن اور زوجہ وغیرہ نے نذیریں دکھائیں اور
ملیے کے مانند اُس سایہ خداوندی کے قدموں پر سر رکھا ہر ایک کو زیور اور شمیمہ بقدر حالت
نایت فرمایا اور دو گھڑی تک رہاں ٹھہر کر رحمت کی دلچیت دعوت کا طریقہ بجالایا کئی
من چانول اور گھی اور سیکڑوں بکریاں پیش کیں اسکے علاوہ ہندوانہ کھانا بھی حاضر کیا
قبول کیا اور اُسکا لایا ہوا کھانا نوش کیا مگر انوان کی طرف واپسی کا ارادہ تھا کہ ناگاہت
اندھی آئی اور اُسکے بعد شدید بارش ہوئی سطح زمین تختہ آب بن گیا اسی طوفان میں راتوں
رات زہریت گنج میں آگئے بارش کی کثرت سے تمام خیمے باجوہ دیکھ رہے تھے لیکن آندھی سے

انکی سواری کے گرنے کے انتظار میں بیٹھے تھے اور جو عائد ریاست انکے پاس تھے انھیں رخصت کر دیا تھا شاہ قطب اعظم بھی وہاں موجود تھے وزیر کے اشارے سے فقیر خاں کے خیمے کی طرف لپکے یہ خیمہ میان سے دور لشکر کے کنارے نصب تھا وہاں تک جلد نہ پہنچ سکے سواری کے قریب سے گھبرائے ہوئے نکلے بادشاہ نے پہچان لیا بھاگنے کی طاقت نہ پا کر جگمگاتے داروغہ گنجیات کے خیمے میں گھسٹ پڑے بادشاہ نے اس خیمے کے قریب پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں کون چھپا ہے آدمی خیمے میں جلد آئے اور شاہ صاحب سے کہا کہ باہر چلو حضرت نے حکم طلب فرمایا ہے شاہ صاحب نے سمجھ لیا کہ خود بدولت خیمے کے دروازے پر کھڑے ہیں اگر چلنے میں دیر ہوگی تو حکم ہو گا کہ کھنچ کر لے آؤ اور عزت بگڑ جائیگی اسی میں بہتری ہے کہ خود چلا جاؤں چنانچہ بادشاہ کے پاس جا کر سلام کیا دریافت فرمایا کہ تم ہم سے کیوں چھپے عرض کیا کہ بازار میں ملاقات مناسب نہ تھی پھر ارشاد کیا کہ اگر مجھ سے کنارہ کیا تو کس شخص کے پاس آئے ہو اضطراب کی حالت میں شاہ صاحب کی زبان سے نکل گیا کہ نواب صاحب کے پاس حاضر رہتا ہوں چہین یہ جہین ہو کر فخر پھیر یا جب خیمہ خاص میں پہنچے تو نواب سے فرمایا کہ قطب اعظم کو مجھ سے نفرت ہے جہاں بھگو دیکھتے ہیں چھپ جاتے ہیں تو ایسی حالت میں لشکر میں آنا کیا ضرور تھا روشن الدولہ نے عرض کیا کہ خانہ زاد کے اشارے سے ایسا وقوع میں آیا ہے وہ اسوقت میرے پاس ٹوپی اوڑھے بیٹھے تھے ایسی حالت میں سلام نامناسب تھا میں نے سامنے حاضر ہونے سے منع کر دیا ارشاد ہوا کہ غیر میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ شاید میری ملاقات سے کراہیت کرتے ہیں رسیدہ بود بلاے دے بخیر گذشت۔ اس مقام سے دس کوس کے فاصلے پر دلچیت کا گاؤں تھا وہاں ایک بڑا مالاب تھا جس میں بانی کے پرند بکثرت جمع ہوتے اُس نے عرض کیا کہ خانہ زاد کے گاؤں میں ان کو سکنا بیٹھا چھیلو سے ایک بڑا مالاب ہے جس کا طول عرض دو تین کوس کے قریب ہے اور اُس میں

آجائے ہیں روشن الدولہ کو جو یائے وقت تھے سجان علی خان کے مشورے کے موافق
 ظفر الدولہ کو یہ جواب دیا کہ آپ اس مضمون کی تحریر بھیج دیجئے اُس وقت انتظام ہو جائے گا ظفر الدولہ
 نے کہ انجام کار سے غافل تھے حسب ضابطہ درخواست مہرے اپنی بھیج دی روشن الدولہ نے
 وہ درخواست بادشاہ کے ملاحظے تک پہنچائی اور یہ پر آشوب مضمون بیان کیا کہ مجھ دو تھاکہ
 ہر طرح منظور ہے کہ مداخلت انگریزی اس سرکار میں نہ وارد قیدی نکھو جو خانہ زادگی کا دم
 بھرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ انگریزی چکی پہرے فرج بخش میں علات شاہی کی ڈیوڑھیوں تک
 آئین اور معاذ اللہ دشمنان حضور اُنکے نظر بند رہیں اور محل کی خبریں بے تکلف صاحب نشینت
 تک پہنچا یا کریں وہاں کیا تھا دیوانہ باہوئے بس است بادشاہ نے ظفر الدولہ کو بلا کر
 دریافت کیا کہ یہ تحریر تمھاری ہے انھوں نے اقرار کیا بادشاہ اُنکی طرف سے دلیہیں بہت
 مکدر ہوئے اور حکم دیا کہ دربار میں نہ آیا کریں اب مجال نہ تھی کہ ظفر الدولہ بے طلب قدم
 در دولت کی طرف اٹھاتے جب یہ صورت ظہور میں آئی دس بیس دن کے بعد روشن الدولہ
 نے بادشاہ سے عرض کیا کہ جو کچھ زر نقد کی سرکار میں ضرورت ہوتی ہے وہ تمسک کے
 ذریعہ سے بطور قرض کے خزانہ عامرہ سے لیا جاتا ہے پھر حسب سرشتہ خانہ زاد خزانے میں جمع
 کر دیتا ہے فی الحال راہ سفر میں جو روپیہ شاگردیشہ کی تقسیم میں صرف ہوا اُسکے واسطے
 پندرہ لاکھ روپے ظفر الدولہ سے دلائے جائیں میں آمدنی ملک سے ادا کر دوں گا بادشاہ
 نے ستر لاکھ روپے ظفر الدولہ سے طلب کئے انھوں نے چند روز کی مہلت لیکر خزانے کا
 جائزہ لیا اور کاغذات درست کر کے خالی صندوق جو سر ملبر تھے دکھائے اور ایک
 حوض جسمیں پرانے کے پندرہ سولہ لاکھ روپے کے حساب جمع خرچ میں باقی تھے اُس کا
 کاغذ ملاحظے میں گزارنا اور عرض کیا کہ نواب سادات علی خان کا جمع کیا ہوا تمام خزانہ

کاغذ کی طرح اُرتے تھے لشکر کے تہیں آدمی سردی کے صدمے سے ہلاک ہوئے بادشاہ کو
 رحم آیا اور فوراً شہر میں لوٹ آئے آٹمی اور پانی کی تندہی بارہ گھڑی سے زیادہ نہ رہی
 مگر سیکڑوں چوپائے ہاتھی اور گھوڑے کی قسم سے ضائع ہو گئے پانچویں دن پھر خیمہ گاہ میں
 تشریف لے گئے ابکی چار پہر کے بعد ہوا اتنی سخت اور بے انتہا سرد چلی کہ اُسکے صدمے کی
 تاب نہ رہی اور دوبارہ شہر کو لوٹے اگر اس مرتبہ خیونین توقف رہتا تو سیکڑوں آدمی اور
 جانور مر جاتے اور شہر بھری کی تغریہ داری کا زمانہ تھوڑے دنوں کے بعد آگیا۔

(۲) ۲۷ھ ہجری میں ماہ محرم کے مرام تغریہ سے فارغ ہوئے تھے کہ ریاست
 کے چند ملازم انگریزوں نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ اس فصل میں شکار و سیر خوب
 ہوگی اگر حضرت تشریف لے چلیں تو کیفیت سے خالی نہو انکے عرض کرنے سے بادشاہ کی
 طبیعت شکار کی طرف مائل ہوئی اور بڑا لچ کی جانب پیش خیموں کے روانہ ہونے کا حکم دیا
 اور ناطلون کو رسد کی فراہمی کے لیے احکام لکھے گئے اور خود بدولت شہر کے راستے کے
 باہر قصر دلکشائین بطریق پاتراب کے چلے گئے اسوقت گرمی سخت تھی جیٹھ کا مہینہ تھا زینٹ
 نے شدت تمازت آفتاب کی وجہ سے ہمراہ چلنے میں تامل کیا اور بادشاہ کو لکھا کہ ایسی گرمی
 کی حالت میں غم شکار مناسب نہیں جناب کو خوب معلوم ہے کہ تمام انگریز گرمی کے موسم
 میں سرکاری کام چھوڑ کر پاٹھ کے پہاڑ پر چلے جاتے ہیں حضور بھی سردی کے موسم میں شکار کا
 قصد فرمائیں زینٹ کی تحریک سے بادشاہ نے سفر کا ارادہ منسوخ کر دیا اور چند روز کے
 بعد دلکشائے فرخ بخش میں آگئے۔

(۳) ارادہ سفر کے اوائل میں ظفر الدولہ نے روشن الدولہ کو کہلا بھیجا کہ نواب سادات علی
 کے عہد سے یہ رسم مقرر ہے کہ جب سفر پیش آتا ہے تو انگریزی تنگنوں کے پرے فرخ بخش میں

حکیم مہدی علی خان بھی تو نائب تھے وہ کس طرح بادشاہ کو اپنے قابو میں لے آئے تھے تیسرے رعیت کے حال پر نظر کرنی ضرور ہے کہ مستاجروں کے ہاتھ سے پریشان اور برباد ہونے کی خستہ حالی سے کونسل کلکتہ کے حکام کو شکایت ہے اور ہکواسکی بدنامی چل رہی ہے لیکن بادشاہ کو یہ نصیحت شیریں تلخ و ترش معلوم ہوتی تھی روشن الدولہ نے بھی انتظام ملک کے اس نقشہ پر جو حکیم مہدی علی خان نے تجویز کیا تھا قدم رکھا اور رزیدنٹ سے کہا کہ بادشاہ میری نصیحت نہیں سنتے اسلئے میں یہ چاہتا ہوں کہ بادشاہ کو مستاجری کے حیلے سے راہ پر لاؤں تاکہ سپاہ کی کمی کی صورت ظہور میں آئے پھر ملک کا بندوبست امانی کے طریق پر عمل میں آئے جس سے رعیت کی پریشانی رفع ہو آخر حج مقبولہ حکیم مہدی علی خان پر دو لاکھ روپے اضافہ کر کے تراسی لاکھ روپے حج قرار دیکر بادشاہ سے عرض کیا کہ حکیم مہدی علی خان نے پچاس لاکھ روپے حضور کو دینے کو کہا تھا میں سلطنت کا دو لاکھ ہون ساٹھ لاکھ روپے حضور کے مصارف کے لیے حاضر کیا کروں گا لیکن غزل و نصب عاٹوں کا اور سپاہ کی کمی پیشی میرے اختیار میں ہے بادشاہ نے جواب دیا کہ سرکار کمپنی اس بات کو منظور نہیں کرتی اور رزیدنٹ نے بھی روشن الدولہ کی اس رائے کو ناپسند کیا اور یہ جواب دیا کہ اگر مستاجری اس ملک کی یکمشت مناسب ہوتی تو سرکار کمپنی کس واسطے اس ملک کو اعبارہ نہ لیتی اگر روشن الدولہ اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نکالیں تو ان کے واسطے وثیقہ مقرر کیا جائے اور جس شخص کو وہ چاہیں وہ بھی وثیقہ دار ہو سکتا ہے جب یہ خیالی خواب روشن الدولہ کا باطل ہوا تو بیچارہ ہو کر فوج کی کمی کا حکم دیا۔ سبحان علی خان نے دیکھا کہ خلق اللہ کی گردن پر ظلم کی پھری پھیرنا بدنامی کا باعث ہو گا لپسے آپ کو اس وار سے بچا کر روشن الدولہ کو اس مشوبہ پر دم لیا کہ فلاں فلاں انگریز جو بادشاہ کے نوکر ہیں ان کو حکم ہو کہ کوئی دکنستہ

مستعد الدولہ آغامیر کی نیابت کے زمانہ سے اس عہد دولت تک خرچ ہو گیا اور آمدنی ملک
میں سے ایک حصہ خزانے میں داخل ہوا اب خالی صندوق اور کچھو کی حفاظت سے کیا
قائد جس شخص کے لیے حکم عالی ہوا اسکے سپرد کر دیا۔ بادشاہ نے یہ مضمون روشن الدولہ
بیان کیا انھوں نے جواب دیا کہ یہ بیان ظفر الدولہ کا صحیح نہیں۔ آخر کار بھوانی مہار کو جو
خزانوں کا کلید دار تھا بلا کر دریافت کیا اُس نے روشن الدولہ کے اشارے سے عرض کیا
کہ خانہ زاد کو خزانے کی تعداد معلوم نہیں کہ کس قدر خزانہ تھا اور کہاں کہاں گیا لیکن اس قدر
جانتا ہوں کہ بے حکم سرکار ایک حصہ صرف نہیں ہوا اس بات سے بادشاہ ظفر الدولہ پر
اور بہت خفا ہوئے اور قطعی حکم خانہ نشینی کا نافذ ہوا جب ظفر الدولہ کی آمد و رفت دربار میں
بند ہوئی تو روشن الدولہ نے چاہا کہ بادشاہ کی نذر بھی اُن سے لے لی جائے یہ عرض نامقبول اہل
حکم ہوا کہ ضروری کاغذات انکے پاس بھیج دیے جایا کریں وہ حسب ضابطہ مہر لگا کر
بھیج دیا کریں۔

رزمینٹ کا بد انتظامیوں کی اصلاح کے لیے بادشاہ
اور وزیر پر تاکید کرنا۔ انتظام ملک کی تدبیر اور کمی سپاہ
کی تجویز

صاحب رزمینٹ وزیر کو اکثر سمجھایا کرتے تھے انھوں نے کہا کہ سپاہ کو کم کرنا چاہیے
تخواہ زیادہ دینا پڑتی ہے اتنی سپاہ کی ضرورت نہیں اور یہ سپاہ لڑائی کے کام کی نہیں
تمام افسر اسکے آرام طلب ہیں اور سپاہیوں کے پاس نہ مزدوق ہے نہ تلوار۔ دوسرے
مملکت شاہی کے مصارف جو حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں اُن میں کمی کرنی چاہیے آخر

اور کئی ہاتھی اور گینڈے وغیرہ تھے بادشاہ لندن کے لیے اُن سفیروں کو دینے لیکن صاحبِ زریں نے ڈلو ا صاحب کا سفیر بنانا منظور کیا اس وجہ سے ایک اور انگریز اس سفارت پر مع اُن تحائف نے مامور ہوا جس نے لندن میں پہونچکر تحفے پیش کیے ان سب تحفوں میں سے صرف جو انات قبول ہوئے باقی واپس ہوئے وہ انگریز تو وہیں رہا اور مولوی اسماعیل اسوجہ سے لندن سے نکالے گئے کہ ایک دن نشہ شراب میں ایک مس پر دست درازی کی تھی۔ مولوی اسماعیل حیدر آباد میں پہونچکر مر گئے۔

برات میں نوبت بچنے کی ممانعت ہونا

شہر میں عرصہ بعید سے یہ دستور تھا کہ برات کی رات میں ہر خاص و عام دولہ کے ساتھ دُھن کے مکان پر نوبت و نقارہ اور دوسرا سامان بجاتا تھا دوسرے دن دُھن بھی اسی ٹھاٹ کے ساتھ دو لہاکے گھرا آتی تھی ۲۵ھ ہجری میں مینڈھو خان رسالہ دار کے بیٹے کی برات دھوم و دھام کے ساتھ نکلی اور جب قدر نقارہ و نوبت کا سامان اُسکے باپ کے وقت سے رسالہ میں چلا آتا تھا سب ساتھ تھا یہ برات اسی دھوم و دھام سے بادشاہی محل کے پاس سے نکلی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کون شخص ہے کہ بے ادبانہ نقارے بجاتا ہوا میرے شہر میں پھر رہا ہے پاس والوں نے حال بیان کیا۔ نشہ میں مدہوش تھے جتنا سمجھا طبیعت کے خلاف پڑا۔ حکم دیا کہ اس سے ہزار روپے جرمانہ کیا جائے اور شہر سے نکلوا دیا جائے اور آئندہ کسی کی شادی میں نوبت نہ بکھے نہ سرکار سے ملے نہ کرائے پر منگائے روشن الدولہ نے مینڈھو خان کے بیٹے کی بے قصوری پر نظر کر کے اُس علاقے میں بھجوا دیا جو اُسکے بھائی کے پائے نام تھا یہ شخص بادشاہ کے

جا کر فوج کا جائزہ لیں جو شخص انکی نظر و بین ناکارہ نظر آئے اُسکو موقوف کرین افسران سپاہ نے اکثر چھ ماہ کی تنخواہ نذرانہ میں دی تھی اور عمدے حاصل کیے تھے یہ حکم برطرفی کا سُکر جیتے جی مر گئے اور مجبور ہو کر ان انگریزوں کے عمل کو دشواری دیکر یہ صورت نکلوائی کہ یہاں کی سپاہ کی کمی مناسب نہیں چکڑہ دارون کو حکم ہو کہ اپنی سپاہ متعینہ میں سے چہارم سپاہ برطرف کر دین چنانچہ فرمان شاہی چکڑہ دارون کے نام جاری ہوئے اور صدائے وادیلے سے بدلی ہر طرف بلند ہوئی آخر روشن الدولہ نے صاحب ریڈنٹ کو کہا کہ کوئی انگریز کلکتہ سے جو کمی فوج کا انتظام کرے طلب کیجئے اور یہاں کی سپاہ میں تخفیف کرنا ملک میں بدعکاسی باعث ہے اس عرصے میں چکڑہ دارون کی عرضیاں بھی بادشاہ کی خدمت میں آئیں کہ سپاہ کی کمی سے ملک میں بد امنی پھیلے گی۔

عمدہ سفارت کلکتہ کی موقوفی نصیر الدین حیدر کا جلاج چہارم بادشاہ انگلستان کے پاس تحائف بھیجنا۔

مولوی اکرام حسین بادشاہ کی طرف سے کلکتہ میں سفارت پر مقرر تھے جب انکے مدنی کپتان بنسن ولایت کو چلے گئے تو اب صاحب ریڈنٹ کی تحریک سے گورنر جنرل نے کھنڈو کے سفیر کا اپنے پاس رہنا موقوف کیا۔ سجان علی خان نے دیکھا کہ اس سفارت کے سلسلے کا منقطع ہونا اچھا نہیں تو انھوں نے کرنل ڈووا صاحب فرانسس کو بادشاہ کا سفیر بنا کر لندن کو بھیجا تجویز کیا اور مولوی محمد امین کو جسکے گھر میں ایک عیسائی عورت تھی اور اس سبب سے انگریزی زبان خوب جانتے تھے اس سفیر کی ہمراہی میں مقرر کیا اور دو تین لاکھ روپے کی قیمت کے تحائف جنہیں فراسانی تواریخ ساز و ساہن مرصع کے اور پنگٹ مرصع

اُس نے یہ بات عرض کی کہ میں نے کوئی نایاب چیز حضور کے ہاتھ فروخت نہیں کی جسکی قیمت کروڑ روپیہ ہوتی اب میں چاہتا ہوں کہ ایسی چیز متا کر دوں نواب نے کہا کہ ہم ضرور مول لین گے اس لیے اُس نے کوٹھی تیار کرائی اور عمدہ عمدہ صنعتیں حکمت کے ساتھ اُس میں رکھیں اور نادر مقام تعمیر کیے جس سے رعد و برق و باران کی سیر حاصل ہو۔ اور ہوائے مشرقی و مغربی و جنوبی و شمالی کو آنکھوں سے دیکھے۔ اور طوفان ہوا اور گرمی و سردی کا اندازہ نگاہ سے معلوم ہو اسی طرح پانچ درجے اس کوٹھی میں تیار کرائے کہ ہر مقام انواع تکلف سے آراستہ تھا یہ تیاری ابھی منزل مراد پر نہ پہنچی تھی کہ نواب آصف الدولہ کا انتقال ہو گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد جرنیل مارٹین بھی مکان ہستی سے کوچ کر گیا اور مرنے کے وقت ہزار ہستون کے ساتھ ممبران کمیٹی کے سپرد کیا اور انیس لاکھ روپیہ نقد اپنا مترکہ چھوڑا جسکی آمدنی سے اُسکے متعلقین سرکار کمپنی سے وثیقہ یاب ہوئے۔

(۲۲) جس سال یہ مدرسہ بنا اُسی سال ایک فرانسیسی عیسائی لکھنؤ میں آیا اور کہا کہ میں آسمان کی طرف چڑھ سکتا ہوں اس سے خاص و عام کو تعجب پیدا ہوا اُسکو یہ منظور تھا کہ بادشاہ سے بہت کچھ روپیہ حاصل کرے چنانچہ چودہ ہزار روپے اُسکو بادشاہی خزانے سے عنایت ہو کر حکم ہوا کہ پہلے بطور نمونہ کوئی بات بادشاہ کو دکھائے اُس نے ایک غبارہ درست کیا۔ تماشائی رفو مقررہ کی صبح کو کوٹھی دکشائیں جمع ہوئے اُس نے غبارہ اُڑایا۔ اور خود اُسین بیٹھ کر باوازل بند یہ بات کہی کہ اگر کوئی اسوقت میرے ساتھ اُسین بیٹھ کر چلے تو اُسکو ہزار روپے دیتا ہوں جان اپنی کسکو لڑان تھی کسی کی بہت نہ پڑی اس نے کئی دن کے کھانے کا سامان احتیاطاً اُسین لکھ لیا تھا۔ ہاؤز و جن گاس بھر کر اُس غبارے کو ایسا بلند کیا کہ وہ اپنے راکب سمیت سطح زمین سے آسمان کی جانب صعود کرتا ہوا کے رخ چلا اور کبوتر و نکی چوکی پر جو شہرے پانچ

مرنے کے بعد شہر میں آیا اور نوبت کی مانعت بھی اُسی وقت سے دور ہوئی۔

لارڈ پادری پشپ کی لکھنؤ میں آمد اور ایک فرانسیسی کا
غبارے میں بیٹھ کر ہوا میں اُڑنا

۱۱۔ سوال ۱۲۷۰ ہجری کو لارڈ پادری پشپ لکھنؤ میں آئے اور ریڈیٹ کی کوٹھی

میں ٹھہرے ۱۲۔ سوال کو صبح کے وقت بادشاہ سے ملاقات ہوئی اور جیل القدر نگریزوں
کی طرح انکی بھی دعوت ہوئی دیر تک بادشاہ کے ساتھ اخلاط اور اخلاق کی صحبت ہی
کھانا کھانے کے بعد رخصت کے وقت بادشاہ کی طرف سے چند کشتیاں کپڑوں کی اور
نقد چند ہزار روپے انکو عنایت ہوئے اور عطر اور گوٹے کا بادیہ رخصت کیا۔

پادری صاحب نے لکھنؤ میں یہ تجویز کیا کہ جرنیل مارٹین کے پس ماندہ روپوں سے
جیسے سود کی بابت ماہ بہ ماہ سرکار کمپنی کو دتیہ دینا پڑتا ہے اس شہر میں مدرسہ تیار ہو اور وہ
روپیہ طالب علموں اور ہندوستانی مولویوں اور انگریزی پادریوں پر صرف کیا جائے چنانچہ
یہ مدرسہ جنرل مذکور کی کوٹھی اور عمارت نوں دلکشا میں مقرر ہوا یہ جرنیل فرنگستانی
تاجرون میں اباب نامی گرامی اور متمول آدمی نواب آصف الدولہ کے عہد میں تھا اس نے
لکھنؤ میں کسی کوٹھیان تعمیر کرائی تھیں ایک کوٹھی شہر سے ملی ہوئی تھی جسکو پچپن ہزار روپے میں
نواب سعادت علی خان نے مول لیکر اپنی عمارت میں ڈال لیا تھا اور دوسری کوٹھی ماٹین
صاحب کے نام سے مشہور ہے اس کوٹھی کو جرنیل مذکور نے نواب آصف الدولہ کے واسطے
بنوایا تھا اس تاجر نے نواب آصف الدولہ کے ہاتھ فرنگستان کا لاکھون روپے کا اسباب
فروخت کیا تھا اور اس تجارت کی بدولت بڑا مالدار بن گیا تھا انکو نواب آصف الدولہ سے

خیر آباد میں پختہ حویلی مجلس سرے دیوانخانہ امام بارہ اور مسجد فریارت گاہ قدم رسول
 و خانقاہ مشروع و حوض شرعی لاکھوں روپے کے قریب خرچ کر کے بنائے اسکی سواری کا
 جلوس امر کی سواری سے کم نہوتا کسی سردار کو خیال میں نہ لاتا تھا بلکہ اُسے سلام کی امید
 رکھتا تھا۔ طبیعت سید جابر بھتی اگر کبھی کوئی اُس سے کسی کی سفارش کرتا تو سیدھے مُٹھ جواب
 بھی نہ دیتا بلکہ اُٹا سختی سے پیش آتا جس قدر بادشاہی لباس اور محلات شاہی کی فرمائشات
 میں روپیہ صرف ہوتا اُس قدر آمدنی کا ٹک اُسکو دیا گیا تھا دیوان حضور تحصیل قدیم سے اس
 سرکار میں مقرر تھا جسکے حاکم مظفر حسین خان پسر سجان علی خان تھے اس علاقے میں چند
 متفرق گانوں حضور تحصیل کے تھے اکثر آدمیوں کا مشاہرہ ماہوار سی اُن گانوں سے
 مقرر تھا اگر کوئی سپاہی اپنی خواہ مانگنے جاتا تو دیوان مذکور کے اہلکار یہی جواب دیتے
 کہ مکار زری کے ہاتھ سے ایک کوڑی بھی نہیں پہنچتی تھو کیا دین کہیں دوسری جگہ
 سے مانگو غفلت حصول زر میں اتنا شدید تھا کہ کسی کی مردت نہیں کرتا تھا اور جو علاقہ
 اُسکے حوالے تھا اُس میں سے ایک پیسہ بھی سرکار میں داخل نہ کرتا نہ حکمہ دیوانی میں سپاہ
 کراتا نہ خزانے میں نہ رسومات معمولی اہلکاروں کو پہنچاتا جمع خرچ اپنی مرضی کے موافق
 مصارف فرمائشات حضور میں داخل حساب کر دیتا اسکی ان فرمائشات حرکات سے
 تمام کارندے تنگ تھے اور بادشاہ سے شکایت کرنے کو آمادہ رہتے تھے مگر بادشاہ کا
 تدبیر ہونے کے خیال سے کوئی شخص اُسکے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکال سکتا
 تھا ہر شخص موقع کا منظر تھا آخر کار اُسکا ظلم مخلوق پر اُسکے نوال کا باعث ہوا کہ ایک دن
 بادشاہ سے تمام اہلکاروں کی شکایت کی کہ حضور کی فرمائشات میں جو چیزیں صرف ہوتی
 ہیں اُنکا روپیہ مجھے نہیں دیا جاتا بادشاہ نے ناب سے اسکی کیفیت استفسار کی اُنکو تو

چھ کوس کے فاصلے پر ہے پہونچ کر زمین پر اتر چو نکہ آج بمبلی تھی اسلئے غبارے کے آسمان کی طرف چڑھ جانے کے بعد کچھ نظر نہ آیا کہتا تھا کہ ایسی سرد ہوا کھائی ہے کہ قوت حرکت باقی نہیں۔

مکا درزی کا زوال

مکا درزی خیر آباد کا رہنے والا تھا نصیر الدین حیدر کے اوائل جلوس میں بادشاہی درزیوں کے زمرے میں نوکر ہوا نہایت چالاک اور دستکار تھا۔ بادشاہ کی طبیعت عیاش تھی حرم کی عورتوں کے لیے انگلیا کرتی وغیرہ کی قسم سے کپڑے عمدہ عمدہ سی کر لایا بہت پسند ہوئے تمام درزیوں کا جو بادشاہی لباس سیا کرتے تھے داروغہ ہو کر ترقی کرتے کرتے مصاحبت کے رتبے کو پہونچ گیا اور مکا خان کہلا کر شمول عواطف شامانہ ہوا اس زلمے میں ملک کی تہائی آمدنی عورتوں کے مصارف میں صرف ہوتی تھی چند سال میں لاکھوں روپے حساب میں باندھ دیے جب تک حکیم مہدی علی خان نائب رہے انکی بیدار مغزی نے اسکو جادو اعتدال پر رکھا جب وہ معزول ہو گئے اور روشن الدولہ کو نیابت ملی تو کچھ بادشاہ کی مصاحبیت کے زور میں اور کچھ نائب کی مروت کی وجہ سے اپنی قدر کے احاطہ سے قدم باہر رکھا اور بہت سے علاقے کا مالک ہو گیا لکھنؤ میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں کہ نہ ویسی کوئی عمارت متمدن الدولہ نے نہ منتظم الدولہ نے اور نہ روشن الدولہ نے تیار کرائی تھی اسکی عمارتوں کی خوبی کی وجہ سے عقوق انہیں سیر کو جانے لگی ایک کٹرہ تعمیر کیا اور مکا گنج جو اُس زمانے میں نہایت آباد تھا دریائے گومتی کے پار بنایا اور مسافروں کے لیے سڑے بھی بنوائی اکثر دیہاتی طوائفوں کے ڈیرے اس سراسر میں پڑے بہتے تھے اسی طرح

سرکار کے متعلق اتنا روپیہ بازار کا دینا نہ نواب صاحب سے بار بار کہتا ہوں وہ تنہائی
 نہیں کرتے جب کہ کتابوں کل کا اقرار کرتے ہیں اگر اسی طرح روپیہ کی وصولی میں دیر لگا کر لی
 تو پھر سامان کا ملنا مشکل ہو جائے گا بادشاہ نے حکم دیا کہ تو خود ابھی جا کر نواب سے تقاضا
 کر کے وصول کرے اور دم لینے کی مہلت نہ دے یہ خبر کسی نے پہلے سے نواب کو پہونچا دی
 تھی مگر دیر نہ انکے پاس اگر تقاضا کرنے لگا انھوں نے چاہلوسی کی باتیں کیں اور فرح
 مآبھ میں لیکر سجان علی خان کو مدعی کہ آپ اسکا روپیہ چکا دین سجان علی خان نے مکا کو اپنے
 مکان پر بلا کر کہا کہ تو خوب جانتا ہے کہ اسوقت یہ شخص اپنی نائب اپنے عہدے پر مقرر
 ہے اور وقار و اقتدار رکھتا ہے اور اسکے نزدیک ہر شخص کو جرم میں یا بھگم کسی بلا میں
 مبتلا کر کے خراب کرنا کوئی مشکل کام نہیں اس صورت میں اسکی اہلیت ہے کہ ہر سونا کس
 تک ظرفی سے بادشاہ کی مصاحبت پر مغرور ہو کر اسکے مقابلے پر آمادہ ہوتا ہے وہ
 اپنے جو صلے پر نظر کر کے طرح دیکھتا ہے تو نے دیکھ لیا کہ راجہ درشن سنگھ غائب جنگ
 باوجود ہتھیار اختیار کے جب اپنے خدا استدال سے بڑھ گیا اور اکثر کاموں میں نائب پر غلبہ
 چاہنے لگا طرفۃ العین میں اسکو ایسا لایا کہ حشر تک بھی کھڑا نہ سکے گا بادشاہ بگم نے بھی
 چند کاموں میں دخل دینا شروع کیا تو نے دیکھ لیا کہ انھوں نے کیا دیکھا اور فتح علی خان کپتان
 نے جو کچھ کیا اسکا ثمرہ پایا تو ایسا گمراہ ہو گیا ہے کہ نائب وقت کو جہاں پناہ کا حکم پہونچا ہے
 اور انکا احسان بھول گیا چند روز کا ہی ذکر ہے کہ حکیم ہمدی علی خان نے تھک کو حساب کے
 شکفے میں کھینچا اور محاسب قجہ پر مقرر کیا تھا جس نے عافیت تنگ کر دی تھی اس شخص نے وہ فوجوں
 سے اس پانچ سال میں تجھ سے یہ نہ پوچھا کہ سیاہ کرتا ہے یا سفید تو فیر کا لاکھوں روپیہ
 تیرے کارخانے میں موجود ہے اور اس سے بچے بھی جو نا سمجھ ہوتے ہیں واقف ہیں

اُسکی حرکات سے رنج تھا ہی اس موقع کو غنیمت جان کر تمام حال عرض کیا اور کہا کہ جبکہ ملک اُسکے پاس ہے عرصہ دراز سے ایک کوڑی بچت کی خزانے میں داخل نہیں کرتا اور باقی کیفیت ظفر الدولہ کے بیان پر محول کی انھوں نے بھی وزیر کے قول کی تصدیق کی اور یہ بھی عرض کیا کہ جب قدر ملک اُسکے سپرد ہے اُسکے سوا نو لاکھ روپیہ بار بار کر کے خزانے سے اُسکو ہونچا ہے برسوں سے فرد حساب مانگی جاتی ہے مگر وہی وجہ سے نہیں بھیجتا بار بار میں چند دوکانین بزازوں اور گوٹہ فروشوں کی اس کے ظلم و ستم سے برباد ہو گئیں جبکہ مال نیکو تھوڑا سا سرکار کے صرف میں لایا ہے اور اگر حصہ مکان میں رکھ لیا ہے اگر چند روز اور اسی طرح اسکا دست ظلم رعایا پر دراز رہا تو شہر تباہ اور سرکار بے اعتبار ہو جائیگی دوسرا تازہ سبب اُسکی خرابی کا یہ ہوا کہ جب قدر سرکاری فرمائشات اُسکے ذریعہ سے تیار ہوتی تھیں تو اُنکی اشیاء کا محاسبہ اس سے کوئی نہیں کر سکتا تھا اڑمانی من سلمہ و سارہ و تاش بادلہ اُسکی معرفت خرید ہوتا تھا آئین سے جب قدر چاہتا زمانہ پوشاک میں صرف کرتا اور کہدیتا کہ سب خرچ ہو گیا اُسکے تصرف کا پردہ چاک نہیں ہوتا تھا اس طور سے برسوں تک خرچہ و برد کرتا رہا اور لاکھوں روپیہ پیدا کر لیا سچان علی خان کے بڑے بیٹے احسان حسین خان کو اُسکے غبن کا یقین تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اُسکو مرتبے سے گرا دیں اور جو کچھ اخراجات اُسکے ماتحتین میں لے لے ماتحتین آجائیں انھوں نے اپنے باپ سے تمام توفیر کا حال بیان کیا اور درخواست کی کہ یہ کام میرے متعلق ہو جائے اتفاقاً ایک دن مکانے ماہ گذشتہ کے اخراجات فرمائشات کی فرد حساب تعدادی ایک لاکھ دس ہزار روپے کی نائب کو دکھائی اور ان سے روپیہ کا تقاضا کیا نائب نے فرد رکھ لی اور چند روز روپیوں کے دینے میں لیت و لعل کرتے رہے مکانے بادشاہ کی مصاحبت کے گھنٹہ میں اگر خود بادشاہ سے عرض کیا کہ خانہ زاد کو فرمائشات

ہو گیا فوراً مرگیا کو خبر کر دی دہ بادشاہ کے سامنے گیا اور عرض کیا کہ خانہ زاد بے علم و ناخواندہ ہے نواب صاحب نے جو کچھ چاہا لکھو اگر محمد سے مہر کرا لی بادشاہ نے یہ توجہ قبول نہ کی۔ نائب کو بھی گنگا کی اس حرکت کی خبر لگ گئی غرض کہ دوسرے دن ٹکدوڑی کے بیٹے کو مرگیا کی جگہ مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ جس قدر ستم سارہ گوٹہ پھیلے گلیدن اور اس وغیرہ سامان کی ضرورت ہو احسان حسین خان سے کہدیا کرے وہ فراہم کر دیں گے یہ کٹوا ہمیشہ نواب سعادت علی خان اور غازی الدین حیدر کے لباس سیکرتا تھا اس انتظام کے بعد روشن الدولہ نے بادشاہ سے گنگا کے باب میں چند کلمے عرض کیے کہ ایسے حکمران جمع ہو گئے ہیں اور باہم خرد و برد میں اتفاق کر لیا ہے کہ اگر کسی کا بھی حضور کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے تو اس وقت اسکو آگاہ کر دیتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ یہ سلطنت کا راز ہے اس کے بیان کرنے میں جان و حرمت کا خوف ہے اپنی اصل سے زریں ہیں نعمت غایت بادشاہی کی قدر نہیں سمجھتے اسی وجہ سے بادشاہان ماضیہ ایسے لوگوں کو منہ نہیں لگاتے تھے گنگا سے بادشاہ کو کچھ پہلے سے بھی رنج تھا اس تقریر سے زیادہ ہو گیا ارشاد کیا کہ یہ تمام تمک حوام جو میری حرکت کے خواہان ہیں ان خدمتوں اور عبادتوں کے قابل نہیں نائب نے سمجھ لیا کہ تیر تیر نشانہ مراد پر پہنچ گیا گنگا کی تباہی کی صورت آگے مذکور ہوگی۔

غرض کہ ۴ ماہ شوال ۱۱۸۷ ہجری کو مرگیا کو استری نجن میں قید کیا اور جکھا اسباب اس کا خیر آباد وغیرہ سے آیا تھا سرکار میں داخل کرا لیا اور ثبوت کے بعد شہر کے دوکانداروں کو پوچھ لیا۔ مختصر جانی میں اسی طرح مذکور ہے ایک کتاب میں ایک روایت نظر سے گزری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرگیا عالم ثروت میں اپنے آپ کو ٹھوٹا نہیں بلکہ شہر سے بطور سابقہ کاجت سے پیش آکا اور تاجدار مکان ہر ایک کے ساتھ مل کر آکا کرتا تھا۔

تو ہی انصاف کریں پوچھتا ہوں کہ تو کتنے روپے کا نوکر ہے اور یہ لاکھوں روپے کی عطا
کہان سے بنائی ہے تجھے شرم نہ آئی کہ ایک لاکھ دس ہزار روپے کے واسطے جتنے دینے پر
نواب کو تامل نہ تھا لیکن ملک سے روپیہ نہ آنے کی وجہ سے ابھی نہ دیتے تھے تو نے حضرت
شکایت کی اور حکم حاصل کر کے سخت تقاضا کرتا ہے اگر یہ بھی سرکاری روپے کی توفیق جو
وہ واقف ہیں ظاہر کریں تو اسوقت تو کیا کرے گا اور چھٹکائے کا کیا حیلہ تیرے ہاتھ
میں ہے چونکہ نامبروہ قوم سے پوارج تھا کلمات شدید آئیں سکر جو اس ہو کر سجان علی خان کا
قدموں پر گر پڑا اور تقصیرات کی معافی چاہی سجان علی خان نے اسوقت نرمی سے کہا کہ
بالفضل بازار کا یہ روپیہ اپنے پاس سے چھکا دے اس نے کہا کہ میری یہ معذرت کہان پر
کہ اسقدر روپیہ اپنے پاس سے دون خان مذکور نے کہا کہ صاف بات کہتا کہ میں مطلب
سمجھ لوں کچھ سوچ کر اُس نے کہا کہ آدھا روپیہ میں اپنے پاس سے چھکا سکتا ہوں خان مذکور
اُسکی فارغ غلطی مہری لیکر نائب کو دیدی انھوں نے جہان پناہ کے ملاحظہ میں گذار کر عرض کیا
کہ روپیہ دینے میں مجھے کچھ عذر نہ تھا لیکن اُسکے فمے لاکھوں روپے کا غبن ہے اس لیے
تامل کرتا تھا اب حضور انصاف فرمادیں کہ کوئی اپنا نقصان قبول نہیں کرے گا اور اپنے
اُچکوبلا میں نہ ڈلے گا اس شخص نے جو آدھے روپہ پر فیصلہ کر کے اپنی مہری فارغ غلطی دیدی
اگر غبن نہ ہوتا تو کس واسطے اس طرح معاملہ طے کر لیتا یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر کر گئی اور
نائب کی خیر خواہی پر سرور ہو کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تھکے سپرد کیا ہے
تم نے جان بوجھ کر دوسروں کو ذلیل کر لیا ہے کس لیے ایسے لوگوں کو نرا نہیں دیتے جس سے
دوسروں کو عبرت حاصل ہو جائے نائب تو اس بات کے دل سے خواہاں تھے عرض کیا
کہ کل کو اس قباحت کی فکر کروں گا اور حضور کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ لنگا اس بات سے آگاہ

پانوں لنگڑا ہو گیا فیلیبانوں نے بہت چاہا کہ چھوڑا دیں لیکن ونسنٹ نے کورے سے ہمکا
 چھوڑنے نہ دیا یہاں تک کہ گنگا کا ہاتھی بہت پامال ہوا اور ہزار دشواری رہائی حاصل ہوئی گنگا کا
 ہاتھی پٹے پٹے بیدل ہو گیا اور اس شخص کو خفت بھی حاصل ہوئی خبروں نے یہ خبر بادشاہ تک
 پہونچائی چونکہ ایسے تماشے قدیم سے بادشاہوں سے خصوصیت رکھتے ہیں انکو ہیچ ناگوار ہوا
 لیکن علوئے حوصلہ کو کام فرما کر یہ خیال کیا کہ دونوں سرکار کے ملازم ہیں طرح دی کچھ تعرض
 نکلیا اس دن سے گنگا کو یہ شرمندگی تھی کہ میرا بردست ہاتھی ایک کمزور ہاتھی سے پٹ گیا
 اس نے شہر کے فیلیبانوں کو جمع کیا اور صد ہار دپہ انعام میں دینے کا وعدہ کر کے ان سے
 کہا کہ اس کا ایسا علاج کرو کہ پاؤں بالکل درست ہو جائے عرصے تک علاج جاری رہا یہاں تک
 کہ چوٹ بالکل زائل ہو کر پاؤں سنبھل گیا۔ اب گنگا کے دل میں پھر یہ بات آئی کہ مسٹر ونسنٹ کے
 ہاتھی سے اسکو لڑا کر اسے بھگانا چاہیے جب سرکاری فیلیبانوں سے اس باب میں مشورہ کیا
 تو انھوں نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے کہ اس ہاتھی کا یہ مقابلہ کرے یا سامنے آئے
 اسلئے کہ یہ حیوانات بے حد بزدل ہیں اگر لڑتے ہیں تو دلاوری کی وجہ سے نہیں لڑتے بلکہ
 جنوں مستی کے عالم میں لڑ پڑتے ہیں اور سر پر صدمہ اٹھانے کی تاب نہیں لاتے دانوں
 وغیرہ سے مقابلہ کرتے ہیں جب سر پر ضرب پہونچتی ہے تو اسی وقت مستی مغل جاتی ہے
 اس سے معلوم ہوا کہ یہ حرکات عارضی ہے اگر شیر کی طرح ذاتی ہوتی تو ہزار معرکہ جنگ
 میں کبھی نہ بھگلتے گو اعضا کو صدمہ پہونچتا بلکہ جان پر نوبت آجاتی مگر فرار کا نام نہ لیتے پس
 صلاح یہ ہے کہ اول اسکو خوب گرم دوا کھلائی جائے تاکہ بالکل ہوش دھوا اس مختل ہو کر
 دوست دشمن میں فرق نہ سمجھے بعد اسکے دو تین بار دلیا دیا جائے تاکہ دلیر ہو کر خوف غلجائے
 چونکہ سرکاری ہاتھی خانہ بھی گنگا کی خوئل میں تھا ایک دن دو بھالے ہوئے ہاتھی کارخانے سے بلائے

حوضے میں ہاتھی پر سوار جادہ تھا ایک پٹھان دور سے چلایا کہ ہمارا بند ٹوٹا ہے اگر کوئی ٹانگے
تو فردوسی ہائے مکانے یہ آواز سنکر ہاتھی سے اتر کر اسکا بند سی دیا اور خوشامدی وہ تو سر منہ
ہوا یہ پھر ہاتھی پر بٹھ گیا مٹاکے بعد اسکا پوتا اور جو رو جادہ پر قابض ہوئے۔

گنگا کی خرابی دولت

بادشاہ کے تمام اردلیوین گنگا کی زیادہ عزت تھی وزیر بھی تمام امور میں چٹکی خاطر
رکھتے تھے اور وہ بھی تمام کاموں میں بادشاہ کے حضور میں نواب کا مددگار رہتا اور جہتہد
بلاے ناگمانی انکے سر سے اتار رہتا تھا اگرچہ خلائق کا گمان یہ تھا کہ گنگا کو نائب کی دوستی
کی وجہ سے اس قدر جرات چل ہوئی تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ نائب اور سجان علی خان نے سمجھ لیا
تھا کہ پوراج آدمی جو بادشاہ کے مزاج میں دخل پیدا کر کے اپنے رتبے سے باہر قدم کھتے ہیں
اور اعتدال کی حد سے بڑھ گئے ہیں نہ انکی دوستی پر اعتبار رکھنا چاہیے نہ دشمنی سے بے خطر
رہنا چاہیے پس خرم و احتیاط کا لازمہ یہ ہے کہ انکو منزلت سے گرا دینا چاہیے اور پاد عروج
سے تنے والیہ نا چاہیے۔ گنگا نے ایک دن مسٹر ونسٹ سے کہا کہ ان دونوں کہ میرا ظلم نیا
خریدایا ہوا تھی مست ہو گیا ہے لڑنا چاہتا ہے اور ظلم ہاتھی آپکا بھی چند روز سے مست ہو کر
لڑائی کے لیے چلے کرتا رہتا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ دونوں اپنے اپنے ہاتھوں کو باہم لڑا دیں
تاکہ انکا حال معلوم ہو جائے گنگا اپنے دل میں جانتا تھا کہ میرا تھی انکے ہاتھی سے قوی ہو چکا
اور تو مند ہے ایک حصے میں اسکو بھگا دیگا شرط یہ کہ کچھ جیتنا چاہیے دونوں نے رضی ہو کر
بے اطلاع بادشاہ کے اپنے ہاتھوں کو لڑایا۔ ایسا اتفاق واقع ہوا کہ گنگا کا ہاتھی اپنے ہی نو
میں آپ زمین پر گر پڑا مسٹر ونسٹ کے ہاتھی نے جو اسکو پڑا ہوا پایا تو ایسا مارا کہ اسکا ایک

دوسرے بادشاہ نے انکو دیکھ لیا ایک انگریز کو دُعا دیا کہ تم اہل ماتم ہو اس وقت اپنی جگہ پر موجود رہنا چاہیئے میں آپ آتا ہوں بوجہ حکم کے لوٹ گئے بادشاہ تشریف لے گئے اور تعزیت کے کلمات کہے اس عرصے میں خبر ہو گئی کہ رزیدنٹ آتے ہیں روشن الدولہ نے استقبال کرنا چاہا بادشاہ نے کہا کہ تمکو اپنی جگہ سے نہ اٹھنا چاہیئے میں خود انکو لاؤں گا رزیدنٹ اگر دو گھڑی تک بیٹھے اور چند کلمے تعزیت کے کہہ کر چلے گئے گھڑی بھر کے بعد بادشاہ بھی اُٹھے نائب ساتھ ساتھ فرخ بخش تک گئے اس خیال سے کہ قدیم سے دستور تھا کہ اہل ماتم کو خلعت عطا ہوتا تھا وزیر کے رفیقو کو پورا یقین تھا کہ حضرت نے استقبال کو منع فرمایا تھا اور ساتھ چلنے سے نہ روکا تو ہکا سبب یہ ہو گا کہ دولتر میں پہنچ کر خلعت دیگے لیکن کچھ ظہور میں نہ آیا مجبوراً روشن الدولہ اپنے مکان کو لوٹ آئے اسکے بعد سب نے یہ سمجھ لیا کہ شاید جمعہ کو خلعت ملے جب اسدن بھی نکلا تو اب یہ تصور کیا گیا کہ بادشاہ ان سے دل میں صاف نہیں۔

۵۔ ماہ شوال سنہ مذکور کو چار گھڑی دن رہے دوبارہ بادشاہ روشن الدولہ کے مکان پر گئے آج ان کا فرج نہایت برہم تھا اسکی وجہ یہ ہے کہ مرزا علی طبیب غائب ہو گیا بر بادشاہ کو نہایت اعتبار تھا انکے سوا کسی دوسرے سے علاج نہیں کراتے تھے اور ان کے خاص آدمیوں میں سے جو بیمار ہوتا اس سے فرماتے کہ مسیح الملک کے سوا دوسرے سے علاج نہ کرو بادشاہ مسیح الملک سے بہت بے تکلف تھے اکثر مسائل فقہیہ اور حالات مذاہب میں ان سے تبادلہ خیالات کرتے اُمہ علیہم السلام کے واقعات میں اُن سے گفتگو کرتے اس کثرت ہم کلامی سے نائب دل تنگ تھے مگر مصلحتاً زمانہ سازی کیے جانے تھے حکیم صاحب بھی نائب کے فرج اور عادت سے کہ ایک ویتیرے پر نہ رہتی خائف و ترسان تھے اتفاقاً اسدن بادشاہ نے مسیح الملک سے نائب کی کچھ شکایت بیان کی مسیح الملک نے یہ خیال کیا کہ یہ انکی وقتِ کفر

اور آپ مکان کے درپے میں کُرسی پر بیٹھا اور دونوں ہاتھوں کے درمیان میں اپنے ہاتھ کی
چھوڑا ایک انہن سے لے سکے پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلا اور دوسرا دین کلہ میں کھا کر فرار ہو گیا
اسی وقت بادشاہ کے حضور میں اس بات کا مفصل پرچہ گزارا جو کہ سابق میں اُن کا مزاج
نائب کارازمگا سے بیان کر دینے کی وجہ سے گنگا سے گذر تھا ہاتھوں کے لڑانے سے زیادہ
برافروختہ ہو گئے اور برہم ہو کر نائب کو حکم دیا کہ گنگا کو قید کر دیں اُن کو دل و جان سے یہ امر
منظور تھا اسیلے ۱۵ اشوال ۱۲۵۲ ہجری کو قید کر دیا اور صبح کو اُسکے کام دوسروں کے پیر کر دیے

نائب کے بیٹے کی موت پر بادشاہ کی سیاہ پوشی اور
مسح الملک طبیب خاص کے نائب کی تعریف کرنے پر اُسے خنگی

۱۲۵۲ ہجری میں روشن الدولہ کا بیٹا جو محبوب طوائف کے بطن سے تھا بچا کے
عارضے سے مرگیا جو بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو ماتم میں سیاہ لباس پہنا روشن الدولہ کا بڑا بیٹا
محمد حسن جب در دولت پر آیا تو اُسوقت جہان پناہ نے اپنی صورت کو محزون بنا کر وصال
حبیب سے نکالا اور دونوں آنکھوں پر رکھ کر آنسو پوچھے اور فرمایا کہ بار ہاتھ لے والد سے
میں نے کہا کہ فلان سادات کو موقوف نہ کریں اور اگر انکی موقوفی مد نظر ہے تو ہر قصور پر سزا
ماہ کی تنخواہ ضبط کر کے دوسرے طور پر خرچ کر لیں انکی کرتے رہیں میری بات نہ سنی اور آخر کار انکا
دلیل پڑا۔ اچکے بعد حکم دیا کہ تمام درباری سیاہ لباس مانتی پہنیں اور تین روز تک نو بست
نہ کیجئے جب محمد حسن رخصت ہو گیا تو لباس تبدیل کر کے صرف سیاہ فیتا بانو پر باندھ لیا
تیسرے دن کہ دو شنبہ تھا فاتحہ کی تقریب میں روشن الدولہ کے گھر تشریف لے گئے جسوقت
سوار می قریب پہنچی تو نائب اپنے مکان کے بالا خانے سے تلے اتر کر استقبال کو کھڑے ہو گئے

سفارت کے طریق پر کلکتہ کو قرار پائی تھی اور اس سفارت کے مقاصد کی درستی کے لیے
 تین لاکھ روپوں کے قریب خزانہ شاہی سے غایت ہوئے تھے جب وہ روانہ ہوا تو
 پیچھے سے اسکے بھائی کی گرفتاری کا واقعہ پیش آگیا اسلئے سفارت کا معاملہ بھی دہم برہم
 ہو گیا درستی کی صورت ظہور میں نہ آئی۔

بادشاہ کا ترک مے نوشی کرنا

روشن الدولہ کا حقیقی بڑا بھائی شرف الدولہ عرف محمد عباس شراب نوشی کی کثرت
 سے مخمور جام فنا ہوا بادشاہ اس سانحہ سے بہت متاثر ہوئے اور اس دن سے
 بالکل شراب سے اجتناب کر لیا یہ بات کسی کے دہم و خیال میں بھی نہ تھی کہ جو شخص
 اتنا بڑا شرابی ہو اور وہ اس طرح یک نخت چھوڑ دے اس کو جرأت بادشاہی ملے گی
 تاہم آکھی کہنا چاہیے۔

عشرہ محرم میں سجان علی خان کے سیٹون کے

ہاتھ سے بہت بدعت ہونا۔

۳۵۳ ہجری کے عشرہ محرم میں سجان علی خان کے سیٹون نے ایسی بے اندازہ بدعت
 کی کہ ایک مخلوق کو انکے ہاتھ سے ایذا پہنچی اگر ہتھیار بندی کی ممانعت دعوتی تو بہت بڑا
 گشت و خون واقع ہوتا تاہم دو آدمیوں کو گولہ مارا گیا کہ تیرا کر و جب انھوں نے انکار کیا تو
 گورڈوں لکڑیوں گھونسوں اور لاتوں سے اتنا پٹوایا کہ وہ مر گئے۔ ماہ بیج الاول کی نوین تاریخ
 تک کوچہ و بازار میں ادبائش بر ملا تیز کرتے پھرتے تھے ایسا طوفان بے تیزی برپا ہوا کہ ملک کے

نائب کو پہنچتی رہتی ہے دنیا داری کا لازمہ یہ ہے کہ انکی تعریف میں چند کلمات کہے جائیں جب وہ سنیں گے تو سمجھیں گے کہ غیبت میں مجھ کو بادشاہ کے سامنے کلمہ خیر سے یاد کرتے ہیں تو بہت خوش ہونگے اور اپنی خیر خواہی پر محمول کرینگے لیکن مسیح الملک کو یہ خبر نہ تھی کہ مغولوں نے بادشاہ سے کہہ رکھا ہے کہ حکیم صاحب نائب سے سازش رکھتے ہیں انھوں نے روشن الدولہ کی خیر خواہی میں چند کلمے ایسے کہے کہ جس سے شکایت کی تلافی ہوتی تھی یہ سنتے ہی بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص بلاشبہ نائب سے گٹھا ہوا ہے اور بادشاہ کو یہ منظور تھا کہ جو کوئی ہمارا زیم ہے وہ دوسرے سے تعلق نہ رکھے اب شہر یار مردہ کو حکم دیدیا کہ مسیح الملک کو کبھی اندر نہ آنے دے چھ روز تک یہ حکم باقی رہا۔ بعد اس ضرورت سے کہ وہ بیکات شاہی کے معالج تھے اگلا حکم منسوخ کر دیا۔

بوجہ گستاخی کے چند انگریزوں کا اخراج

۱۷۵۲ء بھری بن ونسٹ کا بھائی اور چار دوسرے انگریز بادشاہ کے مزاج کی برہمی کی وجہ سے دربار سے نکالے گئے وجہ اسکی یہ ہے کہ ایک رات بادشاہ کے ساتھ میز پر اکثر انگریز اور میمن کھانا کھا کر گرم صحبت تھے ایک انگریز کی میم ونسٹ کے بھائی کی منظور نظر تھی اور اسکے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اس میم نے مینا سے شراب سے جام بھر کر گھونٹ چر مٹھایا ونسٹ کے بھائی نے اسکے آگے سے جام کھینچ کر باقی شراب پی لی بادشاہ کو یہ امر ناگوار گذرا کہ ہمارے سامنے بے ادبی کر کے اختلاط کرتے ہو ونسٹ کے بھائی نے مستی کے عالم میں کہا کہ ایسے بادشاہ ہم نے بہت سے بنا ڈالے ہیں اس حرکت بجا کی پاداش میں وہ جیل خانے بھیجا گیا اور اسکا کارخانہ تباہ ہو گیا اس واردات سے قبل مسٹر ونسٹ کی زوجگی

جبکہ خانم کا کام ابتر ہوا اور وہ خانہ نشین ہوئی تو فقیر محمد خان نے اُس زمین پر دوبارہ قبضہ کر لیا خانم نے بہت کما کہ یہ امر آپکی شان کے لائق نہیں جس چیز کو دینا لیتے ہیں پھر اسے نہیں لیتے فقیر محمد خان نے پروا نہ کی جبکہ ماہِ ذی الحجہ ۱۲۵۲ھ ہجری میں خانم کی تقصیر بادشاہ نے معاف کی اور پھر پہلے رہتے پر پہنچی تو اُس نے روشن الدولہ سے کہا کہ مجھ کو زمین جہان پناہ نے دی تھی فقیر محمد خان نے مجھ چھین لی اب اُن سے لیکر میرا قبضہ کرا دیجئے ورنہ جہان پناہ سے عرض کر کے جسطرح ہو گا یلونگی روشن الدولہ کی طبیعت متال بھی لیت واصل کرتے رہے یہاں تک کہ ماہِ محرم ۱۲۵۳ھ ہجری آگیا اور اُسکا بیلم ختم ہو گیا دھنیا نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اس سے پہلے حضور نے فقیر محمد خان سے سو گز زمین اجہ درشن سنگھ کے ذریعہ سے دلوادی تھی کینے زمانِ امام بارٹے کا لنگر خانہ بنوایا تھا اور چند سال تک میرے قبضہ میں رہی اُن دنوں میں کہ مورد عتاب ہو کر چند روز تک خانہ نشین رہی فقیر محمد خان نے پھر اُس زمین پر قبضہ کر لیا میں نے بہت کما کہ یہ زمین جہان پناہ کی بخشی ہوئی ہے لیکن باز نہ آئے اور آمد و رفت کا دروازہ بند کرا دیا بادشاہ اس بات سے کمال غضبناک ہوئے اور روشن الدولہ سے فرمایا کہ فقیر محمد خان کس کا نوکر ہے میں نے اُس کو سحر سارے کے برطرف کیا ابھی میرے شہر سے چلا جائے ذرا توقف نہ کرے روشن الدولہ نے جو دیکھا کہ دھینا جا ہتی ہے کہ فقیر محمد خان کو کھٹائی میں ڈال کر جیٹی کرے اُسی وقت اُنکو بلا کر صورت حال بیان کی اور کہا کہ یہ مناسب ہے کہ اپنے متعلقین کو شہر سے باہر بھجود تاکہ تھادی روانگی کا تہیہ مشہور ہو جائے اور اخبار کے ذریعہ سے بادشاہ تک خبر پہنچ جائے اگر ان دو تین دن میں غضب کم ہو گیا اور تمہارا ذکر نہوا تو میں بطور خود تمہارے جرم کو معاف کرا دوں گا اور اگر بادشاہ یاد کر کے تمہارے حال کے جو یا ہوئے اور مزاج میں اُنکے خفا کی معلوم ہوئی تو

عہد سے کبھی ظہور میں نہ آیا تھا۔

دھنیا کماری کی وجہ سے فقیر محمد خان کا شہر سے نکالا جانا اور درشن سنگھ کا بھی ذلت اٹھانا

دھنیا مہری اور ڈلوی مہری یہ دو کماریاں چھوٹی بڑی مشہور تھیں دھنیا کماری
دوسو کماریوں کی انیسویں بادشاہ کی ڈیوڑھیوں کی نظارت اور خواصوں وغیرہ کو سزا و جزا
دینا اہل محل کو ہدایت کرنا اس سے متعلق تھا اور محلات اُسکے سپرد تھے افضل النساء خانم
خطاب تھا اور چودہ پارچہ کا خلعت مع سپر وشمیر بادشاہ نے اُسکو دیا تھا بادشاہ اور بڑے
بڑے آدمی اُسکو خانم کہتے تھے اور یہی لفظ دوسروں کی زبان پر جاری تھا ڈلوی کماری پر بھی
بادشاہ کی ایسی نظر مہربانی تھی کہ روشن الدولہ نے اپنے بھائے منصب و آبرو وغیرہ کے لیے
اس سے آشنائی کر لی جب دھنیا کو پورا عروج حاصل ہو گیا تو عالیشان عمارات اور مساجد
اور امام باڑے کی تیاری شروع کی۔ امام باڑہ اسکا فقیر محمد خان کے شتر خانے کے قریب بنا
تھا اس میں لنگر خانہ نہ تھا دھنیا نے فقیر محمد خان سے سوگز زمین کا قطعہ اس شتر خانے میں سے
مانگا اور کہا کہ اسکا ثواب ہم تم دونوں کو حاصل ہو گا انھوں نے ٹھکاسا جواب انکار کے ساتھ
دیا دھنیا نے بادشاہ تک اس مسئلے کو پہنچایا کہ میں نے سوگز زمین شتر خانے میں سے فقیر محمد خان
سے مانگی تاکہ وہاں لنگر خانہ امام باڑے کا بنواؤں یہ زمین دراصل بادشاہی ہے جو کہ متعصب
ہیں ایسے ندی بادشاہ نے ترش ہو کر درشن سنگھ کو حکم دیا کہ تمام قلمرو کے ہم مالک ہیں پھر زمین کے
نہ دینے کی کیا وجہ ابھی جا کر فقیر محمد خان سے زمین لیکر خانم کے امام باڑے میں شامل کر دے حسب حکم
راجہ درشن سنگھ نے بجز در زمین امام باڑے کے شامل کر دی اور چند ترے تک خانم ثواب پاتی رہی

ایک دن دھنیانے کھانا نذرانہ کا بادشاہی محلات میں بھیجا درشن سنگھ نے ممانعت کی
دھنیانے اس وقت ہوا کہ بہت لعنت طامت کی اور بادشاہ نے بھی دھنیانے کی طرف داری کی
راجہ درشن سنگھ سچان علی خان کی عزت کا دشمن جانی بن گیا۔

بادشاہ کی فضول خرچی اور اپنی مجلس لے کو بد چلن و عیاش عورتوں کی چھاؤنی بنا دینا

دھنیانے مری بادشاہ کے انعام و اکرام سے اس قدر مالا مال ہوئی کہ بیان سے باہر
ہے اس داد و دہش کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک دن بادشاہ نے ایک چوبی چھڑی سے
عالم نشاط میں آہستہ آہستہ دھنیانے کو مارا اس شوخ چالاک وضع نے عرض کیا کہ اگر چھڑی
موتیوں کی ہوتی تو آبرو کا باعث تھی بادشاہ نے حکم دیا کہ متعدد چھڑیاں تیار ہوں چنانچہ
کئی چھڑیاں بنیں ہر ایک چھڑی طول میں گز بھر سے زیادہ اور دو تین دو انگل سے کم نہ تھی
اور بڑے بڑے آبدار موتیوں کی لڑیاں گندھک ہر ایک چھڑی ان سے بنی تھی۔ دس میں مثال
سے کوئی موتی وزن میں کم نہ تھا جو چھڑی بادشاہ اس مہری کے چھواتے وہ چالاک کے ساتھ
شوخی حسن و ادا دکھا کر بادشاہ کے ہاتھ میں سے لیجانی تھی چنانچہ اس طرح کئی جواہر نگار چھڑیاں
اُسکے ہاتھ آئیں۔

چار ہائے عورتیں پری پری خوبصورت ملازم سلطانہ ان مہروں کی ہمراہی میں تھیں ایک سے
ایک حسن و جلال میں غیرت آفتاب و مانتاب تھی سن و سال میں کوئی پری رخسار نہیں
برس سے زیادہ نہ تھی یہ عورتیں پرتکلف پوشاکوں اور زیور سے آراستہ رہتی تھیں ہر وقت
عطر سے ملبوس ہوتی تھیں ان کے تاجیں ان دھیر سون سے شب کو پہلو گرم کرتے تھے اور ان کے

مجبور ہوں اس وقت شہر سے چلا جانا پڑے گا خانم کو روشن الدولہ نے بلا کر بطور خود سمجھایا کہ اگر زمین سے مقصود حصول ثواب ہے تو دُگنی موجود ہے بلکہ جہد کی ضرورت تو فیض کر لو اور اگر مطلب کچھ اور ہے تو تمہیں اختیار ہے سجان علی خان نے بھی مداخلت کر کے خانم کو سمجھایا اور قسم لی کہ اب آئندہ بادشاہ کو یاد نہ دلاؤ گی اُس نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ اپنی طرف سے سبقت نہ کرو گی اگر جہاں پناہ خود یاد کر کے پوچھ بیٹھے یا دوسرے ذریعہ سے خبر پوچھی تو ایسی حالت میں مجبور می ہے اس طرح دو تین دن گزرے آخر بذات خود بادشاہ نے ایک دن نائب سے دریافت کیا کہ فلان شخص شہر سے چلا گیا یا یہیں چھپ رہا ہے عرض کیا کہ جس دن اخراج کا حکم ہوا تھا اُس دن اُنکے متعلقین کو شہر سے باہر کر دیا تھا لیکن خود اُنکے ایک دم چلے جانے سے لاکھوں روپیے کا سرکاری نقصان ہوا تھا کیونکہ وہ لاکھوں روپے کے متاع ہرین اسلئے مین نقصان سرکار کا روادار نہو اس سال کا اخیر ہے اور دوسرے سال کی تنخواہ کا وقت آگیا ہے اسلئے تحصیل زر کے جیلے سے علاقے کو روانہ کر دینا اور جب مالگداری کا تصفیہ ہو جائے گا تو پھر شہر میں نہ آنے دوں گا بعد اسکے روشن الدولہ نے فقیر محمد خان سے کہا کہ اب یہی مناسب ہے کہ عورتوں کو نوٹ کے لیے پر گئے میں جا کر رہو اسکے بعد بطور خود بلا لونا فقیر محمد خان نے اپنا چلا جانا مناسب سمجھا اور انیس ربیع الاول ۱۱۵۳ ھ ہجری کو بہر دن سہ لکھنؤ سے اپنے وطن مرزا گنج کی طرف چلے گئے یہ قدر منزلت ایک ذلیل کمار سی کی روشن الدولہ اور فقیر محمد خان کے مقابلے میں تصور کرنا چاہیے خان نہ کو بہر بھی اس قدر فسرہ دل اور شکستہ خاطر لکھنؤ سے گئے کہ کارخانے میں جہد مرغ وغیرہ دیر کڑوں روپے کا غلہ تھا بارگاہ کی وقت کی وجہ سے عہد کو کو دیدار سجان علی خان نے دیکھا کہ دمنیا کا رنگ بخوبی جلا ہے تو اُسکے ہاتھوں سے اجہ درشن ٹکڑے پامال کرانے کی فکر کی اور اُسکے کان بھر کر آمادہ کر

سکہ زبر سیم دوز تاینده مثل مہر و ماہ ظل سبحانی نصیر الدین حیدر بادشاہ

تعمیرات نصیر الدین حیدر

چھتر منزل اسکو بادشاہ نے واسطے سکونت محلات حرم کے تعمیر کیا تھا اور جسے متصل کوٹھی فرج بخش میں آپ رہتے تھے اس مکان کا نام چھتر منزل اسواسطے قرار پایا تھا کہ اسکے اوپر چتر طلائی بنے تھے نہ اس لحاظ سے اسکو یہ نام دیا تھا کہ چہار منزلہ ہے جیسا کہ بعض تصور کرتے ہیں۔

ولائتی باغ یہ باغ بھی نصیر الدین حیدر نے تیار کر لیا تھا اور اس میں اکثر ولایتی درخت لگائے تھے اسی وجہ سے اسکا نام ولایتی باغ مشہور ہوا۔ واجد علی شاہ نے اسکی چار دیواری کو بلند کر لیا کیونکہ انکی بگیاں اکثر وہاں جا کر سیر کیا کرتی تھیں اور اس کے واسطے پردے کا مکان ضرور تھا۔

نہر گنگ اس نہر کی کھدائی اس بادشاہ کے وقت میں شروع ہوئی تھی اور زر کثیر اس میں صرف ہوا علت غائی اس کام کی بہت مفید اور کارآمد تھی راجہ بنجاور سنگھ نے یہ امر بادشاہ کے گوش گزار کر دیا تھا کہ اس نہر سے پانی گنگا کا لکھنؤ تک آوے گا اور اسکے سبب سے تجارت اور زراعت کو بہت فائدہ پہونچے گا بلکہ انکو ترغیب دیکر کام شروع کر دیا تھا چونکہ یہ امر علم سے تعلق رکھتا ہے اور کسی انجینئر کی صلاح اور مشورہ اس میں نہ تھا ایسے یہ امر اتمام کو نہ پہونچا اور اکثر جھکدار دن کو جنھوں نے کھدائی کا ٹھیکہ لیا تھا وہ متمند کر دیا یعنی وہ لوگ روپیہ لیکر بھاگ گئے اور اس نہر کو نام تمام چھڑا۔

تا را والی کو بھی اس تعمیر کو نصیر الدین حیدر نے ہدایت و سربراہ کاری کرنیل ڈنلو صاحب

نوجوان طرہ داران پر مرتے تھے شہر کی طرح دارند یوں کا بازار ٹھنڈا ہو گیا تھا یہ سب عورتیں بادشاہ کی سواری کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں جسوقت اس حسن و تجل کے ساتھ سلیمان جاہ کی سواری ہوا دار پر تخت سلیمان کی طرح دوش بدوش جاتی تھی اس جلسے کے دیکھنے والوں کو عالم قاف نظر آتا تھا۔

بادشاہ کا سکے

اوائل ایام حکومت میں یہ سکے تھا۔

بدھ سکے شاہی زدہ زلف اللہ سپہر مرتیہ شاہ جہان سلیمان جاہ

کھوئے دنوں کے بعد بادشاہ نے اپنی جودت طبع سے اس سکے پر اعتراض کیا اور کہا کہ لفظ بد اگرچہ اس سکے میں اس طرح پیدا ہو گیا ہے کہ دہر پر ایک باڑھالی ہے گزشتی اور بد نہالی سے خالی نہیں۔ مصنف سکے نے بہت سے نظائر اساتذہ کے کلام سے عرض کیے ارشاد کیا کہ کلام ہمارا اس ترکیب و لفظ کے جواز میں نہیں ہے لیکن نقش بد کا وقوع قبل سے سکے میں بہتر نہیں ہے اور بد معلوم ہوتا ہے پس سکے یوں تبدیل کیا لے

سکے بد بدیم دراز فضل حق ظل آکہ نائب ہدی نصیر الدین جہد بادشاہ

مولف کہتا ہے کہ پہلے سکے میں بدھ کی جگہ ہلک بیٹھ سکتا تھا۔ بعض کا یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ آخری سکے حکیم ہدی علی خان کی طبع و قادی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ عتشم خانی سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روز تخت نشینی کے جلوس میں معتوالہ در نے یہ سکے مسکوک کرایا تھا۔ بعد کے ایک اور شخص نے یہ بیت سکے کے لیے بنائی مگر مضروب نہ ہوئی۔

نصیر الدین حیدر طبع موزون رکھتے تھے

تذکرہ پنخانہ جاوید میں لکھا ہے کہ بادشاہ کو کبھی کبھی اردو اور فارسی میں بھی شعر گوئی کا اتفاق ہوتا تھا انکی اردو کی یہ غزل بہت مشہور ہے بادشاہ تخلص کرتے تھے۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے کہ ساتی لیے ساغر مشکبوہ ہے
 سمایا ہے جب سے تو نظرون میں میری جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
 جتاؤں میں کیا اپنا حال پریشان عیان زلف دلدار سے موبوہ ہے
 جلو تیر فر باد پر فاختہ کو مگر آب شیرین سے لازم وضوہ ہے
 نخل جاے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزوہ ہے
 گلستان میں جا کر ہر گل کو دیکھا نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بوہ ہے
 ستایا ہے ناحق ہمیں تو نے ظالم یہ انصاف اللہ کے روبروہ ہے
 کیا چاک وحشت نے ایسا گریبان نہ بخیے کے قابل نہ جائے رفوہ ہے
 شفق بنگے ہو تلہے گرد و پہ ظاہر یہ کس کشتہ بے گنہ کا لوہ ہے
 عبث بھگو ہنس ہنس کے دیتے ہو گالی زبان کو بٹھا کو یہ کیا گفتگوہ ہے
 اگر ابکی بولاشب وصل جانان جھڑی اور مرغ سحر کا گلوہ ہے

سہ سائے پنجتن پاؤ شہ پر

خداوند عالم نگہبان تو ہے

ولہ

بلبل شہانہ پوچھا گل سے یوں روز بہار اے گلِ عنایت دامن میں کیوں بیٹھیں خار

جو منجم شاہی تھے تعمیر کروایا تھا اور آلات نجوم بھی زمین نہایت اچھے رکھے گئے تھے سلطان اللہ جاہ
مین کو بھی دلکشا۔ مکان انداسن۔ گلستان ارم۔ درشن بلاس و فرح بخش کی تیاری کو
بھی انکی طرف منسوب کیا ہے اور کچھ اسمین غلطی ہے۔ انکے سوا امام بارگاہ طح عمارات
چھتر منزل کر بلا۔ گومتی پار و تخت گاہ بنام نہاد بارگاہ امام مجاہد حسین آباد آب ہی کی
عہد سلطنت کے یادگار بہن تخت گاہ مین قوم سادات کی دختران کسن بہ لقب اچھوتی
تلاش کر کے حج کی گئی تھیں جیسا کہ تذکرہ مخمانہ جاوید مین مذکور ہے۔

بادشاہ کا ہلاکت سے بال بال بچ جانا

نصیر الدین حیدر ایک روز گجرتھ کی سواری پر تڑک اور اشتام شاہی کے ساتھ
جا رہے تھے راجہ بجا اور سنگھ اپنے لازم منصبی کی رو سے شمشیر پہنے لیے ساتھ تھے دفعۃً
ایک ٹکڑا سیہ رو بدارجام بادشاہ پر حملہ کر کے رتھ پر پہنچ گیا راجہ معززی الیہ نے فوراً
گھوڑا اڑا کر تلوار کے ایک وار سے سر اسکا قلم کر دیا اس خدمت ثانیستہ کے جلد و مین بادشاہ
نے تلوار اپنی کمر سے کھول کر عطا فرمائی یہ تلوار نادر شاہ کی بھتی اجد و فات نادر شاہ
احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ آئی جب احمد شاہ نے مرہٹوں پر چڑھائی کی اور شجاع الدولہ انکے
پاس گئے جو وقت حضور مین پہنچے بظاہر فرزند می مخاطب فرمایا اور تلوار نادری جو
اس وقت شاہ کی کمر مین بھتی کھول کر نواب کو عطا فرمائی اس پر بہت سی عذبی کی عبارتیں اور
فارسی کا شعر کندہ ہے لے۔

ملکہ زمانیہ

اس کا نام حسینی خانم تھا ایک پٹھان کے نکاح میں تھی جو بنارس کا رہنے والا تھا حسینی خانم اور اسکے دو بھائی وارث علی خان اور فتح علی خان دہلی کے باشندے تھے بنارس میں سکونت اختیار کر لی تھی مرزا جوان بخت کے استاد شاہ عالم بادشاہ کے عہد کے منصب دارون میں سے تھے حسینی خانم نے لنگے گھر میں روٹی کپڑے پر ایک مدت تک اوقات بسر کی جب یہ شخص بھی عداوت بے معاشی میں مبتلا ہوا تو حسینی تباہی کی حالت میں لکھنؤ کو چلی آئی اور ایک فیلبان کے گھر میں جو اس سے محبت رکھتا تھا رہنے لگی اس عورت کے ایک لڑکا بسکا نام نزیب تھا اور ایک لڑکی فیلبان کے نطفے سے پیدا ہوئی۔ خدا کی شان دیکھیے کہ اسی زمانے میں بادشاہ بیگم کے محل میں مناجان پیدا ہوا حسینی اسکے دو دھ پلانے کے لیے بادشاہ بیگم کے محل میں نوکر ہوئی عازمی الدین حیدر زندہ تھے حسینی اداسے دلکش کھتی تھی نصیر الدین حیدر اس وقت جوانی پر چڑھے ہوئے تھے انکی منظور نظر ہوئی۔ پہلو گرم کیا اب محل سے نکلتا حال تھا دو بیٹیاں ایک بیٹا ساتھ تھے نصیر الدین حیدر سے محبت بڑھی معتاد الدولہ نے حسینی خانم کو اور خواصوں سمیت نصیر الدین حیدر کے ساتھ کہ ابھی شاہزادگی کی حالت میں تھے حسن باغ میں بھیجا یہاں صحبت کا رنگ بخوبی جاتھوڑا بہت زیور و لباس عطا ہوا۔ جب نصیر الدین حیدر نے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا تو بی حسینی کو ملکہ زمانی خطاب دیا اور فیلبان سے جو اسکا لڑکا تھا اسکو کوہان جاہ خطاب بخشا اور چھ لاکھ روپے کی جائیداد ملکہ زمانی کو دی گئی اور وہ خزانہ جو فیض آباد سے بہر بیگم والدہ آصف الدولہ کی ضبطی ہو کر آیا تھا اور تیس لاکھ روپیہ

ہے نزاکت سے گران ہر مہ بھی چشم یار کو بار کا کل سے مگر کیونکہ چلے بار بار
 تیج ابرود کیھکر آئی ندا اے پادشہ
 لافتی الا علی لاسیف الا ذوالنقار

فارسی کے بھی یہ چند اشعار تذکرہ آفتاب عالم تاب اور روز روشن میں نظر سے گذریں
 مرجا اے ہندی عالم علم دہی ماہ برج عجمی شاہ سریر عربی
 چون نساہند جہین بر در تو جن ملک سرور جلد رسولی و شہ جلد نبی
 اصل نور تو بود فرع ز انوار خدا لہذا یزد دوزیہ است حوالہ طلی

بوے لطفے برسان پادشہم را بدایغ
 اے گل تازہ رنگین چمن مطلی

بادشاہ کی بیگمات کا بیان
 براتی خاتم

یہ عورت زمینداران مضاف لکھنؤ کی اولاد سے تھی مرزا محمد مدنی عرف فریدون بخت
 بہادر مشہور یہ مناجان کی مان ہے بادشاہ بیگم نے جو نصیر الدین حیدر کی مان ہیں اس
 عورت کو حسن بن یوسف ثانی دیکھ کر زکریا صرف کر کے دوسے کے طریق بہم پہنچایا تھا اور
 نصیر الدین حیدر کی شاہزادی اور عروج شباب کی حالت میں وہ ڈولا انکو بختا تھا چنانچہ
 مناجان اس سے پیدا ہوا اور یہ عورت عین جوانی میں دنیا سے گذری افضل محل اسکا
 خطاب تھا طلسم نہ سے اسی طرح مستفاد ہوتا ہے مگر وقائع دہلی پر سے ثابت ہوتا
 ہے کہ مناجان کی مان ابک کینر تھی اور سکھ چین اسکو کہتے تھے۔

حلقے ہوتے تھے اور سو سچ مکھی اور جواہر نگار چھتری اور پالکی نالکی سیم وزمین غرق جلو
مین جلتی تھی اور نقرئی طلا کار سکھپال مین جو بالکل زربفت سے مزین تھا اس مین ملکہ
زمانیہ بیٹھی ہوتی تھی خواجہ سراؤں اور شاگرد پیشوئیکے ہجوم سے سواری کے آس پاس ساتھ
نہین ملتا تھا۔ سلطنت کا جو کچھ لوازمہ ہے وہ سب ملکہ زبانی کے محل مین مینا تھا باوجود
اس رستے کے حکیم مہدی علی بادشاہ سے عرض کیا کرتے تھے کہ حضور کو ایک رذیل غوث
کے ساتھ یہ گرجو شیان اور اسکو اس مرتبے پر پہونچانا زبیا نہین غرض حکیم صاحب کی
شعلہ زبانی نے ملکہ زبانیہ کی آتش محبت کو بادشاہ کے دل سے سرد کر دیا اور اس سے
ملکہ زبانیہ کا گو وقار کم ہو گیا مگر وہ ترانہ جو خزانہ قارون پر بھاری تھا ہاتھ سے نہین کیا
نقطہ جاگیر ضبط ہو کر جو پیش ہزار روپیہ مقرر ہوا کہ دس ہزار ملکہ زبانیہ کی ذات کا تھا اور
چودہ ہزار اسکی ایک بیٹی کا تھا جو نواب ممتاز الدولہ مرزا حسین علی خان نیر نصیر الدولہ
مرزا محمد علی خان ابن نواب سعادت علی خان کے ساتھ بیابہی گئی تھی یہ بیابہ نصیر الدین حیدر
نے کیا تھا اور یہی در ماہہ وثیقہ قرار پایا۔ اور کئی برس کے بعد کیوان جاہ و بے ہدف
مین مر گیا کر بلاے ناکلثودہ مین جو امام بازہ اسکے نام سے مشہور ہے دفن ہوا۔

مخدرہ علیا دلاستی محل

مسٹر وائر نام انگریز تاجر کے گھر مین ایک ہندوستانی عورت تو ماہ جلف سے
تھی مسٹر وائر کے نطفے سے اس عورت کے دولہا کیان پیدا ہوئیں جب وہ بالغ ہوئیں
تو وائر انکو غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے پیشکش کے لیے لایا نصیر الدین حیدر کو
ایام شاہزادی سے انہیں سے ایک لڑکی منظور نظر تھی لیکن غازی الدین حیدر کے

سکہ نکالنے سے زیادہ تھا اور اب تک علاحدہ کوٹھے میں رکھا ہوا تھا یہ تمام خزانہ بی حسینی کی تحویل میں داخل ہوا اسکے سوا وہ کئی لاکھ روپیہ بھی بی حسینی ملکہ زمانی کو مرحمت ہوا جو تلج الدین حسین خان نے اپنے عہد نظامت میں غلام حسین چکلا دار سلطان پور کے متروک زمین سے ضبط کر کے غازی الدین حسین کے عہد میں بھیجا تھا۔ ملکہ زمانی کا زمانہ عروج پر تھا ابھی تک بادشاہ کے لیے دوسرا محل مقرر نہیں ہوا تھا۔ بادشاہ نے کیوان جاہ کو سپاہ کا جرنیل بنایا اقبال الدولہ اُسکی نیابت پر مامور ہوئے اب ملکہ زمانی کا بازار بخوبی گرم ہوا کہ روز کشتیان مالامال سے مروارید اور طرح طرح کے جواہرات پیش بہا سے لبریز اور اشرفیوئی تھیلیاں ہاتھیوں پر لدی ہوئیں اسکی تحویل میں داخل ہوتی تھیں۔ اس نے گولہ گنج میں ایک امام بارہ بنوایا جو سب وسعت اور فراخی کے مشہور ہے مگر اس میں کوئی تعمیر لائق تعریف نہیں وارث علی خان اور فتح علی خان شریک دولت تھے بھائی مشہور ہوئے انکو بادشاہ نے خلعت دیکر ملکہ زمانی کی جاگیر کی نیابت پر مقرر کیا وہاں جا کر ان دونوں شخصوں نے امیرانہ ٹھاٹ بجایا ہاتھ پائوں نگائے بزم عشرت کو اس درجہ رونق دی کہ سوسوٹا کفن کسبیوں کے رات دن ہر وقت حاضر رہتے تھے اور شراب کے ساغر اڑنے لگے ایک دسٹرخوان بادشاہ کے دسٹرخوان کی طرح چٹا جاتا تھا دو شالہ پوش فقہا کھائے جمع ہونے تھے اور جب وقت وہ ہوا دار پر سوار ہوتے تھے تو رقا صان پر پی پیکر ستاروئی طرح اس پس جمع ہوتی تھیں اور رفیقو نگا گھٹ پہلو پہلو ہوتا تھا یہ سامان ثروت دیکھ کر ناظرین قدرت خدا یاد کرتے تھے بادشاہ کی نظر شفقت سنا جان کی طرف سے پھر گئی اور اب کیوان جاہ کے مراتب ترقی پر تھے ملکہ زمانی کی سواری کا یہ ٹھاٹھ ہوتا تھا کہ دوسو ہاتھی نترتے اور طلائی خوشنوں اور کارچوبی جھولوں سے آراستہ جلو میں ہوتے تھے اور بہت سے دو برجی رنچون میں مغلایان اور خواصین ہمراہ ہوتی تھیں طلائی مرصع کارٹھکے زمین بادے سے

تاج محل

بھو نام طوائف ساکن حسن پور بندھوا خوش وضع عورت تھی دو عین شخصوں سے زیادہ ملاقات نہ کھتی تھی پہلے مرزا جانی برادر مرزا علی خان چکھ دار کے ساتھ آشنائی تھی دوسرے بھو بیگ رسالہ دار نجف خانی سے محبت پیدا کی انکے علاوہ اور اکشر شہوت پرست لوگ اس سے راہ و رسم کھتے تھے میر غلام حسین چکھ دار سلطان پور بھی اُس سے ملاقات کی آرزو رکھتا تھا اور لاکھوں روپوں کا اُس سے وعدہ کرتا تھا لیکن اُس نے کنارہ کیا آخر لشکر سے نکالی گئی اس طوائف کی ایک لڑکی نہایت حسین تھی اُس کا نام حسینی تھا اور تعلیم یافتہ تھی جوانی پر چڑھی ہوئی تھی شادی کی محفلوں میں اکثر اپنے کو جایا کرتی تھی ایک عالم اُسکے جمال و نفیر پر رشید تھا۔ نصیر الدین حیدر کی نظر پر چڑھ گئی بادشاہ نے اُس سے نکاح کر لیا اور خورشید محل خطاب دیا۔ پھر ایک دن اپنا تاج شاہی اُسکے سر پر رکھ دیا اور تاج محل خطاب عطا کیا ملکہ زبانی کی گرمی بازار اسی کی گرما گرمی صحبت نے سردی بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل پایا اور غفلت و حشمت شاہانہ کے ساتھ لبس کی

مسئلہ ہجری میں تخت نشینی کی سالگرہ کے جشن کی تقریب کے موقع پر ایک عالی خاندان انگریزی خاتون نے اس بیگم کو دیکھا تھا اُسکا بیان ہے کہ نواب تاج محل اتنی خوبصورت ہے کہ میں نے اپنی یاد میں ہندوستان کیا انگلستان میں بھی کہیں اس سے زیادہ خوبصورت عورت نہیں دیکھی اسکاں قریب پندرہ برس کے ہو گا ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے نازک پن اعضا کے تناسب کے علاوہ نقشہ ایسا سڈول کہ میں نے اس سے زیادہ دلاؤں

خوف سے وصل کی صورت نہ بندھی اسکی صورت معمولی تھی مگر وہ ان کی مستورات
 اسے خوبصورت تصور کرتی تھیں یہ لڑکی تعلیم یافتہ تھی یعنی زبان انگریزی کے علاوہ
 اردو فارسی بھی اچھی طرح لکھ پڑھ لیتی تھی یہ دونوں بہنیں جب اپنی ماں کے پاس رہتی
 تھیں تو اپنے گزراے کے لیے دو تہند شرفا کے زین پوش کارٹھا کرتی تھیں شکل و صورت
 دونوں کی واجبی تھی اس نے اپنی تصویر نصیر الدین حیدر کو بھیجی تھی جو فریفتہ ہو گئے
 اور تخت نشینی کے بعد اسکو ماں سمیت طلب کیا اور نقد پچاس ہزار روپیہ اور لاکھوں روپے کا
 سامان دیکر مخدرہ صلیبا خطاب دیا اسکی خوش قسمتی نے بادشاہ کے دل میں محبت کو ایسی
 جگہ دی کہ ایک دم جلدی گوارا نہ تھی اور محبت کی دل لگی جتنی زیادہ ہوتی تھی اُنکے دل کو
 راحت پہنچتی تھی وہ بھی لیاقت کی پتلی اور بڑی چالوسی والی تھی اور آداب مجلس کا
 کمال رکھتی تھی۔ تاج محل سے شادی ہونے سے پیشتر بادشاہ بہت چاہتے تھے تاج محل
 کے آنے کے بعد بادشاہ کی طبیعت اسکی طرف سے پھر گئی۔ اسکی ماں پہلے کان پور میں
 علی بخش میراثی سے تعلق رکھتی تھی جب اسکی بیٹی بادشاہ کے محل میں داخل ہوئی تو اب یہ
 علی بخش دلائی محل کا باب مشہور ہوا اور پرگنہ میان گنج میں دلائی محل کی جاگیر پر مسلط ہو گیا
 اور اسقدر صاحب امارت و ثروت ہوا کہ اسکی تعزیر داری کا شہرہ لکھنؤ میں مشہور عام ہو گیا
 اور نواب امیر مرزا اسکی اولاد سے تھے جنھوں نے عالم پیری میں حسن جوانی دکھایا۔ جادی لٹوان
 جو لکھنؤ کی ایک کسبی تھی اسکے گیسوے شہر نگ میں طائر دل چھنسا امیر مرزا اسپر فریفتہ ہوئے
 اس سے نکاح کیا مازادی بھی خوب مال مالے لاکھوں روپوں کا جواہرات اور زر نقد اس
 تازی محبت میں نواب نے ہار دیا۔ امیرانہ عظمت و شان کے ساتھ باپ کا نام روشن
 کیا دلائی محل کے لیے چھ ہزار روپیہ ماہوار وثیقہ قرار پایا تھا۔

جو ہم قوم عورت سے تھا جواہر فروشی کی بدولت نصیر الدین حیدر کے دربار تک رسائی پیدا کی اور اپنی اس سوتیلی بہن کو محل سلطانی میں داخل کرادیا بادشاہ نے پھول محل اسکو خطاب دیا

سلطان محل

حسینی نام ایک بازاری طوائف صورت دار تھی بادشاہ نے اس کو یہ گم بنا کر سلطان محل خطاب دیا۔

بادشاہ محل

یہ عورت بھی ایک کبسی تھی اور اسکا بھی حسینی نام تھا اکثر بچنے کے لئے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا کرتی تھی اور اسکی ماں آغا محمد نام ایک ایرانی منحل سے بغل گرم رکھتی تھی حسینی کا ظہور اسی ایرانی کے نطفے سے تھا یہ حسینی جو بادشاہ کی منظور نظر تھی اسنے آغا محمد کی رسائی سے محل کا مصنوعی نقشہ جمایا مورد شفقت بادشاہی ہوئی اسکے لیے جدا گانہ محل ارستہ ہوا بادشاہ محل خطاب پایا مگر کچھ دنوں کے بعد یہ مضمون طلسمی مشہور ہوا کہ محل کی عورتوں نے وہ جادو گری کی کہ جادو کے زور سے پیٹ میں بچے کو غائب کر دیا غرض یہ بادشاہ محل بھی تین ہزار روپے ماہوار کی وثیقہ دار تھی۔

بسم اللہ یگم مخاطب بہ قدسہ محل

یہ عورت قوم ترک خاندان نوروز بیگ خان اور بہاؤن بیگ خان سے تھی جن کے باب کا نام دجا بیگ خان تھا اور انکا کٹرہ مشہور ہے اسے شوہر سے لڑکر محل میں بادشاہ یگم کی

اور دلکش چہرہ کبھی نہیں دیکھا اسکی حرکات اور طرز نشست سے غایت درجہ کی مسکینی
حیا پروری اور حجاب مترشح تھا۔ پوشاک سُرُخ مغل کی تھی اور بال بال مین موتی پر وئے تھے
زلفین شانوں پر بکھری ہوئی تھیں اور پٹیاں پر ایک چھوٹا سا جھومر آؤزان تھا جس میں بڑے
بڑے موتی اور زرد جڑے ہوئے تھے۔ کانوں میں بالیاں تھیں جن میں بیشمار زرد اور موتی
جڑے ہوئے تھے گلے میں متعدد موتیوں کی ملاؤں کے علاوہ ہار اور کنٹھے تھے جو اسکے حُسن کو
دو بالا کرتے تھے منہ میں دو بڑے بڑے موتی اور آنکھیں سبز مین ایک بیش قیمت زرد آؤزیاں تھیں
بیشواز اس قدر بھاری تھی کہ اسے کسی بیش قیمتین سنبھالے ہوئے تھیں اس میں شک نہیں کہ خود
نور جہان بھی اس سے زیادہ حسین اور جمیل نہوگی لہ

نصیر الدین حیدر کے بعد اس بیگم کا تعلق ناجائز میر کلب حسین بن سید علی کے ساتھ ہو گیا
جو محمد العصر کے خاندان سے تھا اور اس مطعون کا شور و غل شہر کے گلی کو چھ مین پھیل گیا اور
میر کلب حسین گرفتار ہو کر نواب ناصر مملات شاہی کے حکم سے کسی قدر سزا یافتہ بھی ہوا مگر دونوں کی
انفیت کی بھتی باہم مواصلت کی وہ سبیل نکالی کہ کسی کا خوف باقی نہ رہا دونوں کو بلا کو چلے گئے
اور وہاں باہم نکل کر لیا اور مزے دسل کے اڑنے لگے۔ تلج محل لے کر بلا ہی مین چند سال کے
بعد جمادی الاولیٰ ۹۲ھ ہجری مطابق ۱۷۷۵ء مین انتقال کیا۔

پھول محل

بینی رام ساہو کار کھنڈوی ساکن محلہ چکلا نے عاشورن کسبی سے رسم آستانی بڑھا کر گھر مین
رکھا اس سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیدا ہوئے بینی رام کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے رام دیاں

۱۷ منقول از اودھ اخبار مورخہ ۲۲۔ جنوری ۱۹۲۰ء نمبر ۶۱۲

پشیمینہ از قسم فرس سند۔ تکیہ۔ بحاف۔ تو شک وغیرہ قیمتی شکر لکھ روپے سے بھر دیا
قدسیہ محل نے ایک لکھ میں وہ تمام پشیمینہ اپنے نوکروں کو بخش دیا تین برس کے اندر تین کروڑ
روپے نقد صرف کیے قدسیہ محل سے بڑھ کر لکھنؤ میں کوئی ایسی عمارت میں نام آور نہیں ہوئی

قدسیہ محل کا اپنے اگلے شوہر سے نطفہ بادشاہ کے نام سے
بہم پہنچانا اس محل کے ساقط کر دینے کے اہتمام میں ایک
محلدارنی کا بادشاہ کے ہاتھ سے مقتول ہونا اس محل
حرام کا بھانڈا پھوٹا قدسیہ محل کا خود کشتی کرنا بادشاہ کا
اُس کے ماتم میں لذت دنیا سے ہاتھ اٹھانا

اب ایک واقعہ عجیب و غریب مینے بادشاہ کو فرزند کی تنہا ہزار دل سے مٹی اور آجی
قدسیہ محل کی دل سے ہوا خواہ تھی اُسے اس بات پر بجا پا کہ نطفہ کسی اور شخص کا بادشاہ کے
نام سے بہم پہنچانا چاہیے لیکن قدسیہ محل کسی دوسرے شخص کی ملاقات پر رضامند نہ ہوئی
ناچار پہلے شوہر کو جو طلاق دیکر لکھنؤ سے بچھوٹ کر فاری کان پور کی طرف بھاگ گیا تھا
روپے کا طمع دیکر ہزار فریب سے طلب کیا وہ ناکہ شہر تک آیا تو یہاں سے صندوق مقل
میں اور آلات تحائف کا پیور کے ساتھ محلہ سے بہم پہنچا اور کئی مینے تک پردے میں اپنا
کام کیا خدا کے حکم سے قدسیہ محل حاملہ ہوئی لیکن ان گناہانہ خیریت سے نہیں گذر گئی وہ محل
فرزند ہشت ماہ کا ساقط ہوا اور یہ خبر تمام محل میں پھیل گئی کہ پیاری نام محلدارنی نے
ملکہ ازبانی کے کہنے سے سحر و جادو کے زور سے یہ محل ساقط کیا بادشاہ کو بہت غم داندوہ ہوا

نو کر رہی تھی اس لیے کئی صورت اسکی بہت ایسی ملاؤں نہ تھیں مگر طالع بلند تھے بادشاہ کی نگاہ محبت
 اُسپر جا پڑی اسکی ہر ادا و فریب بھی حضرت عشق نے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا حکیم
 ممدی علی خان نے اس مرض کا اس ڈھنگ سے معالجہ کیا اور وہ نسخہ عمل میں لائے کہ شوہر
 نے اسکو طلاق دی نام اسکے شوہر کا کسی نے مزا بھو گیا اور کسی نے میر جھولی کلو سا کن
 کٹرہ و قابیگ خان لکھا ہے۔ بادشاہ نے اس سے نکاح کر لیا اور وقائع دہلیدیر سے
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت ایک دستار بند کی تھی حسن و جمال میں بے نظیر تھی بادشاہ کے
 متعہ میں آئی اور خطاب مخدرہ زمان ممد عظمیٰ البقیس دوران ملکہ آفاق قدسیہ سلطانہ
 بانوبیک صاحبہ ہوا مگر مشہور قدسیہ محل کے ساتھ ہوئی ابتدا میں تو اس عورت سے
 اور بادشاہ یکم سے خوب میل رہا اور آخر کار تنازع اور خروش پیدا ہو گیا اور باہم نہایت
 تفتیش آمیز باتیں ایک دوسرے کو کہنے لگی۔ بادشاہ اس عورت پر نہایت مفتون اور
 فریفتہ تھے یہ عورت نہایت بلند بہت اور سخی تھی اس نے آج بھی کے بیٹے قادر علی خان کو
 اس کا خیر پر مقرر کر دیا تھا کہ پانچ ہزار روپیہ روز ہر صبح جب غریبا اور مومنین کو تقسیم ہوتا
 تھا تب کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتی تھی اسکی فیاضی سے غریبوں کی ہزاروں ناکتھا
 لڑکیاں بیاہی گئیں اور جس شخص کی نسبت اسکی ہم قوی کا لفظ مستعمل تھا وہ دولت و ثروت
 پہنچ گیا ان میں سے ایک مظفر الدولہ حسین بیگ تھے کہ جن سے روشن الدولہ ہزار منت
 اور خوشامد سے ہم کلامی کے آرزو مند تھے دوسرے نکاح حساب و شمار کیا اور جملہ محلات شاہی
 نے سوائے ملکہ زمانہ اور مخدرہ علیا کے قدسیہ محل کو نذرین گزار دیا مگر ملکہ زبانی اور مخدرہ علیا
 رضامند نہ ہوئیں۔ ایک دن قدسیہ محل نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں نے شہیدہ خانہ نہیں
 دیکھا حضرت نے حکم دیا کارپردازوں نے ایک خالی مکان زمین سے چھت تک سامان

کر کے پوشاک بد لکر جان دینے پر آمادہ ہوئی پچاس ہزار روپے اور کئی ہزار اشرفیاں
توشے خانے میں موجود تھیں اپنے بیٹے کو شوہر اول سے تھا بلکہ چار ہزار روپے دیکر کمال محبت
کے ساتھ سینے سے لگایا اور پیار کر کے روئی اور کچھ نقد اپنے نوکر دیکو دیا اور یاس و حسرت
کی باتیں کیں خواصوں نے بہت فمائش کی لیکن حل نہ ہو سکی تھی وہ پسا ہوا زہر فوری خام
کے ماتھے سے لیکر کھالیا ۱۵ ربیع الثانی ۱۱۵۷ ہجری مطابق ۲۱ - اگست ۱۷۴۴ء کو یہ واقعہ
ظہور میں آیا جب یہ جاننا معاملہ محل میں گذرا اور استقرار شروع ہوا بادشاہ کو کیفیت اسکی
اکھلی مزار علی وغیرہ طبیبوں اور روشن الدولہ کو طلب فرمایا لیکن قدسیہ محل نے جو جان پر
اکھیل چکی تھی معالجہ قبول کیا غرض اس کش مکش میں اسکا کام تمام ہو گیا اور لاش کمال جلوس
کے ساتھ کربلائے نو تعمیر واقع مکارم نگر میں دفن ہوئی بادشاہ نے اس غم میں لباس تہمتی
سیاہ رنگ کا پہنا اور لذت دنیا سے کنارہ کیا ایک مدت تک آنکھ شیشہ دماغ سے نہ ملانی
بلکہ فرط رنج و الم میں یہ کلمات زبان سے سرزد ہوتے تھے کہ بھلو کسی کی صورت ابھی نہیں معلوم
ہوتی غرض زندگی بھر اس غم کے ماتھوں سے نجات پائی۔

تاریخ وفات قدسیہ محل

حضرت قدسیہ بانو بیگم عالی صفات	حیف از دار فنا سوائے جنان ناگاہ رفت
تیرہ وقار از زمین تا ہر خ شد در ماتش	گو کیا زیر زمین از اوج گردون ماہ رفت
سال اینچ و قاتش ز در قم کلک قبول	حیف بلیقے ز پہلوے سلیمان جاہ رفت

از مولف محترم خانی

کیا گردش فلک نے صدمہ دیا ہے اعظم عالم نے جسکے غم میں پہنا لباسِ ماتم

اور اُس محلدارنی کا شمشیر غضب سے کام تمام کر دیا جب یہ ناوک تہذیب نشانے سے خالی گیا
پھر آتو نے دوسری مرتبہ بھجوبیگ کو کان پور سے بلا کر اس خیال سے کہ پردہ راز فاش نہ ہو رنگ
ترغیب بجایا جس سے بادشاہ نے کوٹھی و لکشائیں قیام اختیار کیا یہاں آتش حسرت فرزند
سینے میں شعل تھی اور کلام جگر سوز یاس و لال کے زبان پر جاری تھے ایک دن ایک خواص
خاص نے بادشاہ سے اپنی حفظ جان اور حرمت کی سوگند لیکر کھلی ساری کیفیت گوش گزار
کی اور کہا کہ نورن دانی اس معاملے سے بخوبی واقف ہے یہ بات سنتے ہی بادشاہ کو بہت
غصہ آیا اور قدسیہ محل کی طرف سے بالکل توجہ پھیر لی اور نورن کی طلبی کے لیے حکم دیا
فتنہ پردازوں نے جب یہ دیکھا کہ اب راز فاش ہوتا ہے اُس دانی کو پوشیدہ لکھنؤ سے کانپور
کی طرف بھگا دیا اور وہ ہاتھ نہ آئی۔ دریائے غم کی موج بادشاہ کے سر سے گذر گئی اور بادشاہ کو
بے انتہا پریشانی اور اندوہ پیدا ہوا ایک دن قدسیہ محل نے بادشاہ کی خلوت گاہ میں آنیکا
ارادہ کیا ارشاد ہوا کہ اب مجھ کو تجھ سے کوئی کام نہیں اور نہ تجھ کو مجھ سے کوئی سروکار باقی ہے
قدسیہ محل نے عرض کیا کہ جناب کی طبیعت میری طرف سے پھر گئی دشمنوں کے کہنے سے
فساد پر آمادہ ہیں جیل ڈھونڈھ کر میری خرابی کے درپے ہیں حضور خوب غور فرمائیں کہ میں عمدہ بیگم
کی طرح نہیں ہوں کہ اول اُس کو اپنی خدمت میں سرفراز کیا بعدہ ایک رکیک جرم پر
بے حرمت کیا سر کے بال منڈوا کر بھنگی کے حوالے کر دیا میں نے حضور سے ہمیشہ یہ بات
عرض کی ہے کہ خدا نخواستہ جسد بنندگان حضور کی نگاہ میری طرف سے پھری اُسی روز
زندہ نہ رہو گی فقہ حیات نذر محبت کرو گئی۔ یہ شکر بادشاہ نے بے تکلف جواب دیا کہ میں نے
کسی کو یہاں جان نثار راہ محبت میں نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو ہلاک کرے قدسیہ محل کے
سر پر قضا کھیلتی تھی نہ ہر منگوا کر نوروزی خانم کو جو ملیں تھی قبولیض کیا اور اُس دن غسل آخری

لینا چاہا لیکن بادشاہ کو دعوت کے بہانے سے اپنے مکان پر بلایا اور زنانہ محل میں کچھ عورتوں کا ہجوم تھا غدر کرنے کے لیے اپنے اہل و عیال کو پیش کیا دختر مرزا باقر علی خان بن حسین علی خان بلیق جکھوار روٹ لکھنڈ کہ بظاہر سرخ و سفید تھی اسکی جلد بدن باریک تھی آنکھیں بڑی بڑی تھیں ہونٹ پیسے تھے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن نظر آتی تھی بادشاہ کو دکھائی ایک گاہ میں بادشاہ کی طبیعت اسکی طرف مائل ہو گئی اور مواصلت کے خواہان ہوئے نائب نے عرض کیا کہ یہ لڑکی قوم سے اشراف اور خاندان سے عزت دار ہے بازاری عورت نہیں کہ حضور کا حکم صادر ہوتے ہی جیسے ہو سکے اپنے آپ کو حاضر کرے اگر طبیعت مبارک اسکی طرف رجوع ہے تو اسکے باپ کو شرف کے طور پر راضی کرنا چاہیے اور سلاطین ماضیہ حسب طرح اپنے جان نثاروں کے ساتھ پیش آتے تھے اس طرح عقد شرعی کر کے خدمت مبارک میں سرفرازی بخشی جائے یہ صورت اسکے والدین کی عزت کا موجب ہوگی اور یہاں میں تکرار اور عنبر کی جگہ نہ رہے گی روشن الدولہ کی عرض بادشاہ نے قبول فرمائی اور شادی کے سمرانجام کے واسطے ارشاد کیا روشن الدولہ نے مرزا باقر سے اس طرح تذکرہ کیا کہ عورات مشاطہ نے آپ کی بیٹی کا ذکر حضرت تک پہونچایا ہے حضرت اس سے کھدائی کے خواہان ہیں اگر منظور ہو تو کار خیر ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں مرزا باقر نے جواب دیا کہ میں ایک غریب ماہر زاد بادشاہ کا ہون بھلا یہ امر کیسے صورت پذیر ہو گا اول یہ کہ لوگ کہیں گے کہ ظان شخص نے لالچ میں اگر یہ کام اختیار کیا ہے (۲) حضرت کے صدمہ محل میں تین روز رغبت کر کے خواہس پورہ میں داخل کر دیئے تمام عمر میں فضاہت ہوتا رہے گا اور بیٹی کہا کر لگی کہ باپ نے جان بوجھ کر مجھے ڈبویا (۳) اگر بادشاہ کے حکم کے مطابق یہ کام اختیار بھی کروں تو فرمائیے کہ شادی کا جو دستور ہے حضور کے مقابلے میں وہ مجھ سے کیا ادا ہو سکے گا میں فقیر ہوں وہ بادشاہ ہیں بالفرض تمام اثاثہ البیت

دار فنا سے اُسے صد حیف کی ہے خلت دستِ سخا سے جسکے تھا کامیاب عالم
بتیاب و بقراری باگر یہ آہ و نزاری ہر اک میں بین نے پایا اُس دن بچشمِ بزمِ غم
پندرہویں بخشبہ ماہ ربیع ثانی سنہ یکہزار و دو صد پنجاہ تھے مسلم
سال وفات اُس پر پوچھا تو بولا ہاتھ کہہ غلہ کو سدھاری قدسیہ بانو میگم

کنگال محل

قدسیہ محل کے انتقال کی وجہ سے بادشاہ کے دل کو جو غم و الم نے وہ پریشان کیا کہ کسی طرح اُنکو عورات عیش محل کی طرف رغبت نہ تھی اور ریڈنٹ کے کلام نصیحت آئین بھی کارگر نہ ہوتے تھے اور بہانے تاکہ دشت بڑھی کہ اکثر اوقات جنگل میں سیر و شکار کے بہانے لہر کرتے تھے اور کبھی فرح بخش وغیرہ سلطانی مکانوں میں رہتے تھے اس طرح غم غلط ہوتا تھا کہ قدسیہ محل کی یاد میں کتاب و دشت کا سبق بڑھتے تھے اور کبھی بی بی پور اور کوٹھی و لکنا میں وہ خفقان جو گریبان گیر تھا ایسے پھر نہ تھا عجیب قلق اور بے لطفی میں صبح سے شام ہوتی تھی سلطنت کے کاموں کی طرف ذرا میلان نہ تھا روشن الدولہ وغیرہ دریلے فکر و انتشار میں ڈوبے ہوئے تھے اور یہ منصوبے باندھتے تھے کہ بادشاہ کو کسی گلبدن سر و قامت کے ساتھ منعقد کر دیں تاکہ یہ کاوشیں اُنکے دل سے دور ہوں اس سے پہلے قدسیہ محل کی بہن کو جو صاحب شوہر تھی تجویز کیا جب یہ کلام زبان پر آیا اس نے کنارہ کیا اور بادشاہ کی طبیعت بھی اُنکی طرف رجوع نہ ہوئی اُسیلے اُنکی شرطیں نامنظور کیں روشن الدولہ نے اب دوسری تجویز کی کہ قدسیہ محل کے جہلم کے بعد حضرت کاخ کسی نکتہ الہامی سے کرانے کی تدبیر کی تاکہ غم غلط ہو جائے لیکن یہ کلام دوسرے کے ہاتھ سے کرانے میں اپنی گرم بازاری میں نقصان سمجھ کر خود اس کام کو اپنے ہاتھ میں

چند روز کے بعد اسی طرح روشن الدولہ کے مکان پر عقد شرعی بندھا اور جب قدر سو گاہ
دولہا کے لیے ہندوستان میں مقرر ہیں وہ بادشاہ نے محل میں جا کر بلا کر اراد کیے اور
دکن کو سکھیاں میں بٹھا کر چیز ساتھ لیکر شادان و فرحان محل خاص میں واپس آئے
روشن الدولہ کے بیان کے موافق چودہ لاکھ روپے کا جیز تھا عتشم خانی کے مؤلف نے اس
تقریب کی تاریخ اس طرح موزون کی ہے ۷

عجائب لطف پر پاچہ دھوین شب بھلا چرخ سے
منو تھی زمین جون روز روشن ماہ تابان سے
فلک نقارہ شنایا کشتان خورشید و مہ جہا نجین
ملا لاک شادیانہ دیتے تھے گرد و گدازان سے
جہاں گئے گئے تھا نام رنج و غم کا یک باری
جدھر میں دیکھتا تھا سب نظر آتے تھے خندان سے
ہو امیری خرد کو فکر تاریخ اس عروسی کا
نظر جب آئی یہ محفل نہایت لطف احسان سے
لہا یوں لکھ کر آتے غلظت شان شادی کا
شرف بلقیس کو حاصل ہو نواب سلیمان سے

ولہ

شاہانہ جوڑہ پہنے ہوئے دیکھا شاہ کو
تاریخ کی ہوئی فکر اس خیر خواہ کو
ہاتھ سے کی رجوع پئے سال تمنیت
بولاکہ مشتری سے ہوا واصل ماہ کو
چوتھی اور چالے کی رسم ادا ہونے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام ہماری بیگمات اس دھن کو
نذرین دین پہلے جو ہماری شادی مرزا سلیمان شکوہ کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی وہ والدین
کی مرضی سے ہوئی تھی اور یہ شادی خود ہم نے اپنی پسند سے کی ہے دھن کا خطاب نواب
ممتاز الدھر شاہ جہاں بیگم مقرر ہوا اور اس تقریب کی بدولت باقر علی خان کے بازار نے
رونق پائی ہاں اس ڈیوڑھی کے کارخانے پر حاوی ہوئے اور باقر علی خان کے بیٹے
نے جو بوشن الدولہ کا دایاں تھا اور اس تازہ محل کا بھائی تھا سراج الدولہ خطاب پایا

فروخت کر کے انتقام بھی کر لیا تو یہی حکم ہو گا کہ کوئی دکیل نخل کے لیے چلا جائے اس صورت میں تمام عمر یہی بدنامی رہے گی کہ فلان نے اپنی بیٹی عسریہ طریقت پر دیدی اور پھر کبھی میری بیٹی کی عزت و منزلت نہو گی۔ روشن الدولہ نے جواب دیا کہ زمانہ سلف سے آج تک امرائے سلاطین کے ساتھ جو رشتہ داریاں کی ہیں اگر سب کو بدنامی اور طمع کا خیال پیدا ہوتا تو یہ کام ہی منقطع ہو جاتا دنیا میں کوئی اسکو جانتا بھی نہیں حالانکہ اس کام کا قدیم سے سلسلہ تمام اقالیم میں جاری ہے اگر یہ احتمال ہے کہ تمھاری بیٹی کی دودن گرم بازاری ہو کر رہ جائیگی تو یہ بھی احتمال ہے کہ تمھاری بیٹی کے ساتھ جو محبت ہوگی وہ کسی دوسری عورت کے ساتھ نہو گی اور یہ جو تم نے کہا کہ میں غریب ہوں اور طریقہ عسریہ عمل میں آئے گا جواب اسکا یہ ہے کہ یہ کلمہ تم سے تعلق نہ رکھے گا اس لیے کہ میں نے اسکو اپنی بیٹی بنایا ہے اسکا یہ بڑی عزت و نمود کے ساتھ عمل میں آئے گا غرض کہ ایسے کلمات سے مرزا باقر کو راضی کر کے بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ لڑکی کے باپ رضی تو ہو گئے لیکن ایک محبت رکھتے ہیں کہ حضرت سر پر سہرا باندھ کر اور امیرون اور عزیزوں کو ہمراہ لیکر اُنکے مکان پر تشریف لے جائیں خانہ زاد کو اس بات سے وقت معلوم ہوئی اور ایسی محبت پکڑی کہ وہ لا جواب ہو گئے میں نے اُسے کہا کہ کیا مضائقہ حضرت یہ نفس تشریف لاویں گے لیکن اُنکی شان شانہ کے مطابق جہیز بھی چاہئے مرزا کچھ کہ جہیز میں دس بادہ لاکھ روپے سے کم صرف میں نہ آئیں گے مجبور ہو کر ساکت ہو گئے باقی سوالات اُنکے میں نے قبول کر لیے اور جہیز کا بار اپنے اوپر لے لیا اب اہماس یہ ہے کہ اُس لڑکی کو اپنے مکان پر مایون بٹھاؤں گا اور تمام مراسم شادی کے ادا کروں گا حضرت کوئی بیخ سید قرار دیکر سہرا سربہر باندھ کر ڈیڑھ اور تمام امر اور رشتہ داروں کو ساتھ لیکر نوبت و نفاذ کے ساتھ تشریف لے جائیں اور اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ بھی حضور کا مکان ہے بادشاہ نے قبول فرمایا اور

۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

دل کو نہ بھاتی غرض کہ شرم و حیا کے جوہر کی وجہ سے بادشاہ کے دل کو روز بروز اس نوحہ و سوس سے نفرت پیدا ہونے لگی۔ اُنکی مان گمانی خاتم مزامدی علی خان کی بیٹی تھی محل میں اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی تھی اسکے مزاج سے بیکاری کے ایام کی خستہ بنیں نکلی تھی اوجہ سے کفایت شعاری کی فکر میں ہمہ تن مصروف تھی اور جہیز سیون پر نظر تھی چنانچہ دو ہزار روپیہ نو عروسی کے دن تقسیم انعام کے لیے مرحمت ہوا تھا وہ صرف نکیا اور باو چھانے سے جو روٹیاں آتی تھیں بچی ہوئی روٹوں کو دھوپ میں سکھا کر جمع رکھتی تھی ایک دن بادشاہ نے شیرینی کی فرمائش کی گمانی خاتم نے بازار سے دو روپے کی مٹھائی منگادی جو بادشاہ نے چکھی بھی نہیں یہ جزیسیان بادشاہ کے ترشی مزاج کا باعث ہوئیں آخر آشفتمہ ہو کر کچھ دنوں کے بعد اُدھر سے رغبت پھر گئی۔ ایک دن خلوت میں بادشاہ پلنگ پر عرض میں لبرٹ گئے پاننتی کی طرف وہ نو عروس بیٹھی تھی شوہر و مرد کے ایک جا ہونے کی وجہ سے مکان غیر سے خالی تھا ناگمان بادشاہ نے غل مچایا کہ ماے ڈالتی ہے خواصوں نے ددڑ کر حال دریافت کیا فرمایا کہ یہ عورت میرا گلا گھونٹی تھی اسکو مارو اور بجا کر خواص پورہ بین ڈال دو کہاریون نے اُس نیم کو خلوت سے کشان کشان نکال کر سیکڑوں رسوائی و ذلت کے ساتھ قید ظلمت میں ڈال دیا پھر صحبت بادشاہ کی اُس ہجران نصیب کو حاصل نہوئی اور کنگال محل نام قرار پایا۔

عباسی محل

سید ظفر حسین خان لچھونون خداداد ولہ کی نیابت میں متاڑ ہے انکے فرزند شمس الدین خان نے ایک کبھی گھوڑی لی تھی اسکے بطن سے کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں انہیں سے ایک نہایت حسین تھی وہ بادشاہ کی خدمت میں مشرف ہو کر منظور نظر ہوئی زیادہ عیش کرنا اسکی قسمت میں نہ تھا فرزند البشا

اور علاقہ محمدی کی چکلا داری ماتھے آئی اور پیش قزاق تخواہین دونوں باپ بیٹوں کی سرکار
شاہی سے مقرر ہوئیں ابتدا میں رتبہ اس محل کا اسقدر ترقی پر تھا کہ کوٹھی فرح بخش سے
اصف الدولہ کے محل تک آٹھ گھوڑوں کی سیج گاڑی یرباد شاہ کے ہم پہلو سوار ہوتی۔
ایک دن اُدھی رات کے بعد بادشاہ محل میں آکر سونے کے ارادے سے پلنگ بریٹھ گئے
اور اُس نعرہ دس کا انتظار کرنے لگے اور وہ بوجہ لحاظ ادب کے طلب فرمانے کی متوقع تھی کہ
یچا یک برہم ہو کر دھنیا مہری سے کہا کہ میں بہت عرصے سے تنہا بیٹھا ہوا انتظار کر رہا
ہوں اور یہ اپنی جگہ سے نہیں ملتی دھنیا نے عرض کیا کہ نعرہ دس میں اسلئے شرماتی ہیں
رفتہ رفتہ کم حجاب ہو کر جو کچھ حضور کی مرضی ہوگی اُسکے مطابق عمل کریں گی اس بات سے
اور زیادہ بگڑے اور کہا کہ ہم کو مدت سے معلوم ہے کہ تجھ کو ادب سے سازش ہے اس لیے
باتیں بناتی ہے یہ لکڑ پلنگ سے اٹھے دھنیا بھی کہ بیگم صاحبہ کو اس وقت مارینگے اور اُنکی
عزت خراب کرینگے اس لیے دوڑ کر اُسے حضرت کی کمر کڑلی اور بیگم کو تکلیف دینے کے لیے
نہ چھوڑا جب بادشاہ نے خوب زور کیا تو خود دھنیا زمین پر گر پڑی بادشاہ نے دھنیا کے سینے
چڑھ کر اتنا مارا کہ بدن میں کمی بیگم ورم آیا دھنیا چلائی کہ اے بیگم صاحبہ شرم و حیا کو دور کر کے
آئیے اور مجھے بچائیے عرض کہ بیگم اٹھیں اور بادشاہ کا ماتھے پکڑ کر پلنگ پر لے گئیں اور دھنیا
نے رانی پائی۔ بادشاہ کی طبیعت کو مدت سے یہ عادت تھی کہ جب قدر عورت بے حجاب اور
چالاک ہوتی وہ اُسے پسند کرتے تھے اور یہ بات ایسی عورتوں میں پیدا ہو جاتی ہے جو عیاش ہوں ہر قسم کے
آدمیوں کی آنکھیں دیکھی ہوں شوقین مردوں کی صحبت خوب پائی ہو اور جو عورتیں مکانوں میں نہایت
شرم و حجاب کے ساتھ چلتی بڑھتی ہیں اپنے مردان محرم کے سوا غیر پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں پاتیں
انہیں سچا بانی کہاں سے ہو لیکن بادشاہ ایسی عورت کو ناپسند کرتے تھے رشک جو بھی ہوتی تو اُنکے

اس طرح زینہ برینہ درجات طے کرتی ہوئی محل تک رسائی کی صورت ظہور میں آتی تھی اور اکثر کم قسمت بے نیل مرام مفت بدنام ہو کر جاتی تھیں اور بعض بد وضع خراب حال دریائوں سے اُلجھ کر رہ جاتی تھیں بہت کم عورتیں خلوت خانہ شاہی تک پہنچ کر آرزوے دلی سے کامیاب ہوتی تھیں اسپر بھی سیکڑوں عورتیں عیش محل میں داخل ہوئیں انہیں سے اکثر عورتیں نہایت طر حدارتھیں جنہے دیکھنے سے زن مرید و مکی بھوک پیاس دور ہوتی بادشاہ کی اس زن پرستی نے وہ خسر برپا کیا کہ العظیہ لٹا اور اس بدنامی نے یہاں تک طول کھینچا کہ یہ خبریں زریذت تک پہنچیں اور ادھر سے تاکید و مانعت شروع ہوئی۔

بادشاہ کا اپنی بیابہ تابی بی مریم بیگم انخاطب پے سلطان ہو
کی زندگی میں اُسکی حقیقی بہن کے حسن و جمال پر جو شوہر دار تھی
فریفتہ ہو کر اُس سے نکاح چاہنا اُس عقیفہ کے باپ نے اسلیماں شکوہ
کا اس امر کو نامنطور کرنا اس لیے انکا لکھنؤ سے خارج ہو جانا

شاہزادہ سلیمان شکوہ جو شاہ عالم ثانی کے بیٹے اور محمد اکبر ثانی کے بیٹائی تھے اُنکی ایک بیٹی مریم بیگم نام نصیر الدین حیدر سے منعقد تھی اور ابھی اس سے صورت موصلت ظہور میں نہ آئی تھی کہ اُسکی بہن ملکہ بیگم وارد لکھنؤ ہوئی۔ یہ بیگم مزار سلیم نخت سے بیاہی تھی مگر وجہ تخاف مذہب شیعہ و سنی کے زن و شوہرین ناموافقیت پیدا ہو کر علیحدگی ہو گئی تھی کیونکہ سلیمان شکوہ نے لکھنؤ کی بدو بایش کی وجہ سے طریقہ اثنا عشری اختیار کیا تھا اور اُسہیں بہت علوتھا اور اُنکے تمام بیٹے اور بیٹیاں اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اور مزار سلیم نخت میر محمدی خلیفہ مولوی

اور وق میں مبتلا ہو کر مگر گئی عباسی محل خطاب تھا۔

عورات عیش محل جنگی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی اور
اسامیون کے لفظ کے ساتھ مشہور و معروف تھیں

بادشاہ نے ایک عیش محل مقرر کیا تھا جس میں سیکڑوں عورتیں جمع ہو گئی تھیں ان میں سے
ایک بھنگن بھی تھی جس کا خطاب صاحبہ محل تھا ایک کلانوت کی دو بیٹیاں تھیں ان میں سے
ایک کا خطاب مہتاب محل دوسری کا آفتاب محل تھا ذیل قوم کی اور ست سی
عورتیں اس محل میں داخل اور صاحب خطاب تھیں جب یہ بات شہر اور علاقے میں شائع
ہوئی کہ بادشاہ کا مزاج نساں پسند ہے کسی پر پسند نہیں تو جس دشمن آبرو کی بہن یا بیٹی خوبصورت
ہوتی وہ اپنی ترقی کی آرزو میں خوشی خوشی لاکر حاضر کرنا فخر سمجھتا اور اکثر نیک چلن اور جلیں جو تین
دولت و حشمت کی تمنا میں ہزار جان و دل سے مشاق تھیں کہ بادشاہ کے محل تک کیسے طرح
رسائی ہو اور بہت عورتوں نے بادشاہ کے محل میں نوکر ہونے کی آرزو پر شوہروں کو
جوا بدیا بادشاہی خواجہ سرا اور کھاریاں ہول کے گھوڑوں پر سوار کوچہ کوچہ پھرتی تھیں اور خوبصورت
عورتوں کو زور و زبور کی طرح دیکر عیش محل میں پہنچاتی تھیں اگر ان کا کوئی وارث انکار کرتا تو گونہ والی
کی نوبت آتی تھی چھوٹی قوم والوں کا تو یہ حال تھا اور اب ارباب آبرو کی عزت پر آہنی تھی اور
الامان کا لفظ زبانوں پر جاری تھا بہتوں نے جلالت و دین اختیار کیا شہر پر لات ماری اور
یہ قاعدہ جاری تھا کہ جو عورت عیش محل میں داخل ہونے کی اُمید پر در دولت تک پہنچتی
تو وہ چند روز پہرہ والوں اور دربانوں کے زمرے میں قیام پذیر ہو کر راجہ درشن سنگھ کے
حکم کی منتظر رہتی تھی پہلے راجہ کا نائب اُسکے دیدار سے دل خوش کرتا پھر اپنے کسی متمکوسو سنپتا

جلے گئے اور ۲۹ - ذیقعدہ ۱۲۶۳ ہجری مطابق ۲۴ - فروری ۱۸۳۸ء کو آگرے میں انتقال کیا۔

فضل حسین خان کی زوجہ کا بادشاہ کے محل میں جانے کی خواہش کرنا اور شوہر کی بڑی کوشش سے میرنشی زریڈنٹی کی مداخلت سے اس بلا کا اسکے سر سے ٹلنا

جب شمس الدولہ نے بنارس میں قضا کی انکی زوجہ حضرت بیگم بنت مرزا جٹا شوہر کے محل و اسباب پر قابض ہوئی جب شمس الدولہ کی اولاد نکمیز کو پہنچی بڑے بیٹے اقبال اللہ الیق اور صاحب علم تھے وزارت لکھنؤ کی تمنا میں انکے مقدمے نکلتے اور لندن تک پہنچے اور دوسرے بیٹے نے جسکا مرج لا ابالی تھا تھوڑے دنوں میں بہت سارے پیسے خرچ کیا آخر کار دونوں بھائیوں میں آتش نزاع بھڑکی بنارس سے لکھنؤ میں آئے۔ فضل حسین نامی ایک نہایت دانشمند آدمی بنارس کا رہنے والا انکا رفیق تھا مگر یہ شخص تاشبیں تھا اسکی زوجہ نے کسی تقریب سے محل بادشاہی میں جانا چاہا اور رسم پیام جاری کی۔ نصیر الدین حیدر جو بہر دل سے اس طرح کے پیام و سلام کے شائق تھے اسکے طلبگار ہوئے فضل حسین نے التفات حسین خان میرنشی زریڈنٹی کی قوت سے بہار خرابی اس سوائی کو روکا۔

بادشاہ کا اولاد ہونے کے لیے فخر کے اسلام و ہندو سے دعائیں لینا

بادشاہ کو یہ آرزو ہوئی کہ وارث تاج و تخت کسی عورت سے پیدا ہو جائے کیونکہ وہ

فخر الدین حسینی سے بیت رکھتے تھے ہر چند انھوں نے اپنا رنگ جمایا کہ اُس بہار بوستان عصمت کو اپنے رنگ پر لاکین مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے آخر کار زن و شوہر میں نفاق ہوا یہاں تک کہ مرزا سلیم نجات نے ملکہ بیگم کو اپنے پاس سے علیحدہ کر کے جانب لکھنؤ رخصت کیا شہرہ حسن و جمال اس بیگم کا عالمگیر تھا۔ ملکہ بیگم ایک دن اپنے باپ کے گھر سے نصیر الدین حیدر کی دولت سر کو اپنی بہن کی ملاقات کے لیے گئی۔ خدا داد حسن اُس کا بادشاہ کے منظور نظر ہوا اور خواستگار عقد ہوئے چونکہ یہ امر مرزا سلیمان شکوہ کے خلاف شان تھا انکار کیا اور رزیدنٹ کے ذریعہ سے یہ بات جاہلی کہ ملکہ بیگم بادشاہی مجلس سے چلی آئے گریہ عقد حل نہوار زیدنٹ نے کہا کہ مجھ کو بادشاہ کی مجلس تک دسترس نہیں آپ سے جو ممکن ہو تیرے کچھے۔ سلیمان شکوہ نے کرنیل کارنر کو جو انکا سمجھی تھا کاسنج سے بھرت کے ساتھ بلایا اور اس محلے میں مدد جاہلی اُسے لکھنؤ میں بادشاہ سے ملاقات کر کے مجلس سے ملکہ بیگم کا رخصت ہونا چاہا۔ جہاں پناہ نے دیکھا کہ اب اسکا استعناہ کلکتے میں گورنر جنرل کی کونسل تک پہنچے گا مجبور ہو کر اجازت دی کرنیل ڈیورسٹی پر جا کر ملکہ بیگم کو رضا خواہ بے رضا سوار کرالایا اب آتش قہر سلطانی مشتعل ہوئی اور سلیمان شکوہ کے شہر سے نکل جانے کا حکم صادر ہوا یہ ہزاروں روپوں کے قرضہ اچھے قدم نکالنا شہر سے سخت دشوار تھا اور قرضہ اہون کو بادشاہ نے حکم دیدیا کہ زر قرضہ اپنا جس طرح چاہو لیلو اور شاہزادے کو حکم تھا کہ رعایا لکھنؤ کا زر قرض جس صورت سے ہو سکے ادا کرو اور وہ سات ہزار روپیہ مہینہ جو مستملہ دولہ کو بدولت مقرر ہوا تھا موقوف ہونا چار کرنیل کارنر نے اپنی پاسداری سخن کے محاط سے چاہیں روپے نقد اپنے پاس سے دیکر زر قرضہ ادا کیا اور قسک اپنے نام کا لکھا لیا فقط یہ بہار سیال کا روپیہ جو رائے رقم تھی باقی رہا اور مرزا سلیمان شکوہ اہل و عیال اور اسباب و مال اٹھا کر کاسنج کو

بادشاہ کے مزاج میں آتوجی کی مداخلت

نجین طوائف جو راجہ جھاؤلال کے گھر میں پرگئی تھی اُسکی خواصوں میں سے ایک خواص آتوجی کہلاتی تھی اور پانڈے صاحب لے سے جو راجے بالکرام عرف بڑے صاحب بڑا بھائی تھا آتوجی کی آشنائی تھی اُس سے آتوجی کے بچے بھی پیدا ہوئے تھے جب جھاؤلال کا کارخانہ بگڑا اور نجین کا رنگ عشرت زلمے نے خراب کیا تو آتوجی نے اشرف آباد کے ایک کالیستہ کے ساتھ جو جھاؤلال کے رشتہ داروں میں سے تھا تعلق پیدا کر لیا اور ایک بچہ اس سے پیدا ہوا مستند الدولہ آغا میر کی وزارت کے دنوں میں روشن الدولہ سے بیسواڑے کا علاقہ متعلق تھا تو یہ اُنکے گھر تلاش معاش کے لیے آنے جانے لگی۔ یہ عورت جوانی میں نہایت خوبصورت تھی باتیں ایسی شایستہ تھیں کہ ہر ایک آدمی کو اپنے کلام سے شہینہ و فریفتہ کرتی تھی بادشاہ شب کو قدسیہ بیگم کے محل میں رہے عادت اُنکی رات بھر گھٹنے کی تھی اور بے شغل کے رات کا گزنا مشکل تھا اُنھوں نے یہ چاہا کہ چند عمر اور جہانگیرہ گرم و سرد زمانہ چشمیدہ عورتیں بیان رکھ لی جائیں جو رات کو اچھی چھی حکایتیں اور دلچسپ قصے بیان کر کے دل بہلائیں حکیم مہدی علی خان نائب سے یہ بات کہی اُسوقت روشن الدولہ حاضر تھے اُنھوں نے کہا کہ اگر مجھ کو اجازت ہو تو ایک ایسی عورت کہ جسکا مثل اس شہر میں نہیں موجود کر دوں اور آتو کو جو بنی تعلیم کر کے مہدی علی خان نائب کے مکان میں پہنچا دو وہ آتو کی باتوں سے ایسے راضی ہوئے کہ اپنی طرف سے خفیہ نوپس بنا کر اُسیدن قدسیہ یا نو بیگم کے محل میں پہنچا دیا اور یہ بخانا کہ یہی آفت زمانہ میری وزارت کے زوال کا باعث ہوگی غرض کہ چند روز میں غلامہ روزگار آتو نے بادشاہ اور قدسیہ بیگم کے مزاج میں

مُتاجان کی نسبت اپنے نطفے سے ہونے کا انکار کر چکے تھے۔ فقرے مترناض اور سادات نامے سے دعا کے خواستگار ہوئے چنانچہ عیش باغ میں خاص میں کام کے لیے فقرے اہل اسلام کے لیے مُصنّے اور خاکسارانِ ہنود کی دھو تیان جمی ہوئی تھیں اُس باغ میں ان لوگوں کی برکت سے رات دن فیض کا چشمہ آبِ روان کی صورت جاری تھا نعمت دنیا کی اور غذاِ ائین خوشگوار موہن بھوک اور شیرالِ مزہ دار فریقین کے لیے مینا تھے کسی نے طلسمی نگ سحر و افسون کا جمایا اور کسی نے محرابِ فلک کی طرف دعا کا ہاتھ اٹھایا کہ آبِ نیمان بادشاہی کسی صدف میں بڑ کر گوہر بنا ہوا کی صورت دکھائے۔

بادشاہ کی انا کے بیٹے آغا مرزا کی سرکشیان

بادشاہ کی انا کی ثروت اس درجہ کو پہنچی تھی کہ اُسکے داماد میر نوروز علی نے جناب عباس کی درگاہ کے قریب محلہ رستم نگر میں ایک عالیشان عمارت بنائی اور امام باڑے کو لاکھوں روپے کے شیشہ و آلات وغیرہ سے سجایا۔ اس انا کے بیٹے آغا مرزا کی سرکشی حکومت کے ساتھ اس زور پر تھی کہ حکیم ہمدی علی خان کا رنگ پھیکا تھا اسکی بے اعتدالی اور تم شکاری نے خلقِ اللہ کو ایسا بچپن کیا کہ رزیدنٹ تک استغاثہ ہوا اور اُس نے بادشاہ تک پہنچایا پھر بھی آغا مرزا اپنی ناشائستہ حرکات سے باز نہ آیا اس کے معاملات میں کوتوال کی دال نہیں گنتی تھی اور عدالت کا علم اس کی ضرورت سے عاجز تھا پندرہ بیس لاکھ روپے کا آدمی تھا نوروز علی نے جب فضلی تو کر بلاے مال کٹورہ میں ضریح کے قریب اُس کا دفن تجویز ہو کر تکرار کی نوبت آئی وارثانِ خدا بخش نے رزیدنٹی میں استغاثہ کیا مگر کچھ ملی

پرورش کرنے والی کہا کرتے تھے۔ بادچنجانہ خاں سلطان اس سے متعلق تھا جگنا خاں اور نوروزی خاں براتی خاں کی پیش دستی میں تھیں انہیں سے جگنا خاں کو آب خاصہ کی خدمت تھی اور نوروزی خاں سے متعلق خاصان کا کام تھا انہیں سے ہر ایک کو پان پانسو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی ہزاروں روپے انعام میں پاتی تھیں اور اکثر امیران شہر جسے کہ روشن الدولہ ہزاروں روپے انکوائلیے دیتے تھے کہ بادشاہ کے سامنے انکی سہی کرتی رہیں انکی دولت مندی اور ثروت زبان زد خلایق تھی۔ براتی خاں کی دو بیٹیاں تھیں ایک کی شادی مرزا کر علی بیگ منل کے ساتھ ہوئی تھی اس تقریب شادی میں بادشاہ آپ شریک ہوئے اور لاکھوں روپوں کا سامان جہیز میں دیا اور دوسری بیٹی بندہ علی خان سے بیاہی تھی جو علامہ تفضل حسین خان کے خاں سے ایک چلاک آدمی تھا براتی خاں کی یہ آبرو تھی کہ اکثر روشن الدولہ اپنے معاملات کی اصلاح کے لیے درپردہ اسکے پاس جاتے تھے۔ سالانہ ہزار روپیہ مہینہ مصارف خاصہ بادشاہی (خاص بادشاہ کا کھانا) میں براتی خاں کے ہاتھ سے صرف ہوتا تھا اور بادشاہ کے دل میں اسکا اس قدر اعتماد تھا کہ خاصے پر اسکی گنتی تھی براتی خاں کے دونوں داماد اور تیسرا بیٹا فتح علی خان یہ تینوں شخص سفلہ پرست اور لالہ بالی مشرب تھے۔ انھوں نے بھی بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں جگنا خاں اور نوروزی کے شوہر واقربا بھی امیر کبیر تھے اور انکھوین شراب نخوت کا نشہ جہاں ہوتا تھا یہ لوگ علاوہ نمائشی اشیاء کے عشرہ محرم میں تعزیر داری بھی دھوم دھام سے کرتے تھے۔

جلسہ دلیان اور انکے لباس وغیرہ کے مصارف

بادشاہی محلات میں جہاں پر مرتبہ اور دولت مند عورتوں کا ایک فرقہ تھا جسکے رشک و

وہ دخل پیدا کیا کہ جب تک وہ نہوتی بادشاہ نہ کھانا کھاتے نہ پانی پیتے سونا اور جاگنا اس پر موقوف تھا جب محل میں داخل ہوتے تو اول اسے پوچھتے کہ کمان ہے پھر دوسرے سے بات کرتے بادشاہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر آؤ ایک سٹخ کو میرے پاس سے جلد ہوتی ہے تو تمام کام میرے گننے کے مانند اتر ہو جاتے ہیں آتو جی نے رفتہ رفتہ منسوبے میں شریک ہو کر فکر و تدبیر کا وہ رنگ جایا کہ مہدی علی خان کی وزارت اسی کی کوشش سے گئی اور روشن الدولہ کی وزارت اور سجان علی خان کی نیابت اس کے ذریعہ سے رونق پذیر تھی اس عورت کی تدبیر پر امور کلی و جزئی میں بڑا اعتماد تھا اور حقیقت میں اسکی دور اندیشی اور دانائی میں شک نہیں۔ آتو جی کے بیٹے کا نام قادر علی خان تھا جس نے عمدہ عمارات اور ایک عالیشان مسجد گولر گنج میں بنوائی قدسیہ یکم کی طرف سے بانچہرار روپیہ روزیہ شخص مونسو کو تقسیم کرتا تھا اکثر حاجتمند اس کے دست نگر تھے اور یہ بھی تواضع اور محبت کے ساتھ ہر ایک سے پیش آتا تھا دس میں لاکھ روپوں کا آدمی مشہور تھا تمام امور شاہی کا حل و عقد اس سے متعلق تھا جس وقت راجہ لال جی انگریزی نوکری چھوڑ کر کھٹوئین آیا تو اس نے بخشی گے کے لیے درخواست کی اور یہ بات لوگوں کے سامنے بیان کی کہ اگر یہ صورت ظہور میں نہ آئی تو روشن الدولہ کا منصب وزارت پر ہرنا سخت دشوار ہے ایسا کلام اسکی زبان سے آتو جی کی پشت گرمی سے نکلا تھا اور وجہ اسکی یہ تھی کہ لال جی راجہ جھاؤ لال کے خاندان سے تھا اور آتو جی کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی آتو جی کے خواص و خدمتگار وہ مرتبہ بلند رکھتے تھے کہ غلامد شہر انکی توجہ کے آرزو مند تھے۔

براتی خانم - جگنا خانم اور نور وزی خانم کا رسوخ

براتی خانم قوم منسل سے ایک عورت تھی بادشاہ اسکو اپنی زبان سے دوا (یعنی)

کر ڈر روپے خزانہ عامرہ میں رکھے تھے جسکے کوٹھے پر مہر لگی رہتی تھی غازی الدین حیدر کے وقت میں انہیں سے بہت سارے روپے صرف ہو کر تھینا ساٹھے چھ کر ڈر روپے خزانے میں باقی تھے وہ نصیر الدین حیدر کے ہاتھوں سے ہر طرح خرچ ہوئے کہ ابتدا سے جلوس میں دو کر ڈر روپے کے قریب خرچ میں آئے انہیں سے نقد بادل لاکھ روپے تو مستند الدولہ آغا میر کو اور ساٹھے تین لاکھ روپے مبارجہ میوہ رام اور سچان علی خان کو عطا کئے تھے اور فضل علی خان اعتماد الدولہ کی معرفت رنگ محل کے وثیقے کے لیے کر ڈر روپے اور خود اعتماد الدولہ کے وثیقے کے واسطے چوبیس لاکھ روپے بھیجے گئے تھے اور بارہ لاکھ چالیس ہزار روپے ملکہ زمانہ وغیرہ کے وثائق کی بابت گئے تھے اور یہ وثائق کے روپے اعتماد الدولہ کے عہد وزارت میں ریکٹ صاحب زرڈنٹ کے ذریعہ سے سرکار کمپنی میں داخل ہوئے تھے اور منتظم الدولہ حکیم ممدی علی خان نے اپنی وزارت کے زمانے میں ایک بار بائیس لاکھ سترہ ہزار اٹھ سو چونتیس روپے نوٹ کی خریداری کے نام سے نکلوائے اور ایک بار پچاس لاکھ روپے سپاہ کی تنخواہ مباح کرنے کے واسطے خزانے میں سے لیے۔

۱۷۳۳ء میں بادشاہ نے گورنمنٹ انگریزی کو تین لاکھ روپے اس وعدے پر دیے کہ اسکا سود فیصدی چار روپے کے حساب سے یکم مئی ۱۷۳۳ء سے مسالین شہر لکھنؤ میں تقسیم ہوا کرے کل زر سود بارہ ہزار روپیہ سالانہ قرار پایا اور تقسیم اسکی باقسط ایک ہزار روپیہ ماہوار مقرر ہوئی اس روپیہ کی نسبت عہد نامے میں یہ لکھا گیا کہ زمانہ آئندہ میں کسی حاکم اودھ کے اختیار میں نہوگا کہ روپے واپس کرے یا کسی اور مطلب میں صرف کرے بلکہ ہمیشہ یہ روپیہ شاہ حال کی یادگار میں تقسیم ہو کرے اور اسکا نام سخاوت نصیر الدین حیدر شاہ اودھ رکھا گیا۔ انکے سوا باقی روپے اور باب نشاط پر صرف ہوئے۔

حسرت میں اکثر ارباب خاص جلتے تھے انکو جلسہ والیان کہتے تھے کہ دو دو سو تین تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ تھی کم سے کم پچاس روپیہ ماہوار سے کوئی کم تنخواہ دار نہ تھی اور رقومات انعام وغیرہ کی انتہا نہیں انکا ہر تکلف لباس نہایت بیش قیمت ہوتا تھا کہ ایک ایک دوپٹہ چار چار ہزار روپے میں تیار ہوتا تھا خلاصہ یہ ہے کہ جس تکلف کی پوشاک اور نفاس کا زیور نصیر الدین حیدر کے عملات میں عورتوں کے پاس تھا شاید نور جہان اور زیب النساء کو بھی وہ نصیب ہوا ہوا ان جلسہ والیوں کی تعداد پچاس تھی اور ہر ایک نوبت بہ نوبت رات کو چوکی چوکی صحبت بادشاہ میں فیضیاب اور ہم پیالہ و ہم نوالہ رہتی تھی ان گل بہرہوں کا شہر میں وہ رنگ جماتا تھا کہ بڑے بڑے گھر و مکی عورتیں محل کی نوکری کی آرزو میں ہزاروں روپے قرض لیکر نذرانے دیکر نوکری حاصل کرتی تھیں تریار لاج اسی وقت سے عبادت ہے۔ اور سوا جلسہ والیوں کے دو فرقے عورتوں کے اور تھے ایک فرقہ مغلا نیوٹکا اور دوسرا خواصوٹکا۔

نواب سعادت علی خان کے جمع کیے ہوئے خزانے کا

نصیر الدین حیدر کی بے پروائی سے برباد ہو جانا

نواب سعادت علی خان نے نقد تیرہ کروڑ روپے سے زیادہ جمع کیے تھے اور کہا کرتے تھے کہ چند کوڑیاں روز بد میں سپاہ کے ایک دن کے چنے کھانے کے لیے جمع کی ہیں یہ تمام روپیہ راجا خان خرچ نہیں صرف ہوا کہ نہ متاع آخرت ہاتھ آئی اور نہ دنیا کا کام بنانا نواب سعادت علی خان نے ایک کروڑ روپے جلال الدولہ کی مان خاص محل کے پاس کسی مصلحت سے رکھ دیے تھے اور ایک کروڑ روپے شمس الدولہ کے سپرد کیے تھے اور چار سوا لاکھ روپے نواب نصیر الدولہ کے تفویض کیے تھے اور دو کروڑ روپے خزانہ سپاہ میں جمع رکھے تھے اور آٹھ

کی خدمت میں بہت اقرب حاصل تھا جب لوی اکرام حسین کلکتہ میں پہنچے تو گورنر جنرل نے سفارت مذکور کپتان ہنسن کی وجہ سے بنظر محبت منظور فرمائی مولوی صاحب نے کپتان کی معرفت گورنر جنرل کے کان میں بادشاہ اور وزیر کے محامد و الکر دو تین چھ بیان روشن الدولہ کے انتظام کی تعریف میں حاصل کر کے لکھنؤ کو بھیجیں منشی التفات حسین میرنشی رزیدنٹی کو چونکہ رزیدنٹ کے مزاج میں زیادہ مداخلت تھی روشن الدولہ نے میرنشی کی رضا جوئی کی غرض سے رسول آباد کے علاقے کی اصل حج بین سے شراستی ہزار روپے کی کاغذ وینن کمی دیکر عطا حسین خان برادر منشی مذکور کی مستاجر میں دیدیا یہ علاقہ روشن الدولہ کے آخر عہد تک اس کے پاس رہا اور مولوی غلام کبھی کشمیری کو جو سابق میں مرزا جگننی صاحب فرزند نواب شجاع الدولہ کی طرف سے کجھری رزیدنٹی میں دکانوں اور عمارات کے مقدمات میں پیروی کے لیے آمد و رفت کھتا تھا روشن الدولہ نے منشی التفات حسین خان اور ستر ماتن صاحب اسٹنٹ رزیدنٹ کی سفارس کی وجہ سے پہلے عمارت کو کٹھی رزیدنٹی کی داروغگی پر مقرر کیا اور دوسو روپے ماہوار تنخواہ کر دی پھر پانسو روپے مقرر کر دیے اور عہدہ سفارت رزیدنٹی کا خلعت دلایا۔ خان مذکور نے عہدہ سفارت کو قبول نہ کیا تھا غائب مستحکم کر دیا جب روشن الدولہ کی وزارت کو بخوبی استقلال حاصل ہو گیا تو جرنیل کی خلعت اپنے بڑے بیٹے مرزا محمد حسین کو دیا اور اس کی نیابت پر راجہ لال جی اتوجی کی سفارش سے مقرر ہوا اور سبحان علی خان کے ہاتھ میں وزارت کے تمام کاموں کا صل و عقد تھا مرزا محمد حسین جرنیل کی مانگو بادشاہ نے خلعت اور سکھپال دیا۔ مرزا جاجی صاحب وزارت کے لیے خیالی پلاؤں بکھا رہے تھے جس وقت روشن الدولہ کو یہ امر تحقیق ہوا کہ محلات کے فریاد سے نیابت کا سوال جواب ہو رہا ہے تو روشن الدولہ نے بنظر حفظ و اقدم مرزا جاجی صاحب کو حکم دیا کہ حرمت کے ساتھ کانپور کو چلے جائیں یعنی باب دوسری بار اٹھا اخرج شہر سے ہوا اور جو لوگ روشن الدولہ کے

نواب روشن الدولہ وزیر اعظم کے انتظامات

۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۱۸۲ھ بمطابق ماہ نومبر ۱۸۳۲ء کو روشن الدولہ وزیر ہوئے
 ان کا نام محمد حسین خان اور عرف مرزا تھو اور خطاب روشن الدولہ منیر الملک محمد حسین خان بہادر
 قاکم جنگ ہے اور بعض نے صولت جنگ لکھا ہے اور اشرف علی خان بن بندہ علی خان ثانی
 کے بیٹے ہیں نسب ان کا مدرسی اور پدری دونوں واسطوں سے علی مردان خان فیروز جنگ
 تک پہنچتا ہے جس کو شاہ جہان شہنشاہ ہندوستان کے عہد میں امیر الامرائی کا منصب حاصل تھا
 ابتدا میں وہ شاہ عباس ماضی کے سردار تھے اور شاہ کی طرف سے قندھار کے گورنر تھے شاہ
 ایران سے نکل کر قلعہ قندھار شاہ جہان کے نوکران کے سپرد کر کے شاہ جہان کے پاس چلے
 آئے شش ہزاری منصب پایا گواران میں خاندان صفویہ کے ساتھ کھڑی کی مگر ہندوستان
 میں اپنی دانائی اور وفاداری اور انتظامی لیاقت کی وجہ سے نام مرا پر فوقیت لے گئے یہاں تک
 کہ بادشاہ ان کو مخاطبات میں بار وفادار فرماتے تھے ۱۱۸۲ھ بمطابق ماہ نومبر ۱۸۳۲ء کو روشن الدولہ تہذیب الدولہ
 آغا میر کے مدد سے تھے غازی الدین حیدر کے عہد میں چکرا بیسواہ کے ناظم تھے جب منتظم الدولہ حکیم
 مہدی علی خان کو نصیر الدین حیدر نے معزول و مقید کیا تو روشن الدولہ نے خلعت و قلمدان وزارت
 پایا ابتدا سے عہد وزارت میں روشن الدولہ کی طبیعت اعتدال پسند تھی اور صاحب نڈنٹ اور صاحبان
 کونسل کلکتہ کی رضا جوئی و نظر رہتی تھی روشن الدولہ نے اپنی وزارت کے استحکام کے لیے اوگو ہرنل
 کے یہاں ناموری حاصل کرنے کی غرض سے یہ تدبیر کی کہ مولوی اکرام حسین کو جوان دنوں خلعت
 لیکر اپنے وطن میں آئے ہوئے تھے ان کے بیٹے مرین کی معرفت بلایا اور کلکتہ کی سنسکرت کا عہدہ
 ان کے سپرد کیا یہ مولوی صاحب کپتان بنسن کے بڑے دوست تھے اور کپتان صاحب کو گوہرنل

خصوصیت روشن الدولہ کے ساتھ اس بات کی مقتضی نہ تھی کہ اس نظامت سے وہ
جدا ہوں مگر ایک عجیب سانحہ رونما ہوا کہ احسان حسین خان اور راجہ بھدوری کے
درمیان جنگ ہوئی زمیندار مذکور شکست پا کر انگریزی حکومت کی سرحد میں چلا آیا فوج
شاہی نے اس کا تعاقب نہ چھوڑا اتفاق وقت سے بعض انگریزی رعایا اس سپاہ کے ہاتھوں
پاکمال ہوئی اس مواخذے میں اس علاقے کی حکومت دوسرے کے نام پر تبدیل ہوئی مگر
روشن الدولہ کی خدمت میں اس کا اقتدار ترقی پڑتا رہا چنانچہ علاقوں کی امانی و مستاجری پر
احسان حسین خان کی تجویز سے عامل مقرر ہونے لگے۔ عزل و نصب بالکل نئے قابو میں تھا
نادر العصر میں روشن الدولہ کی سخاوت کی تعریف لکھی ہے اور کہا ہے کہ انھوں نے
اپنی وزارت میں اکثر عمارتیں تعمیر کرائیں اب تک کوٹھی روشن الدولہ کی معروف بہ قیصر پسند
مشہور ہے تاریخ مبادیہ ہے کیا رشک ار مہ ہے کوٹھی۔

روشن الدولہ وزیر عظم اور ان کے صلاح کاروں کی وجہ سے
سلطنت کے ہر کام میں تباہی پڑنا خزانے میں ملک کی
آمدنی جمع نہ ہونا بلکہ خزانے سے روپیہ نکلتے نکلتے اس کا خالی
ہو جانا تحصیل زر کے لیے دولت مندوں کو عہدے دینا

آمدنی ملک کا خزانے میں داخل ہونا موقوف ہوا معتبد الدولہ آغا میر کے عہد کا نقشہ
بھر قائم ہو گیا۔ کبھی ظفر الدولہ بادشاہ کے کان کھول دیتے تھے دو ایک روز تاکید زبانی
اور رنجش ظاہری کی صورت ظہور میں آتی تھی باقی خیریت آخر کار خزانہ عامہ زر نقد سے

رفیق قدیم تھے انکو بڑے بڑے کام ملے چنانچہ منشی چچنگا نام ایک قصباتی آدمی کو جو سابق میں سرکاری مال کے غبن کرنے کی علت میں ملزم ہوا تھا خانساں بنایا اور شیخ ہدایت علی اور جوہر علی کو دیوانخانے کا داروغہ کیا اور میر سبذہ علی کو جو ایک مسخرہ آدمی تھا اور دوسرے زہاکو علی قدیر تاج بڑی بڑی تنخواہوں کے ساتھ کارخانوں پر مامور کیا اور روشن الدولہ کے بھائیوں کا دودو تین تین سو روپیہ در ماہ مقرر ہوا اور روشن الدولہ نے امیر مرزا اپنے قریبی رشتہ دار کو نواب گنج کا علاقہ تفویض کیا۔ شیخ احمد بخش اور مولوی کرامت علی اور منشی ظہیر الدین اور شاہ قطب اعظم اور حکیم میر ابو وغیرہ بھی عمدہ عمدہ مشاہر و نفع فیضیاب ہوئے اسوقت امورات سلطنت کے انتظام میں تسرل اور وزارت کے معاملات میں ترقی یہ نسبت عمدہ منظم الدولہ کے تھی اور علامہ العالیہ کا کام مشرف علی خان رفیق مسٹر لوہم پر جو سجان علی خان سے اتحاد رکھتا تھا بستور بحال رہا اور شہر کی کوتوالی سیتا بیگ کے مرنے کے بعد علی رضا بیگ کے نام قرار پائی اور زر آمدنی کی تحویل جو خزانہ سلطانی سے بالکل سے آتی تھی اور انگریزوں کو ملنے خرید و فروخت اور سیلاب خانہ اور فرمانشات سرکاری کا تعلق مظہر حسین خان بن سجان علی خان سے ہوا اور علاقہ پنج کروہی اور تھانجات بحالات کی خدمت سجان علی خان کے پاس خاطر سے نور الدین حسین خان بن تاج الدین حسین خان سے جو اپنے باپ سے آزدہ ہو کر چلے آئے تھے مستحق ہوئی اور پانسو روپیہ تنخواہ مقرر ہوئی اور چکلہ سلطان پور راجہ بختاؤر سنگھ المناطیب بہ راجہ بہادر کے پاس رہا اور کچھ دنوں میں خان رسالہ نے اس علاقے میں خاک اُرائی اور ابتدا میں امانی کا طریق جاری تھا بعد اسکے اس نظامت پر احسان حسین خان ولد سجان علی خان مقرر ہوئے اور روشن الدولہ کے آخر عہد وزارت تک انکی تبدیلی بطور میں نہ آئی احسان حسین خاکی نیابت میں کبھی خادم حسین خان مامور رہے اور کبھی قطب الدین حسین خان کو احسان حسینیانکی

اور انکی جگہ راجہ بالکرشن کام کرتے تھے اب روشن الدولہ کے عہد میں میوہ رام دہ بارہ کام کرنے لگے اور احسان حسین خان نے یہ کیا کہ حساب مقدمات ملک کے واسطے جو طین ناظروں سے بھرتی تھیں انکے غفی رکھنے کی غرض سے متصدیان دفتر دیوانی کو بالکل بیکار سا کر رکھا تھا۔ بقدر ضرورت مطلع کرتے تھے اور باقی فی صدی اپنا حق مقرر کیا تھا سجان علی خان اور انکے متوسلون کو وہ عروج حاصل ہوا کہ احسان حسین خان بن سجانعلیٰ اپنے جلسہ میں علانیہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ بڑے بڑے مشکل کام ہم باتوں میں حل کتے ہیں روشن الدولہ میں اتنی قابلیت نہ تھی کہ وہ سلطنت کے کاموں کا بوجھ سنبھال سکتے اس لیے کل بڑے بڑے کاموں میں سجان علی خان کا مشورہ کام کرتا تھا اور چھوٹے کاموں میں احسان حسین خان کو مداخلت تھی۔ اگر مہاراجہ میوہ رام کبھی اصلباتی کا کاغذ بادشاہ کو دکھاتے تھے تو روشن الدولہ کی رائے کے خلاف ہوتا تھا اور ظفر الدولہ بادشاہ کے کانوں میں باتیں دالتے تھے مگر انکی طرف توجہ نہ ہوتی تھی۔ راجہ درشن سنگھ غالب جنگ کا بادشاہ کے ساتھ بازار مصاحبت گرم تھا اور رات دن کی حاضر باشی میسر تھی سرکشوں کا تدارک اور باقیداروں کی تنبیہ اور مستاجر و نکاح قید کرنا اس سے متعلق تھا یہ شخص وقت اور موقع پا کر جو کچھ دل میں آتا تھا بے تحلف بادشاہ کے گوش گزار کرتا تھا اسوجہ سے روشن الدولہ کی آنکھوں میں غار کی طرح کھٹکتا تھا اسکی نیچ کنی کی فکر میں ہمیشہ لگے رہتے تھے مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی مہاراجہ میوہ رام بھی اس فکر میں تھے کہ بادشاہ کو سلطنت کے کاموں کی طرف متوجہ کریں چنانچہ میوہ رام اور غالب جنگ نے ملکر ملک کی اصلباتی کا کاغذ تیار کیا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ عاملوں کی خود سیروں اور سجان علی خان کے بیٹوں کے صاحب اختیار ہونے سے ملک کی آمدنی بالکل خرابی میں آگئی تھی اور روشن الدولہ کے کثرت مصارف سے مال سرکار میں

خالی ہوا بادشاہ کے مصارف کی کثرت نے روشن الدولہ کو تنگ کپڑا اور روشن الدولہ کے اخراجات بھی بڑھے ہوئے تھے ملک کی آمدنی کفایت نہ کرتی آخر کار خرابی کی صورتیں پیدا ہونے لگیں متمول اور دولت مند لوگوں کے لیے عمدہ خدمتیں اور معقول عمدے تجویز ہونے لگے تاکہ ان سے نذرانہ یا پیشکش کے طور پر روپیہ ہاتھ لگے یا کچھ قرض کی راہ کھلے اس تقریب میں کئی شخص دربار میں حاضر ہوئے چنانچہ شکھ چند کا غد والا بلایا گیا یہ شخص دی کا رہنے والا تھا اس سے قبل شاہ دہلی کا خزانچی تھا اسکو ظاہر میں سونے کی چڑیا سمجھ کر دو ایک نظامتوں کی پوتہ داری کا خلعت دیا داتا گیلانیوں میں روپیہ نہ تھا تیر تیر نشانے پر نہ پہنچا اس لیے کچھ دنوں کے بعد معزول ہو کر دلی چلا گیا اس طرح کئی صورتیں بنا کر بگاڑی گئیں اور زر نقد ہاتھ نہ لگا مگر درمیانی آدمیوں کے پو پائے تھے ان کے کچھ نہ کچھ ہاتھ لگ ہی جاتا تھا۔

راجہ درشن سنگھ اور مہاراجہ میوہ رام کا ملک کی واصل باقی کا کاغذ بنا کر بادشاہ کو دکھانا اور ملک کی ویرانی خستہ حالی ان کے ذہن نشین کرنا بادشاہ کا روشن الدولہ کی گرفتاری کا منصوبہ باندھنا انکو خبر ہو جانا بادشاہ سے عفو قصور کرانا۔ درشن سنگھ اور اسکے علم پر افتخارے راز کی علت میں بادشاہی عتاب نازل ہونا

روشن الدولہ کے عہد وزارت اور سچان علی خان کے بیٹوں کی ترقی کے زمانے میں درشن سنگھ سرشتہ بالکل ماند ہو گیا اسوقت میں اس سرشتہ کا نام سرشتہ دیوانی تھا مہاراجہ میوہ رام تو مسلم نے حکیم ممدی علی خان منتظم الدولہ کے عہد وزارت میں عہدہ دیوانی سے استعفا دیدیا تھا

نے اپنے ہاتھوں ٹھہ کی کھائی اپنی حفظ آبرو کے لیے کہ لامحالہ ایک دن یہ روز بد پیش آنا ہے
 اناجی کی معرفت زیارت کر بلاے محلے کے لیے علت رخصت بادشاہ سے لیکر منزل مقصود
 کی طرف عجلت کے ساتھ روانہ ہوئے اب ظفر الدولہ پر نظر باقی رہی۔

بادشاہ کا روشن الدولہ کے بیٹے کے ساتھ وہ فعل کرنا جس
 روشن الدولہ کا بے انتہا شرمساری اٹھانا روشن الدولہ کی
 تصحیک میں بادشاہ کا دوسرے طور پر بھی کوئی دقیقہ باقی نہ چھوٹنا

آغاز وزارت میں روشن الدولہ کی طبیعت میں بادشاہ کی طرف سے جو کچھ خوف تھا وہ جاتا
 رہا اب ہمہ تن کھل کھیلے اور بادشاہ کو آزاد مزاجی کی وجہ سے اپنے ملازموں کی نسبت بے پروائی
 تھی مرزا محمد حسن پسر روشن الدولہ کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے تھے کہ روشن الدولہ روبرو
 ہاتھ رکھ کر بازار روتے تھے ملکہ ترک وزارت منظور تھی اور خاص روشن الدولہ کی تصویر ایسی مضحکہ خیز
 وضع کے ساتھ تیار کرائی تھی کہ اُسکے دیکھنے سے روشن الدولہ کو خجالت پیدا ہوتی تھی آخر کار وہ
 علت قبیح دونوں باپ بیٹوں کی تمام شہر میں مشہور ہو کر وزارت کا رعب جاتا رہا
 آخر خدا خدا کر کے احسان حسین خان نے اپنی تدبیروں سے رام بنایا گویا محصور کیا
 اب جو چاہتے تھے بلا تکلف طور میں لاتے تھے صاحب ریڈنٹ نے جملہ باتوں سے
 مطلع ہو کر بادشاہ و وزیر کو نصیحت کی لیکن کیا ہو سکتا تھا پتھر پر بھی کہیں چونک چٹتی ہے
 ریڈنٹ کہتے کہتے تھک گئے روشن الدولہ کے رفقاء قدیم نے جو دیکھا کہ حسان حسین خان
 بازار نہایت گوم نہ ہے آتش رشک و حسد میں جل کر حق الامکان خاک اُڑائی لیکن حسان علی گاہی
 وجہ سے کچھ چل نہ سکی۔

خیرایان پیدا تھیں یہ کاغذ بادشاہ کو دکھایا وہ بے انتہا غصے ہوئے اور روشن الدولہ کی
 ناکردہ کاری اور کینو ہونکی سازش سے سرکاری مال کا ہضم کرنا بظہار ثابت ہو گیا غالب جنگ کے
 حکم دیا کہ تلنگون کے چند پہرے تیار رکھو جو کچھ ہمارا حکم نافذ ہو گا تعمیل کیجیو۔ غالب جنگ نے
 اپنے نائب ہیراج کے ذریعہ سے پلٹنوں کے افسر کو بادشاہ کے حکم سے مطلع کیا ہیراج نے اپنے
 کارندے بھوانی داروغہ کو تعمیل کے لیے حکم دیا بھوانی روشن الدولہ سے میل رکھتا تھا اسنے فحشی حاکم
 انکے کان کھولے اور اُس راز زمان سے مطلع کیا روشن الدولہ کو سجان علی خان سے یہ بات
 بخوبی ذہن نشین ہوئی اور یقین کامل ہوا کہ یہ تمام انتظام اُس شخص کی گرفتاری کا ہے روشن الدولہ
 نے اُسی وقت یہ تدبیر کی کہ بادشاہ کے پاس گئے اور سر سے تلہ اُتار کر بادشاہ کے قدموں پر کھدیا
 اور عرض کی کہ خانہ زاد مستبد الدولہ اور منظم الدولہ کی طرح نہیں ہے کہ اگر بڑوں سے میل ملاپ
 رکھے بہر حال حضرت کا از خاک برداشتنے ہوں نظر بندی کے لیے پہر و نکی احتیاج نہیں اگر حکم ہو
 تو اپنے ہاتھوں سے پائوں میں ریخیر بہن کر در دولت پر عجوس رہوں جان و عزت دونوں
 حضور پر نثار بہن بادشاہ نے فرمایا کہ تلو اس محلے سے کیونکر خبر ہوئی روشن الدولہ نے حل
 سلسلہ وار حبطر گوش گزار ہوا تھا بیان کیا معاذ اللہ یہ بلا کسی تھی اور کس کے سر جاتی ہے
 بادشاہ کو یقین کامل ہو گیا کہ غالب جنگ نے ہمارا راز افشا کر دیا پہلے حکم دیا کہ بھوانی اور ہیراج
 شہر سے ابھی نکلاویے جائیں اور غالب جنگ کو طوق ذریخیر ہٹا کر قید کر دیا جائے اور اُسکا
 تمام اثاثہ البیت ضبط ہو چنانچہ یہ سب صورتیں ظہور میں آئیں غالب جنگ مذلت کے
 ساتھ راجہ بختاؤر سنگھ کے سپرد ہو کر گرفتار ہوا یہ واقعہ ۱۷۵۲ء بمجرى سے قبل کا ہے کیونکہ مگھا
 درزی اسی سنہ میں زوال کو پہنچا تھا اور مگھا کی گرفتاری سے قبل درشن سنگھ غالب جنگ
 دام بلامین بھنسا تھا جیسا کہ مختتم خانی سے ثابت ہے۔ اب مبارجہ بیوہ رام نے دیکھا کہ غالب جنگ

ریڈنٹ نے بھی روشن الدولہ کے تمام عملے کی شکایت بادشاہ تک پہنچائی بادشاہ نے سارے
 حال سے روشن الدولہ کو آگاہ کر دیا انھوں نے یہ نیا فریب کا جال بچھایا عرض کیا کہ اس تمام
 شکایات کا باعث حکیم ممدی علی خان اور تلج الدین حسین خان ہیں جو سلطانی جلسہ کیوں سے
 سارے کے یہاں کی پوست کندہ خبریں حاصل کر کے کلکتہ کو بھیجتے ہیں اسلئے ان اسامیوں کو
 حضور محل سے نکوادین اس تقریب میں سوچا جس اسامیان محل سے نکالی گئیں گو بادشاہ نے پھر
 روپے ماہواری کی سوائے انعامات کے سورت تخفیف اس شکل سے منظور میں آئی لیکن مختصر
 میں لکھا ہے کہ براتی خانم - جگنا خانم اور نوروزی خانم کی سازش روشن الدولہ سے ثابت ہوئی
 اور بادشاہ کا مزاج ان سے صاف تھا بادشاہ متوہم ہوئے کہ یہ عورتیں درپردہ ان سے
 موافق ہیں اسلئے انکو قید کر دیا اور حکم دیا کہ انکا مال و اسباب سرکار میں ضبط کر لیا جائے
 لوگوں کو گمان تھا کہ انکے پاس لاکھوں روپے کی دولت ہے چونکہ انکو بادشاہ کے برہمنی مزاج
 کی پیسے سے خبر تھی اس لیے اپنا مال دوسروں کے مکافون پر رکھوا دیا اسلئے ضبطی کے وقت
 ۲۵ ہزار سے زیادہ کا نقد و جنس نہ ملا مجد الدولہ سپہر الدولہ نے قلم بند کر کے مقفل کر کے
 اپنے محافظ بٹھادیے۔

بادشاہ کا روشن الدولہ کے مکان پر اکثر مہمان جانا اور انکی
 بی بی کا اپنی دلکش باتوں سے بادشاہ کے دل کو لٹھکے رکھنا

اس زمانے میں حد سے زیادہ نصیر الدین حیدر کی مہربانی روشن الدولہ پر مبذول تھی
 انکی جو بی بی پر اکثر اوقات بادشاہ جلتے تھے ایک بار شراب کے نشہ میں گھوٹے پر سوار ہونے کی راہ
 کو بچھے پر چڑھ گئے تھے روشن الدولہ اس روش سے کمال ششدر تھے کہ ایسا نوکوی فتنہ برپا ہو

رزیڈنٹ کا اودھ کی بد انتظامی کی شکایات گورنر جنرل کو لکھنا
وہاں سے بادشاہ کو انتظامِ ملکی کی طرف متوجہ ہونے کے لیے
تاکید ہونا بہت سی عورتوں کا محلاتِ سلطانی سے مخبری کے

شبہین خارج ہونا

اودھ میں بد نظمی کا وہی حال چلا جاتا تھا جو پہلے تھا رزیڈنٹ نے متواتر یہاں ملکی
بد انتظامیوں کی شکایت گورنر جنرل کو لکھی وہاں سے کئی خط بادشاہ کے پاس آئے اوگورنر جنرل
بادشاہ کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے کہ ملک کا انتظام کرو کرو وہاں علیحدہ سارنگی کی سُرینی آوازوں
نے ان نعمن کا اثر نمونے دیا گورنر جنرل اپنی ہی گالی کیے۔ ولیم ہنٹنگ صاحب کے زمانے
میں یہ نوبت پہنچی کہ کورٹ دائر کرنے بھی چاہیے اس اصول پر دیوانی تھی کہ ہندوستانی مایستون
کے معاملات میں دخل نہ دیجئے لاجہاں ہو کہ گورنر جنرل کو لکھا کہ اودھ کی سلطنت کا اختیار کچھ دنوں کے
لیے گورنمنٹ خود لے لے جس سے وہاں کی بیچارہی خلقت امن و عافیت پائے لارڈ ہنٹنگ نے
اس سبب سے کہ جانے دے تھے یہ کام کرنا اپنی معتدل فطرتی اور صاف بینی کے سبب سے
پسند نہیں کیا بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ تمہارے ملک کا نہایت اہم اور بدتر حال ہے ہوش سے کام کرو
نہیں تو سرکار پر عہدے کے مطابق فرض ہو گا کہ تمہارا ملک لے لے اور نواب کرناٹک و پیشوا
کی طرح پیش قدمی کرے۔ سلطنت کے کاموں کی خبریں یوں نے حد سے زیادہ شہسوار پایا تاج الدین حسین خان
نے اپنے قاعدے کے موافق عرصہ داشت عورات محل کی معرفت بھیجی اور نوروزی خانم نے خاصہ
کھلانے کے وقت بادشاہ کے ملا خطہ میں گذرانی بادشاہ نے پڑھ کر روشن الدولہ کو اسکے تمام
مضمون سے مطلع کیا اور نوروزی خانم کو خارج سے ساز و باز رکھنے کی علت میں محل سے نکال دیا

اب روشن الدولہ اور ان کے خاص شیردہن کی یہ اسے فرار پائی کہ انجام کار کی فکر مناسب ہے جس طرح بنے روپیہ وصول کرنا چاہیے اس لیے سولہ سترہ عدالتیں تازہ مقرر کیں کو توالی اور عدالت سابقہ کے عملے کو بالکل بیدخل کر دیا تھوٹے زمانے میں شہر کے ساہوکاروں اور اہل دولت میں سے مستغنیوں اور اہل معاملہ کی تلاش شروع ہوئی اور لگے بچھے فیصلہ نکال کر نئے سرے ان کی تجویزین شروع کیں دایہ بچے اور کوکے اور ہر کالے اور داروغے وغیرہ جملہ علی قدر مراتب زرکشی میں مصروف تھے۔ روشن الدولہ نے تقدم باسخط کے لیے اپنی تمام نقدی میر باقر سوداگر کے پاس جو سجان علی خان کا دوست اور دیانت دار آدمی تھا رکھ دی۔ سجان علی خان مال اندیشی کی وجہ سے روشن الدولہ سے کربلاے معلیٰ کی رخصت کے خواستگار ہوئے اور خود روشن الدولہ بھی اسی بات کی درخواست بادشاہ سے کرتے تھے روشن الدولہ نے لاکھوں روپوں کے نوٹ خرید کیے اور تجارت کی صورت باندھ کر آہستہ کا طریق بنارس اور کلکتہ اور کانپور میں نکالا۔ روشن الدولہ نے پرگنہ سدھارن علاقہ کانپور جو بہت گرگوشائین کی جاگیر میں تھا چار لاکھ روپے پر اپنے پاس رہن رکھا اور وہاں اپنا کارندہ اور پوتہ دار روانہ کیا روشن الدولہ رات دن اس فکر میں بہتے تھے کہ اگر کوئی دوست صادق ہاتھ لگے تو اس کے ذریعہ سے تجارت پھیلے گی۔ حسب اتفاق یوسف علی خان متوطن عظیم آباد لکھنؤ میں آئے یہ نہایت متقی۔ منسا اور خاندانی آدمی تھے اور کچھ جاہلاد بھی رکھتے تھے ان کے تقویٰ کے متعلق ایک حکایت اس زمانے میں مشہور تھی کہ عظیم آباد کے علاقے میں علی الخوم مسلمان یہاں تک کہ قاضی اور مفتی ٹاڈی پکارتے تھے اور کوئی اس سے پرہیز نہیں کرتا تھا یوسف علی خان کی ملکیت میں کسی ہزار ٹاڈی کے درخت تھے جب ان کو یہ فتویٰ معلوم ہوا کہ طریق امامیہ میں ٹاڈی حرام ہے تو سارے درخت کٹوا ڈالے ہزاروں روپے سالانہ کی

یا کوئی حادثہ ظہور میں آئے باہر کوئی مین بادشاہ کی نشست اُنکے مزاج کے خلاف سمجھ کر نہانے میں اُنکو بٹھاتے تھے وہاں ارباب نشاط کی صحبت گرم رہتی تھی حسین طوائف جسکو روشن الدولہ نے اپنے گھر میں ڈال لیا تھا اور مرزا محمد حسن نام روشن الدولہ کا بیٹا اسکے بطن سے تھا جسکو روشن الدولہ نے لشکرِ سلطانی کا جرنیل بنایا تھا اور جرنیل کی مائیکو بادشاہ نے سرفراز محلِ خطاب دیا تھا۔ یہ طوائف بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہ کر اپنی دلکش باتوں میں بادشاہ کے مزاج کو بٹھائے رکھتی تھی محشم خانی میں اس طوائف کا نام محبوبن لکھا ہے۔

دولتمندوں سے روپیہ لینے کے لیے نئی عدالتیں قائم ہونا
روشن الدولہ اور اُن کے رفیقوں کا اپنا اپنا روپیہ شہر سے
باہر پہنچانے کی کوشش کرنا اور وزارت و حکومت کی بنیادی
کے کانٹوں سے صحیح و سلامت نکل جانے کی فکر میں
مصروف ہونا

بادشاہ کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے کہ سرسوار سی بیٹو
فقیر آزادانہ کلام جو بادشاہ کی غفلت پر دلالت کرتا تھا بے تکلف زبان پر لاتے تھے
اس مواضع میں شہر سے اُنکے اخراج کا حکم نازل ہوا۔ اکثر بچے شہر سے نکالے گئے
اور بہتوں نے لباسِ آزادی ترک کر کے وضع اور صورت بدل کے شہر میں اپنا قیام غنیمت
سمجھا جب یہ صورتیں ظہور میں آئیں تو صاحبِ ریڈنٹ نے روشن الدولہ سے کہا کہ اگر تم سے
انتظامِ ملک کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی ہے تو ہم بیان کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں

استاد سے بڑھ گیا اور بادشاہ بیکم کی طرح گیارہ ازواجِ امہ اصدی عشر کے لیے حج کین گم ہر ایک کی پوشاک ہزار بارہ سو روپے سے کم میں تیار نہیں ہوتی تھی اور ان کے سوا دوسرے امہ کے واسطے بھی اچھوتیان حج کین جیسے حضرت قائم اور حضرت عباس وغیرہ کے لیے اور جب کسی امام کی ولادت کا دن آتا تو بادشاہ اپنے آپ کو حاملہ عورتوں کی طرح بہ تصنع در درزا اور نفاس وغیرہ میں مبتلا کرتے اور بچے کی جگہ ایک مریض گڑیا بادشاہ کے سامنے رکھ دی جاتی اور بادشاہ خود بھی زچہ خانے میں رہتے اور خدمت کرنے والی عورتیں اس طرح کھانے تیار کرتیں جو زچہ عورتوں کو دیے جاتے ہیں اور بادشاہ یہ سب چیزیں کھاتے اور اس مدت میں کوئی شخص بادشاہ کو مس نہ کر سکتا اور خوشی کا جلسہ ہوتا تھا بچے بچتے تھے اور جو زمین حقیقی طور پر بچہ جننے کے دنوں میں مقرر ہیں وہ چھٹی کے دن تک نہایت تکلف کے ساتھ ادا ہوتی تھیں اور جب چھٹا دن ہوتا تو بادشاہ زچوں کی طرح غسل کرتے اور ایک پرستار اس مصنوعی بچے کو ماتھ میں لیکر ایک کونے میں کھڑی ہوتی اور دوسری عورتیں پانی کے چھ گھڑے وہاں بہا دیتیں اور اسکو بچے کا غسل قرار دیا جاتا رات کے وقت بادشاہ زنانہ آرائش و پیرائش کے ساتھ بچے کو گود میں لیکر لنگڑاتے ہوئے زچہ عورتوں کی طرح صحن مکان میں نکلتے تاکہ آسمان کے تاروں کو دیکھیں اس طرح چھٹی ہوتی پھر اس بچے کو مسہری میں لٹا کر دست بستہ آداب بجالا کر نذر دکھاتے پھر ہزاروں خوان کھانوں کے جن میں بیٹھے اور ہر قسم کے کھانے بڑے تکلف کے ہوتے اور اقسام طرح کے میوے بھی کھے ہوتے وہاں لاکھ انہر فاتحہ پڑھی جاتی اور خاص خاص جگہوں میں حصے بچے جاتے اور جو عورتیں محلات میں نوکری رہتی تھیں انکو بھی دیے جاتے اور امہ اصدی عشر میں سے ہر ایک امام کی زوجہ کو طلائی مورت بچے کی دیگنی ہوتی اور دوسرے امہ کی زوجات کو نقرئی مورت دی گئی ہوتی

آمرنی مین داغ لگایا بلکہ اور شخصوں نے بھی تازی کے درخت خرید کے کٹوا دیے انکی نیک ندامی سب میں مشہور تھی سبجان علی خان کے توسط سے روشن الدولہ تک پہنچے اور بادشاہ کی سرکار سے خلعت فاخرہ پایا روشن الدولہ نے بادشاہ سے عرض کیا کہ کونسل ملکیت میں معاملات کی دستی کے لیے انکو بھجوانا چاہیے بادشاہ نے منظور کیا روشن الدولہ نے کئی لاکھ روپے اس کارروائی میں صرف کرنے کے حیلے سے لیکر کچھ حصے کے طریق یوسف علی خان کو دیے اور باقی اپنے قبضے میں لاکر وہ روپے یوسف علی خان کو اس غرض سے تفویض کیے کہ اس روپے سے دیہات اور املاک روشن الدولہ کے لیے خرید کے انکی ریاست کی بنیاد عظیم آباد میں جائیں اول یوسف علی خان نے اپنے حصہ کارو پیہ لیکر اور وہاں پہنچ کر قرضخواہوں کے ہاتھ سے اپنا دامن چھوڑا یا پھر دوبارہ کھٹک کو آئے اور وہ روپیہ جو خرید دیہات کے لیے روشن الدولہ نے جو خریدا تھا لیکر عظیم آباد کو روانہ ہوئے منزل مقصود تک نہ پہنچے تھے کہ الہ آباد میں انتقال کیا لیکن وہ روپیہ جو لے گئے تھے روشن الدولہ کو تبریر صاحب سے ہاتھ آیا -

بادشاہ کی غم شہدائے کربلا میں ماتم داری اور اس کار خیر

کے لیے بلانتہا مصارف اور عجیب و غریب اچھوتے طریق

بادشاہ اپنے آپ کو ہزار جان دل سے شیدائے ائمہ علیہم السلام ظاہر کرتے تھے اور وہ وہ حرکات ظہور میں لاتے تھے جو کبھی اگلے مومنوں سے باوجود اقتدار و ثروت کے سرزد نہیں ہوئیں اور اپنے ایام ریاست میں جبکہ مان سے بگاڑ ہو گیا تو خود ان مراہم کو ادا کرنے لگے جو انکی مان ادا کرتی تھیں بلکہ ان باتوں پر اور اضافہ کیا جیسا تاک کہ شاگرد

اور اپنے ہاتھ پڑھو کر تمام محل کے آدمیوں کو تقسیم کر لئے جاتے۔ بادشاہ بیگم نے نصیر الدین حسین کی پہلی سال منہ نشینی میں حکم دیا کہ تمام ساکنان سلطنت سیاہ پوشی اور غزاداری کی رسم عمل میں لایا کریں اور چہلم تک سیاہ و نکاح اور دیگر لوازم شادی کو ترک کر دیا کریں ورنہ سزا ہوگی چونکہ تعمیل اس حکم کی تکلیف سے خالی نہ تھی اس لیے مذہب کی طرف سے اس حکم کے نفاذ کی ممانعت آئی مگر بادشاہ بیگم نے نہ مانا اور کہا کہ میں نے اپنی قید کے ایام میں اس امر کی نذر مانی تھی کس طرح اس کے خلاف عمل میں لاؤں۔ آخر الامر ہزار جر تھیل بادشاہ نے خود بدولت یہ قرار دیا کہ میں دفاتر مذکور کے لیے خود چہلم تک غزاداری کرتا رہوں گا اور دوسرے بندگان خدا کو اختیار ہے ہماری طرف سے کسی پر جبر و تحکم نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ بیگم کی تعلیم سے بادشاہ عمر بھرا لیے رسوم کے ادا کرنے میں اتنے منہمک رہے کہ انتظام مالی و ملکی کی طرف ذرا توجہ نہ دے سکے۔ بادشاہ نے فرح بخش میں محل زمانے کے قریب ایک عالیشان مکان تعمیر کرایا جس میں بارہ کمرے نہایت شاندار اور وسیع رکھے گئے اور اس مکان کا نام درگاہ دوازدہ امام مشہور تھا قیمتی شامیانے زربفت کے پر تکلف جن میں آبدار موتیوں کی جھاریں نکلتی تھیں اور بادے سے ٹکی ہوئی تھیں چاندی کے ستونوں پر چنبر طلائی کام تھا استادہ تھے اور اچھاڑ جن میں چالیس کنول شمع دار روشن ہوتے تھے سونے کے کام کے نہایت خوشنما وہاں کچے گئے اور نفیس فرش اور قد آدم آئینے نصب کیے گئے اور ہر جگہ صریح سونے چاندی کی رکھی گئی اور ہر امام کی ولادت کی تاریخ پر اس امام کے نام نہاد مکان میں خوشی کا جلسہ ہوتا اس طرح ہر امام کی شہادت اور وفات کی تاریخ میں حسب قاعدہ غزائی مجلس برپا ہوتی تھی اور ایک بار گاہ چھوٹو کنی نہایت خوشنما تیار ہوتی تھی باغات سلطانی میں جتنے خوشبودار پھول پیدا ہوتے وہ اور ان کے سوا بارہا وہ سب پانچ ہزار روپے روز کے پھول عشرہ محرم تک مول آتے تھے

اور جبکہ سوا سے ائمہ احدى عشر کے دوسرے کسی امام کی ولادت کا دن آتا تو اس کی زوجہ خود بطرز معمولی رچھٹانے میں جاتی اور وہی اسم ادا کیے جاتے جو بادشاہ کے ساتھ کیے جاتے تھے اس طرح میں اس رسم کو اچھوتہ کہتے تھے جس دن اچھوتے سے فراغت حاصل ہوتی تو بادشاہ لباس نلہ زیب قامت فرما کر جواہر نگار محاذ (میانہ) میں سوار ہوتے اور میوؤں اور حلووں کے چٹان ہمراہ لیتے اور پیادہ و سوار کی فوج بھی ساتھ ہوتی اور کمال جلو اور جاہ و جلال کے ساتھ سواری شہر میں گشت کرتی اور بعد اسکے دولٹانے میں واپس داخل ہوتے اچھوتے کے لیے کوئی خاص سیاد مقرر نہ تھی کبھی ہفتہ کبھی عشرہ کبھی اس سے بھی زیادہ اس میں بسر ہوتے عبدالاحد بن مولوی محمد فائق جس نے مناجان کے حالات میں فارسی زبان میں ایک کتاب موسوم بہ وقائع دلپذیر لکھی ہے اور جس سے ہم نے یہ حالات اخذ کیے ہیں وہ کہتا ہے کہ اس زمانہ سلطنت میں اس رسم نے ایسی اشاعت پائی کہ اکثر شہر کی عورتیں اچھوتی کے لقب سے لقب ہیں بلکہ اسی علامت سے پہچانی جاتی ہیں اور ان کے خاندان کے مرد و زن نے آفاخر کی راہ سے رجولیت کو انوثت سے بدل ڈالا ہے اور عورتوں کی طرح بات چیت کرتے ہیں اور ویسے ہی اطوار میں رہتے ہیں۔ عروسی ائمہ کی تیار بخین کتب و تاریخ سے نکال کر بادشاہ ان دنوں میں رسوم باجق اور خابندی ادا کرتے ہیں چنانچہ بادشاہ کی ایک خاص خادمہ عورت عبدالاحد سے بیان کرتی تھی کہ یکم محرم کو کہ دن نخل سیدۃ النساء کا ہے مسہری زر نگار پر زیور طلا و جواہر پیش بہا سے دو پیکر ایسے تیار کرائے جاتے کہ دیکھتے ہی یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دو انسان لیے ہوئے ہیں انہیں سے ایک کو جناب امیر المومنین علی اور دوسرے کو نبی فی فاطمہ قرار دیتے اور ان کا نخل پر بٹھایا جاتا اور بادشاہ ان کو نذر دکھاتے اور تھوڑی دیر سل منے دست بستہ کھڑے رہتے پھر میوؤں اور حلوں اور عمدہ کھانوں کے عنوان سے آتے

ہناتنی تھیں جو حقیقت میں کسی سیر بوجھ ہو جاتا تھا اور ایام مقررہ کے بعد یہ سب چاندنی سونا
انعام میں دیدیا جاتا تھا اور محرم کے دنوں میں تمام راتیں بیداری میں کاٹتے تھے شام سے
صبح تک ہر عمل میں اکثر خود بدولت اور کمتر خواجہ سرام شہ خوانی و نوحہ خوانی کرتے پھرتے تھے
غرض چالیس دن بادشاہ کو روتے کھٹتے گود ختر زبر ہزار جان و دل سے شیدا تھے مگر حکم
محرر رہتے تھے بہر حال آدھا سال رونے بیٹھنے میں غزاداری کے ساتھ گزرتا تھا ان دنوں
میں فرشتے کی بھی بحال نہ تھی کہ وہ کسی دنیا کے کام کا ذکر بادشاہ کے سامنے کر سکتا دوزبر و شیر کی
قدرت نہ تھی کہ مقدمات سلطنت میں لب بلائیں۔ اگر کوئی سخت کام پیش آتا تھا تو بادشاہ
ان مقاموں میں جہاں اچھوتیاں رہتی تھیں گوشہ نشین ہوتے تھے اور اہل شہر کہتے تھے کہ حضرت
اچھوتے میں رونق افروز ہیں اور دربار قطعاً بند رہتا تھا کم کوئی مہینا ایسا ہوتا تھا کہ نصف
ان معاملوں میں بسر نہیں ہوتا تھا۔ آخر سید محمد صاحب مجتہد خلف مولوسی دلداری علی صاحب
نے فتویٰ لکھ کر بھیج دیا کہ اگر اس تقریب سے ثواب مقصود ہے تو بہر کیف حاصل ہوا اب مناسبت
یہ ہے کہ ان لڑکیوں کا نکاح مومنین کے ساتھ کر دیا جائے نہیں تو یہ ثواب عذاب میں داخل کر دیا

نصیر الدین حیدر کی اپنی سوتیلی ماں بادشاہ بیگم سے سخت
مخالفت روشن الدولہ کا ایسی کارروائی کرنا جس سے بیگم کا
انتہائے رنج کی تکلیف اور مذلت اٹھانا۔ آخر کار زریٹ
کا مداخلت کرنا۔

بادشاہ نے جب اپنی فضول خیرچوں سے تمام خزانے پر جھاڑو پھیر دی تو اب انکو خرچ

اس زمانے میں خوشبودار پھول بڑے آدمی کو بھی شکل سے ملتے تھے اس بارگاہ کا طول و قدم سے کم نہیں ہوتا تھا اور عرض پندرہ بیس قدم سے زیادہ ہوتا تھا اور کبھی طلائی و نقرئی تمقیش اور ستاروں اور بادے کی جھالیں پھولوں کی جگہ کام میں لائی جاتی تھیں عطریات سے وہ مکان بسایا جاتا تھا غرض کہ ہر امام کی ولادت کی تقریب میں پہلے دن سے چھ دن تک بے اور ہر امام کی وفات کے دنوں میں کئی روز تک اور سید الشہداء کی شہادت کے زمانے میں چہلم تک بادشاہ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ بنفس نفیس ہانکی خدمت ہزار جان و دل سے فرماتے تھے خواجہ سرا اور جوہیں وغیرہ اکثر عورتیں ان محلوں اور مجلسوں میں شریک ہوتی تھیں علمہ لازمین بیرونی کی رسائی وہاں تک بہت کم تھی زچہ خالون میں نفیس اور خوشگوار رکھتے اور شیرینیاں اور عمدہ میوے اور پر تکلف پوشاکیں صرف ہوتی تھیں اور وفات و شہادت کے دنوں میں مرثیہ خوانی ہوتی اور شربت اور مٹھائی اور میوہ صرف ہوتا ان مصارف میں چار پانچ لاکھ روپوں سے کم خرچ نہوتے تھے بلکہ زیادہ تصور کرنا چاہئے اور بیگمات بھی تقریبوں میں آتی تھیں بادشاہ کا اعتقاد ان کاموں میں ایسے غلو کے ساتھ تھا کہ محرم کی پہلی تاریخ کو سو پچاس تعزیرے در دولت سے مقام مہود تک اپنے سر پر رکھ کر پہنچاتے تھے ہر مرتبہ کی آمد و رفت میں کسی کو زمین پیادہ پاٹے ہوتی تھی اور یہ آنا جانا کنکریوں کی زمین پر بہنہ پا ہوتا تھا یہاں تک کہ کوئینیں وہ کنکریاں کاٹھنی کی طرح کھٹکتی تھیں اور اس بہنہ پائی کی وجہ زبان مبارک سے یوں ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت امام سجادؑ نے کہ بلا اور کونے سے شام تک ننگے پاؤں زمین طے کی تھی جھگی کانٹے انکے نازک کوئوں میں چبھے تھے چونکہ میں بھی عجب اٹکا اور شیعہ مذہب ہوں کیونکہ تکلیف گوارا کروں اور چہلم تک فرش زمین پر سوتے تھے بادشاہ یکم اور ہمدردیہ محل اور ملک زمانہ وغیرہ جملہ بیگمات طلائی اور نقرئی طوق اور زنجیریں بادشاہ کی گردن اور کمر پائوں میں

سمجھیں گے ان سے سمجھ لیں گے ان باتوں سے بیگم صاحبہ نے ناراضا منہ ہو کر رنڈیٹ کو کھلایا کہ ہماری جاگیر کا غدا بادشاہ سے منگا دیجئے اس نزع کی کش مکش میں مغلوں نے اور گل تازہ کھلایا کہ دو تین جیشی خواجہ مراد علی بیگ صاحبہ کے محل میں اس وقت سے بٹھا دیے کہ بادشاہ نے ملاوت کے وقت انکو دست بہ قبضہ دیکھ کر تصور کیا کہ بیگم صاحبہ نے انکو میرے قتل کے واسطے مامور کیا ہے اس بات سے بادشاہ اور بھی غضبناک ہو گئے۔ بادشاہ نے نیا سانگ بنوایا کہ ایک سفوک عورت کو بادشاہ بیگم خطاب کر کے عمل کی چند عورتوں کو حکم دیا کہ ایک گسٹنی کرنے لگی اور ایک نے موچھل ہانا شروع کیا اور ایک نے اگالداں ماتھ میں لیا اور ایک نے بنگھا جھلنا شروع کیا اور ایک نے پاندان کی خدمت اختیار کی اور اس طرح دو نوکرین اس عورت کے ساتھ ہوئیں اور یہ مشہور کیا کہ بادشاہ بیگم صاحبہ تشریف لاتی ہیں اس طرح بیگم صاحبہ کے افعال کی نقلیں اُتاری جاتی تھیں بادشاہ اور محل کی عورتیں قہقہہ مار کر ہنستی تھیں حالانکہ رونے کا مقام تھا جب ان حرکتوں سے بھی مدعا حاصل ہوا تو بادشاہ نے بادشاہ بیگم کو پیام دیا کہ مرزا فریدون بخت عرف مناجان کو اسکی مان سمیت ہماری پاس بھجھو انھوں نے جواب دیا کہ جس وقت غازی الدین حیدر نے مجھ سے تکوطلب کیا تھا تو میں نے نہ دیا تھا اب فریدون بخت کی مفارقت کس طرح گوارا کر دنگی کہ اسکو تمھارے حوالے کر دوں بادشاہ نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ کوئی بادشاہ بیگم کی اطاعت نہ کرے اور برمی برمی باتیں انھیں کہا کریں چنانچہ فضل چوہدرائی ڈیوڑھی پر ناما لکھ لکھ کر بے تکلف کہتا تھا جنکو سن کر بیگم صاحبہ رنجیدہ ہوتی تھیں اور بادشاہ خوش ہوتے تھے ان باتوں کی بدولت چوہدری کو مردہمہ کر دیا گیا آخر کار روشن الدولہ رنڈیٹ کے حکم سے اصلاح کے درپے ہوئے کبھی بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر جاتے تھے اور کبھی مرزا محمد علی خان بن نوابش علی خان بن سالار جنگ کو اور کبھی عبدالباقی خان بن عبدالرحمن خان

پورا کرنے کے لیے بالائی روپیہ کی ضرورت ہوئی بادشاہ کو یہ گمان تھا کہ جس مکان میں بادشاہ کی رہتی ہیں انہیں کوئی کھوض زر نقد سے لبریز نواب سادات علی خان کے وقت کا دھینہ ہے اور غازی الدین حیدر نے جو کچھ انکو عطا کیا تھا اور جاگیر کی آمدنی سے جو نقد وصول ہوتا تھا وہ ستردا اسیلے بیگم صاحبہ سے اس مکان کا لینا مناسب تصور کیا اسکے علاوہ بادشاہ بیگم سے اور کسی سبب سے بادشاہ کو ملال تھا (۱) بادشاہ بیگم کو اعتماد الدولہ پر نظر شفقت تھی اور بادشاہ ان سے مکدر تھے (۲) جسوقت فتیہ محل نے انتقال کیا تو نصیر الدین حیدر نے حکم دیا کہ محل کی تمام بیگیاں اور دوسری عورتیں اس ماتم داری میں چالیس دن تک سیاہ لباس پہنیں مگر بادشاہ بیگم نے یہ سیاہ پوشی گوارا نہ کی اور بادشاہ سے کہا کہ سیاہ لباس پہننا حضرت امام حسین کے ماتم میں زیبائے دوسروں کے غم میں سزاوار نہیں اور بادشاہ کو ہرگز ناکس کے غم والہ میں سیاہ پوشی نمایاں نہیں بادشاہ بیگم کی یہ تقریر سنکر اتوجی نے کہہ کر کالائش تھی یہ آگ لگائی کہ اگر بادشاہ سلامت بیگم صاحبہ کے بطن سے ہوتے تو بیشک رنج و ملال میں حصہ کی شریک ہوتیں بادشاہ کا مزاج اس تقریر گرم نے اور افر و خستہ کیا اور بادشاہ بیگم کو یہ پیام دیا کہ آپ جس مکان میں رہتی ہیں وہ خالی کر دیجئے اور پچیس ہزار روپیہ ماہوار ہم سے لیا کیجئے انھوں نے کہا کہ یہ مکان میرے سسر نواب سادات علی خان کا بنایا ہوا ہے اور غازی الدین حیدر کہ میرے شوہر تھے انھوں نے بیان بٹھایا ہے تمہارا داعیہ نہیں پہنچا آخر اس نزاع لفظی کی فہم نہ تھی طول کھینچا اور بادشاہ نے مولوی غلام محی خان کی معرفت رزیدنٹ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور اس تقریر میں دونوں طرف سے روپیہ بھی خرچ ہوا لیکن صاحب رزیدنٹ کو اس معاملے میں توجہ نہ تھی انھوں نے تہہ ہی نکی مولوی صاحب کے مشورے سے بادشاہ نے صاحب رزیدنٹ کو یہ پیام دیا کہ اگر آپ ہماری طرف داری نہیں کرتے تو بیگم صاحبہ کی طرف داری بھی نہ کیجئے گا ہم جو کچھ مناسب

اُن سپاہیوں کی ضرورت واقع ہوئی تو نشان نہ پایا سمجھ گئیں کہ حکمران اُنکی خواہ سرکار سے
آپ بے لیا کرتے تھے چونکہ ایسے موقع پر خواجہ سراؤں سے باز پرس کرنا دانا بی سے بعید
تھا اسلئے خاموش ہو رہیں الغرض راجہ مذکور نے پانچ سیرھیان مضبوط دیوار باغ سے
جو بیگم کے محل کے متصل تھا بندھوا دیں اور بیلزاروں کو حکم دیا کہ اوپر چڑھ کر محل کو گرا دیں
بیگم بھی یہ حال معلوم ہوتے ہی مع مغلانیوں اور حبشوں کے محل سے نکل کر بادشاہی
آرمیوں پر اینٹ اور پتھر اور لکڑیاں برسائے لیکن یہاں تک کہ وہ لوگ بھاگ نکلے
اور دروازے تک اُن کا تعاقب کیا۔ اس حالت میں راجہ مذکور اور بادشاہ کا چیلہ
امام علی اینٹ سے بھروسہ ہوئے اور بیگم اپنے محل کو لوٹ گئیں آخر کار راجہ نے اُن
سپاہیوں کو حکم دیا کہ اب ادب و محاذ کو ترک کر کے بے تحاشا محل میں گھس پڑو اس
درمیان میں کسی نے محل میں سے بندوق سرکردی اس وجہ سے لڑائی شروع ہو گئی
اور طرفین سے بندوق چلنے لگی چار چشتین تیر و بندوق سے ماری گئیں اور ظالم سنگھ
صوبہ دار اور ایک سپاہی فوج شاہی کا اور ایک راہ رو بیگم کے سپاہیوں کی گولیوں سے
نشئی ہوئے اور براہیم بیگ خاص بردار اور ایک نجیب اور چند عورتیں بیگم کی طرف سے
کہ چھت پر تھے تیر و بندوق سے کام آئے اس شورش کی وجہ سے بازار کی دوکانیں
بند ہو گئیں۔ بادشاہ نے یہ خبر سننے ہی حکم دیا کہ ایک تو بچانہ لیجا کر لگا دو اور علی ضلیک
کو توال کو حکم دیا کہ بازار کے دوکان داروں کو تسلی و تسفی کر دو کہ دوکانیں بند نہ کریں
اس اثنا میں بیگم صاحبہ جدال و قتال اور تشکی و گرسنگی سے جان بلب ہو کر باغ کی جانب
سے دروازہ درگاہ ائمہ اشاعہ شریف میں تشریف لائیں اور راجہ مذکور سے امان چاہی
لوکروں نے مقتولوں کی لاشیں درلیے گومتی میں بہا دیں اور روشن الدولہ نے حاضر

قندھاری کو جو صاحب رسالہ تھا بلا کر سمجھاتے تھے اور خوف لاتے تھے لیکن بادشاہ بگم
 ایسی جواب دیتی تھیں کہ جب مین نے متمدلہ ولہ آغامیر کے افسوں کی حقیقت نہ سمجھی تو دوسرا
 کیا مال ہے خصوصاً اپنی گود کے پالے ہوئے سے ڈرنا عقل سے دور ہے یہودہ سرزنش
 اچھی نہیں یہ معاملہ ابھی طے نہیں ہوا تھا کہ ریڈنٹ کی روانگی کسی ضرورت سے گلگتے کی طرف
 ہوئی بگم صاحبہ کے متوسلون نے مشور کیا کہ وہ بگم صاحبہ کی طرف سے جلتے ہیں یہ خبر سنا
 بادشاہ بہت متوش ہوئے اور کوٹھی فرج بخش سے اٹھ کر نواب آصف الدولہ کے تعمیر
 کیے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جب ریڈنٹ واپس آئے تو بادشاہ کا دل ہاتھوں میں
 لیا اور وہاں سے اٹھا کر فرج بخش میں لائے اور بادشاہ بگم سے کسلا بھیجا کہ بادشاہ بیٹا تھا انا دل
 ہے اور آپ دانشمند ہیں فرزند کی دلداری واجب ہے اس لیے مناسب ہے کہ آپ ان مکان سے
 اٹھ کر جو مکان آپ کے پسند ہو وہاں قیام فرمائیں بگم صاحبہ نے جواب دیا کہ جھکوفیض آباد میں
 جو میری جاگیر ہے بھیج دیجئے لیکن اس وقت جاگیر بھی بادشاہ نے بند کر لی تھی یہ صورت قرار نہ پائی
 بادشاہ نے جو اپنے حق میں ریڈنٹ کی اتنی پاسداری پائی تو راجہ درشن سنگھ غالب جنگ کو
 حکم دیا کہ بطرح بن پڑے بلار و رعایت قانون تعظیم و تکریم کے بادشاہ بگم کا مکان خالی کرانے
 اُس نے حسب الحکم بادشاہ - اول تھوڑے سا ہی بگم کے مکان کے آس پاس کھڑے کیے آخر
 راجہ شیو دیں سنگھ کو اپنی طرف سے جمعیت کثیر کے ساتھ امور کیا راجہ شیو دیں نے کتنے چند ہودی
 وغیرہ گیارہ ملازمان بگم صاحبہ کو قید کر کے ٹبر بھی کوٹھی میں بھیج دیا اور ۲۰ دیکھ شہر ہجری مطابق
 ۱۹ - ماہ اپریل ۱۸۳۳ء کو بگم صاحبہ کے مکان کا محاصرہ کیا آب و دانہ بند کر دیا بگم صاحبہ نے
 بھی اپنے چند خاص برداروں کو مسلح کر کے دروازے پر متعین کر دیا بگم کے یہاں دو بیٹے تھے جن
 جن کا درناہنہ خواہہ سر اڑا لیتے تھے اور آدمی ان میں نہیں رکھتے تھے جب ایسے وقت میں بگم کو

اٹھادی تاکہ سردی دفع ہو چکے خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا بادشاہ نے اٹھ کر کہا کہ صبح کو سواری بچھ کر آکھو بلالونگا اور خود سوار ہو کر چاند گنج میں تشریف لے گئے وہاں روشن الدولہ موجود تھے اُن کو اس ساری کیفیت سے مطلع کیا اُنکو اور ہی فکر لگی ہوئی تھی اُن کے فریب کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ سمجھا کہ بادشاہ بیگم سے زیادہ کوئی اور دوسرا بادشاہ کا فضا اور دلسوز نہیں ہے بادشاہ سے عرض کیا کہ حضرت دوسری مرتبہ ایسا کام نہ کریں غانہ اذکو معلوم ہو چکا ہے کہ بیگم صاحبہ حضرت کی جان کی دل سے دشمن ہیں فلاں فلاں حشبنین حضرت کے قتل پر زہر کھائے ہوئے تعین لیکن خواجہ سر نے سینہ سپر ہو کر اُس صدر عظیم سے بجایا۔ یہ سنتے ہی بادشاہ آگ ہو گئے اور اُس شالی رضائی کو کہ ابھی تک اوٹھے ہوئے تھے آگ میں جلوایا اور اُس خواجہ سر کو کہ جسکا روشن الدولہ نے نشان دیا تھا طلب کیا روشن الدولہ نے کہ در پردہ بادشاہ کے جانی دشمن تھے خواجہ سر کو نظارت کی طمع پر ایسا رضامند کیا اور جن کی صورت شیشے میں اُتار کہ اُس دیوانے نے اُس مضمون کو طلاق لسانی سے بادشاہ کے سامنے بیان کیا اور اُس وجہ سے آتش نزع جو شعلہ زن تھی نہ بجھی بلکہ اور بھڑک اٹھی اور یہ تشریف لیجانا بادشاہ کا بادشاہ بیگم کے پاس مصلحت سے خالی نہ تھا رزیدنٹ کی زبان بندی کے واسطے یہ امر منظور میں آیا تھا کہ باوجود عذر و معذرت کے بادشاہ بیگم نے اپنی منہن پروری کی۔ الماس باغ سے واپس آنا قبول کیا جب بیگم صاحبہ پر اُس خواجہ سر غلام کی کیفیت کھلی جو قانون کے ہاتھ سے بادشاہ کو بچانے والا بنا تھا تو بہت دل شکستہ اور پریشان خاطر ہوئیں۔ آخر کار بیگم صاحبہ کے بھانجے اور بھتیجے یعنی مرزا ذوالفقار علی اور مرزا علی خان وغیرہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اور وہ اثر باجودت سے جد تھے تمام یکدل متفق ہو کر حاکم کے خوف اور غارتگری کے اندیشے سے الماس باغ کے دروازے پر

ہو کر عرض کیا کہ بیگم صاحبہ امان چاہکر یہ خواہش ظاہر کرتی ہیں کہ الماس باغ میں جو الماس علی خان کا بنایا ہوا تھا چلی جائیں یہ باغ پہلے سے بیگم صاحبہ کی سکونت کے لیے تجویز ہو چکا تھا بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً سواریان بھجید جائیں چنانچہ پچاس رتھ اور ستریلے بھجدرے گئے اور کوتوال کو حکم دیا کہ بقالوں کی دو تین دوکانیں الماس باغ میں بھجورے پھر دن رات بیگم صاحبہ مع فریادوں بخت کے سکھپال میں سوار ہو کر چلی گئیں اور مغلانیان اور خواصین میانوں اور رتھوں میں سوار ہو کر گئیں اور پانچ تھڑی عورتوں کو ہمراہ لے گئیں اور انکے ساتھ ماحوسنگھ کا رسالہ اور دو کمپنیاں دجیت کی تھیں پیاس کی کثرت سے بیگم صاحبہ نے راستے میں پانی مانگا چونکہ مکان برسوں سے بے مرمت پڑا تھا نہ وہاں روشنی کا سامان تھا نہ فرش تھا اس لیے رات بھر بیگم صاحبہ سکھپال میں رہیں اور دوسری عورتیں بھی بے آرام پڑیں رہیں نہ کھانا ملا نہ کافی پانی۔ اور بیگم صاحبہ کے محل میں بادشاہ کے حکم سے فتح علی خان کپتان نے قبضہ کر کے تمام کوٹھڑیوں میں قفل ڈال دیے اور اس کش مکش میں اکثر اسباب تلف ہو گیا اور بعد اسکے بیگم صاحبہ کے تمام لوگ قید سے رہا ہو گئے۔

ایک دن شب کے وقت نصیر الدین حیدر نشہ شراب کے عالم میں سوا ہو کر خوش محبت مادی میں بیگم صاحبہ کے پاس تنہا الماس باغ میں پہنچے جو لوگ دروازے پر پہرے چوکی کے لیے مامور تھے انھوں نے عدم شناسی کی وجہ سے اول رو کا جب معلوم ہوا کہ اس ہیئت سے بادشاہ آئے ہیں تو اندر جانے دیا۔ بادشاہ نے سلام و نیاز کے بعد محذرت کی اور چاہا کہ اپنے ہمراہ محلات میں لجا لیں چونکہ رات کم تھی بادشاہ بیگم نے کہا کہ اب رات تھوڑی باقی ہے آپ یہاں استراحت کریں وقت صبح اگر منظور خدا ہے ٹھہر میں آئے گا۔ بادشاہ نے اوقت سردی کی شکایت کی اور چاہا کہ آرام کریں۔ بستر خواب پر دراز ہوئے بادشاہ بیگم نے شالی رضائی اوپر

ہمیشہ ہر معاملے میں رزٹنٹ سے جواب دہی پڑے گی آخر اناجی کی تالیف قلب کر کے اپنا شریک کیا اور فیض النسا کی بیٹی چھوٹی خانم کی معرفت سلسلہ جنابی ہوئی انھوں نے مغلائی کو پیام دیا کہ بادشاہ کو بیگم صاحبہ کی جدائی منظور نہیں اور دشمن اس بات پر زہر کھائے ہوئے ہیں کہ ان بیٹوں میں کسی طرح صفائی کی صورت نہواس سے بادشاہ نے تم کو طلب فرمایا ہے کہ صفائی ہو جائے بی مغلائی اصل معاملے سے غافل حسب وعدہ سوار ہو کر در دولت پر پہنچی یہاں دام تزویر بچھا تھا ہی ابھی سواری اُتری نہ تھی کہ دربان نے روشن الدولہ کے اشارے کے موافق منع کیا کہ بدون بادشاہ کے حکم کے یہاں سواری اُترنا محال ہے اس تکرار میں وہ طول کھنچا کہ روشن الدولہ اور کنبہوں کے آدمی بلا کی صورت پہنچے اور کمار پونکو محل سے بلا کر پردہ سواریکا اٹھایا اور مغلائی کو کشان کشان روشن الدولہ کے پاس لے گئے انھوں نے پوچھا کہ تو در دولت پر کس واسطے آئی ہے اُس نے کہا کہ بادشاہ کی طلبی کے موافق حاضر ہوئی ہوں روشن الدولہ نے اس وقت بھاگ کر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ یہ سونے کی چڑیا دراصل بیگم صاحبہ کی عقل کی کنجی ہے اس کو فریب کے ساتھ ہاتھ آئی ہے اور بہر صورت بندگان حضرت کے فائدے کی بات ہے بادشاہ کے حکم سے وہ تیرہ نجت کو ٹھی نو بخش میں قید ہوئی اور آرام کے سامان بند ہوئے چند عرصے میں علیل ہو گئی اور یہ خبر متواتر رزٹنٹ کو پہنچی انھوں نے روشن الدولہ سے کہا کہ یہ مغلائی اس طرح مر گئی تو تمہارے حق میں اچھا نہوگا ناچار عالم مجبور ہی میں کچھ اُس سے لیکر چھوڑ دیا۔

مغلائی کے فراق نے بیگم صاحبہ کی کمر ہمت توڑ دی تھی وہ جب تک محل میں تھی اُنکی کار گزار می کی وجہ سے نوبت فاتحہ کی نہ آئی اب فاتحہ پر فاقہ تھا کارپردازان سلطنت

سکونت پذیر ہوئے۔ بیگم صاحبہ نے اپنی حفاظت کے لیے جدید سپاہ نوآر رکھنا چاہی چنانچہ
 امام بخش سقہ ساکن فتح گنج ملازم اپنے کو فراہمی سپاہ کا حکم دیا اس نے آٹھ نوہزار کے قریب
 آدمی بھرتی کیے اور امام بخش جرنیل مشہور بہا جن میں ہر قسم کے بد معاش دلیر اشتہاری اور راجپوت
 وغیرہ تھے۔ اور گھنڈی والی بیٹن ہمارا ہی غالب جنگ اور سپاہیان بھرمہارا ہی فقیر محمد خان
 رسالہ دار نے جو سرکار شاہی سے موقوف ہوئے تھے بیگم کے بیان نوکری کر لی اور ان کے افسر
 موہن سنگھ اور لالہ پرتاد راجپوت جو نہایت جواہر دتھے بنائے گئے انہیں سے مسلمانوں کو ڈیالیاں
 اور ایک پیالہ قلیے کا یا دال کا پیالہ ادھندو کو فی نفر سیر بھر آنا اور دال ہر وقت ملتی تھی اور
 ان سے یہ وعدہ تھا کہ عروج و دولت کی ترقی کے دن تمہاری تنخواہیں مت بڑھو جائیں گی
 اور محل میں بیگم صاحبہ کے پاس بی منلانی اور فرخندہ خاں اور امانی خاں وغیرہ کا پر دار تھیں
 بیگم صاحبہ جاگیر کا کاغذ چاہتی تھیں اور سفر فیض آباد کے لیے زر نقد کی بھی طالب تھیں اور
 رزیدنٹ بادشاہ کے پاس خاطر سے اس معاملے میں زیادہ مداخلت کرتے نہ تھے نہ خود
 بیگم صاحبہ کے پاس جاسکتے تھے۔ نہ زر نقد بھیج سکتے تھے گلہ سے اس باب میں جواب
 ملنے کے منتظر تھے۔ اور جب رزیدنٹ روشن الدولہ سے بیگم صاحبہ کے بارے میں کچھ کہتے
 تھے تو وہ یہ جواب دیتے تھے کہ جس کام پر کمر ہمت باندھی ہے اسکا ٹھو بیگم صاحبہ کی دوسری کے
 بدون غیر ممکن ہے اور جاگیر کے باب میں جواب دیتے تھے کہ خرچ کی منہائی کے بعد جو جمع
 قرار پائے بیگم صاحبہ اہلکاران سلطنت کے ہاتھوں سے لیا کریں ابھی یہ تکرار طے نہ ہوئی تھی
 کہ روشن الدولہ کو اور دور کی سوجھی اور اپنے دل میں سمجھے کہ یہ جملہ کار پر داری عہد الدولہ کی
 بہن فیض النساء مغلانی کی وجہ سے ہے اسکو محل سے نکالا چاہیے اگر یہ نہ نکلی تو بیگم صاحبہ کی
 جاگیر پر عامل مقرر ہو گا اور ہماری خورد و برد ضائع ہوگی اور جب تک وہ محل میں موجود ہے

دراز کے بعد تنخواہ دیکھنا نصیب ہوئی۔ راجہ لال بی نائک جرنیل اور قیام الدولہ پسر حیدر
 اور فقیر محمد خان اور میگنس صاحب رسالون سمیت اور رابرٹ صاحب پلٹن اور پونچانہ
 کے ساتھ اور بالا گنج کا توپخانہ یہ سب بھیجے گئے اور ناکے کے اس طرف جو الماس باغ
 کے پاس ہے اس سپاہ نے مورچے قائم کیے اور دوسری جانب بیگم صاحبہ کی سپاہ نے
 اپنے مورچے جمائے۔ اگرچہ ریڈنٹ نے خانگی مقدمات ہونے کی وجہ سے ابتدا سے
 بیگم صاحبہ کے جھگڑوں میں مداخلت نہیں کی تھی لیکن یہ خبر سنا کر انا لیان سلطنت کی
 غفلت پر افسوس کیا اور خیال کیا کہ یہ مناقشہ طول پکڑ کر سلطنت کی بنیاد کو ہلا دیگا اسلئے
 مخبر بھیج کر اصل کیفیت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ سارا حال صحیح تھا پھر آپ موقع پر گئے تو
 سپاہ شاہی کو نہایت مضحکہ اور حقیر حالت میں پایا ساز و سامان بالکل پُرانا ٹوٹا پھٹا تھا
 اور بیگم صاحبہ کی تمام سپاہ کا سامان درست اور آدمی بھی تناور و قومی وجہت تھے اندیشہ
 کیا کہ شہر قریب ہے مبادا کہین طرفین میں ہتھیار چل جائے تو شہر لٹ جائیگا اس لیے
 ۳۔ جمادی الاول ۱۱۵۲ھ ہجری مطابق ۲۵ ستمبر ۱۸۳۶ء کو میر منشی سید الدات حسین خان کو
 بیگم کی خدمت میں فمائش کر کے اس جمعیت کو موقوف کرنے کے لئے بھیجا وہ الماس باغ
 میں گئے پس پردہ بیگم بیٹھیں اور پردہ کے اس طرف میر منشی کرسی پر بیٹھے اور ریڈنٹ کی طرف
 سے سلام و نیاز پہنچانے کے بعد کہا کہ ہلکا امر خانگی ہونے کی وجہ سے جانبین کے مناقشے
 میں دخل دینا منظور نہ تھا لیکن خرضہ طویل ہو گیا اور ریاست میں فساد ہونے کا احتمال ہے
 اور قریب ہے کہ مخلوق پریشانی میں مبتلا ہو جائے اور سلطنت اودھ کی حراست و حفاظت
 دشمن بیرونی و اندرونی سے سرکار دو لہزار کمپنی کے فسے عمد نامونگی وجہ سے ہے اسلئے
 ملو عدا کو مداخلت کی جاتی ہے آپ کو اس قدر مسلح آدمی بے اذن والی ملک کے نوکر کھنا

کچھ سنتے ہی نہ تھے اور شہر کے مہاجن بھی کچھ قرض نہیں دے سکتے تھے زیور اور جواہر ان کا جس کسی نے مول لیا اس کا گھر ضبط کیا گیا غرض عجب بلا میں مبتلا تھیں نہ جلے ماندن نہ پائے رفتن چل خورون اور جلسا زون کا بازار گرم تھا اور محل کے خواجہ سرا اپنے خیال میں بڑے تھے کہ فرخندہ خانم مہر دار سے ملکر کاغذ پر مہرین چھاپ کر کشائش کی امید میں شیرینی کی صورت تقسیم کرتے تھے تاکہ زریڈنٹ کو بیگم کا مدد و معاون بنادیں اور بیگم صاحبہ کے خیال میں یہ بات تھی کہ ہمارے واقعات زریڈنٹ تک پہنچتے ہیں اکثر عیسائی گل تازہ کھلاتے تھے کہ اپنی سیون کو بلغ میں بیگم صاحبہ کے پاس بھیج کر سبز باغ دکھاتے وہ نہال ہو کر طلائی و نقرئی اسباب انعام میں بخشی تھیں کہ انھیں کی وجہ سے زریڈنٹ تک میری پریشانی کا حال پہنچ کر یہ روز بد سے ٹل جائے مگر کسی کی کوشش سے کام نہ نکلا۔ اہالی سلطنت ایسے غافل تھے کہ انکو اس اجتماع کی جو بیگم صاحبہ کے پاس ہو گیا تھا ذرا پروا نہ ہوئی جب ان لوگوں نے آس پاس کے باغات میں جا کر دست اندازی شروع کی تو بادشاہ کو اخبار کے ذریعہ سے اس سپاہ کی فراہمی کا حال معلوم ہوا بادشاہ نے بیگم کو حکم دیا کہ ان سب کو موقوف کر دینا چاہئے بیگم نے جواب دیا کہ میں صحرائے لق و دوق میں رہتی ہوں چروہوں سے حفظ و حراست کے لیے یہ تمام آدمی نوکر رکھے ہیں بادشاہ کے حکم سے شہر میں منادی ہو گئی کہ اگر کوئی بادشاہ بیگم کی نوکری کرے گا سزا بے گناہی کا اور زریڈنٹ کو بھی اس بات کی اطلاع کر دی گئی اور واسطے تدارک اور دفع فتنہ و فساد کے سپاہ شاہی متین ہوئی بادشاہ کی سپاہ نایابی تنخواہ کی وجہ سے پریشان اور بیدل ہو رہی تھی روشن الدولہ نے انکی تالیف قلوب کے واسطے حسب طرح بنا تنخواہ تقسیم کی تاکہ لڑائی کے وقت جانبازی سے دریغ نہ کریں سپاہی بیگم صاحبہ کو عادی بننے لگے کہ انکی بدولت مدت

غرض جاگیر سے ہے اور نوکروں کو مین ابھی موقوف کرنے کو تیار ہوں لیکن عرصہ دراز سے انکو چڑھی ہوئی تنخواہ نہیں ملی ہے انکے فساد کرنے کا اندیشہ ہے جو کچھ سونے چاندی کا اسباب تھا آج تک فروخت کرتی رہی سرکار شاہی سے کچھ بھی غلاب دینے کو کچھ میرے پاس نہیں اگر تین لاکھ روپیہ دلوایے جائیں تو انکی تنخواہیں میاق کر کے علیحدہ کر دیا جائے میرنشی نے کہا کہ عرصہ دو سال سے انکو کمان سے دیا گیا کہ اب برطرفی کے وقت یہ عذر کیا جاتا ہے غرض کہ میرنشی نے بیگم صاحبہ کو اچھی طرح سمجھا کر قسم کے ساتھ موقوفی سپاہ کا وعدہ لیا اور انھوں نے بھی میرنشی کے سامنے سپاہیوں کو مورچوں سے ہلکا کر تھکوا کھول دینے کا حکم سنایا میرنشی وہاں سے ریڈینٹ کے پاس واپس ہوا اور تمام حال بیان کیا۔ اور ریڈینٹ سے اس کام میں مداخلت کی اجازت حاصل کر لی اور ایک لاکھ روپیہ تقسیم تنخواہ کے لیے نقد اور پندرہ ہزار روپیہ ماہوار انکے خرچ کے لیے بادشاہ کی استرخا سے تجویز کیا اور تمام ملازمین بادشاہی کو حکم سنایا کہ بیگم صاحبہ کے کسی نوکر سے کوئی شخص کسی طرح کی فراہمت نہ کرے جہاں وہ چاہیں پھرین چلیں اور بیگم صاحبہ کو لکھا کہ آپکو پندرہ ہزار روپیہ ماہوار ملا کرین گے اور ایک لاکھ روپے نقد دیے جائیں گے بشرطیکہ آپ کل سپاہ علیحدہ کر کے صرف چار سو آدمی اپنی حفاظت کے لیے رکھ لیں بیگم نے پھر ریڈینٹ کو درخواست دی کہ تین لاکھ روپے کے بغیر کام نہیں چلے گا اور نہ پندرہ ہزار روپے میرے مصارف کو کافی ہونگے لیکن ریڈینٹ نے نہ مانا ناچار بیگم صاحبہ نے طوعا و کرہا ریڈینٹ کے قول کو مان لیا اور ایک لاکھ روپے خزانہ شاہی سے منگوا کر بیگم صاحبہ کے پاس بھیجا گیا اور امداد و خدا بخش چوہدری کو حکم ہوا کہ اپنے سامنے سپاہ کو تنخواہ تقسیم کر اگر برطرف کرادیں۔ بیگم صاحبہ نے چوہدریوں کے روبرو ان روپوں میں سے بعض سپاہیوں کی تنخواہ دلو کر بیٹا ہر انکو برطرف کر دیا اور ان سے خفیہ کہہ دیا کہ تم ہمارے نوکر ہو اپنے

مناسب نہ تھا بہتر یہ ہے کہ سب کو آپ برطرف کر دیں اور بقدر ضرورت چار پانسو آدمی حفاظت و بندوبست کے لیے رہنے دیے جائیں میری طرف سے آپ کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہوگا اور آپ کا در ماہہ برابر سرکار شاہی سے پہنچتا رہے گا اور حفاظت انسانی سرکار کمپنی سے اچھی طرح ہوگی اور گورنر جنرل کی خدمت میں یہ تمام حال لکھ دیا جائیگا اگر آپ میری گزارش پر عمل نہ کریں تو سپاہ انگریزی کی دو کمپنیاں بھیج دیا جائیگی جو آپ کی تمام جمعیت کو پریشان کر دیں گی اور اُس وقت آپ کو تحسرو و تاسف فائدہ نہ بخشنے گا یہ سیکرٹیم صاحبہ اور فریدون بخت اور تمام خواصان محل راز راز روئے لگیں بھری گم صاحبہ نے کہا کہ بھکو ریڈنٹ کے حکم کی تعمیل میں غدر نہیں اور ہر وقت بھکویہ منظور تھا کہ کسی نہ کسی طرح ریڈنٹ صاحب میرے معاملات میں مداخلت کریں تاکہ میں دشمنوں کے شر سے امن پانوں اور سلیمان جاہ کی جسطرح میں نے تربیت اور پرورش کی ہے وہ ریڈنٹ بہ روشن ہے مگر دشمنوں کے ہسکانے سے انھوں نے میری خرابی پر کمر باندھی ہے اب کہ اس دیرانے میں رہتی ہوں تب بھی مفسد تو ہیں اور تذلیل کے درپے ہیں اور ہر روز ایک نیا پیغام بھیج دیتے ہیں ورنہ بھکو اتنے آدمیوں کے جمع کرنے کی کیا ضرورت تھی مجبور ہو کر حفاظت عرت کے لیے اتنی جماعت فراہم کی ہے اگر ریڈنٹ میری جاگیر جو میرے شوہر نے عطا کی تھی دلوادین تو وہاں جلی جاؤں۔ میر منشی نے جواب دیا کہ میں اس بات کے واسطے ریڈنٹ کی طرف سے مامور نہیں ہوں تاکہ کچھ اسکا جواب دون اگر آپ کو کچھ کہنا سنا ہے تو اپنا حال لکھ بجئے میں اُنکے سامنے پیش کر دوں گا اور آپ کے پاس جواب آجائے اگرچہ اقرار واثق نہیں کر سکتا مگر اتنی تنخواہ گذراوقات کے لیے جو آپ کی ذات اور نوکروں کے لیے کافی ہو گورنر جنرل کی اجازت سے مقرر ہو جائیگی۔ بیگم صاحبہ نے کہا کہ بھکو

ہاتھوں ہاتھ لیا اکثر عالم انتشار میں محل کے اندر عزتوں سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ تمہاری
قسمتوں میں ہے جلد جلد مجھ سے لیلو اور عیش کر لو کہ میرے بعد جو اس کی روٹی اور ماش کی دال
نصیب ہونا سخت مشکل ہے نواب احمد علی خان انخاطب بنہمس الدولہ بن نواسیہ و تعلی خان
کے بیٹوں نے انگریزی افسروں سے تحریرات شروع کی ہیں اور چاہتے تھے کہ سلطنت اُن کو
مل جائے اسوجہ سے جھگو منظور ہے کہ ایک کوٹری خزانے میں باقی نہ رہے اور روشن الدولہ اس فکر
میں تھے کہ جس طرح بیگم صاحبہ کا اخراج ہوا ہے اسی طرح بادشاہ کے اور ہونا ہوں گا بھی اخراج
ظہور میں آئے تاکہ پھر کوئی کاٹنا باعث کاوش محل میں باقی نہ رہے آخر یہ نوبت پہنچی کہ برقی خانم
جسکو بادشاہ دُدا کہتے تھے اور بادرخانہ خاص سلطانی اس سے متعلق تھا اور جگنا خانم اور
باقی اسامیان عیش محل نے جو یہ رنگ خراب دیکھا اور سمجھیں کہ انجام کار آبرو پر پانی بھر گیا
تو بیماری وغیرہ کا حیلہ کر کے گھروں میں بیٹھ رہیں اس عرصے میں گورنر جنرل نے متواتر اودھ کی
بدانتظامی رفع کرنے کے لیے تاکید لکھی اور ریڈنٹ نے بھی دفتر کے دفتر شکایت میں گورنر جنرل کو
لکھے اور جب ریڈنٹ وزیر پر تاکید کرتے تو وہ کہتے کہ مجھکو بادشاہ کے مزاج میں مداخلت نہیں
اگر اُن سے کمی سپاہ کے بارے میں عرض کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ میرے نوکر دن کو کسو اسے
برطرف کرتے ہو اور ملک کو امانی کرنا چاہتا ہوں تو فرماتے ہیں کہ نواب صفدر جنگ کے
عہد سے ہمارے ملک میں یہ رسم جاری نہیں ہوئی عملد آمد قدیم کے خلاف لاکھوں روپے کا
نقصان اٹھانا کیا ضرور اور مصارف محلات کی بابت زبان سے کچھ نہ کہتا ہوں تو یہ
جواب دیتے ہیں کہ تمکو ہمارے گھر سے کیا کام ہم جسکو چاہتے ہیں بختے ہیں اور اگر تماشائی بنکر
مہر سکوت لب پر لگاتا ہوں تو آپ بدنام کرتے ہیں اور اگر زیادہ سبقت کرتا ہوں تو حکیم
ہمدی علی خاں کے مانند مضروب و معزول ہونے کا خوف ہے اور آپ سے تدارک کی امید

مکانوں پر بیٹھے رہو اور اپنے وکیل مرزا علی خان کی معرفت جو انکے بھلے تھے زبردنت کو
الہا بھیجا کہ ایک لاکھ روپیہ تقسیم تنخواہ کے لیے کافی نہیں ایلے اور روپیہ دینا چاہیے بہت سی
لشکارتوں کے بعد زبردنت ایک لاکھ روپے سے اور امداد کرنے کو رضی ہوئے چنانچہ حرب الحکم تمام کو
ایک لاکھ روپے بزم ہوئے کہ صبح کو بیگم صاحبہ کے بہان بھجوا دیے جائیں گے کہ رات میں
بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

مادر مہربان کے ساتھ بادشاہ کے ایسے ناخلفانہ سلوک کا انگریزوں پر اثر

مجلس تاریخ اودھ میں بہت پرشاد نے لکھا ہے کہ جن دنوں نصیر الدین حیدر کا
بادشاہ بیگم کے ساتھ تنازع ہوا تھا تو ان سے ایسی نامناسب حرکتیں ہوئیں کہ انگریزوں کے
بہت ناگوار گزریں اور انکا بھانا مفید نہوا عجب نہ تھا کہ بادشاہ کے جتنے ہی سلطنت کا
حال بل جاتا لیکن انکی موت سے پردہ پوشی ہو گئی۔

بادشاہ کی شکستہ حالی۔ سلطنت کی ابتری اور آخر کار اپنے مقربین کے ہاتھوں سے جان دینا

مادر مہربان کی شکستہ خاطر۔ رعایا کی پریشان حالی سے آخر کار برق تہر آسمانی نصرت
خل سبانی پر ٹوٹی اور انکی جان پر آہنی یعنی جب یہ صورتیں ظہور میں آئیں تو روشن الدولہ
انگریزوں کے ساتھ موافقت پیدا ہونے کی وجہ سے بڑا اقتدار حاصل ہو گیا ہر ایک چھوٹا
بڑا اطاعت کرنے لگا ملک کی آمدنی میں کمی ہوئی۔ خزانہ خالی ہوا۔ بادشاہ کو اضطراب نے

کہ وہ بھگوانوار دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ۳۔ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ ہجری تک اٹھنے بیٹھنے کی طاقت تھی اور اپنے پانوں سے چلتے پھرتے تھے اتفاقاً اُسدن اتاجی کے یہاں سے کھانا آیا تھا اس میں قلیہ کرے پڑا ہوا بھی تھا بادشاہ نے اسکو کھایا رات کے وقت چوکی پر گئے اور وہاں سے آکر انگریزی لی اور بدن کے تمام رونگٹے ٹکڑے ہو گئے لحاف اوڑھ لیا۔ اب یہاں مختلف طور پر روایت کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اسوقت بادشاہ کا کام تمام ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ ابھی ششہ حیات منقطع نہوا تھا کہ دھنیا مہری دغیرہ وہاں کے حاضرین نے تربوز کے پانی میں زہر ملا کر بادشاہ کے حلق میں اتارنا کہ ٹھنڈے ہو جائیں تھن نزاع کی نوبت پہنچی۔ روشن الدولہ اور سحان علی خان نے آکر پہلے نشتر سے پانوں کی رگ ہفت اندام پھیٹری خون معلوم ہوا اتاجی نے اپنا ہاتھ ناک پر رکھ کر دیکھا ثابت ہوا کہ اب دم باقی نہیں ہے لیکن اسوقت بھی اس شیر مردہ سے ان تیرہ دلوں کا زہر پانی پانی تھا اسکو سکتہ تصور کیا انکا کام اجل تمام کر چکی تھی۔

۴۔ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ ہجری موافق ۸ جولائی ۱۸۳۷ء کو بعد انقضائے چار عات بنجوی کے سپہر کی رات میں طائر روح نے نفس تن خاکی سے پرواز کی بچپن س کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا تھا اور دس برس بلنچ یوم حکمرانی کی چھ کروڑ روپے سے زیادہ جو خزانے میں جمع تھے اور جواہرات اور آمدنی ملک کا دعبیہ سب صرف کیا جیسے جی سلیمان چاہ لقب تھا مرنے کے بعد غلہ منزل کھلائے۔ جب نصیر الدولہ انکی جگہ مسند نشین ہو چکے تو انکا جنازہ حسب آئین شامانہ اٹھا کر بلا سے مکارم نگر میں جو گومتی کے پار انھوں نے تعمیر کرائی تھی اور نیم تیار موجود ہے اور شبیہ کر بلا اس کا نام رکھا تھا مزار قدسیہ سلیم کے پاس مدفون ہوئے۔

نہیں۔ بہر صورت اس مرض سخت کا علاج منظور نظر ہے کہ اس مریض کو ایسا چکا کیجیے کہ پھر قیامت تک صورت نظر نہ آئے لیکن اس شرط سے کہ آپ جان اور حرمت کے محافظ بنیں اور عہد مستحکم کے ساتھ ضمانت کریں زریڈنٹ نے یہ بات سن کر فقط یہ جواب دیا کہ جس مین خلق کی بہبودی اور رعایا کی خوشنودی ہو اور ریاست کا نام باقی رہے وہ تدبیر عمل میں لاؤ بعد اسکے شراب دار اور آبدار وغیرہ جو قوم مسلمان اور ہنود و نصاریٰ سے بادشاہ کے پاس ساتی گرمی کی خدمت پر ممتاز تھے اس بات پر آمادہ کیے گئے کہ شراب مسموم بادشاہ کے استعمال میں لائیں لیکن یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی یہ معاملہ طشت ازبام افتادہ کی مانند مشہور ہوا اور بدنامی کے ساتھ ان لوگوں کی آبرور پانی پھر اور جب بادشاہ کو علاج سے صحت کامل ہوئی تو نہایت بدحواس ہوئے اور اب بادشاہ پر اپنے بدخواہ دوست نماؤں کی عداوت قلبی کی صورت کھلی حفظ جان کے واسطے چار چار روٹیرا رکھانے پر اس خوف سے ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے کہ شاید مسموم ہو عمارت کے مزدوروں اور سپہروں کے تلگوں سے بچنی ہوئی جوار اور چنے لیکر اپنی جیب میں بھر رکھتے تھے اور انکو کھانا امید و بیم میں اوقات بسر کرتے تھے ہوقت میں بھی جو شریف زادے تھے وہ عالم مجوسی میں کنارہ کش ہوئے فقط بدخواہ رذیل اور کمینے لوگ باقی رہے انہیں سے دو کہاریوں دھینا اور ڈلوی نے جو ہمہ تن روشن الدولہ کے جادو اطاعت سے باہر نہ تھیں صحت گرم رکھی قضاے کار بادشاہ کی طبیعت شراب کی کثرت اور برف کے استعمال سے ناساز ہوئی اور استسقا پیدا ہو گیا ہاتھ پاؤں میں ورم آیا ہر وقت مونے اور دستانے پہنے رہتے تھے اور بادشاہ یکم غلالت کا حال منکر و ہیشہ رنج و الم میں مبتلا رہتی تھیں اور انکی بڑی آرزوی تھی کہ چل کر آخری دیدار نور دیدہ کا کروں لیکن بادشاہ دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرتے تھے اور زریڈنٹ سے کہلا بھیجا کہ مین یکم صاحبہ سے ملاقات نہ کرو گنا

دیگر

آہ ازین چرخ سخت بے تکین کہ مدارش نہ جز بمرکز کین
 وی سرے راکہ بر فلک ہے سود کرد امروز جا بقصر زمین
 عملش بامرات آغشته نوش عیشش بہ نیش غم آگین
 سرگذشت شہنشہ ماضی ست جاے عبرت بحشم آخر بین
 بین شہے راکہ وے بیاری بخت بود با صد شکوہ تخت نشین
 گشت امروز تحتہ تابوت مرقد خسر و نصیر الدین
 حیف بر نوجوانی شاہ است ورنہ انجام ہر کس ست ہمین
 آخر کار سال تاریخش گفت و آفت شد آن بخلد برین

سپاہ

اس زمانے میں فوج کی برطرفی کے بعد چار ہزار سوار اور ۳۷ پلٹنین تھیں

بادشاہ کے مزاج کے قہر و غضب کا نمونہ

اس بادشاہ کے مزاج میں ایسا قہر و غضب تھا کہ جس پر غصے ہوا پھر اسکی بابت سفارش کی کوئی بات نہ سنی یہاں تک کہ بعضوں کو زندہ در گور کر دیا اور بعض عورت محل کو اعمال قبیحہ کی پاداش میں مکان درشن بلاس کی دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ سلطان الاخبار میں اس سے بھی زیادہ لکھا ہے۔

تاریخ وفات

بونصر قطب دین و سلیمان روزگار
سال وفات خواست چو عقل دقیقہ یاب
در دا بہ غلہ رفت ازین دار بے مدار
گفتا خرد کہ از غسق نجم کن شمار
دیگر

رفت شاہ جهان سلیمان جاہ
تا تنے گفت از سر افسوس
سوے جنت ز بار گاہ اودھ
بہ ارم رفت بادشاہ اودھ
دیگر

رفت از جهان باغ جان خسرو ز من
خلد برین و کوثر و تسنیم و سلبیل
بنمود زیر شہر جبریل آشیان
دادش بہ لطف خویش خداوند و بہمان
واضح شدہ برے سکونت در جنان
باسمش چو بعد ناب مہدی حمید عصر
پرسیدم از سر و ش چو سال وفات شاہ
گفتا ربیع آخر سوم ز ماہ بود
باجان غم کشیدہ و با چشم خون فشان
بھجری ہزار و دو صد و پنجاہ و سہ بدان

از مرزا محسن خان ثاقب

ہمے روح پاک شاہ عادل
فلک ساکن زمین در جنبش آمد
چو از اسفل بر اعلیٰ کرد طیران
سیہ گردید روے مہر تابان
غروب مہ رقم شد ابے عزیزان
ز کلک نغز ثاقب سال فوٹش

اس واقعہ کی اطلاع دی۔ نرینڈنت نے بادشاہ کے چچا نواب نصیر الدولہ مراد علی خان کو جو نواب سعادت علی خان کے بیٹے تھے انکی جانشینی کے واسطے منتخب کر کے شریعت اسلام کے موافق انگریزی فتوے لگا کر انکی مسند نشینی کے سارے سامان درست کر دیے اور ایک خط افواج متعینہ کیپ منڈیاٹون کی حاضری کے واسطے لکھا اور ایک چوہدر کو جلدی الماس باغ کی طرف روانہ کیا اسکی زبانی بادشاہ بیگم اور مناجان کو مکمل بھیجا کہ اگرچہ بادشاہ نے خرد سالی میں راہ عدم چوسب کے لیے ناگزیر رہے لی جسکادل کو صدمہ ہے لیکن اب آپ صاحبو کو چاہیے کہ آرام سے اپنے مسکنوں میں رہیں کسی طرح کا خوف دہراس دل میں نہ لائیں اور سرکار کپینی کے حکم کی تعمیل میں سہل انکاری نہ کریں آپ صاحبون کے لیے بادشاہ مرحوم کے عہد سے ہزاروں ماسج بہتر ہو گئے اور اس احتیاط سے کہ عورتیں ناقص نقل ہوتی ہیں مرزا علی خان کو جو بیگم صاحبہ کی طرف سے وکیل تھے بلا کر بہت جلد بیگم صاحبہ کے پاس بھیجا کہ ہماری طرف سے بادشاہ مرحوم کی تعزیت کے بعد ان سے کہنا چاہیے کہ اب صدر کے حکم کے موافق اس خاندان عالیشان کی ریاست ایسے شخص کو دی جائیگی جو امور مملکت کی قابلیت اور انتظام مہمات سلطنت کی لیاقت رکھتا ہو گار عایا پروری اور مظلوموں کی غوررسی کے اوصاف سے متصف ہوگا بادشاہ مرحوم نے جس قد ظلم کیے سلطنت کے کاموں سے بے پروا رہے لہو و لب اور عیش و عشرت میں اپنی عمر عزیز کو خراب کیا سلطنت کے کسی کام میں دلچسپی نہ لی یہ باتیں تمام اہل الرائے نے ناپسند کیں چونکہ سرکار کپینی کی اس دودمان عالیشان کی طرف نظر محنت و عنایت ہے اور رعیت پروری اور ملک کی آبادانی منظور ہے اسلئے سرکار موصوف یہ چاہتی ہے کہ اس خاندان سے کوئی ایسا شخص جس میں عدل و انصاف

مرزا مہدی الملقب بہ رفیع الدین حیدر عرف مناجان
مخاطب بہ فریدون بخت کا بادشاہ یگم زو جہ غازی الیچ
کی سینہ زوری سے نصیر الدین حیدر کی جگہ
مسند نشین ہو جانا مگر رزٹرنٹ کا فوجی طاقت کے
ساتھ دونوں کو گرفتار کر کے چنار گڑھ پہنچوا دینا

جس شب نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کی حالت نزع ہوئی تو ظفر الدولہ نے
بادشاہ یگم کو اطلاع دی انھوں نے رونا شروع کیا اور اپنے بھائی مرزا علی خان کو رزٹرنٹ
کے پاس بھیج کر پیام دیا کہ اب آپ کو میری دوستی بادشاہ کے حق میں اور دشمنوں کی دشمنی
انکے ساتھ ظاہر ہوئی یا اب تک دغدغہ باقی ہے آپ میرے حق میں کیا فرماتے ہیں اب میں
بلا توقف آتی ہوں۔ ۴۴۔ رجب الثانی ۱۲۵۲ھ ہجری کو اول شب میں بادشاہ کا مجلس منہتی
میں جام عمر سر نیزہ اگو انھوں نے مناجان کو جو افضل محل کے بطن سے تھا اپنی زندگی
میں اپنا بیٹا بنا یا تھا مگر پھر اسکی ولدیت کا رزٹرنٹ کے سامنے ابطال کیا تھا اور صدر سے
یہ حکم آیا تھا کہ اگر ایسا ہو تو نواب سعادت علی خان کی اولاد میں جو بڑا اور نیک خصلت ہے
اسکو بادشاہ کرنا چاہیئے اور اس سبب سے نصیر الدولہ کے سوا ہر طرح کوئی شخص رزٹرنٹ کی
نظروں میں نہ چھا اور یوں تو کئی اور آدمی بھی جدی وراثت کا دعویٰ رکھتے تھے لیکن سب
نہ معلوم ہوئے تاریخ شاہیہ نیشاپور یہ مین لکھا ہے کہ بادشاہ کے انتقال کے بعد ملک
اہلکاروں نے کرنیل جان لوئرٹرنٹ سے اس بات کا اخطا کیا بہت دیر کے بعد ان کو

گئی تھی انھوں نے بھی مزدہ پلوس سلطنت سنا یا جب حسب ضابطہ معاملات طے ہو گئے تو کپتان شکسپیر نواب صاحب اور انکے بڑے بیٹے مرزا امجد علی اور دو پوتوں اور دامادوں دھمن الدولہ اور منیر الدولہ اور عظیم الشان اور رفیع الدولہ اور کوکلتاش اور چند آدمیوں کو ساتھ لیکر کوٹھی فرح بخش میں اترے اسجی پانچ گھڑی رات باقی تھی رزڈینٹ نے استقبال کر کے معافہ کیا اور ساتھ لاکر ایک کمرے میں ٹھہرا دیا اور کوٹھی فرح بخش کا یہ انتظام کیا کہ دو کمپنیاں تلنگونگی اور دو توپین مقرر کر دیں اور انگریزی فوج کے گارڈ جاہر یا متعین کر دیے اور اس خیال سے کہ اسوقت بادشاہ کی وفات کے صدمے سے جا بجا عمل میں شور و ماتم برپا ہے صبح کے وقت تخت نشینی کی رسم ادا کجائیگی آپ اپنی کوٹھی کو چلے گئے اور اپنے اول اسٹنٹ مائن صاحب کو یہاں چھوڑ گئے اور سولے فوج انگریزی کے رابرٹ صاحب کی دو تین کمپنیاں بھی فرح بخش میں دونوں جانب گھڑی کر دیں۔ اُدھر بادشاہ بیگم نے سواری طلب کی اسی وقت رزڈینٹ کے چہرے سے جو انکی ڈیوڑھی پر متعین تھا اور روشن الدولہ نے بھی یہ خبر صاحب رزڈینٹ کو پہونچائی رزڈینٹ خود سوار ہو کر فرح بخش کو روانہ ہوئے اور خواجہ بخش چوہدری کو بیگم صاحبہ کے پاس بھیجا کہ لایا کہ آپ کا آنا مناسب نہیں ریاست فریدون بخت کو ٹھلے گی یہ تخت وراثت نصیر الدولہ کے رونق پذیر ہو گا مگر یہاں کب صبر ہو سکتا تھا گو حکم مانفت چوہدری نے پہونچایا لیکن اُس پر بیگم نے التفات نہ کیا اور اپنے تمام نوکروں کو جمع کر کے اور بالکی میں فریدون بخت کے ساتھ بیٹھکر دو ہزار آدمیوں کی بیٹری بھاڑ کے ساتھ جتنے افسر امام بخش اور موہن سنگھ اور لالہ پشاد تھے الماس بلغ سے عازم ایوان سلطانی ہوئیں جب رزڈینٹ کو یہ خبر پہونچی تو مرزا علی خان کو انکے پاس یہ پیام دیکر بھیجا کہ آپ کا اسوقت یہاں آنا مناسب نہیں لوٹ جائیے میں آپ کے

رعیت پروری غربانوزمی انتظام ملک و مال خیرگیری مظلومان علم و حلم کی صفات پسندیدہ و اخلاق حمیدہ جمع ہون والی ملک بنایا جائے اور ایسا شخص خواہ نواب سجاد علی خاں کی اولاد سے ہو یا نواب شجاع الدولہ کے دوسرے بیٹوں کی نسل سے مرزا علی خان نے پہونچ کر رزیدنٹ کے تمام پیام کو بیگم صاحبہ کی خدمت میں ادا کیا تاریخ مذکور کا مؤلف کہتا ہے کہ بیگم صاحبہ کی عادت یہ تھی کہ حق بات کی فمائش ان پر مطلق اثر نہیں کرتی تھی اور جو کام دینی اور عاقبت اندیشی پر مبنی ہوتا وہ اسکو مکروہ جانتی تھیں اس لیے انھوں نے رزیدنٹ کے اس پیام کی جو گورنر جنرل کے حکم کے مطابق تھا مطلق پروا نہ کی اور سمیت خواجہ سرا اور امام بخش سقے کے مشورے سے کہ انھیں دونوں کی رلے پر چلتی تھیں فوج کو تیار کر کے روانگی کا ارادہ کیا۔

اُدھر رزیدنٹ نے ایک خط نصیر الدولہ کے نام لکھ کر اپنے اسٹنٹ دوم شکسپیر صاحب اور سید التفات حسین خان میرنشی کو دیکر انکے لانے کے لیے بھیجا اور انکو یہ بھی حکم دیا کہ عہد نامے پر دستخط کرالین علی جان جس کا خطاب قمر الدولہ تھا نصیر الدولہ سے حقیقت حال شکر پیادہ پاعظیم اللہ خان کے ذریعے اور تعارف سے نصیر الدولہ کے پاس آیا اور جلوس تخت شاہی کی مبارکباد میں نذرین گزار کر عرض کیا کہ ابھی شکسپیر صاحب آتے ہیں اور فساد ہونے کو بچا حضور مجھے چھپا رکھیں چنانچہ وہیں ایک مکان میں پوشیدہ ہوا اتنے میں مفر حسین خان سبحان علی خان کا بیٹا آکر نواب روشن الدولہ اور اپنے باپ کی طرف سے مبارک باد کی نذرین گزارا میں اور چکنی چٹری باتیں کر کے کہنے لگا کہ اب حضور کو سلطنت مبارک ہووے اس شرط پر کہ روشن الدولہ وزیر اور ہم دولتخواہ کار فرما ہو وین نواب صاحب نے فرمایا اللہ اشہ وہ تو رخصت ہوا اور شکسپیر صاحب اور منشی التفات حسین آہونچے سوقت ڈیڑھ پہر رات

حکمرانی آغاز کی اس تمام جمعیت کے آتے ہی ملازمان شاہی بھاگ گئے بازار سی آدمیوں نے تخت کو گھیر لیا اسوقت اپنے بیکلے کے کچھ تمیز بایک ہتھ بچا ہوا تھا اس کچھ متعلین مشہار روشن تھیں امام بخش کے حکم سے جاہ جا پہرے تعینات ہوئے۔ رام دھن ہر کارے کو حکم ملا کہ وہ رابرٹ صاحب کے سپاہیوں کو حکم پہنچائے کہ سبحان علی خان کا مکان لوٹ لیں اور انکے بیٹوں کو یہاں حاضر کرین پلٹن کے سپاہیوں نے جاتے ہی سبحان علی خان کے مکان کو کھودنا شروع کیا۔ روشن الدولہ اور سبحان علی خان مع اپنے بیٹوں کے وہیں ایک کمرے میں چھپے ہوئے تھے ناگمان یکم کے نوکر و نکی نظر روشن الدولہ پر جا پڑی چاہا کہ انکو گرفتار کرین روشن الدولہ نے کمرے سے تلوار لی اور قبضہ پر ہاتھ ڈالا یکم کے آدمیوں نے اس کو مار ڈالنا چاہا مگر قادر بخش مجدد نے بچا لیا اور یہ شور سنکر یکم صاحبہ نے فرمایا کہ یہ شخص سرکاری محاسبہ دار ہے اسکو زندہ گرفتار کرو راجہ شیو دین کو بھی قید کر لیا نواب نصیر الدولہ بھی ایک کمرے میں قید ہو کر دم گئے لگے اور کئی سپاہیان شمشیر بہ ہنہ کا پہرہ انکے سر پر تھا اور صاحبزادہ امجد علی خان بھی سپاہیوں کی محافظت میں تھے ایک طرف عظیم الدولہ خان اور ایک جانب رفیق الدولہ مقید تھے روشن الدولہ کا بیٹا محمد حسن خان جو جرنیل تھا اس نے وارد صاڑے بہار خرابی رہائی پائی اسوقت وہ صدارے شہر و فغان بلند تھی کہ کوئی کسی کی بات نہیں سنتا تھا دھنیا کمار سی مخاطب بہ افضل النساء کے گھر کا اسباب لوٹ کر اسکو کشان کشان لائے مولوی غلام محی خان اپنی جان اور حفاظت آبرو کے خیال سے کوٹھی فرج بخش سے دریائی طرف کو دوڑے اور دریا کے کنارے ایک کشتی کچی زمین جا چھپے لیکن گرنے سے ایسی چوٹ آئی کہ پاؤں کی ہڈی جوڑے جلا ہو گئی درم کی وجہ سے چندا مشکل تھا ڈیڑھ مہینے تک سیٹھکے اور سبحان علی خان کے بیٹوں نے خوشامد درآمد سے کام لیا اور پنجہ عذاب سے چھوٹ کر

درماہے کا بندوبست بقدر کفایت کرونگا آپ الماس باغ سے ہرگز قدم باہر نہ رکھیں
 بیگم نے لونا چاہا مٹا جان اور امام بخش نے نہ مانا بلکہ شخص تاریخ اودھ سے یہاں تک معلوم ہوتا
 ہے کہ درحقیقت بادشاہ بیگم آنے میں راضی نہ تھیں لیکن آدمیوں کے بہکانے اور مٹا جان کے
 پیچھے پڑنے سے چلی آئیں اتنے میں رزیدنٹ کو خبر پہونچی کہ بادشاہ بیگم مٹا جان اور بہت سے
 ہمراہیوں کے دروازے پر آئیں انھوں نے خفا ہو کر روشن الدولہ سے کہا کہ یہ کیا بات ہے
 آپ نے کچھ بندوبست کیا انھوں نے کہا کہ میں نے انتظام الدولہ اور راہبہ بخاؤ سنگھ کو نعمت
 کے واسطے بھیجا ہے شاید وہ اور راستے سے گئے ہوں گے رزیدنٹ خود روشن الدولہ کو ہمراہ
 لیکر اس منگٹ کے دفع کرنے کے واسطے آئے اور اپنے اول اسٹنٹ مائن صاحب کو تھوڑی
 سی انگریزی سپاہ دیکر حکم دیا کہ کوٹھی فرج بخش کے دروازہ مغرب رویہ واقع جانب
 مکان فتح علی خان کپتان پر جا کر کوار بند کرے مگر امام بخش نے اس دروازے کو اڑا ایک
 ہتھی سے توڑا ڈالے اور اس کے ہمراہی کپتان جمیس پاٹن صاحب سے یہ ترشی پیش آئے
 لیکن صاحب مذکور ایک شخص ہاکھن مہاراجہ کی عیادت سے جان سے بچ گئے بیگم صاحبہ کی سواری
 کی بالکی بارہ درمی میں تخت سلطنت کے پیچھے جا پہونچی اور قندھاری کو نکلانے کے لیے آدمی
 مامور ہوا چنانچہ عبدالرحمن خان قندھاری کا نیرہ مصطفیٰ خان حاضر ہوا اس وقت بیگم صاحبہ
 نے فریدون بخت کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں سو پناجب رزیدنٹ کو اس منگٹ کی خبر ہوئی
 تو اپنے میر منشی کو ہمراہ لیکر بیگم صاحبہ کے بھانے کے لیے گئے مگر کثرتِ جوش و خروش سے
 وہ اُن تک نہ پہونچ سکے آخر کار امام بخش اور موہن سنگھ اور ناتا پرشاد کی مدد سے
 مٹا جان بادشاہ کی تلواریں بند و قہار میں لیکر تخت شاہی پر بیٹھ گیا اور اپنے نوکر و نوکی
 نذیرین لینے لگا اور بیگم صاحبہ نے سواری میں سے فرمانروائی شروع کی اور امام بخش نے

اب کل دومت کی مہلت باقی ہے کہ اس گفتگو کے ضمن میں مائن صاحب نے جو چھوٹے صاحب کے نام سے مشہور تھے اگر اپنا خون اودھ چہرہ جو بیگم صاحبہ کے آدمیوں نے رنجی کیا تھا رزیدنٹ کو دکھایا مرنزا علی خان نے بیگم صاحبہ کو بہت کچھ سمجھایا مگر انھوں نے ایک بات نہ مانی مجبور ہو کر رزیدنٹ نے اُس افسر کو جو منڈیاؤں سے فوج لایا تھا توپ کے سر کرنے کا حکم دیا اور بہت پرشاد کہتا ہے کہ رزیدنٹ نے مصطفیٰ خان قندھاری کی معرفت بیگم صاحبہ کو کہلا بھیجا کہ اب یاؤ گھنٹے کی تمھیں مہلت دیتے ہیں بعد اسکے توپ چلے گی ابھی مصطفیٰ خان اُس پلٹر میں پیام کہنے نہ پائے تھے اور اس بات کی انکو خبر بھی نہ ہوئے بائی تھی کہ رزیدنٹ کے حکم سے توپیں چلنے لگیں چند گراہوں میں بارہ درسی پاش پاش ہو گئی سیکڑوں آدمی بھاگ گئے اور چالیس آدمیوں کے قریب مارے گئے تلوگوں نے سیڑھیان رکھ کر آدمیوں پر پھرے مارنا شروع کیے اور تخت کے جواہرات کو اس جلدی میں جتنا بن سکا لوٹ لیا اُس وقت نور انقال کا بیٹا دولہ لالچ رہا تھا اُسکا ہاتھ کلائی کے پاس سے اڑ گیا بعض کہتے ہیں وہ مارا گیا اور تمام انگریز غم کے کوٹھی فرج بخش پر پونچے دھوئیں کی کثرت نے اُس مکان کو ظلمات بنا دیا شیشہ وآلات توپ کے جھڑون سے ٹوٹ کر زمین پر گرے مصطفیٰ خان نے جو مناجان کا سینہ بہر تھا سینے میں گراب کے دو ٹکڑے کھا کر جان دینی موہن سنگھ اور لالہ پرنشاد بھی مارے گئے رزیدنٹ نے مناجان کو سخت وسست اہلکار چھڑکی کے ساتھ کہا کہ جلد تخت سے اُٹھ کر برے لمے جانے میں دیر نہیں ہے مناجان نے بھی کہ جان بچی ہوئی تھی جواب ترکی بتر کی دیکر بندوق کو ہاتھ سے پھینک دیا اور تخت سلطنت سے اُتر کر اپنے آپ کو شیب کی طرف گرا دیا کہ پانوں میں صدمہ بھی آیا بیگم صاحبہ کے خافض اور برہنہ زبھی بندوق زنی ہنس منہ نہ تھے رزیدنٹ کے گرد سپاہیوں نے حلقہ باندھ لیا

باہر آئے تو پچھلے مین متاجان کی سلامی شروع ہوئی کرنیل جان لو پر ایک یورش کا ہنگامہ
 نازل تھا لوگ یہ کہتے تھے کہ آپ حسب آئین و ضابطہ کے اپنی زبان سے مناجان کی سلطنت کا
 اقرار کریں مگر انکی زبان سے کب یہ کلمہ نکلتا تھا ہرگز نہ کہا جب دن غلا تو مرزا علی خان وکیل
 بیگم صاحبہ کے رزیدنٹ کے پاس گئے اور اُس گروہ کے بچے سے نجات دلائی اور اُن سے کہا
 کہ بیگم صاحبہ آپ کو بلاتی ہیں۔ رزیدنٹ صاحب نے اُنکے پاس پہونچ کر بہت کچھ سمجھایا کہ آپ یہاں سے
 لوٹ جائیں ریاست فریدون تخت کو نہ ملے گی نصیر الدولہ سند نشین ہو گئے مگر بیگم نے نہ مانا
 رزیدنٹ نے احتیاطاً مرزا علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا بیگم کے سپاہی اور نوکر رزیدنٹ کو
 برا کہتے تھے وہ خاموش تھے کسی کو جواب نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ایک مفسد نے تواریخ کھینچ کر
 اُنکے قتل کا ارادہ کیا مگر مرزا علی خان کے کہنے سے باز رہا اور دوسرے نے بندوق سامنے کر کے
 سر کی جسکی گولی کان کے پاس سے نکل گئی ہزار احتیاط رزیدنٹ مع لفٹنٹ شکسپیر اور میرمنشی کے
 آہستہ آہستہ مرزا علی کی اعانت سے صحن بارہ درسی مین چلے آئے اور اسوقت سپاہ انگریزی
 چھاونی منڈیاؤں سے مع چار توپونکے آپہونچی تھی اُسکی صف بندی کرانے لگے اور اول اتما
 حجت کے لیے مرزا علی اور مصطفیٰ خان رسالہ دار قندھاری کو حکم دیا کہ بیگم صاحبہ کو ہماری جانب سے
 جا کر کہو کہ بہتر یہی ہے کہ یہ تخت سلطنت چھوڑ کر اپنے مقام کو لوٹ جائیں بیگم صاحبہ نے بالکی
 مین سے جواب دیا کہ سلطنت موروثی ہماری ہے دوسرے کو کیا دخل ہے رزیدنٹ نے کہا
 کہ کونسل کلکتہ سے سلطنت نصیر الدولہ کے واسطے قرار پائی ہے اس لیے پاؤ گھٹنے کی اور بوتلے
 دس منٹ کی ہمت دیجاتی ہے اور یہ گھڑی اسوقت میرے ہاتھ مین ہے مناجان کی اگر جاگی
 خیر منظور ہے تو تخت سے اٹھاؤ پھر معاد کے اندر اُس مضمون کو تین مرتبہ دُہرا یا کچھ ساعت بیٹھی
 اور کلکتہ کی چٹھی جو ہاتھ مین تھی اسکو مرزا علی خان کو دکھا کر فرمایا کہ یہ حکمانہ کلکتہ کا موجود ہے

اور ایک پلٹ شکستہ کے اُنکے پاس دوسرا فرشتہ نہ تھا اور انگریزی سپرہ اُنکے سر پر
 کھرا رہتا تھا سقے کا ایک چھوٹا لڑکا جس کا نام محمد علی تھا کھانا پانی پہنچاتا تھا بیگم صاحبہ نے
 دو روز تک کھانے پانی کی طرف اُنکے نہ اٹھائی تیسرے دن تھوڑا پانی پیا اور ذرا سا کھایا
 کبھی کبھی ریڈنٹ اُنکے پاس بطریق خبرگیری کے جاتے تو بیگم صاحبہ کو اداسے نماز یا تلاوت
 کلام مجید یا کسی دوسرے وظیفے میں مصروف پاتے اور اس ایسی سخت واردات سے اُنکے
 چہرے پر ذرا آثار طال پیدا نہ تھے۔ افسوس کار پر دارانِ سفاہت نشان کے ہاتھوں
 ایسی مقتصد صاحبِ ثروت بی بی کا یہ انجام ہوا۔ ائمہ اطہار کی شان میں جو کچھ اُنھوں نے
 بدعات و منکرات ایجاد کی تھیں خدا کی طرف سے یہ اُنکا خمیازہ تھا۔ آخر کار ریڈنٹ نے
 بارہ جوڑے زمانے و مردانے اور چند برتن کھانا پکانے کے سید ابغاث حسین میرمنشی کی معرفت
 مہیا کر کے ساتھ کیے اور آٹھ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ ہجری مطابق ۱۲ جولائی ۱۸۳۷ء ہجری شنبہ
 کی آدھی رات کے وقت سبا ہوئی حراست میں مع مناجان کے بیگم صاحبہ کو لفٹنٹ شکسپیر
 اسٹنٹ دوم کے ہمراہ بالکی میں سوار کر کے کانپور کو بھیجا اور جنرل ایٹنسن کمان فہر فرج
 کے سپرد کر دیا تاکہ قید رکھے۔ بادشاہ نے گورنر جنرل کے حکم سے بادشاہ یگم کے اسباب متروکہ
 الماس باغ میں سے اشیائے طلائی و نقرئی اور پہنے کے کپڑے بحسب ضرورت اٹھا کر
 جھکڑوں میں لدوا کر اور اٹھارہ کینزین اور افضل محل والدہ مناجان کو کانپور کو روانہ کر دیا
 اور باقی تمام سامان ضبط کر لیا۔ ایک نوری طوطا خاص مناجان کے شوق کا پلا ہوا تھا جسکی
 خدمت کے لیے سولہ آدمی رکھ رکھتے تھے جب اس سامان کے ساتھ وہ نہ پہنچا تو بیگم صاحبہ
 کف افسوس ہونے لگیں۔ محمد علی شاہ کو اسکی خبر ہوئی تو فوراً اُسکو بھجوا دیا اس تمام سامان
 پہنچنے کے بعد گورنر جنرل کے حکم سے ۴۴۔ جب مطابق ۱۵۔ اکتوبر سنہ مذکور کو بیگم صاحبہ اور

اور وہ ساکت کھڑے تھے کرنل رابرٹ نے فریدون بخت کو گرفتار کیا اسکے بعض رفیقوں نے
تواریون پر ہاتھ ڈالا مگر انگریزی تلگوں نے انکو سنگینوں پر دھر لیا جب مناجان گرفتار
ہو کر صاحب ریڈنٹ کے سامنے آیا تو انھوں سے آنسو جاری تھے مسٹر مائن اور جتا ونگھ
نے انکی مشکین کسین اور بیگم صاحبہ کی بالکی بھی قید تھی اس بوسے میں جن لوگوں نے کہ
نصیر الدولہ اور کنبے بیٹے کو اپنی قید میں کیا تھلیہ چاہا کہ ان دونوں کو قتل کر کے خاک میں دبا دیں
اتنے میں ریڈنٹ کی نظر مرزا محمد علی پر جا پڑی یہ حال دیکھتے ہی بھارا کہ ابھی کشتی موجود ہیں
تو پلاؤ یہ سنتے ہی آدمی کالی کی طرح پھٹ گئے اور وہ بچ گئے اسوقت ریڈنٹ نے
بادشاہ کے پاس جا کر انکو مبارکباد دی کہ یہ سلطنت حضور کو مبارک ہو کچھ خطرہ اب نہیں
بادشاہ بیگم اور مناجان گرفتار ہیں انکی نسبت کیا حکم ہوتا ہے نصیر الدولہ نے کہا کہ آپکی
حفاظت میں رہیں انگریزی سپاہی مناجان کو جسکی مشکین بندھی ہوئی تھیں آگے آگے
اور پیچھے بادشاہ بیگم کی سواری کو بکر بارہ درمی سے نکل کر ریڈنٹی کو لے گئے رستے میں جو
دیکھتا تھا قدرت خدا کو یاد کرتا تھا دونوں کلان کوٹھی میں پہنچا کر قید کر دیے گئے۔
سلطان الاخبار میں بیگم کے ہمراہی مقتولوں کی تعداد ساٹھ لکھی ہے جن میں مصطفیٰ خان مجنوں
اور لانا پرشاد راجپوت شامل ہیں انگریزی فوج کا صرف ایک تلنگا مارا گیا اور دو تلواری
زخمی ہوئے تھے کشتوںکی لاشیں جو فرح بخش میں پڑی تھیں وہ سب نیچے پھینک دی گئیں
اور مکان سلطنت کو پاک صاف کیا اور جب ریڈنٹ نصیر الدولہ کی مسند نشینی سے
فارغ ہو کر کلان کوٹھی میں آئے تو بیگم صاحبہ اور مناجان کو زبرد کوٹھی میں بھجودیا جو مکان
ریڈنٹی سے ملحق تھی دو روز مناجان بادشاہ بیگم سے جدا رہا بعد اس کے ریڈنٹ نے
انکی گریہ و زاری پر رحم کر کے دونوں کو ایک جا رہنے کا حکم دیا مگر سواتے پوریا سے کہنے

نصیر الدین حیدر کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر لکھنؤ بھیجا یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ کے پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے بادشاہ کے پاس گزرا اور جس دن گزرا اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجنے کا حکم ہوا متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی بنظر الدولہ مرحوم لکھنؤ سے آئے تو انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا کہ خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو لکھا کہ تم دریافت کر کے لکھو کہ میرے قصیدے پر کیا گزری انھوں نے جواب میں لکھا کہ پانچ ہزار روپے تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے دو ہزار منشی محمد حسن کو دیے اور فرمایا کہ امین سے جو مناسب جاؤ غالب کو بھیج دو کیا اُسے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو۔ میں نے لکھا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے اسکے جواب میں انھوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اسکا مضمون یہ ہو کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ قصیدہ حضور میں گزرا مگر میں نے نہیں جانا کہ اسکا صلہ کیا مرحمت ہوا۔ میں کہ ناسخ ہوں اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر اُن کا کھایا ہوا روپیہ اُنکے حلق سے نکال کر تم کو بھیج دوں گا۔ بھائی یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا آج خط روانہ ہوا۔ تیسرے دن شہر میں خبر پڑی کہ نصیر الدین حیدر مر گئے۔

مناجان کے حالات میں مولوی عبدالاحد ابن مولوی محمد فائق نے ایک کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے نام اسکا قطع دلپذیر ہے اُس کے حالات کو زیادہ تر ہم نے اُسی کتاب سے اخذ کیا ہے۔

تمام شد

مناجان کو دو کمپنیوں کی حراست میں رکھ کر قلعہ چنار گدھ کو پہونچا دیا گیا اور چوبیس سو روپے ماہوار انکے مصارف کے لیے سرکار لکھنؤ سے ریڈنٹ کی معرفت مقرر ہوئے۔ اس کے بعد گورنر جنرل نے مناجان کے حال پر رحم کر کے قلعہ سے باہر رہنے کا حکم دیا اور وہ ۱۶ محرم ۱۲۳۸ ہجری مطابق ۱۵ جنوری ۱۸۴۴ء کو مرگ مفاجات سے راہی ملک آخرت ہوا اور اسی سرزمین میں دفن ہوا اسکے آٹھ سو روپے ماہوار ذاتی سرکار لکھنؤ میں ضبط ہو گئے اسکے بعد ۳ صفر ۱۲۳۸ ہجری کو نجیب شاہ کے دن بادشاہ بگم نے انتقال کیا۔ انکی عمر انتقال کے وقت ستر برس سے تجاوز تھی اور جب چنار گدھ کو بھی لگیں تھیں تو انکی عمر ساٹھ سال سے تجاوز تھی بعد اسکے فقط تین سو روپے ماہوار مناجان کی اولاد کے لیے کہ دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی تھی سرکار شاہی سے باقی رہے اور امجد علی شاہ بادشاہ ضلف نصیر الدولہ محمد علی شاہ نے حکم دیا کہ اسباب ضبط کیا جائے اور بال بچے لکھنؤ لائے جائیں۔

روشن الدولہ کی سیرت و امانت داری پر اک نظر

باوجودیکہ روشن الدولہ اور ان کے رفقا سلطنت پر حادثی تھے اور شب دروز اسکا ست نکال رہے تھے مال سرکار کے لاکھوں روپے الگ اڑاتے تھے اور روپے پیسے کے لیے رعایا کے کلیجوں میں الگ ہاتھ گھنکھولتے تھے اسپر بھی انکی زر کشی اور طمع کی یہ نوبت تھی کہ اگر ایک پیسہ بھی ناجائز سے ناجائز طریق پر مل جاتا تو اخلاق اور دیانت کو خیر باد کہہ کر اسے بھی نہ چھوڑتے اور کسی لالچ کے کام پر اپنے رتبے اور منصب کا لحاظ نہ کرتے نمونے کے طور پر انکی نیت کا حال ملاحظہ ہو یہ حکایت سننے کے قابل ہے :-

اردو سے علی بن مرزا غالب اپنے شاگرد ششی ہر گوبال تفتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ میں نے

